طبع یازدہم ۶ ۱۹۵۱ء قیمت

نظیر اکبرآبادی

تاریخ ولادت ۱۱۳۸ھ / ۱۷۳۶ء — تاریخ وفات ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ / ۱۲ اگست ۱۸۳۰ء

مصرعہ تاریخ :— مخمس بے سروپا بیت بے دل فرد بے سرشد
۱۸۳۰ء

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

کُلِّیَاتِ نظیرؔ

یعنی

میاں نظیر اکبر آبادی کی بہت سی نادر و نایاب اور غیر مطبوعہ اُردو فارسی غزلیات اور
نظموں پر مشتمل جملہ انواع و اقسام کا سب سے بڑا اور قیمتی مجموعہ

جسکو

مولانا عبد الباری صاحب آسی مرحوم نے مرتب و مدون کیا اور ہند کے مشہور انشا پرداز
مولانا عبد المومن صاحب فاروقی نے اسپر ایک زبردست ادبی و تاریخی
مقدمہ و تبصرہ لکھ کر پایۂ تکمیل کو پہونچایا

باہتمام بابو بنا لال سپرنٹنڈنٹ

مطبع تیج کمار وارث نول کشور پریس لکھنؤ میں چھپکر شائع ہوا

گیارھواں ایڈیشن — جون ۱۹۵۱ء — قیمت [illegible]

قطعۂ تاریخ طبع

از حضرت شفیق صدیقی جونپوری

کیا ندرت آفریں یہ کلام نظیرؔ ہے — ایک ایک نقطہ غیرتِ ماہِ منیر ہے
نظموں میں زندگی ہے یہ ہے تنقید کی مثال — دلکش کلام، طرزِ بیان دلپذیر ہے

لکھ عیسوی میں طبع کی تاریخ اے شفیقؔ
درسِ حیات ہے کہ پیامِ نظیرؔ ہے

۱۹۵۱ء

نظیر کی قلمی تصویر

سرورق پر نظیر کا جو فوٹو دیا گیا ہے اُسے کسی زمانے میں ہمارے نولکشور پریس نے تیار کرایا تھا، یہ فوٹو اُن کے عہد جوانی کا ہے بڑھاپے کی تصویر سے اُسے دور کی بھی کوئی نسبت نہیں معلوم ہوتی خود نظیر نے اپنے بڑھاپے میں اپنا حلیہ یہ بیان کیا ہے۔

سست روش، پست قد، سانولا، ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق میاں
ماتھے پر اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور
تھا وہ پڑا آنکھ اور ابرو کے درمیاں
وضع سبک اسکی تھی پستہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ سیاں
پیری میں تھی جس طرح اس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی اُن دنوں جن دنوں میں تھا جواں

پروفیسر شہباز نے نثر میں نظیر کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بھی اسی دور کی یادگار معلوم ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں۔

"رنگ گندم گوں، قد متوسط، پیشانی بلند اور چوڑی، آنکھیں چمکدار، ناک بلند، داڑھی خشخشی مونچھیں بڑی، لباس وہی جو محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں دہلی کے اندر رائج تھا یعنی کھڑکی دار پگڑی، گاڑھے کا انگرکھا سیدھا پردہ نئی چولی، اُس کے نیچے کرتا، ایک برکا پاجامہ، گھیتلی جوتی، ہاتھ میں خام دار چھڑی، اونگلیوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں" غرض جوانی کا فوٹو اور بڑھاپے کا اصلی حلیہ دونوں قارئین کلیات کے سامنے پیش ہیں۔

فہرست مضامین کلیات نظیر

پیش لفظ

غالباً ۱۹۲۶ء کا واقعہ ہے ایکدن صبح کے سہانے سمے ایک سائل حسب ذیل اشعار پڑھکر بھیک مانگتا سنائی دیا تھا۔

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات — کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اسی کے ترا او نچا رہے ہے ہاتھ — اور یاں بھی تری گذریگی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی — چڑھتی ہے پہاڑوں پہ سدا ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اُسے کی — تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی بابا

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی — جو اور سے کرتی رہی وہ تجھ سے کرے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہے سو گھٹے گی — جبتک تو جیئے گا تجھے یہ چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پر یہ غضب لائے گی بابا

خدا جانے سائل کی پاٹ دار آواز کا یہ اثر تھا یا قادرانہ منظر کشی کا وقت کی لہروں سے ہم آہنگ ہو جانے کا کرشمہ تھا کہ جتنے لوگ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے سب ایکدم گوش برآواز ہو گئے۔ پارے کی طرح ہر ایک کا دل سینے میں مچل رہا تھا کہ سائل سے پوری نظم کس طرح سنی جائے، اور وہ تھا کہ جس دروازے پر بھی پہونچتا بس یہی دو تین بند پڑھتا اور بھیک لیکر آگے بکلتا چلا جارہا تھا، بہرحال دلوں کی بار بار دستک نے اُسے قریب لاکے کھڑا کردیا اور پُر کیف اصرار کے بعد یہ بند اُس سے اور سُنا ئے۔

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا — ہے یہ تو یقین آخرش ایک دن تو مرے گا

پھر بعد ترے اِس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا ، وہ ناچ، مزا دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں چلائے گی بابا

اُس کے تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی اور روح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
وہ کھاوے گا اور ترے تئیں آگ لگے گی تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا یہ تجھے گور میں تڑپائے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن، گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان جیسا ہی اُسے اُس نے کیا خوب پریشان
ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلائے گی بابا

یوں تو میں نظیر کے کلام کو اِس سے پہلے بھی بارہا پڑھ چکا تھا، خوب جانتا تھا کہ اس کا دنیائے شعر و ادب میں کیا رتبہ ہے، مگر اس نظم کو سننے کے بعد ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آج نظیر اور اس کے کلام سے پہلی بار آشنا ہو رہا ہوں۔

دوسرا منظر ۱۹۳۲ء میں مرحوم دوست مولوی یونس حسن صاحب عثمانی پرشین ٹیچر شعیب محمدیہ ہائی اسکول کی دعوت پر آگرہ جانے کا اتفاق ہوا تو آگرہ فورٹ پر اُترتے ہی بالکل اس طرح جیسے کسی نے ایک دم سوا سو برس ادھر کی تاریخ کے دُھندلے مورچے پر لیجا کے کھڑا کر دیا ہو نظیر کی پوری کتاب زندگی سامنے آ کے کھُل گئی۔ وہ انکی سادھو منش صورت، بنڈتانہ وضع بنائے گھُڑیا پر چڑھ کر روزانہ تاج گنج سے دولی خاں کے اجڑے کھنڈروں کو پار کر کے قلعے کے نیچے شاہی محل اور جمنا کی سیر کو آنا اور ترہ بلیا میں گھُڑیا کو چھوڑ کر شہر کے گلی کوچوں میں دو طرفہ چھوٹے بڑے بوڑھے جوان، امیر و غریب، عورت و مرد ہر کسی سے گھل مل کر باتیں کرنا، لوگوں کا فرمائشیں کرنا اور ہنسی مذاق کی باتیں ہونا اور انکا وہ تمام فرمائشیں پوری کر کے دلچسپی لیتے جانا غرض آن کی آن میں یہ سب مناظر ایک ایک کر کے سامنے آئے اور گذر گئے، اسی تصور گراں اور مسلسل جنبش خیال کا یہ نتیجہ تھا کہ آگرے میں اس مرتبہ جتنے دنوں قیام رہا زیادہ تر شعر و سخن ہی سے واسطہ پڑتا رہا، سیماب اکبرآبادی صاحب سے جو اب پاکستان جا کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں اسی سفر میں پہلی ملاقات

ہوئی تھی، اُن سے بھی ایک دن کئی گھنٹے تک نظیر اور محض نظیر ہی کے متعلق تبادلۂ خیال ہوا کیا، وہ نظیر کے متعلق کچھ زیادہ اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے۔ پھر بھی میرے دل میں اُنکی ہمہ گیری کا نقش کبھی ہلکا نہیں پڑا۔

یونس صاحب مرحوم نے میری اسی وقتی دلچسپی ہی کے پیش نظر ایک دن شیعیہ اسکول کے چند اساتذہ اور نظموں اور غزلوں کے اچھے پڑھنے والے کئی لڑکوں کو اپنے یہاں جمع بھی کیا تھا، نام تو یاد نہیں رہا سانولے سانولے رنگ کا ایک نوجوان لڑکا تھا جس کا تعارف غالبًا انھوں نے یہی کہہ کر کرایا تھا کہ اسے نظیر کا کلام بہت یاد ہے اور اسکے والد کے پاس اُن کا غیر مطبوعہ کلام کافی محفوظ ہے چنانچہ میری فرمائش پر مسلسل کئی گھنٹے تک وہ نظیر کا غیر مطبوعہ مرصع کلام سناتا رہا منجملہ اس کے "پری کا سراپا" والی مخمس بھی مجھے اسی نے سنائی تھی جو اب چھپ گئی ہے اور اس کلیات میں شریک اشاعت بھی ہے، الفاظ کی تراش خراش، مضمون کی جدت وندرت اور حسن نازو ضع سے اترتے چڑھتے الفاظ کی بہتات پر پڑھنے والے کا اچھی آواز اور اچھے انداز میں ادا کرنے جانا سب پر ایک رنگ ہی تو جا گیا، آپ ابھی ملاحظہ کیجئے کتنی مرصع اور پختہ زبان استعمال کی گئی ہے۔

خونریز کرشمہ، ناز ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی
مژگاں کی سناں نظروں کی اَنی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہی
عیار نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہے
قتال نگہ اور دشت غضب، آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی گھلاوٹ ویسی ہے

جو کافر اسکا عالم ہے، وہ عالم حور کہاں پاوے
گر پردہ منہ سے دور کرے خورشید کو چکر آ جاوے
جب ایسا حُسن بھبھوکا ہو دل تاب بھلا پھر کیا لاوے
وہ مکھڑا چاند کا ٹکڑا سا جو دیکھ پری کو غش آوے
گالوں کی دمک، چوٹی کی جھمک، رنگوں کی کھلاوٹ ویسی ہی

تھی زور ادا سے سر اوپر سنجاف دوپٹے کی اُلٹی
بلدار لٹیں، تصویر جبیں، چکر کی مینڈھی، پیچی کنگھی
دل پیچ نہ کھاوے اب کیونکر اور دیکھ نہ اُلجھے کیسے جی
وہ رات اندھیری بالوں کی وہ مانگ چمکتی بجلی سی
زلفوں کی کھلت، پٹی کی جمت، چوٹی کی گندھاوٹ ویسی ہی

بیدرد، ستمگر، بے پروا، چنچل، بیکل، چٹکیلی سی
دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
ڈوروں کی بان رنگیلی سی، کاجل کی آن کٹیلی سی
وہ آنکھیں مست نشیلی سی، کچھ کالی سی، کچھ پیلی سی
چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ، سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہے

اس کافر بینی اور نتھ کا انداز قیامت شان بھری
اور گھرے چاہ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھری
وہ نرمے صاف ستارہ سے اور موتی سے دامان بھری
وہ کان جواہر کان بھرے کن پھولوں والی جان بھری
بندوں کی ہلت، جھمکوں کی جھمکت، بالی کی ہلاوٹ ویسی ہے

چہرہ پہ حسن کی گرمی سے ہر آن چمکتے موتی سے
خوش رنگ پسینے کے قطرے سو بار جھلکتے موتی سے
ہنسنے کی ادا میں پھول جھڑیں، باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹ غضب وہ دانت چمکتے موتی سے
پانوں کی رنگاوٹ قہر ستم، دھڑیوں کی جماوٹ ویسی ہے

تقریر بیاں سے باہر ہے وہ کافر حسن اہا ہا ہا
کچھ آپ نئے، کچھ حسن نیا، کچھ جوش جوانی کا اس کا
لپکیں جھپکیں ان باہوں کی میں واہ کہوں کیا کیا
وہ بانکے بازو ہوش ربا، عاشق سے کھیلیں بانک پٹا
پہنچی کی پہونچ پہنچے پہ غضب، بانکوں کی بندھاوٹ ویسی ہے

وہ گورے گورے ہاتھ غضب، وہ نرم کلائی ناز بھری
کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں کچھ جھنکی چوڑی چاندی کی
یہ عالم دیکھ کے عاشق کا سینہ میں نہ تڑپے کیونکر جی
وہ پیاری پیاری انگشتیں وہ پوریں نازک نازک سی
مہندی کی رنگت، فندق کی پھبت، چھلوں کی چھلاوٹ ویسی ہے

کچھ ناز و ادا کی مغروری کچھ جور و جفا کچھ بانک بنا
کچھ آمد حسن کے موسم کی، کچھ کافر جسم رہا گدرا
یہ شور جوانی اٹھتی کا آتا ہے امنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ ابھرا جوش بھرا وہ حسن کا عالم جھوم رہا
شانوں کی اکڑ، گردن کی مڑت، مونڈھوں کی کھنچاوٹ ویسی ہے

اس گورے نازک سینہ پر وہ گہنے کے گلزار کھلے
چمپے کی کلی، ہیرے کی جڑی، توڑے، جگنو، ہیکل، بدھی
دل لوٹے تڑپے، ہاتھ ملے اور جائے نظر ہر دم پھسلی
وہ پیٹ ملائی سا کافر وہ ناف چمکتی تارا سی
شوخی کی کھلاوٹ اور ستم، شرموں کی چھپاوٹ ویسی ہے

ہر آن نرالی ہر اک سے اُس شوخ پری کی محبوبی — کچھ ناز و ادا کی مرغوبی، کچھ شرم و حیا کی محبوبی
اب گننے کی تعریف کروں یا کافر جوڑے کی خوبی — پوشاک سنہری عطر بھری، سر پاؤں جواہر میں ڈوبی
جگنو کی دمک، سینہ کی صفا، کرتی کی پھبناوٹ ویسی ہے

وہ کافر دھج، جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے — پازیب، کڑی، پایل، گھنگرو، کڑیاں، جھڑیاں، گجری توڑے
ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پر سو جھگڑے — وہ چنچل چال جوانی کی اونچی ایڑی نیچے پنجے
کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک، ٹھوکر لگاوٹ ویسی ہو

قاتل ہر آن نیا عالم، کافر ہر آن نئی جھمکیں — بانکی نظریں، ترچھی پلکیں، بھولی صورت میٹھی باتیں
دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب، جی لینے کی سو سو گھاتیں — ہر آن پھبن، ہر وقت سجیں، ہر دم میں بدلے لاکھ دھجیں
آنکھوں کی لگاوٹ قہر ستم، باتوں کی رُکھاوٹ ویسی ہو

تصویر کا عالم نک سک میں پھبن تختی عافت پری کی سی — کچھ چین جبیں کی اینٹھ رہی اور ہونٹوں میں کچھ کالی سی
بیدردی سختی بہتیری، اور مہر و محبت تھوڑی سی — جھوٹی عیاری، ناک چڑھی، بھولی، سیانی، پکی سی
ٹھٹھوں کی اُڑاوٹ اور غضب، قہقہ کی ہنساوٹ ویسی ہو

نظروں میں صاف اڑا لے دل، اس طور کی کافر عیاری — اور ہٹ جاوے سو کوس پرے، گر بات کہو کچھ مطلب کی
آنکھیں ہاے نیلے، چھیڑے، جھڑکے، دھتے گالی — ہر آن "چہ خوش" ہر دم "اچھا" ہر بات ہنسی کی چہل بھری
رمزوں کا ضلع، غمزوں کا جگت، پھبتی کی پھباوٹ ویسی ہو

پر ہوش قیامت کافر کا جو بات کہو وہ سب سمجھے — روٹھے مچلے، سو سوانگ کرے، باتوں میں لڑے نظروں میں ملے
یہ شوخی اور یہ بیتابی اک آن کبھی نچلی نہ رہے — چنچل، اچپل، مٹکے چٹکے، سر کھولے ڈھانپے ہنس ہنس دے
بانہوں کی جھٹک گھونگھٹ کی ادا، جوبن کی دکھاوٹ ویسی ہو

اک شور قیامت ساتھ چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن — بلدار کمر، رفتار غضب، دل کا قاتل، جی کا دشمن
مذکور کروں میں اب یارو اُس شوخ کا کیا کیا چنچل پن — کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، اُچھلیں بازو، پھڑکے سب تن
گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہے

جو ایسا حسن کا دریا ہو کس طور نہ لہروں میں بہیئے ۔۔۔ گر مہر و محبت ہو بہتر ورنہ جو جفا ہو تو سہیئے
دل لوٹ گیا ہے عشق ہو کر بس اور تو آگے کیا کہیئے ۔۔۔ ملجائے نظیر ایسی جو پری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیئے
بوسوں کی جھپک بغلوں کی لپٹ سینوں کی ملاوٹ ویسی ہی

تیسرا واقعہ روزنامہ آفتاب کے عہد ادارت میں ایک بار میرا لاہور (جواب بدقسمتی سے انڈین یونین سے کٹ کر پاکستان کی قسمت میں سنہرا ستارہ بنکے چمک رہا ہے) جانے کا اتفاق ہوا، اخبار نویسی کے برادرانہ تقاضے پر جہاں اور بہت سے جدید و قدیم اہل قلم حضرات کی زیارت کا موقع ملا مولانا عبدالمجید قریشی مرحوم ایڈیٹر اخبار ایمان کا نام خاص طور پر قابل تذکرہ ہے۔ وہ ایک کامیاب ادیب اور صحیفہ نگار ہی نہیں تھے شعر و سخن اور مذہبی پالیٹکس کے اندر خاصی مہارت بھی رکھتے تھے، ایک دن اردو ادب کے ارتقار پر بحث چھڑ گئی تو فرمانے لگے کہ اردو ادب پر غالب نے جس قدر نئے نئے الفاظ وضع اور نئی نئی ترکیبیں ایجاد کر کے احسان کیا ہے اسکی مثال کسی دوسرے شاعر کے یہاں مشکل سے مل سکے گی، میں زیادہ بے تکلف نہ تھا اس لئے اور کچھ نہیں ڈرتے ڈرتے یہ کہہ ہی اُٹھا کہ غالب کے کلام کو شاید آپ نے قریب سے نہیں ملاحظہ کیا ہے اسکی تو ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ خود اُردو کی اقلیم میں بیدل کی جگہ پر فائز ہو جائے اور زبان اُردو اپنے ہونٹوں پر فارسی کا بنا ہوا قفل چڑھالے، البتہ اس خدمت کو شاہ حاتم، شاہ نصیر، مومن، جرأت، انشاء وغیرہ کے ساتھ اگر کسی نے کچھ انجام دیا ہے تو وہ نظیر ہے، اس پر قریشی صاحب بہت ہی چیں بجبیں ہو گئے تھے اور سختی کے ساتھ مجھ سے میرے دعوے کی دلیل مانگنے لگے تھے بات یہاں تک بڑھی کہ مجبوراً مجھے رشتۂ سخن بدل دینے کے لئے گذارش کرنا پڑی، مگر انکی یہ گفتگو بہت دنوں تک میرے دل و دماغ میں کھٹکتی رہی اتفاق سے لکھنؤ آکر ایک دن کہیں سے کچھ کلام نظیر میرے ہاتھ لگ گیا اور اس میں حسب ذیل ایک سراپا اور ایک غزل مجھے اپنے دعوے کے ثبوت میں قریشی صاحب کو بھیجنے کے لئے دستیاب ہو گئی، آپ بھی سُنئے اور انصاف سے غور کر کے بتایئے کہ یہ بات بھلا غالب کے یہاں کہاں مل سکتی ہے،

غزل ارشاد ہوتی ہے۔

دکھا کر ایک جھلک دل کو نہایت کر گیا بیکل ۔۔۔ پریرو، تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل

وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اس کو شرمندہ — قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل
کفوں میں اونگلیوں میں لعل لب میں، چشم سگوں میں — حنا آفت، ستم فندق، مسی جادو، فسوں کاجل
بدن میں جامۂ زرکش، سراپا جس پہ زیب آور — کرٹے، بندے، چھڑے، چھلے، انگوٹھی، نورتن، ہیکل
نزاکت اور لطافت وہ کہ ہاں تک کہ حیران ہوں — سمن، گل، لالہ، نسرین، نسترن، دُرِ ابرنیاں، مخمل
سراسر پُر فریب ایسا کہ ظاہر جسکی نظروں سے — شرارت، شوخی، عیاری، طرح، پھرتی، دغا، چھل بل
نظیر اک عمر عشرت ہو ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل

دوسری نظم ہے جس میں "سمدھن" کا سراپا پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے — پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے
کھنچی کنگھی، گندھی چوٹی، جمی پٹی، لگا کاجل — کمان ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہے
جبین مہتاب، آنکھیں شوخ، شیریں لب، گہر دنداں — بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہے
نیا کمخواب کا لہنگا جھمکتے تاش کی انگیا — کچیں تصویر سی، جن پر لگا گوٹہ کناری ہے
ملائم پیٹ مخمل سا، کلی سی ناف کی صورت — اٹھا سینہ، صفا پیڑو، عجب جوبن کی ناری ہے
سرین نازک، کمر پتلی، خط گلزار رومادل — کہوں کیا آگے اب اسکے، مقام پردہ داری ہے
لٹکتی چال، مدھ ماتی، چلے بچھو کو جھنکاتی — ادا میں دل لئے جاتی، عجب سمدھن ہماری ہے
بھرے جوبن پہ اتراتی، جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے

جس خط میں یہ دونوں نمونے میں نے قریشی صاحب کی خدمت میں روانہ کئے تھے آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اگر موقع ملا تو پھر کبھی اور بھی اس بحث پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا

معلوم نہیں یہ الفاظ کس آن زبان قلم سے برآمد ہوئے تھے کہ آج ایک دو اور دس بیس صفحے نہیں پورے دو سو ساٹھ صفحہ کی تازہ مرتب کلیاتِ نظیر کے فارم میرے سامنے بکھرے ہوئے ہیں اور اس بےجینے

سیکڑوں نمونے مجھے پیش کرنے کی توفیق حاصل ہے۔

یہ تازہ کلیات میرے مخلص دوست مولانا عبدالباری آسی مرحوم نے ۱۹۳۵ء میں اُردو، فارسی، عربی لٹریچر کی اشاعت کے لامثال مرکز اشاعت مطبع نول کشور لکھنؤ کے ایما پر ترتیب دینا شروع کی تھی اور غالباً ساڑھے چار سو، پانچ سو صفحہ کا مٹیریل کتابت کی منزلوں سے گذر کر پریس میں چلا بھی گیا تھا کہ اچانک قدرت کے طاقتور ہاتھوں نے اُن کے دست و قلم کو دوامی سکوت و خموشی کا حکم دے دیا اور دوسرے لوگ انکی جگہ پر آکے بیٹھ گئے۔ ظاہر ہے کہ ایک کا قائم کیا ہوا منصوبہ کوئی دوسرا کیونکر اس پیمانے پر پایۂ تکمیل کو پہونچا سکتا تھا مگر بہرحال اس ادھوری دولت کو لٹنے سے بچانا تھا اسلئے کسی نہ کسی طرح اس مطلع پر مقطع لگ ہی گیا۔ مگر قدرت کی یہ ستم ظریفی تو ملاحظہ کیجئے کہ مقدمہ و تبصرہ لکھا نہیں جاسکا تھا کہ پھر ایک اور سانحہ پیش آگیا اور اسکی تان مطبع و کتبخانے کے دو ٹکڑوں کی شکل میں بٹ جانے کی صورت میں آکے ٹوٹی، آخر شش اپنے پردادا منشی نول کشور صاحب بہادر کے وارث کشور تیج کمار صاحب مالک تیج کمار پریس و تیج کمار بکڈپو نے مجھے یہ خدمت سپرد کی اور حکم دیا کہ بارہ تیرہ دن کے اندر اسکی تکمیل ہو جانا چاہیئے۔ ازبسکہ وقت بہت کم تھا اور کام بہت اہم تھا پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ جس طرح بنا "سیہ کاری" کا فرض حکم کے مطابق ادا کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

عبدالمومن الفاروقی غفرلہ

۵ جولائی ۱۹۵۱ء

مقدمہ

کسی ذات خاص یا شخص مخصوص کی خدمتوں پر اگر بحث کرنا ہوتی ہے تو سب سے پہلے خود اس شخص کی سیر و سوانح، زمانے ماحول اور اس فن کے بعض گوشوں کی بے نقابی کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے، اس اصول کے پیش نظر مجھے بھی سب سے پہلے فن شعر کی تاریخ اور اس کے عیوب و محاسن پر روشنی ڈالتے ہوئے نظیر کے حالات زندگی۔ اسکے عہد کردار اور کلام کو تنقید و تبصرے کی کسوٹی پر کسنا چاہیئے مگر صفحات مختصر اور کام بہت طولانی ہے اسلیئے مجبوراً صرف فن شعر کے تاریخ آغاز پر چند الفاظ سپرد قلم کر کے نظیر اور کلام نظیر کو آپکے سامنے رکھ رہا ہوں۔

علامۂ علاء الدین سکنواریؒ نے بحوالۂ ابن جریر طبری حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے نقل کیا ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کے خون سے ہاتھ رنگین کیئے ہیں اور حضرت آدمؑ کو اس حادثۂ فاجعہ کی خبر ہوئی ہے تو انتھائی صدمۂ و اذیت میں آپ کی آنکھ سے آنسو اور زبان سے یہ مقفی و مسجع الفاظ اشعار جاری ہو گئے تھے،

تغیرت البلاد و من علیھا   فوجہ الارض مغبر قبیح
وقتل قابل ھابیل ظلماً   فوا اسفا علی الوجہ الملیح

ارى طول الحیاۃ علی غما
وما انا فی حیاتی مستریح

علامۂ مسعودی کا بیان ہے کہ یہ اشعار جوں ہی حضرت آدمؑ کی زبان سے جاری ہوئے ہیں شیطان نے پردہ کے پیچھے سے اسی بحر و قافیہ میں ان اشعار کا جواب اشعار ہیں بطور تعزیت کے دیا تھا،

نفس شعر کے حسن و قبح پر بحث کرنا اس وقت میرا کام نہیں ہے مجھے تو اس وقت صرف یہ حقیقت

آپ کے سامنے لا کے رکھتا ہے کہ شعر کا آغاز کب، کیسے اور کیونکر ہوا اور افادی نقطۂ نظر سے کارگاہ حیات میں اُس کا کیا مقام ہے۔

فلسفے کی نظر میں حصول علم کا جو مقصد عظیم قرار دیا گیا ہے اُس کا خلاصہ بس یہی ہے کہ انسان کی زندگی کو آسان و خوشگوار بنانے کی تدابیر دریافت کی جائیں چنانچہ صاحبان علم و عقل کو اس کام کے واسطے خاص طور پر بہت سے علوم و فنون ایجاد کرنا پڑے ہیں، فنون لطیفہ یعنی معماری، سنگتراشی، نقاشی، موسیقی اور شاعری وغیرہ بھی سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ان فنون سے انسان کی اخلاقی تربیت پر جس قدر گہرا اور جلد اثر پڑتا ہے اسکی بتانے کی ضرورت نہیں لیکن یہ تصریح کئے بغیر رہا بھی نہیں جاتا کہ شاعری کا درجہ بہرحال ان سب میں بلند و اعلیٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان نظام معاشرہ میں جہاں جہاں اس فن سے زیادہ کام لیا گیا ہے دنیاوی فلاح و بہبود اور ترقی کی صورتیں زیادہ وسیع نظر آتی ہیں۔

اسی اصول سے شاعری کی بہت سی قدریں بھی مرتب کی جاسکتی ہیں مگر میں بات کو زیادہ لمبا نہیں کرنا چاہتا پھر بھی کلیہ کے طور پر شعر کی اس اصل و روح کو کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیجئے کہ وہ ہمہ گیریت کے علاوہ کبھی کسی قسم کی قیدو بند یا فرقے وارانہ طبقے دارانہ رسوم و عقائد کو ایک منٹ کے لئے بھی نہیں برداشت کرسکتا، اُس کا کام تو دنیا میں محض پریم و محبت کا سبق عام کرنا اور خدا کے بخشے ہوئے جوہر انسانیت کو پھولوں کی سیج اور خوشبو سے بسی ہوئی آرام گاہ کا راستہ بتا دینا ہے اور بس اگر بقول مخمور صاحب کے یوں عرض کیا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ وہی شعر صحیح معنی میں شعر کہے جانے کا مستحق ہے جس میں ہمہ گیریت کے سارے خواص مشترک ہوں، ہمہ گیری سے مراد یہ ہے کہ شعر کی بنیاد ایسے خیال پر قائم ہونی چاہیئے جو زمانہ، ملک، قوم اور رنگ و نسل کے اختلافات سے گذر کر تمام نوع انسانی پر یکساں موثر ہو اور جس میں ساری دنیا کو اپنے مفاد، اپنے تفنن، اپنے تفریح اور اپنی فطرت کا آئینہ نظر آئے لیکن اس قسم کے شعراء کی ہر زبان اور ہر ملک میں کمی ہے جنکے تخیل کی وسعت زمان و مکان اور رنگ و بو سے بے نیاز ہو کر عالم اور ماورائے عالم کو محیط ہو جائے۔

شعری ادب کے باب میں اُردو زبان دنیا کی دوسری مہذب و متمدن زبانوں سے کسی طرح پیچھے اور

سچ نہیں اگر تلاش کیا جائے تو اس میں بھی ایسے شاعر جو درحقیقت اصلی شاعر کہے جانے کے مستحق ہیں کچھ نہ کچھ ضرور مل جائیں گے۔ میرے خیال میں اگر واقعات کا تجزیہ کیا جائے گا تو نظیرؔ کو اردو شاعروں کی اس صف میں آپ رہبری و رہنمائی کے بلند مقام کا مالک پائیے گا۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نظیرؔ اس پایہ کا شاعر ہے تو پھر پرانے تذکرہ نگاروں اور چوٹی کے نقادانِ فن نے نظیرؔ کی سیر و سوانح لکھنے اور اسکے کلام پر تنقید و تبصرہ کرنے سے اتنا گریز کیوں کیا ہے، اور اگر حقیقت پوچھئے تو صرف یہی نہیں ہوا ہے بلکہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اور مولانا حالی نے تو کھلی کھلی اس پر چوٹیں بھی کسی ہیں۔

مولانا آزاد اپنے تذکرۂ آبحیات میں لکھتے ہیں:۔

"ہمارے تذکرہ نویسوں کا دستور ہے کہ جب شاعر کا حال لکھتے ہیں تو اسکے اشعار بھی انتخاب کر کے لکھتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ فیضانِ سخن رائے گاں نہیں جاتا، نظیرؔ کے بعض شعر ایسے ہیں کہ میرؔ سے پہلو مارتے ہیں، پس اگر نظیرؔ کا ذکر لکھ کر اس کے چند شعر منتخب لکھ دیئے جاویں تو ناواقف سوائے اس کے کہ نظیرؔ کو میرؔ کا ہم پلہ شاعر سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے۔"

اسی طرح مولانا حالیؔ اپنے دیوان کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

"آجکل یورپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اس بات سے کیا جاتا ہے کہ اس نے اور شعراء سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کئے ہیں، اگر ہم بھی اسی کو معیارِ کمال قرار دیں، تو بھی میر انیسؔ کو اردو شعراء میں سب سے برتر ماننا پڑے گا، اگرچہ نظیر اکبرآبادی نے شاید میر انیسؔ سے بھی الفاظ استعمال کئے ہیں مگر اسکی زبان کو اہلِ زبان کم مانتے ہیں، بخلاف میر انیسؔ کے کہ اس کے ہر لفظ اور ہر محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔"

اسی قسم کے خیالات شیفتہؔ وغیرہ نے بھی ظاہر کئے ہیں مثلاً "گلشنِ بیخار" میں نظیرؔ کے حلم، خلق، انکسار وغیرہ کا اعتراف کرنے کے باوجود شاعری کا ذکر کرتے ہوئے کہہ گئے کہ ——— "اس کے بہت سے اشعار

جو سو قیوں کی زبان پر جاری ہیں اور ان اشعار پر نظر رکھتے ہوئے ان کو شعراء کی صف میں شمار نہ کرنا چاہیئے؟
میرے نزدیک تینوں مذکورۂ بالا تذکرہ نویسوں کے خود الفاظ ہی اُن کی مداہنت کا پردہ چاک
کر کے اصل حقیقت کو وانشگاف کر بھی رہے ہیں اس لحاظ سے ایسے نقادوں کی ایسی تعریفیں یا ان کے
علاوہ بعض تذکرہ نگاروں کا اُن کے متعلق سکوت و خموشی اختیار کر جانا دونوں باتیں بے وقعت ہو کے
رہی جاتی ہیں ، ہاں ان حرکتوں کا یہ نتیجہ ضرور پیدا ہو گیا کہ نظیر کے جوہر ذاتی سے دنیا کو متعارف ہونے
میں کچھ دیر ہو گئی اور جتنا اسکی قدر و منزلت ہونا چاہیئے تھی وہ نہیں کی جاسکی گی ہم دیکھتے ہیں کہ مستقبل
اپنے ماضی کی اس غلطی کا اب شدت کے ساتھ احساس کرتا جارہا ہے اور کیا عجب ہے کہ کلام نظیر کے آئندہ
ایڈیشنوں میں کچھ اور میٹریل کبھی کہیں سے دستیاب ہو کر شریک اشاعت کیا جاسکے۔

اب میں تمہید کے ان اجزا کو ناتمام چھوڑ کر تذکرہ نویسی کے عام قاعدے کے مطابق سیر و سوانح
سے اپنے مقصد کو آغاز کرتا ہوں ،

سیر و سوانح | سید ولی محمد متخلص بہ نظیر اکبر آبادی ۔ اُن کے والد کا نام سید محمد فاروق تھا ۔ نوری دروازہ آگرہ میں
رہا کرتے تھے ۔ شرفائے اکبر آباد سے تھے ۔ ان کے والد عظیم آباد کے کسی نواب کے مصاحب ہو گئے تھے ۔ ان کو
نواب سلطان خاں قلعہ دار آگرہ ابن اختر خاں کی دختر بیاہی گئیں ۔ نواب سلطان خاں دہلی کے رہنے والے
تھے ۔ عرصہ سے آگرہ آرہے تھے ۔ سید محمد فاروق کے کوئی اولاد عرصہ تک نہ ہوئی ۔ اُن کی بیوی فقرا کی آستانہ
بوسی میں لگی رہتی تھیں ۔ اتفاقاً ایک دن اُن کے مکان پر ایک شاہ صاحب آ گئے انھوں نے اپنا مدعا عرض
کیا اور دعا کی طالب ہوئیں ، بزرگ نے ارشاد فرمایا " پھولوں کا دونہ روزانہ ایک ہفتہ تک جمنا میں چھوڑ دا کو
خدا نے چاہا تو جیتا جاگتا بیٹا پاؤ گی اور اُس بچے کی خوشبو سے دور دور مہک پھیلے گی "

مولوی عبد الغفور صاحب شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج نے اپنی نایاب تالیف " زندگانی بے نظیر "
میں لکھا ہے کہ نظیر سے قبل محمد فاروق صاحب کی بارہ اولادیں فوت ہو چکی تھیں یہ تیرھویں تھے اور بہت
ہی دعاؤں اور تمناؤں کے بعد زندہ بچے تھے اس لئے ماں باپ اور عزیز و اقارب سب ان پر اپنی جان
چھڑکا کرتے تھے ۔ شہباز صاحب کا بیان ہے کہ ماں باپ نے نظر بد سے بچانے کے لئے ان کے کان ناک

چھدوا کر بالکل لڑکی سا بنا رکھا تھا۔
زندگانی بے نظیر کی اصل عبارت یہ ہے۔

"فقیر نے بشارت دی کہ جا خوش ہو۔ ایک لڑکا تیرا زندہ ہوگا، زندہ رہے گا اور تیرے نام کو زندہ کرے گا، قابلیت اسکی غنچے کی طرح شگفتہ ہوگی اور خوشبو اسکی پھول کی طرح ہر جگہ پھیلے گی ——— نویں مہینے میاں نظیر جان عدم سے مکتب ظہور میں آئے، چونکہ کئی اولادوں کو مار کر ہوئے تھے اس لئے ناک کے ساتھ دونوں کان بھی چھید دئیے گئے ——— ناک میں بلاق اور کانوں میں دُر لٹکا دیئے گئے۔"

پیدائش | میاں نظیر ۱۱۴۸ھ مطابق ۱۷۳۵ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ ماں باپ کے سایہ میں پرورش پائی یہی سال ہے کہ میر تقی میر گیارہ برس کی عمر میں اپنے سوتیلے ماموں قاضی سراج الدین علی خاں آرزو اکبرآبادی کے پاس دہلی چلے گئے تھے۔ اسوقت آگرہ کا صوبہ دار نصرت یار خاں تھا۔ علمی مجالس قائم تھیں۔ میر ہادی فضایل خاں ملا محمد سعید اعجاز۔ ملا زاہد خلف قاضی محمد اسلم ہروی کے تلامذہ کی گرم بازاری تھی۔ یہ ضرور ہے کہ کچھ دن پہلے شاہ مبارک آبرو۔ شرف الدین مضمون۔ اسد اللہ انسان آگرہ سے جا چکے تھے۔ احسان اللہ شیخ وقت کا دور تھا عیدگاہ کے پاس قیام تھا۔ بایزید قلندر سرائے گیلانی میں رہتے تھے۔ محمد باعث عالم صوفی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ سید عالم گنج میں مقیم تھے اُن کے پاس ہی میر تقی میر کے والد سید علی متقی رہا کرتے تھے۔ یہیں ابوالفتح اکبرآبادی طبیب کا مطب بھی تھا۔

میاں نظیر نے ہوش سنبھالا تو مولوی محمد کاظم۔ ابن مولوی دوست محمد نبیرہ میر رفیع الدین محدث متوفی ۱۱۹۰ھ۔ ملا ولی محمد شارح مثنوی مولانا روم متوفی ۱۲۰۱ھ۔ اسلاف کے آثار علمیہ پر فضل و کمال کی مجلس قائم کئے بیٹھے تھے۔ طالبان علم انکی درسگاہوں سے فیض یاب ہوتے۔ اُن ہی کی سیر میاں نظیر نے بھی کی۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نظیر آگرے میں نہیں دہلی میں پیدا ہوئے تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مغل امپائر کا ستارۂ اقبال زوال کی طرف مائل ہو چکا تھا اور محمد شاہ ثانی کو سید حسین علی اور سید عبداللہ نے جو تاریخ میں بادشاہ گر کے نام سے مشہور ہیں شہنشاہ ہند کی حیثیت سے تخت پر بٹھا دیا تھا اسی زمانے

میں دہلی پر نادر شاہ کا حملہ ہوا تھا اور بعدہٗ جب ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے چڑھائی کی تو نظیر بائیس تیئیس سال کی عمر میں اپنی ماں اور نانی کے ساتھ دہلی چھوڑ کر اپنے سابق وطن آگرے میں مٹھائی والے پل کے پاس آکے آباد ہو گئے جیسا کہ خود انکی ایک مخمس سے کچھ مترشح بھی ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں — کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں — ہر وقت اس میں شاد رہے جہاں جہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

نظیر کی سیرت کے تفصیلی واقعات کتب تاریخ میں بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتے مگر قدرت نے نظیر کے دماغ میں دور کی سوجھ بوجھ کی جو اہلیت و قوت عطا کر رکھی تھی اس سے اُس نے اپنے ابنائے وطن اور رفقائے زبان کے آئندہ طرز سلوک کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا اسی بنا پر اس باب میں بھی کبھی اُس نے کسی کی محتاجی یا احسان کا بار نہیں اٹھایا اچھی خاصی مقدار میں خود ہی سیر و سوانح، اپنے مشاغل خانگی، شکل و صورت علم و قابلیت اور پیشہ و کاروبار وغیرہ وغیرہ سب کچھ وہ اپنے اشعار ہی میں دنیا کو بتا گیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر شہباز نے نظیر کے کلام ہی سے اخذ کر کے انکی تعلیم کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ یوں انکی بسم اللہ ہوئی، یوں انھوں نے ماہ ڈیڑھ ماہ میں بغدادی قاعدہ ختم کیا اُستاد کو قاعدہ کی ختم کرائی کا انعام ملا۔ پھر پارۂ عم شروع ہوتے وقت فاتحہ ہوا مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد شیخ سعدیؒ کی کریما شروع کرائی گئی اور اس کے ساتھ ہی ہونہار بچے کی ذہانت اور روانیٔ طبع کے جوہر بھی کھلنے لگے۔ فارسی کی دوسری ابتدائی کتابوں کا امتحان، خالق باری، آمد نامہ، محمود نامہ، عطائی نامہ کا نمبر اس کے بعد آیا پھر گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، انشائے خلیفہ، ظاہر وحید، انشائے منیر، یوسف زلیخا، ابو الفضل، سہ نثر ظہوری، قصائد عرفی و خاقانی وغیرہ ختم کرائی گئیں، عربی تعلیم کچھ یوں ہی سی رہی مگر جتنی بھی تھی وہ بولنے، لکھنے پڑھنے اور سمجھنے کے لئے کافی اور بہت کافی تھی اور یہ تو اُن کی جودت طبع اور دماغی ذکاوت و ذہانت کی بات تھی کہ جاننے سے زیادہ کام وہ ہر چیز سے کام لے لیا کرتے تھے اور یہ تو بالکل مسلم ہے

فارسی پر اُنھیں بہت اعلیٰ درجے کا عبور حاصل تھا۔ زندگی بھر اسی کے درس و تدریس میں مشغول رہ کر اپنی روزی مہیا کیا کیئے۔

اُن کی ابتدائی زندگی اور مشاغل ذاتی معلوم کرنے کے لیئے اُن کی وہ مسدس بہت کافی ہے جس میں وہ اپنے محبوب کو مخاطب کر کے بتا رہے ہیں کہ وہ ابتک کن کن کھیلوں کو کھیل چکے ہیں مثلاً لکھتے ہیں۔

گے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنے باری　　زنار باندھا قشقہ کھینچا ہے ہو پجاری
جوگی بھی بن چکے ہیں، منڈل بھی سنواری　　آزاد بن کے اس دم ہیں دید کے بھکاری

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اڑایا　　شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑکھڑایا
بانک وپٹا و بلم، گتکا و لٹھ پھرایا　　جھمکا تمہارا اس دم ہم کو جو یاد آیا

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے پچھیرے کا پالا　　اس جال میں بھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
پنجرا، لگھری۔ طوطا، مستکرا، اتنکار والا　　اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر لے لالا

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اتارا　　کتنے پری رخوں کو جا پھیرنے میں مارا
تصویر میں بچپنا بھی کتنے دنوں بچارا　　اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر، یارا

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

کشتی میں ہم نے کتنی مدت بدن کو توڑا — سو گلبدن کے تن کو من مانتا مروڑا
جو ڈھب تھا اس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا — اب خوبرو کا پیارے اپنیا میں دیکھ توڑا

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اور پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

جوڑے کبوتروں کے پھر کتنے دن اڑائے — کنکوے اجنگ، گڈی، تُکّل، پتنگ بنائے
کھٹ والے بن ہزاروں چھاتی تلک لگائے — ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اور پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

پھر لال بھی لڑائے اور گل دُمیں بھی پالیں — جنگل میں دل لگا کے اور بدڑیاں پھنسالیں
ڈبوں میں ڈالی مکھی بل سکڑیاں بنالیں — کیا کیا نہ ہم نے پیارے بہروپیاں چھپالیں

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اور پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

خرادی ہو کے ہم نے لٹو چکئی بنائے — اس میں بھی کتنے لڑکے خراد پر چڑھائے
پھر ہو کے سرمے والے سرمے بہت لگائے — ریچھوں تلک لڑائے بندر تلک نچائے

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اور پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

اسی طرح کا ایک اور مسدس "دید بازی" کے عنوان سے بھی ہے جو کلیات میں نظر آ رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے شعرا کی طرح نظیر نے مہ رخوں کی ملاقات کے لئے صرف مصوری ہی نہیں اور بھی ہزاروں جتن اور کرتب اختیار کئے ہیں یہاں تک کہ ریچھ اور بندر بھی نچایا، آم رجامن کے ٹوکرے بھی سر پر اٹھائے، دال موٹھ اور پاپڑ کی دکان بھی لگائی۔ اگر ان تمام باتوں کو خالی شاعری اور نرا مبالغہ نہ تصور کیا جائے تو صاف یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ نظیر زندگی کے ہر رنگ کو خود اپنے کو رنگین

کر کے دنیا کے سامنے ظاہر ہوا کرتا تھا عام شعراء کی طرح محض سُنی سنائی باتوں پر اُس کے قلم اور قدم کو کبھی جنبش نہیں ہوا کرتی تھی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو بقول نقادانِ فن کے ہندوستان کے کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔

نظیر جس مزاج کا آدمی تھا اور کلام سے مترشح بھی ہے اس نے عمر کا بڑا حصہ لہو و لعب میں صرف کیا۔ عوام کی سوسائٹی میں شریک تھا لوگ پچیسی کھیل رہے ہیں تو یہ بھی برابر کا شریک ہوا ہو رہا ہے تو اس میں بھی داؤ لگانے کو حاضر ہے۔ شطرنج میں بند نہیں گنجفے میں عاری نہ تھا۔ چوسر کا پانسہ ایسا پھینکتا کہ بگڑی بازی بن گئی۔ گڈیاں بھی کھیلیں۔ کبوتر بھی اُڑائے۔ لال بھی لڑائے تیر بھی۔ کنکوے سے بھی شوق رکھا۔ غرض کسی کھیل میں کم نہ تھے۔ چنانچہ شطرنج پر اسکا یہ بند ملاحظہ ہو۔

عجب یہ شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن رات خوب اس جا　　جو بات چاہے کرے کسی کو نہ آوے ہرگز اس کو مات اس جا
ہزاروں منصوبے دل میں باندھے تانے بھالو کی گھات اس جا　　نہیں ہے اک چار چوک قائم بھلوں کی بازی ہے مات اس جا

بڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کبوتر بازی کا شوق بہت تھا۔ کہتے ہیں ؎

اپنے تو لڑکپن سے ہیں دم ساز کبوتر

کیا بلبل و قمری و چھپو پدڑی و پدڑے　　جھنڈولی، اگن، لال، بئے، ابلقے، طوطے،
کیا طوطی و مینا، بئی، تیتر و شکرے　　طائر ہیں غرض بازی و اشغال کے جتنے
کی غور تو ہیں سب میں سرافراز کبوتر

ایک اور شعر میں اسی کبوتر بازی سے اپنی دلچسپی کا یوں اظہار کیا ہے۔

تاروں کے وہ انداز نہیں دل اب کس سے لگا دیں
جو کرتے ہیں چھتری کے اُوپر ناز کبوتر

ہندوانی تہواروں سے بہت دلچسپی لیتے تھے۔ دیوالی ہو یا ہولی۔ راکھی ہو یا اور کچھ دل و جان

سے لطف اُٹھاتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ ہندو اور مسلمانوں میں کوئی بیگانگی نہ تھی۔ وہ مقامی تہذیب و تمدن میں رنگ گئے تھے۔ خواہش میں مبتلا ہونا بھی ایک طرح کی وضعداری سمجھی جاتی تھی۔ میاں نظیر بھلا اس وابستگی سے کیسے بچے رہتے۔ وہ خود جینوا کا سوانگ بھرتے۔ خوشترو ہمراہ ہوتے۔ شہر کی گلیوں میں گشت لگتا۔

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس کی خاطر کئی مرتبہ برج تک گئے اور ہولی کی رنگ رلیاں منا آئے۔ یہی حال ان کے یہاں دیوالی اور دسہرے کا تھا۔ ایک جگہ کہتے ہیں:۔

ہے دسہرے میں بھی یوں تو فرحت و زینت نظیرؔ
پر دوالی بھی عجب پاکیزہ تر تہوار ہے

ہندو تہواروں میں بسنت انھیں بہت بھاتا تھا ؎

مل کر صنم سے اپنے ہنگامِ دل کشائی
ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جاں بسنت آئی

بہرحال بچپنا اور جوانی کا ابتدائی حصہ بہت ہی خوشی اور مسرت کے جھمیلوں میں گذرا ناز و نعم اور فارغ البالی نے اُن کو آزاد اور بالکل آزاد بنا رکھا تھا ہر صحبت اور ہر سوسائٹی میں شرکت کرتے ہر میلے ٹھیلے اور تہوار میں عملی طور سے حصہ لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں بچپن کے کھیل تماشوں، تہواروں اور مشاغل لہو و لعب کی جو تفصیل ملتی ہے وہ اُردو کے کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتی مثلاً دیوالی کے تذکرے میں کہتے ہیں:۔

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی — پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاسے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی — کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

اسی طرح شب برات کے سلسلے میں کہتے ہیں:۔

آکر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی ۔۔۔ اڑ بے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہو گئی گلے کا ہار، پٹاخے کی ہر لڑی ۔ ۔۔۔ پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم زڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

اُس زمانہ میں فٹ بال، کرکٹ، ہاکی، ٹینس، سنیما، سرکس وغیرہ کا تو کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ اُن کی جگہ کبڈی، پتنگ بازی، شطرنج، گنجفہ، کبوتر بازی وغیرہ کا چلن تھا، میاں نظیر ان سب باتوں کے اندر اپنی جوانی میں طاق تھے، پتنگ کے پیچ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اگر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں " دیکھیو ۔۔۔ رہ رہ کے اس طرح سے نہ اب دیجئے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں او میاں رکھیو ۔۔۔ پھر ایک سر گرا دے کے ابھی اسکو کاٹ دو
ہے گا، اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

دلی سے جب آگرہ منتقل ہوئے تو وہاں بھی سیر و تفریح نے ساتھ نہ چھوڑا، وہاں بھی ہر سال برسات میں پیراکی کا تماشا ہوتا تھا۔ نظیر کے سے خواص سخن کی روانی طبع اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

کچھ ناچ کی بہاریں، پانی کے کچھ لتاڑے ۔۔۔ دریا میں مچ رہے ہیں اندر کے سوا اکھاڑے
لب ریز گل رخوں سے دونوں طرف کگارے ۔۔۔ بجرے و ناؤ جھوڈونگی بنے نواڑے
ان جھمگھٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں۔

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے بارے ۔۔۔ پیراک اس میں پیریں گویا کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے گورے پیارے ۔۔۔ پھرتیں بہہ رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جوانی دیوانی تھی "موتی" کو دل دے بیٹھے۔ شب و روز خوش وقتی میں گزرنے لگے۔ اٹھائیسویں سال گرہ تھی کہ سورج مل جاٹ خلف بدن سنگھ جو صفدر جنگ وزیر احمد شاہ کا منھ لگا تھا، ۱۱۷۴ھ آگرہ آدھمکا۔ فاضل خاں قلعہ دار کو دھوکا دے کر قلعہ پر قبضہ جما لیا، سر بہ فلک عمارات ڈھائیں، خانقاہیں تباہ

کیس علمی ادارے تباہ کئے۔ امراء کے گھر لوٹے، طبہ عمارات وسامان قلعہ ڈیگ لے گیا۔ سوہا رام جاٹ ظالم کو آگرہ کا حاکم بنا تا گیا۔ اس نے سورج مل سے بڑھ کر خزانہ کی تلاش میں رہی سہی نفیس اور عالیشان عمارتیں بھی کھدوا ڈالیں اور شہر کے ساہوکاروں پر اس قدر ظلم توڑے کہ ہزارہا نفوس نے گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہ کی راہ لی۔ محلہ کے محلے ویران ہو گئے۔ یہ مصیبتیں میاں نظیر کی آنکھوں دیکھتے گذریں۔ خوشحالی کا زمانہ گزر گیا۔ عمر چار کم چالیس کی تھی کہ ۱۱۸۲ھ میں تیس برس بعد میر تقی میر دہلی لوٹے۔ آگرہ کے شعراء میر صاحب سے ملنے گئے۔ میاں نظیر بھی ایک دوست کے کہنے سے حاضر خدمت ہوئے۔ ایک غزل سنائی جس کا مطلع یہ تھا۔

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ قہر آفت غضب خدا کا

ختم غزل پر میر صاحب نے اظہار خوشنودی کیا۔

میاں نظیر بھی حوادثات مقامی سے اثر پذیر ہوئے۔ کایا ہی پلٹ گئی، شائستہ مزاج منکسرانہ طبیعت کے آدمی ہو گئے۔ زمانہ کے ہاتھوں ایسے ستائے گئے کہ معاش کی فکر دامنگیر ہوئی۔

ملازمت | برائے کمائی پاس تھی، مکتب داری کا شغل لے بیٹھے۔ کچھ روز کو متھرا گئے۔ پھر لوٹ آئے۔ یہاں قلعہ دار مرہٹہ "بھاؤ" تھا اس نے بلایا اور آپ سے پڑھنا شروع کیا۔ یہاں سے چھٹے تو نواب محمد علی خاں امرائے آگرہ سے تھے، مکان ائی تھان میں تھا۔ اُن کے یہاں لڑکوں کو پڑھانے جانے لگے۔ یہیں سے لالہ بلاس رائے کھتری سے راہ و رسم ہو گئی۔ جب نواب کے یہاں سے جدا ہوئے تو رائے صاحب نے سر آنکھوں پر بٹھایا اور اپنے بچوں کو سپردگی میں دیا اور اُن کی جملہ ضروریات کی کفالت اپنے ذمہ لی۔ لالہ کے چھ لڑکے من سکھ رائے، گوز بخش، اہر بخش، موتی چند، بنسی دھر اور شنکر داس زیر تعلیم تھے۔

نظیر نے عمر کا بڑا حصہ معلمی میں گذارا، شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ اُن میں حکیم میر قطب الدین باطن مؤلف تذکرہ گلستان بیخزاں (المعروف بہ نغمہ عندلیب)، شیخ مدارہی ضمیر خود نظیر کے صاحبزادے گلزار علی اسیر۔ مہاراجہ بلونت سنگھ۔ راجہ لالہ بدھ سین عاقی۔ حکیم میر مہدی ظاہر، شیخ حسین بخش بخشی

شیخ بنی بخش عاشق، منشی حسین علی خاں لہجہ، بیدار بخش آمر، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ صاحب گلستان بے خزاں نے مرزا غالب کو بھی نظیر کے شاگردان رشید کی فہرست میں داخل کر دیا ہے، لیکن یہ چیز پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی۔ پروفیسر شہباز نے تلمذ غالب کے متعلق متضاد بیانات جمع کر کے آخری رائے یہ دی ہے کہ غالب جس زمانہ میں اکبر آباد میں مقیم تھے، وہ انکی ابتدائی تعلیم کا زمانہ تھا، اور اُس زمانہ میں آگرہ کے ممتاز ملاؤں میں صرف دو ہی شخص خلیفہ معظم اور میاں نظیر تھے، غالب کو انھیں دونوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

"دو چار غزلیں بھی مکتب ہی میں نظیر کو دکھائیں۔ لڑکے (غالب) کی گاؤ زوریاں دیکھکر ہنسی تو اُن کو آئی مگر دل شکنی انکا شعار نہ تھا، داد دے کر جی بھی بڑھایا اور اصلاح سے چپکے چپکے نشیب و فراز بھی بتایا۔"

ایک لطیفہ | محلہ تاج گنج سے ٹٹو پر سوار ہو کر مائی تھان آتے تھے، ایک روز ٹٹو نے شوخی کی۔ چابک ہاتھ میں تھا اُس کے رسید کیا ایک راہ گیر بھی قریب ہی تھا۔ اُس کے وہ لگتا ہوا ٹٹو کے لگا۔ اس نے کہا میرا کیا قصور تھا کہ صبح ہی صبح چابک سے خبر لی۔ میاں نظیر اتر پڑے اور اُس سے معافی کے خواستگار ہوئے اور زبردستی اس کے ہاتھ میں چابک دے کر کہا میاں ایک میرے بھی جڑ دو، بدلا ہو جائے تو اچھا۔ مگر انھوں نے بہانہ چھوڑا۔ مجبور ہو کر چابک اُن کے ہاتھ آگیا بس اس تاریخ سے پھر چابک ہاتھ میں نہیں لی۔ ٹٹو اپنی رائے سے چلتا اور منزل مقصود تک پہونچ جاتا۔

آخر عمر میں راجہ بلوان سنگھ والی کاشی کی سرکار سے تعلق ہو گیا تھا۔

میاں نظیر میں قناعت پسندی و استغنا کی شان آگئی تھی۔ کسی امیر کے آگے دست سوال دراز کرنا بُرا سمجھتے تھے۔ جاٹ گردی کا دور مصیبت کا دور تھا۔ مفارقت وطن گوارا نہ کی۔ متھرا گئے چند روز بعد لوٹ آئے اور نہ حاکم وقت کا مدح خواں بنکر کچھ ہاتھ گرم کرتے۔ مرہٹوں کا زمانہ بھی دیکھا قلعہ دار کے اُستاد بھی رہے مگر الگ تھلگ ہی رہے۔

نواب واجد علی شاہ نے شہرت سنکر ایک قاصد معہ روپیہ کے طلبی کے لئے بھیجا۔ وہ میاں نظیر کے پاس آیا اور راہ خرچ دیا۔ رات بھر اُن کے گھر میں روپیہ رکھے رہے۔ تردد کی وجہ سے نیند نہ آئی۔ کہنے لگے ادق!

تعلق سے تو یہ ترددات ہیں جب پورا تعلق ہوگا تو خدا جانے کیا حال ہوگا۔ کم بخت کو پھینکو یہ کہکر روپیہ واپس کردیئے اور لکھنؤ نہ گئے۔

میاں نظیر کے نواسے داماد داروغہ نوازش علی کی زبانی یہ بھی "کہن" ہے کہ مہاراجہ چندولال وزیر اعظم حیدرآباد نے بھی بلایا تھا مگر نہیں گئے۔

سیر قدرت اللہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے ا۔ "بہ معلمی اوقات گذاری می کرد وبہ کشادہ پیشانی ایام زندگی بسر می برد۔"

حلیہ، قابلیت اور پیشہ اس کے لئے بھی ہمیں کسی اور سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں پیش آتی وہ خود اپنا حلیہ، علمی قابلیت اور پیشہ وغیرہ سب ایک نظم میں بیان کر گئے ہیں،

کہتے ہیں ٹک جس کو نظیر سنیئے ٹک اس کا بیاں — تھا وہ معلم، غریب، بزدل و ترسندہ جاں
فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر — عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و ناں
فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی اسے — فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ این و آں
سست روش، پست قد، سانولا ہندی نژاد — تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں
ماتھے پر اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور — تھا وہ بڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اسکی تھی، تپسہ نہ رکھتا تھا ریش — مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں
فرد غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اُسے — اپنے اسی شوق میں رہتا تھا خوش ہر زماں
پیری میں تھی جس طرح اس کو دل افسردگی — ویسی ہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں

لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب میں
پختگی و خامی کے اس کے تھا خط درمیاں

مذہب میاں نظیر اپنے باپ کے اعتبار سے سنی نظر آتے ہیں، مگر میاں نظیر کو لوگ امامیہ کہتے ہیں لیکن بعض بزرگ کہتے ہیں کہ تفضیلی تھے۔ نماز روزہ کے بہت معمولی پابند تھے حتی کہ عید کا دوگانہ بجائے عیدگاہ کے گھر ہی میں ادا کر لیتے۔ البتہ تعزیہ داری بڑی خوش اعتقادی سے کرتے۔ پچاس روز متواتر مجالس

عزا منعقد ہوتیں۔ سال بھر کی کمائی اس میں صرف کر دیتے تھے۔

وضع قطع | انقلابِ زمانہ کا مزہ چکھے ہوئے تھے۔ اِدھر صوفیا کی صحبت ان کے مکان کے قریب مولوی احمد شاہ قادری الجعفری رہا کرتے تھے۔ مسجد میں شاہ غلام رسول رہتے تھے۔ مشائخ وقت سے تھے۔ اُن کی خدمت میں وقت کا بڑا حصہ گزارتے۔ ذکر و فکر اور تسبیح و مصلے سے تو زیادہ کام نہ تھا مگر مضامین تصوف دل پر نقش ہونے لگے۔ سادہ وضعی، میانہ روی، صداقت، حلم و مروت، غرضکہ شیخ کی صحبت سے جملہ صوفیانہ صفات سے متصف ہو گئے۔ اس زمانہ کا نتیجۂ فکر بھی صوفیانہ خیالات کا مجموعہ ہے۔ بعض نظمیں معرفت اور تصوف کے اسرار کے حق میں آئینہ کا حکم رکھتی ہیں۔ اور یہی چیز مایۂ ناز ہے اُردو شعرا میں صرف ان ہی کو یہ فخر ہے اور بجا فخر ہے کہ وہ مسائلِ تصوف کو مثال سے سمجھا کر وہ بات پیدا کر دیتے تھے جو حضرت عطار نے "منطق الطیر" میں کی ہے۔

شاعری | میاں نظیر نے مشورۂ سخن کیا یا نہیں یا کسی اُستاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا یا نہیں اس کے متعلق تذکرہ نویس خاموش ہیں میاں نظیر فطری شاعر ہیں ناسخ اور غالب کی طرح اُن کو بھی زورِ فکر اور جودتِ طبع نے شاہراہ سخن میں اپنا راہنما بنایا۔ نظیر کا انداز سب سے جدا ہے۔ اُس وقت میں یہ طرز رائج اور مرغوب نہ تھی اور کوئی اس رنگ میں کہنے والا بھی نہ تھا۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں وہ اپنے اندازِ خاص کے موجد تھے وہاں انھوں نے خود ہی اپنے لگائے ہوئے پودے کو پروان چڑھایا اور کسی فرد کا احسان سے گرانبار ہونا گوارا نہیں کیا۔

میاں نظیر عموماً نظمیں راہ چلتے کہا کرتے۔ ملکوں کی گلی سے شہر آتے ٹٹوانی کچھ ایسی سدھ گئی تھی کہ کسی نے میاں کو سلام کیا اور وہ ٹھہر گئی۔ راہ چلتے لوگ اُن سے نظموں کی فرمائش کرتے۔ کنجڑا آیا اس نے کہا میاں ککڑی پر بھی کچھ کہہ دو۔ فقیر آیا کہ کوئی قصہ کہہ دیجئے کہ اُس کے ذریعہ بھیک مانگ کھاؤں۔ ایسی ہی صدہا نظمیں راہ چلتے کہہ ڈالیں۔ ان ہی نظموں کی وجہ سے شہرت دور دور تک ہوئی۔

ایک مرتبہ تاج گنج سے آتے ہوئے چند بھٹیارنوں نے روک لیا۔ تقاضہ تھا کہ کچھ کہدو۔ انھوں نے بہت ٹالا مگر وہ کاہے کو میاں کو چھوڑتیں۔ مجبور ہو کر اُن دونوں سے پوچھا کہ تمہارے نام کیا ہیں۔ ایک نے

کہا "جمنا" دوسری نے کہا مجھکو "گنگا" کہتے ہیں، انھوں نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور کہنے لگے۔

یارب مری دعا کو جلدی قبول کیجئے جمنا میں لگا بلی گنگا کے پار کر دے

مائی تھان جاتے ہوئے کناری بازار پڑتا ہے۔ کوٹھے پر سے ایک مہوش نے مسکرا کر کہا کہ میاں ہم کو اپنا کلام سنا دو۔ یاد کرلیں گا ئیں گے اور کمائیں گے اور اس فرمائش پر بہت جز بز ہوئے اس کا اصرار بڑھ رہا تھا اور وہ ماننے والی نہ تھی۔ کہنے لگے ؂

لکھیں ہم عیش کی تختی پہ کس طرح ایجاں قلم زمین کے اوپر دوات کوٹھے پر

وہ جھینپ کر چُپ ہوگئی یہ آگے چلتے ہوئے۔

میاں نظیر دوپہر کا کھانا رائے صاحب ہی کے یہاں کھاتے ایک روز بیسنی روٹی بھی کھانے میں شامل تھی۔ اچار کے لئے جی چاہا۔ گھر میں بچا نہ تھا۔ بھولا رام پنساری کا لڑکا بھی اُن کے پاس پڑھنے آبیٹھتا تھا۔ اس سے کہا لالہ جا اپنے چاچا سے کہیو میاں نے آم کا اچار منگایا ہے۔ وہ لپکا ہوا پھلتی آیا۔ دوکان پر گاہکوں کی بھیڑ لگی تھی۔ لڑکے نے میاں نظیر کا نام لیا کہ اچار منگا رہے ہیں۔ بھولا رام نے مشکی میں سے جنگل بھر دونے میں رکھ لڑکے کو حوالے کیا اور سودا دینے میں لگ گیا یہ لئے استاد کے پاس پہونچا نظر بیٹھے تھے۔ دونہ کھول کر جو دیکھا تو چوہا مصالحہ میں لت پت تھا۔ انھوں نے اس کو رکھوا دیا شام کو رائے صاحب آئے اُن سے کہا بھولا کو بھی بلوالو ایک لطیفہ ہے وہ آیا تو ایک نو تصنیف مخمس پڑھا۔

پھر گرم ہوا آن کے بازار چوہوں کا ہم نے بھی کیا خوانچہ تیار چوہوں کا
سر پاؤں کچل کوٹ کے دو چار چوہوں کا جلدی سے کچومر سا کیا مار چوہوں کا
کیا زور مزیدار ہے اچار چوہوں کا

اول تو چوہے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں اور سیر سوا سیر کے مینڈھک بھی پڑے ہیں
چکھ دیکھ مرے یار یہ اب کیسے کڑے ہیں چالیس برس گذرے ہیں تب ایسے سڑے ہیں
کیا زور مزیدار ہے اچار چوہوں کا

آگے تھے کئی اب تو ہمیں ایک ہیں چوہمار مدت سے ہمارا ہے اس اچار کا بیوپار

گلیوں میں ہمیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں خریدار — برسے ہے پڑی کوڑی ارے پیچھے پیسوں کی بوچھار
کیا زور مزے دار ہے اچار چوہوں کا

بھولا رام بولا، میاں کہیں چوہوں کا اچار بھی ہوا ہے۔ کہنے لگے تم ہی تو بیچتے ہو اور دونہ منگا کر سامنے رکھ دیا۔ وہ بیچارہ بڑا خفیف ہوا اور سب نے فرمائشی قہقہہ لگایا۔ ایسی اکثر باتیں مشہور ہیں۔

اخلاق و عادات میاں نظیر میں علم بہت آگیا تھا خلیق و متواضع بیحد تھے جس مجلس میں بیٹھتے اخلاق کے نور سے شمع انجمن معلوم ہوتے۔ نادرہ سنج ایسے تھے کوئی بات لطیفہ سے خالی نہ تھی جو بات ہوتی نظم میں مخمس ہوتی، احباب اور ہم صحبتوں کو اپنی لطافت سے شگفتہ کر دیتے جود و احسان میں بھی کبھی کمی نہ کی۔ میاں نظیر کے اخلاق کی انکی زندگی میں دور دور شہرت ہوگئی تھی ابوالقاسم میر قدرت اللہ نے اپنے تذکرہ مرتبہ ۱۲۲۱ھ میں ان کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:۔

"شیخ ولی محمد اکبرآبادی شاعرے ہست دیرینہ مشق کہ بالفعل دراں نواح علم استادی می افرازد و نرد صحبت و اخلاص با ہر کس می بازد، بسیار سلیم الطبع و خوش اختلاط و نہایت نیک طینت و مستحکم ارتباط شنیدہ می شود۔"

میاں نظیر کے مرنے کے چار پانچ برس بعد نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے "گلشن بے خار" لکھا جس میں ہے۔

"نظیر در علم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار است۔"

حضرت شہباز "زندگانی بے نظیر" میں لکھتے ہیں کہ پاس پڑوس میں جو غریب مفلس تھے ان کی خبرگیری فرماتے محتاج کو دیکھ کر ان کا دل دکھ جاتا تھا۔ کسی کو خالی نہ پھیرتے تھے اور جو وقت پر کچھ نہ ہوتا تو نہایت گڑگڑا کر معذرت کرتے بڑے صاحب ہمت تھے اور اپنی ہمت کے آگے وہ شاہی گنج و خزانہ کو بھی کوئی چیز نہ سمجھتے تھے زیور حیا سے آراستہ تھے جو اہل مروت کا خاصہ ہے۔

خانگی زندگی میاں نظیر نے ادھیڑ عمر میں مسماۃ تہور النساء بیگم بنت عبدالرحمان خاں چغتائی خلف محمد علی بیگ صوبہ دار برہان پور سے نکاح کیا یہ چغتائی خاندان محلہ تاج گنج میں ملکوں کی گلی کے نزدیک رہتا تھا شادی کے بعد میاں نظیر بھی نوری دروازہ اٹھ آئے خود ایک قطعہ زمین متصل محل بیگم باندہ خرید لیا تھا اور اوسط

درجہ کا مکان بنا لیا تھا۔ تمام عمر اسی میں رہے اور اسی میں سپردِ خاک ہوئے۔
بیٹھے چاول اور کھچڑی بہت پسند تھی لیموں کا اچار۔ گنگنے۔ چنے زیادہ اچھے لگتے۔ پھلوں میں میوہ کا
خربوزہ۔ آم شریفہ۔ اپنی اپنی فصل پر شوق سے کھاتے۔ دعوت میں کم جاتے۔ ایاز (غلام) امام بخش چھوکرے
تھے۔ نجبین۔ گلاب۔ بختاور۔ لونڈیاں تھیں۔ ایاز کے ذمہ گھوڑے کی خدمت تھی۔ عمر کا کافی حصہ طے ہو چکا
تھا گوشہ نشینی کے سوا چارا کیا تھا۔ گھر میں رہتے دالان کے سامنے صحن میں دو درخت نیم اور بیری کے
تھے اُس کے سایہ میں بوریا اور کمبل بچھا کر بیٹھتے رہتے نزدیک و دور کے لوگ آتے اُن سے بات چیت
رہتی کہا جاتا ہے کہ ایک روز شہر سے میاں نظیر کے ملنے جلنے والے اُن کے گھر پہونچے کنڈی کھٹکھٹائی تھوڑی
دیر میں دیکھتے کیا ہیں کہ میاں نظیر نے دروازہ کھولا تو تمام جسم پر آردِ گندم کا غبار لگا ہوا ہے۔ سب نے پوچھا
میاں خیر تو ہے بولے تمھاری بھاوج بگڑ بیٹھی ہیں آٹا کون پیستا، روٹی کون پکاتا۔ سوچا خود ہی آٹا
پیس کر روٹی ڈال لوں کہ اتنے میں تم لوگ آ گئے سب نے کہا تم اپنا کام کر چکے اب ہم اپنا کام کئے دیتے
ہیں سب نے مل جل کر کھانا پکایا اور خود بھی کھایا اور اہلیہ میاں نظیر کو منا کر کھلا دیا اور گھر لوٹ آئے
آخر عمر میں بیری کا غلبہ کافی ہو گیا تھا۔ کم سخن بھی ہو گئے تھے۔

بھر نظر دیکھیں گے اس مہدِ سخن کی صورت   دیکھیے کون سا یارب وہ زمانہ ہوگا
تلخیِ مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس   ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمنِ دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

علالت و وفات ۱۲۴۳ھ میں فالج میں مبتلا ہوئے۔ مکتب داری شغل تھا مجبور رہے۔ میاں گلزار علی اسیر
ایسے بدشوق تھے کہ گلستاں و بوستاں سے آگے بڑھنے کی قسم کھائی تھی۔ جوان ہونے کو آئے میاں نظیر نے
ان کو بلایا اور کہا سمجھا تم اب یہ مکتب داری کا کام سنبھالو ورنہ کہاں سے گزر اوقات ہوگی، وہ بولے میں
فارسی کے منتہی طلبا کو کیسے درس دے سکتا ہوں، کوئی ابوالفضل پڑھتا ہے کوئی ظہوری اور بدر چاچ کا سبق
لیتا ہے میاں میں کیا پڑھا سکتا ہوں یہ لڑکھڑائی ہوئی آواز میں بولے جاؤ میاں خدا کا نام لو پڑھاؤ۔

چنانچہ یہ پڑھانے لگے اور ہر ایک طالب علم کو بخوبی تعلیم دینے لگے (کمن داروغہ نوازش علی) اس سے اسیر اپنی ولایت کے قابل تھے۔ ۹۰ سال کی عمر ہو گئی تو ۲۲ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۳۰ء کو انتقال ہوا اور اسی طریق پر تجہیز و تکفین ہوئی۔ نماز جنازہ دو مرتبہ پڑھائی گئی۔ سنیوں نے علیحدہ پڑھی۔ ہندو مسلمان ہزارہا شریک تدفین تھے۔ اپنے مکان ہی میں زیر نیم دفن کئے گئے زمین دوز قبر پختہ بنوا دی گئی۔ جو آج شکستہ حالی کا مرثیہ پڑھ رہی ہے!

سالانہ عرس ہوتا تھا۔ بینواؤں کا جماؤ ہوتا تھا موسیقی نواز آتے تھے اور رات بھر یہ میلا رہتا تھا اب بہت کمی پر ہے۔

ہے تاج گنج میں اب تو نظیر کا میلا — نظیر کیا کہ عجب ہے نظیر کا میلا

اولاد: میاں نظیر کے ایک صاحبزادہ خلیفہ سید گلزار علی اسیر اور ایک دختر امامی بیگم تھیں۔ جو میر نجف علی عرف مرزا جان کو بیاہی گئی تھیں۔ اُنہی کی صاحبزادی ولایتی بیگم تھیں جن سے حضرت شہباز نے میاں نظیر کے حالات معلوم کئے تھے۔ میاں اسیر کی خواجگان دھنکوٹ کے یہاں شادی ہوئی ان سے میاں نثار علی پذیر اور مصاحب بیگم تھیں جو مرزا آغا علی ساکن تاج گنج کو بیاہی گئی تھیں۔ داروغہ مرزا نوازش علی بیگ ولایتی بیگم کے ہی داماد تھے۔

کلام نظیر: نظیر کی زندگی کے باہ حال حالات معلوم ہو جانے کے بعد اتنا تو آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ بہت ہی زود گو اور اد پچھے، تیجے ہر طبقے کی زبان اور ہر سوسائٹی کی معیاری بول چال کے ادا کرنے میں شان استادی کا مالک تھا، اب ذرا چلتے چلتے اس کے ادبی چٹخارے کا تھوڑا سا حظ اور اُٹھا لیجئے وہ کہتا ہے،

بحر ہستی میں صحبت احباب — یوں ہے جیسے بہ روئے آب، حباب

سحر ہم نے چمن اندر عجب دیکھا کل اک دلبر — سہی قامت، پری پیکر مقطع وضع، خوش منظر

یک سر مو نہ پریشان ہو تو اسے کاکل یار — ہم ترے دام میں آ کر نہیں جانے والے

زیادہ اس سے اب اخفائے درد کیا ہوگا — کہ جان آنکھوں میں آ گئی بر آہ نہ کی

جب کہ الٹی ہم نے تکرار نظر پر آستیں
کھینچ لی اس نے رخ رنگینِ قمر پر آستیں

ان پر یوں کے دوانے کی یہ ہے شکل لباس
تارِ دامن خار پر شاخِ شجر پر آستیں

سمجھے کیا فصلِ گل ہے یا زمانِ خار ہے ساقی
تو خود اپنی جگہ ایک دولتِ بیدار ہے ساقی

اے صفِ مژگاں تکلف برطرف
دیکھتی کیا ہے الٹ دے صف کی صف

دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے
پڑ گئے ہیں ماہ کے منہ پر کلف

اٹھاویں ناز اُن کے ہم نہ کیونکر نظیر دل سے کہ جن کے ہو دیں
جفا تلطف عتاب، شفقت، غضب، توجہ، ستم نوازش

شرمندہ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب
کس باغباں نے گل کا گریباں سلا دیا

آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم
کل سر کو پٹکتا ہے چمن کی روشوں سے

کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک جناب[1] سے

ہماری روح تو پھرتی ہے معشوقوں کی گلیوں میں
نظیر اب ہم تو مر کر بھی نہ اس جنجال سے چھوٹے

مر بھی جاویں گے تو جز پیرہن عریانی
آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے

گل سے کوئی کہے کہ شگفتن سے باز آ
اس کو تو پھولنا ہے نہ پھولے تو کیا کرے

جو نا قبول تھے سے بنایا قبول کو
پھر اسکو وہ بھلا نہ قبولے تو کیا کرے

آ گئے سیر کرتے، تم کو دیکھا، خوش ہوئے
اب خدا حافظ ہے ہم اے یار رخصت ہو چلے

گل رخوں کی بزم میں کیا بیٹھتے ہوئے نظیر
تم بھی رخصت ہو کہ اب سب یار رخصت ہو چلے

ہمارے قطرۂ اشک اُسکی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

[1] "جناب" سے مراد شاید کوئی مجتہد صاحب ہوں گے، شیعوں کے یہاں اصطلاح میں "جناب" کا لقب مجتہد ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص — لیک مشکل ہے ہم نشیں اخلاص
اسکی باریکیاں وہی جانے — ہووے جس شخص کے تئیں اخلاص

نظیر کی زباندانی نظیر کی جزئیات نگاری اور زباندانی کے متعلق جنوری سنہ ۱۹۴۲ء کے نگار میں مولانا عبدالباری صاحب آسی مرحوم مرتب کلیات ہذا کا بھی ایک مضمون شائع ہو چکا ہے یہ وہی زمانہ ہے کہ آسی صاحب اس کلیات کی ترتیب و تسوید میں مشغول تھے اور کیا عجب ہے کہ یہ مضمون اُن کے مقدمے کی کوئی کڑی ہو جو اچانک اُن کی رحلت کے باعث نولکشور بکڈپو میں محفوظ نہ رہ سکا ہو بہر حال بصورت موجودہ مدیر نگار کے شکریہ کے ساتھ مرتب کلیات کی اسی ناتمام تنقید کو شریک مقدمہ بنانا میرا فرض اولین ہے آسی صاحب لکھتے ہیں کہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کی طرح اور نقادوں نے بھی نظیر پر یہ الزام لگا دیا ہے کہ وہ حاطب اللیل ہے اور رطب و یابس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ نظیر کے طرفداروں نے اس کے لمبے چوڑے جواب بھی دیئے مگر افسوس کہ اس مضمون میں اس تنقیح و تنقید کی گنجائش نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ نظیر کے کمال فن کو نقادوں نے دیکھا ہی نہیں اور غضب یہ کیا کہ بعض حروف کے خارج الوزن ہو جانے پر ان کو مجرم بنا دیا۔ حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو ایک ایسے ماہر زبان کے یہاں اگر اس قسم کی بعض فروگذاشتیں بھی ہوں تو وہ مورد الزام نہیں ہو سکتا اگر ان لوگوں کے قول کو صحیح مان لیا جائے جو کہتے ہیں کہ ع شعر می گویم بہ از آب حیات — من ندانم فاعلاتن فاعلات ۔ تو پھر نظیر کا دامن بالکل پاک ہو جاتا ہے اور اگر انکی رعایت خاطر کیجائے جو عروض کو شعر کا جز ولاینفک قرار دیتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ نظیر پر بھی وہی معمولی سے اعتراض ہو جائینگے جو اوروں پر ہوتے ہیں مگر اس خیال سے ماورا نظیر کے کلام کو دیکھا جائے تو ایک اور ہی منظر نظر آئیگا اس کہنے سے میرا منشا نظر وہ نہیں جو آج کل کے بعض نقادوں کا ہے جن کی نظر میں نظیر صرف اسلئے بلند ہے کہ انہوں نے ایسے زمانہ میں نظم کی بنیاد ڈالی جب دوسرے شاعر مثنوی اور غزل کے سوا اور کسی طرف رُخ ہی نہ کرتے تھے دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ خیر ایسا تو ہو گیا ہے نظم کی طرف توجہ تعجب خیز اور حیرت افزا نہیں بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دیسی قومی۔ ملکی چیزوں کی جسقدر نظیر کے کلام میں افراط ہے اور جس خیر و خوبی سے انکا تذکرہ

اس کے یہاں ہو وہ اُسوقت تو کیا اسوقت کے بھی کسی ہندوستانی شاعر کے یہاں موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چیزیں ہیں
یا کم از کم اسوقت تک نظیر کے خیرخواہوں کی نگاہ میں ہیں اسی پر اس کو ہندوستان کا شیکسپیر بتایا گیا ہے اور اسی لئے
اس کو ملکی شاعر مانا گیا ہے یہی اسکا کمال شاعری ہے اور یہی اسکے کلام کی معراج ہے۔

زبان اور معلومات

شاعری کی داخلی اور خارجی خصوصیات میں سے اسوقت صرف دو چیزوں کو لینا چاہتا
ہوں، زبان اور معلومات! اور انہیں سوائے انشا کے کوئی دوسرا شاعر نظیر کا مقابل نہیں ٹھہرتا۔ نظیر جس چیز کا ذکر
کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمام متعلقات اور ضروری چیزیں اسکے گرد و پیش کھڑی ہوئی ہیں اور وہ ان کو
دیکھ دیکھ کر اشعار میں نظم کرتا جاتا ہے۔ ان میں کی اکثر چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنکو دوسرے لوگ جانتا تو کیا پہچانتے بھی
نہیں۔ اور اگر پہچانتے بھی ہیں تو دوسرے ناموں سے۔ مگر نظیر چونکہ ان کی اصل حقیقت سے باخبر ہے وہ بغیر کسی تکلف کے
انکو ایسے ناموں سے یاد کرتا ہے جس کی دوسروں کو ہوا بھی نہیں لگی اسی چیز کو ہم تفصیل کے ساتھ آگے چلکر لکھیں گے

شاعر کے لئے سب سے ضروری چیز زبان کی مہارت کے بعد اسکا مطالعہ و مشاہدہ ہے۔ مطالعۂ فطرت ہی تخیل کے پیدا
ہونے کا اصل راز ہے اگر یہ نہ ہو تو اس کی تخیل ایک مرغ پرشکستہ کی مانند بیجس و حرکت بنکر رہ جاتی ہے خیال کی
بلند پروازی، معانی کا تنوع، مضامین کی رنگا رنگی سب اسی کے ماتحت ہیں اور نظیر مطالعہ فطرت کا بادشاہ ہے۔
دنیا میں ہزاروں رسوم ہیں جو ہر تہوار ہر شادی و غم کے موقع پر برتی جاتی ہیں مگر ان کی جزئیات کا سمجھنا
ہر شخص کا کام نہیں۔ مگر نظیر کو دیکھئے کہ وہ بغیر اس کے کسی چیز پر نگاہ ڈالتا ہی نہیں۔

ہولی ہندوؤں کا تہوار ہے اور سرسری نگاہ ڈالنے والے یہی جانتے ہیں کہ اس رات کو آگ لگائی جاتی ہے صبح کو
رنگ کھیلا جاتا ہے کچھ پکوان وغیرہ بھی پکتا ہے اور بس معلومات کی اتنی ہی کائنات ہے اور اسکے آگے اندھیرا ہی اندھیرا
ہے لیکن نظیر ہولی کو دیکھتا ہے تو اسکے ایک ایک جزو پر نگاہ ڈالتا چلا جاتا ہے اور اس کو دیکھکر سمجھ میں آتا ہے کہ یہ چیزیں
تو وہ ہیں جن کو ہم سب دیکھتے ہیں مگر کبھی ذہن میں نہیں آتیں اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ ہمارا مطالعہ اتنا گہرا نہیں ہے
نظیر کے یہاں ہولی کی کئی نظمیں ہیں اور ہر ایک میں جزئیات کا عمیق مطالعہ ہے ایک نظم جس میں صرف پانچ شعر ہیں کہتا ہے

بتوں کے زرد پیراہن میں عطر چنپا جب مہکا   ہوا نقشہ عیاں ہولی کی کیا کیا رسم اور رہ کا

چوتھا شعر ہے

چھڑکنا رنگ خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے — کبھی کچھ ناز کی "اُہ اُہ" کبھی انداز "رہ رہ" کا

پہلے شعر میں اس رسم کا ذکر ہے کہ بسنت سے لیکر ہولی تک زرد کپڑے پہنے جاتے ہیں اور پھر شرفا کے یہاں یہ بھی دستور ہے کہ چنبیا کا عطر لگایا جاتا ہے چوتھے شعر میں رنگ ڈالتے وقت "اُہ اُہ" اور "رہ رہ" کی آواز کا بیان یہ سب اسی غائر مطالعہ کا نتیجہ ہے دوسری جگہ کہتے ہیں۔

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حُسن بتاؤں ٹونی کا — سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا

ابرن یا ابرک کا بدن پر جھمکنا، ماتھے پر کیسر کا ٹیکا یہ ایسی باتیں ہیں جنھیں ہم جانتے تو ہیں مگر یاد نہیں ہم کو رنگ اور رنگ بھری پچکاریاں تو ضرور یاد رہتی ہیں کہ یہی طوفان فسادات اپنے عروج پر پہونچتا ہے تو رنگ کے بجائے بڑے بڑے مہذب لوگوں میں کیچڑ مٹی سے کام لیا جاتا ہے اور جب رنگ کی بھری ہوئی پچکاریوں سے کام نہیں چلتا تو رنگ کی بھری ہوئی لٹیاں لنڈھائی جاتی ہیں۔ اسی چیز کو نظیر ہمارے سامنے نئی بنا کر پیش کرتا ہے

کہیں ہوتی دھینگا مشتی ہے کہیں ٹھری کھینچا تانی ہے — کہیں لٹیا جھمکتی رنگ بھری کہیں چلتا کیچڑ پانی ہے

یہ سب جانتے ہیں کہ ہولی میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے۔ مگر نظیر کی واقعات نگاری صرف اس کلیہ پر قانع نہیں رہی بلکہ اس نے ان تمام سازوں کے نام بھی لئے اور پھر جو جو خاص اہمیت رکھنے والے لوگ ان جلسوں میں شریک تھے انکا بھی ذکر کر دیا

کچھ طبلے کھڑکے، تھال بجی، کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی — کچھ چھیڑیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی رچھ چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ دھمدھمی اور مرچنگ بجی — کچھ گھنگرو چھم چھم جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا لاتے ہیں — کر باتیں ہر دم چُہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامنیوں کے گاتے ہیں — کچھ اور طرح لے سوانگ نئیں کچھ ناچتے ہیں کچھ گاتے ہیں
ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

منظر کشی اسی کے ساتھ برسات کا ایک منظر بھی دیکھتے چلئے۔ برسات ہندوستان کا محبوب موسم ہے تکلف نگار شاعر ہمیشہ برسات کی بہاریں ناظرین کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ آسمان پر بھورے بادل اودی بدلیاں۔ کالی گھنگھور گھٹائیں پپیہے کا زور، مور کا شور، باد بہاری کا چلنا۔ درختوں کا لہلہانا، سبزے سے تمام جنگل میں مخملی فرش بچھ جانا جھیلوں تالابوں

ڈیروں کا لبریز ہونا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن سے کم و بیش ہر سننے والا متاثر ہوتا ہے، مگر نظیر کی جزئیات نگاری اس سے آگے اور بڑھتی ہے اور وہ محلوں اور مکانوں کی دیواروں میں کٹی ہوئی جالیوں کو بھی دیکھتا ہے جن پر سب کی نگاہ نہیں پڑتی، لکھتا ہے:-

بجلیوں کی اجالیاں بارہ دری کی جالیاں　　عیش کی جھڑ میں ڈالیاں ہلتی گلوں کی ڈالیاں

برسات پر نظیر کی مختلف نظمیں ہیں اور ان سب میں کوئی نہ کوئی ایسی ہی خصوصیت موجود ہے جیسا کہ اوپر کے لکھے ہوئے شعر میں ایک اچھوتا خیال پیش کیا گیا ہے اسی طرح برسات کے اس مخمس میں جس کا پانچواں مصرع یہ ہے کہ:-

آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ایک خیال کو نظم کیا ہے جو کہیں میری نگاہ سے نہیں گزرا ہندو مذہب میں ہر چیز کے متعلق کچھ کام کرنے والے دیوتا مانے گئے ہیں جیسے اگنی دیو آگ کا اور پون دیو ہواؤں کے چلانے کا موکل ہے اسی طرح میگھ راج بادلوں کا دیوتا ہے۔ نظیر کو ایکدم اسکا خیال آتا ہے اور وہ اس خیال کو اسطرح ادا کر جاتا ہے:-

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منھ اٹھا کر　　ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سنا کر

ہاں سبزہ چڑھے چوٹی ہر دم نہا نہا کر　　کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آکر

یہ خیال کہ برسات میں مکانات ہر وقت پناہ مانگتے رہتے ہیں سبھی کو معلوم ہے اور عجب نہیں ہے کہ کسی نے مکانوں کے گرنے کا ذکر بھی کیا ہو مگر یہ مجھے یقین ہے کہ اس تفصیل اور تجزیہ مصیبت کا سہرا صرف نظیر ہی کے سر ہے۔ وہ مکان کا گرنا تو کوئی نئی بات نہیں جانتا مگر اس کی ایک ایک چیز کو بتا کر اپنے بیان کو سب سے الگ کر کے آئندہ و دار بنا دیتا ہے کہ پھر اس کا مقابلہ دشوار ہو جاتا ہے چنانچہ برسات کی پھسلن کی مناسبت سے اس خمسہ کے پانچویں مصرع کی ردیف بھی پھسل پڑا رکھی ہے اور چھتا، کوٹھا، اٹاری - در، چھت، دیوار، دروازہ، پاکھے، چھپت، چھپر، ان سب کو پھسلانے کے بعد مفلس، غریب، فیل سوار، پالکی نشین، پیادہ، سوار، ہاتھی سوار، خر، نوکر، آقا کو بھی پھسلا دیا ہے اور پھر خیال آتا ہے کہ لاؤ کچھ کیچڑ کا حال لکھ کر یہ بھی تفصیل کے ساتھ بتا دیں کہ یہ واقعات کہاں کہاں ہوئے ملاحظہ ہو:-

چکنی زمیں پہ یاں تئیں کیچڑ ہے بے شمار　　کیسا ہی ہوشیار پہ پھسلے ہے ایکبار

نوکر کا بس نہ اس میں کچھ آقا کا اختیار　　کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنی بار

آقا جو ڈگمگائے تو نوکر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا　　کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا،　　اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا،
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

بادل جو ہو رہی ہے ہر ایک جا پہ رستمی　　ہر مرا اٹھا ہے مرد تو عورت رہی پھنسی
کیا سخت مشکلات ہیں کیا سخت بیکسی　　ان کی بڑی خرابی ہوئی اور بڑی ہنسی
جو اپنی جا ضرور کے اندر پھسل پڑا

کوئی اور ہوتا تو اپنے گرنے کو چھپاتا مگر نظیر پر تو سعدی کا سایہ پڑا ہے اور لوگوں کو پھسلن کی نذر کرکے خود بھی پھسلے ہیں اور بری طرح پھسلے ہیں کہتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں:-

کیچڑ سے ہر مکان کی تو بچتا بہت پھرا　　پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حسن کی مینھ برسا ناز کا　　پھسلن جب ایسی آئی تو کچھ بس نہ پھر چلا،
آخر کو واں نظیر بھی آکر پھسل پڑا

جزئیات نگاری | نظیر کی جزئیات نگاری کا یہ عالم ہے کہ ان کو مفصل بیان اور تشریح پسندی کا خوگر بنایا ہے اس کا حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا مگر یہ بے تکلف اور بے باکانہ کوئی واقعہ پیش کرتے ہیں تو الفاظ کا ایک موجزن سمندر ہماری نظر کے سامنے آجاتا ہے اور ہم حیران رہ جاتے ہیں۔

حمد کو اس طرح شروع کرتے ہیں:-

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

اس ارض و سما کے عرصے میں یہ جتنا جھمگھٹا ہے　　یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیوان پکھیرو نرناری کیا بوڑھا بالک بچا ہے　　کیا دانا بینا ہوش بھرا کیا بھولا ناداں کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ہشیار و دانا مست بڑا عیار نظر ناقص کامل　　سردار غریب ادنیٰ اعلیٰ زیرک سیانا ناداں غافل

رمال نجومی گھڑیالی ملا برہمن پنڈت عاقل — کیا بید-مہندس ابجد داں۔ کیا عالم فاضل کیا جاہل

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ابدال قطب۔ اور غوث ولی ہے دھیان میں تیرے دل سب کا — کیا گیانی۔ دھیانی سنارسن۔ کیا جوگی جنگم۔ گرو چیلا

تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا تجھ سے دھیان لگا — کیا شاہ نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنگال گدا

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

دریا، سمندر، جھیل نہر ندی نالے ڈبرے جو ہر — سیپی، گھونگے، کوڑی، موتی، گھڑیال، اور ناکے ہوس مگر

جونکیں بھینیں گوہیں جھینگے۔ مرغابی۔ بطخ۔ بیل۔ انبر — کیا لاچی۔ پروی اور بھنور۔ کیا کچھ۔ مگر کیا جی جنتر

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

پھلواری۔ باڑی۔ باغ چمن۔ ہر سب کو یاد تری ہی بھلی — تو مالی۔ والی۔ رکھوالی۔ کیا برجھ بھلی کیا پیڑ۔ بلی

کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہے سب کے دل میں یاد وھلی — کیا چوٹی جڑ کیا پھل کونپل۔ کیا ٹہنی۔ پتا۔ کلی کلی

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ہیں دشت بیاباں اور وادی عرصہ میداں صحرا جنگل — ویرانہ پت جھاڑ اور شجر بوٹی جھاڑی پیڑ اور جبل

پیلو۔ پاکھر۔ نرما سینبھل۔ کچنار۔ سینھالو۔ بڑ پیپل — کیا ابر ہوا کیا برق گھٹا کیا دل بادل کیا جل اور تھل

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

رابیل۔ نگیسر۔ مولسری۔ مدمالت۔ بیلا اور رمن — دوپہری۔ گیندا گل لالہ نافرماں۔ کرنا۔ بان۔ مدن

جائی۔ جوئی۔ شبو۔ نرگس۔ سنگار۔ چنبیلی۔ سیم بدن — کیا پھول گلابی۔ کل طرہ۔ کیا ڈیلا۔ بانسہ۔ سکھ درشن

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

انگور۔ سنگترہ۔ نارنگی۔ برسیو۔ سدا پھل سیتا پھل — نارنج جھنبیلی اور کولے کھٹے میٹھے۔ کمرکھ گلگل

آنب۔ جامن۔ ملکری۔ بادام چھوارے اور جا پھل — کیا گولر کھٹے مولسری۔ کیا شفتالو۔ کیا کٹھل بڑھل

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

سیار۔ ثوابت۔ لوح و قلم جنات عدن، فردوس و فلک — خورشید سے لے مہتاب تلک، مہتاب سے لے خورشید تلک

ثلم طبایع قوس، جدی، میزان۔ اسد، سرطان، ہرک   کیا رضواں غلماں جنت کے کیا عرش بریں کیا حور و ملک

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

گرڑھ پنکھ کلنگ اور پار کوئی سارس بگلا کوئل تیتر   سرخاب ترتی زاغ و زغن سیمرغ اور سارس مور سفر

بھری لگھڑ۔ طوطا۔ مینا۔ ہدہد شکرے باشے تیتر   کیا بلبل قمری۔ لعل بیا۔ کیا مکھی بھنگا اور مچھر

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

گج گینڈا ارنا شیر پلنگ آہو ہرنی روبہ گیدڑ   سیہی نیولا سانڈا بچھو افعی چیتل چیتی اژدر،

گج کوہی پاڑا گرگ۔ چرغ گرگٹ چلپاسہ موش گر   کیا جل مانس۔ کیا بن مانس کیا ہاتھی گھوڑا بیل شتر

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

کوئی خالق۔ باری۔ رب مولا۔ رحمان رحیم اللہ تنگری   کوئی الکھ روپ کرتار کہے نرکال نرنجن نردھاری

کوئی رام رام کہکر سمرے کوئی بولے شیو شیو ہری ہری   کوئی داتا دینت دیوا ٹل کوئی راچھس دیوت جن پری

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

بیراکی کے میلے پر جو نظم لکھی ہے اسے دیکھئے ایسے ایسے محاورات اور الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے معنی آج لغت میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں مل سکتے۔ ملاحظہ ہو۔

کھڑی۔ چادر بند۔ ناند چکوا۔ مینڈا۔ بھنوار چھالن۔ چکر سمپٹ مالا۔ مینڈا گھمیر تختہ۔ کشتی پچھار کرا یہ سب وہ اصطلاحیں ہیں جنھیں نظیر نے زیادہ سے زیادہ ایک بند میں بتا دیا ہے۔

کبوتر بازی کا ذکر آگیا ہے تو وہ ایک ایسا کبوتر باز معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہل زبان یا زباندان۔ یا شاعر تو اسے کیا سمجھے گا کوئی بڑے سے بڑا کبوتر باز بھی مشکل ہی سے معلوم کر سکے گا کہ میاں نظیر کیا فرما رہے ہیں، نام و اقسام مع رنگ وغیرہ ملاحظہ کیجیے:۔

بھرئی۔ کابلی شیرازی۔ چویا چندن۔ سبزے۔ لکھی شستر۔ اگر۔ طاؤسی۔ کل پوٹیے۔ نیلے۔ گلی۔ تھیڑ لقے چیتے۔ جوگئی۔ گھیرے۔ پٹیٹ۔ چپ تقتے۔ نکھرے زرچے گل آنکھ۔ تل آنکھ۔ اودے۔ زردے۔ کاہے مسی۔ توسی۔ پلکے۔ سیمابی۔ گھاگرا۔ تنبولئے۔ پان لال۔ اگرئی۔ سرمئی۔ عنبری خال، بھورے، اکسی، تانبڑے

پیرے، بہتر سے اکاسی، لوٹن ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے جب غور کیا جاتا ہے تو نظیر ہندوستان بھر کے شعراء میں ممتاز معلوم ہوتا ہے مگر اس کے کمال کا نہیں خاتمہ نہیں ہوتا وہ زبان کا حافظ ہی نہیں موجد بھی ہے اگر اس کی نظموں کو غور سے پڑھا جائے تو بعض میں آپ کو ایسے الفاظ ملیں گے جو نظیر نے وضع کئے مگر پھر بھی ان میں آج کل کے موجدوں کی سی بے راہ روی نہیں بلکہ انھیں اصولوں پر جو زبان میں مقرر ہو چکے تھے۔

الغرض نظیر زباندانی کے لحاظ سے ہندوستان کے شعراء میں اپنا جواب نہیں رکھتا اور ایجادِ الفاظ کی وجہ سے زبان اردو کا زبردست محسن ہے۔

اس سلسلے میں مختلف غزلوں کے حسب ذیل اشعار پڑھئے اور داد دیجئے۔

جو تم زور آوری کرتے ہو ہم سے دل لگانے میں
کسی نے دل لگایا ہے کہیں لوگو زبردستی

نظیر اب تو ہمارے بس میں ہے کچھ کہہ نہیں سکتا
کرو جو ہو سکے تم سے زبردستو زبردستی

عشاق سے ملنے کی عبث پوچھو ہو ساعت
جب دل ادھر آجائے وہی نیک شگون ہے

جس منہ پہ جوشِ حسن سے تل بھر بھی جا نہ ہو
واں تل بھی آ پڑے تو یہ تل کا کمال ہے

جو دل کے لینے والے ہیں وہ لے ہی جاتے ہیں آخر
دھری رہتی ہے سب اپنی نگہبانی و ہشیاری

کھلی رخ پہ زلفِ پرخم ہمسی رنگ رنگ نیلم
غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اہا ہا

ہزار دل کی، ہزار دل گلبدن تو نے بنا ڈالے
کوئی مٹی سے ایسے گل کھلا سکتا ہے کیا قدرت

شہرِ نگیں سے گذر، باغ و گلستاں سے نکل
ہے وفا بیت تو بیت کو چۂ جاناں سے نکل

دیکھ کر کرتی لگے ہیں سبز دھانی آپ کی
دھان کے کھیت نے اب آن مانی آپ کی

ایامِ شباب اپنے سبھی کیا عیش اتر گئے
کہتے ہیں جنہیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے

یہ کچھ بہروپ بن دیکھو کہ یکدم شکل دانے کی
بکھرنا سبز ہونا لہلہانا پھر سمٹ جانا

یہ یکتائی یہ یک رنگی نقش اوپر یہ قیامت ہے
تم ہونا نہ بڑھنا اور ہزار دل گھٹ میں بٹ جانا

نظیر ایسا جو چنچل دلربا بہروپیا ہووے
تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا ہٹ جانا

جدید و قدیم ادبا کی رائے

اگرچہ عام تذکرہ نگاروں اور نقادانِ فن نے نظیر کو منظرِ عام پر لانے میں انتہائی بُخل اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے اور ساتھ ہی اسکے خود نظیر کے لاابالی پن، اسکے شاگردوں اور خاندان والوں کی مجرمانہ خاموشیوں نے اسکے اصلی اور تمام مجموعۂ کلام کو کبھی دُنیا والوں کے سامنے پہونچانے کی جد وجہد نہیں کی مگر قدرت کے اس خاموش منشا کو عملی جامے میں آتا ہوا دیکھ کر بے ساختہ کارکنانِ قضا کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے مادی اسباب و وسائل کے نہ مہیا ہوتے ہوئے بھی نظیر کے فیض ادب کو ایک آن بھی کم نہیں ہونے دیا۔ آہستہ آہستہ اُس کا وہ تمام ذخیرۂ کلام بھی پریس میں آتا جارہا ہے اور اسکی سیر و سوانح سے دُنیا والے آشنا ہوتے جارہے ہیں۔

قدیم تذکرہ نگاروں میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنھوں نے نظیر کو بحیثیت شاعر کیا بحیثیت انسان کے بھی روشناسی کا موقع نہیں دیا اور ایک وہ ہیں جنھوں نے اُسے ذلیل ترین اور بازاری شاعر قرار دے کر اسکے وزن کو قصداً گرانے کی کوشش کی ہے۔ میں ان دونوں قسم کے لوگوں کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا اُن کا اُسے نظر انداز کر دینا یا سوقیانہ الفاظ میں یاد کرنا دُوں باتوں کا اصلی مقصد و منشا سب پر اچھی طرح ظاہر ہوچکا ہے، یہ خیال کر کے کہ شاید بعض ناواقف لوگ اُسے واقعی ایسا ہی خیال کرتے ہوں یا یہ سمجھتے ہوں کہ کسی گروہ بندی کے ماتحت خواہ مخواہ اب سوا سو برس کے بعد اس کی ذات کو اُبھار کر کوئی ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ذیل میں چند قدیم و جدید ادبا، و مؤرخین کے افکار و آرا جمع کیئے دیتا ہوں تاکہ بالراس و العین سب کو یہ محسوس ہوجائے کہ دُنیا چاہے سراہے یا نہ سراہے، حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں اگر خدا کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو کوئی اُسکے دینے کو روک نہیں سکتا،

قدیم تذکرہ نگاروں کی تیسری قسم نظیر کے معترفوں پر مشتمل ہے جنھوں نے اپنے اپنے وقتوں میں اُسکی اصل خوبیوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی، اگرچہ اُن کی یہ کوششیں بھی پیاسوں کے سامنے ایک قطرے سے زیادہ باحیثیت نہیں قرار دی جاسکتیں پھر بھی چونکہ وہ معترف

اور انصاف کا علم تھامے ہوئے ہیں اسلیے لائق صد مبارکباد ہیں، اب اس کی تفصیل آپ خود ملاحظہ فرمالیں،

۱۔ محمد وزیر خاں مہتمم مطبع احمدی واقع چار سو دروازہ آگرہ کی رائے :۔

"کتاب لطف مآب پسند ہر صغیر و کبیر کلیات نظیر"

۲۔ شیخ نورالدین بن جیوا خاں مہتمم مطبع صفدری واقع بمبئی کی رائے :۔

"(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب پسند خاطر ہر صغیر و کبیر اعنی منتخب نظیر (مصنف کی نسبت) نتیجۂ سر دفتر شعرائے زمان خویش و مقتدائے رہ روان سلوک خیر اندیش جناب شیخ ولی محمد صاحب متخلص بہ نظیر۔

۳۔ سید تصدق حسین صاحب مصحح مطبع اودھ اخبار لکھنؤ کی رائے :۔

"مصنف باکمال نے ہزاروں طرح کے پند و نصائح کو چٹکلوں اور مثالوں میں نظم فرمایا ہے خواب غفلت سے دنیا کی میٹھی نیند سونے والوں کو کس کس حسن ادب سے جگایا ہے حق تو یہ ہے کہ اگلے لوگوں کا کلام بھی عجب پُر تاثیر ہے کہ ہر زمانے اور ہر وقت میں اُس کا مداح ہر صغیر و کبیر ہے یہی کلیات ہے، کہ اگر چشم ظاہر سے اِس کو دیکھو تو طرح طرح کی دل لگی کی باتوں اور مذاق کی حکایتوں سے مملو ہے اور اگر دیدۂ حق بیں سے بغور و تامل ملاحظہ ہو تو سراسر دنیائے ناپائدار کی مذمتوں اور چرخ کج رفتار کی شکایتوں کا دریا گویا بہ سبو ہے۔"

۴۔ حکمت یار خاں ابن حافظ احمد خاں شاگرد جناب منشی نثار احمد بریلوی کی رائے :۔

"(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب سر دفتر شعرائے زماں سرمشق قلوب عاشقاں (مصنف کی نسبت) کہ جس کو سیاح دریائے فصاحت بیانی و غواص بحر فہم و معانی جناب شیخ ولی محمد اکبر آبادی متخلص بہ نظیر نے اپنی صاف طبع سے نکال کر رشتۂ بحور رنگا رنگ میں منسلک کرکے جوہریان و نقادان بازار معانی کو مستفیض کیا۔"

۵۔ حکیم میر قطب الدین باطن (شاگرد رشید میاں نظیر) مؤلف گلستانِ بے خزاں

کی رائے:۔

"مصنف کی نسبت) پیر مغان میکدۂ سخن۔ جرعہ کش راوقِ مضامین نو وکہن جناب سید علی محمد نظیر۔ دُرّۃ التاج شہنشاہ سخن دانی۔ گوہر یکتائے قلزم فیض رسانی۔ سر پر آرائے اقالیم سخنوری اورنگ پیرائے محافل شاعری۔ شمع شبستانِ مکرمت۔ چراغ دودمانِ عزت۔ گلدستۂ گلستانِ عظمت۔ غنچۂ بہار ندرت۔ لعل معدنِ حلم وحیا۔ گوہر گنج اتقا۔ خورشید آسمانِ وفا۔ ماہ چرخِ صفا۔ بادہ نوش میخانۂ مضمونِ یک رنگی۔ رحیق پیمائے مصطبۂ معنیِ دل نشینی۔ مخزنِ جود و احساں۔ معدنِ الطاف بے پایاں۔ حلیم الطبع۔ خلیق الوضع۔ مطلع انوار سواد نظم۔ مقطع بیاض تجلیات بزم۔ حریف محفل آشنائی۔ ظریف انجمن دانائی۔ خلاصۂ خاندانِ نبالت۔ سلالۂ دودمانِ اصالت۔ چرخ ہمت۔ زمینِ حلم۔ دور از جہل نزدیک بعلم۔ وحید عصر۔ یکتائے زماں یکہ تازِ عرصۂ مضمون سخن سنجاں۔ آشنائے غوامضِ نکتہ چینی۔ دانائے دقائق رنگینی۔ عالی فکر بلند ہمت، رفیع مرتبت، بزرگ شوکت، والا فطرت، اوجِ فتوت۔ ہادی شعر القب۔ صاحب قاعدۂ ادب۔ (شاعری کی نسبت) خیاطِ ازل نے قبائے مضامین نادر اُن کی عقل کے جسم پر قطع کی۔ دبیر فلک نے بیاضِ سخن پردازی و مضمون طرازی ان کے نام بخشی۔ بلاغت میں سلمانِ ساؤجی بسم اللہ خوانِ دبستاں۔ فصاحت میں سحبان بن وائل طفل مکتب ایشاں۔ اِن کے چمن فکر میں اس طرح کے گلہائے مضامین کھلے ہیں کہ اگر عین خزاں میں بلبل تصور کو اس باغ میں لے جائیے تو اُن پھولوں کی بو کارِ نفسِ عیسوی کرے۔ نغمہ سرائی عندلیب طبع کی اگر طوطی بے جاں سُنے تو ہزار جان سے نوا سنج توصیف و مدح ہو کر ان کا دم بھرے۔ جس شاخ پر ایک پھول گلستانِ سخن ان سے کھلا دیکھیں، ہزارانِ شائق عنادل دار جان نثار کریں۔ گلشن جنت ایک برگ خزاں رسیدہ چمنستان طبع۔ بہارِ خلد غنچۂ گلبن باغِ جنان طبع۔ شاعر اس کو کہتے ہیں کہ واقف ہو زمانے کے امورات نیک و بد سے۔ ہمہ داں شیریں بیاں ہو بڑھ کے حد سے شعر گوئی کے دقائق سے خوب ماہر ہو۔ شاعری کے سب نکتوں کا فائدہ اُس پر ظاہر ہو۔

شاعری کے عملوں کا عامل ہو۔ ہر طرز میں مہارت کامل ہو۔ جیسے ہادی شعرا۔ شاعر نامدار، عالی مقدار جن کے کلمات شائستہ سے گوشِ فہم عالم کو عقل سماعت بخشی اور شہر شہر و دیہ دیہ قصبہ قصبہ ہر کوچہ و برزن میں ہزاروں فرسخ بجز ذکر اوصاف نظم و نثر اُس جنت آرامگاہ کے کچھ بات نہ سُنی۔ ساقی خم خانۂ فیضِ طبع نے تشنۂ بادۂ شوقِ سخن کا لب تر کیا۔ پیر مغانِ طبع نے ہر ایک خشک کام گلو تر کردۂ راوق تمنّائے سخن کا اپنے دور میں لبالب ساغر کیا۔ کلام نظیر شعرائے عصر کے لیے نظیر ہے۔ تقریر عاصی بے نظیر ہے۔"

۶۔ ابوالقاسم میر قدرۃ اللہ قادری صاحب تذکرہ کی رائے:۔

(مصنف کی نسبت) شیخ ولی محمد اکبر آبادی۔ شاعرے است دیرینہ مشق کہ بالفعل (۱۲۲۱ھ) دراں نواحِ علم اوستادی سے افرازد۔ و نزد محبت و اخلاص با ہر کس می بازد بسیار سلیم الطبع و خوش اختلاط و نہایت نیک طینت و مستحکم ارتباط شنیدہ می شود۔ بہ معلمی اوقات گذاری می کند و بہ کشادہ پیشانی ایام زندگی بسر می برد۔"

۷۔ سعادت خاں ناصر صاحب تذکرۂ خوش معرکہ کی رائے:۔

(مصنف کی نسبت) نظیر۔ وضع قلندرانہ۔ مرد آزاد۔ معاش اُس کی تعلیم صبیان اور اجابت صدائے فقیراں۔

۸۔ منشی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ کی رائے:۔

"بعض دہلی کے تذکرۂ شعرا جمع کرنے والوں نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ ایک مُلّائے مکتبی، محتّت الفاظ سے مُعرّا۔ پُرگو۔ اور عوام الناس کی بلکہ جُہلا کی زبان لکھنے والا تھا۔ لیکن میری رائے میں وہ ہندوستان کا شیکسپیر اور فطرتی اور قدرتی مضامین کے بیان میں یدطولیٰ رکھنے والا تھا۔ اُس نے ادنیٰ ادنیٰ اور رکیک رکیک مضمونوں کو اس خوبی سے باندھا اور عمدہ نتیجہ نکالا ہے کہ دوسرا نہیں نکال سکتا۔"

۹۔ مولوی نذیر احمد کی رائے:۔

شواہد اس بات کے بکثرت ہیں کہ نظیر کا کلام مدتوں مولٰنا کے پیش نظر رہا ہے اور بہت دور تک اُس نے پسندیدگی کا شرف بھی حاصل کیا ہے کیونکہ اکثر اشعار اُس کے اُنکی تصانیف میں پائے جاتے ہیں چنانچہ اُردو میں قرآن شریف کا جو ترجمہ مولٰنا نے شائع کیا ہے اُسمیں بھی اللہ یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم کے فائدے کے ضمن میں نظیر کے یہ ضرب المثل اشعار موجود ہیں۔

نیکی کا بدلہ نیک ہے بدکر بدی کو سات لے — کانٹے لگا کانٹے پھلیں پھل پات پھل پات لے
کل جگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے — کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہات لے

اِس سے بڑھ کر ایک شاعر کے لیئے اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ اُس کا شعر ترجمۂ قرآن جیسی مقدس کتاب میں ایک اہم قاعدۂ بلاغت کے اثبات میں نقل[1] ہو۔

ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں جو تقریر مولٰنا نے کی اُس میں نظیر کے ایک شعر کو نہایت لُطف سے پڑھا اور اُس کی طرف لوگوں کی توجہ کو کسی قدر غیر معمولی طور پر منعطف کیا۔ جس عبارت میں نظیر کا ذکر کیا ہے یہ ہے :۔

"تمہارے آگرے میں ایک صاحب میں وحید سے کے ہمنام ہو گزرے ہیں یعنی نظیر اکبر آبادی۔ میں وجہ میں نے اس لیئے کہا کہ نظیر اُن کا تخلص تھا۔ اور میرا نام ہے اُن کا تخلص "خاص" تھا۔ میرا نام "نذیر" ہے۔ ایک صلاح وہ بھی بتا گئے ہیں۔ نہیں معلوم ہنسی ہے یا واقعی۔ دیکھو شاید وہی مفید ہو۔ اُن کی تو یہ صلاح ہے۔

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل — چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل"

۱۰۔ مولوی سید محمود آزاد کی رائے :۔

ایک بزرگ حکیم نبی بخش، میر غلام پیر مرحوم کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ نظیر کا کلام اُن کی زبان پر چڑھا ہوا تھا۔ وہ بات بات پر اُس کی تعریف کرتے اور کہتے مجھے تو

[1] ترجمۂ قرآن صفحہ ہ۔

اُس کے سوا کسی کے کلام میں مزہ ہی نہیں آتا۔ میں تو جب دیکھتا ہوں اُسی کا کلام دیکھتا ہوں میں اِن کی باتیں سنتا اور ہنستا کہ مرد خدا کس قدر بدمزاق ہے۔ اُن دنوں ناسخ کے کلام کا مزہ دل میں سمایا ہوا تھا۔ نظیر نگاہ میں جچتا ہی نہ تھا۔ دل میں کہتا حکیم صاحب کو چونکہ استعداد نہیں ہے اِس لیئے ایک بد استعداد شاعر کی اِس قدر تعریفیں کرتے ہیں۔ لیکن اب حکیم نبی بخش کی باتیں یاد آتی ہیں۔ واقع میں اُن کی رائے مذاقِ سلیم کا نتیجہ تھی نہ کہ نتیجۂ بد استعدادی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو میرے خیال میں نظیر کسی طرح میر وغیرہ اساتذۂ قدیم سے کم نہیں۔ کلیات نظیر میں نے حکیم صاحب ہی کے تقاضوں سے منگوایا تھا۔"

۱۱۔ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی کی رائے:۔

ان سے سوانح عمری نظیر کا ذکر آیا تو یہ متعجب نہیں ہوئے بلکہ بکشادہ پیشانی تمام اُس کے شاعرانہ کمالات اور خوبی کلام کا اقرار کیا اور اُس کو ریلسٹک پوئٹ کا خطاب دیا اور اس امر کے ثبوت میں کہ وہ اُس کے کلام کو کسی زمانے میں دل سے پسند کرتے تھے فی الوقت نظیر کے یہ اشعار پڑھنے لگے۔

تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا ۔۔۔ گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا ۔۔۔ مشین بدن تھا معطر کفن تھا
جو قبر کہن اُن کی اکھڑی تو دیکھا ۔۔۔ نہ عضو بدن تھا نہ تارِ کفن تھا
نظیر آ گئے ہم کو ہوس تھی کفن کی ۔۔۔ جو دیکھا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

پھر بعض تریخ تصنیفات کا حوالہ دیا اور کہا کہ نظیر کے حالات ڈھونڈھ کر میں نکالوں گا۔"

۱۲۔ ڈاکٹر فیلن کی رائے:۔

"تحریری علم ادب میں سب سے زیادہ نظیر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس کی شاعری اہل فرنگ کے نصاب کے مطابق سچی شاعری ہے

مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اُس کو سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتی۔ صرف نظیرؔ ہی ایسا شاعر ہے جس کے اشعار نے عام لوگوں کے دلوں میں راہ کی ہے۔ اُس کے اشعار ہر سڑک اور گلی میں پڑھے اور گائے جاتے ہیں خصوصاً اُس کے خاص شہر آگرہ میں اور واعظین (یا پادری) جو کہ اُس کی نظموں سے بہت اچھی طرح آشنا ہیں اُس کے اور کبیر کے اقوال کا شارع عام پر وعظ کہتے وقت نمایاں تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ نظیرؔ میں تمام وہ صفتیں دل اور دماغ کی جمع تھیں جو فطری ذکاوت کو امتیاز بخشتی ہیں۔ اُس کی نظمیں آپ اُس کی سوانح عمری ہیں کیونکہ قالب نظم میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی خصوصیتوں کے ساتھ چھپا جاگتا نظر آتا ہے۔ اور سامان نہ سہی۔ فقط اُنہی نظموں سے اُس کی تصویر کے بعض خط و خال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ وہ حقیقت میں آزاد و بینوا تھا اور یہی وہ اپنے تئیں بتاتا بھی تھا وہ اصل میں دُنیا سے بے تعلق صوفی تھا جس کا اوروں کو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ تقدیر کی نہ موافقت کی پروا کرتا تھا نہ مخالفت کی۔ وہ کچھ چاہتا ہی نہ تھا۔ وہ نہ کسی مرد کی پروا کرتا تھا نہ کسی عورت کی۔ عورتوں سے اگر مطلب تھا تو صرف اتنا کہ دور سے اُن کے حُسنِ صورت پر عش عش ہولے۔ نہ اقبال سے وہ پھولتا تھا نہ ادبار سے ملول ہوتا تھا۔ جیسا کہ اُس نے خود کہا ہے وہ "اپنی کھال میں مست" تھا۔ اُس نے کبھی اپنی کسی تحریر کے حفاظت سے رکھنے کا خیال نہ کیا اُس کی نسبت لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُس کا معمول یہ تھا کہ نظم لکھی اور لکھ کر پھینک دی۔ شاگرد یا دوست جن کے لیے وہ نظم لکھی اُٹھا کر لے گئے۔ نہایت وسیع معنوں میں وہ اعلیٰ درجہ کا آزاد۔ اعلیٰ درجہ کا موحد، اعلیٰ درجہ کا حکیم، اور اعلیٰ درجے کا جگت دوست تھا۔ اُس کی ذکاوت کی رنگا رنگی اُن مضامین رنگا رنگ سے ظاہر ہوتی ہے جن پر اُس نے طبع آزمائی کی ہے۔ جس قسم کے شاعرانہ خیالات اُس نے اُن معمولی چیزوں سے پیدا کیے ہیں جن پر اور ہندوستانی شاعروں نے لکھنا یا تو کسرِ شان سمجھا یا اُن کو لکھنے کی قابلیت ہی نہ تھی اُنہی کو ہندوستانی محققین ناواقفیت سے اِس بات کا نہایت یقینی ثبوت خیال کرتے ہیں

کہ وہ کوئی شاعر نہ تھا۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اُس نے اس قسم کی بتذل چیزوں پر لکھا ہے۔ آٹا دال۔ ککڑی۔ مچھر؛ اُس کی طبیعت کی رنگارنگی اور اُس کی تخیل کی قوت علاوہ بریں اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اُس نے ایک ہی چیز کی مختلف نظموں میں مختلف پہلو سے مختلف تصویریں دکھائی ہیں۔ اُس کا دیوان خاصا تصویروں کا ایوان ہے جس میں ہندوستان کے رہنے والوں کے کھیل۔ تماشے۔ عیش۔ تفریح۔ رنج۔ غم۔ دل۔ دماغ سب کی بولتی چالتی تصویریں نظر آسکتی ہیں۔"

"نظیر طبیعت (فطرت) اور ہر قسم کی انسانیت کے ساتھ ایک گہری ہمدردی رکھتا تھا وہ ہر چیز میں خوبی پاتا تھا۔ وہ خوش ہے جب گروہ کا گروہ خوش ہے۔ وہ اُن کے کھیل تماشوں سے مزہ لیتا ہے۔ وہ اُن کی مصیبتوں سے دُکھ پاتا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس نے لڑکوں کے پیار اور محبت کو لکھا ہے اور صرف یہی ایک شاعر ہے جس کو غریبوں مفلسوں بے کسوں مصیبت زدوں اور سب سے کس پرس خدا کی مخلوق کے ساتھ جوش ہمدردی ہے جیسا کہ اُسنے اس مضمون کو نہایت عمدہ طور سے اپنی اُس عمدہ نظم کے مقطع میں ظاہر کیا ہے جو اُس نے آدمی نامے کے نام سے انسان پر لکھی ہے:-

اچھے بھی آدمی ہی کہاتے ہیں اے نظیر — اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

پاک عشق کی تصویر جو اُس نے کھینچی ہے وہ اُسی کا حصہ ہے اور اِسی لیئے اُس نے کھینچی بھی خاصی ہے۔

اُس کے کلام کا سب سے عمدہ حصہ کسی مطبوع مجموعے میں نہیں ہے جو اُس کے نام سے چھپا ہے۔ اُس کا اس قسم کا کلام صرف رمتے ہوئے فقیروں (آزادوں) اور ناخواندہ اشخاص کی زبانی سُنا جاتا ہے جو کہ اپنے سینوں میں اُس انسانی فطرت کا کچھ بہتر احساس رکھتے ہیں جس کے نقش و نگار نظیر نے اِس خوبی سے دکھائے ہیں۔ یہ ناخواندہ اشخاص اپنی پسند کی نظمیں زبانی رکھتے ہیں بخلاف اسکے کہ پڑھے لکھے حضرات اپنی پسند کے شعراء کا کلام زبانی

نہیں رکھتے۔ اور ان کی ایک بہت بڑی جماعت اِن مقبول نظموں کو رغبت سے سنتی اور متلذذ ہوتی ہے اور اس لذت کے اُٹھانے میں اپنا وقت کہیں زیادہ صرف کرتی ہے بہ نسبت اس کے کہ پڑھے لکھے اشخاص کہیں کہیں اپنے اُن غیر اصلی اور لفاظ شعرا پر صرف کرتے ہوں جن کے مدّاح ہونے کا وہ دم بھرتے ہیں۔ اور پھر ناخواندہ اشخاص کی خوشی زیادہ گہری بھی ہے اسلیے کہ اُن کا سلیقۂ فطری زیادہ سچّا ہے اور اُن کی رغبت کی شے زیادہ قابل مدحت ہے "

"اُس کے دل ودماغ کی صفائی اور اُس کی تحریر کی لطافت اِس درجے کی ہے کہ جب وہ کوئی فحش خیال بھی پیدا کرتا ہے (جب کہ یہ بات اُس تصویر کی صحّت خط وخال اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتی ہے) تو فحش پر اِس لطافت کے ساتھ پردہ ڈال دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ خود [illegible] تماشائیوں کو بھی صاف نظر نہیں آتا جو اس کثرت کے ساتھ ذو معنی الفاظ اور ضلع جگت کا استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ وہ کسی پاک جذبۂ دل کی اعلیٰ خوبیاں تعرف الاشیاء باضدادہا کے اصول پر بیان کرنے کو ہوتا ہے تو شہوانی خیال کو دماغ میں دیر تک رہنے اور اُس پاکیزہ خیال کے محو کرنے کی اجازت نہیں ہوتی جس کو نظیر بااہتمام پڑھنے والے کے پیش نظر رکھتا ہے "۔

"بعض مضامین شدّت سے فحش ہیں مگر شوخی جو سچّی اور جان دار نقاشی کے لیے ایک جزو ضروری ہے اس طرح اس کے کلام میں ملی ہوئی ہوتی ہے کہ فحش بالکل نظر نہیں آتا۔ سر سے پا تک ظرافت اور لطافت چھائی ہے اور بڑی دل موہ رہی ہے "

"نظیر نے مادری زبان کے خزانوں پر اپنا سکہ بٹھا دیا ہے۔ اُس نے اس خصوص میں وہ کام کیا ہے جو صرف سلاطین (اقلیم سخن) مثلاً چاسر وشیکسپیر کر سکے ہیں۔ اُس نے ہندی الفاظ کو تمام اُن خوش نما ترکیبوں میں ظاہر کیا ہے جن میں وہ ظاہر ہو سکتے تھے اور اپنی ذات پر جواں مردانہ اعتماد کرکے جو ذکاوت کا خاصّہ ہے اُس نے لفظوں کے نئی ترکیبوں اور نئے معنوں میں استعمال کرنے کی جرأت کی ہے اور یہ ترکیبیں اور معنی ہمیشہ خوش آیند ہیں "۔

"جو کچھ نظیر نے لکھا ہے اُس میں مشکل سے کوئی معمولی مصرعہ ہوگا۔ اور جو کچھ اُس نے لکھا ہے اُس کا ایک بہت بڑا حصّہ بجائے خود ایک مشاہدہ ہے۔ اس کے خیال کی گہرائی اور اُس کی اُن نادر ترکیبوں کی قوت جن میں کہ ہر لفظ اظہارِ معنی میں دوسرے کا معاون ہے جس قدر غور کیجیے اُسی قدر ظاہر ہوتی ہے۔ علم والے ہندوستانی ادبا جن کی کوشش صرف الفاظ کے پیچھے صرف ہے وہ رسائی خیالات میں اس قدر کوتاہ ہیں کہ اکثر نظیر کی وسعت و خوبی معنی کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں اور وہ اُس کی ترکیبوں کی خصوصیت مناسبت کبھی نہیں سمجھتے جو وہ ترکیبیں اُن تمام معانی کے ساتھ رکھتی ہیں جو اُن سے نکلتے ہیں۔ اور یہی وہ شاعر ہے جس سے قریب قریب تمام یوروپین ناظرین بالکل ناواقف ہیں اس لیے کہ ہندوستانی اُدبا و شعرا اُس کا نام لینا بھی کبھی پسند نہیں کرتے۔"

"علم والا گروہ جو کہ نظیر کی قدر دانی کی صلاحیت نہیں رکھتا اُس کی پرستش کی چیز ناسخ ہے۔ ناسخ جس کی تشبیہیں نہایت صناعی کے ساتھ مختلف اور صداقت سے بہت زیادہ دور ہیں اور جس کی زبان عربی اور فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں کا ایک خاصا میلا ہے جس میں کسی معمولی ہندی لفظ یا حرف کو صرف اُسی صورت میں شریک کیا گیا ہے جب کہ اُس کی شرکت سے گریز نہیں رہا۔" (ماخوذ از دیباچہ لغات ہندوستانی و انگریزی مصنفہ ڈاکٹر فیلن۔ صفحہ ۸ تا ۱۰)

۱۳۔ مذکورۂ بالا دور کے بعد یعنی نظیر کی موت کے تقریباً ۷۵ برس کے بعد کچھ اور لوگوں کو خاص طور سے اُس کے حالات اور کلام کے کھوج کا شوق دامنگیر ہوا جن میں مولوی عبدالغفور صاحب شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج کا نام خاص طور پر قابلِ تذکرہ ہے۔ آپ نے ۲۲×۱۸/۸ سائز کے ۴۲۵ صفحوں پر ایک ضخیم کتاب "زندگانی بے نظیر" کے نام سے مرتب کی جس میں انتہائی تلاش و تحقیق اور اس وقت کے بڑے نقادوں، ادیبوں اور مورخوں کے مشورے کے بعد کلام نظیر کو کافی تفصیل کے ساتھ بیسرج کیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ

اس کے فوراً ہی بعد ایک نئی کلیات نظیر بھی گیارہ سو صفحات پر مشتمل شائع کی جس پر اگر یہ کہا جائے تو شاید بالکل بجا ہوگا کہ پرانے تنقید نگاروں اور مورخین سخن نے جو دانستہ یا نادانستہ ٹھوکر کھائی تھی اُن کی ان خدمتوں سے بڑی حد تک تلافی ہو گئی اور ملک کا ہر پڑھا لکھا طبقہ نظیر اور کلام نظیر سے آشنا ہو گیا،

شہباز ہی کا یہ لٹریچر آج کل عام طور سے تمام مصنفین و مؤلفین کے لیے جو نظیر کے متعلق کچھ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں خضر راہ رہتا ہے۔

۱۴۔ اس کے بائیس برس کے بعد نظیر کے ہموطن حضرت مخمور اکبر آبادی کا نام ہے، آپ نے بھی اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ "روح نظیر" جو آپ کا مرتبہ مجموعہ ہے دو ایڈیشنوں میں ابتک شائع ہو چکا ہے، پہلا ایڈیشن مختصر تھا مگر اب تازہ ایڈیشن جو سنہ ۱۹۴۶ء میں آگرہ کے اندر شائع ہوا ہے ۱۷×۲۷/۸ ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں آپ نے علاوہ بہت سے غیر مطبوعہ کلام کے اضافے کے شروع کتاب میں ۸۴ صفحہ پر ایک بہت ہی کارآمد اور مبسوط مقدمہ اور ۱۶۰ صفحوں پر نظیر کے کلام پر تبصرہ کر کے اُردو ادب پر بڑا بھاری احسان کیا ہے، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً ملک کے ادبی و تاریخی رسائل میں بھی اکثر نظیر کے اوپر آپ کے مقالات شائع ہوتے رہے ہیں چنانچہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء میں آپ نے جو مقالہ تحریر کیا تھا اس میں آپ لکھتے ہیں،

نظیر پر اک نظر کہا جاتا ہے کہ نظیر (۱۷۳۰ — ۱۸۳۰) محمد شاہ کے عہد سے اس عہد کی ابتدا تک جسے تاریخ، دور مستقبل میں عہد انقلاب کہے گی گمنام رہا، اس کی گمنامی، اس کی شخصیت اور شیکسپیر کی زندگی کے حالات کی طرح ایک عظیم الشان راز ہے جس کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے۔ یہ گمنامی اس شخصیت کی گمنامی ہے جسے ایک صدی سے زیادہ کی طویل بے اعتنائی صفحۂ ہستی سے مٹانے اور ذہنوں سے محو کرنے میں کامیاب نہ ہوئی۔ زبان کے مورخوں کی عدم توجہی اور نقادوں کے استہزا کے باوجود جس شاعر کا کلام مسلمہ ناموروں کے دوش بدوش

[illegible] داخل، بے نواؤں اور گداگروں کو حفظ اور مثالوں اور کہاوتوں کے طور پر وردِ زبان ہو،
جس کی پوری نظمیں عطف و اضافت کی صحت کے ساتھ، ستر اور اسّی برس کے ناخواندہ بوڑھوں
کو یاد ہوں اور جو انہیں تھرک تھرک کر عام جلسے میں گانا آج بھی اپنا فخر سمجھتے ہوں۔ جس کے
صرف نام سے بسنت کے جشن میں ہزاروں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی فرقہ وارانہ کشمکش کے اس
ملعون دور میں جمع ہو جائیں، جس کی قبر پر عقیدت مند جلا چراغ چڑھا کر منت مانگیں اور اہلِ نظر
پرستار پھولوں کے ہار گجرے چڑھائیں۔ اس کی گمنامی ضرور ایک اہم راز ہونی چاہیے۔ اگر
آپ اُردو زبان کے شاعروں کے کلیات، دیوان اور منتخبات کے مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخے
جمع کر کے یہ فیصلہ کرنا چاہیں کہ سب سے زیادہ متنوع اشاعتوں میں کس کا کلام مفید ہے تو آپکو
سرِ دفتر اسی گمنام شاعر کا نام ملے گا جسے مغرب کے مبصروں نے اُردو کا واحد شاعر تسلیم
کیا ہے۔ ان شہادتوں کے بعد آپ حیرت میں پڑ کر نظیر کی گمنامی کا مفہوم سمجھنے کی کوشش
کریں گے۔ نظیر کے باب میں گمنامی کا لفظ اصل میں ایک اضافی لفظ ہے جو صرف نظیر کی ذات
کی نسبت سے اپنے اندر معنی رکھتا اور اپنے مفہوم کا حامل کہا جا سکتا ہے۔ شہرت کی جو مقدار
نام نہاد گمنامی میں نظیر کا حصہ رہی وہ کسی بڑے شاعر کے لیے مباہات کا موجب بن سکتی ہے
لیکن خود نظیر کی ذات کے لیے گمنامی کی مترادف ہے۔ شہرت کے عام معنی میں نظیر پر اس
لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کی شخصیت عام امتیازات کی دسترس سے بالاتر ہے۔ دوسرے
شاعروں کی ناموری حدیں جہاں ختم ہوتی ہیں وہاں سے نظیر کی ابتدا ہوتی ہے۔ نظیر کو جب
گمنام کہا جائے تو مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ بقدرِ کمال اس کی فطنت کی داد نہیں دی گئی،
اُنیسویں صدی کے آخری دو اور بیسویں کے پہلے ربع کی عام ہندوستانی آنکھیں نظیر
کے کمال کے جوہر پرکھنے سے قاصر تھیں۔ آبِ حیات کے مصنف نے اگر نظیر کو نظر انداز
کیا تو اس سے نظیر کی بے کمالی یا آزاد کی جوہر ناشناسی ثابت نہیں ہوتی۔ جو ثابت ہوتا
ہے وہ یہ ہے کہ خود نفسِ ذوق، میں اتنا بلوغ پیدا نہ ہوا تھا کہ آسمانِ شعر کے انتہائی منازل

میں اُڑان بھر سکتا۔

نظیر کا عہد اور شاعرانہ کمال

نظیر کے عہد کی شاعرانہ فضا، اُس جیسی فطنت کی خلقت کے لیے بہ ظاہر سخت ناموزوں تھی۔ لیکن فطرت کو کلیہ توڑنا یا استثنا سے اس کا ثبوت مقصود تھا، اس لیے نظیر کو تصنع کا مخالف اور واقعیت کا علمبردار بنا کر بھیجا۔ زمانے کے لحاظ سے وہ سودا (۱۷۱۳ — ۱۷۸۱)، میر (۱۷۹۳ — ۱۸۱۰)، جرأت (۵ — ۱۸۱۰)، انشا (۵ — ۱۸۱۷) اور مصحفی (۱۷۵۰ — ۱۸۲۴) کا معاصر تھا۔ اُردو شعر کی دُنیا میں ان ناموں کی عظمت مسلّم ہے، لیکن ذرا سی ادبی بصیرت بتا دیتی ہے کہ ان سب کے کلام کی قسم ایک ہے۔ رنگ و اسلوب کے ہلکے ہلکے تنوع سے قطع نظر کر کے، ان استادوں کے کلام میں کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ مشترک یہ ہے کہ ان کے افکار حقیقت سے اتنے دور ہیں جتنے تصنع سے قریب ہیں۔ زندگی کی آئینہ داری ان کے یہاں قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہے۔

نظیر کی "بے راہ روی" نے اُس کے لیے "سہرا ہے" پیدا کر دیا جس پر قدم زن ہو کر اُس نے آپ اپنی شاہراہ بنالی۔ میر و سودا کے ماحول میں نظیر، ذوق، مومن کے ماحول میں، غالب، آتش و ناسخ کے ماحول میں، انیس اور داغ و امیر کے ماحول میں اکبر جیسی شخصیتوں کا پیدا ہونا صریحی خرق عادت ہے۔ لیکن ایسا منظم مظاہرہ جیسا نظیر نے کیا بہت کم ہوا کرتا ہے۔ معجزہ فطرت کے انتہا پسند مظاہر میں سے ایک شدید آلۂ کار ہے۔ اس کی حدیں عرفان و انکار کی آخری حدوں سے ملی ہوئی ہیں۔ فطرت جب خود دخل دینا چاہتی ہے تو قیامت سے کم برپا نہیں کرتی فطنت کا آوازہ تائیدی نوا نہیں ہوتا۔ نظیر اور اُردو شعر کی دُنیا کا پہلا باغی ہے جس نے تحریک انقلاب کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ نظیر، غالب، انیس اور اکبر کا متحدہ اثر ہے جس نے نادر کاکوروی سرور جہاں آبادی، اقبال، صفی، ثاقب جانسی، فانی اور جوش جیسے صاحبان فکر و بصیرت شعرا اُردو میں پیدا کیے، جنھوں نے پرانی روش کو ترک کر کے فطرت، انسان اور زندگی کا غائر مطالعہ کیا۔

دُنیا میں چراغ سے چراغ جلا کرتا ہے۔ دوسرا، پہلے سے سیکھ کر تیسرے کو سکھاتا ہے۔ خیالات کے نشو ونما اور سوسائٹی کی درجہ بدرجہ ترقی کا عام اصول یہی ہے۔ لیکن بعض شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کسی سے اپنا چراغ نہیں جلاتیں خود اپنی ذات کی فطری درخشانی کے باعث سب سے الگ تھلگ چمکتی ہیں۔ نظیر نے اپنا چراغ کسی سے نہیں جلایا۔ اس کی فطرت اور بصیرت اس کی رہنما بنیں۔ وہ صحیح معنی میں تلمیذ الرحمان تھا۔ نہ اس کا کوئی اُستاد تھا نہ اس نے اپنا مخصوص اندازِ بیان اور نظریۂ شعر کسی کو باقاعدہ سکھایا۔

یہی وجہ ہے کہ جب سماج کا بھونڈا یا ناتراش فن نقادی اپنے محدود معیار کے مطابق اسکے کلام پر نقد کرنے بیٹھا تو ہر کس و ناکس کو طرح طرح کی خامیاں نظر آنے لگیں۔ خود ان نقادوں کے فہم کی رسائی چند خود ساختہ اُصولوں کی دیوار تک تھی اور بس،

یہ پہلی اصولی غلطی تھی جو نظیر کے سمجھنے یا سراہنے میں کی گئی۔ ضرورت اس کی تھی کہ پہلے نظیر کے نظریے کا جائزہ لیا جاتا اور خود اس کے وضع کردہ نقطۂ نظر کے حدود کے اندر اسکے کلام کے محاسن و معائب کو سمجھا اور جانچا جاتا۔

نیا آرٹ پرکھنے کے لیے نیا معیار سامنے ہونے کی حاجت تھی۔ اس لیے نظیر کا تقابل کسی سے ممکن اور جائز نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اہل کمال کے مصنوعات میں ان کی شخصیت کا مکمل عکس ہوتا ہے۔ انکی صناعت ان کے نفس کا آئینہ ہوتی ہے۔ اُردو کے بیشتر شعرا میں یہ خصوصیت نظر نہیں آتی نظیر اس خصوص میں بھی فرد ہے۔ اس کے کلام سے اس کی شخصیت پھٹی پڑتی ہے۔ اس کی فقیرانہ زندگی اور معلمی کا پیشہ اس کی روح کے استغنا، ذہن کی وسعت اور قلب کی طمانیت کے اٹل ثبوت ہیں۔ یہ سب کیفیتیں بغیر بتائے کلام سے صاف ظاہر ہیں۔

بعض خصوصیات | قناعت عوام میں عیب لیکن خواص میں ہنر ہے۔ نظیر مفلس تھا مگر بڑا قانع تھا۔ اس کی قناعت اس کی زندگی کا ایک مستقل اور نہایت دلچسپ باب ہے۔ اس کی قناعت کا

درجہ اس لیے بہت بلند ہے کہ اس کی قناعت مجبوری کا دوسرا نام نہیں بلکہ ان تمام پاکیزہ اجزا سے مرکب ہے جو اس صفت کا لازمہ ہیں۔ حصول ثروت کے ذرائع، زمانہ نے نظیر کے لیے بہم کیے اور بار بار بہم کیے مگر اس کی غیرت و ایثار نے ان سے استفادہ نہیں کیا۔ دُنیا کے بہت سے ارباب کمال زندگی بھر مفلس رہے ہیں مگر خود اختیاری مفلسی کا شرف بہت کم کو حاصل ہوا ہے۔ جو شخص، نظیر کی طرح جہاد کریگا وہی قناعت کے اتنے بلند مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے نظیر اُردو کا پہلا شاعر ہے جس نے ورڈسورتھ کی طرح عامتہ الورود موضوعات پر عام زبان میں شعر کہا اور اس کا فائدہ یا ذائقہ عوام تک پہونچایا۔ دقیق خیالات اور مشکل الفاظ کے جو تودے اساتذہ نے فہم کی راہوں میں جمع کر دیے تھے وہ نظیر نے ہٹائے اور خیال کی آمد و شد کے لیے راستہ صاف کیا۔ کیا یہ طریقۂ کار، انسانیت پر احسان نہیں کہ نظیر نے شعر کی دولت سوسائٹی کے اس طبقے تک پہونچا دی جو اب تک ہر اعتبار سے نااہل سمجھا جاتا تھا اور اس میں سمجھنے اور غور کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔ فیض سخن ایک بڑی مشہور بات ہے لیکن جس سخن سے صحیح معنی میں فیض پہونچا وہ نظیر ہی کا سخن ہے۔ تربیت نفس میں نظیر کا کلام سعدی کے کلام کے برابر اثر کرتا ہے۔ ابھی بتایا گیا ہے کہ نظیر نے عام زبان میں شعر کہا۔ عام کا لفظ یہاں جان کر استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے ہمارے نام نہاد ثقات یا اُن حضرات کو جو زبان کو افشاء کی نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں بڑی چڑ ہے مگر میں تو یہ کہنے پر تیار ہوں کہ عوام تک کوئی سیاسی، اخلاقی یا وجدانی پیغام پہونچانے کے لیے اگر عام زبان جسے سوقیانہ یا بازاری کہا جاتا ہے بولنی پڑے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں انسان کا مفاد زبان کو ستھرے رکھنے کی ضرورت سے مقدم ہے۔ ستھرا پن ایک اضافی بات ہے جس کی حدیں ضرورت اور حالات کے تحت میں بدلتی رہتی ہیں لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو خود ستھرے پن کا معیار فائدے کے مدارج کی نسبت سے قائم کرنا چاہیے۔ چنانچہ نظیر سوقیانہ زبان عام طور پر استعمال کر کے اگر اپنا شعری مشن پورا کر لیتا تو کچھ بے جا نہ ہوتا۔ یہ محض ایک علمی عصبیت ہے کہ عام کو سوقیانہ مترادف قرار دیا گیا ہے۔ عام کے معنی سوقیانہ یا بازاری نہیں، عام فہم ہیں۔

۱۵- مخمور صاحب کے بعد ۱۹۴۲ء میں مرزا فرحت اللہ بیگ چغتائی کا اسم گرامی ہے، آپ نے بھی عہد حاضر کے اس تقاضے سے متاثر ہو کر نظیر اور کلام نظیر کی اشاعت کی طرف اپنے قلم کو حرکت دی اور دو سو صفحہ سے زائد پر دیوان نظیر تیار کیا جس کے شروع میں ادبی و تاریخی نقطۂ نظر سے بہت ہی میٹھے انداز میں آپ نے نظیر کے کلام پر تبصرہ بھی فرمایا ہے۔

۱۶ و ۱۷- مرزا صاحب کے بعد نظامی صاحب بدایونی کا نام بھی بھلانا نہ چاہیے۔ آپ نے ۱۹۴۲ء میں نظیر کی ملکی و قومی نظموں کا جو ایک مجموعہ شائع کیا ہے وہ بھی اپنی جگہ پر قابل دید چیز ہے، اس مجموعہ کا پیش لفظ پنڈت اجودھیا پرشاد پاٹھک ایڈوکیٹ آگرہ کا لکھا ہوا ہے اور ۷ صفحہ پر نظیر کا تعارف خود انہوں نے اپنے قلم سے کرایا ہے۔

۱۸- اس سلسلے میں نیاز فتحپوری صاحب ایڈیٹر رسالہ نگار لکھنؤ کا نام مدتوں تک یادگار رہیگا آپ نے جنوری ۱۹۴۰ء میں خاص طور پر اپنے رسالے کا ایک نمبر نظیر کے نام سے شائع کیا جسمیں آپ نے ایک درجن سے زائد مقالات تحقیقی اور بہت سا غیر مطبوعہ کلام مہیا کر کے اپنے قارئین تک پہونچایا، نگار کا یہ نمبر تقریباً سوا سو صفحات پر مشتمل ہے اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اس میں آپ نے نظیر کے ایک بڑھاپے کی قلمی تصویر اور تحریر کا عکس بھی تیار کرا کر شامل رسالہ کیا ہے آپ اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں نظیر کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اگر آپ نے نظیر کے تمام اصناف سخن کا مطالعہ کیا ہے، تو میری طرح غالباً آپ کو بھی یہ بات محسوس ہوئی ہوگی کہ اس کا کوئی کلام ایسا نہیں جس میں کچھ "چہل بل" نہ ہو، کوئی "انوٹ" نہ پائی جائے اور ایک قسم کی "اینڈ" موجود نہ ہو، لیکن ان سب کے ملنے کے بعد جو چیز بنتی ہے اُسے کس لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی جسے نظیر کے مقطع نے سمجھا دیا کہ اسے "چھکلے بازی" کہتے ہیں اور نظیر ایک "چھکلے باز" شاعر تھا۔ لیکن "چھکلے باز" کسے کہتے ہیں یہ بات بجائے خود ذرا تشریح طلب ہے۔

"چھکلے باز ہماری سوسائٹی کا وہ انسان ہے (سوسائٹی سے علٰحدہ اس کا کوئی مفہوم متعین

نہیں کیا جا سکتا) جو بچوں سے لے کر بوڑھوں تک غریبوں سے لیکر امیروں تک۔ ہر عمر و طبقہ کی محفل میں اپنی جگہ پیدا کر لیتا ہے جو کبھی "بارِ خاطر" نہیں بلکہ ہمیشہ "یارِ شاطر" ثابت ہوتا ہے اور جس کی ہستی تکلف و تصنع سے بالکل پاک ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کا رجائی پہلو ہمیشہ نمایاں رہتا ہے، اور خود وہ ہنسے یا نہ ہنسے لیکن دوسروں کو ہنسانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا مرنجاں مرنج اِلّلا، گھلا، کھلنڈرا اور چونچال لیکن بے ضرر انسان ہوتا ہے کہ وہ ہر شخص سے محبت کرنا چاہتا ہے اور ہر شخص اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ وہ مردِ مرتاض بننے کا دعویٰ کبھی نہیں کرتا، وہ مذہب کی تنگ نظری سے ہمیشہ علیحدہ رہتا ہے، وہ ایک نہایت دلچسپ قسم کا "رند" ہے جو دنیا کو دوسروں کی نگاہوں سے دیکھنے کا زیادہ شائق ہوتا ہے اور اپنے آپ کو سوسائٹی کے اندر جذب کر کے اپنی انفرادیت کو بھی اجتماعی چیز بنا دیتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ گھل مل کر زندگی بسر کرنا اس کا نصب العین ہوتا ہے اور دل پر چوٹیں کھانے کے بعد بھی ہر وقت مسکراتے رہنا اس کا شعار ہوتا ہے، اس کی رنگینیِ طبع اکتسابی نہیں بلکہ یکسر وہبی ہوتی ہے؛ اور اسی لیئے وہ کبھی موقعہ پر چوکتا نہیں اور ہونٹوں پر آئی ہوئی بات کو روکتا نہیں۔ بولی ٹھولی، ضلع جگت، پھبتی، فقرہ بازی، بذلہ سنجی میں مشاق ہوتا ہے اور محفل کا جو رنگ ہوتا ہے اُسی میں ڈوب جاتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں کبھی تسبیح ہوتی ہے تو کسی وقت اس کی کمر میں زنار بھی نظر آتی ہے۔ اگر ایک وقت وہ لمبی ڈاڑھی کے ساتھ محرابِ مسجد میں دکھائی دیتا ہے، تو دوسرے وقت ریش و بروت صاف، اربھی کے ساتھ ساتھ بھی نظر آتا ہے، وہ بچوں کے ساتھ مل کر کھیلتا ہے، جوانوں کی محفل میں شریک ہو کر حسن و عشق کی باتیں کرتا ہے اور بوڑھوں کی صحبت میں وعظ و نصیحت کرتا ہے،

وہ اختلافِ مسالک و مشرب کو زندگی کا تنوع سمجھ کر اس سے دلچسپی لیتا ہے اور اسی لیے وہ اذان کی آواز اور صدائے ناقوس دونوں سے محبت کرتا ہے۔ اس کی زندگی یکسر نغمہ و رقص ہے جس میں سوائے قہقہہ و نشاط اور ہمہ زندہ دلی کے کچھ نہیں رہتا یہاں تک کہ اس کی داستانِ عبرت و بصیرت بھی ایک ایسا لطیف و پُر سکون اثر چھوڑ جاتی ہے کہ سننے والے کو اُسکی موت بھی زندگی کا نیا تجربہ

محسوس ہونے لگتی ہے۔

یہ ہے میرے نزدیک "چٹکلے باز" کا مفہوم اور اگر آپ نے نظیر کے کلام کا وسیع مطالعہ کیا ہے تو غالباً آپ بھی مجھ سے متفق ہوں گے کہ وہ واقعی "چٹکلے باز" شاعر تھا اور اس کا یہ کہنا کہ

"اُس کے تو ہر سخن میں ہے اے یار چٹکلا"

بالکل صحیح و درست ہے۔

نظیر کی ہمہ گیری | جزئیات کا مطالعہ اس کا اتنا وسیع ہے کہ کوہ سے لے کر پر کاہ تک کوئی چیز اس کی نگاہ سے نہیں چھوٹتی اور "آہنگ شعر" اتنا زبردست رکھتا ہے کہ ایک غیر متوازن چیز میں بھی وہ بلا کا توازن پیدا کر دیتا ہے۔ رہا الفاظ کا ذخیرہ سو اس باب میں تو اُردو کا کوئی شاعر اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا، اور الفاظ کے گڑھنے میں جو ید طولیٰ اُسے حاصل ہے اس میں نظیر آپ اپنی نظیر ہے۔ اسی لئے اس کے یہاں وہ سب کچھ ہے جو دوسروں کے یہاں الگ الگ پایا جاتا ہے اور اس کی شاعری داخلی و خارجی دونوں حیثیتوں سے بڑی مکمل چیز ہے۔

شاعری کے سلسلے میں نظیر کے یہاں کیا نہیں ہے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی، مسدس ترجیع بند، مستزاد سبھی کچھ ہے اور ہر چیز اپنی جگہ لفظی و معنوی حیثیت سے ایک جڑا ہوا نگینہ نظر آتی ہے۔

مباحث کے تنوع کے لحاظ سے اس کا کلیات ایک ایسا نایاب ذخیرہ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو معیشت و معاشرت کا کوئی انداز اور احساسات و تأثرات کا کوئی منظر ایسا نہیں ہے جو اس میں موجود نہ ہو۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، زاہد و رند، سنجیدہ و غیر سنجیدہ، ہندو مسلمان، گبر و ترسا علیحدہ علیحدہ سب کی دلچسپی کا سامان اس میں موجود ہے اور عالم محسوسات کی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جس کا ذکر کسی نہ کسی نہج سے نظیر نے نہ کیا ہو۔ مشاغلِ زندگی، ضروریاتِ انسانی مظاہرِ تمدن میں "مقطع" اور "ہنسوڑ" قسم کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے نظیر نے چھوڑ دیا ہو اور جس پر پورے اہتمام شاعرانہ کے ساتھ تمام ممکن صنائع و بدائع لیئے ہوئے قلم نہ اُٹھایا ہو

پھر لطف یہ ہے کہ نظیرؔ کا کوئی رنگ سخن ایسا نہیں ہے جس میں واقعیت نہ پائی جاتی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہے اور اس لیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظیرؔ نے اپنی زندگی میں سبھی پاپڑ بیلے اور ہر رنگ و صحبت میں شریک ہو کر اس سے لطف اٹھایا ہے

نظیر کا کمال شعری

نظیرؔ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ طبقۂ عوام کا شاعر تھا، اور اسی لیئے اس نے شاعرانہ استقام و اغلاط کی پرواہ نہیں کی، مگر میری رائے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ وہ عامۃ الناس کا شاعر تھا اور اس میں کسی طبقہ کی تخصیص نہیں ہے، کیونکہ اس کے کلیات میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کی دلچسپی کا سامان پایا جاتا ہے۔

وہ حضرات جنھوں نے صرف اس کی سادگی بیان اور سیدھی سیدھی باتوں کو دیکھ کر اس کے "عوامی" شاعر ہونے پر حکم لگایا ہے وہ غالباً یہ سن کر حیرت کریں گے کہ نظیرؔ جب فارسی تراکیب اور لفظی شان و شوکت کا اہتمام کرتا ہے تو وہ بالکل غالبؔ و مومنؔ بلکہ موجودہ زمانے کا شاعر نظر آتا ہے۔ ایک غزل ملاحظہ ہو:۔

جاں بھی بجاں ہے ہجر میں اور دل فگار بھی
تر ہے مژہ بھی اشک سے جیب کا تار تار بھی

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

دیکھیئے کیا ہو، بیطرح دل کی لگے ہیں گھات میں
عشوۂ پر فریب بھی غمزۂ سحر کار بھی

زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیئے ہے مستعد طرۂ تابدار بھی

چند اشعار اور مختلف غزلوں کے ملاحظہ ہوں:۔

جس طرف تجھے دیکھیئے عیش و طرب کا جوش تھا
مستی و رندی ہوسبازی و بے اندیشگی

قد میں خم، آنکھوں میں نم، چہرہ پچھتری، رنگ زرد
سر سے پا قد سخت ناخوش منظری، بدہیئتی

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہوے
عمر بھر پھر وہ ہمارے گہر گوش ہوے

چاہت کے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں
کیوں دل سے جھگڑتے ہو، گنہگار تو ہم ہیں

کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدۂ شوخیٔ رفتار تو ہم ہیں

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اشعار اسی کے ہیں جو

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

پکارتا پھرتا ہے۔

ایک غزل اور ملاحظہ ہو:-

اے صفِ مژگاں تکلف برطرف — دیکھتی کیا ہے اُلٹ دے صف کی صف
دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے — پڑ گئے ہیں ماہ کے منھ پر کلف
آگیا جب بزم میں وہ شعلہ رو — شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف
ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا — جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

نظیر تقریباً سو سال زندہ رہے اور ۱۲۴۶ھ میں ان کا انتقال ہوا جب ولی دکنی دربار دہلی پہونچے ہیں اسوقت نظیر کی عمر سات آٹھ سال کی تھی اور جب غالب جوان تھے تو نظیر کی زندگی کے کم از کم پندرہ سال ضرور باقی تھے اس لیے اگر نظیر کی شاعری کی ابتدا ۲۰ سال سے مانی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے میرزا مظہر، شاہ حاتم، سودا، میر، سوز، قائم، حسرت (استاد جرأت) رنگین، شاہ نصیر، ممنون، مومن، غالب، ذوق، جرأت، انشار، مصحفی اور ناسخ سب کا زمانہ دیکھا ہے جن میں سے کچھ اس کے قبل مر گئے اور کچھ اس کے بعد بھی زندہ رہے اور اس لیے اگر اس کے کلام میں وہ سب کچھ پائیں جو اس کے ہمعصر شعرار کے کلام میں پایا جاتا ہے تو تعجب نہ کرنا چاہیئے، گو نظیر کا وہ انفرادی رنگ جس کا ذکر ہم آئندہ کریں گے ایسا تھا جس کی ہوا بھی انکے ہمعصر شعرا میں سے کسی کو نہ لگی تھی۔

ذیل کے اشعار اس بات کا ثبوت ہیں کہ نظیر کا عہد ان سب شاعروں کا عہد تھا اور وہ بیک وقت متقدمین و متوسطین و متاخرین تمام شعرا کی صف میں جگہ پا سکتا ہے۔

شرمندۂ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب — کس باغباں نے گل کا گریباں سلا دیا؟
تمہاری زلف کا لے یار ہم سے بل نہ گیا — ہمارے دل سیتی اک بال بھر خلل نہ گیا

ہمیں ہیں دیکھ جو قدموں پہ گر رہے ہیں ترے　　وگرنہ یاں سے میاں ہاتھ کون مل نہ گیا
جلا کے پر، جو لگن میں پڑا سلگتا ہے　　پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا

بہار آئی کیا ہر شاخ پر گل نے مکاں اپنا　　بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا

ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے　　کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا

ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر　　کام مشکل تھا پر اللہ نے آسان کیا

جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر　　خانہ خراب. تجھ سے وہی کام رہ گیا

اس کے چہرہ پہ نہیں کاکل شکیں کی نمود　　یہ پٹاری کے تئیں توڑ کے کالا نکلا،
مٹ گئے شور و فغاں جی کے نکلتے ہی نظیر　　پھر نہ سینہ سے اُٹھی آہ، نہ نالا نکلا

میرا اور اُس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق　　اس نے مجھے رُلا دیا میں نے اُسے ہنسا دیا
تیشہ کی کیا مجال تھی جو یہ تراشے بے ستوں　　تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا
سُن کے ہمارا عرض حال یار نے یک بیک نظیر　　ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرا دیا

خط کے آنے پر بھی کافر مجھ کو ترساتا رہا،　　جیسا شرماتا تھا جب، ویسا ہی شرماتا رہا
آہ کے، نالہ کے، ٹھنڈی سانس کے، یا اشک کے　　اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا

آج دیکھ اُس نے مری چاہ کی چھتون یارو　　منھ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہو گا،
دیکھ لے اس چمنِ دہر کو دل بھر کے نظیر　　پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہو گا

تمہارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب　　جگر کے داغ جو دھوئے تھے دھو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش　　کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب

کچھ اُسے شرم، کچھ ہے ہم کو حجاب　　ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے　　یار ہے، چہرہ اور شب مہتاب

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں　　نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں
جو نگہ سے چاہ کے دیکھوں ٹک تو چڑھا کے تیوری کہتا ہے　　تری اس نگہ کی سزا ہی یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

مجھے مدتوں سے ہی دردِ دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر   تو کہا کہ اسکی دوا یہ ہی تو کہا کرے میں سُنا کروں
کوئی بولا تمنے نظیرؔ کو نہ جھڑک دیا، تو کہا میاں   دل و جاں سے مجھ پہ وہ ہی فدا، اسے کس طرح میں خفا کروں

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں   بھر آ رہی ہی ترے غم سے آب آنکھوں میں
جدھر وہ دیکھے اُدھر صف کی صف اُلٹ دے ہی   بھری ہی شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں
تھما نہ اشک، نہ نیند آئی، نا پلک جھپکی   بسا ہی جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں
شتابی آن کے مجھو بو گگڑیاں رنگ لو   نظیرؔ لایا ہے بھر کر شہاب آنکھوں میں

جام نہ رکھ ساقیا، شب ہی پڑی اور بھی   پھر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی
پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے   اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی

سر شکِ چشم سے موتی بہت پروئے گئے   دلے یہ داغ جگر سے کبھی نہ دھوئے گئے
غرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر   پر اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملوئے گئے
نظیرؔ کیا ہی مزا تھا کہ کل خوشی سے ہم   گئے تھے یار کو لینے سو آپ ہی کھوئے گئے

یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوشِ زد   آوازِ پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیرؔ ایک نے کل شکلِ وصلِ یار   ہم نے کہا یہ اُس سے کہ کیا کہیے کیا ہوئی
جو شکل دور باش تھی روزِ نخست کی   اب بھی جو ہم گئے تو وہی بر ملا ہوئی

دل ٹھہرا ایک تبسم پہ کچھ اور بہا اے جان نہیں   گر ہنس دیجیے اور لے لیجیے تو فائدہ ہی نقصان نہیں
جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہی عیاری سے   ہے کون وہ، اس سے ہمکو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں
کچھ بن نہیں آتا کیا کیجیے کس طور سے ملیئے اے ہمدم   وہ دیکھ ہمیں رُک جاتا ہی اور ہمکو چین اک آن نہیں

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا   اسلام چھوڑ کفر لیا، پھر کسی کو کیا
کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال   اے ہمنے گوشہ بھی پیا، پھر کسی کو کیا
آپ ہی کیا ہے اپنے گریباں کو ہمنے چاک   آپ ہی سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

نظیرؔ کی خصوصیت اس کا مطالعۂ جزئیات ہے جو اس کی بعض غزلوں سے بھی ظاہر ہوتا ہی

اور جسوقت وہ کسی منظر کی تصویر کھینچنے پر آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک ذرہ کا حباب سے رہا ہے، ایک غزل میں ہولی کا سماں پیش کرتا ہے،

ہولی کی رنگ فشانی سے ہے رنگ یہ کچھ پیراہن کا
جوں رنگا رنگ بہاروں میں ہو صحن چمن اور گلشن کا

جس خوبی اور رنگینی سے گلنار کھلے ہیں عالم میں
ہر آن چھڑکواں جوڑوں سے ہے حسن کچھ ایسا ہی تن کا

مے جام لبالب بھر دینا، پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
پیمانہ پہونچے دست تلک یا ہاتھ لپک سے دامن کا

ہر محفل میں رقاصوں کا کیا سحر دلوں پر کرتا ہے
وہ حسن جتانا گانے کا اور جوش دکھانا جوبن کا

ہے روپ عبیروں کا ہوش اور رنگ گلالوں کا گلگوں
ہیں بھرتے جس میں تنگ، بنا ہے رنگ عجب اس برتن کا

اس گلرو نے یوں ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی ہے
نا دھیان نہیں کچھ چولی کا نا ہوش نہیں کچھ دامن کا

جب ہم نے نظیر اس گلرو سے یہ بات کہی ہنسکر اُسدم
کیا پوچھے ہے اے رنگ بھری ہے مست ہینا پھاگن کا

ایک محبوب کا ذکر غزل میں اس طرح کرتے ہیں:-

اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کہے آہ
ختم اس کے اوپر گلرخی و سیم تنی ہے

منھ چاند کا ٹکڑا ہے، بدن چاندی کی تختی
دنداں ہیں گہر، ہونٹ عقیق یمنی ہے

بلور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ،
یا چین میں اک چینی کی مورت یہ بنی ہے

نرمی میں صفائی میں، نزاکت میں تن اُسکا
ریشم ہے نہ گلبرگ، نہ برگ سمنی ہے

گر پھول کی پتی کی بنا، پہنے وہ پوشاک
چھل جاوے بدن اُسکا یہ نازک بدنی ہے

کل میں نے کسی شخص سے نام اس کا جو پوچھا
یعنی یہ پری یا کہ غزال ختنی ہے

وہ بولا کہ اس شوخ کتیں کہتے ہیں ہیرا
کام اس کا سدا دلبری و دلشکنی ہے

تب میں نے وہیں ہنسکے کہا اُس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہے

نظیر کی ایک اور خصوصیت جو بہت کم آپ کو کسی اور شاعر کے یہاں نظر آئے گی، یہ ہے کہ وہ موقعہ محل کے لحاظ سے الفاظ ایسے استعمال کرتا ہے کہ سامعہ پر بھی اس کا خاص اثر پڑتا ہے اور سننے والا خوف و ہراس، یا لطف و انبساط کی تمام کیفیات الفاظ میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ برسات

کی رنگ رلیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے :-

روز مزوں سے رات کو برسے تھا مینھ جھمک جھمک   بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک ، پانی پڑا بھبک بھبک
جام رہے چھلک چھلک ، شیشے رہے بھبک بھبک   ہم بھی نشوں میں خوب چھک لوٹتے تھے بہک بہک

نظیر کو اختراع الفاظ کا خاص سلیقہ حاصل تھا اور موضوع کے لحاظ سے ان کا اتنا صحیح صرف کرتا تھا کہ الفاظ خود معنی ہو کر رہ جاتے تھے ، اس مثال میں آپ نے دیکھا کہ مستی و سرخوشی ظاہر کرنے کے لیے جو الفاظ اس نے استعمال کیے ہیں ان میں کتنی موسیقی پائی جاتی ہے -

جدت و اختراع | نظیر میں جدت و اختراع کا مادہ بھی بہت تھا ، جس کی مثالیں اس کے کلام میں بہت مل سکتی ہیں - اس زمانہ میں مسلسل غزلیں کہنے کا رواج تھا ، خاصکر ظفر اس کا بہت شائق تھا لیکن صرف ایک محاورے یا ضرب المثل کے لیے پوری غزل کہہ ڈالنا نظیر ہی کی جدت تھی - مثالاً دو غزلیں ملاحظہ ہوں :-

نگہ لکھوں میں اگر تیرے غم کے چھلوں کا   تو ہو نباہ نہ چھلوں کا اور نہ پہلوں کا
سنے سے نام محبت کا تھر تھراتے ہیں   یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں کا
کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے   طریق جیسے ہے عشرت کے اہلے گہلوں کا
مکاں ہو ایک سنہرا ، دھرے ہوں شیشہ و جام   بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ رو پہلوں کا
کھلی ہو چاندنی ، بکھرے ہوں ڈھیر پھولوں کے   پلنگ بھی ہو بہت نرم روئی کے پہلوں کا

یہ سن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیر
کہ سو ویں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

جہاں میں جو نہ ہوا ، اس پری کا دیوانہ   تو اس نے آہ مزہ عاشقی کا کیا جانا
کہا یہ شوخ نے تو ہم کو چاہتا ہے نظیر   یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا
تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں   کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا
جو ہم نہ ہوویں تو آکر ہمارے کوچہ میں   یہ جم کے بیٹھنا پہروں تلک نہ گھبرانا

جو ہم خفا ہوں تو آ کر ہزار منت سے — خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا
پس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو — خدا گواہ کہ دیکھا نہیں، عقل سے ہے پہچانا

نظیر نے مستزاد بھی کہے ہیں، لیکن تھوڑی سی جدت کے ساتھ، بعض شعر ملاحظہ ہوں:-

یہ مہر فزا رخ — کرتا ہے نگاہوں کو ترا مطلع انوار
اب تیرے سوا رخ — کس کا ہے بتا نام خدا ایسا چمکدار

فرقت کے الم سے — دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں دن رات
دیکھیں گے ترا رخ — وہ کونسا دن ہوگا مبارک جو ہم اے یار

تضمینوں میں ان کی اُپج دیکھئے:-

رہوں کا ہیکو دخستہ، پھروں کا ہے کو آوارہ — اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
خدا گر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

پوری غزل اسی طرح سے تضمین کی ہے۔

بعض غزلیں انہوں نے اُردو فارسی دونوں میں لکھی ہیں یعنی بعض شعر اُردو کے ہیں بعض فارسی کے، اسی قسم کی ایک غزل کے آخری اشعار سنیئے:-

نظیر ایک دن اُس تند خو سے میں نے کہا — یہ فارسی میں کہ "اے مہ عذار، زہرہ جبیں"
چہ کردہ ام کہ نگاہے بہ حال من نہ کنی — چہ گفتہ ام کہ نگوئی "دمے بیا بنشیں"
بجز جفا و تعدی نمی کنی برمن، — نظر عتاب قریں داری و جبیں پُر چیں
دلم برائے ہمیں بردہ کہ ظلم کنی — شنید و گفت "بلے بردہ ام برائے ہمیں"

ایکبار انہوں نے اپنے پنجابی محبوب سے پنجابی میں بھی گفتگو کی تھی، ملاحظہ ہو:-

کل نظیر اس نے یہ پوچھا بزبان پنجاب
"نیہہ وچ میڈی، ہوکے حال تسا ڈا وے میاں"

یعنی ہماری محبت میں میاں جی تمہارا کیا حال ہے؟

جو رہتیے ہم نے کہا حال اساڈے دل دا   تسی سب جانندی ہو جی اسے کے عرج کراں"
یعنی ہمارے دل کا حال تم خوب جانتی ہو ہم کیا بتائیں۔
اس میں شک نہیں کہ نظیر اپنی خصوصیات کے لحاظ سے، ہندوستان کا عجیب غریب شاعر تھا جس میں کبیر کے اخلاق اور خسرو کی ذہانت کا نہایت دلکش امتزاج پایا جاتا تھا اور یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اردو شاعری میں تغزل سے ہٹ کر سب سے پہلے اسی نے نظمیں لکھنے کی ابتدا کی اور سچ پوچھیے تو انتہا بھی کردی، لیکن افسوس ہے کہ وہ بہت قبل از وقت پیدا ہوا۔ وہ اس زمانہ کا شاعر تھا جو اس زمانے میں اُسے ہونا چاہیے تھا۔

۱۹۔ علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم نے اپنے ایک مضمون کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ۔
شیخ ولی محمد نظیر اکبرآبادی دورِ چہارم کے شاعر تھے اور یہ وہ دور تھا کہ لکھنؤ میں جرأت و انشاء اور مصحفی و رنگین کا طوطی بول چکا تھا، اور ان سے پہلے ولی دکنی، شاہ مبارک آبرو، شرف الدین مضمون محمد شاکر ناجی، غلام مصطفےٰ خاں یکرنگ، میر تقی میر، میر حسن، میر سوز وغیرہ شعراء اردو شاعری کی بساط پر اگلی ادائیاں لے چکے تھے، نظیر اکبرآبادی کے سامنے انہیں کے فرمودات تھے اور انہیں کا اسلوبِ بیان تھا۔ ان کے علاوہ فارسی شعراء کا کلام بھی ہندوستان میں صدیوں سے موجود تھا اور بطور علوم متداولہ ان کی منثور و منظوم کتابیں مکاتب میں شریک درس و تدریس تھیں۔ سعدی حافظ، صائب، نظیری، وحشی، آصفی، خسرو اور بیدل کا فارسی کلام عام طور پر مطبوع و مقبول سمجھا جاتا تھا۔
میاں نظیر انہیں دیسی اور بدیسی باغوں کے خوشہ چیں تھے۔ عربی فارسی اچھی جانتے تھے چنانچہ اُن کے کلام میں جا بجا ایسے الفاظ اور ایسی ترکیبیں پائی جاتی ہیں جن سے اُن کے علوم متداولہ مشرقیہ پر عبور کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً نہاں سازیاں، تراندازیاں۔ تشدید۔ سخن دلکشا۔ فسوں نگار۔ کنارہ گیر عجز انتما وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی معلم تھے اور یہی شغل اُن کا کفیل حیات تھا۔
یہ وہ زمانہ تھا کہ اردو اپنے تمام مصطلحات و محاورات کے ساتھ مکمل ہو چکی تھی اور اس میں

زیادہ سے زیادہ قوتِ بیان موجود تھی۔ ہندو تہذیب بھی تشنۂ تکمیل نہ تھی اور (بین الاقوامی ؟) قانونِ معاشرت بھی مرتب ہو چکا تھا۔ ہندوستان کی دو بڑی قومیں، ہندو اور مسلمان باہم متحد تھے۔ مسلمان ہندوؤں کے اور ہندو مسلمانوں کے تہواروں اور میلوں تماشوں میں کشادہ دلی کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ مذہبیات اور معتقدات میں دونوں کو غلو تھا۔ لیکن تعصب دونوں میں نہ تھا۔ اسی خوشگوار ماحول میں میاں نظیر اکبر آبادی کی شاعری پروان چڑھی اور یہی ماحول اُن کی شاعری پر محیط رہا۔

فنی اور لسانی درجہ نظیر کے کلام میں باسے تیئیں۔ ٹک۔ میرے کنے۔ ہو دے گا۔ اُس کے ہاں۔ آخوش زری۔ آیاں۔ جایاں۔ تس اوپر۔ آن کے۔ تلک۔ مست۔ پرکھ۔ پنہاتا۔ بجھا دیا۔ دوانہ۔ تب یاں۔ واں دکھلا۔ بتلا۔ پر (بجائے مگر) کرکر (بجائے کر کے) ہے گا۔ نِدان (نادان) چل بچل) ٹھک ٹھکا۔ جھپ سے ڈب۔ چلیاں۔ بھبک۔ جھمک کر۔ لباس کرنا۔ بود باشے (بود و باش) چلون (چلمن) مزور (مزدور) جدھر تدھر۔ دوالیں (دیواریں) کالیاں۔ مانگوں ہوں۔ جاگہ (جگہ) زور تماشا۔ انگشتیاں ہیں وغیرہ الفاظ جا بجا پائے جاتے ہیں اور حیرت یہ ہے کہ یہی الفاظ اپنی ترقی یافتہ اصلاحی صورت کے ساتھ بھی اُن کی نظموں میں موجود ہیں۔

نظیر نے جو زمانہ پایا ہے اُس میں اِن الفاظ کا استعمال کچھ زیادہ قابلِ اعتراض نہیں مگر بعض لغزشیں اُن کے علمی اقتدار کو بنظرِ شبہ دیکھنے پر بھی مجبور کرتی ہیں۔ یعنی سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص عربی اور فارسی میں شعر کہہ سکتا ہو جو بحیثیت معلم عربی کی صرف و نحو اور فارسی کے قواعد سے کما حقہ واقف ہو اور بقولِ بعض جس نے مرزا غالب اکبر آبادی کو درس دیا ہو۔ وہ ایسی غلطیاں کیونکر کر سکتا ہے ؟

مثلاً اَصَل بفتح صاد مہملہ۔ زارا بجائے ذرا۔ قَرَض خواہ بحرکت رائے مہملہ۔ حرف بحرکت رائے مہملہ۔ طیوروں بجائے طیور۔ اعضا بجائے عصا۔ وَرَنے بجائے ورنہ۔ زَہر بفتح ہائے ہوز۔ جوان و لڑکے مفلس و کنگال۔ سارنگی و سے۔ جامہ و انگیا۔ دولت و گھر بار (واو عطف کا غلط استعمال)

مثل پھول (اضافت کا غلط محل) گل و ریحان تماشا۔ گلستاں تماشا۔ زلف پریشان تماشا (بہ اعلان نون بغیر اضافت) ناقۂ سوار (بجائے ناقہ سوار) یہ ایسی غلطیاں ہیں جو عربی فارسی میں تبحّر رکھنے والے کے قلم سے کسی طرح متوقع نہیں ہوسکتیں۔ مگر نظیر کے یہاں علیٰ حالہ موجود ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ میاں نظیر کی شاعری کا منتہاہی "عوام کی ترجمانی زبانِ عوام میں تھا اسی لیے وہ عوام کی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ اپنی نظموں میں اُسی تلفظ یا لہجے کے ساتھ وابستہ لاتے تھے جو عوام کا محاورہ تھا۔ وہ جس سوسائٹی کے شاعر تھے اُس سوسائٹی کے رجحانات اُسی کی زبان اور اُسی کے پیرایۂ بیان میں ادا کرنا پسند کرتے تھے۔ ادبیات میں "طبقاتی تقسیم" کا مقصود و منشا بھی یہی ہے کہ ایک ادیب یا شاعر کو تمام طبقات سے اس قدر قریب اور اُن کے جذبات کو اتنا چھوتا ہوا چلنا چاہیے کہ کوئی طبقہ بعید القلم اور "اچھوت" نہ رہ جائے اگر میاں نظیر اپنی سوسائٹی کی ترجمانی اُسی ماحول میں رس بس کر نہ کرتے تو یقیناً اُن کے کلام کو قبولیت عام حاصل نہ ہوتی۔

نظیر کی شاعری اُس طبقے کی نمایندگی کرتی ہے جسے اُس دور کے خاص خاص مشاہیر شعرا نے پست سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا اور ناقابل توجہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ نظیر کی نگاہ جزئیاتِ زندگی کے ہر ذرّے کو کروٹ بدلواتی نظر آتی ہے وہ اُن موضوعات کی گہرائی میں حقایق و معارف ٹٹولتے ہیں جہاں ایک بلند پایہ۔ جذباتی شاعر کی نگاہ صرف سطحی نقش و نگار کی مصوری میں مصروف ہوتی ہے۔ گو اُن کی بعض نظمیں جذباتی نقطۂ نگاہ سے مطلق عریاں اور یکسر حیاسوز بھی ہیں۔ تاہم اُن کی بیشتر نظموں کا افادی پہلو بہت بلند اور بے نظیر ہے۔

امتیازی گوشے

اگر نظیر کی شاعری لسانی نقطۂ نگاہ سے دیکھی جائے تو اُس میں بعض خصوصیات اُس زمانہ کے لحاظ سے ممتاز بھی پائی جاتی ہیں۔

مثلاً الفاظ کا ترنم اور کثرت۔ مرادفات کی فراوانی۔ موسیقی آمیز بحریں اور ہر موضوع کے متعلق بیش از بیش معلومات۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ میاں نظیر کی شاعری ایک مخصوص ماحول میں

محدود ہے اور اس میں عالمگیر جذبات کے مقابلے پر مقامی رنگ جو صرف اکبر آباد یا آگرہ کی فصیلوں کا پروردہ نظر آتا ہے۔

نظیر نے جتنی نظمیں بحر متدارک مجنون (شانزدہ رکنی) میں کہی ہیں اُن میں ایک مخصوص ترنم اور غیر معمولی موسیقی پائی جاتی ہے۔ ایک مصرع میں بہت سے متوازن و ہم قافیہ الفاظ رکھ کر وہ ایک ایسا جزر و مد پیدا کر دیتے ہیں کہ الفاظ بجائے خود رقصاں معلوم ہوتے ہیں۔ ذخیرۂ الفاظ اُن کے پاس بہت زیادہ ہے اس لیے کہ وہ اردو میں بھاشا، سنسکرت، ہندی، عربی، فارسی، پنجابی غرض جس زبان کا لفظ اُنہیں ملتا ہے اُس کو بے تکلف کھپا دیتے ہیں اور موسیقی قائم رکھنے کے لیے اگر اُنہیں عروض یا لسانی قانون توڑنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

اُن کی نظمیں عموماً تفصیلی ہیں۔ جن میں زندگی کے ہر گوشے کو بے نقاب کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ نظموں میں افسانویت بھی بطور خاص پائی جاتی ہے۔ مشرقی رسم و رواج کی ترجمانی اور مشرقی اسیال و عواطف نظیر کی نظموں میں نسبتاً زیادہ ہیں۔ جن کو مغربی احساسات کی ہوا بھی نہیں لگی۔

حقیقت یہ ہے کہ اُن کی شاعری موجودہ سوسائٹی اور تہذیب کے ارتقا کی آئینہ دار ہے۔ آج ادبی رجحانات کی تعمیری بلندیاں اُنہیں بنیادوں پر قائم نظر آتی ہیں، جو بارھویں صدی ہجری میں میاں نظیر نے علی الرغم خواص رکھی تھیں۔ اگر یہ بنیادیں قائم نہ ہوتیں تو شاعری کا تعمیری تعینہ محتاج تکمیل رہ جاتا اور مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچاس سال کے بعد موجودہ سوسائٹی کا رجحان پھر اُسی سطح پر آجائے گا جس سطح سے یہ ارتقائی بنیادیں اُٹھائی گئی تھیں۔ ملک کا عام رجحان متحدہ قومیت کی طرف بیش از بیش معلوم ہوتا ہے اور میاں نظیر کی اساسِ فکر متحدہ قومیت ہی پر تھی۔

اس ناتمام تجزیئے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لسانیت میں میاں نظیر کی شاعری

اُنہیں شاعرِ عوام کی صف میں بہت بلند جگہ دیتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فطرت نگاری اور مخلوط معاشرت کی ترجمانی میں نظیر اکبرآبادی کے سر پر اوّلیت کا سہرا باندھا جا چکا ہے۔ نظم مسلسل کی بنیاد میاں نظیر ہی کے ہاتھوں رکھی گئی ہے اور بھاشا آمیز اردو میں قاآنی کی سی روانی اُنہیں کی جودت طبع کا حصّہ ہے۔

۲۰۔ احتشام حسین صاحب رضوی ایک کڑی تنقید کے طور پر نظیر کے اوپر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرکزیت، معیار کی بلندی اور دربار سے وابستگی کی وجہ سے اُردو شاعری کا میدان بہت تنگ ہوگیا، جو شاعر ان قیود سے کسی طرح سے بچ سکے وہ البتہ عوام سے اور عوام کے مسائل سے قریب تر آئے لیکن ایسے شعراء کا نام مثال کے طور پر لکھنے کے لیے بھی نہیں ملتا۔ اُردو شاعری کے دورِ متقدمین اور متوسطین میں لے دے کے نظیر اکبرآبادی کا نام سامنے آتا ہے۔ ان کا تعلق براہِ راست نہ دلّی سے تھا اور نہ لکھنؤ سے۔ اُردو ادب کی تاریخ میں نظیر کا اپنا ایک الگ دور ہے وہ کسی دور میں کسی گروہ کے ساتھ شریک نہیں کیئے جا سکتے۔ نظیر کی عمر اکبرآباد میں بسر ہوئی اگر نکلے تو گردو پیش کے اضلاع متھرا اور بندرابن وغیرہ تک چلے گئے۔ وہ دلّی اور لکھنؤ دونوں سے اپنی ایک علحدہ دنیا بنا رہے تھے۔ اس لیئے نہ تو ہم اُن کے یہاں وہ معیار شاعری پاتے ہیں جو دہلی اور لکھنؤ میں پایا جاتا ہے نہ زبان کی وہ صفائی نظر آتی ہے جو ان دو مرکزوں کے لیے مخصوص تھی اور نہ کسی دربار سے اُن کا تعلق ہی معلوم ہوتا ہے، اُستادی اور شاگردی کا رشتہ بھی بڑا اثر ڈالتا ہے لیکن ہمیں کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ دہلی یا لکھنؤ کا کوئی شاعر اُن کا اُستاد رہا ہو۔ یہ چند باتیں نظیر کو دوسرے شعراء سے بہت الگ کرتی ہیں۔

نظیر نے دربار سے علحدہ رہ کر عوام سے رشتہ جوڑا۔ اُن سے پہلے یا اُن کے بعد اُردو کا کوئی شاعر ایسا نہیں ملتا جس سے ہم اُن کا مقابلہ کریں یا اس کے دور میں انہیں رکھیں اسی لیئے میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ نظیر کا اپنا ایک علحدہ دور تھا جو تاریخی حیثیت سے

اُردو شاعری کے کئی ادوار پر حاوی تھا۔ نظیر کی صحیح تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ انکا انتقال ۱۸۳۰ء میں ہوا۔ عمر کے متعلق تذکرہ نویسوں اور تاریخ ادب لکھنے والوں کا خیال ہے کہ اسّی بچاسّی سال سے کم نہیں جیئے اس لیئے اگر ہم اُن کی تاریخ پیدائش ۱۷۴۰ء اور ۱۷۳۵ء کے درمیان مان لیں تو اُس سے کام چل جاتا ہے۔ اُردو شاعری کے دور متقدمین کے ابتدائی شعرا کو چھوڑ دیجیے تو بھی عمر کے لحاظ سے نظیر کے ہمعصر کم سے کم بیس مشہور شعرا قرار پاتے ہیں۔ دوسرے درجہ کے بعض صاحبان کمال اور تیسرے درجے کے شعرا کا ذکر نہیں۔ جنہیں مورخین نے کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے وہ سب نظیر کے ہمعصر ہیں۔ اس کی پوری اہمیت شاید ناموں سے واضح ہو سکے۔ صرف اُن کے نام سُنیئے جنھوں نے اُردو شاعری کے ارتقا میں حصہ لیا ہے۔ حاتم، مضمون، فغاں، میر، سودا، درد، سوز، مظہر، تاباں، قایم، یقین، حسرت، رنگین، نصیر، جرأت، انشا، مصحفی، زند، ناسخ، آتش (سلسلہ کا خیال نہیں کیا گیا ہے) ان میں سے کون نام ایسا ہے جسے اُردو ادب کی خدمت کے سلسلہ میں کسی نیچے درجہ پر رکھا جا سکتا ہے اور پھر ان میں سے کون ہے جس کی دُنیا کی سرحد نظیر کی دُنیا سے ملتی ہے؟

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ نظیر اصل میں نظم لکھنے والے تھے غزلگو شعرا سے اُن کا مقابلہ درست نہیں۔ اس سلسلہ میں شاید یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ ان ہی میں سے بعض شاعر نظم کے بھی اچھے اُستاد تھے۔ میر، سودا، حسن، انشا، اور مصحفی نے نظمیں بھی لکھیں لیکن نظیر کے مقابلہ میں یہ لوگ کسی اور دُنیا کے بسنے والے معلوم ہوتے ہیں۔ وجہ بالکل ظاہر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا تعلق کسی نہ کسی طرح دربار سے تھا اس لیئے وہ عوام کے قریب نہ آسکے، اُن کی مثنویاں اور دوسری چیزیں زیادہ تر امارت اور اُس کے متعلقات یا انفرادی رنج و غم، ہجو یا مدح کا تذکرہ کرتی ہیں، لیکن نظیر کا کلام پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود عوام میں سے اُٹھے اور اُن ہی کے درد دکھ، ہنسی، خوشی انکار و تأثرات میں شریک رہے۔

نظیر کا معیاری مقام

نظیر نے عوام کے جذبات کی ترجمانی کی تو عوام ہی نے نظیر کو زندہ رکھا۔ اُردو شاعری کی معیار پرستی نے نظیر کو ختم ہی کر دیا تھا اگر فقیروں اور گداگروں نے اور معمولی لکھے پڑھے

لوگوں نے اُن کے بنجارہ نامہ، آدمی نامہ اور دوسری نظموں کو یاد نہ رکھا ہوتا۔ اُن کے موضوعات کی فہرست ہی پر ایک نظر اس بات کو اچھی طرح واضح کرتی ہے کہ نظیر انسان اور انسانی متعلقات میں سے اُن معمولی چیزوں کو نظر انداز نہ کرتے تھے جنہیں بڑے بڑے شعرا نہ دیکھتے تھے اور نہ محسوس کرتے تھے، یا اگر محسوس بھی کرتے تھے تو اُس پر لکھنا شاعری کے جوہر کو غلط استعمال کرنے کے برابر جانتے تھے۔ آٹا، دال، پیسہ، کوڑی، جھونپڑا، تلاش زر، ہولی، مفلسی، روٹیوں کی تعریف، بنجارہ نامہ، آدمی نامہ اور ایسی ہی دوسری چیزیں اُن کا پسندیدہ موضوع تھیں کیونکہ نظیر غریبوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے متھرا اور بندرابن کے تیرتھوں میں جاتے تھے، مسلمانوں کے عرس اور ہندوؤں کے میلوں میں شریک ہوتے تھے۔ عید اور شب برات کے ساتھ ہولی اور دیوالی سے بھی ایک سچے ہندوستانی کی طرح لطف اُٹھاتے تھے،

فنی کمال | نظیر کی شاعری میں انسان ایک زندہ، متحرک، حساس اور مادی اسباب سے مسرور و دلگیر ہو جانے والی مخلوق کی شکل میں آتا ہے۔ "آدمی نامہ" میں انہوں نے مفلس عوام کے زخم پر مرہم لگانے کی کوشش کی ہے جہاں ہر شخص آدمی ہونے کی حیثیت سے ایک ہی کشتی کا سوار نظر آتا ہے انسان کی عظمت کے سامنے طبقات کے تفوق اور پستی کا سر جھکتا ہے۔ ہر شخص جو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوا ہے وہ "آدمی" ہے اور اسی احساس کی تفسیر نظیر کے بہت سے خیالات ہیں مجموعی حیثیت سے "آدمی نامہ" میں نظیر نے اپنے خالص بیانیہ انداز میں طرح طرح سے یہی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ "اشراف اور کمینہ سے لے شاہ تا غلام" ہر شخص "آدمی" ہے۔ یہ خیال عوام کے دلوں میں نہ جانے کون سی آگ بھڑکا سکتا تھا لیکن وہ زمانہ طبقاتی اور سیاسی شعور کا نہ تھا۔ نظیر نے اس خیال سے عوام کے دماغ کو ابھارنا چاہا تھا تاکہ اُن میں بھی خود شناسی کی پیاس پیدا ہو۔ رمال اور نجومی آج بھی جاہل اور ناسمجھ لوگوں کو دھمکا کر، بہلا کر اور دوسرے طریقوں سے اپنے فریب میں پھنسا لیتے ہیں۔ اُسوقت تو یہ عام بات تھی اور بیچارے عوام آسانی سے اُن کا شکار ہو جاتے تھے نظیر نے اُن جھوٹے خداؤں کا راز فاش کرنا چاہا تھا تاکہ عوام اُن سے بچ سکیں۔

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا کہانے
کوئی ہو عاقل کوئی ہو فاضل کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں جیتے یہ سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزار سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عوام کی ہمدردی کا بہترین ذریعہ نظیر کے پیش نظر یہ تھا کہ وہ اُن کے بہت سے بے بنیاد توہمات کو اُن کے دل سے نکال کر انہیں بتا دیں کہ آدمی ہونے کی حیثیت سے وہ بھی سب کے برابر ہیں اور جذبات و احساسات میں خواص سے مشابہت رکھتے ہیں مثالوں سے مضمون کی طوالت بڑھتی جائے گی۔ معمولی طور سے کلیاتِ نظیر کا مطالعہ ان خیالات کو اچھی طرح واضح کر دے گا۔

جن موضوعات کی جانب آج بھی شعراء پوری طرح متوجہ نہیں ہو سکے انہیں نظیر نے بہت پہلے اپنا بنا لیا تھا۔ "ککڑی" اور "تل کے لڈو"، "کورے برتن کی تعریف" اور "کوڑی"، "مفلسی"، "آٹے دال کا بیان"، "پیسہ" اور ایسے ہی نہ جانے کتنے موضوعات کا انتخاب اُن کے صحیح رجحان کا پتہ دیتا ہے اور یہ رجحان رابطۂ عوام کے بغیر نہیں بن سکتا تھا۔

زندگی کا ایک روشن پہلو

موضوعات پر ایک نظر ڈالیے تو "آٹے دال کا بیان"، "مفلسی"، "پیسہ"، "چپاتیاں"، "روٹی کی تعریف" اور ایسی متعدد نظموں سے ہمارے دماغ پر عجیب و غریب اثر پڑتا ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے نظامِ معاشرت میں ان چیزوں کا بیان صرف اخلاق اور خداترسی کے تصور پر مبنی تھا اور صرف ہندوستان بلکہ دُنیا کے دوسرے ممالک میں بھی ایسے تمدن سے اختلاف کی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی تھی اور نہ آج ہی ہمارے شعراء پوری طرح اس صحیح سیاسی اور معاشرتی قوت سے کام لیتے ہیں لیکن نظیر نے عام انسانوں کی صحبت میں رہ کر ایک حساس شاعر کی طرح ان کی زندگی کے تضادات کو محسوس کیا تھا، وہ اپنے "شہر آشوب" میں عام لوگوں کی بیکاری اور مفلسی کا رونا روتے ہیں اگرچہ اس میں نہ تو محدود کے انداز بیان کی

تلخی اور تیزی ہے اور نہ تمدن پر اتنی سخت تنقید، لیکن اس بے اطمینانی کا اظہار ضرور ہے جو مغلیہ حکومت کے زوال کے زمانہ میں اچھی طرح پیدا ہو چکی تھی اور جس کی بنیاد مذہبی نہیں بلکہ قومی تھی۔ مثلاً۔

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سد راہ
تو نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
ساتھ آٹے دال کے ہے حشمت و فوج و سپاہ
جا بجا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں
منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب و خاں
جا کے گرتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات ہاں
کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کہیے میاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے
حسن کی آن و ادا سب اس کے آگے گرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منھ زرد ہے
تا کجا کہیے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

آج یہ سوال ملک میں برابر اٹھ رہا ہے کہ ایک حسین اور شریف دوشیزہ عصمت فروشی کی زندگی پر کیوں مجبور ہوتی ہے، ایک نیچے طبقے کا غریب آدمی چوری کی طرف کیوں مائل ہوتا ہے، ایک مفلوک الحال بچہ بھیک مانگنا کیوں شروع کرتا ہے؟ اور جواب کے لیے تجزیۂ نفس سے لیکر مذہب اور اقتصادیات تک بات جاتی ہے۔ تھوڑے سے لوگ جنھوں نے انسانی تمدن کی تاریخ کو انسانی ضروریات اور کشمکشِ حیات کی صحیح روشنی میں پڑھا ہے وہ تو کوئی حکمی جواب دیتے ہیں لیکن نظیر نے اس کا وہی جواب دیا ہے جو دنیا کے بہترین ماہرینِ معاشیات دے سکتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ نظیر موجودہ عہد کے کوئی ڈگری یافتہ ڈاکٹر تھے، مقصد صرف اتنا ہے کہ انھوں نے اپنے وسیع تجربات کی مدد سے وہی نتائج نکالے جو حکیمانہ اور عالمانہ تجزیۂ اسباب کے بعد نکالے جاتے ہیں۔ ان کی نظم "مفلسی" کے بعض حصے ملاحظہ کیجیے ؎

مُفلس میں ہو وِیں لاکھ اگر علم اور کمال — سب خاک بیچ آکے ملاتی ہے مُفلسی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر — دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اس کی چاہ — جس طرح کُتّے لڑتے ہیں ایک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مُفلسی

جب خوب رو پہ آن کے پڑتا ہے دن سیاہ — پھرتا ہے بوسے دیتا ہے ہر اک کو خواہ مخواہ
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اسکی چاہ — گر حُسن ہو ہزار روپے کا تو اس کو آہ
کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مفلسی

چوری پہ لاکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو — آخر ندان بھیک منگاتی ہے مفلسی

۲۱۔ اختر اریںوی صاحب نے نظیر کے شاعری پر ایک مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔
شیخ ولی محمد نظیر اکبر آبادی میر تقی میر کا ہمعصر تھا اس نے ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ یہ سلطنت مغلیہ کے زوال کا زمانہ تھا۔ سارے ہندوستان میں اضطراب و ابہام کا دور دورہ تھا۔ سماج میں یاس و قنوط یا خود فریبانہ تعیش پایا جاتا تھا یا پھر انفعالی روحانیت و مذہبیت، اس دور کی اُردو شاعری پر یہی اثرات کارفرما ہیں۔ لیکن غیر معمولی طور پر نظیر کی شاعری میں زندگی اور زندگی کی اُمنگوں کی روشنی بھی نظر آتی ہے۔ نظیر کو یہ روشنی عوام الناس یعنی "پرولیتاریات" کی صحبت سے ملی تھی۔ خلقت عامہ زندگی اور مسرت، قوت اور اُمید کا بہت بڑا سرچشمہ ہے جب تہذیب و تمدن اپنی بدنظمی کی وجہ سے خطرناک اور مہلک ہو جاتا ہے تو زندگی اپنی نشاۃ اور احیاء کے لیے جنتا کی طرف نظر کرتی ہے۔ انسانیت کے مستقبل پر ایمان، عمل سعی پر اعتماد اور ارادہ میں استحکام عوام الناس کے وسیع قلب سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سرچشمۂ اُمید پر کتنی ہی پابندیاں عاید کی جائیں اس بجلی کے خزانے کو کتنا ہی مقیّد کیا جائے مگر پھر بھی بجلی تڑپ ہی اُٹھتی ہے اور اُمید کی کرنیں پھوٹ ہی پڑتی ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے جنتا کے سورج سے اپنی زندگی بداماں شاعری کا دیا جلایا میر، سوز، درد، سودا وغیرہ بیجا انفرادیت کی بھول بھلیوں میں چکر کھاتے رہے اور نظیر اجتماعی

زندگی کے وسیع سبزہ زار میں کلیلیں کرتا پھرا۔ نظیر کی شاعری کے مطالعہ سے زندگی کے ممکنات پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ نظیر کی شاعری اُس عہد کی منفیانہ شاعری کے ریگستان میں ایک شاداب نخلستان ہے۔

نظیر جاگیردارانہ عہد کا شاعر ہے۔ اُس دور میں ادب یا تو دربار میں رقص کرتا تھا یا پیپا مضمحل انفرادیت کے قید خانہ میں کراہتا رہتا تھا۔ مگر نظیر ان دونوں باتوں سے محفوظ ہو۔ نظیر نے زندگی کی وسعتوں کا مشاہدہ کیا، اجتماعیت کے ساگر میں تیراکی کی اور وہ آزادی کے آکاش کی طرف اُڑا۔

نظیر کی ہمہ گیری

نظیر شب برات، ہولی، دیوالی، برسات، بچپن، جوانی اور بڑھاپا سب سے واقف ہے اور ان کی تصویریں واقعیت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ وہ زندہ رہنے کی مسرت سے آشنا ہے۔ وہ اس بات کا قائل ہے کہ "دنیا میں سب کچھ انسان ہی کے لیے ہے" وہ "ریچھ" اور "گلہری" سے بھی دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ مظاہر حیات مسرت آفریں ہیں وہ لالہ و گل، نسرین و سمن نیلوفر و سوسن چنبیلی، مدھ مالتی، مولسری و کنول، موگرا، کیتکی، موتیا اور سرسوں کی بہار پر مفتون ہو۔ کہتا ہے

دُنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ کیا دستِ قدرت نے باندھا ہو یہ گلدستہ

نظیر کا منفیانہ رُخ

"سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاویگا جب لاد چلیگا بنجارا"

سے ظاہر ہوتا ہے۔ نظیر کہتا ہے کہ:-

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک رہے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیئے پاک ہوے

اور، دکھ پا کے مر گیا کوئی سُکھ پا کے مر گیا جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

نظیر کا سب سے زیادہ رچا ہوا رنگ قلندرانہ لطف اندوزی میں نظر آتا ہو۔ اس کی نظمیں "من موجی" "بےخبری کا عالم" "کوڑی نہ رکھ کفن کو" اور "ہر حال میں خوش" شاعر کی اصلی شخصیت کو نمایاں کرتی ہیں اور یوں تو "با ہمہ و بے ہمہ" کی روح نظیر کی شاعری میں ہر جگہ نظر آتی ہے

کہتا ہے :-

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا   جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

اور ، دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال و دھن کو   گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

پھر کہتا ہے :-

افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں   پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

نظیر "غم روزگار" کا علاج "غم عشق" میں نہیں بلکہ "کیف عشق" "بہجت محبت" میں ڈھونڈھتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہر وقت علاج و معالجہ ہی کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے بلکہ وہ زندگی کی حقیقتوں میں ڈوب ڈوب کر امرت اور بس کے تجربے کرتا ہے۔ زندگی کی مسرت زندگی کے وسیع تجربے میں پنہاں ہے۔ جینے کا احساس سب سے بڑی مسرت ہے۔ نظیر کے یہاں جام حیات کی تہ میں غم انجام کی تلخی کا احساس بھی ضرور ہے لیکن وہ اس احساس کو من کی موج اور بے خبری و بے خودی کی ترنگ میں بھول جانا چاہتا ہے۔

نظیر بہت بڑا حقیقت نگار ہے۔ وہ زندگی کے ہر رخ کو نہایت ہی صداقت کے ساتھ نمایاں کرتا ہے اور تنقیدی حقیقت نگاری پیش کرتا ہے لیکن کہیں پر بھی وہ انقلابی نہیں۔ وہ جہاد و مقابلہ کی روح سے نا آشنا ہے۔ وہ "پرولیتاری" تو ہے لیکن "پرولیتاریات" میں جذبۂ عمل پیدا نہیں کرتا وہ تو یہ کہتا ہے کہ۔

مشک تتار و مشک ختن بھی تجھی میں ہے   یاقوت سرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے

نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے   القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ

اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ ،

تنقید نگاری | نظیر کے یہاں تنقیدی حقیقت نگاری کی مثالیں بھی بہت ملتی ہیں "ہائے رے افلاس" "مفلسی" "جوانی اور بڑھاپے کی لڑائی" وغیرہ نظموں میں اس کا رنگ جھلکتا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

دُنیا میں لے کے شاہ سے لے یار تا فقیر | خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اِک آن میں حقیر | کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر

وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

ایک مزاحیہ مگر دلخراش تنقیدی حقیقت نگاری کی مثال دیکھیئے:-

رکھ بوجھ سر پہ نکلا، اشتر ملا تو ایسا | گھیرا اخرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا،
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا | مفلس کا زرد چہرہ جوزر ملا تو ایسا،

آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

ایک آپ بیتی کی مثال سُن لیجیے۔ نظیر معلمی کر کے پیٹ پالتا تھا۔

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں | مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں | وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں

اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

تجزیاتی نقطے | اگر نظیر کی فطرت کا تجزیہ کیا جائے تو مندرجۂ ذیل عناصر اُس میں پائے جائیں گے۔

(۱) دل کا گداز۔ نظیر ایک گداز دل کا مالک تھا۔ وہ انسانی کمزوریوں اور حماقتوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا پھر بھی وہ انسانیت سے محبت رکھتا تھا۔ وہ انسانی شان وشوکت کی فنا کا راز داں تھا۔ وہ زندگی کی بخششوں اور ناانصافیوں سے آشنا تھا۔ نظیر کا دل بہت ہی حساس تھا اور اسکی آنکھیں بیک وقت مسرور وگریاں رہتی تھیں۔ نظیر کی شاعری میں درد و سوز پایا جاتا ہے۔

(۲) رازِ زندگی سے واقفیت۔ نظیر ایک حقیقت آگاہ شاعر تھا، زندگی اُس سے سرگوشیاں کرتی تھی اور وہ مآلِ حیات کو جانتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ زندگی کا لطف زندگی کو آزادانہ و ہمدردانہ برتنے ہی میں پوشیدہ ہے۔

(۳) رواداری۔ نظیر کے دل کا گداز اور اس کی حقیقت آگاہی اُسے رواداری اور محبت سکھاتی تھی۔ اس کی رواداری اتنی وسیع تھی کہ وہ انسانی غلطیوں سے بھی مسکراتا ہوا چشم پوشی کر لیتا تھا،

(۴) نظیر کی ہمدردیاں بہت وسیع تھیں۔ غریب، امیر، زاہد و رند، تاجر و حاکم، بوڑھے بچے، عورت مرد، انسان حیوان، ہندو مسلمان سبھی اس کے دل میں جگہ رکھتے تھے۔ اس نے اپنی وسیع ہمدردیوں کو اپنے آرٹ میں کامیابی کے ساتھ منعکس بھی کیا ہے۔

(۵) خندہ پیشانی اور صبر، عارف شاعر۔ غم روزگار کو ہنسی خوشی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ وہ المناک "انجام" حیات کو سمجھتے ہوئے بھی "دنیا کے چمن" سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ جیون کے اونچ نیچ اور فنا و بقا کو جانتے ہوئے بھی کہتا ہے کہ:۔

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں
ہر کام میں ہر دام میں ہر حال میں خوش ہیں

(۶) ظرافت و مزاح لطیف۔ نظیر کی طبیعت میں ظرافت کا مادہ بہت نمایاں تھا۔ اس ظرافت کا اثر اس کے فن میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ ظریف و صاحب مزاح ہے لیکن مضحک اور ہنسوڑ نہیں، نظیر کے فن میں عریانی حد سے زیادہ واقعیت پسندی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مقصد بھانڈپن یا پھکڑ پن نہیں۔ مثلاً "بچپن" کی نظم میں کہتے ہیں:۔

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے
آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے

درد اور مزاح کی ہم آہنگی ملاحظہ ہو:۔

دریا کے تماشے کو اگر جاویں تو یارو
کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بدخو
کیوں خیر ہی گیا خضر سے ملنے کو چلے ہو
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

نظیر کی ظرافت کی ایک نوع ہمدردانہ طنز بھی ہے۔ مثلاً "ہائے رے افلاس" اور "دنیا بھی کیا تماشا ہے" اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔

نظیر کی ظرافت تنقید سے زیادہ محض انکشاف حقیقت سے پیدا ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"امیر فقیر، اچھے بُرے آدمی ہی ہیں" شاعر کہتا ہے:-

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۲) نظیر میں تخیل اور تجربہ بہت کافی نظر آتا ہے۔

ڈرامہ نگاری کے نمونے | نظیر کے اس فن کے مطالعہ سے ایک اور اہم صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے اندر ایک کامیاب ڈرامہ نویس کی خوبیاں بھی موجود ہیں۔ زندگی کی وسیع واقفیت اور دوسری مذکورۂ بالا خصوصیات کے علاوہ نظیر میں مندرجۂ ذیل باتیں ایسی ہیں جو ایک ہوشمند ڈرامہ نگار میں پائی جاتی ہیں نظیر نے زندگی کا مطالعہ مختلف زاویوں سے کیا ہے۔ مشاہدۂ حیات کے وقت اُس پر اکثر غیر جانبداری اور بے خودی کا عالم طاری رہتا ہے۔ نظیر مختلف طبائع اور نوع بہ نوع ادوار و کیفیاتِ حیات کو پیش کرتا ہے۔ ہستی کا مرقع دیکھنا ہو تو "طفلی"، "بچپن"، "بڑھاپا"، "جوانی"، "فقراء کی شان"، "من موجی"، "بے خبری کا عالم"، "کوڑی نہ رکھ کفن کو"، "پیسہ ہی سب کچھ کرتا ہے"، "ہر حال میں خوش"، "مفلسی"، "ہائے رے افلاس" وغیرہ نظمیں ملاحظہ فرمائیں۔ اِن نظموں میں کردار نگاری کی بہت سی خام و پختہ مثالیں آپکو ملیں گی۔ اگر نظیر ڈرامہ لکھتا تو اسی مواد سے بہت سے مشخص کردار پیدا کر لیتا۔

ڈرامہ نگار کے لئے اشیاء کی وسیع واقفیت بھی ضروری بات ہے۔ نظیر بھی دُنیا بھر کی چیزوں اور اُن کی قسموں سے واقف ہے۔ جانوروں، پرندوں، پھلوں پھولوں، کھیل تماشہ کی چیزوں، سواریوں کی قسموں، لوازم خانہ داری، بازار کے سامان، رشتہ داریوں، متوسلین کی قسموں، پیشہ وروں وغیرہ سے نظیر کی واقفیت حیرت انگیز ہے۔ اس لحاظ سے وہ شیکسپیئر کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے۔

نظیر کی شاعری موسیقیت سے ہم آغوش ہے اس کے یہاں داخلی اور خارجی دونوں قسم کی موسیقی پائی جاتی ہے۔ وہ مترنم بحور استعمال کرتا ہے اور بے ساختگی کے ذریعہ روانی پیدا کرتا ہے۔ اُسے الفاظ اور جملوں کے استعمال کا ایک خاص سلیقہ ہے۔ اس کے علاوہ نظیر کی شاعری میں ایک داخلی شیریں گداز اور ایک پُرکیف اندرونی ترنم پایا جاتا ہے۔ اُس کی شاعری زندگی کے زیروبم پر رقص کرتی معلوم ہوتی ہے ہر چند کہ نظیر سادہ اور عام فہم زبان کے استعمال کے ساتھ ساتھ قواعد و املا کی غلطی بھی کرتا ہے اور برجستگی و صفائی کے باوجود فن عروض کے برتنے میں خامیوں کی مثالیں بھی پیش کرتا ہے تاہم اسکی بنیادی موسیقیت و ترنم میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی۔

الغرض نظیر کی شاعری بہت ہی بلند مقام رکھتی ہے اور اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ زندگی کی تہوں میں اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے ہے۔

مذکورہ بالا افراد کے علاوہ علامہ شبلی مرحوم حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی مرحوم، مولنا جالب دہلوی مرحوم پروفیسر الیاس برنی، ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری مصنف "بحر الفصاحت"، مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم، مولانا حسرت موہانی (جو ابھی کل ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کی دوپہر تک اس دنیا میں تشریف فرما تھے اور شام کو بعد مغرب سپرد خاک ہو کر اعلیٰ علیین میں طیور جنت کے ساتھ غزلخوانی کرنے کے لئے ہم سے رخصت ہوئے ہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) رام بابو سکسینہ کلکٹر مؤلف تاریخ ادب اُردو مولوی لطیف الدین احمد صاحب، مجنوں گورکھپوری صاحب وغیرہم نظیر کے متعلق وقتاً فوقتاً بہت ہی ذہنی اور گرانقدر خیالات کے ساتھ اس کے کلام پر حُسن قبول کا مارکہ لگائے جانے کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں۔

نظیر کی قلمی خدمات تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق اللسان ہیں کہ نظیر نے بہت کافی عمر پائی، دماغ کی قوت و مضبوطی، نظر کی تیزی و دور رسی اور جذبات و خیالات کی وسعت و فراوانی میں وہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، ساری عمر درس تدریس، شعر و شاعری اور لکھنے پڑھنے ہی میں صرف ہوئی چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اُن کا صرف کلام منظوم ہی کسی طرح اکٹھا ہو جائے تو دو لاکھ اشعار سے کم نہ نکلیں گے

مگر باوجود اس قدر کثرتِ شعر گوئی کے آج اُن کے کلام کا سب سے بڑا ذخیرہ جس کے متعلق فخر کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تیج کمار ربکڈپو لکھنؤ کے اس مجموعے سے جو آپ کے ہاتھ میں ہے صرف پندرہ سولہ ہزار اشعار پر مشتمل ہو زائد نہیں ہے۔ اُس کثرت کے مقابلے میں اِس قلت کی سب سے بڑی وجہ تو خود نظیر کی لاپرواہی اور وارفتہ مزاجی تھی یعنی خود انہوں نے کبھی اپنے کلام اور تصنیفات نثر و نظم کو جمع اور محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کی، نہ معلوم کتنی چیزیں ضائع ہو گئیں، نہ معلوم کتنی دوسروں کو بانٹ دیں اور نہ معلوم کتنی ایسی چیزیں آج بھی متفرق طور سے لوگوں کے کتبخانوں اور سینوں، سفینوں میں محفوظ ہوں گی جسے لوگ بروقت حاصل کر کے اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے۔

مشہور فرانسیسی محقق گارسان دی تاسی کا بیان ہے کہ نظیر کا سب سے پہلا دیوان ۱۸۲۰ء میں لیتھو کے ذریعہ سے ناگری حروف میں شائع ہوا تھا، اس کے بعد فارسی خط میں دوسرا ایک مجموعہ اور شائع ہوا جسے خود نظیر نے مرتب کیا تھا، اس پر اُن کی قلمی تصویر بھی چسپیدہ تھی اِس کے علاوہ دیوان کے اندر نظموں سے متعلق ہندوؤں کے اوتاروں کی بھی متعدد تصویریں شامل تھیں۔ شہباز صاحب نے "زندگانی بے نظیر" میں لکھا ہے کہ میں نے انھیں بہت تلاش کیا، اُن کے عزیزوں اور ورثا وغیرہ سے بھی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کسی طرح کامیابی نہیں ہوئی، مرزا فرحت اللہ بیگ چغتائی کو اتفاقاً یہ دونوں مجموعے آغا حیدر حسن دہلوی پروفیسر نظام کالج حیدرآباد کے یہاں مل گئے جو انھیں ان کے نانا عبدالرحمٰن خاں احسان دہلوی کے کتب خانہ سے ۱۸۵۷ء کی دست بُرد کے بعد بچ بچا کر ہاتھ لگ گئے تھے؛

مرزا صاحب نے نظیر کا جو مجموعہ کلام شائع کیا ہے اس میں زیادہ تر اسی دیوان کے اشعار ہیں، مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ یہ دونوں دیوان کشمیری کاغذ پر چھپے ہوئے ہیں اور قیاس ظاہر کیا ہے کہ اسے نظیر کے کسی ہندو شاگرد نے جمع کیا ہوگا، اور وہ غالباً مہاراجہ بلونت سنگھ راجہ ہوں گے۔

ان دونوں مجموعوں کے علاوہ سات ہزار اشعار پر مشتمل ایک اور کلیات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو نظیر کے نہایت محبوب و مخلص شاگرد بلاس رائے کے لڑکوں کے اہتمام سے شائع ہوا تھا مگر یہ بھی

مکمل نہیں تھا بلکہ یہ لڑکے اپنی تعلیم کے زمانے میں استاد کا رطب و یابس کلام جو کچھ مل جاتا تھا کہیں لکھ لیا کرتے تھے اُسی کو مطبع الٰہی کمبوہ دروازہ میرٹھ نے شائع کر دیا، نظیر کے قریبی عزیز مرزا نوازش علی کا بیان ہے کہ ان سب کے ماسوا نظیر کا ایک اردو دیوان ردیف وار مرتب تھا، قطب الدین خاں باطن (شاگرد نظیر و مؤلف گلستان بے خزاں) نے جو اشعار اپنی کتاب میں درج کئے ہیں اُن سے بھی کچھ اسکے اوپر روشنی پڑتی ہے۔

راجہ بلاس رائے کے لڑکوں کا شائع کیا ہوا یہی دیوان ۱۸۶۲ء؁ میں مطبع احمدی چار سو دروازہ میرٹھ میں شائع ہوا پھر اسکو اور مطبع الٰہی والے اڈیشن کو سامنے رکھ کر فحش اور مبتذل کلام کا ذخیرہ خارج کر کے مطبع نولکشور نے شائع کیا، اُس زمانے میں کلام نظیر پر نولکشور کا یہی اڈیشن آخری اور مجموعی ذخیرۂ کلام خیال کیا جاتا تھا، پھر مولوی عبدالغفور صاحب شہباز کو ادھر توجہ ہوئی اور انھوں نے بڑی تلاش و تحقیق کے بعد ایک سوانح عمری مع نمونۂ کلام کے اور ایک کلیات مرتب کر کے شائع کی، ان دونوں کتابوں کی نشر و اشاعت بھی مطبع نولکشور ہی کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہونچی اور مرزا فرحت اللہ بیگ اور مخمور صاحب اکبر آبادی کے بعد آج پھر یہ ساڑھے نو سو صفحہ سے متجاوز اور شاندار و عظیم ترین ذخیرہ منشی نولکشور کے پرپوتے کنور تیج کمار صاحب کی سعی و کوشش سے ملک و قوم کے سامنے پیش ہو رہا ہے،

معترفین نظیر کا کہنا ہے کہ نظیر کے تین مکمل دیوان اور تھے دو اُردو میں اور ایک فارسی میں اور تصنیفاتِ نثر کے بارے میں باطن صاحب نے تشریح کی ہے کہ

جس وقت مزاج عالی تحریر نثر پر ملتفت ہوا مضمون انشا ہائے ترمی گزین قدر متین فہم قرین، بزم عیش، رعنا زیبا، حسن بازار، طرز اقعر، بر و غیرہ نو عدد مثال نور تن زیب بازوئے شاہد مدعا ہو کر دست بستہ آن پہونچا۔

ان میں سے پانچ عدد قلمی تصنیفات شہباز صاحب کی نظر سے گذر چکی ہیں اور اُن کے جستہ جستہ کچھ ٹکڑے بھی اپنی تالیف میں انھوں نے شریک اشاعت کیئے ہیں، مگر ان تمام تصریحات و حقائق کے

بعد لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا ہے کہ وہ معمولی تعلیم اور محض مکتبی زندگی کے آدمی تھے اسکی وجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ بیان کی جائے یہ تسلیم کئے بغیر رہا بھی نہیں جاسکتا کہ اسکی سب سے بڑی ذمہ داری خود نظیر کے اوپر اور نظیر کے بعد اُن کے شاگردوں اور خاندانی وہ شار کے اوپر عائد ہوتی ہے ورنہ جیسا اُن کے بعض کلام اور مخالف تذکرہ نگاروں نے مشہور کر رکھا ہے حقیقتاً اس کے بالکل برعکس ہے، اسکا ثبوت سطور ماسبق میں ملاحظہ فرمائیے۔

فارسی تصنیفات میں سے ایک تصنیف کا نام "طرز تقریر" ہے۔ اس میں انھوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ معشوقوں سے چھیڑ چھاڑ کیونکر کی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں کہیں کہیں ضلع جگت سے بھی کام لیا ہے۔ ہر چند اُن کی یہ تصنیف فارسی کی کوئی سنجیدہ تصنیف نہیں ہے لیکن یہ اس وقت کا رنگ تھا ورنہ اب تو فارسی میں اس قسم کا لٹریچر بکثرت پایا جاتا ہے۔

طرز تقریر میں تقریباً دو سو علٰحدہ علٰحدہ ٹکڑے ہیں، جن میں سے اکثر "نازنینے را دیدم" یا اس کے ہم معنی فقرہ سے شروع ہوتے ہیں اور پھر اُس نازنین سے ان کی بات چیت شروع ہوتی ہے جس میں کبھی یہ معشوق کو بناتے ہیں اور کبھی وہ اُنھیں بناتا ہے اور آخر میں نظیر ایک شعر پڑھ کر اس صحبت کو ختم کر دیتے ہیں۔ مثلاً

ایک بار کسی نازنین کے پاس گئے اس نے پوچھا "چہ کسی" (تو کون ہے) انھوں نے کہا "پروانۂ شمع رویاں" اس نے کہا "مانع پرافشانی" کہا "اجازت؟" اس نے جواب دیا "پروانہ پروانگی نہ خواہد" اور انھوں نے یہ شعر پڑھ کر اپنی ہار مان لی:-

گفتم کہ درست گفتی اے شمع — پروانۂ خام بودم گفت

ایک اور واقعہ انھیں کی زبان میں سنئے:-

"بروئے نازنینے شرمگیں نگاہ، نگاہ کردم۔ عرق بہ رخش پدید آمد۔ گفتم "گوہر بحر شرم؟" گفت "کرم نگاہ گرم"

گفتم اے نازنین شرم آگیں — حسن را شرم خوبی دگر ست

یہ کتاب اسی طرح کے سوال و جواب سے بھری ہوئی ہے اور اکثر جگہ صرف ایک ایک لفظ سے مدعا ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو:۔

"پیش محبوبے رفتم، دیدم کہ انجیر نہادہ است و زلف گرہ گیر کشادہ۔ بہ قدرِ تفاوت بنشستم۔ گفت "اگر دلپذیر چندے ازیں بگیر۔" دانستم بعزمِ تسخیر۔ گفتم "کجا ایں تو قیر، اگر لطف ست ہمیں جا عنایت تا تاثیر۔ گفت "این چہ تقریر۔" گفتم "از دو ما انجیر و نزدیک زنجیر، ترکِ انجیر از بیم زنجیر خوش تدبیر۔" گفت "چساں؟" گفتم۔

صید رم دارد و صیاد فسوں می خواہد ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

اس سلسلے میں انھوں نے اپنی پیرانہ سالی کو سامنے رکھ کر بھی بعض نمونے "طرز تقریر" کے پیش کیے ہیں اور کافی "پر افشانی" کا ثبوت دیا ہے، چنانچہ ایک واقعہ ملاحظہ ہو:۔

نازنینے نسرین بدن، حمایلِ سمن در گلویم انداخت، گفتم "ریشِ من لستر ن ست خجلت آرد"۔ گفت:۔ "ہمرنگ ضرر ندارد"

ایں سخن چوں بتِ سمنبر گفت شد دلِ من سمن سمن مسرور

اب دو چار شالیں ضلع جگت کی بھی سن لیجیے:۔

برائے نوخے ظرافت شعار حمایل گل بردم۔ گفت "ہندی ایں؟" گفتم "ہار" گفت "زنہار از اصطلاحِ قمار"

نزد نازنینے سیمیں ذقن رفتم و گفتم "سیب خوش رسیدہ است" گفت "بیمار"۔ گفتم "اگر دستم بہ سیب رسد"۔ گفت "بے آسیب نخواہد رسید"۔

اس کتاب میں جتنے واقعات درج ہیں، وہ سب فرضی ہیں، چنانچہ مصنف نے خود کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ

"نظیر حقیر، نثر مسرت مشحون و نظم مناسب مضمون بہ نطقِ ہمنشینی و ہمراہی نازنیناں تحریر نمودہ و خاطر خود را فرحت و انبساط بر افزودہ۔"

قدرتبین میاں نظیر کے فارسی خطوط کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر انشا کی حیثیت سے لکھے گئے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اُن میں سے بعض ان کے وہ خطوط بھی ہوں جو واقعی انھوں نے اپنے احباب کو لکھے تھے۔

یہ کتاب بہ لحاظ انشا و مطالب "طرز تقریر" سے بہتر ہے اور اس کا اندازِ تحریر بھی اس سے بالکل مختلف ہے اس میں مختصر نویسی یا اشارات سے کام نہیں لیا گیا بلکہ پورے جملے لکھ کر تسلسل کو قایم رکھا گیا ہے اور اس میں اشعار بھی اچھے نظر آتے ہیں بعض منظوم خطوط ہیں اور فارسی کی چند غزلیں اور رباعیاں بھی ہیں نظیر کی فارسی دانی کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

اس مجموعہ میں ۱۳۴ رقعات ہیں اور ان میں سے شاید چند وہ رقعات جو پھلوں وغیرہ کی رسید میں لکھے گئے ہیں اصلی ہوں تو ہوں اور نہ سب انشائی حیثیت رکھتے ہیں۔

"تخم گل مہندی" کی رسید میں لکھتے ہیں!۔

"قدرداں، قدر فزا، از گل الطافِ تو ہست — رونقِ رنگِ حنا در کفِ دستِ چمنم"

بلطف تخم گل مہندی ندرت نگار، ہمرنگ خیالِ رنگین ادایان گلبنِ تمنا تازہ گردید شگفانی آن بتابے کہ ناکاشتہ ہجوم شاخ و برگ، و جوشِ غنچہ و گل پیش نگاہ جلوہ نما۔ دوستِ بہار حنابستہ گلزمین خیاباں را بنت بر فرق نہاد تشریف گل کارمید ہد۔ گلشن خاطر شگفتہ باد!

کسی اور صاحب کو آئینہ کی رسید میں شکریہ کا خط لکھتے ہیں!

"خوشدلی ز آئینہ شد ایں مخلص دیرینہ را — ہمچناں کز عکسِ روئے مہ رخاں آئینہ را

از توجہ آئینہ خوشنما خورسندی رو نمود و خیالِ چندیں انشراح بمرأت خاطر افزود۔ جلب را بہ وجودِ آں شہرت و پرواز را بنمودش مفاخرت ......"

ایک منظوم رقعہ ملاحظہ ہو۔ جس میں غالباً انھوں نے تیراکی کا میلہ دیکھنے کے لئے رتھ طلب کی ہے:۔

محیطِ بخشش و بذل استقامت — ملاذ و منبع احساں سلامت

چوں شوقِ صحبتِ رنگیں نگارم — ہمانا موج دریا در شمارم

مگر بعد از سلام اُلفت آرا — بنوکِ خامہ آرم مدعا را

که امروز از برائے سیر دریا
جہانے حاضر و خلقے ست یکجا

نظر تا میرسد یکسر بہارست
چمن بر ساحل دریا نثارست

زغسل مردمان و بازی آب
بہر سو شوخی گرداب بیتاب

زعکس گلعذاراں آبِ دریا
برنگ نہر گلشن در نظر ہا

بہ ساحل بسکہ مہ رویاں عیان اند
شکار دام الفت ماہیان اند

بفرحت قطرہ زن ہر موج آب ست
مئے مقصود در جام حباب ست

بہار حسن و آب بحر در جوشش
بہم پہلو بہ پہلو دوش بر دوش

بجز بر دریا چنیں رنگیں بہارست
دلم از بہر آں بس بیقرارست

دریں صورت نظر بر بے قراری
عطا سازند رتھ بہر سواری

چو زاں مجمع ہمہ شادند امروز
کنم من ہم دلی خود عشرت اندوز

کہ باشد دیدن عالم غنیمت
اگر یک لحظہ باشد دم غنیمت

نظر اکنوں ندارد غیر ازیں یاد
کہ باشد خانۂ الطاف آباد

اس رقعہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی الفاظ کا صحیح صرف کر سکتے تھے اور نثر نگاری کے لئے وہ اچھے الفاظ اور اچھی ترکیبیں استعمال کرنے سے عاری نہ تھے۔

چند رقعات میں رباعیاں بھی نظر آتی ہیں لیکن ان میں سے بعض میں یہ جدّت کی گئی ہیں کہ چوتھا مصرعہ ایک ہی رکھا ہے اور اس طرح ان کو ایک مسلسل نظم بنا دیا ہے مثلاً:

دل برد ز من چو نازنینے زیبا
پُر حیلہ و پر فریب و پر ناز و ادا

گفتم کہ دلم دہ بہ تبسم فرمود
البتہ گر تو بعد یک لحظہ بیا

چوں روز دگر بہ آں بت عشوہ نما
گفتم کہ نشد وعدۂ دیروز وفا

بشنید و بخندید و بفرمود امروز!
البتہ گر تو بعد یک لحظہ بیا

اس کے بعد نظیر پھر گئے، کئی بار گئے اور ہمیشہ یہی جواب ملا کہ

"البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا"

یہاں تک کہ ساتویں رباعی میں یہ صورت پیدا ہو گئی کہ

ناچار ز روئے عجز گفتم اورا — آں "لحظہ" بفرما کہ چہ باشد گفتا
چنداں۔ نظیر خواہم بتو، گفت — البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا

ایک رقعہ میں مستزاد رباعی بھی پائی جاتی ہے :۔

ظاہر ز سرائے تو باصد تزئین — اے باغ جمال
ریحان و گل و نرگس و سرو و نسرین — رنگیں تمثال
اسرارِ چمن در چمن از فہم تو اے یار — بکشاید دیر
یک لحظہ دریں باغ بیا و بنشیں — واکن فی الحال

اسی طرح "حسن بازار" ہے جو بالکل "مینا بازار" کے انداز پر لکھی گئی ہے، جس میں اکبرآباد کے بعض دوکانداروں کی صفت بیان کی گئی ہے اور ہر اس مبالغہ سے کام لیا گیا ہے جس سے اس نوع کے انشاء میں متقدمین کام لیا کرتے تھے۔ عبارت کی رنگینی، تعبیرات کی ندرت، تشبیہات کی جدت، رعایتِ الفاظ وغیرہ سب وہی ہے اور اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ نظیر نے کم لکھا ہے اور دوسروں نے زیادہ، یا یہ کہ نظیر کے یہاں صرف تفنن ہے اور دوسروں کے یہاں اصل مقصود۔

گلفروشوں کا حال بیان کرتے ہیں :۔

نشستنِ گلفروش در دوکان بر خسار گلگوں و لبِ خنداں و نزاکت، ہر تارِ پیرہن رگِ نسریں نشان از رنگینیٔ دکان چمن در بازار جلوہ گر و گلشن پیشِ نظر۔ تحریک ساعد سمن رنگ متحرکِ دست ساقی بہ ساغر مل و تمثیل بہتر ازیں جنبشِ شاخِ گل بہ مسِ انامل......

یہ رسالہ بہت مختصر ہے، لیکن اس سے ان کی فارسی دانی پر کافی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم عربی فارسی کی بہت اچھی ہوئی تھی۔

اُردو انشا میں بھی لکھی جس کا نام فہم حزین ہے۔ یہ دستور الصبیان کی وضع کی مختصر سی کتاب ہے، اور اس میں مبتدیوں کے لیے آسان اور عام فہم عبارت میں رقعات لکھے گئے ہیں۔ صرف ایک رقعہ کی عبارت میں کسی قدر رنگینی نظر آتی ہے۔ یہ رقعے مرشد، باپ، چچا، خالو، ماموں، پھوپھا۔ بھائی اور ماں کے نام ہیں۔ ان کا مقصود، مبتدی طالب علموں کو خط وکتابت سکھانا ہے۔ ان میں عام القاب، آداب، خط کے شروع کرنے اور ختم کرنے کے اُس زمانہ کے مروّج طریقے درج ہیں۔ اُن کے مضامین میں روزمرہ کام آنے والی چیزیں مثلاً تقاضائے خرچ۔ ارسال زر، طلب خیریت، تلاش روزگار، عذرت وغیرہ شامل ہیں۔

نثر فارسی میں بقول باطن انھوں نے نو نثریں لکھی تھیں لیکن پروفیسر شہباز کو صرف پانچ کی زیارت ہوئی۔ ان میں سب سے بہتر بزم عیش ہے جس میں انھوں نے آگرہ کے میلوں کو خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ ان میلوں کا حال تفصیل کے ساتھ ان کے منظوم کلام میں بھی ہے۔ یہ نثریں چھپی نہیں، ان کے قلمی نسخے شہباز صاحب کی نگاہ سے گذرے تھے ان کے دیکھے ہوئے ایک نسخہ کے بارے میں اُن سے یہ بتایا گیا کہ یہ خود میاں نظیر نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا لیکن پروفیسر شہباز اس کو اس بنا پر صحیح تسلیم نہیں کرتے کہ کتاب میں ایسی فاش غلطیاں موجود ہیں جو مصنف کے قلم سے سرزد نہیں ہو سکتیں۔

پروفیسر شہباز کا حسن عقیدت بجا و درست لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ نظیر کے یہاں اس قسم کی غلطیاں تو اکثر پائی جاتی ہیں اور لطف یہ ہے کہ برسوں سے ناقدین و مبصرین سب انکو اسی طرح غلط لکھتے اور پڑھتے ہی چلے آرہے ہیں، کوئی اصلاح یا حذف کی طرف توجہ نہیں کرتے مثلاً عربی کا حسب ذیل شعر، جو کلیات ہذا کے صفحہ ۲۳۳ پر مرقوم ہے۔

شعر اوجهك عشی شر قادموع نضرا دمن فراقك   کثیر حزنا مع الهموم ثقیل هجرا و کالجبال لا

بہر حال طرز تحریر میں کیلوں کے اوپر کافی اظہار خیال کیا گیا ہے شریفے کے اوپر لکھتے ہیں:۔

"شوخے لطیفہ پرداز شریفہ طلبید۔ چوں پیش رسید گفتم شریف تر گردید۔ گفت دلت بجنایت دوید۔ گفتم بجا ست کہ بہتر و زود تر رسد مشرف باید گردید۔ در حصول دو فرحت باید گردانید۔ یکے شریفہ دو دیگر لطیفہ۔ عنایت کرد و گفت

دلت خوش گردید۔ گفتم وقتے کہ از دست ناز خواہد رسید" ؎

چوں ز دست ناز ہم آمد بدست

گفتم اکنون خاطر من شاد شد"

جامن کے اوپر لکھتے ہیں :۔

"نزد ناز نینے رفتم۔ وگفتم جامن خوب تر آمدہ است ؎

گویم بے تکلف طرفہ جامن   تواں کردن بیانش تا بجامن

گفت بر و من خوش دارم۔ رفتم و زود آوردم۔ قدرے بمن داد و گفت دیگر۔ گفتم ہمیں ایں جامن۔ چوں خود تناول ساخت دو سہ تخمش بر من انداخت۔ خوش وقت شدم و گفتم، ؎

ازیں جامن ہمینم آرزو بود

ز لطف نازنیں خوباں برآمد"

آم کے اوپر تحریر ہوتا ہے :۔

"دراصل انبہ کہ پسند خاطر خاص و عام ہست و شہد و شکر بے قدرے الیتام پیش نازنینے رفتم۔ گفتم انبۂ ذائقہ فریب دیدہ آمدہ ام۔ گفت چرا نیاوردی گفتم اکنوں چہ درنگ۔ مگر رنج انامل نزاکت شامل نہ شود۔ تبسم کرد و گفت خوب۔ رفتم و زود آوردم۔ گفت چہ قسم است۔ گفتم ہمہ بہ ترشی ورشت۔ گفت اگر برآید گفتم یک مشت۔ سرخ سرخ روئی پسند و سرسبزی بنگاہ نیاز مند۔ و زرد و ہم ایں کہ بخورند و روے گرفتنم رزد نہ کند۔ ہنگام تناول ہماں قسم۔ گفت ہرچہ ازیں خوش آید باید گرفت۔ شیرہ گرفتہ گرفتم۔ گفت چرا۔ گفتم باطاعت۔ حکم ہمیں خوش آمد۔ بخندید۔ زیادہ مسرور شدم و گفتم ؎

لذت انبہ خوردن ایں طور   پیش من بہ ازیں نمی باشد"

کہا جاتا ہے کہ نظیر ایک درجن سے زائد زبانوں کا عالم تھا اور جتنی زبانیں وہ جانتا تھا تقریبًا سب ہیں کچھ نہ کچھ اپنے جذبات بھی نظم کر دیتا تھا مثلاً ذیل کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیے اور سوچئے کہ اسمیں اُسنے کتنی زبانیں استعمال کی ہیں۔

وہ زلفیں اسکی سیاہ پُرخم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو ۔۔۔ نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا
ادائیں بانکی عجب طرح کی وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا ۔۔۔ بھویں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
بری رُخِ من شکر لبِ من دمے تو باز آ بہ پیش چشم ۔۔۔ بیادِ سروِ تو ہمچو ارم، نہال عشقت شدہ است بالا
تسادے ملنے نوں دل ہوے کل ایہی اوہ کلاں نت آکھدا ہے ۔۔۔ سدا لے مینوں وے اپنے گھر وچ نہیں تو اتھے اسادے مل آ
تمہاری آسا لگی ہے ستدن، تمہارے درشن کو ترسیں نیناں ۔۔۔ دلار سندر، انہ ٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
پھن کہ من کو جو جھنوں تھی لے یار کائیں لگائی اتنی ۔۔۔ پھر ایتین آکر کبھی تو مہاں کی پلک کنارا جو تہاں نے گالا
اگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تیرے اے من موہن لال ۔۔۔ تورے جو نیناں نے موہا مجھکو نہ جینوں تنکو بھواد کھالا
جگت سبھا، امت برہمکھ، اتنک کھسوا، من کرن کہا ۔۔۔ دوانی کینی تن سُر جن، نہ سدھ کی گر یر نہ بدھ کی جھالا
وہ جامہ زیبی وہ دل فریبی وہ سج دھج اسکی، وہ قد زیبا ۔۔۔ کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا
بہت یہ میں نے چاہا پوچھوں میں نام اسکا و لے وہ گلرو ۔۔۔ نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا

کبھی تو ہنس کر شتاب آ جا نظیرؔ کی بھی طرف ٹک اے جاں
بنا کے سج دھج، پھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں بھی اسکے کلام سے پیش کی جاسکتی ہیں۔

جناب مخمور اکبر آبادی صاحب نے روح نظیرؔ کے دوسرے اڈیشن مطبوعہ ۱۹۴۶ء میں لکھا ہے کہ:- ضیائے عباسی ہاشمی ضیائی بدایونی والا نسخہ، جس سے خود صاحب روح نظیرؔ نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، بہت سی ایسی غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے جو کہیں اور نہیں ملتیں۔

اس کے علاوہ مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج ۔ آگرہ) نے کلام نظیرؔ کا جو ذخیرہ مرتب کیا ہے اس میں اس کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام شامل ہے۔

اسی طرح منشی درگا پرشاد مہرا ایڈوکیٹ و رئیس بنی گلی آگرہ کے پاس بھی نظیرؔ کا بہت سا

غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پنڈت کیلاش ناتھ کنزرو وکیل سرکار ورئیس اکبر آباد کے قبضہ میں بھی بہت سا غیر مطبوعہ کلام نظیرؔ تھا جن کا بڑا حصہ پورے دیوان حافظ کی تضمینوں پر مشتمل تھا۔

اسی طرح سہارن پور کے ایک ایڈوکیٹ بابو رام گوپال کے پاس بھی کچھ غیر مطبوعہ کلام محفوظ بتایا جاتا ہے، یہ اسی کھتری خاندان سے ہیں جہاں میاں نظیرؔ پڑھانے جایا کرتے تھے۔

اور مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج۔ آگرہ) کے قول کے مطابق بندرا بن کے کسی حلوائی یا کنجڑے کے پاس نظیرؔ کا اچھا خاصہ غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

اور ان سب کے اسوا نظیرؔ کی جانب منسوب بہت سا کلام لوگوں کو زبانی یاد ہے، جو قید تحریر سے آزاد اور سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، کلام نظیرؔ کے ان حافظوں میں پھیری کرنے والے گداگر، قلندر، خوانچہ والے، "چنا جور گرم" بیچنے والے وغیرہ شامل ہیں۔

نظیر کا مسلک و مذہب مختصراً نظیرؔ کے مذہب کے متعلق اوپر کچھ لکھا جا چکا ہے اب یہاں ذرا اور تفصیل کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے۔

نظیرؔ مذہباً شیعہ تھے شہبازؔ صاحب نے اُن کی نواسی کے حوالے سے اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی لکھا ہے اس کے علاوہ اُن کے کلام کے تتبع سے بھی یہی نظر آتا ہے، حضرت علیؓ کے معجزات و منقبت والے اشعار اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن بظاہر ان کے کلام میں مذہبی تنگ نظری اور تعصب کم نظر آتا ہے۔ وہ صوفی منش اور وحدت الوجود کے قائل تھے۔ بزرگان دین سے گہری عقیدت رکھتے تھے، سُنّی بزرگ مثلاً شیخ سلیم چشتیؒ وغیرہ کی شان میں اُن کا کلام اُن کے حسن عقیدت کا مظہر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مذہب والا اُن کو اپنے میں شامل کہتا تھا۔ اُن کی وفات پر سُنیوں اور شیعوں دونوں نے اپنے اپنے طریقے پر نماز جنازہ ادا کی، اور جنازے کی چادر اُن کے ہندو شاگرد تبرکاً لے گئے۔ شاگردوں ہی نے اُن کی قبر پختہ بنوائی، ہندو شاگردوں نے سوئم کے دن قبر پر میلہ کیا اس سلسلہ میں غلام رسول کی مسجد میں قرآن خوانی بھی ہوئی۔ قبر اب بھی

موجود ہے، مگر لوحِ مزار غائب ہو چکی ہے۔ انتقال کی تاریخ اس مصرع سے نکلتی ہے ؎

مخمس بے سروپا، بیت بے دل، فرد بے سر شد

نظیر کے عادات و اخلاق کی سب ہی نے تعریف و توصیف کی ہے۔ ان کے کلام کے اُس حصہ کو چھوڑ کر جو شائد ان کی جوانی کا کلام ہے، اور جس میں شوخی و رندی زیادہ نمایاں ہے، باقی کلام سے ان کے بہترین اخلاق پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ وہ طبعاً آزاد اور وارستہ تھے۔ تمام عمر نہ کسی کی مدح سرائی کی نہ ہجو سے اپنی زبان و قلم کو گندہ کیا۔ ہر شخص سے بکشادہ پیشانی ملتے۔ خلافِ مزاج باتوں پر بھی برہمی کے آثار چہرے سے ظاہر نہ ہوتے۔ اُن کی خوش مذاقی پر انجمن کو شگفتہ بنا دیتی۔ حاجتمندوں کے ساتھ اپنی حیثیت سے بڑھ کر سلوک کرتے اور حتی الامکان کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی نہ واپس کرتے۔ دوستی کا پاس و لحاظ حد درجہ کرتے۔ بچوں، جوانوں، بوڑھوں سب ہی سے بے تکلف بات چیت کرتے۔

سطور بالا میں نظیر کی مذہبیت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک عام رائے کے ماتحت تھا، خود راقم الحروف نے جہاں تک اُن کے کلام کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نظیر بھی غالب وغیرہ کی طرح غالی شیعہ تھے جیسا کہ اُن کے مندرجہ ذیل اشعار سے کچھ مترشح بھی ہوتا ہے:

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شان میں کہتے ہیں۔

علیؓ کو جو کوئی پہچانتا ہے   برابر مصطفےٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے   وہ اپنے ناک سر پر چھانتا ہے
لگائی اُس نے دوزخ کی مگر تاک

پڑھوں جس دم مناقب میں علیؓ کا   پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اُڑ جاوے ہر اک ناصبی کا   دھڑک جاوے کلیجہ مدعی کا
عدو کا دم میں ہو جاوے جگر چاک

اسی طرح کئی جگہ انھوں نے ائمہ اثنا عشر اور حضرات پنجتن رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی بطور خاص تذکرہ کیا ہے، میرے نزدیک ایک شخص کے شیعہ ہونے کے لئے اس قسم کے عقائد کا اظہار

گردینا ہی اس کے خالی ہونے کے لئے کافی نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ آجکل کے عام شیعوں کی طرح شاید تبرائی نہ ہونگے۔

نظیر کی نواسی کا بیان زندگانی بے نظیر میں یوں درج ہے:۔

"نانا جان بڑے ہی سخی مزاج کے آدمی تھے۔ اُنھوں نے تمام عمر اپنے ہاتھ سے روپیہ نہیں چھوا، جہاں کہیں سے روپیہ آیا، روپیہ لانے والے سے کہا کہ اسکو رومال میں باندھ دو۔ پھر اس رومال کا ایک سرا پکڑ کر جیسے کوئی نجس چیز ہو، گھر میں ڈال جاتے یا کسی آدمی سے کہتے کہ گھر بھجوا دو۔ نانی کا جس طرح جی چاہتا، خرچ کرتیں۔ وہ پوچھتے بھی نہیں کہ کیا ہوا اور کدھر گیا"

بہر حال کچھ بھی ہو نظیر کو بزرگوں سے خواہ وہ کسی مذہب وملت کے ہوں کافی عقیدت تھی اسی بنا پر اُن کے کلام میں تصوف کے اثرات کثرت سے نمایاں ہیں، لیکن دقیق و غامض مسائل میں نہایت آسان عام فہم اور عوام پسند زبان میں ادا کیا ہے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ کہا محض "قال" نہیں "حال" ہے، ہر قسم کے شاعرانہ غلو و مبالغہ سے خالی۔ شہباز صاحب نظیر کے اس رنگ طبیعت پر لکھتے ہیں:۔

"صوفیوں میں بیٹھتے بیٹھتے اُس پر عام جلوہ باری کی حقیقت روشن ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ وحدت الوجود کا آفتاب کس طرح ہر ذرہ کے مطلع سے چمک رہا ہے۔ اس یقین کے ساتھ بھی اسکی زبان گستاخ نہیں۔ وہ ادب کے قرینے ملحوظ رکھتا ہے منصور کی طرح انا الحق کے شور سے توحید کی روئی نہیں دُھنکتا۔ عرفان کی عینک چڑھی ہوئی ہے۔ غور کے تال ادب کی کمانی میں جھمک رہے ہیں۔ نگاہیں کہاں سے کہاں پہونچتی ہیں۔ کہتا ہے ؎

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان
ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان

بے رنگ میں، بارنگ میں، نیرنگ میں پہچان
منزل میں، مقامات میں، فرسنگ میں پہچان

نت روم، نت ہند میں، اورنگ میں پہچان
ہر راہ میں، ہر ساتھ میں، ہر سنگ میں پہچان

ہرعزم و ارادے میں ہر آہنگ میں پہچان ہر دھوم میں، ہر صلح میں، ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں، ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اس کا ایک اور بند ملاحظہ ہو ؎

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار — کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار
پہونچا ہے کوئی پار، بھٹکتا ہے کوئی وار — بیٹھا ہے کوئی عیش میں، پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز کوئی بے کس، کوئی ظالم، کوئی لٹھ مار — مفلس کوئی، ناچار، تو انگر کوئی زردار
زخمی کوئی ماندا کوئی، اچھا کوئی بدکار — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں سب اسرار
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اسی مسلک "ہمہ اوست" پر نظیر زندگی بھر جمے رہے، دونوں مذاہب کے پیرو، ان کا احترام کرتے اور ان کے کلام کی قدر کرتے تھے، پروفیسر شہباز نے مرحوم کی نواسی سے ان کے مذہبی عقائد کے بارہ میں بتایا کہ اگرچہ وہ شیعہ عقائد رکھتے تھے، لیکن کسی فرقہ والے سے جھگڑا نہیں کرتے تھے صلح کل آدمی تھے تعزیہ داری بھی کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشائخ سے خاص ربط رکھتے تھے، ہندوؤں کے یہاں علمی کے سلسلہ میں ملازمتیں کیں اور انکی فرمائش پر کنھیا جی کے جنم اور مہادیو وغیرہ کے بیاہ پر معرکۃ الآرا خلوص میں ڈوبی ہوئی نظمیں لکھیں جو ہندو عوام میں بہت مقبول ہوئیں، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے مزاج میں تعصب نام کو نہ تھا۔

آگرہ میں ایک بزرگ حضرت میر ابو العلا کا مزار ہے۔ ان کا عرس نویں صفر کو ہوتا ہے اُس عرس میں نظیر نہایت پابندی سے شرکت کرتے تھے۔

اگرچہ شبدیز قلم ابھی اپنی منزل تمام کرنے کے لئے تیار نہیں ہے مگر کیا کروں وقت کا تقاضا ہے کہ اگر وہ خود نہ رُکے تو زبردستی اُسے روک دیا جائے، اسلئے مجبوراً نظیر ہی کے چند شعروں کو جو بار بار دل کے پردوں اور دماغ کی چلمنوں سے آ آ کے ٹکرا رہے ہیں آپ کی خدمت میں پیش کر کے رخصت ہوتا ہوں

بے قراری سے نے نگاہ سیمبر پھیری ادھر
کی عنایت ہم کو اس سیماب[ف] نے یہ کیمیا
اس کے کوچے میں جسے جا بیٹھنے کو مل گئی
مسندِ زرباف پر غالب ہے اس کا بوریا

دل پھپا بیٹھا تو اس زلفِ مسلسل سے نظیر
اے اسیرِ دامِ نافہمی یہ تو نے کیا کیا

(۳)

خوباں[ف] کو جب اُس کا رُخِ زیبا نظر آیا
کہتے ہیں جسے حسن وہ کیا کیا نظر آیا
محبوب قمر شکل جسے رشک سے دیکھیں
اُس چہرۂ انور میں وہ نقشا نظر آیا
دیکھا نگہ مہ نے اُدھر شام کو کیا کیا
خورشید سحر کو اُسے تکتا نظر آیا
ہر قطرۂ شبنم سے لگا منھ کو چھپانے
جب گل کو گلستاں میں وہ مکھڑا نظر آیا

ہم کیا ہیں نظیر اُس سے تو ہر آئینہ رو کو
حیرت کا اثر آئینہ آسا نظر آیا

(۴)

تجھے کچھ بھی خدا کا ترس ہے اے سنگدل ترسا
ہمارا دل بہت ترسا ارے ترسا نہ اب ترسا
میں اس پر مبتلا وہ غیر مذہب شوخ اب ترسا
قیامت ہے مسلماں عاشق اور معشوق ہے ترسا
فقط تیرِ نگہ سے تو نہ دل کی آرزو نکلی
ترے قرباں لگا اب کوئی اس سے بھی بہتر سا
نہ جاؤں میں تو اُسکے پاس لیکن کیا کروں یارو
یکایک کچھ جگر میں آ کے لگ جاتا ہے نشتر سا
پکارا دور سے دے کر صفیر اُس نے تو کیا میرا
دھڑک کر یک بیک سینے میں دل لوٹا کبوتر سا
ہوا بیمار تیرے عشق میں جو چرخِ چارم پر
مسیحا پڑھ رہا ہے کچھ بچھا کر اپنا بستر سا

نظیر اک دو گلے کرنے بہت ہوتے ہیں خوباں سے
چلو اب چُپ رہو بس کھول بیٹھے تم تو دفتر سا

[ف] سیماب۔ پارہ سیماب سے کیمیا بنتی ہے ۱۲۔
[ف] اب اس قسم کی جمع متروک ہے۔ آسی۔

(۵)

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا
یارب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا

لے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ
ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا

افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات
اور روے زمیں پر گل و ریحان[۱] تماشا

جنات، پری، دیو، ملک، حور بھی نادر
انسان عجوبہ ہیں تو حیوان تماشا

جب حُسن، کے جاتی ہے مرقع پہ نظر آہ
کیا کیا نظر آتا ہے ہر اک آن تماشا

چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہی لہریں
رکھتی ہے کہیں زلف پریشان تماشا

گر عشق کے کوچے میں گزر کیجے تو واں بھی
ہر وقت نئی سیر ہے ہر آن تماشا

منہ زرد، بدن خشک، جگر چاک، المناک
غل، شور، تپش، نالہ و افغان تماشا

ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر آہ
سب ارض و سما کی ہے گلستان تماشا

(۶)

مجھے اس جھمک سے آیا نظر اک نگار رعنا
کہ خود اُسکے حسن رُخ کو لگا تکنے ذرہ آسا[۱]

خد و خال خوبی آگیں، لب لعل یاں سے رنگیں
نظر آفتِ دل و دیں، مژہ صد مضرت افزا

پڑی رخ پہ زلف پرخم، مسی رشک تنگ نیلم
غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اَہا ہا!

کہا ہم نے "اے سمن بر، پری چہرہ مہر پیکر
جو چلی ہو یوں جھمک کر کہو عزم ہے کدھر کا

ہے یہ وقت سیر بستاں چلیں ہم بھی ساتھ اے جاں"
کہا سُن کے "اے میاں، کوئی تم بھی ہو تماشا

ہے یہ آشنائی اگلی، نہ شناخت اک دو دن کی
جو ہے دل دہی کی مرضی تو ہے لوچ بھر یہ کیسا

کہا جب نظیر ہم نے "یہی دل میں ہم تو رکھتے"
تو کہا "جو نیکی ہو دے تو پھر اس کا پوچھنا کیا"

[۱] آشنا کو چشم تماشا کہا گیا ہے صحبت کے معنے میں ہے ۱۲

(۷)

شور افگن جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا
رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبطِ آہ کرنا

جانا کبھی آگے اُس کے اکثر پئے نظارہ
باعث بھی بہرِ اخفا پھر رو براہ کرنا

ملنا بھی اُس روش سے جس میں گمانِ اُلفت
گر کچھ بھی ہو تو وں میں دور اشتباہ کرنا

پوچھا اگر اُس صنم نے "ہم حُسن میں ہیں کیسے؟"
تو بے شعوری اپنی، ہنس کر، گو اہ کرنا

کیا کیا نظیرؔ تجھ میں مکر و فریب ہیں، جو
اُس رمز آشنا سے اس ڈھب کی چاہ کرنا

(۸)

وہ رشکِ چمن گل جو زیبِ چمن تھا
چمن جنبشِ شاخ سے سینہ زن تھا

گیا میں جو اُس بن چمن میں، تو ہر گل
مجھے اُس گھڑی اخگرِ پیرہن تھا

یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقشِ دہن تھا

تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو، جس سے مزیّن یہ تن تھا

کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
مشیّن بدن تھا، معطّر کفن تھا

جو قبرِ کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا
نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا

نظیرؔ آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

یہ ایک نسخے میں آغاز قطعہ مقطع سے ہے ۱۲

(۹)

وہ مجھ کو دیکھ کچھ اُس ڈھب سے شرمسار ہوا
کہ میں حیا ہی پہ اُس کی فقط نثار ہوا

سبھوں کو بوسے دیے ہنس کے، اور ہمیں گالی
ہزار شکر بھلا اس قدر تو پیار ہوا

ہمارے مرنے کو، ہاں، تم تو جھوٹ سمجھے تھے
کہا رقیب نے، لو، اب تو اعتبار ہوا

قرار کر کے نہ آیا وہ سنگدل کافر
بڑیں قرار پہ پتھر، یہ کچھ قرار ہوا

گلے کا ہار جو اُس گلبدن کا ٹوٹ پڑا
تو ڈر نظر کا وہیں اُس کو ایک بار ہوا
کسی سے اور تو کچھ بس چلا نہ اُس کا نظیر
نداں میرے ہی آکر گلے کا ہار ہوا

(۱۰)

جوش نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا
ہے طرفہ روزگار طرب زا بسنت کا
باغوں میں لطفتِ نشو و نما کی ہیں کثرتیں
بزموں میں نغمہ خوشدلی افزا بسنت کا
پھرتے ہیں کر لباس بسنتی وہ دلبراں
ہے جن سے زرنگار سراپا بسنت کا
چادر پہ یار کے یہ کہا ہم نے صبحدم
اے جان ہے اب تو ہر کہیں چرچا بسنت کا
تشریف تم نہ لائے جو کر کر بسنتی پوش
کہئیے گناہ ہم نے کیا کیا بسنت کا
سنتے ہی اس بہار سے نکلا کہ جسکے تئیں
دل دیکھتے ہی ہو گیا شیدا بسنت کا
اپنا وہ خوش لباسِ بسنتی دکھا، نظیر
چمکا یا حُسن یار نے کیا کیا بسنت کا

(۱۱)

بتوں کے زرد پیراہن میں عطرِ چنپا جب مہکا
ہوا نقشا عیاں ہولی کی کیا کیا رسم اور رہ کا
گلال آلودہ گلچہروں کے وصفِ رُخ میں نکلے ہیں
مزا کیا کیا صریرِ کلک سے بُلبُل کی چہ چہ کا
گلابی انکھڑیوں کی ہر نگہ سے جام مل پی کر
کوئی سرخوش، کوئی بیخود، کوئی لوٹا، کوئی بہکا
چھڑکتا رنگ، خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے
کبھی کچھ ناز کی وہ وہ، کبھی انداز رہ رہ کا
بھگویا دلبروں نے جب نظیر اپنے کو ہولی میں
تو کیا کیا تالیوں کا غل ہوا، اور شور قہ قہ کا

(۱۲)

گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا
اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

ندان - آخر کار - پرانا لفظ ہے اور اب اُردو میں متروک ہے ۱۲

جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈا بھی نہ پایا — قصوں میں رہے حرف و حکایات تو پھر کیا

حد بوس و کنار اور جو تھا اس کے سوا آہ — گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا

دو دن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں، مری جاں، — کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا

پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شان — ے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا

اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر — گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا

جب آئی اجل پھر وہیں اُٹھ بھاگے شتابی — رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا

دو دن کو جو تعویذ و فتیلہ و عمل سے — تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا

اب عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی — سب چھان لیے ارض و سماوات تو پھر کیا

اک دم میں ہوا ہو گئے سب علمی و نظری — ستے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا — وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ
بالفرض ہوئی اُس سے ملاقات تو پھر کیا

(۱۴۳)

سحر آیا جو نہیں میں کلبۂ احزاں میں بیچارا — وہیں اک بارگی جوشِ جنوں نے دل کو للکارا

پڑا ہے کیا فسردہ مثلِ برف اے شعلۂ آتش — بہار آئی، دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا،

اُڑا کر گرد، مل کر خاک، نکلا گھر سے پھر باہر — چڑھایا یہ بند، اور ہو کر کے، نالہ آہ کا مارا

ہجوم محشرم- ہنگامہ ام، دیوانہ ام، مستم، — نہ از پا مے شناسم سر، نمی دانم زِ سیر بارا

دہقانے لا دیں اک اس قدر زنجیر پہنائی — کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا

کھنکتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغاں سے وہ — کہ گرجا زمیں کے رعد کی نوبت کا نقارا

نظر آیا جو نہیں پھر ہوش میں، تو کہکے یہ بولا
کہ "آخر ہر کمالے را زوالے می شود یارا"

لہ جھنکارا ۔ ... عظمت بڑھانا ... کا اختراع ... ہے ۱۲ ... ندا میں التفات ندائیہ ہے ... آسی

(۱۴)

رہوں کاہے کو دلخستہ پھروں کاہے کو آوارا
اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را

خدا اگر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ہم اپنا تو بہشت و چشمۂ کوثر سمجھتے ہیں
کنار آب رکناباد و گلگشت مصلیٰ را

زمیں پر آیا جب یوسف اسی دن آسماں رویا
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

یہ ظالم سنگدل محبوب جادوگر ستم پیشہ
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را

جو صاحب حسن ہیں ہرگز نہیں محتاج زینت کے
یہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

بتوں کی گالیوں میں بھی عجب لذت نکلتی ہے
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را

تو ہستی کی گرہ پر عقل کے ناخن نہ توڑ اے دل
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

نظیر اس لطف سے تضمیں کر تو مصرع حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

(۱۵)

دیکھے جو عالم اس کے حسن بالا دست کا
حوصلا اتنا کہاں اپنی نگاہ پست کا

نیست رہتے ہم تو یہ سیریں کہاں سے دیکھتے
یہ فقط احسان ہے اس ذات پاک ہست کا

بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار
یہ خدنگ صاف تھا کس بے نشاں کی شست کا

بات کچھ کہتا ہے اور نکلے ہے منھ سے کچھ نظیر
یہ نشہ تجھ کو ہوا کس کی نگاہ مست کا

(۱۶)

دیا دل تو پھر عہد و پیمان کیسا
لیا جس نے اس کا ہے احسان کیسا

جہاں زلف کافر میں دل پھنس گیا ہے
تو واں دین کیسا اور ایمان کیسا

ادا نے کیا دل کو پہلو میں بیکل
کرے گی ستم دیکھیے آن کیسا

سلہ شست
جنگی ۱۱ سے
ادا و ناز روش [illegible]
اسی

ادھر کاجل آنکھوں میں کیا کیا کھلا ہے | ملا ہے مسی سے اُدھر پان کیسا

نظیر اس سے ہم نے چھپایا جو دل کو
تو ہنس کر کہا "ہیں یہ انسان کیسا"

(۱۴)

کیا دن تھے وہ جو واں کرم دلبرانہ تھا | اپنا بھی اس طرف گزر عاشقانہ تھا
مل بیٹھنے کے واسطے آپس میں ہر گھڑی | تھا کچھ فریب واں تو ادھر کچھ بہانہ تھا
چاہت ہماری تاڑتے ہیں واں کے تاڑباز | اس پر ہنوز خوب طرح دل لگا نہ تھا
کیا کیا دلوں میں ہوتی تھی بن دیکھے بیکلی | ہے کل کی بات حیف کہ ایسا زمانہ تھا

اب اس قدر ہوا وہ فراموش اے نظیر
کیا جانے وہ معاملہ کچھ تھا بھی یا نہ تھا

(۱۵)

نگہ کے سامنے اُس کا جو نہی جمال ہوا | وہ دل ہی جانے ہے اُس دم جو دل کا حال ہوا
اگر کہوں میں کہ چمکا وہ برق کی مانند | تو کب مثل ہے یہ اس کی جو بے مثال ہوا
قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے | غرض پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
ادھر سے بھر دیا مے نے نگاہ کا ساغر | ادھر سے زلف کا حلقہ گلے کا جال ہوا

بہارِ حسن وہ آئی نظر جو اس کی نظیر
تو دل وہیں چمنِ عشق میں نہال ہوا

(۱۹)

لطفِ تشریف جو عشق اسکے نے آغاز کیا | ہم نے تعظیم کی اور جھپٹ[1] درِ دل باز کیا
دیکھ کر اس کو بتاں بجز سب اپنا بھولے | اس شہِ حسن کے عالم نے یہ اعجاز کیا
لطف سے جس کی طرف ایک نگہ کی اُس نے | اُس کو سو قدر شرف سے وہیں ممتاز کیا

[1] جھپ - فوراً
اسی

جس کے ہاں پاؤں رکھا اُس نے تو کیا کیا اسکو　　عالم ظاہر و باطن میں سرافراز کیا

ہم تو کس گنتی میں ہیں حسن نے اُس کے تو نظیر
ہیں جو معشوق انھیں عاشق جانباز کیا

(۲۰)

مرا خط ہے جہاں یارو وہ رشک حور لیجانا　　کسی صورت سے تم وہاں تک مرا مذکور لیجانا
اگر وہ شعلہ رو پوچھے مرے دل کے پھپولوں کو　　تو اُس کے سامنے اک خوشۂ انگور لیجانا
جو یہ پوچھے کہ اب کتنی ہے اُسکے رنگ پر زردی　　تو یارو تم گل ہمسبرگ یا کافور لیجانا
اگر پوچھے مرے سینے کے زخموں کو تو اے یارو　　کہیں سے ڈھونڈھ کر اک خانۂ زنبور لیجانا
رقیب رو سیہ کے حال کا گر ماجرا پوچھے　　تو اس کے سامنے جنگل سے اک لنگور لیجانا

نظیر اک دن خوشی سے یار نے ہنس کر کہا مجھ کو
کہ تو بھی ایک بوسہ ہم سے اے رنجور لیجانا

(۲۱)

بتوں کی مجلس میں شب کو مہرو جو اور ٹک بھی قیام کرتا
گنشت ویراں صنم کو بندہ، برہمنوں کو غلام کرتا
خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے میری میں نام کرتا
کروڑوں دل جو موئے پڑے ہیں، نکلتے خوں میں کفن سے نالاں
قیامت آجاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا
نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتی اپیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپ سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا
وہ سرو قامت جو مُسکرا کر چمن میں جاتا تو مُسکرا کر

سالہ پیار کرنا
فارسی کے محاورہ
کا ترجمہ ہو گیا ہے
لیکن یہ دیس اس
خلاف دور ہے
ہے ۱۱

تڑپتی بلبل، سسکتی قمری، گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا
بھلا ہوا جو نقاب تو نے اُٹھایا چہرے سے ہے پری رو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن کھاتا، نہ شب بناتا، نہ صبح لاتا نہ شام کرتا
وہ بزم اپنی تھی میخوری کی، فرشتے ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں اُنکو سلام کرتا
نظیرؔ تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سُن رہا ہے
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو اُس سے آکر کلام کرتا

(۲۲)

کلالِ گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کو جام کرتا [1]
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب یہ عیش مدام کرتا
جو پاتا لذت لبانِ مستاں سے محبت سے تیری زاہد
تو صومعے سے نکل کے اپنے وہ میکدے میں مقام کرتا
وہ بزم اپنی تھی میکشی کی وہ سیر ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو میں یہ کہکر سلام کرتا
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن کھاتا، نہ شب بناتا، نہ صبح لاتا، نہ شام کرتا
نظیرؔ آخر کو ہار کر میں گلی میں اُس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو لے کے مجھ کو وہ شوخ اپنا غلام کرتا

[1] یہ غزل مجمع الاشعار سے لی گئی ہے۔ دو شعر اس کے بادنیٰ تغیر غزل سابق میں گزر چکے ہیں باقی شعر نئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اسی غزل کی نظیر نے نظرِ ثانی کی ہے یا ممکن ہے کہ دو غزلیں ہوں۔
[2] صومعہ عبادتخانہ ترسایان و نصرانیاں

(۲۳)

شانے سے اس کے کل جو ہمیں دردِ شانہ تھا ۔۔۔ وہ دردِ شانہ کا ہے کو تھا رشکِ شانہ تھا

ترچھی نگاہ سے بھی جو دیکھا تو وہ خدنگ ۔۔۔ واں ہی لگا غرض جہاں اس کا نشانہ تھا

زرّیں مباف کا بھی دکھا تا کمر کو موڑ ۔۔۔ لیلیٰ کو اسپِ شوق کے اک تازیانہ تھا

لیلیٰ ہی اسکے ہوش سے واقف تھی ورنہ یہاں ۔۔۔ اکثر یہ جانتے ہیں کہ مجنون دِ د انہ تھا

اقسرار کر کے وہ جو نہ آیا میاں نظیر
وہ پُرفسوں ہے یہ بھی اک اس کا بہانہ تھا

(۲۴)

جب سرِ زلف تا کمر پہونچا ۔۔۔ اس کمر کو بہت ضرر پہونچا

ہلکی پہونچی سے بھی لچکتا ہے ۔۔۔ نازک اس کا ہے اس قدر پہونچا

اے نسیمِ سحر تو اس گل کو ۔۔۔ ق ۔۔۔ بیکلی کی مری خبر پہونچا

کہیو اے جاں نظیر کو تیرے ۔۔۔ رنج ہجر اب تو بیشتر پہونچا

یا بلالے اسے اِدھر اے جاں
یا تو ہی آپ کو اُدھر پہونچا

نامۂ یار جو سحر پہونچا ۔۔۔ خوش رقم خوب وقت پر پہونچا

تھا لکھا یوں کہ اے نظیر اب تک ۔۔۔ کس سبب تو نہیں ادھر پہونچا

میں نے اس کو کہا کہ اے محبوب ۔۔۔ اس لیے میں نہیں اُدھر پہونچا

یوں سُنا تھا تم آپ آتے ہو ۔۔۔ اس میں نامہ یہ پُر گھر پہونچا

مجھ کو پہونچا ہی جانو اپنے پاس
آج ۔ کل ۔ شام یا سحر پہونچا

۱ شانہ اول یعنی کنگھی ۔ دوم یعنی کندھا ۱۲ ۔ شوقِ لیلیٰ سے مراد دراز ی شوق اسی

(۲۵)

ساقی ظہورِ صبح و ترشح ہے نور کا — دے مے یہی تو وقت ہے نورِ ظہور[۱] کا
کوچہ میں اس کے جس کو جگہ مل گئی وہ پھر — مائل ہوا نہ صحن چمن کے سرور کا
یہ گل[۲] جو ہم نے ہاتھ پہ کھائے ہیں روبرو — ہم کو یہی ملا ہے تبرک حضور کا
سیماب جس کو کہتے ہیں سیماب یہ نہیں — دل آب ہو گیا ہے کسی ناصبور کا

مے پی کے عاشقی کے خرابات میں نظیرؔ
نے ڈر ہے محتسب[۳] کا نہ صدر الصدور کا

(۲۶)

جہاں میں جو نہ ہوا اُس پری کا دیوانہ — تو اس نے آہ مزا عاشقی کا کیا جانا
ق
کہا یہ شوخ نے ہم کو تو چاہتا ہے نظیرؔ — یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا
تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں — کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا
جو ہم نہ ہو دیں تو آکر ہمارے کوچے میں — یہ جم کے بیٹھنا پہر دن تلک نہ گھبرانا
جو ہم خفا ہوں تو آکر ہزار منّت سے — خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا

پس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو
خدا کو دیکھا نہیں عقل سے تو پہچانا

(۲۷)

ہوئی صبح جب گھر سے وہ یار نکلا — کہا خلق نے رشکِ گلزار نکلا
گئی آگئے پیچ میں زلف کے واں — مری چشموں سے جو گہربار نکلا
قضا تیری کافر ادھر آگئی جو — بھلی لٹ پٹی باندھ دستار نکلا
عجب پھیر قسمت کا ہے میری یارو — جسے یار سمجھا وہ اغیار نکلا
خفا ہم سے شب کو صنم ہو نشے میں — سرے مجھ کو لے کر وہ بازار نکلا

۱؎ نورِ ظہور کا وقت صبح کے وقت کو کہتے ہیں ۱۲
۲؎ گل کھانا — آگ میں یا گرم کی ہوئی چیز سے داغ کھانا
۳؎ محتسب — منہیات شرعیہ پر احتساب رکھنے والا۔ صدر الصدور شاہی زمانہ میں ایک بڑا عہدہ ہوتا تھا ۱۲ آسی

بہت چاہا دل بیچ دیجے صنم کو
میرے دل کا وہ نا خریدار نکلا

صراحی سے ساقی نے مے جو پلائی
نظیرؔ اس قدر ہو کے سرشار نکلا

(۲۸)

کیا جو یار نے ہم سے پیام رخصت کا
تو دم نکل گیا سنتے ہی نام رخصت کا

مثال شمع کے جھٹ پٹ ٹپک پڑے آنسو
سنا جو شوخ کے منھ سے کلام رخصت کا

چلا ہوں یار کی مجلس سے اُٹھ کے اے ساقی
مجھے پلا دے تو اب ایک جام رخصت کا

میاں جو شکل ستم کی تھی سو تو سب دیکھی
امیدوار ہے اب یہ غلام رخصت کا

تم اپنے ظلم سے ہرگز نہ باز آؤ گے
چلا، نظیرؔ سے لیجے سلام رخصت کا

(۲۹)

کل مرے قتل کو اس ڈھب سے وہ بانکا نکلا
منھ سے جلاد فلک کے بھی اہا ہا نکلا

آگے آہوں کے نشاں سمجھے مرے اشکوں کے
آج اس دھوم سے ظالم ترا شیدا نکلا

یوں تو ہم کچھ نہ تھے پر مثل انار و مہتاب
جب ہمیں آگ لگائی تو تماشا نکلا

کیا غلط فہمی ہے صد حیف کہ مرتے دم تک
جس کو ہم سمجھے تھے قاتل وہ مسیحا نکلا

غم میں ہم بھان متی بن کے جہاں بیٹھے تھے
اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی ہاں آ نکلا

سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے میرے
شعلے پہ شعلہ بھبھوکے پہ بھبھوکا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیرؔ
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(۳۰)

نظر پڑا اک بُت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ قہر و آفت غضب خدا کا

جو شکل دیکھو تو بھولی بھولی جو باتیں سُنیئے تو میٹھی میٹھی
پہ دل وہ پتھر کہ سر اُڑا دے جو نام لیجے کبھی وفا کا

جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پر
کسی کو ٹھوکر کسی کو چھکڑ کسی کو گالی، پنسٹ لڑاکا

یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے
کہاں کا اونچا کہاں کا نیچا خیال کسکو قدم کی جا کا

لڑا دے آنکھیں وہ بے حجابی کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے
نظر جو نیچی کرے تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا

یہ چنچلاہٹ یہ چلبلاہٹ نہ چیر سر کی نہ تن کی سُدھ بُدھ
جو چیر الجھا بلا سے الجھا، نہ بند باندھا کبھو قبا کا

لگے لپٹنے میں یوں شتابی کہ شکل بجلی کے اضطرابی
کہیں جو چمکا چمک چمک کر کہیں جو لپکا تو پھر چھپاکا[1]

نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے نہ وہ منائے منے کسی کے
جو قتل عاشق پہ آکے مچلے تو غیر کا پھر نہ آشنا کا

یہ رم یہ نفرت یہ دور کھنچنا یہ ننگ عاشق کے دیکھنے سے
جو پتا کھٹکے ہوا سے لگ کر تو سمجھے کھٹکا نگہ کے پا کا

جتا دے الفت چڑھائے ابرو ادھر لگاوٹ ادھر تقاتل
کرے تبسم جھڑک دے ہر دم روش ہٹیلی چلن دغا کا

نظیرؔ ہٹ جا پرے سرک جا، بدل لے صورت چھپا لے منہ کو
جو دیکھ لیوے گا وہ ستمگر، تو یاں یہ ہوگا ابھی جھڑاکا[2]

(۳۱)

کہئے اس شوخ سے دل کا جو میں احوال گیا
واں نہ تفصیل گئی پیش نہ اجمال گیا

دام کاکل سے گلا کیا۔ یہ جو ہے طائر دل
آپ اپنے پہ پھنسانے کو پر و بال گیا

ق
دل بے تاب کی کیا جانئے ہوئی کیا صورت
پیچھے اس شوخ ستمگر کے جو فی الحال گیا

لے گیا ساتھ لگا وہ بت قاتل گھر تک
یا اُسے مار کے رستے میں کہیں ڈال گیا

خیر وہ حال ہوا یا یہ ہوئی شکل نظیرؔ
کچھ تاسف نہ کرو۔ جانے دو۔ جنجال گیا

(۳۲)

دل لگا کر قرار کھونا تھا
ہم کو سیماب وار ہونا تھا

دل کو اس سیمبر کے کوچے میں
عاشقوں کی طرح جو سونا تھا

[1] چھپاکا: جلدی
[2] جھڑاکا: مراد صفایا۔ خاتمہ۔ آسی

جب وہ سویا تو چاؤ تھا یکبہ
جوں ملی چشم ترکت پاسے
ق
حاصلِ مدعا بچھونا تھا
وہیں واں آبلے کا ہونا تھا

اشک تھا گرم تر نظیر اسے
کچھ دم سرد سے سمونا تھا

(۳۴)

عشق میں عقل و ہوش کھونا تھا
شب کو آکر وہ پھر گیا ہیہات
کھول دی چاہ دیدۂ تر نے
اور جو ایسا ہی تھا تو گوہر اشک
ق
کیجے کیا اب ہوا جو ہونا تھا
کیا اسی رات ہم کو سونا تھا
یاں نہ لازم پلک بھگونا تھا
ہٹ کے اغیار سے پرونا تھا

یا چھپانا نظیر تھا بہتر
یا تعشق سے ہاتھ دھونا تھا

(۳۵)

عاشق ہو دم کے لینے کو جنجال کر دیا
سینہ سپر بنا کے ہوا اس کے روبرو
مہندی بھرے جو ہاتھ سے اٹکا تو اس نے بھی
ہنس کر کہا تمھارے طرف کل ہم آئیں گے
ق
دل نے ہمارے جی کا یہ احوال کر دیا
مژگاں نے اس سپر کو بھی غربال کر دیا
ایسے طمانچے مارے کہ منھ لال کر دیا
ہم کو یہ کہہ کے یار نے خوشحال کر دیا

پھر پاؤں در پہ آگے رکھا اس نے جب نظیر
جتنے تھے رنج و غم انھیں پامال کر دیا

(۳۶)

گر لیتے الگ ہم تو دل اس شوخ سے کب کا
بوسہ کی عوض ہوتے ہیں دشنام سے مسرور
گر اور بھی ہوتا کوئی اس طور کی چھب کا
اتنا تو کرم ہم پہ بھی ہے یار کے لب کا

اس کان کے جھمکے کی لٹک دیکھ لی شاید
دیکھا جو بڑی دیر تلک اس نے منھ اپنا
جب ہم نے کہا رکھیے اب آئینہ کو۔ یہ تو
یہ سُن کے ادھر اس نے کیا غصّے میں منھ سرخ

ق

ہر خوشہ اسی تاک میں رہتا ہے عنب کا
اے دستِ حنا بستہ میں آئینہ حَلَب کا
حصّہ ہے کسی اور بھی دیدار طلب کا
بھبکا ادھر آئینہ بھی ہمسر ہو غضب کا

تم ربط کے ڈھب جس سے لڑاتے ہو نظیر آہ
وہ دلبرِ عیّار ہے کچھ اور ہی ڈھب کا

(۳۷)

حسن اُس شوخ کا اہاہا ہا
زلف ڈالے ہے گردن دل میں
تیغِ ابرو بھی کرتی ہے دل پر
آن پر آن وہ اجی او ہو
ناز سے جو نہ ہو وہ کرتی ہے
طائر دل پہ اُس کا بازِ نگاہ
اس کی پھرتی اور اسکی لپ جھپ کا
بزمِ خوباں میں جب گیا وہ شوخ

ق

ق

جن نے دیکھا کہا اہاہاہا
دام کیا کیا بڑھا اہاہاہا
وار کیا کیا نیا اہاہاہا
اور ادا پر ادا اہاہاہا
چپکے چپکے جیا اہاہاہا
جس گھڑی آپڑا اہاہاہا
کیا تماشا ہوا اہاہاہا
اپنی سج دھج بنا اہاہاہا

کی "او ہو ہو" کسی نے دیکھ نظیر
کوئی کہنے لگا اہاہاہا ہے

(۳۸)

کان میں اس شوخ چنچل کے جو تھیں بالا پڑا
دیکھنا ہمدم یہ اُتر اسنبلستاں میں قمر
دیکھ نقشِ تن مرا اپنی گلی کی خاک پر

ق

آگئی چکر میں برق اور ماہ پر ہالا پڑا
یا یہ کاکل میں کسی کے چمکے ہے بالا پڑا
یوں کہا یہاں تو اک دیوانہ نہ تو آنا پڑا

عیش سے بھر نیند سونے کے لیے اس جا مگر
جب گل لالہ سے پوچھا میں نے اے دل سوختہ
سن کے بولا جس سے تو جلتا ہوا آیا ہے یاں

رات تھا کوئی ہمارا چاہنے والا پڑا
کس طرح سینے میں تیرے داغ یہ کالا پڑا
یار مجھ پر بھی اسی آتش کا پرکالا پڑا

سنگدل، محبوب کو کہنا غلط تھا اے نظیر
ہم نے جب جانا جب اس بیدرد سے پالا[1] پڑا

(۳۸)

پردہ[2] اُٹھا کر رخ کو عیاں اُس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول ادھر یاں عشق نے دل کا کام کیا

آگئے جب صیاد کے بس میں سوچ کیے پھر حاصل کیا
اب تو اُسی کی ٹھہری مرضی جن نے اسیر دام کیا

چشم نے چھینا پلکوں نے چھیدا زلف نے باندھا دل کو آہ
ابرو نے ایسی تیغ جڑی جو قصّہ ہی سب اتمام کیا

سخت خجل ہیں اور شرمندہ رہ رہ کر پچھتاتے ہیں
خواب میں اُس سے رات لڑے ہم کیا ہی خیال خام کیا

چھوڑ دیا جب ہم نے صنم کے کوچے میں آنے جانے کو
پھر تو ادھر اس شوخ نے ہم سے شکوہ بھرا پیغام کیا

ق

اور ادھر سے چاہت بھی یوں ہنس کر بولی واہ جی واہ
اُٹھ بیٹھے چلیے یار سے ملیے اب تو بہت آرام کیا

یار کی مے گوں چشم نے اپنی ایک نگہ سے ہم کو نظیر
مست کیا، اوباش بنایا، رند کیا، بدنام کیا

(۳۹)

[1] پالا پڑنا۔ سابقہ ہونا ۔ معاملہ پڑنا ۱۲
[2] میر کی غزل بھی اسی زمین میں موجود ہے ۔ اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا الخ مقابلہ کرو ۱۲ ۔ آسی

جب میں سُنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ اُلٹ گیا

فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب
لیلےٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا[1]

میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
نہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اُکھٹ گیا[2]

اتنا کوئی کہے کہ دوانے، پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی ادھر کوئی پریوں کا غٹ گیا[3]

چھینا تھا دل کو چشم نے، لیکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اس صفِ مژگاں میں پٹ گیا[4]

کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اس پری کے جو پردہ الٹ گیا

سُن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنیں
"کیا بولیں، چل، ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا"[5]

جب میں نے اُس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا
جس سے یہ دل اداس ہوا جی اُچٹ گیا

آنکھیں تمھاری کیا پھریں اس وقت میری جان،
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

عشاق جاں نثاروں میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں جو اس کے گلے سے لپٹ گیا

ق
کتنا ہی اُس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا[6]

یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر
ٹکڑے ہوا، اور اس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

آخر اسی بہانے ملا یار سے نظیر
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(٤٠)

مرا دل ہے مشتاق اس گلبدن کا
کہ یہ باغ اک گل ہے جسکے چمن کا

وہی زلف ہے جس کی نکہت سے ابتک
پڑا خون سوکھے ہے مشک ختن کا

وہی لعل لب ہے، کہ حسرت سے جس کے
جگر آج تک خوں ہے لعل یمن کا

عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا

[1] لٹ جانا ۔ زار و نزار ہونا نحیف ہونا ١٢
[2] اُکھٹنا سوکھنا اُجڑنا خراب و تباہ ہونا ١٢
[3] غٹ ۔ مجمع گروہ پرا ١٢
[4] پٹنا ۔ [illegible] کرنا ١٢
[5] دل پھٹنا ۔ دل میں کدورت پیدا ہونا ۔ بیزار ہونا ١٢
[6] قینچی باندھ کر لپٹنا ۔ دونوں ہاتھ کھول کر اس طرح لپٹنا کہ دوسرا مجبور ہو جائے ۔ قینچی باندھنا ۔ حریف کی دونوں ٹانگوں میں اپنی ٹانگیں ڈال دینا ۔ آسی

ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل
ابھی چہچہے بلبلوں کے عیاں تھے

ابھی تھا ہجوم جوشِ سرو و سمن کا
ابھی شور تھا قمری نعرہ زن کا

گھڑی بھر کے ہی بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ واں تھا چمن کا •

(۴۱)

ملا مجھ سے وہ آج چنچل چھبیلا
کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ
نکل اس کی زلفوں کے کوچے سے لے دل
کہتا ہیں ماروں اگر آہ کا دم

ہوا رنگ سُن کر رقیبوں کا نیلا
سنلقی علیک قولاً ثقیلا
تو پڑھتا، قم اللیل الا قلیلا
فکانت جبال کثیبا مہیلا

نظیر اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ
فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

(۴۲)

آن رکھتا ہے عجب یار کا لڑ کر چلنا
جتنے بن بن کے نکلتے ہیں صنم نام خدا
ناتوانی کا بھلا ہو جو ہوا مجھ کو نصیب
اُسکی کاکل ہے بُری مان کہا ای افعی

ہر قدم نازکے غصے میں اکڑ کر چلنا
سب میں بھاتا ہے مجھے اس کا بگڑ کر چلنا
اُسکی دیوار کی اینٹوں کو رگڑ کر چلنا
دیکھیو اس سے تو کاندھا نہ رگڑ کر چلنا

چلتے چلتے نہ خلش کر فلک دوں سے نظیر
فائدہ کیا ہے کمینے سے جھگڑ کر چلنا

(۴۳)

سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اُجالا

ن سنلقی علیکم علاً نا ثقیلا

لہ اصل آیت یوں ہے:- فکانت الجبال کثیبا مہیلا

لہ اس غزل میں سات زبانیں استعمال کی ہیں اسی

وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُرخم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو

نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا

ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتوں بھی کچھ تماشا

بھنویں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا

وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی

مے محبت کا اُس کی دل کو ہو گیا ہی گہر انشہ دوبالا

لبوں پہ سُرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے

وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا

وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اُس کی، وہ قدِ زیبا

کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا

نگہ لڑائی ہے اُس نے جس دم، جھٹک لیا جھپٹ دل کو میرے

ادا ادا نے اُدھر دبوچا پلک پلک نے اُدھر اُچھالا

نہ وال

جو لے لیا دل کو میرے یارو تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی

پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا

بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُسکا وے وہ گل رو

نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا

پری رخِ من، شکر لبِ من، دمے تو باز آ بہ پیشِ چشم

بیادِ سرو، تو بے قرارم، نہالِ عشقت شدہ است بالا

فدائے وجہک عشق تشوقا دموع نہر او من فراقک

کثیر حزنا مع الہموم ثقیل ہجرا و کالجبالا

تُساڈے ملنے نوں دل ہے بے کل اہی اودہ کلاں نت آکھدا ہے

لہ عبارت
اسکی بہ ترکیب نحوی
ٹھیک نہیں مگر
ہرجگہ یوں ہی
مندرج ہے ۱۲

سدا اے میتُوں دے اپنے گھر وچ نہیں تو اٹھے اساڈے نال آ

تہاری آسا لگی ہر نس دن، تہارے درشن کو ترسیں نیناں

دُلارے سُندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا

چھن کے من کو جو چھنوں تھی اے یار کائیں لگائی آتی

بھرائیں آکر کبھر لومھاں کی پلک کٹارا جو تھان نے گھالا

اگن برت ہے ہیا میں موسے برہ میں تیرے لے من موہنواں

تورے جو نیناں نے موہا مجھکو نہ جینوں تنکو بھوا و کھالا

جگت سبّھا، امت برہکھ، اٹک کھسوا، ممن کرن کھا

دواتی کینی ممن سُر بچن، نہ سُدھ کی گر پر، نہ بُدھ کی جھالا

کبھی تو ہنس کر شتاب آجا نظیر کی بھی طرف ٹک اے جاں

بنا کے سج دھج، بھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

(۴۴)

ادھر یار جب مہربانی کرے گا
تو اپنا بھی جی شادمانی کرے گا

دیا دل نظیر اسکو یوں کہہ کے اے جاں ق
کھوگے تو یہ پاسبانی کرے گا

پڑھے گا یہ اشعار بیٹھو گے جب تک
جو لیٹو گے افسانہ خوانی کرے گا

بٹھاؤ گے در پہ تو ہوگا یہ درباں
لڑاؤ گے تو پہلوانی کرے گا

اطاعت میں۔ خدمت میں۔ فرمانبری میں
غرض ہر طرح جانفشانی کرے گا

(۴۵)

جو دل دے کے کچھ شادکامی کرے گا
تو اپنی یہاں نیک نامی کرے گا

جسے چاہ کی یاد ہے پختہ کاری
وہ کاہے کو الفت میں خامی کرے گا

کہا یوں نظیرؔ ایک دن دل سے میں نے ۔۔۔ ق ۔۔۔ وہ بت تجھ پہ کیا لطف سامی کرے گا
بڑی دوڑ یہ، تلخ دشنام دے کر ۔۔۔ ذرا ہنس کے شیریں کلامی کرے گا

جہاں دیکھتا ہوں وہ آگے تو پیچھے
میاں کیا تو اس کی غلامی کرے گا

(۴۶)

ڈر ہم کو نظر کا ہے، وہ گھر سے چلا ہوگا ۔۔۔ کچھ ہار پڑے ہوں گے کچھ عطر ملا ہوگا
بالی کو ہلا ہم سے کتنوں کو دیا چکر ۔۔۔ چھلّوں سے بھی کیا جانے کس کس کو چھلا ہوگا
محفل میں ہوئی ہوگی یاد اسکو بہت میری ۔۔۔ جب شمع کے شعلے سے پروانہ جلا ہوگا
اس لب سے ملی ہوگی دشنام بھی اک جس کو ۔۔۔ شکر کی طرف اُس کا پھر دل نہ چلا ہوگا

مت دیکھ نظیرؔ اس کی ہردم خم ابرو کو
اک روز یہی شمشیر اور دل کا گلا ہوگا

(۴۷)

وہ غنچہ دہن جس کو اک دم بھی ملا ہوگا ۔۔۔ دل گل کی طرح اس کا پہلو میں کھلا ہوگا
ہاتھ اس کے حنا بستہ ایسے ہیں کہ دیکھ ان کو ۔۔۔ سینہ کئی عاشق کا ناخن سے چھلا ہوگا
کوچے میں نظیرؔ اس کے دل جا تو پڑا لیکن ۔۔۔ ق ۔۔۔ ہردم کا ستم اس سے کاہے کو جھلا ہوگا[۵]
ابرو نے کیا ہوگا جس وقت اسے بسمل ۔۔۔ وہ ضعف زدہ ہرگز تڑپا نہ ہلا ہوگا

پلکیں تو جھکی ہوں گی آنکھوں پہ نقاہت سے
اور چشم کے جادو سے منھ بھی تو کِلا ہوگا[۶]

(۴۸)

بیٹھو یاں بھی کوئی پل کیا ہوگا ۔۔۔ ہم بھی عاشق ہیں خلل کیا ہوگا
دل ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر ۔۔۔ جان من دل کا بدل کیا ہوگا

۵ جھلا ہوگا - برداشت ہوا ہوگا
۶ منھ کلنا - بات نہ کر سکنا ۱۲ آسی

حسن کے ناز اُٹھانے کے سوا
ہم سے اور حسن عمل کیا ہو گا

کل کا اقرار جو میں کر کے اُٹھا
بولا بیٹھ اور بھی چل کیا ہو گا

تو جو کل آنے کو کہتا ہے نظیر
تجھ کو معلوم ہے کل کیا ہو گا

(۴۹)

سنا تھا شور قاتل کی اکڑ کا
نظر آیا تو دل سینے میں دھڑ کا

نگہ کا تیر وہ مارا کہ دل سے
نہ صدمہ اُٹھ سکا جس کی رگڑ کا

فرو کچھ ہو چلا تھا شعلۂ دل
دیا جھپکوں نے پھر مژگاں کی بھڑکا

ہوئی ہم کو میسر جب شب وصل
ق
رہا جی میں سحر ہونے کا دھڑکا

پلک جھپکی تھی کچھ اس میں نظیر آہ
جو آنکھیں کھل گئیں دیکھا تو تڑکا

(۵۰)

کل اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا
تو اُس نے پڑھ کے وہ نامہ بہت عتاب لکھا

جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چیں بہ جبیں
یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا

چمکتے دانتوں کو گوہر لکھا تو ہنس کے کہا
ستارے اُڑ گئے تھے جو دُر خوش آب لکھا

لکھا جو مشک خطا زلف کو تو بل کھا کر
کہا خطا کی جو یہ حرف ناصواب لکھا

گلاب عرق کو لکھا تو بولا ناک چڑھا
اسے نہ عطر میسر تھا جو گلاب لکھا

جگر کباب لکھا اپنا، تو کہا جل کر
بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا

حساب شوق کا دفتر لکھا تو جھنجھلا کر
کہا میں کیا متصدی تھا جو حساب لکھا

جو بے حساب لکھا اشتیاق دل تو کہا
وہ کس حساب میں ہے یہ بھی بحساب لکھا

ہوئی جو رد و بدل ایسی کتنی بار نظیر
تو اس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا

(۵۱)

رُخ وجبیں، مژۂ تیز وچشم وابرو کو
سنان وبدر ومہ و نرگس و ہلال، لکھا
تن ودل ولب ودنداں کو رُوئے فکرت سے
عقیق ویم ودُر وسنگ کے مثال، لکھا
ذقن کو، چاہ، زنخداں کو، گوش وگردن کو
صراحی، سیب وگل وچشمۂ زلال، لکھا
کفِ حنائی وانگشت ساعد وقد کو
سناک وبرگ گل وغنچہ ونہال، لکھا

(۵۲)

اپنے کوچے میں جس کو جا دینا
ق اس کو لازم نہیں اُٹھا دینا
لے چلا تھا نظیر وہ جس دن
تھا ہمیں دل کو یہ جتا دینا
جب یہ کھینچیں نگہ کی تجھ پر تیغ
تو سر اپنا وہیں جھکا دینا
اور یہ اُس شوخ سے بھی کہنا تھا
اس کی تم یاد مت بھلا دینا
ہو جو کچھ کام کا تو رکھ لیجو
ورنہ اس کو ہوا بتا دینا

(۵۳)

ایسا ہی جو وہ خفا رہے گا
تو چاہ میں کیا مزا رہے گا
مت ربط کر اس سے ورنہ اے دل
اپنے تو کیے کو پا رہے گا
دیکھیں گے ہم اک نگاہ اس کو
کچھ ہوش اگر بجا رہے گا
خوباں پہ میاں نظیر اپنا
ق ایسا ہی جو دل فدا رہے گا
پہلو سے نکل کے آخر اک دن
کوچے میں بتوں کے جا رہے گا

(۵۴)

نہ آیا آج بھی کل کی طرح وہ گلعذار اپنا
گلے کا ہار پھر ہو گا دل امید وار اپنا

نہیں پھر چھوڑتا یارہ وہ آخر ہے ہی جاتا ہے
جہاں صیاد نے تاڑا کہ ہے اس جا شکار اپنا

جھڑک لو، مار بیٹھو، گالیاں دو، نازنیں لوگو!
نیاز ناز خوباں ہم تو کھو بیٹھے وقار اپنا

ہنسی میں لے لیا بوسہ جو اس محبوب کا ہم نے
تو یوں بولا، کیا تم نے بھی کیا اب یہ شعار اپنا

تمھیں تو بوجھ کا سمجھے تھے ہم لیکن اب آگے کو
نظیر اس ہلکے پن سے تم نے کھویا اعتبار اپنا

(۵۵)

منتظر اس کے دلا تا بہ کجا بیٹھنا
شام ہوئی اب چلو صبح پھر آ بیٹھنا

ہوش رہا نے قرار، دین رہا اور نہ دل
پاس بتوں کے ہمیں خوب نہ تھا بیٹھنا

لطف سے اے دل تجھے لسکے جو ابرو بٹھائے
بیٹھیو لیکن بہت پاس نہ جا بیٹھنا

دل کی ہماری غرض باندھے ہے کیا بند بند
شوخ کا وہ کھول کر بند قبا بیٹھنا

کوچے میں اس شوخ کے جاتے تو ہو اے نظیر
جُل میں کہیں اپنی جاہ تم نہ جتا بیٹھنا

(۵۶)

سامنے اس صف مژگاں کے میں کل جاؤں گا
چھد تو جاؤں گا پر آگے سے نہ ٹل جاؤں گا

تیغ اس ابرو کی جب معرکہ آرا ہو گی
اپنی جانبازی کے گوہر میں اُگل جاؤں گا

ہے کف پا وہ مصفّا کہ جسے دھیان میں لا
پائے نظّارہ یہ کہتا ہے پھسل جاؤں گا

مجھ کو دیتے ہو عبث خانۂ زنجیر میں جا
جوں صدا میں ابھی اس گھر سے نکل جاؤں گا

آپ سے چاہوں تو اُٹھ جاؤنگا اس بزم سے میں
اور اک "ہوں" بھی کروگے تو مچل جاؤں گا

گرچہ ہوں بے حرکت ضعف سے جوں آتش سنگ
پر جو چھیڑا تو شرر ساں میں اُچھل جاؤں گا

موم ہوں میں تو بتاں مجھ کو نہ سمجھو آہن
ٹک بھی تم گرم ہوے تو میں پگھل جاؤں گا

لہ بوجھ کا سمجھے تھے۔ یعنی تم کو ہوشیار جانتے تھے ۱۲
۲ے اس زمین میں بھی اکثر اساتذہ کی غزلیں موجود ہیں مثلاً۔ داغ، ذوق، بیان یزدانی وغیرہم
آسی

غصّہ ہو کر تم اگر لاکھ طرح بدلو رنگ
میں وہ یک رنگ نہیں ہوں جو بدل جاؤں گا

بکلی آج ہی واں لے گئی مجھ کو تو نظیر
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

(۵۷)

ترے بیمار کو تجھ بن شفا ممکن نہ تھی ہونی
فلاطوں کیا اگر خود عیسیٰ گردوں نشیں آتا

عجب احوال ہے کچھ اضطرابِ دل سے کیا کہیئے
غرض اک دم قرار اُس بن نہیں آتا نہیں آتا

مری بیتابیوں کی اب تک اسکو بدگمانی ہے
اگر وہ بھی کہیں پھنستا تو اس کو بھی یقیں آتا

مجھے یاں تک خوشی تھی اسکے آنے کی کہ میں خوش تھا
اگر وہ قتل کو میرے چڑھائے آستیں آتا

بڑے حظ لوٹتے گر اس شبِ مہتاب میں یار د
ادھر ساقی اُدھر مطرب ادھر وہ مہ جبیں آتا

(۵۸)

گلزار ہے داغوں سے یہاں تن بدن اپنا
کچھ خوف خزاں کا نہیں رکھتا چمن اپنا

اشکوں کے تسلسل نے چھپایا تن عریاں
یہ آبِ رواں کا ہے نیا پیرہن اپنا

کس طرح بنے لیلے سے انصاف تو ہے شرط
یہ وضع مری دیکھو وہ دیکھو چلن اپنا

انکار نہیں آپ کے گھر چلنے سے مجھ کو
میں چلنے کو موجود جو چھوڑو چلن اپنا

مسکن کا پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو
جس جا پہ کہ بس گر رہے وہ ہے وطن اپنا

(۵۹)

گلہ لکھوں میں اگر تیرے غم کے چہلوں کا
تو ہو تباہ نہ پھلوں کا اور نہ بہلوں کا

سنے سے نام محبت کا تھرتھراتے ہیں
یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں کا

کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے
طریق جیسے ہے عشرت کے اہلے گہلوں کا

مکاں ہو ایک سنہرا، دھرے ہوں شیشہ و جام
بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ رو پہلوں کا

سلہ آب رواں ایک کپڑے کا نام
سلہ چہلا کیچڑ دلدل کی زمین ۱۲
سلہ دہل۔ خوف
سلہ اہلے گہلے۔ خوشحال لوگ۔ بیفکرے خوش فعلیاں کرنے والے ۱۲
سلہ بادلہ ایک کپڑا ریشمی یا نقرئی رنگ۔ چاندی سا چمکدار ۱۲ آسی

یہ سُن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیرؔ
کہ سوئیں جھوپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

(۶۰)

اُس کے شرارِ حُسن نے شعلہ جو اک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اُسی کے رو برو
اُس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اُس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اُس نے مجھے رُلا دیا میں نے اُسے ہنسا دیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اسکے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا دیا چاہا اُدھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ جو تراشے بے ستوں
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت بُتوں سے کس لیے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سُن کے یہ میرا عرضِ حال یار نے یوں کہا نظیرؔ
چل بے زیادہ اب نہ بک تو نے تو سر پھرا دیا

(۶۱)

نہ آیا رات بھی کتنا ہی انتظار کیا
قرار کر کے مجھے کافر نے بیقرار کیا

چمن میں اُس گلِ رنگیں کی جامہ زیبی نے
ہر ایک گل کے گریباں کو تار تار کیا

کیا ہے کیا مہ کنعاں پہ حُسن نے احساں
کہ اُس کے دور میں تجھ کو نہ آشکار کیا

وہ کیا ہنر تھا کہ مجنوں نے رام کی لیلیٰ
ہنر تو اُس نے کیا جس نے تجھکو یار کیا

نظیرؔ آج تصدق کو کچھ نہ تھا ہم پاس
وہی جو باقی تھا اک جی وہی نثار کیا

(۶۲)

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنۃ للہ تقدس و تعالیٰ

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جِلایا
ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالیٰ

---

[1] بے ستون وہ پہاڑ جس سے فرہاد نے جوئے شیر نکالی تھی ۱۲ -

[2] اس میں بھی میر کی غزل موجود ہے اور دیگر اساتذہ کی بھی غزلیں ہیں ۱۲ -

دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی آہ
"پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"

"مرمر" مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں یارو
اب لاؤ، کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا؟

بن تختۂ گل آخرش اس خاکِ چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، ولیکن
کہنا! "کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"

کیا خاک، اُڑانے کو چلیں، آہ! چمن میں
نہ یار، نہ ساقی، نہ صراحی، نہ پیالا

جیساکہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

لے لے کے بلائیں مجھے یہ کہتی ہیں آنکھیں
"صدقے ترے، پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا"

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا، تو مرے پاؤں کا چھالا

اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے، تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

ہم تجھ سے اُسی روز کو روتے تھے، نظیر آہ!
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(۶۳)

پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
اے داغ، مبارک ہو تجھے منصب والا

شیریں کے در اوپر یہ جو ہے شہر نہ جانو
فرہاد کے لوہو کا چھلکتا ہے پیالا

کیا جانیے کس حال میں ہوویگا، عزیزو،
دل آج مرا اسلمہ اللہ تعالےٰ

بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے "چل دور"
اور دل کو کہا لے تو وہیں ہنس کے کہا "لا"

رگ رگ میں ترے ہجر میں اے رشکِ مسیحا
مرتا ہوں، مرے اب کوئی جینے کی دوا لا

مجھ زلف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ
کافی ہے مرے قید کو اک مکڑی کا جالا

شاید کہ تُو ارات کو سینے میں مرا دل
نے آہ، نہ زاری، نہ دم سرد، نہ نالا

یہ سیل کے اشکوں کی بیاباں میں نہیں نہر
پھوٹا کوئی مجنوں کے مگر پاؤں کا چھالا

گربس ہو مرا تو میں کسی چور سے کہدوں ۔ جا آج پلنگ اُس کے تو سونے کا اُٹھا لا

وہ آپ سے روٹھا نہیں منّے کا نظیرؔ آہ!
کیا دیکھے ہے، چل، پاؤں پڑ اور اُسکو منا لا

(۶۴)

آتے ادھر جو ہم نے وہ کجکلاہ دیکھا ۔ بھر نثار دل کو بے دستگاہ دیکھا
بھولے گھمنڈ اپنے رخ کی چمک جھمک کا ۔ جب مہ رخوں نے یاروں وہ رشک ماہ دیکھا
دل جا رہا تھا اس کی زلف سیہ میں لیکن ۔ ق ۔ پہلو میں پھر جو ہم نے آج اس کو آہ دیکھا
پوچھا نظیرؔ اس سے کیا یاں تو آہی آیا ۔ یا کچھ خطا کی چلتے واں تجھ کو راہ دیکھا

بولا میں بے گنہ ہوں ۔ ہم نے کہا غلط ہے
چھوڑا ابھی تجھے جو اس نے کچھ تو گناہ دیکھا

(۶۵)

اُس شوخ کا جو ہم نے رُخ بھر نگاہ دیکھا ۔ ہم نے کہا کہ دیکھا بولا کہ واہ دیکھنا
کوچے میں اس صنم کے بیخود جو دل پڑا ہے ۔ کیا جانے کیا جھگڑا[1] جا دو پناہ دیکھا
آزردہ دیکھ ہم کو اک شخص نے یہ پوچھا ۔ ق ۔ تم نے نظیرؔ اس کو دو دن ہی جاہ دیکھا
سن کر کہا یہ اُس سے اے یار اس صنم کو ۔ ہر لحظہ ہم نے دیکھا یا گاہ گاہ دیکھا

چاہیں تو اب بھی جا کر دیکھیں ہم اس کو لیکن
ہے سچ تو یوں کہ دیکھا جب تک نباہ دیکھا

(۶۶)

اس کا مکھڑا جو بے نقاب ہوا ۔ حیرت چشم آفتاب ہوا
اس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت ۔ منفعل ساغر شراب ہوا
دل ادھر سے خجل پھرا جو نظیرؔ ۔ جی میں اندوہ بے حساب ہوا

[1] جھگڑا ۔ طبع ا ۔ جمال ۲۲ آسی

سر جھکا بیٹھنا وہ اس کا دیکھ
ہم کو معلوم یوں شتاب ہوا

یہ تو یوں بیٹھتا نہ تھا شاید
بہر تنبیہ کچھ عتاب ہوا

(۶۷)

چاہ میں دل بہت خراب ہوا
جب وہ گل ہم سے بے حجاب ہوا

سختیاں ہجر کی سہیں جس نے
وصل سے جب وہ کامیاب ہوا

خانۂ زیں میں دیکھ کر اس کو
خیل عشّاق ہمرکاب ہوا

ق

رات آیا نہ وہ تو کیا کیا کچھ
اہل محفل کو اضطراب ہوا

مے ہوئی خون دل صراحی میں
جام مے دیدۂ پر آب ہوا

(۶۸)

وہ رشک چمن گل جو زیب چمن تھا
چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا

گیا میں جو اس بن چمن میں تو ہر گل
مجھے ہر گھڑی اخگر پیرہن تھا

یہ غنچہ جو بیدرد گلچیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا

نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

ق

تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو جس سے مزّین یہ تن تھا

کئی بار ہم نے یہ دیکھا ہے جن کا
مشّین کفن تھا معطّر بدن تھا۔

جو قبر کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

(۶۹)

ہو کے مہ دہ تو کسی اور کا پالا نکلا
ہم نے سمجھا تھا جسے گل سو وہ لالا نکلا

لینے خیرات ترے چہرۂ پُر نور سے رات — بدر چاندی کا لیے ہاتھ میں پیالا نکلا
اس کے چہرے پہ نہیں کاکلِ مشکیں کی نمود — یہ پٹارے کے تئیں توڑ کے کالا نکلا
تھا ارادہ تری فریاد کریں حاکم سے — وہ بھی اے شوخ ترا چاہنے والا نکلا
رات کوٹھے پہ چڑھا وہ، تو کہوں کیا یارو — ق — منظرِ بام سے اس کے، وہ اُجالا نکلا
برق جوں چمکے ہے یا چھوٹے ہے جیسے مہتاب — وہ اُجالا تو کچھ اس سے بھی نرالا نکلا

جی کی سب دھوم تھی جب تن سے وہ نکلا تو نظیر
پھر نہ سینے سے اُٹھی آہ نہ نالا نکلا

(۷۰)

ے کے دل مہر سے پھر رسمِ جفا کاری کیا — تم دل آرام ہو کرتے ہو دل آزاری کیا
تم سے جو ہو سو کرو۔ ہم نہیں ہونے کے خفا، — کچھ ہمیں اور سے کرنی ہے نئی یاری کیا
جوں حباب آئے ہیں ملنے کو نہ ہو چیں بہ جبیں — ہم سے اک دم کے لیے کرتے ہو بیزاری کیا
تیغِ ابرو کی تو اُلفت نے کیا دل کو دو نیم — دیکھیں اب کرتی ہے کاکل کی گرفتاری کیا

پھر سنانِ مژہ دل پر وہ اُٹھاتا ہے نظیر
زخمِ شمشیرِ نگہ آہ نہیں کاری کیا

(۷۱)

اس نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا — ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا
آن کیا کیا دلبری نے دی دکھا — شوخ نے جب پان کھا کر ہنس دیا
ایک بوسے کی طلب کی ہم نے جب — پاس لا منہ پھر ہٹا کر ہنس دیا
ہم نے پوچھا کل نہ آئے کس لیے — پاؤں کی مہندی دکھا کر ہنس دیا
ایک دن اُس نے بوقتِ اختلاط — خوب ہم کو گدگدا کر ہنس دیا
ہم نے جب کی گدگدی اس کے نظیر — پھر تو کیا کیا کھل کھلا کر ہنس دیا

(۷۲)

خرام ناز سے اس شوخ نے دامن کو جب جھٹکا
ہماری خاک نے کیا کیا ہوا کے ساتھ سر پٹکا

نہیں گھٹا[1] عبادت کا ترے ماتھے پہ لے زاہد
نشاں ہے یہ کسی محبوب بے پروا کی چوکھٹ کا

عبث محنت ہے کچھ حاصل نہیں پتھر تراشی سے
یہی مضمون تھا فرہاد کے تیشے کی کھٹ کھٹ کا

نظیرؔ آرام سے گر تجھ کو اس دنیا میں رہنا ہے
سوا اللہ کے ہرگز کسی سے دل کو مت اٹکا

(۷۳)

آج دیکھ اس نے میری جاہ کی چتون یارو
منھ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا

پھر نظر دیکھیں گے اس عہد شکن کی صورت
دیکھیے کون سا یارب وہ زمانا ہوگا

تلخیٔ مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیرؔ
پھر ترا کاہے کو اس دہر میں آنا ہوگا

(۷۴)

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا

کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال
اے ہم نے گو نشہ بھی پیا، پھر کسی کو کیا

آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک
آپی سیا نیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

(۷۵)

آغوش تصور میں جب ہم نے اسے مسکا
لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

اس تن کو نہیں طاقت شبنم کے تلبّس[2] کی
اے دست ہوس اس پر تو قصد نہ کر مس کا

سو بار حریر اس کا مسکا نگہِ گل سے
شبنم سے کب اے بلبل پیراہن گل مسکا

لہ گھٹا ۔ سیاہ نشان جو جسم پر پڑ جاتا ہے
۲ے تلبس ۔ پہننا، لباس کرنا

(۷۷)

جال میں زر کے اگر موتی کا دانا ہوگا
وہ نہ اس دام میں آوے گا جو دانا ہوگا

دام زلف اور جہاں خال کا دانا ہوگا
پھنس ہی جاوے گا غرض کیسا ہی دانا ہوگا

دل کو ہم لائے تھے مژگاں کی صفیں کھلانے
یہ نہ سمجھے تھے کہ تیروں کا نشانا ہوگا

آج دیکھ اُس نے مری چاہ کی چتون یارو
منھ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا

پھر نظر دیکھینگے اُس عہد شکن کی صورت
دیکھیے کون سا یارب وہ زمانا ہوگا

خوں بہانے کا مرے حشر میں جب ہوگا بہا
دیکھیں کیا اُس گھڑی قاتل کو بہانا ہوگا

وہ بھی کچھ ایسی ہی کہدیگا کہ جس سے اسکو
بات کی بات بہانے کا بہانا ہوگا

تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیرؔ
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

(۷۸)

مانی[۵۱] نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

اس ابروِ خم دار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت، دمِ شمشیر کا نقشا

مژگاں کو تری دیکھ، یہ کہتے ہیں سپاہی
"تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا"

یہ زلفِ سیہ عارضِ قاتل پہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ!
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

کیا گردشِ ایام ہے، اے آہِ جگر سوز
اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

دن رات ترے کوچے میں رودیے ہی ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

ہیں تو صفِ محشر میں بھی لُوں گا تجھے پہچان
رانجھا[۵۲] کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

---

۵۱ ایک نقاش کا نام۔ جو بابل کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا اصلی نام قوزیتوس بن فاتق تھا۔ یہ حکیم قادرون کا شاگرد تھا۔ اس نے دین زردشت اور دین مسیحی کو امتزاج دے کر ایک نئے مذہب کی ایجاد کی اور خود پیغمبری کا دعوی کیا تو اُس کے بہت سے پیرو ہو گئے۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ شاپورگان۔ کنز الاحیا، سفر الجبابرہ وغیرہم اس کی مشہور تصانیف اس نے بہت سیاحی کی اور فن نقاشی میں روم اور چین کے نقاشوں سے بھی بڑھ گیا اس کا خیال تھا کہ عورتوں سے مقاربت کرنے سے پاک روحیں آسمان سے آتی اور کثیف جسموں میں رہتی ہیں اسلیے جماع نہ کرنا چاہیے شاپور بادشاہ سے اسی بات پر اس کا مکالمہ ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تیرے کہنے پر عمل کیا جائے تو دنیا ویران ہو جائے مانی نے کہا کہ جانوں کی آبادی ہوگی اس لیے اجسام کی ویرانی کی پروا نہ کرنا چاہیے۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تجھے مار ڈالا جائے تو آبادی ہوگی یا ویرانی اُس نے کہا جسم کی ویرانی اور جان کی آبادی۔ بادشاہ نے کہا ہم تیرے ہی قول پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا اور شہر شاپور کے دروازے پر لٹکا دیا۔ اُس کی پیرو جماعت کا نام مانویہ ہے ۱۲ استفاد از فرہنگ اندراج۔

۵۲ ہیر اور رانجھا دو عاشق و معشوق کا نام۔ رانجھا ہیر پر عاشق تھا ۱۲ مولانا عبدالباری آسی

فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوئے شیر کا نقشا
یہ تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی یار
لیلےٰ کی یہ ہے زلفِ گرہ گیر کا نقشا

تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

(۷۹)

"قاصد، صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟
حرفِ عتاب، یا سخن دل کشا کہا؟
تجھ کو قسم ہے؛ کیجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اُس نے مجھے بر ملا کہا"
قاصد نے جب تو سنکے کہا کیا "کہوں میں یار"
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا برا کہا
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اُسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بارہا کہا
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بے جا کہا یہ اس نے مجھے، یا بجا کہا

کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُس کو خط میاں،
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا،

(۸۰)

ہاتھ اُس کا جب نقاب کے گوشے تلک[1] گیا
گوشہ اُٹھا تو نور کا بقعہ[2] جھلک گیا
ساقی نے بھر کے جام دیا ہم کو اس طرح
جو لب تلک آتے آتے کئی جا چھلک گیا
آیا نظر وہ حسن جو اس کا تو دم بدم
گھر تک میں اس جھلک سے جھبکتا پلک گیا
نالہ شبِ فراق میں نکلا تو اس کا شور
ایسا ہوا کہ تا سرِ بامِ فلک گیا

اشک اس قدر ڈھلا کہ ہر اک قطرہ اے نظیر
اک پل مژہ کے پاس نہ ٹھیرا ڈھلک گیا

[1] تلک کی بجاے تک اب اکثر فصحا کے نزدیک غیر فصیح اور متروک ہے
[2] نور کا بقعہ یہ لفظ دو طرح پر رائج ہے۔ بُقعَہ اور بُقّا۔ بقّہ بقعہ کا بگڑا ہوا ہے جس کے معنی زمین کے اُس ٹکڑے کے ہیں جو اوروں سے ممتاز ہو منیر شکوہ آبادی ؎ جو نور کا مقام ہے بقعہ ہے نور کا۔ بقعے کی بجاے بقّا رائج ہو گیا جس کے سعی معنی مشت خاک مشت نور وغیرہ [3] اس گل کے سامنے نہیں جچتے ہوں کے رنگ، بکے اُڑا رہا ہے چمن میں گلاب کے برق لکھنوی ۱۲ آسی

(۸۱)

ہوش و خرد کو کر دیا ترک اور شغل جو کچھ تھا چھوڑ دیا
ہم نے تمھاری چاہ میں اے جاں دیکھو تو کیا کیا چھوڑ دیا

کوچے میں اس رشکِ چمن کے جا کے جو بیٹھا پھر اس نے
باغ و چمن یاں جتنے ہیں سب کا سیر و تماشا چھوڑ دیا

لوٹا ہوش اور لوٹا دیں کو دل کو بھی کچلا کیا واہ
ناز کو اس نے آج تو کچھ بیداد پر ایسا چھوڑ دیا

دن کو ہمارے پاس وہ چنچل کاہے کو آوے گا اے دل
رات کو اک دم خواب میں آنا جس نے ادھر کا چھوڑ دیا

طائر دل جب ہم سے گیا پھر فائدہ کیا جو پوچھیں نظیرؔ
شوخ نے اس کو ذبح کیا یا قید رکھا یا چھوڑ دیا

(۸۲)

نیچی نگہ کی ہم نے تو اس نے منھ کا چھپانا چھوڑ دیا
کچھ جو ہوئی پھر اونچی تو رخ سے پردہ اٹھانا چھوڑ دیا

زلف سے جکڑا پہلے تو دل پھر اس کا تماشا دیکھنے کو
نظروں کا اس پر سحر کیا اور کر کے دوانا چھوڑ دیا

اس نے اٹھایا ہم پہ طمانچہ، ہم نے ہٹایا منھ کو جو آہ
شوخ نے ہم کو اس دن سے پھر ناز دکھانا چھوڑ دیا

ق
بیٹھ کے نزدیک اس کے جو اک دن پاؤں کو ہم نے چوم لیا
اس نے ہمیں بے باک سمجھ کر لطف جتانا چھوڑ دیا

پھر جو گئے ہم ملنے کو اس کے، دیکھ کے اس نے ہم کو نظیرؔ

یوں تو کہا۔ "ہاں آؤ جی" لیکن پاس بٹھانا چھوڑ دیا

(۸۳)

ڈر اس کے دل کو ہجر میں کب یاس کا لگا — ہے دھیان جس کو وصل کی یاں آس کا لگا
صبح گلو کے نور سے کیا کیا جھلک گیا — تکمہ جو اس کی جیب میں الماس کا لگا
اے زلف یار کیا ہمیں سنبل کی بو سے کام — ہے یاں تو دل کو عشق تیری باس[1] کا لگا
دیکھا تو ہم نے چھپ کے اسے تو بھی جی کو خوف — ہے اس کے تاڑ جانے کے وسواس کا لگا

زخم اس نگہ کی تیغ کا دل پر میاں نظیر
صد حیف ایک تو لگا اور پاس[2] کا لگا

(۸۴)

دل میں جب چاہ نے قیام کیا — عقل کی پختگی کو خام کیا
چپکے چپکے ہی لے لیا دل کو — نگہ شرمگیں نے کام کیا
منع تھا اشک کا بہا دینا — پر جفا نے جو ازدحام[3] کیا
اٹھ چلے دل سے آنسو جب تو نظیر — چاہ نے رکنے کا پیام کیا

ق

جب یہ دیکھا تو ہو کے پھر لاچار
خانۂ چشم میں قیام کیا

(۸۵)

دن کتنے ہم میں اور اس میں ہر وقت یہی ایراد[4] رہا — ہم کرتے ادھر سے چاہ رہے وہ کرتا اُدھر بیداد رہا
صحرائے جنوں کے پھرنے سے جو خار چبھے تھے پاؤں میں — ہر چند نکلے مدت تک پر تو بھی وہ ایک آدھ رہا
وہ چشم گلابی دیکھی جب یوں بادہ کشی کو بھولے ہم — تھے کہتے مے کا جام جسے پھر نام نہ اُس کا یاد رہا
گو ناز اُٹھائے ظلم سہے یا کھینچے رنج بہت لیکن — شمشاد قدوں کی چاہت میں ہاں دل تو ہمارا شاد رہا
کہنے کو نظیر البتہ الگ یہاں چاہ سے تھا پر دل اس کا — تھا زلف بتاں کے پھندے میں گو ظاہر میں آزاد رہا

[1] باس - بو - اکثر بدبو کے معنی ہیں۔ اور کمتر خوشبو کے معنی میں آتا ہے ۱۲
[2] یعنی یہی بہت تھا کہ زخم لگا۔ مگر یہ زخم قریب سے لگا جو اور بھی مہلک ہے ۱۲ آسی
[3] بعض لوگ ازدحام میں (ز) کی بجائے (ژ) بولتے اور لکھتے ہیں وہ قطعی غلط ہے ۱۲ آسی
[4] ایراد - اعتراض کرنا ۱۲ آسی

(۸۶)

دل نہ لو، دل کا یہ لینا ہے نہ اخفا ہو گا
اس کو دل کہتے ہیں بس لیتے ہی چرچا ہو گا

تم کو ہر آن ادھر ہووے گی حسن آرائی
ہم کو ہر لحظہ ادھر ذوق تماشا ہو گا

ہم بھی سو چاہ سے دیکھیں گے تمہاری جانب
تم سے بھی ضبط تبسم نہ پھر اصلا ہو گا

جونہی ہم دیکھیں گے تم اور متبسّم ہو گے
چاہ کا غنچۂ سربستہ دہیں وا ہو گا

گفتگو ہووے گی باہم جو اشارات[1] کے ساتھ
متن اس کا بھی حریفوں میں محشّیٰ ہو گا

پاؤں تک ہاتھ جو لاویں گے کسی عذر سے ہم
تاڑنے والوں میں شور اس کا بھی برپا ہو گا

جب یہ تقریر سنی اس شہ خوباں نے نظیر
ہم سے دل لے لیا اور ہنس کے کہا کیا ہو گا

(۸۷)

کل جو رخ عرق فشاں یار نے ٹک دکھا دیا
پانی چھڑک کے خواب سے فتنے کو پھر جگا دیا

اس کے شرار حسن نے جلوہ جو اک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اسی کے رو برو
اس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اُس نے مجھے رُلا دیا میں نے اُسے ہنسا دیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور رہی[2] اُسکے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا لیا چاہا اُدھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ کہ تراشے بے ستوں[3]
تھا وہ تمام دل کا زور جس سے پہاڑ ڈھا دیا

گزرے جو سوئے خانقاہ واں بھی بشکل جانماز
اہل صلاح[4] و زہد کو فرش کیا بچھا دیا

نکلے جو راہ دیر سے اک ہی نگاہ مست میں
گبر کا صبر کھو دیا بت کو بھی بت بنا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت[5] بروں سے کس لیے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سُن کے ہمارے حال کا یار نے اک سخن نظیر
ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرا دیا

---

[1] اشارات۔ اشارے۔ مجازاً رمز و کنایہ۔ علم حکمت کی ایک کتاب جو بوعلی سینا کی تصنیف ہے۔ متن اصل کتاب جس پر حاشیہ لکھا گیا ہو ۱۲

[2] رشتہ در گردنم افگندہ دوست + میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست + ۱۲

[3] بے ستون نام پہاڑ جس میں چھپی نہر بنانے کی شیریں نے فرہاد سے فرمائش کی تھی۔ اور یہی شرط عقد و مواصلت رکھی تھی ۱۲

[4] اہل صلاح و زہد۔ عابد۔ زاہد لوگ۔ فرش کر دینا بچھا دینا گرا دینا ہموار کرنا۔

[5] مفت بر۔ بغیر کسی قیمت اور محنت کے کوئی چیز لے جانے والا ۱۲۔ آسی

(۸۸)

سبھوں کو سے ہمیں خوناب دل پلانا تھا
لگی تھی آگ جگر میں بجھائی اشکوں نے
نگہ سے اس کی بچاتا میں کس طرح دل کو
نہ کرتا خوں میں ہمیں کس طرح وہ نگہیں آہ
شب فراق کی ادنیٰ سی اک یہ حالت ہے
جو کروٹیں تھیں سو وہ بیکلی کی شدت تھی

فلک مجھی پہ سبب تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا
اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا
ازل سے یہ تو اسی تیر کا نشانا تھا
اسے تو ساتھ ہمارے یہ رنگ لانا تھا
ق
کہ تھا جو گھر سو ہمارا وہ قید خانا تھا
جو خواب تھا سو وہ دل غش پڑے ویرانا تھا

غرض نہ سر کی خبر تھی نہ پا کا ہوش نظیر
سرھانا پائینتی اور یہ پائینتی سرھانا تھا

(۸۹)

شور آہوں کا اُٹھا نالہ فلک سا نکلا
یوں تو ہم تھے یوں ہی کچھ مثل انار و مہتاب
غم سے ہم بھانمتی بن کے جہاں بیٹھے تھے
سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے اپنے

آج اس دھوم سے ظالم مرا شیدا نکلا
جب ہمیں آگ دکھائی تو تماشا نکلا
ق
اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آ نکلا
شعلے پر شعلہ بھبھوکے پہ بھبھوکا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیر
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(۹۰)

شہر دل آباد تھا جب تک وہ شہر آرا رہا
کیا رہا پھر شہر دل میں جز ہجوم درد و غم
آ رہا آنکھوں میں دم تو بھی نہ آیا وہ صنم

جب وہ شہر آرا گیا پھر شہر دل میں کیا رہا
تھی جہاں فوج طرب واں لشکر غم آ رہا
حیف کس سے پوچھیے جا کر کہ وہ کس جا رہا

سلہ زہر کھانا۔ حسد کرنا۔ جلنا ۱۲
سلہ بھانمتی۔ بازیگر شعبدہ بازی دکھانے والا ۱۲
سلہ شہر آرا۔ شہر کو آراستہ کرنے والا ۱۲
آسی

(۹۱)

عیسیٰ کی قُم سے حکم نہیں کم فقیر کا
خوبی بھری ہے جسمیں دو عالم کی کوٹ سب
سب جھوٹ ہے کہ تم کو ہمارا ہو غم میاں
ہم کیوں نہ اپنے آپ کو رولیویں جیتے جی
مرجاویں ہم تو پر نہ خبر ہو یہ تم کو آہ
اب ہم پہ کیا گزرتی ہے اور کیا گزر گئی
جب جیتے جی کسی نے نہ پوچھا کہ مہرباں
ہو کیوں نہ اُس کو فقر کی باتوں میں دستگاہ

ارنی پکارتا ہے صدا دم فقیر کا
اللہ نے کیا ہے وہ عالم فقیر کا
بابا گئے خدا کے سوا غم فقیر کا
اے دوست کون پھر کرے ماتم فقیر کا
کیا جانے کب جہاں سے گیا دم فقیر کا
کس سے کہیں وہ یار ہے محرم فقیر کا
پھر بعد مرگ کس کو رہا غم فقیر کا
ہے بالکا نظیر بُرا آتم فقیر کا

(۹۲)

کدھر ہے آج الٰہی وہ شوخ چھلبلیا
تمام گوروں کے حیرت سے رنگ اُڑ جاتے
تجھے خبر نہیں بلبل کے باغ سے گل چیں
نظیر یار کی ہم نے جو کل ضیافت کی
سو یار آپ نہ آیا رقیب کو بھیجا

کہ جس کے غم سے مرا دل ہوا ہے باولیا
جو گھر سے آج نکلتا وہ میرا سانولیا
بڑی سی پھولوں کی اک بھر کے لے گیا ڈلیا
پکایا قرض منگا کر پلاؤ اور قلیا
ہزار حیف ہم ایسے نصیب کے بلیا

ادھر تو قرض ہوا اور اُدھر نہ آیا یار
پکائی کھیر تھی قسمت سے ہو گیا دلیا

(۹۳)

ترے جمال کی سورج، جھلک نہ دیکھ سکا
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے

کھلی نقاب رہی جب تلک، نہ دیکھ سکا
بشر تو کیا ہے، مری جاں، ملک نہ دیکھ سکا
ہمیں تو، آہ! فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

ارنی بفتح اول و کسر دوم صحیح ہے مگر نظیر نے بسکون دوم بھی استعمال کیا ہے۔ موسیٰ ارنی جام تہی بردست شیشہ بکہ پایہ ارنی شکست — نظامی گنجوی ۱۲
بالکا — مُرید — آتم — قدیم ۱۲ —
چھلبلیا چھیل — دھوکہ باز — باولیا — باولا — پاگل ۱۲ —
سانولیا سانولے رنگ والا ۱۲ —
بلیا — زور دار — پکائی کھیر بگڑی قسمت سے دلیا ہو گیا یعنی قسمت نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا ۱۲ —
عبد الباری آسی

یہ ناتواں ہوں، کہ آیا جو یار ملنے کو — تو صورت اُس کی، اُٹھا کر پلک، نہ دیکھ سکا
گھڑی تو دل کو پرویا، گھڑی جگر چھیدا — کبھی خوشی سے مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا
لگا گھٹاتے جو آبِ مے کو دمبدم ساقی — ہمارے جام کی، شاید، جھلک نہ دیکھ سکا

نظیرؔ تم سے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے،
یہ کیا کرے، کہ یہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(۹۴)

عشق کا جو گلِ زخمِ دمِ شمشیر کھِلا — رہ گیا جسم پہ مثلِ گلِ تصویر کھِلا
طفلِ اشک، اے مژہ، چاہے کہ سہے ٹک تو اُسے — پیار سے، مہر سے، اُلفت سے، یہ تدبیر کھِلا
محوِ تدبیر ہیں ہم، لیک خُدا ہی جانے — کون سا گل ہے پسِ پردۂ تقدیر کھِلا

(۹۵)

اُدھر اُس کی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا[1] — ادھر مرنا، تڑپنا، غش میں آنا، دم اُلٹ جانا
یہ کچھ بھر روپ بن دیکھو کہ بن کر شکل دلانے کی — بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی، یہ یکرنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے — نہ کم ہونا نہ بڑھنا، اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا

(۹۶)

رُخ تو وہ ماہتاب سا دیکھا — تن بھی موتی کی آب سا دیکھا
کی نگہ چشم پر تو اس کو بھی — ساغرِ پُر شراب سا دیکھا
پیرہن برگِ گل پہ جوں شبنم — عرقِ تن گلاب سا دیکھا
تھے ابھی ہم جواں نظیرؔ اور اب — ق — رنگ موسم نائب سا دیکھا

شام کی صبح ہو گئی دم میں
یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

[1] دل یا ظرف کو کہتے ہیں ۱۲ -

(۹۷)

چاہ میں اس کی دل نے ہمارے نام کو چھوڑا نام کیا
شغل میں اس کے شوق بڑھا کر کام کو چھوڑا کام کیا

زلفِ دوپٹہ دھانی میں کر کے پنہاں مرا دل باندھ لیا
صید نہ کھاوے کیونکر جل[1] جب سبزے میں پنہاں دام کیا

رم[2] پر اپنے آہوئے دل کو غرّہ نہایت تھا لیکن
چنچل آہو چشم نے اس کو ایک نگہ میں رام کیا

سمجھے تھے یوں ہم دل کو لگا کر پا دیں گے یاں آرام بہت
حیف اسی فہمید[3] نے ہم کو کیا کیا بے آرام کیا

ہم نے کہا جب نازبتاں کے تم تو بہت کام آئے نظیر
سن کے کہا کیا آئے جی ہاں کچھ بت کے موافق کام کیا

(۹۸)

چشمِ ساقی سے جس نے جام لیا
اس نے پھر نشۂ مدام لیا

دل تغافل سے گر چلا جس دم
دستِ لطفِ صنم نے تھام لیا

صبح بہر سلام ہم نے نظیر
پہلے اک بہ ادب مقام لیا

ق

سر جھکا رکھ کے ہاتھ ماتھے پر
دو گھڑی جھک کے خم سے کام لیا

جب ذرا چشم کی اشارت سے
اس گل اندام نے سلام لیا

(۹۹)

کسی کو بتا دھج[4] دکھا جا رہے گا
کسی کو دل اس سے لگا تا رہے گا

کسی چشم سے تیرِ مژگاں لگیں گے
کسی کا دل ان کا نشانا رہے گا

[1] جل کھانا۔ فریب کھانا۔ او سبز پوشے بخط سبز مرا کردہ اسیر دامِ ہم رنگ می بود گرفتار شدند
[2] رم۔ بھاگ۔ تیزی کے ساتھ دوڑنا غیرہ غیرہ ۱۲
[3] فہمید۔ سمجھ۔ متعلق ۱۲
[4] دھج۔ وضع قطع شکل فی زمانہ مؤنث ہے ۱۲ آسی

کہیں دل کوئے کرہنسیں گے خوشی ہو
کہیں غم میں آنسو بہانا رہے گا
کہیں شوخیاں ہوں گی نازو ادا کی
کہیں دیکھ اُنھیں غش میں آنا رہے گا
یہ حسن اور نظیرؔ عشق جب تک رہیں گے
میاں یاں یہی کارخانا رہے گا

(۱۰۰)

جو پیش نظر وہ گل اندام ہوگا
تو دامن نگہ کا شفق[1] فام ہوگا
نہ دیکھ اس کی مژگاں کو اے دل وگرنہ
ابھی چھد کے تو رشک بادام ہوگا
اگر چل گئی تیغ ابرو کی تجھ پر
تو بس ایک ہی وار میں کام ہوگا
دیا دل نظیرؔ اپنا مدت سے تو نے
ق اگر دیکھیے کب وہ ہنگام ہوگا
لب جام سے لب لگے ہوں گے تیرے
اور آغوش میں وہ دل آرام ہوگا

(۱۰۱)

خیال یار سدا چشم نم کے ساتھ رہا
مرا جو چاہ میں دم تھا وہ دم کے ساتھ رہا
گیا سحر وہ پری رو جدھر جدھر یارو
میں اس کے سایہ صفت ہر قدم کے ساتھ رہا
پھرا جو بھاگتا مجھ سے وہ شوخ آہو چشم
تو میں بھی تھک نہ رہا گو وہ رم کے ساتھ رہا
لیلا اس کو نہ چھوڑا جو گھر سے نکلا وہ
ہر اک بہانے سے میں اس صنم کے ساتھ رہا
نظیرؔ پیر ہوا تو بھی بار نازبتاں
کچھ اس کے دوش کے کچھ پشت خم کے ساتھ رہا

(۱۰۲)

بے جا ہے رہ عشق میں اے دل گلۂ پا
یہ اور ہی منزل ہے نہیں مرحلۂ پا
ہنگام خرام اس کے، ہجوم دل عشاق
غش کردہ ہیں ٹھوکر کے بہ فاصلۂ پا

[1] شفق فام سرخ آسمی

کل بوسۂ پا ہم نے لیا تھا سو نہ آیا
شاید کہ وہ بوسہ ہی ہوا آبلۂ پا

اس پا کی رہ رشک میں نازک قدموں کے
پھرتے ہیں بھٹکتے ہوئے سو قافلۂ پا

سو ناز سے ٹھوکر بسر عرش لگا نا
اس گل کے سوا کس کا ہے یہ حوصلۂ پا

گلبرگ پہ رکھتے ہی قدم ہنس کے جو کھینچا
شاید ہوئی سختی سے رگ گل خلۂ[1] پا

دل سے رہ دل بستگی کب طے ہو نظیرؔ آہ
وہ زلف مسلسل جو نہ ہو سلسلۂ پا

(۱۰۳)

ہے عزم کشور دل کی ادا کو غارت کا
فریب دے ہے تبسم ہمیں بشارت کا

بسا جو وادی میں جاکر تو وہ ملا آرام
کہ قیس بھول گیا نام بھی عمارت کا

دل اس کے آگے سے جلدی سرک میں کہتا ہوں
مجھے تو ڈر ہے نہایت تیری جسارت کا

بھویں تو کھینچ چکی ہیں کمان اے غافل
نگہ کا تیر ہے اب منتظر اغارت کا

نظیرؔ سے ہیں جو پیری میں دلربا ملتے
یہ فیض اس کو در دل کی ہے زیارت کا

(۱۰۴)

گلچیں نہ توڑ گل یہ بعید و قریب کا
بیٹھے بٹھائے دل نہ ستا عندلیب کا

جس کے شمیم زلف بھری ہو مشام میں
کیا رتبہ اس کے سامنے سنبل کی طیب[2] کا

ق

احوال دل جو ہم نے کل ایک دوست سے کہا
آیا سخن یہ گوش میں جب اس حبیب کا

اس کی دوا جو ہو تو کسی نازنیں سے ہو
اے مہرباں یہ کام نہیں ہے طبیب کا

اس کج کلہ کی چاہ کی مت کر ہوس نظیرؔ
کیا اس نے دل قبول کیا تجھ غریب کا

[1] خلہ پا۔ پاؤں میں لگی ہوئی پھانسی
[2] طیب۔ خوشبو ۱۲ آسی

(۱۰۵)

اٹکا لیا جو زلف نے دل کو اٹک گیا — لٹکا لیا جو باندھ کے پیچیں سے لٹک گیا

جی ہو گیا اس آتشیں عارض کو دیکھ موم — دل بھی سپند وار ہوا اور چٹک گیا

کیا جانے اس کا پاؤں پڑا کس مژہ پہ آج — کانٹا سا کچھ جو دل میں ہمارے کھٹک گیا

دل لے گیا تھا شوخ جو کاکل سے باندھ کر — جلدی سے پھر جو زلف ہلا کر جھٹک گیا

آیا وہ ناپسند اُسے جب تو اے نظیر
جس کی بلا تھی اس کے ہی سر پہ پٹک گیا

(۱۰۶)

تھا عہد یہ دل اس کو زنہار میں نہ دوں گا — دیکھا اسے تو بھولا "زنہار میں نہ دوں گا"

بوسہ جو ہم نے مانگا دو چار بار اس سے — بولا کہ تو کیا کر تکرار میں نہ دوں گا

جب اُس نے مجھ سے پوچھا تو دل پری کو دیگا — میں نے کہا یہ ہنسکر اے یار میں نہ دوں گا

سلک گہر نے مانگا ہار آنسوؤں کا جس دم — ق بولا نظیر اس سے زنہار میں نہ دوں گا

قدر اس کی چاہ میں ہے سو درج دُر سے افزوں
اے سلک در مکنوں یہ ہار میں نہ دوں گا

(۱۰۷)

دل واں سے جو کل شتاب آیا — دلبر کو بہت عتاب آیا

مدت میں ذرا اُٹھا دیا تھا — پھر چہرے پہ اب نقاب آیا

اس چشم کو دیکھ چشم نرگس — ایسی کھلی پھر نہ خواب آیا

پیری میں نظیر اپنے بر میں — وہ شوخ جو بے حجاب آیا

آ کر سے لگے گہنے اس سحر کو
آغوش میں آفتاب آیا

(۱۰۸)

محفل میں اس کے پہونچے اور یار کو نہ دیکھا — بھولے ہمیں جو اپنی مقدار کو نہ دیکھا
عارض کے دیکھنے میں یوں محو ہو گئے ہم — جو ابرووں کی ہرگز تلوار کو نہ دیکھا
ایسا چھپایا اس نے زلفوں سے منہ کو ہم سے — چاہا بہت پر اُس کے رخسار کو نہ دیکھا
دل دیکھنے کو آیا ۔ یار د ۔ تو اس صنم نے — ق — ناطاقتی میں اس کے اطوار کو نہ دیکھا

تیر نگہ لگایا ایسا نظیرؔ جس کی
پکیاں تو کیا کہ ہم نے سوفار کو نہ دیکھا

(۱۰۹)

اُس نے کتابی رخ دکھا ہوش ہمارا کھو دیا — ایک جھلک میں حرف صبر صفحۂ دل سے دھو دیا
چہرے کو جب چھپا لیا ناز سے اس کی شرم نے — دیکھی یہ شکل ہم نے جب بس نہ چلا تو رو دیا
مہندی سے ناخن اس کے سُرخ دیکھے تو اس نگار نے — چٹکی وہ لی کہ دل میں آہ کیا کہیں کیا چبھو دیا
چھید لیا نگہ سے دل اُس نے تو ہم نے دیکھ کر — نوک مژہ سے اشک کے قطروں کو سے پرو دیا

دیکھیں جفائیں اسکی جب ہم سے کہا یہ جی نے آہ
کیا کہوں تجھ سے اے نظیرؔ تو نے تو دل ڈبو دیا

(۱۱۰)

ہے اب تو یہ دھن اس سے میں آنکھ لڑا لوں گا — اور چوم کے منہ اس کا سینے سے لگا لوں گا
گر تیر لگا وے گا پیہم وہ نگہ کے، تو — میں اس کی جراحت کو ہنس ہنس کے اُٹھا لوں گا
دل جاتے اُدھر دیکھا جب میں نے نظیرؔ اُسکو — ق — روکا ارے وہ تجھ کو لے گا تو میں کیا لوں گا
واں ابرو و مژگاں کے ہیں تیغ و سناں چلتے — ٹک سوچ تو میں تجھ کو کس کس سے بچا لوں گا

پڑ جاوے گی جب شہ وہ اے دل تو بھلا پھر میں
کیا آپ کو تھاموں گا کیا تجھ کو سنبھالوں گا

ؔ۱ شہ پڑنا سے یہاں مراد ۔ افتاد پڑنا ۔ مصیبت پڑنا ہے ۔ آسی

(۱۱۱)

اُٹھا دے تو گر ناز اس دلستاں کا — نہیں کام اے دل یہ تجھ ناتواں کا
کیا دل کو زیر اک طمانچے میں یارو — زبردست ایسا ہے نازان بتاں کا
ہوئی تیغ ابرو سے دل کی وہ صورت — جو احوال ہوتا ہے مہ سے کتاںؔ[لہ] کا
نظیرؔ اب سنا ہے کہ اس تندخو نے — ق کیا بن کے خونخوار پھر قصد یاں کا
جو آتا ہے آنے دو اس تیغ زن کو — ڈرے وہ میاں جس کو خطرہ ہو جاں کا

(۱۱۲)

ہوا مسکن اپنا در اس دلستاں کا — یہ سر ہو چکا اب اسی آستاں کا
ہمارے تحمل کو وہ جانتا ہے — اُٹھاتا ہے جو ناز دل سے بتاں کا
طلب اس کے لب سے جو بوسہ کریں ہم — تو کب ہے یہ مقدور اپنی زباں کا
لگے کہنے جب حال اپنا تو اس نے — کہا طول چھوڑو نظیرؔ اس بیاں کا
کوئی ایک دو بات کہنی ہو کہہ لو — میاں تم نے چھیڑا یہ قصہ کہاں کا

(۱۱۳)

یہ بھلا ہوا جو اس نے نہ سحر نقاب الٹا — نہیں سوئے تحت[۲] پھرتا وہیں آفتاب الٹا
مجھے بیقرار کرنا جو نہ تھا اسے تو پھر کیوں — بصد انتظار آکر بصد اضطراب الٹا
تجل اس کے آگے ہونے میں لگا تو وہ نگہ کی — کہ پہونچ کے تا در دل وہیں پھر حجاب الٹا
کہا پاؤں دابنے کو میں نے چوم لی کف پا — تو بجائے لطف کیا کیا بسر عتاب الٹا
مری خاک پر جو آیا تو ہنسا کہ لے یہ گل ہیں — یہی گل کھلا کے واں سے وہ صنم شتاب الٹا
بھرے جام چشم کیا کیا مے اشک سے وہ میکش — جو اخیر بزم دیکھے قدح شراب الٹا

[لہ] کتاں اسی ریس کا ایک کپڑا تیار کیا جاتا ہے، جو مشہور ہے کہ چاندنی میں پھٹ جاتا ہے ۱۲
[۲] تحت نیچے
عبدالباری آسی

گیا گھر نظیر اس کے بہزار نامرادی
پہ ہزار شکر دہاں سے وہ ہو کامیاب اُلٹا

(۱۱۴)

خط بھی آیا تو بھی ظالم مجھ کو ترساتا رہا
جیسے شرماتا تھا جب ویسے ہی شرماتا رہا

آہ کے نالے کے ٹھنڈی سانس کے یا اشک کے
اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا

سہو سے اک شب جو میرا لگ گیا زلفوں کو ہاتھ
کیا کہوں کیا کیا بلا سر پر مرے لاتا رہا

وہ تو وہ پر اُس کی کج ذاتی کو دیکھا چاہیے
زلفِ کافر کا بھی ایک اک بال بل کھاتا رہا

اُٹھ گیا پردا جو اُس رشک پری کے منہ سے رات
اسقدر دل غش میں آکر آپ سے جاتا رہا

جو سر اُس کا رکھ کے زانو پر میں چشم تر سے آہ
دو گھڑی تک پانی اُس کے منہ میں ٹپکاتا رہا

یار سے ہو کر خفا غیروں سے کیا ملنا نظیر
منہ سے ٹھہرا ایر جب پھر دم سے کیا ناتا رہا

(۱۱۵)

کیا ڈھب ہے دل کو لینا اور اجتناب کرنا
آپ عشرتوں سے رہنا ہم کو خراب کرنا

کیا جانے یاد آئی کس شوخ چلبلے کی
کچھ بے طرح ہے دل کا آج اضطراب کرنا

پیتے ہیں مدتوں سے ناصح جو ہم تو اس کو
کہنے سے تیرے کب ہو ترک شراب کرنا

بھولیں نظیر کیونکر ہم اس معاملے کو
ق دیکھا جو خواب میں بھی اس کا حجاب کرنا

اپنا وہ پاس جانا - کہنا کہ ملیے اے جاں
اس کا پرے[۱] سرکنا، رکنا، عتاب کرنا

(۱۱۶)

شیوۂ ناز ہوش چھل جانا
طرزِ رفتار دل کچل جانا

صفِ مژگاں کے جھوک سے گر گر
ہم سے کب ہو سکا سنبھل جانا

[۱] پرے سرکنا - علیحدہ ہٹنا ۱۲ عبدالباری آسی

اس نے آنے کہا ہے صبح۔ اے رشک ق
تو پلک سے نہ ایک پل جانا
ہم ابھی منتظر ہیں آنے کے
دن ڈھلے گا تو تو بھی ڈھل جانا

دل نے یکھا ہے بے طرح سے نظیرؔ
بن کہے، بن سنے، نکل جانا

(۱۱۷)

ہے ناز اسے ہر دم، میں منتظر آنے کا
اب دیکھیے جلوہ ہو کس طرفہ بہانے کا
دیکھ اس صف مژگاں کو وہ شکل ہوئی دل کی
ہو جاتا ہے تیروں سے جو حال نشانے کا
صد چاک ہوا کیا کیا دل رشک کے آرے سے
جب ربط نظر آیا اس زلف سے شانے کا
ہر لحظہ نئی چھیڑیں ہر دم خلش تازہ
ہے کام بہت مشکل کچھ ناز اُٹھانے کا

ٹھہرا تھا نظیرؔ آنا اور یاں جو نہ آیا وہ
کچھ ناز کیا شاید پھر راہ دکھانے کا

(۱۱۸)

ادا کے توسن پر اس صنم کو جو آج ہم نے سوار دیکھا
تو ہلتے ہی ٹک عناں کے کیا کیا چھلتے صبر و قرار دیکھا
جھمک پہ مژگاں کے جب نگہ کی تو اُسنے اک پل میں ہوش ٹالا
جو چشم و غمزہ کی طرز دیکھی تو جادو اس کا شعار دیکھا
جو دیکھی اس کی وہ تیغ ابرو تو جی کو ہیبت نے آن گھیرا
نگہ جو کاکل کے دام پر کی تو دل کو اسکا شکار دیکھا
حنا جو ہاتھوں میں اسکے دیکھی تو رنگ دل کا ہوا عجب کچھ
کمر بھی دیکھی تو ایسی نازک کہ مو بھی اس پر نثار دیکھا

وہ دیکھ لیتا ہماری جانب تو اسمیں ہوتی کچھ اور خوبی
پر اسنے ہرگز ادھر نہ دیکھا نظیرؔ ہم نے ہزار دیکھا

(۱۱۹)

اگر ہے منظور یہ کہ ہووے ہمارے سینے کا داغ ٹھنڈا
تو آ لپٹ گلے سے اے جاں جھمک سے کر جھپ چراغ ٹھنڈا

ہم اور تم ایک جان دو قالب تمہارا امیرا ہے ایک تن من
لگایا تم نے جبیں پہ صندل ہوا ہمارا دماغ ٹھنڈا

لبوں سے لگتے ہی ہو گئی تھی تمام سردی دل و جگر میں
دیا تھا ساقی نے رات ہم کو کچھ ایسی مے کا ایاغ ٹھنڈا

درخت بھیگے ہیں کل کے مینھ سے تپن چمن میں بھرا ہے پانی
جو سیر کیجیے تو آج صاحب عجب طرح کا ہے باغ ٹھنڈا

وہی سبب کامل نظیر اس جا وہی ہے روشن دل اے عزیزو
ہوا سے دنیا کی جس کے دل کا نہ ہووے ہرگز چراغ ٹھنڈا

(۱۲۰)

شب مہ میں دیکھا اس کا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے یوں چمک چمک کے چلنا
روش ستم میں آنا تو قدم اٹھانا جلدی
جو رہ کرم میں آنا تو ٹھمک ٹھمک کے چلنا
نہ دھڑک ہو جو نکلنا تو سر خطر پہ ٹھٹھیا کر
جو نظر گزر سے ڈرنا تو جھجک جھجک کے چلنا
جو نوازشوں میں آنا تو اکڑ کے دوش جانا
جو سر عتاب ہونا تو پھٹک پھٹک کے چلنا

ہے کھبا نظیر اب تو مرے جی میں اس صنم کا
وہ اکڑ کے دھج دکھانا وہ ہمک ہمک کے چلنا

(۱۲۱)

آن نے دل سے لیا جیسے کہوں اس آن کیا
اب ادا کی تاب لاؤں ایسی مجھ میں جان کیا
لے کے دل پھر بیٹھا ہے دین لینے وہ بھی ہم
دل دیا جس کو نہ دیں گے اس کو ہم ایمان کیا
جانے پاتا واں نہیں یاں گھر میں دل لگتا نہیں
میں کروں یارو بھلا اس درد کا درمان کیا
کر کے دل خوگر تبسم سے جو لی تیوری چڑھا
تم نے تو یہ طرز کی اب میں کروں اے جان کیا
کیوں ہوس کرتا ہے بیجا ہو کے بیقدر اے نظیر
اس کی محفل میں تجھے گر دخل ہو امکان کیا

(۱۲۲)

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کہ وہ کیا چیز تھا ہاں باندھ لیا

ہم نے جب بات کی اس غنچہ دہن سے کھل کر
پہلے جب اس کے رقیبوں کا دہاں[1] باندھ لیا

جنت و خلد و ارم سب نظر آجاتے ہیں
دھیان محبوب کے کوچے کا جہاں باندھ لیا

گر کہے کوئی کہ ہم زلف سے چھوٹ آئے ہیں
سب غلط، پھر کوئی چھوٹے ہے جہاں باندھ لیا

ق
ہنستے ہنستے یہ کہا میں نے کل اس سے اے جاں
سچ کہو تم نے مرے دل کو کہاں باندھ[2] لیا

دل کو خوباں سے گرہ کہتے کہہ کہہ کے نظیر
کوئی دن ہم نے بھی خوب اپنا سماں باندھ لیا

(۱۲۳)

اُس نے کہا کہ مجھ سا غنچہ دہن ہے کون سا
مینے کہا کہ واقعی اس میں سخن ہے کون سا

دیکھے ہے کیا چمن کو تو جسکی چمن سے رنگ بو
دیکھے تو دیکھ اُسے کہ وہ رشک چمن ہے کون سا

قبلہ نما کی طرح سے تکتی ہے جسکو چشم خلق
ایسے تو اب تمھیں ہو اور قبلۂ من ہے کون سا

لعل و دُر اس کے دیکھکر ہم نے نجانا پھر کے یاں
لعل یمن ہے کون سا دُرِ عدن ہے کون سا

اُسکی جو بوئے زلف سے رکھے ہے عزم ہمسری
میں بھی تو دیکھوں ٹک اُسے مشک ختن ہے کون سا

تو جو نظیر شادماں بیٹھا ہے گھر بنا کے یاں
کچھ تو خیال کر میاں تیرا وطن ہے کون سا

(۱۲۴)

گرم یہاں یوں تو بڑا حُسن کا بازار رہا
میں فقط ایک دکان ہی کا خریدار رہا

جب سے دیکھا اُسے پھر آئینۂ چشم کے بیچ
تادم مرگ وہی عکس نمودار رہا

کس طرح دیکھتے ہم جاکے چمن میں سنبل
دل تو اس کاکل مشکیں کا گرفتار رہا

آپھنسا جو کوئی اس دام گہ ہستی میں
تھا جو دانا تو بہت زیست سے بیزار رہا

[1] دہاں باندھ لیا یعنی منھ بند کر دیا۔
[2] غزل کے پہلے مصرع اور اس مصرع میں باندھ لیا بمعنی گرفتار کیے ہیں ۱۲ آسی

بس جو ہوتا تو نہ رہتا کبھی : نیا میں نظیرؔ
تھا جو بے بس کوئی اس دام میں ناچار رہا

(۱۲۵)

آنے کا عہد اس کے گر بیچ نظر میں آتا
تو اشک لحظہ لحظہ کیوں چشم تر میں آتا

پہلو میں اپنے ہوتا کیا کیا سرور دل کو
گر ایک دم ہمارے وہ شوخ بر میں آتا

تیر نگاہ چلتا اس کا تو پھر نہ ہمدم
جاتا کہیں نہ ہرگز سیدھا جگر میں آتا

طائر کو دل کے اُس نے باندھا نظیرؔ جو تھا ق
چھٹتا تو وہ ادھر کو اک پہر بھر میں آتا

شہرت جو ہے کہ چھوٹا شاید غلط ہے یارو
گر چھوٹتا تو آخر اپنے ہی گھر میں آتا

(۱۲۶)

محفل میں اپنی ہم کو جس دم وہ بار دے گا
اپنا نہال اُلفت اس دن ہی بار دے گا

دست حنائی اس کے مت دیکھ ہر دم اے دل
پھر ہاتھ سے تو اپنا صبر و قرار دے گا

دیکھ اس سے ہم کو ناخوش اک ہمنشیں نے پوچھا ق
بن دیکھے اس کے تم کو یہ دل قرار دے گا

ہم نے کہا کہ اب تو ہم اس گھڑی اٹھیں گے
جب ایک بوسہ ہم کو وہ گلعذار دے گا

بولا نظیرؔ تم کو ہے چار دن کی چاہت
وہ تند خو تمھیں تو کیا ایک چار دے گا

(۱۲۷)

کچھ تو ہو کر دو بدو کچھ ڈرتے ڈرتے کہہ دیا
دل پہ جو گزرا تھا ہم نے آگے اس کے کہہ دیا

باتوں باتوں میں جو ہم نے درد دل کا بھی کہا
سن کے بولا تو نے یہ کیا بکتے بکتے کہہ دیا

اب کہیں کیا اس سے جدم دل لگاتے وقت آہ
تھا جو کچھ کہنا سو وہ تو ہم نے پہلے کہہ دیا

چاہ رکھتے تھے چھپائے ہم تو لیکن اس کا بھید ق
کچھ تو ہم نے سامنے اک ہمنشیں کے کہہ دیا

یہ ستم دیکھو ذرا منھ سے نکلتے ہی نظیرؔ
اس نے اُس سے اُس نے اِس سے اس نے اس سے کہدیا

(۱۲۸)

کہا تھا ہم نے تجھے تو اے دل کہ جاہ کی مے کو تو نہ پینا
جو اس کو پی کر تو ایسا بہکا کہ ہم کو مشکل ہوا ہے جینا

جو آنکھیں چنچل کی دیکھیں ہم نے تو نوک مژگاں نے دل کو چھیدا
نگہ نے ہوش و خرد کو لوٹا ادا نے صبر و قرار چھینا

کہا جو ہم نے کہ آن لگیے ہمارے سینے سے اس دم ایجاں
تو سن کے اس نے حیا کی ایسی کہ آیا منھ پہ وہیں پسینا

کیا ہے غصہ میں ہاتھ لاکر میرا گریبان جو ٹکڑے اس نے
پھٹا ہی رہتا ہے اب تو بہتر نہیں مناسب کچھ اس کو سینا

کہا تھا آؤں گا دو ہی دن میں وہ لے نہ آیا وہ شوخ اب تک
گنا جو ہم نے نظیرؔ دل میں تو اس سخن کو ہوا مہینا

(۱۲۹)

صنم کے کوچے میں چھپ کے جانا اگرچہ یوں ہے خیال دل کا
پہ وہ تو جاتے ہی تاڑے گا پھر آنا ہوگا محال دل کا

کہے اشکوں کے یاں نکل کر جھمک دکھائی جو اپنی ہر دم
تو ہم نے جانا کہ موتیوں سے بھرا ہے پہلو میں تھال دل کا

کبھی اشارت کبھی لگاوٹ کبھی تبسم کبھی تکلم
یہ طرزیں ٹھہریں تو ہم سے پھر یہ بھلا جی کیونکر سنبھال دل کا

وہ زلف پر پیچ و خم ہے اس کی پھنسا تو نکلے گا پھر نہ ہرگز

ہمارا کہنا ہے سچ ارے جی تو کام اس سے نہ ڈال دل کا

میں لحظہ لحظہ ہوں کھینچ لاتا وہ پھر اسی کی طرف ہے جاتا
کروں نظیرؔ اس کی فکر میں کیا ہے اب تو میرے یہ حال دل کا

(۱۳۰)

نہ چھوڑے دل کو وہ افسوں نگہ لڑانے کا
جو کچھ ہو دیر تو پھر ڈھب ہے مسکرانے کا

حیا سے وہ تو نہ کرتا نگہ، ولیکن سب ہے
یہ لطف پنجۂ مژگاں کے گدگدانے کا

بتوں کی زلف فراموش دل کو ہو کیونکر
بسیرا بھولے ہے طائر کب آشیانے کا

پڑیں گے پاؤں ہم اس جامہ زیب کے اے دل
جو ہاتھ آگیا دامن کسی بہانے کا

لیا جو دست حنا بستہ سے دل اس نے نظیرؔ
یہی مآل ہے اس کے حنا لگانے کا

(۱۳۱)

خوش ہوئی سینہ میں مژگاں کی جھپک تیر لگا
تو بھی اے جنبش ابرو کوئی شمشیر لگا

کیا ہی خوش وقت ہوا کر کے مرے دل کو صید
یعنی کیا خوب مرے ہاتھ یہ نخچیر لگا

ہم تو پھنستے نہ ترے دام میں لیکن ہیہات
لے گئی دل کو تری زلف گرہ گیر لگا

ق

میں کہا کیوں نہیں اس شوخ سے ملتا تو نظیرؔ
سن کے اس بات کو یوں کہنے وہ دلگیر لگا

میں تو کیا پر زے اڑا دے وہ بھی اگر کوئی
اس کی دیوار سے دیوے مری تصویر لگا

(۱۳۲)

کلال گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کا جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب ہی عیش مدام کرتا

جو پاتا لذت بسان مستاں مئے محبت سے تیری زاہد

لہ لگا کر ہے جانا بہلا پھسلا کر ساتھ لے جانا ۱۲ ۔ کلال ۔ کمہار ۱۲ آسی

تو خانقہ سے نکل کے اپنی وہ میکدے میں قیام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مے کشی کی فرشتے ہو جائے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مے خوری کی فرشتے ہو جاتے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں اُن کو سلام کرتا
(مکرر)

نظیرؔ آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو مجھ کو لے کر وہ شوخ اپنا غلام کرتا

(۱۳۳)

گر چشم اُٹھا رخ پر مرآتؔ[1] لقا ہونا
ہے ایک جو دو کرتی اس تیغ سے ابرو کی
اُس نخلہؔ[2] قامت کا یہ پھل ہے کہ دیکھ اسکو
کافر سے رسا کا بھی ہے لطف یہ کچھ جس سے
گو حسن سے فندقؔ[3] کے دل شاد ہوا لیکن

گر سر بہ گریباں ہو ہم چشم حیا ہونا
یہ فائدہ ہے یعنی یکتا سے دوتا ہونا
جوں نخل خزاں دیدہ بے برگ و نوا ہونا
ہر صبح نسیم آسا زنجیر بپا ہونا
پڑتا ہے کئی دن تک انگشت نما ہونا

بالفرض سراپا پر ہو کوئی نظیرؔ عاشق
اُس سے بھی پھر آخر کو ہے بے سر و پا ہونا

(۱۳۴)

گرم گلشن کا جو کل وہ رشک مہر و مہ گیا
طرۂ آوارہ خندہ بدن سے کامل پہر تک
دیکھ اُسے رنگ بہار و سرو و گل اور آ بجو

ق

جب پھرا واں سے تو گل بازار تک ہمرہ گیا
گل سے زر بلبل سے چہ چہ کبک سے قہقہہ گیا
اک اُڑا اک گر گیا اک جل گیا اک بہ گیا

[1] مرآۃ آئینہ ۱۲
[2] نخلہ یعنی نخل ۱۲
[3] فندق ایک میوہ کا نام جسے پورے تشبیہ دیتے ہیں ۱۲ آسی

ہوگیا سنتے ہی بیدم بیقرار و بے حواس
گوش دل میں نامہ بر کیا جانے کیا کچھ کہہ گیا

وائے آخر ہم رہے اور نے وہ سرو گلعذار
قصہ خوانوں کے مگر کہنے کو قصہ رہ گیا

کس توقع پر کرے یاں کی کوئی ثروت بہم
جب کہ خالی ہاتھ اسکندر سا شاہنشہ گیا

غور سے دیکھا تو اُس کے طاق ہستی پر نظیر
اتنی حشمت تھی فقط اک آئینہ ہی رہ گیا

(۱۳۵)

اس سرخ لب سے ہم نے لعل یمن کو دیکھا
جب ہنس دیا تو سلک دُرِّ عدن کو دیکھا

تارنگہ ہمارا ہے آج تک بھی رنگیں
کل ہم نے ایک ایسے گل پیرہن کو دیکھا

سنبل[1] ہوئی تصدق دیکھ اس صنم کے کاکل
نسریں[2] نثار لائی جب اُس کے تن کو دیکھا

بلبل نے ہو کے نازاں کل یوں کہا جو ہم سے
ق
میں نے تو گل کو تم نے اس گلبدن کو دیکھا

ہم نے نظیر ہنس کر جب اس کو یہ سنایا
تو نے چمن کو ہم نے رشک چمن کو دیکھا

(۱۳۶)

دل ہم نے جو چشم بت بیباک سے باندھا
پھر نشہ صہبا سے نہ تریاک[3] سے باندھا

اس زلف سے جب ربط ہوا جی کو تو ہم نے
شانے کا تصور دل صد چاک سے باندھا

دیکھا نہ قد سرو کو پھر ہم نے چمن میں
جس دن سے دل اس قامت چالاک سے باندھا

جو آہوئے دل بھاگ گیا اس صید فگن کو
ق
جھپ اس نے اسے کاکل پیچاک[4] سے باندھا

اور جو نہ پسند آیا اسے وہ تو نظیر آہ
نے صید کیا اس کو نہ فتراک سے باندھا

(۱۳۷)

پایا مزا یہ ہم نے اپنی نگہ لڑی کا
جو دیکھتا پڑا ہے غصہ گھڑی گھڑی کا

[1] سنبل کو اب مذکر بولتے ہیں ۱۲ [2] نسرین سیوتی ۱۲ [3] تریاک - افیون ۱۲ [4] پیچاک پیچیدہ ۱۲ آسی

عقدہ تو نازنیں کے ابرو کا ہم نے کھولا
اب کھولنا ہے اس کی خاطر کی گلجھڑی[1] کا

اس رشک مہ کے آگے کیا قدر ہے پری کی
کب پہونچے حسن اس کو ایسی گرہ پڑی[2] کا

ق

اس گلبدن نے ہنس کر اک لیکے شاخ نسریں
ہم سے کہا کہ کیجیے کچھ وصف اس چھڑی کا

جب ہم نظیر بولے اے جاں یہ وہ چھڑی ہے
دل ٹوٹتا ہے جس پر جوں پھول پنکھڑی کا

(۱۳۸)

جن دنوں حسن بتاں کے دل پئے نظارہ تھا
سو بسو ہر دم دواں اور کو بکو آوارہ تھا

مدتوں میں ایک دن ہم دل سے ملنے کو گئے
کس لیے مربوط اس سے اپنا جی ہموارہ[3] تھا

وہ تو لعل بے بہا تھا جا کے دیکھا ہم نے کیا
جور سے سنگیں دلوں کے شیشۂ صد پارہ تھا

تھے پڑے پہلو کے نیچے بجائے بستر خار و خس
اور بزیر سر عوض بالش کے سنگ خارہ تھا

کھو چکا تھا بیوفاؤں میں جو عمر اپنی نظیر
لب پہ آہ سرد تھی اشکوں سے تر رخسارہ تھا

(۱۳۹)

ہوا خورشید کے دیکھے سے دونا اضطراب اپنا
کہ یہ نکلا سحر کو اور نہ نکلا آفتاب اپنا

ترے منھ کے جو ہر دم روبرو آنے کو کہتا ہے
ذرا آئینہ لے کر منھ تو دیکھے آفتاب اپنا

نہ اتنا ظلم کر اے چاندنی بہر خدا چھپ جا
تجھے دیکھے سے یاد آتا ہے مجھ کو ماہتاب اپنا

خفا دیکھا ہے اس کو خواب میں دل سخت مضطر ہے
کھلا دے دیکھیے کیا کیا گل تعبیر خواب اپنا

سحر آسا عیاں ہوتے ہی لی راہ عدم ہم نے
ہوا آنا بھی اور جانا بھی ایسا کچھ شتاب اپنا

نظیر اس بحر میں فرصت کم اور عیش و طرب لاکھوں
تو پھر اب حق سجانہٗ کرے کیا کیا حباب اپنا

لہ گلجھڑی۔ گرہ۔ گتھی
۲ سلہ گرہ پڑی۔ گتھی گزری بھیڑ
۳ سلہ ہموارہ۔ ہمیشہ۔ اسی

(۱۴۰)

عشق کا مارا نہ صحرا ہی میں کچھ چوپٹ پڑا — ہے جہاں اس کا عمل وہ شہر بھی ہے پٹ پڑا

عاشقوں کے قتل کو کیا تیز ہے ابرو کی تیغ — ٹک اُدھر جنبش ہوئی اور سر اِدھر سے کٹ پڑا

اشک کی نوک مژہ پر شیشہ بازی دیکھیے — کیا کلائیں کھیلتا ہے بانس پر یہ نٹ پڑا

شاید اس غنچہ دہن کو ہنستے دیکھا باغ میں — اب تلک غنچہ بلائیں لیتا ہے چپٹ چپٹ پڑا

دیکھ کر اُس کے سراپا کو یہ کہتی ہے پری — سر سے لیکر پاؤں تک یاں حسن آ کر بھیٹ پڑا

کیا تماشا ہے کہ وہ چنچل ہٹیلا چلبلا — اور سے تو ہٹ گیا پر میرے دل پر ہٹ پڑا

کیا ہوا گو مر گیا فرہاد لیکن دوستو — بیستوں پر ہو رہا ہے آج تک کھٹ کھٹ پڑا

ہجر کی شب میں جو کھینچی آن کر نالے نے تیغ — کی سپٹے بازی وہ لے تاثیر سے ہٹ ہٹ پڑا

دل بڑھا کر اس میں کھینچی آہ نے پھر نیمچہ
اے نظیر آخر وہ اس کا نیمچہ بھی بٹ پڑا

(۱۴۱)

گل جو وہ دلربا اِدھر آیا — ق — دل کو لینے کو تھا مگر آیا

دوسرے دن بھی شوخ پھر فرا — اس طرف جب ہوئی سحر آیا

پھر گیا دھج دکھا کے پھر دم میں — مسکراتا وہ سیمبر آیا

میں نے جانا یہ دل نہ چھوڑے گا — ہے اسی کی یہ تاک پر آیا

جب یہ دیکھا تو میں نظیر اک دن
خود ہی دل اس کے نذر کر آیا

(۱۴۲)

جب ہمنشیں ہمارا بھی عہد شباب تھا — ق — کیا کیا نشاط و عیش سے دل کامیاب تھا

حیرت ہے اس کی زود روی کیا کہیں ہم آہ — نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

لہ چوپٹ پڑنا یعنی بالکل تباہ ہونا چوپٹ پڑنا یہاں اسی معنی میں ہے ۱۲ ع۲ شیشہ بازی جسکو کہتے ہیں یعنی شیشے کے برتن وغیرہ سر پر رکھ کر بانس اور لکڑیوں وغیرہ پر چڑھتے ہیں ۱۲ ع۳ نٹوں کی کثرت سے کرتب ۱۲ ع۵ ہٹ پڑا یعنی اسکے لینے کے لیے بڑھا ہوا ۱۲ ع۶ یعنی پہاڑ پر تیشہ زنی کی آوازیں آرہی ہیں ۱۲ ع۷ چپٹ پڑنا یہاں اُلٹا پڑنا کے معنی میں ہے ۱۲ آسی

تھا جب وہ جلوہ گر تو دل و جاں میں دمبدم
عشرت کی حد نہ عیش و طرب کا حساب تھا

تھے باغ زندگی کے اُسی سے ہی آب و رنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام اے نظیر
مجموعۂ حیات کا لُب لُباب تھا

(۱۴۳)

اگر اُس گلبدن کا دل میں کچھ آثار ہو پیدا
تو پھر اپنے ہی سینے میں عجب گلزار ہو پیدا

ہم اپنے قتل ہونے کا ابھی جوہر دکھا دیویں
اگر قاتل کی ابرو کی کہیں تلوار ہو پیدا

تجلی طور کی ٹھہری نگاہوں میں ٹھہر جائے
اگر موسیٰ سا کوئی طالب دیدار ہو پیدا

بس آئینے میں یکبارگی جمال اس کا نظر آئے
تو روز حشر تک اُس میں نہ پھر زنگار ہو پیدا

اگر انکار کی لذت کو ہم سمجھیں تو پھر یارو
اُسی انکار کے پردے میں پھر اقرار ہو پیدا

کروں زنار اپنی گردن دل کا نظیر اس کو
اگر اس زلف کافر کا کبھی اک تار ہو پیدا

(۱۴۴)

دل پری رویوں کی چاہت سے تو ہے معذور کیا
اُن کے دیوانوں میں تنہا ہے تو ہی مشہور کیا

وصفِ حسن حور و پری کا یوں کہا اک بات کر
حُسن میں ہم سے زیادہ ہے پری اور حور کیا

جب کہا ہم تو تمہیں اُٹھنے نہ دیں گے بزم سے
ہنس کے فرمایا کسی کی تاب کیا مقدور کیا

جتنے دل لیتے ہیں پھر رکھتے ہیں اُسکو تلخ کام
کیوں لا جی ان شیریں لبوں کا ہے یہی دستور کیا

منھ بنا کے کس لیے بیٹھے ہو دل تو دے چکے
اب جبیں کرنے سے پرچیں ہے تمھیں منظور کیا

جاں اگر درکار ہے تم کو تو کہتے کیوں نہیں
اُس کا بھی دے ڈالنا اے جاں ہے ہمکو دور کیا

تو جو ہو کر دو بدو آج اس کو دیکھ آیا نظیر
اس کا بدلہ تجھ سے وہ لیگا تو ہے مسرور کیا

(۱۴۵)

جب اُس کے ہی ملنے سے ناکام آیا
تو یارب یہ دل میرا کس کام آیا

کبھی اس تغافل منش کی طرف سے
نہ قاصد نہ نامہ نہ پیغام آیا

صد افسوس دم اپنا نکلا ہے کس دم
کہ جب گھر سے گھر تک وہ گلفام آیا

مجھے صبح کو قتل کر وہ مسیحا
جو گھر اپنے فرخندہ فرجام آیا

ق

کسی نے مری بات بھی واں نہ پوچھی
اگرچہ ہر اک خاص اور عام آیا

غرض پھر اُسی کو جو یاد آئی میری
تو گھبرا کے جس دم ہوئی شام آیا

جلایا اُٹھایا گلے سے لگایا
عزیزو پھر آخر وہی کام آیا

گئی بیوفائی نظیر اب جہاں سے
وفا داریوں کا بھی ہنگام آیا

(۱۴۶)

بحسب عقل تو کوئی نہیں سامان ملنے کا
مگر دنیا سے لیجا دیں گے ہم ارمان ملنے کا

عجب مشکل ہے کیا کہیے بغیر از جان دینے کے
کوئی نقشہ نظر آتا نہیں آسان ملنے کا

ہمیں تو خاک میں جا کر بھی کیا کیا بیکلی ہو گی
جب آجاوے گا اس غنچہ دہن سے دھیان ملنے کا

کسی سے ملنے آئے تھے سو یاں بھی ہو چلے[لہ] اکدم
کہے دیتا ہوں یہ مجھ پر نہیں احسان ملنے کا

نظیر اک عمر ہم اس دلربا کے وصل کی خاطر
بہت روئے بہت چیخے پہ کیا امکان ملنے کا

ہماری بیقراری اضطرابی[ٹہ] کچھ نہ کام آئی
وہ خود ہی آملا جب وقت آیا آن ملنے کا

(۱۴۷)

تمہاری زلف کا اے یار ہم سے بل نہ گیا
ہمارے دل سی[سہ] اک بال بھر خلل نہ گیا

ہمیں ہیں دیکھ جو قدموں پہ گر رہے ہیں ترے
دگرنہ یاں سے میاں ہاتھ کون مل نہ گیا

لہ ہو چلے یعنی ملاقات کرتے چلے ۱۲ ٹہ اضطرابی یعنی بے چینی اکثر فصحا کے نزدیک درست نہیں ہے ۱۲ سہ سی یعنی سے یہ قدیم دہان کا لفظ ہے اور نظیر کے سامنے ہی قریب قریب متروک ہو چکا تھا ۱۲ آسی

جلا کے پر جو لگن میں پڑا اسلگتا ہے
پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا

(۱۴۸)

دیکھیئے جلوہ جو اُس کے حُسنِ بالادست کا
حوصلہ اتنا کہاں اپنی نگاہِ پست کا

بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار
یہ خدنگِ صاف تھا کس بے نشاں کی شست کا

(۱۴۹)

اک پردۂ ہستی نہ رہا، جوں نظر آیا
وہ پردہ برانداز ہمیں کیوں نظر آیا؟

اُس مہر پر انوار سے، شبنم کی طرح، ہم
گم ہوتے گئے، ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

(۱۵۰)

سرسبز دل جلوں کو نہ ہرگز کرے فلک
دانہ کہیں اُگا ہے جو آتش میں بھُن گیا

جب سے ہوئے ہیں وہ لبِ جاں بخش جلوہ گر
تب سے تمام نسخۂ عیسیٰ کا گُن گیا

(۱۵۱)

لا کر ہر اک ادا میں نہ ہو غیب تا نہ چٹکلا
چٹکی بجا کے چھوڑے ہے ہر بار چٹکلا

سب جانتے ہیں چٹکلا بازی نظیر کی
اس کے ہر اک سخن میں ہے لے یار چٹکلا

متفرقات ردیف الف

لائے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا	۱	جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا
دل ہوا نظر دن سے بسمل ابروے دلخواہ کا	۲	تھا وہی پہلا دن اُس بسمل کی بسم اللہ کا
نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا	۳	بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا
بہار آئی ہے کیا ہر شاخ گل پر لے مکاں اپنا	۴	بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا
پہونچے نہ ذیل وصف میں سست اُسکے نام کا	۵	موصوف ہو جو خاص خدا کے کلام کا

حسن بالادست
حسن بلند مرتبہ
وغیرہ
بن گیا یعنی اثر جاتا رہا
قابل - دامن
آتی

دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمیں پڑھتی ہے	٦	آیۂ انبتہا اللہ نباتاً حسنا
چمن طراز حقیقی نے اپنی صنعت سے	٧	کسی کو پھول بنایا، کسی کو گھاس کیا
وصل اُس کا ہو تا کیونکر میسر	٨	وہ نورِ جان تھا، میں آب وگل تھا
ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے	٩	کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا
ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر	١٠	کام مشکل تھا پر اللہ نے آسان کیا
جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر	١١	خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا
جو وصف زلف کا پوچھا تو حلقے حلقے کو	١٢	مآب و مرجع و ملجاے صد اسیر کہا
دیکھ اُسے رنگ بہار و سرو وگل اور جویبار	١٣	اک اُڑا، اک گر گیا، اک جل گیا، اک بہ گیا
تو ہے وہ گل، اے جان، کہ ترے باغ میں ہر شوق	١٤	جبریل کو بلبل کی طرح نعرہ زنی کا
ہے کون سی وہ چشم نہیں جس میں اُس کا نور؟	١٥	ہے کون سا وہ دل کہ نہیں جس میں اُس کی جا؟
بدن گل، چہرہ گل، رخسار گل، لب گل، دہن ہی گل	١٦	سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہی ڈھیر پھولوں کا
نظیر اب اس ندامت سے کہوں کیا	١٧	فَآہا ثُمَّ آہا ثُمَّ آہا
ہے کف پا وہ مصفا کہ جسے دھیان میں لا	١٨	پاے نظارہ یہ کہتا ہے "پھسل جاؤنگا"
نہ آئی بو جو ذرا تیرے مصحفِ رخ کی	١٩	نسیم پھاڑ گئی آ کے ہر ورق گل کا
اب تو ذرا سا گاؤں ہی بیٹی نہ دے اسے	٢٠	لگتا تھا ورنہ، چین کا داماد آگرا
ہم وہ درخت ہیں کہ جسے دم بدم اجل	٢١	ادھر ادھر دکھاتی ہے، اُدھر تبر قضا
بتوں کی ناز برداری میں بھی تیری عبادت کی	٢٢	مری اس بندگی کا اب تو ہی شاہد ہے معبودا
عزیزو کیا پڑے سوتے ہو غفلت میں؛ ذرا جاگو	٢٣	جرس فریاد می دارد کہ "بربندید محمل ہا"
ہوئی جو رد و بدل راے کتنی بار نظیر	٢٤	تو اُس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا
ہے تاج گنج میں اب تو نظیر کا میلا	٢٥	نظیر کیا ہے عجب بے نظیر کا میلا

شفیع خدا اس کو
اچھی طرح اگا سکے
سو بیس افسوس
پھر افسوس پھر
افسوس ۱۲ آسی

ردیف باء

(۱۵۲)

دیا جو ساقی نے ساغر مے دکھا کے آن اک ہمیں لبالب
اگرچہ میکش تو ہم نئے تھے پہ لب پہ رکھتے ہی پی گئے سب

نہ دے ہمیں آ کے کوئی دھوکا۔ کہ ہے تصور میں وہ تو بیٹھا
کب اس کا یہ قد کب اس کا یہ تن کب اس کا یہ رخ کب اس کا یہ لب

چلے ہیں دینے کو ہم جسے دل وہ ہنس کے لے لے بس اب ہمیں تو
یہی ہے خواہش، یہی تمنا۔ یہی ہے مقصد۔ یہی ہے مطلب

کبھی جو آتے ہیں دیکھنے ہم تو آپ تیوری کو ہیں چڑھاتے
جو ہر دم آویں تو کیجے خفگی میاں ہم آتے ہیں ایسے کب کب

نہ پی تھی ہم نے یہ مے تو جب تک نظیرؔ ہم میں تھا دین و ایماں
لگا لبوں سے وہ جام پھر تو کہاں کا دین اور کہاں کا مذہب

(۱۵۳)

جب کھلے اس معجزہ آرا کے لب
بند ہوئے حضرت عیسیٰ کے لب

عشق میں اس گوہر نایاب کے
آج تک خشک ہیں دریا کے لب

نام سے اس لب کے ہیں لب ریز شہد
خلد کی حوران شکر خا کے لب

لعل بھی ہو رشک سے یاقوتِ زرد
دیکھے اگر اس دُرِ یکتا کے لب

ایک تبسم سے بنے لالہ فام
ایسے ہیں اس شاہد رعنا کے لب

اس لب جاں بخش کے آگے نظیرؔ
کس کو خوش آئیں گے مسیحا کے لب

(١٥٤)

ہیں گرچہ یاں تو اور بھی محبوب خوب خوب — لیکن اُسی کو کہتے ہیں سب خوب خوب خوب
تام خدا میں کیا کہوں اس گل کے حسن میں — کیا کیا عیاں ہیں ناز کے اسلوب خوب خوب
فرقت میں اب کے بار تو دلدار نے ہمیں — خوبی سے کیا ہی بھیجے ہیں مکتوب خوب خوب
فضل الٰہی اب تو نظیرؔ اپنی بزم میں — اسباب سب ہیں عشرت مرغوب خوب خوب

ہیں اس طرف تو ساقی و مطرب کرشمہ سنج
اور اس طرف کو بیٹھے ہیں محبوب خوب خوب

(١٥٥)

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے باآب و تاب — اہل صورت کا ہے دریا اہل معنی کا سراب ق
وہ عظیم الشان مکاں دیتی تھیں جنکی رفعتیں — ہنس کے طاق آسماں کو طاق ابرو سے جواب
وہ مطلا قصر وہ رنگیں منقش بام و در — وہ مرصع خوابگاہیں بہر عیش و بہر خواب
صحن میں بستاں سرا ایسے پُر از غلمان و حور — جن کی انہار [1] وں میں جائے آب گل خالص گلاب
وہ مطلا قصر رنگین و منقش بام و در — جن کی رنگینی سے تھا قصر ارم کو پیچ و تاب
ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنھیں کہتے تھے لوگ — کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب
مہر وش، بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش — مشتری پیکر، ثریا بارگہ کیواں جناب
وہ تجمل وہ تموّل وہ تفوق وہ غرور — وہ تحشم وہ تنعم وہ تعیش وہ شباب
ہر طرف فوج بتاں ہر سو ہجوم گل رخاں — جن کے عارض رنج ماہ و رشک روئے آفتاب
چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی — طنز و تعریض و کنایت، غمزہ و ناز و عتاب
صبح سے شام تک اور شام سے لے تا صبح — دمبدم رقص و سرود اور پے بہ پے جام شراب
ساقی و مطرب ندیم و مستی و مے خوارگی — ساغر و مینا و گل، عطر و مے و نقل و کباب
کثرت اہل نشاط و جوش نوشا نوش مے — از زمیں تا آسماں شور نے و چنگ و رباب

[1] نہر کی جمع انہار ہے۔ پھر انہار کو بصورت جمع از ر[illegible] کہنا صحیح نہیں اب اس کے استعمال سے اجتناب ضرور ہے متقدمین بے پروائی سے الفاظ لکھ جاتے تھے ۱۲ [2] مطلا لفظ فارسی ہے اہل فارس نے بقاعدۂ عربی اسکو اسم مفعول کی صورت میں استعمال کیا ہے مگر اس کی صحت میں کلام ہے اگرچہ آج بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ لبنبۂ وغیرہ بھی اسی قسم کے لفظ ہیں ۱۲ آسی

(وله)

وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور
یا تو وہ ہنگامۂ نشیط تھا یا دفعتاً
جو وہ سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر
تھا جہاں وہ مجمع رنگین وہاں اب ہے تو کیا
ہیں اگر دو خشت باہم تو لب افسوس ہیں
اور جو کوئی طاق ہے تو صورت چشم پر آب

وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں عدّ و حساب
کر دیا ایسا کچھ اس دور فلک نے انقلاب
رہ گئے عبرت فزا وہ قصر ویران و خراب
نقش سُم گور یا کہنہ کوئی پر عقاب

خواب کہیے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۶)

بحر ہستی میں صحبت احباب
یوں ہے جیسے بر وئے آب حباب
گردش آسماں میں ہم کیا ہیں
پر کاہ ہے میانہ گرداب
بادۂ ناب کیا ہے خون جگر
زردی رنگ ہے شب مہتاب
جس کو رقص و سرود کہتے ہیں
وہ بھی ہے اک ہولے خانہ خراب
عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے
مثل تحریر موج نقش بر آب
جسم کیا روح کی ہے جولانگاہ
روح کیا اک سوار پا بر کاب
حسن اور عشق کیا ہیں یہ بھی ہیں
خطفۂ برق و قطرۂ سیماب
زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں
ایک مثل خیال و دیگر خواب
فرصت عمر قطرۂ شبنم
وصل محبوب گوہر نایاب
کیوں نہ عشرت دوچند ہو جو ملے
یار مہ چہرہ اور شب مہتاب

سب کنایوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

سه نشیط نشاط۔ خوشی ۱۲ سه خطفه بجلی کی چمک ۱۲ آسی

(۱۵۷)

رات کھینچا جو اُسنے رُخ سے نقاب
اس حنابستہ دست کو پہونچے
اس کو توسن پہ کل جو ہم نے نظیرؔ
چوم لی باگ اس طرح پہلے

ق

چھٹ گئی روئے ماہ پر مہتاب
پنجۂ آفتاب میں کیا تاب
آتے دیکھا ادھر شتاب شتاب
جی میں خوش ہوگیا دل بیتاب

مل کے پھر چشم دامن زین سے
جھاڑی پلکوں سے گرد روئے رکاب

(۱۵۸)

تمھارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش

ق

جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب
کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب

یہ سن کے میں نے نظیرؔ اس سے یوں کہا ہنس کر
جو کوئی بوسے تو البتہ بولیے صاحب

۵ا مہتاب پھلجھڑی
۵ا پہنچے یعنی اسکا
... حاصل کرے
عبدالباری آسی

(۱۵۹)

خوباں میں اس طرح ہے وہ دلخواہ سب سے خوب
جوں وقت شب ستاروں میں ہو ماہ سب سے خوب

محبوب کا جو وصل تصور میں ہو تو پھر
مشتاق وصل کو ہے یہی راہ سب سے خوب

دل جس کو چاہتا ہے وہی جانے چاہ کو
اپنی تو فہم میں ہے وہی چاہ سب سے خوب

کیسا ہی وہ بُرا ہو پہ لگ جائے جس سے دل
لگتا ہے جی کو پھر وہی واللہ سب سے خوب

خوبی میں خوبرو تو سبھی خوب ہیں نظیر
پر خوب غورؔ کی تو ہے اللہ سب سے خوب

(۱۶۰)

ہوا جو اُس کا وہ کوچہ چمن سرشت نصیب
یہ کم نصیب ہوے ہم، کہ بعد مرگ نظیر
خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
ہوئی مزار کو اپنے، نہ ایک خشت نصیب

(۱۶۱)

دل سا دُرِ یتیم بِکا کوڑیوں کے مول
بازارِ یوسفی نے نہ دیکھی تھیں خواب میں
کیا کیجیے، خیر، یہ بھی خریدار کے نصیب
جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب

(۱۶۲)

میں ہوں اور مہرو ہے اور ساقی ہے اور بزم شراب
ثروت و مال و منال و حشمت و جاہ و جلال
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
کوئی اسکو کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں یہ خواب

(۱۶۳)

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
کیوں نہ عشرت دوچند ہو جو ملے
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
یارِ مہ چہرہ اور شب مہتاب

متفرقات ردیف (ب)

ساغر کے لب سے پوچھیے اُس لب کی لذتیں	۲۶	کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب
ہو حسن اثر کیوں نہ مری آہ میں، یا رب؟	۲۷	سب کچھ ہے مُہیا تری درگاہ میں، یا رب
گزرے نہ دم نہ خوشی سے کبھی اے بد نصیب	۲۸	تھی عجب کلک وہ جس سے مرے لکھوائے نصیب
بقول حضرت صائب، ہزار حیف، نظیر	۲۹	کہ در بہار ندارم بکف بہائے شراب
ایک نظر گر تجھے دیکھیں، تو شادی سے پھر	۳۰	مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

ل غور بہ تذکیر و بہ تانیث دونوں طرح صحیح ہے ۱۲ عبدالباری آسی

ردیف بائے فارسی (پ)

(۱۶۴)

ہے جو اس محبوب کے انگشتری در دست چپ	رکھتی ہے کیا کیا نزاکت پروری در دست چپ

جس کماں کو کھینچتا ہے وہ بت ابرو کماں	اسکے قبضے میں ہے سوزنیت وری در دست چپ

کچھ جو لکھتا ہے قلم لے کر تو پھر کیا کیا رقم	کرتے ہیں قرطاس پر زیب آوری در دست چپ

کل تو دائیں ہاتھ میں تسبیح رکھتا تھا نظیر	ق	اور مصلے کی عنایت گستری در دست چپ

آج صہبا کی گلابی اس کے ہے در دست راست
اور چھلکتی مے کی ایک پیالی بھری در دست چپ

(۱۶۵)

کیونکر رہے نہ آہ وہ اُلفت پذیر چپ	سحر نگاہ کا جسے کر دیوے پیر چپ

بوسہ جو مانگتے ہیں تو منہ پر طمانچہ مار	کرتا ہے شوخ ہم کو سمجھ کر حقیر چپ

کل کل میں ہم نے پھنس کے جو شکوہ کیا ذرا	بولی وہ چشم اس کی وہیں "اے اسیر چپ"

دیکھ اس نے ہم کو چیں بجبیں ہو کے یوں کہا	ق	دیکھے ہے بے طرح ہمیں ہو کر یہ پیر چپ

چاہا کہیں کہ پیر کے کیا دل نہیں میاں
تیوری کو اس کی دیکھ رہے ہم نظیر چپ

(۱۶۶)

کب غیر نے یہ ستم سہے چپ	ایسے تھے ہمیں جو ہو رہے چپ

شکوہ تو کریں ہم اس سے اکثر	پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ

سُن شور گلی میں اپنی ہر دم	بولا کبھی تم نہ یاں رہے چپ

جب ہم نے کہا نظیر اس سے	ق	ہم رہنے کے یاں نہیں گہے چپ

سوچو تو کبھی چمن میں اے جاں
بلبل نے کیے ہیں پیچھے چپ

(۱۶۷)

دل کو لیکر ہم سے اب جاں بھی طلب کرتے ہیں آپ
لیجیے حاضر ہے پر یہ تو غضب کرتے ہیں آپ

مورد تقصیر گر ہوتے تو لازم تھی سزا
یہ جفا پھر کہیے ہم پر کس سبب کرتے ہیں آپ

کرتے ہو ابرو سے گشتہ رخ سے دیتے ہو جلا
حسن میں اعجاز کیا کیا روز و شب کرتے ہیں آپ

قیس سے جو تھا کیا در پردہ لیلا نے سلوک
سو وہی اے مہرباں ہم سے بھی اب کرتے ہیں آپ

بیکلی ہوتی ہے حسرت سے دل صد چاک کو
اپنی زلف عنبریں کو شانہ جب کرتے ہیں آپ

ق
ہم نے پوچھا پھر بھی اسکی جاں پھری سب جسم میں
نزع میں دوری سے جس کو جاں بلب کرتے ہیں آپ

ہنسکے فرمایا نظیر اپنی دعائے لطف سے
یہ بھی ہو سکتا ہے کیا اس کا عجب کرتے ہیں آپ

ردیف تاء فوقانی (ت)

(۱۶۸)

کسی نے رات کہا اس کی دیکھ کر صورت
کہ میں غلام ہوں اس شکل کا بہر صورت

ہیں آئینے کے بھی کیا طالع اب سکندر واہ | کہ اس نگار کی دیکھے ہے ہر سحر صورت
عجب بہار ہوئی کل تو وقت نظارہ | جو میں ادھر کو ہوا اُس نے کی اُدھر صورت
ق
اُدھر کو جب میں گیا اُس نے لی ادھر کو پھیر | پھرا میں اُس نے پھرائی جدھر جدھر صورت

ہزاروں پھرتیاں میں نے تو کیں پر اسے نظیرؔ
نہ دیکھنے دی مجھے اپنی آنکھ بھر صورت

(۱٦۹)

دل ہے یوں پہلو میں یاد بت گلفام سمیت | جیسے رہتا ہے انگوٹھی میں نگیں نام سمیت
کھل گئی مکھڑے پہ جب کاکل مشکیں اس کی | آئی اس وقت نظر ہم کو سحر شام سمیت
جب گیا باغ میں وہ غنچہ دہن مے گوں چشم | آ گیا رشک میں بستہ گل بادام سمیت
دیکھی ساقی کے حنا بستہ مہ رشک میں جب | بوسۂ دست لیا ہم نے لب جام سمیت

خوش ہوا دیکھ کے کیا کیا چمنستاں کو نظیرؔ
جب وہ گلشن میں گیا اپنے گل اندام سمیت

(۱۷۰)

کھل گیا رخسار اس کا جس گھڑی کاکل سمیت | حسن کے گلشن کا دیکھا ہم نے گل سنبل سمیت
ہم کو دیکھا باغ میں اس نازنیں کے ساتھ جب | ہو گئی محو نگاہ رشک بلبل گل سمیت
بزم میں اس کی بہار چشم مے گوں دیکھ کر | کیا کہوں کیا کیا ہوا مدہوش ساقی مل سمیت
اُس کے بازو کی لچک سے لگ گئے یوں ملتا ہے دل | جس کی جنبش پر فدا ہو شاخ گل بلبل سمیت

خوش ہوا دل میں وہ نا خوش وہ ظاہر میں نظیرؔ
آ گیا اس کی نظر جب ہاتھ میرا گل سمیت

(۱۷۱)

کیا نام خدا اپنی بھی رسوائی ہے کمبخت | رسوائی مجنوں بھی تماشائی ہے کمبخت

لڑنے کو لڑے اُس سے پر اب کرتے ہیں افسوس ... افسوس عجب اپنی بھی دانائی ہے کمبخت
اک بات بھی مل کر نہ کریں اُس سے ہم اے چرخ ... کیا تجھ کو یہی بات پسند آئی ہے کمبخت
ہمدم تو یہی کہتے ہیں چل بزم میں اُس کی ... کیا کہیئے اُسے اپنی جو خود رائی ہے کمبخت
وہ تو نہیں واقف پہ ہمیں دل میں خجل ہیں ... کس منہ سے کہیں ہم نے قسم کھائی ہے کمبخت
یار دہمیں تکلیف نہ دو سیر چمن کی ۱ ... آنے دو بلا سے جو بہار آئی ہے کمبخت
رہنے دو ہمیں کنج قفس میں کہ ہمارے ... قسمت میں یہی گوشۂ تنہائی ہے کمبخت
اس جام نگوں سے مئے راحت نہ طلب کر ... یاں بادہ نہیں بادیہ پیمائی ہے کمبخت

توڑے ہیں بہت شیشۂ دل جس نے نظیر آہ
پھر چرخ وہی گنبد مینائی ہے کمبخت

(۱۷۲)

قسمت میں گر ہماری، یہ مے ہے تو ساقیا ... بے اختیار، آپ سے شیشہ کرے گا جست
کچھ ہم کو امتیاز نہیں صاف و دُردکا ... اے ساقیانِ بزم، بیارید ہرچہ ہست

متفرقات ردیف (ت)

فرد

تری قُدرت کی قدرت، کون پاسکتا ہے کیا قدرت ... ترے آگے کوئی قادر کب آسکتا ہے، کیا قدرت

ردیف تاء ہندی (ٹ)

(۱۷۳)

گلے سے دل کے رہی یوں ہے زلف یار لپیٹ ... کہ جوں سپیرے کی گردن میں جائے مار لپیٹ
مزے اٹھاتے کمر بند کی طرح سے اگر ... کمر سے یار کی جاتے ہم ایک بار لپیٹ

سلہ غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو + مجھے دماغ نہیں خندہائے بیجا کا غالب ۱۲
سلہ آسماں جام نگوں داں کز مے عشرت تہی است جستن بیجا ست سا غرنشاں ۶ الہی است آسی (جامی)

ہمارے پاس وہ آیا تو کھول کر آغوش
وہیں وہ دور سرک کر عتاب سے بولا

ت

یہ چاہا جاویں ہم اُس سے بہ انکسار لپیٹ
ہمارے ساتھ نہ ہو کر تو بیقرار لپیٹ

ہمیں جو چاہیں تو لپٹیں نظیر اب ورنہ
تو چاہے پیلٹے سو ممکن نہیں ہزار لپیٹ

(۱۷۴)

نگہ لڑانے کے آگے اسکی ہے ناز کرتی بڑی لگاوٹ
حنا دکھانے کے سامنے بھی ہے دست بستہ کھڑی لگاوٹ

دکھا کے جیں کو جبیں کے اوپر اسے تو کچھ حسن ہے دکھاتا
جو سادہ دل ہو تو سمجھے خفگی اور اس کی ہو وہ بڑی لگاوٹ

چھڑی اُٹھاتا ہے جب وہ گل کی تو ہے کچھ اس میں بھی گل کھلاتا
لگا دے تن پر وہ جس کے ہنس کر تو وہ چھڑی ہو چھڑی لگاوٹ

خفا ہو جس سے تو وہ یہ جانے کہ مجھ سے روٹھا بس اب ولیکن
پھنسا وہ پھندے میں مدتوں کو جہاں تک اسکی لڑی لگاوٹ

نظیر دل کو بچاوے یار و کب اس صنم سے کہ جس میں ہووے
گھڑی مچلنا۔ گھڑی چہکنا۔ گھڑی جھجکنا گھڑی لگاوٹ

(۱۷۵)

صورت کبھی دکھلائی تو اس میں بھی لگاوٹ
آتے نہیں اوّل تو کبھی، اور کہیں شاید
جس بات میں کچھ رمز تھی اور ہم جو نہ سمجھے
بوسے کا جو اقرار کیا وہ بھی فقط چہل
ہنسنے میں نظیر اس کے لگاوٹ تو ہے لیکن

باتوں کی جو ٹھہرائی تو اس میں بھی لگاوٹ
تشریف جو فرمائی تو اس میں بھی لگاوٹ
وہ ہم کو جو سمجھائی تو اس میں بھی لگاوٹ
اور ہنس کے قسم کھائی تو اس میں بھی لگاوٹ
ابرو میں جو چیں آئی تو اس میں بھی لگاوٹ

ردیف ثاء مثلثہ (ث)

(۱۷۶)

بتوں کی چاہ نہیں ہم کو دل پذیر عبث — ہم ان کی زلف میں ہوتے نہیں اسیر عبث
کتاں جو عشق کے باعث سے ٹکڑے ہوتا ہے — اگر کچھ اس سے کرے ہمسری حریر[1] عبث
وہ ہم کو جھڑکے ہے اور لوگ ہنس کے کہتے ہیں — کرے ہے چاہ بڑھاپے میں دیکھو پیر عبث
بھکے تھے بوسے کو لینے، نپائے جب ہیہات — ہم اس کی نظروں میں اسے دل ہوے حقیر عبث

وہ پوچھتا بھی نہیں اور نہ منھ لگاتا ہے
لپٹتے پھرتے ہو اس سے میاں نظیر عبث

(۱۷۷)

دے کے دل بے مہر کو کرنا گلا یہ بھی عبث — اور جو کہیے اس سے مت کر تو جفا یہ بھی عبث
دام میں پھنس کر غلط فہمی ہے کہنا چھوڑ دو — پھر جو یہ کہیے نہ کیجے اب رہا یہ بھی عبث
ہوں جو بے درد ان سے کیا رکھیے توقع لطف کی — کچھ اگر رکھیے تو پھر ہوتا ہے کیا یہ بھی عبث
سن کے خواہش بوسہ و دشنام کی بولا وہ شوخ — یہ تمنا بھی ہے بے جا مدعا یہ بھی عبث

جب نہ ہو دشنام کے دینے کے لائق تو نظیر
پھر جو بوسے کے لیے تو نے کہا یہ بھی عبث

ردیف جیم (ج)

(۱۷۸)

کرنے لگا دل طلب جب وہ بت خوش مزاج — ہم نے کہا جان کل اُس نے کہا ہنس کے آج
زلف نے اس کی دیا کاکل سنبل کو رشک — چشم سیہ نے لیا چشم سے آہو کے باج[2]

[1] حریر۔ ایک ریشمی کپڑا ۱۲۔
[2] باج۔ خراج محصول ۱۲ آسی

اس کی وہ بیمار چشم دیکھ رہا تو، جو دل — رہ تو سہی میں ترا کرتا ہوں کیسا علاج
کام پڑا آن کر چاہے جس دن ہمیں — پھٹ گئے اس روز سے اور جو تھے کام کاج

دل تو نہ دیتے ہم آہ لے گئی لیکن نظیر
اس کی جبیں کی حیا اور وہ آنکھوں کی لاج

(۱۷۹)

اس کے تشریف جو لانے کی خبر پائی آج — دل نے کی پھر ہوس انجمن آرائی آج
کیوں نہ جوں جام ہنسیں ہم کہ بہت مدت میں — اپنے دلخواہ پھر اک گنبد مینائی آج
ہوگئی باغ میں عطریت سنبل برباد — نکہت اس زلف کی لے کر جو صبا آئی آج
ق
اس کے کوچے کی طرف جانے میں ہم نے ہمدم — امتحاں کو جو ذرا دیر کی ٹھہرائی آج

شام نزدیک جب آئی تو کہا اس نے نظیر
کیا سبب ہے نہیں آیا جو وہ سودائی آج

لہ تکل۔ ایک قسم کا پتنگ جس میں ڈور کا نہیں ہوتی ہیں ۱۲ [illegible] سرپیچ پگڑی۔ جیغہ ۱۲

ردیف جیم فارسی (چ)

(۱۸۰)

بتوں کی کاکلوں نے دیکھ کر پیچ — پڑے ہیں دل پہ کیا کیا پیچ پر پیچ
طریق عشق بے رہبر نہ ہو طے — کہ ہے یہ رہ نہایت پیچ در پیچ
نہ ہووے دل کی تنگی کٹ کے برباد — اگر ڈالے نہ وہ تار نظر پیچ
وہ زلف اس کی جو ہے پیچ در پر خم — کمند جاں ہے اے دل اسکا ہر پیچ
ق
نظیر اک روز اپنے زخم سر کو — جو باندھا ہم نے دے کر بیشتر پیچ
نظر کرتے ہی اس سرکش نے اک بار — کہا کر کے سخن کا مختصر پیچ
دعا دیجے ہماری تیغ کو آج — کہ جس نے آپ کو بخشا یہ سر پیچ

(۱۸۱)

اس کے بالا ہے اب وہ کان کے بیچ
دل کو اس کی ہوا نے آن[2] کے بیچ
آتے اس کو ادھر سُنا جس دم
راہ دیکھی بہت نظیرؔ اس کی

جس کی کھبتی ہے جھوک[1] جان کے بیچ
کر دیا باؤلا اک آن کے بیچ
ق آگئی انبساط جان کے بیچ
جب نہ آیا وہ اس مکان کے بیچ

پان بھی پاندان میں بند رہے
عطر بھی قید عطر دان کے بیچ

(۱۸۲)

کی تم نے جفا ہم نے وفا جھوٹ ہے یا سچ
غصہ بھی کیا دُکھ بھی دیے تم نے ولیکن
تم ہم سے کئی بار خفا ہو گئے اے جان
جو تم نے کہا اس کے بجا لانے میں ہم نے

سوچو تو اسے دل میں ذرا جھوٹ ہے یا سچ
چپ ہو رہے ہم سر کو جھکا جھوٹ ہے یا سچ
پر ہم نہ ہوئے تم سے خفا جھوٹ ہے یا سچ
اک لحظہ توقف نہ کیا جھوٹ ہے یا سچ

سن کر یہ نظیرؔ اس نے کہا ہنس کے بصد ناز
جانے اسے اب میری بلا جھوٹ ہے یا سچ

نظیرؔ یار سے کیوں درد دل نہیں کہتا؟ ۲۳ سُنا نہیں ہے وہ تو نے کہ "سانچ کو کیا آنچ"؟

ردیف حاء حطی (ح)

(۱۸۳)

کچھ ایسی ہے کوئے یار کی صُبح
نکھرا جو کھُلا سحر کو اس کا
کی زلف سیہ نے منفعل شام

ہو جس سے خجل بہار کی صُبح
گردوں نے وہیں نثار کی صُبح
رخسار نے شرمسار کی صُبح

[1] جھوک - لرزش لچک - ریلا خمیدگی دھکا۔ [2] آن بمعنی ساعت - [3] لفظ - دونوں مصرعوں میں آیا ہے - ممکن ہے کہ یہ تحریف کاتب ہو - مگر مطابق اصل رکھ دیا گیا - ورنہ یہ ایطائے جلی کی بدترین مثال ہے - آسی

رہتا ہے جہاں وہ یار ہم کو
اُس گل نے سنی جو بے قراری
فرمایا کریں گے ہم تسلّی
ق
بھاتی ہے اُسی دیار کی صبح
میرے دلِ بیقرار کی صبح
اس خستۂ دل فگار کی صبح

(۱۸۴)

تھی چھوٹی اس کے مکھڑے پر کل زلف مسلسل اور طرح
پھر دیکھا آج تو اس گل کے تھے کاکل کے بل اور طرح

وہ دیکھ جھڑکتا ہے ہم کو، کر غصّہ ہر دم اور رہیں
ہے چین اسی کے ملنے سے زنہار نہیں کل اور طرح

معلوم نہیں کیا بات کہی غمّاز نے اس سے جو ہم سے
تھیں پہلی باتیں اور نمط اب بولے ہے چنچل اور طرح

دل مجھ سے اس کے ملنے کو کہتا ہے تو اس کے پاس مجھے
جب لے پہونچا تھا بھیس بدل پھر اب کے لے چل اور طرح

ہے کتنے دنوں سے عشق نظیرؔ اس یار کا ہم کو جب کی ہیں
صبح اور برن شام اور پھبن آج اور دوش کل اور طرح

(۱۸۵)

آرسی نے ایسی دیکھی حسن میں کس کی طرح
محفل خوباں میں آیا جس گھڑی وہ مہ جبیں
دیکھ کر حیرت زدہ محبوب نے مجھ سے کہا
جب نہ میں کچھ کہہ سکا تب ہنس کے اُسنے ناز سے
ق
جو کھلی ہی رہ گئی آنکھ اس کی نرگس کی طرح
ہو گئی وہ انجمن انجم کی مجلس کی طرح
دے نشاں اس کا تو اب حیرت میں جنکی طرح
رکھ کے آئینے پر انگلی یوں کہا اس کی طرح

جس کو کہتے ہیں نگاہ لطف خوباں اے نظیرؔ
ہے وہ مثل کیمیا ہم منتظر مس کی طرح

ردیف خائے معجمہ (خ)

(۱۸۶)

جب مجھ سے پھیرتا ہے وہ کرکے عتاب رُخ
ہوتا ہے آنسوؤں سے مرا غرق آب رخ

غش سے نہ آوے ہوش میں مجبور ناتواں
چھڑکے اگر نہ لطف سے اس کا گلاب رخ

پھرتے ہیں اُس جبیں کی تمنّا میں مہ جبیں
اور رُخ کے منتظر ہیں کئی آفتاب رخ

ناخن سے میرے رخ کو جو کرتا نہ ہو فگار
تو آکے مجھ کو یار دکھا دے شتاب رخ

تابش سے جس کے چہرے کی خورشید ہو خجل
پھر مہ کب اُس کا دیکھ سکے بے نقاب رخ

جس شخص منتخب کی یہ پوچھیں ہیں جاکے ہم
دیوان حسن میں ہے وہ کیسا کتاب رخ

کہتا ہے وہ کہ جتنے پری رو ہیں اے نظیر
سب میں اُسی کا ہم نے کیا انتخاب رخ

سند دیتی پری کو رخ
دیا نہیں ہو سکتا
انتخی

(۱۸۷)

چھپاتا ہے جو ہم سے وہ صنم رخ
دکھاتا ہے ہمیں کیا کیا الم رخ

نہیں دم لینے دیتی بے قراری
نہ دیکھیں ہم جو اس کا ایک دم رخ

ق

نظر آتی ہے کیا کیا شکل فرحت
ٹک اس کا دیکھ لیتے ہیں جو ہم رخ

نظیر اس دلربا کا حسن ہے وہ
پری جس کے نہیں ہو سکتی ہم رخ

قمر ہر شام تکتا ہے جبیں کو
سحر دیکھے ہے مہر صبحدم رخ

(۱۸۸)

ہم تو ہو جائیں اس سے اب گستاخ
ہونے دے گا مگر وہ کب گستاخ

ق

ایک شب ہم نے بے قراری سے
چھو لی زلف اس کی ہو کے جب گستاخ

لا کے ابرو پہ چیں کہا اُس نے
بن گئے تم تو کوئی عجب گستاخ

ہم تو اس کی بہت سزا دیں گے
کس لیے تم ہوئے بے ادب گستاخ

آج تو زلف چھو لی تم نے نظیر
کل یوں ہی چوم لو گے لب گستاخ

ردیف دال مہملہ (د)

(۱۸۹)

مرہم ہو کس طرح سے دلِ افگار کو پسند
آئی ہے کب شفا دلِ بیمار کو پسند

دل جنس طرفہ اپنی تو ہے فہم میں مگر
جب جانیے کہ آوے خریدار کو پسند

تھے ہم تو خود پسند بہت لیکن عشق میں
اب ہے وہی پسند جو ہو یار کو پسند

کل سے ہمارے پہلو میں فریاد دل نہیں
کیا جانے آگیا وہ کس عیّار کو پسند

آزادگی میں عیش ہیں لاکھوں پر آوے کب
اُس زلفِ پُر شکن کے گرفتار کو پسند

کیونکر نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو دل اُس کا جو کرے
سو جان سے تیغِ ابروئے خمدار کو پسند

کوچے میں دلبروں کے دلِ ناتواں کو ہم
جب لے گئے کہ ہو کسی دلدار کو پسند

واں جس نے دیکھا اُس نے کہا ہنس کے اے میاں
کرتا ہے کون ایسے دلِ زار کو پسند

ناچار پھیر لائے اُسے ہم کہ وہ نظیر
آیا نہ مہرور نہ ستمگار کو پسند

(۱۹۰)

جب ہم کو اس کی زلف کے آئے پسند بند
ایسے پھنسے کہ جس سے بندھے دل کے بند بند

کرنے فریب روز جو آتے ہو تم میاں
ہم کو بھی کتنے یاد ہیں اس ڈھب کے چھند بند

گردن کب ایسی کاکلِ پر پیچ سے چھٹے
بندش میں جس کے حلقہ حلقہ ہے جس کا کمند بند

۱؎ مقبول۔ معین ۱۲
۲؎ چھند بند۔ مکر و فریب ۱۲
۳؎ یعنی جس کے ایک ایک حلقے میں کمند کے بند کا اثر ہے ۱۲ آسی۔

ہوتے ہی قید چاہ میں تڑپا دل اس طرح — پھڑکے ہے جیسے دام میں ہو کر پرند بند

آیا جو وہ تو اس سے نظیرؔ اس طرح ملا
نیمے[1] کے جس میں ٹوٹ گئے اس کے چند بند

(۱۹۱)

در پے ہیں دل اپنے کے ادھر عشوہ گرے چند — خواہندۂ یک جاں ہیں ادھر موکمرے چند
کیا کیا نگس ہوش کے باندھیں ہیں پر و بال — کر کر کے شکر خند، بہم لب شکرے چند
ایک دن یہ ہوا عزم کہ با صد طرب و عیش — ق — گلشن میں بسر کیجیے شام و سحرے چند
جب گھر سے چلا میں تو ملے راہ میں اک جا — حیرت زدہ و خستہ و خونیں جگرے چند
دیکھا جو مجھے سوئے چمن گرم تگ و پو — یوں لب سے کیے پند کے افشاں گہرے چند
اے یار تو جاتا ہے چمن میں تو خبر دار — جلدی ہی نکل آئیو کر کے نظرے چند
واں آج تو البتہ مہیا ہیں بہر سو — داؤدی و نسرین و گل و برگ و برے چند

گل برگ خزاں دیدہ نظیرؔ اس میں اڑیں گے
اور ہوں گے پڑے بلبل و قمری کے پرے چند

(۱۹۲)

چھوٹا، بڑا، نہ کم، نہ منجھولا ازار بند — ہے اُس پری کا سب سے امولا[2] ازار بند
ہر اک قدم پہ شوخ کے زانو کے درمیان — کھاتا ہے کس جھلک سے جھکولا ازار بند
گوٹا، کناری، بادلہ، مقیش کے سوا — تھے چار توڑے موتی، جو تولا ازار بند
ہننے میں ہاتھ میرا کہیں لگ گیا تو وہ — لونڈی سے بولی "جا مرا دھو لا ازار بند"
"اور دھو نہیں، تو پھینک دے، ناپاک ہو گیا، — وہ دوسرا جو ہے، سو پرو لا ازار بند"
اک دن کہا یہ میں نے کہ "اے جان، آپ کا — ہم نے کبھو مزے میں نہ..... ازار بند"
سُن کر لگی یہ کہنے کہ "اے واچھڑے، چہ خوش — ایسا بھی کیا میں رکھتی ہوں، بھولا ازار بند"

لہ نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ - یا ادھنی صدرنی ۱۲
ےہ امولا - بے قیمت بیش بہا
آسی

آجاوے اس طرح سے جواب ہر کسی کے ہاتھ ... ویسا تو کچھ نہیں مرا بھولا ازار بند"

اک رات میرے ساتھ وہ عیار، مکرباز ... لیٹی، چھپا کے اپنا ممولا ازار بند

جب سو گئی تو میں نے بھی دہشت سے اُسکی آ ... پہلے تو چپکے چپکے ٹٹولا ازار بند

آخر بڑی تلاش سے اُس شوخ کا نظیر
جب آدھی رات گزری تو..... ازار بند

(۱۹۳)

تو ہی نہ سنے جب دل ناشاد کی فریاد ... پھر کس سے کریں ہم تری بیداد کی فریاد

تیشے کی وہ کھٹ کھٹ کا نہ تھا غلغلہ یارو ... کی غور تو وہ تھی دل فرہاد کی فریاد

کل رات کو اس شوخ کی جاکر پس دیوار ... اک درد فراہم نے جو بنیاد کی فریاد

سنتے ہی کہا اس نے کہ ہاں دیکھو تو اس جا ... کس نے یہ بلکتی ہوئی ایجاد کی فریاد

فریاد نظیر آگے ہی اس کے ہے بہت خوب
واں دیکھنے کا دیکھنا فریاد کی فریاد

ردیف ذال معجمہ (ذ)

(۱۹۴)

دیا ہمارا اُسے نامہ بر نے جب کاغذ[1] ... تو بولا طیش میں آکر پھر آیا اَب کا غذ

ابھی تو دیر نہ گزری تھی ایک ساعت کی ... وہ سمجھا کیا ہے جو بھیجے ہے جب تب[2] کاغذ

جنوں ہوا اُسے یا خبط جس میں کھو کر ہوش ... گھڑی گھڑی جو وہ لکھتا ہے بےسبب کاغذ

رقم کرے ہے اگر وہ جواب خط ہم کو ... تو کوئی پوچھے اُسے ہم نے بھیجا کب کاغذ

کبھی نہ ہم نے لکھا اُس کو یہ کہ تو یاں آ ... کبھی نہ اس سے کیا بھول کر طلب کاغذ

بغیر لکھنے کے اوپر یہ کچھ قیامت ہے ... کہ پے بہ پے چلے آتے ہیں روز و شب کاغذ

[1] کاغذ بمعنی خط نامہ ۱۲
[2] جب نہ تب گاہ بیگاہ ۱۲ آسی

غرض یہ آکے کہا ہم سے نامہ بر نے نظیرؔ
کہ تم بھی زور ہو اور لکھتے ہو عجب کاغذ

(۱۹۵)

جو پاویں دست بت دلستان کا تعویذ
تو ہم بنا دیں اسے اپنی جان کا تعویذ

یقیں ہو جس کے اثر کا وہ نقش دل کا ہے
قلم سے لکھیئے تو ہے وہ کمان کا تعویذ

جنونِ عشق میں تاثیر کی یہ بو، لاوے
بخط مشک ہو یا زعفران کا تعویذ

کلائی ہم نے جو پکڑی پچک گیا، ہمدم
وہ اس کے دست نزاکت نشان کا تعویذ

نہ اٹھتا پہنچے سے بھاری اسی سبب سے نظیرؔ
بنا تھا بھاپ سے وہ عطردان کا تعویذ

(۱۹۶)

ہو کچھ آسیب تو واں چاہیے گنڈا تعویذ
اور جو ہو عشق کا سایہ تو کرے کیا تعویذ

دل کو جس وقت یہ جن آن کے لپٹا پھر تو
کیا کریں واں وہ جو لکھتے ہیں فلیتا تعویذ

ہم تو جب ہوش میں آویں جو کہیں سے پاویں
یار کے ہاتھ کا بازو کا گلے کا تعویذ

زور تعویذ کا چلتا تو عرب میں یارو
کیا کوئی ایک بھی مجنوں کو نہ دیتا تعویذ

کوہکن کوہ کو کس واسطے کاٹا کرتا
دیتے غم خوار نہ کیا اس کے تئیں لا تعویذ

آخر اس کے بھی گیا دل کا دھڑکنا اس روز
قبر کا تیشے نے جب اس کے تراشا تعویذ

ہم کو بھی کتنے ہی لوگوں نے دیے آہ نظیرؔ
پر کسی کا کوئی کچھ کام نہ آیا تعویذ

مطلع

عشق کا دور کرے دل سے جو دھڑکا تعویذ ۳۴۲ اس دھڑکے[ل] کا کوئی ہم نے نہ دیکھا تعویذ

ل دھڑکے کا تعویذ یعنی زور کا تعویذ ۔۱۲۔ آسی

ردیف رائے مہملہ (ر)

(۱۹۷)

رہا ہے غم سے یوں آنکھوں میں آب ارغوانی بھر[1] — کہ جوں ساغر میں دے ساقی شراب ارغوانی بھر
گُل عارض شگفتہ صبحدم دیکھ اس کا خجلت سے — گیا پانی[2] سحر کا آفتاب ارغوانی بھر
بھری ہے کاسۂ سر میں وہی اپنے ہوا ساقی — کہ جس سے ہے رہا ہے کا حباب ارغوانی بھر
گلوں سے اشک کے اس دیدۂ خونبار نے یارو — دیا اک دم میں دامان سحاب ارغوانی بھر

نظیر اس گل نے بنوائے جو تھے اوراق گلگوں کے
گئی شعروں سے وہ تیرے کتاب ارغوانی بھر

(۱۹۸)

ایک دن اس مہر خوبی کے حضور — بیٹھ کر ہم نے کہا اے رشک حور
ہم کریں عجز و نیاز و انکسار — تم کرو جور و جفا ناز و غرور
کچھ سبب اس کا بتا جو اس گھڑی — یہ تعجب ہو ہمارے دل سے دور
حُسن کے فرمایا کہ گل نے باغ میں — کب لیا بلبل کے دل کو کرکے زور[3]
شمع نے بھی کب کہا پروانے کو — یہ کہ تو جل مجھ پہ ہو کر ناصبور
بلبل و پروانہ جب آپ ہی کریں — اس میں گل اور شمع کا پھر کیا قصور
(ق)

عشق میں بوڑھے ہوئے تم بھی نظیر
اب تلک تم میں نہ آیا کچھ شعور

(۱۹۹)

کس طرح مل جائیے اس اَنچیلے سے دوڑ کر — ڈر کے چلتا ہے جو اپنے دل جلے سے دوڑ کر
گھر سے جب آیا وہ اوپر دیکھنے کو اس کے میں — اُٹھ چلا دیوار کے سایے تلے سے دوڑ کر

---

[1] آب ارغوانی مراد سرخ پانی۔ خون کے آنسو
[2] پانی پھرنا عاجز ہونا ۱۲
[3] زور مکر فریب حیلہ بہانہ ۱۲
[4] چیلا ۔ چلبلا ۱۲ آتشی

عید کے دن بھی نہیں ملتے سمجھ ہم کو برا
شام تک بھی وہ نہ نکلا گھر سے اپنے ہمنشیں
ہاں میاں سچ ہے کہ ملتے ہیں بھلے سے دوڑ کر
کیا ہوا جو ہم گئے تھے دن ڈھلے سے دوڑ کر

آج اس کی فہم میں کیا جانے کیا آیا نظیرؔ
جو ہمارے لگ گیا چنچل گلے سے دوڑ کر

(۲۰۰)

بسمل کے گلے کی نہیں تدبیر کوئی اور
یوں چھوڑ کے زخمی جو ہیں جاتے ہو تم آہ
اس لطف سے جز ہوئے قلم ہائے تقدیر
بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتے تو غضب تھا
جز یہ کہ لگا جائیے شمشیر کوئی اور
کیا ترکش مژگاں میں نہیں تیر کوئی اور
کیا تاب جو کھینچے تری تصویر کوئی اور
صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور

غنچہ بھی تری تنگدلی دیکھ نظیرؔ آہ
کہتا ہے کہ ایسا نہیں دلگیر کوئی اور

(۲۰۱)

یوں آئینے میں عارض تر آئے ہے نظر
حسن صفا سے اس رخ آئینہ رشک پر
کاری وہ زخم سینہ مرا ہے کہ جھانک کر
سینے کو اپنے ہم نے جو سوچا تو ہمنشیں
پانی میں جیسے عکس قمر آئے ہے نظر
ٹھہرے ہے کب نظر وہ اگر آئے ہے نظر
دیکھے اگر کوئی تو جگر آئے ہے نظر
دونوں جہاں میں اس کا ہی در آئے ہے نظر

بھولے ہم اس کے کوچے کو جنت میں کب نظیرؔ
اپنا ہزار کوس سے گھر آئے ہے نظر

(۲۰۲)

ہرگز نہ بلائے مجھے تو آنکھ بدل کر
ہیں کشتہ ابرو بھوں ترا لے مرے قاتل
ساقی ترے کوچے سے نہ جاؤں گا سنبھل کر
آئے ہو لیے ہاتھ میں کیوں تیغ مچل کر

له حالی سے
ہر عزم دیر شاید
کعبے سے پھر کر
اور شہ آتا ہے
سب دور ہی سے
ہم کو نظر اپنا ۱۲
آتی

تم نے تو ابھی دل سے کیا قتل ہے مجھ کو
بیٹھے ہو لبیں باندھ کے باہر جو نکل کر
جب ہم سے خفا ہو کے ہے وہ شمع رو جاتا
خاموش ہو رہ جاتا ہوں پروانہ سا جل کر
میں عاشقِ بے دل ہوں ترا، اے مرے جانی
مست آنکھ چرا ہم سے، تو ایسا نہ خلل کر

کہتا ہے نظیرؔ اس کو ذرا پیار سے تو سو جا
تب اُٹھ کے کھڑا ہوتا ہے وہ شوخ اچھل کر

(۲۰۳)

رہے جو شب کو ہم اُس گل کے ساتھ کوٹھے پر
تو کیا بہار سے گزری ہے رات کوٹھے پر
یہ دھوم دھام رہی صبح تک، اہا ہا ہا!
کسی کے اُترے ہے جیسے برات کوٹھے پر
مکاں جو عیش کا ہاتھ آیا، غیر سے خالی
پٹے کے چلنے لگے پھر تو ہات کوٹھے پر
گرایا، شور کیا، گالیاں دیں، دھوم مچی
عجب طرح کی ہوئی واردات کوٹھے پر
لکھیں ہم عیش کی تختی کو کس طرح اے جاں
قلم زمین کے اوپر، دوات کوٹھے پر
کمند زلف کی لٹکا کے دل کو لے لیجے
یہ جنس یوں نہیں آنے کی ہات کوٹھے پر
خدا کے واسطے زینے کی راہ بتلاؤ
ہمیں بھی کہنی ہے کچھ تم سے بات کوٹھے پر

لپٹ کے سوئے جو اُس گل بدن کے ساتھ نظیرؔ
تمام ہو گئیں حل مشکلات کوٹھے پر

(۲۰۴)

کبھی تو آؤ، ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر
کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر
کرو گے حسن کی کیا تم دُکان کوٹھے پر
تمہیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے
تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر
یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی
تو آ رہے گی تمہارے ہی، جان، کوٹھے پر
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان، کوٹھے پر

لہ لبیں باندھ کر بیٹھنا

بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمہارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جھمک دکھا کے ہمیں اور بھی پھنسانا ہے
جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

تمھیں تو کیا ہے، ولیکن مری خرابی ہو
کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

گو چونے کاری میں ہوتی ہے سُرخی تو ایسی
کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد
کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر

ق

لڑاؤ غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ!
کہ تھا ہمیں تو تمھارا ہی دھیان کوٹھے پر

خدا کے واسطے، اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

کمند زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیرؔ
چڑھا لیا بھے اپنے ندان[1] کوٹھے پر

(۲۰۵)

دھواں کلیجے سے میرے نکلا جلا جو دل بس کہ رشک کھا کر
وہ رشک یہ تھا کہ غیر سے ٹک ہنسا تھا چنچل مسی لگا کر

نقط جو چتون پہ غور کیجے تو وہ بھی وہ سحر ہے کہ جس کا
کرشمہ بندہ، غلام غمزہ، دغائیں نوکر، فریب چاکر

خرام کی ہے وہ طرز یارو کہ جس میں نکلیں کئی ادائیں
قدم جو رکھنا تو تن کے رکھتا جو پھر اُٹھانا تو ڈگمگا کر

لٹک میں بُندوں کی دل جو آوے تو خیر بندے ہی ہو کے لیں
وگرنہ آوے تو پھر نہ چھوڑے ادھر سے بالا جھمک کے کھا کر

مجال کیا ہے جو دو بدو ہو نظر سے کوئی نظر لڑا دے
مگر کسی نے جو اس کو دیکھا تو سو خرابی سے چھپ چھپا کر

سنے کسی کے نہ درد دل کو وگر سنے تو جھڑک کے اس کو

[1] ندان - آخر کار ۱۲ آسی

یہ صاف کہدے تو کیا بلا ہے جو سر پھراتا ہے ناحق آکر

نظیر وہ بت ہے دشمن جاں نہ ملیو اس سے تو دیکھ ہرگز
دگر ملا تو خدا ہے حافظ، بچے ہیں ہم بھی خدا خدا کر

(۲۰۶)

دیتے ہیں جان حور و ملک جس کی آن پر
سبزہ[2] پڑا ہے کان میں اس سبزہ رنگ کے
جگنی پہ جان تڑپے ہے چنپاکلی پہ دل

کیونکر نہ ہو پھر اُس کا دماغ آسمان پر[1]
سر سبزیاں ہیں اب تو زمرد کی کان پر
اور روح لوٹتی ہے پڑی عطر دان پر

کوچے میں اس کے جاتے تھے سینہ سپر کیے
کل تو میاں نظیر بھی کھیلے تھے جان پر

(۲۰۷)

رکھی ہرگز نہ ترے رُخ نے رُخِ بدر کی قدر
عزت و قدر کی اُس گُل سے، توقع ہے عبث
راتی خوار نہ ہے اُس چشمِ فسوں پرور سے
مے پرستوں میں ہی یوں، ساغر و مینا کا وقار

کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شبِ قدر کی قدر
واں، نہ عزت کی کچھ عزت ہے نہ کچھ قدر کی قدر
ہاں، مگر منزلتِ مکر ہے، اور غدر[4] کی قدر
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر[5] کی قدر

گفش برداری سے، اُس مہر کی، چمکا ہے نظیر
ورنہ کیا خاک تھی اس ذرۂ بے قدر کی قدر

غزل مستزاد

(۲۰۸)

یوں ہجر میں روتا ہوں میں اُس گُل کے شب و روز کر نالہ و فریاد جیسے کہ کسی وقت
یوسف کے لیے، روئی تھیں یعقوب کی آنکھیں، ہر شام و سحر کو - خوناب میں بھر بھر

[1] آسمان پر دماغ ہونا۔ غرور ہونا ۱۲
[2] سبزہ۔ سبز رنگ کا بندا جو کان میں پہنا جاتا ہے
زمرد۔ پنا۔
[3] جگنی۔ گلے کا ایک زیور۔
چنپاکلی گلے کا ایک زیور ۱۲
[4] غدر۔ بیوفائی۔ شکست عہد ۱۲
[5] صدر زمانہ شاہی کا ایک معزز عہدہ ۱۲ آسی

خط میں نے جو بھیجا اُسے با حسرت دیدار۔ لکھ خونِ جگر سے۔ اور داغ کی کر مُہر
تکتی رہیں جا کر مرے مکتوب کی آنکھیں۔ اُس رشکِ قمر کو۔ حسرت سے سراسر

(۲۰۹)

پڑی ہے خاک گورستاں میں کیا کیا قدِ موزوں پر
وہ رکھے اینٹ چھاتی پر بزیرِ خاک سوتے ہیں

اُگی ہے گھاس کس کس گلبدن کے رشکِ گلگوں پر
چمکتے تھے سُنہرے قصر جن کے بامِ گردوں پر

(۲۱۰)

لن ترانی نے کیا اپنا ظہور آخرِ کار
قرب سمجھا تھا جسے تو، وہ ہی دوری ای شیخ

موسیٰ بیخود ہوئے اور جل گیا طور آخرِ کار
اُسی نزدیک نے بھینکا تجھے دور آخرِ کار

(۲۱۱)

دنیا ہے ایک نگار فریبندہ جس طرح گر
آج اس پہ تھی کمیں تو لگائی کل اس پہ گھات
ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہر فریب دل
لینے کو نقدِ عمر کے شیریں ہے مثل قند
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
تو بھی جو اس کے پاس لگا دیگا دل تو یار
ہیں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ
تو اس مثل کو سوچ ذرا گر سفر گزیں
کر در میان رہ کوئی مل جائے باغ اُسے
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط
اس حرف کو نظیرؔ کے یاں دل میں دے مکاں

الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر
جیسے مگس کے شہد میں بھر جا دیں بال و پر
حیران ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر
جب بے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
ملتے ہیں اپنے دست تاسف بیک دگر
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
لیکن کہوں میں کیا۔ تجھے در پیش ہے سفر
کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گذر
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۲۱۲)

مستزاد مثلث

بے جرم و خطا یار نہ کر چشم نمائی ۔ تیوری کو چڑھا کر
اور یہ بخشش ہے بجا ہے نہ کر صاف لڑائی ۔ منھ سرخ بنا کر
اس جور کی کب ہم سے ہوئی عہدہ برائی ۔ اتنی نہ جفا کر

کرتا ہوں ترے ہجر میں اے شوخ پریزاد ۔ میں نالہ و فریاد
دیتا نہیں خاطر سے تری لے ستم ایجاد ۔ جب کوئی مری داد
پھر ہار کے دیتا ہوں میں تیری ہی دہائی ۔ ہاتھوں کو اٹھا کر

دل تڑپے ہے بسمل کی طرح جی میں نہیں جی ۔ مشتاق اجل ہوں
آنکھوں میں دم آیا ہے نہیں مرنے میں باقی ۔ چھن[1] یا کوئی پل ہے
لائی مجھے ظالم تری اس درجہ جدائی ۔ بے ہاتھ ملا کر

سدھ لیگئی بانکے کی جھمک صبر کرن بھول اور عقل کو نیندے
ہائے کی گئی بھوک لگا سینہ میں اک ہول[2] ۔ دل لیگئے جھمکے
اور جی کے تئیں لیگئی زنجیر طلائی ۔ زنجیر پنہا کر

کاجل کی کھچی دھٹ نے کیا دل پہ یہ طوفان ۔ جو جوش اٹھا آیا
مسّی[3] کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں ۔ غش پہ غش آیا
ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینے میں لگائی ۔ مہندی کو دکھا کر

کیا اس کی لکھوں اب میں کہوں تن کی لطافت ۔ پیدا ہو نگہ سے
اور اس کے سوا اور یہ نرمی و نزاکت ۔ ٹک ناز و ادا سے
اک پھول اٹھا دے تو مڑک جائے کلائی ۔ بل بکڑوں کھا کر

مستزاد دوم

(۲۱۳)

یہ نور فزا رخ ۔ کرتا ہے نگاہوں کو ترا مطلع انوار
اب تیرے سوا رخ ۔ کس کا ہے بتا نام خدا ایسا چمکدار
فرقت کے الم سے ۔ دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں دن رات
دیکھیں گے ترا رخ ۔ وہ کون سا دن ہوگا مبارک جو تم اے یار

[1] چھن بالکسر لحظہ ساعت ۱۲
[2] ہول ہدل کرنا ۔ کسی دھار دار آلہ کا چبھنا ۱۲
[3] مسی

متفرقات ردیف "ر"

کتنا تنگ صفا ہے کہ پائے نگاہ کا
۳۵ ہلکا سا اک غبار ہے چہرے کے رنگ پر

داغ مرنے کا وہی محروم جانے جسکو، آہ!
۳۶ موت آپہونچی شتاب، اور یا۔ آیا دیر کر

ردیف راے ثقیلہ (ڑ)

(۲۱۴)

اے شوخ، ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ
ایسا ہی چھیڑنا ہے، تو اہلِ وفا کو چھیڑ

چھیڑے گا جب، تو پیش نہ جاویگا کچھ فسوں
اے دل نہ اُس کے افعیِ زلفِ دوتا کو چھیڑ

چھیڑیں تو یاد مجھ کو بھی ہیں گی بہت، لیے
دل کی خوشی یہ ہے کہ نہ اُس دلربا کو چھیڑ

رُک رُک کے اشک چشم کے لایا ہے عنقریب
اے غنچہ لب، بس اب نہ دلِ مبتلا کو چھیڑ

اک حرف چھیڑ کا تو صریحاً نہ کہہ نظیر
چھیڑے تو پردے پردے میں اُس پر جفا کو چھیڑ

(۲۱۵)

یوں ہم اس زلف میں آئے ہیں دلِ زار کو چھوڑ
جیسے جاتا ہے کوئی رات میں بیمار کو چھوڑ

آئی کیا کیا نظر اس دم گل و سنبل کی بہار
رُخ پہ جب اس نے دیا کاکل[۱] بلدار کو چھوڑ

عار کی اس نے تو پھر ہم نے کلائی پکڑی
ق اور نہ جنگل سے دیا دامنِ غبار کو چھوڑ

جب نظیر اس سے کہا چھوڑ تو یوں بولے ہم
دیں کلائی کو بھی اور دامنِ زرتار کو چھوڑ

پر یہ ہے شرط کہ تو ہاتھ میں لے تیغ میاں
یا کوئی ہاتھ ادھر چھوڑ دے یا عار کو چھوڑ

[۱] کاکل بلدار۔ اکثر فصحا ایسی ترکیبوں کو جائز نہیں رکھتے ۱۲ آسی

(۲۱۶)

نازمیں اس نازنیں نے جب لیا منھ ہم سے موڑ
ہم نے جب مارا طمانچہ دل کے اور گردن پکڑ
گر نہ سمجھا آج تک تو اب سمجھ اے بیوقوف
دم میں گھبراتا پھرے گا یاد رکھ اس بات کو

دل نے چاہا کھا کے بل دے رشتۂ اُلفت کو توڑ
دی جھکا اور یوں کہا تو ان کے قدموں کو نہ چھوڑ
یہ تو تجھ کو ایک ہیں اور ان کو تجھ سے ہیں کروڑ
کل نہیں پڑنے کی ایسی ایک کل دیں گے مروڑ

کر یہی جلدی تو اس دم تجھ سے کہتا ہے نظیر
سر جھکا تقصیر بخشا، پاؤں پڑ اور ہاتھ جوڑ

ردیف زاء معجمہ (ز)

(۲۱۷)

آیا ادھر کو اک دن وہ گلبدن نہ ہرگز
کب مل کے بیٹھے ہم سے وہ دلربا کہ اپنا
کیا کیا ہوس کی ہم نے ملنے کی اس سے لیکن
ساعد[۲] ہیں اس صنم کے وہ سیمگوں کہ جن کو

کام آئے کچھ ہمارے اے دل جتن[۱] نہ ہرگز
لگنے دے پیرہن سے جو پیرہن نہ ہرگز
آیا ہمارے بر میں وہ سیمتن نہ ہرگز
نسریں[۳] نہ پہونچے اصلا اور نسترن نہ ہرگز

ہووے ذرا بھی ناخوش وہ خوش خرام جس میں
تو اے نظیر چلیو ایسا چلن نہ ہرگز

(۲۱۸)

جو آوے منھ پہ ترے ماہتاب ہے کیا چیز
یہ پیرہن میں ہے اس گورے گورے تن کی جھلک
بھلا دیں ہم نے کتابیں کہ اُس پری رو کے
تمھارے ہجر میں آنکھیں ہماری مدت سے

غرض یہ ماہ تو کیا آفتاب ہے کیا چیز
کہ جس کے سامنے موتی کی آب ہے کیا چیز
کتابی چہرے کے آگے کتاب ہے کیا چیز
نہیں یہ جانتیں دنیا میں خواب ہے کیا چیز

---

[۱] جتن جراحی۔
[۲] ساعد بنجا۔
[۳] نسرین نسترن، سیوتی رسیوتی سفید پھولوں کا نام ہے نسرین لکھا ہیں، سفید گلاب بھی بتایا گیا ہے آسی

نظیرؔ حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال ۔۔۔ میں کس سے پوچھوں یہ ندرت آب ہی کیا چیز
جو سخت ہووے تو ایسا کہ کوہ آہن کا ۔۔۔ جو نرم ہووے تو برگ گلاب ہے کیا چیز
گھڑی میں سنگ گھڑی موم اور گھڑی فولاد
خدا ہی جانے یہ عالی جناب ہے کیا چیز

ردیف سین مہملہ (س)

(۲۱۹)

دل کے لینے کا رکھ کے دل میں پاس ۔۔۔ آ گیا وہ صنم ہمارے پاس
پہلے آنے سے اس کے آتی ہے ۔۔۔ ہم کو اس زلف عنبریں کی باس
مل کے جب وہ چلا تو ہم نے کہا ۔۔۔ کل بھی گر تم نہ آئے بے وسواس
تو یہ خاطر میں یاد رکھیے گا ۔۔۔ ہے بندھی ایک شے ہمارے پاس
جب نظیرؔ اس نے ہم سے کھلوائی
تھی وہ کیا چیز ریزۂ الماس[1]

(۲۲۰)

گر وہ مژہ ہو مائل جنگ پر طاؤس ۔۔۔ تو سہم[2] سے بے پر ہو خدنگ پر طاؤس
یوں زلف معنبر کے خط سبز ہے نزدیک ۔۔۔ گویا پر طوطی ہے بجنگ پر طاؤس
دکھلا دیں جو ہم داغ دل اپنے کی سیاہی ۔۔۔ پرواز کرے خوف سے رنگ پر طاؤس
دیکھے جو ترے عاشق گل خوردہ کی تصویر ۔۔۔ حیرت زدہ ہو دیدۂ تنگ پر طاؤس
لکھ لکھ کے نظیرؔ اس غزل تازہ کو خوباں
رکھ لیں گے کتابوں میں برنگ پر طاؤس

[1] ریزہ الماس۔ ہیرے کی کنی جسکے کھانے سے کلیجے وغیرہ میں زخم پڑتا ہے اور آدمی مرجاتا ہے ؎
آنسو نہ پئے جائینگے اے ناصح ناداں
ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی۔ داغ ؎
نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزو اعظم ہے۔ غالب

[2] سہم۔ خوف۔ ڈر۔

(۲۲۱)

زلفیں یہ دو نہیں رُخِ دلبر کے آس پاس
ابرِ سیہ ہے ماہِ منور کے آس پاس

تجھ میں تو یہ شمیم نہ تھی، سچ کہہ اے نسیم
کس کی پھری تو زُلفِ معنبر کے آس پاس

گلشن میں جاکے پھرتا ہوں اُس قد کو یاد کر
دو دو پہر میں سرو و صنوبر کے آس پاس

روویں گے ہم تو دیکھیو کوچے میں اپنے یار
پانی ہی پانی ہوگا ہر اک گھر کے آس پاس

اُس شوخ کی طرف میں رقیبوں کے خوف سے
دیکھوں بھی ہوں تو، آہ! نظر بھر کے آس پاس

ہم تو کمر بندھانے کے حیلے سے پھر لیے
ٹپکے کے ساتھ ساتھ ستمگر کے آس پاس

مثلِ بنیٹی آہ کا چکر سا باندھ دوں
پھرنے دے گر وہ اپنے مجھے سر کے آس پاس

باراں ہو، گرچہ، باد ہو، کچھ ہو، ہر ایک بار
پھر آنا اُس صنم کے مجھے گھر کے آس پاس

اے شمع ٹک تو دیکھ کہ پروانہ اس گھڑی
کس کس طرح پھرے ہے ترے سر کے آس پاس

اس چاہ پر تو تجھ کو بھی لازم ہے یہ کہ اب
اُٹھ کے پھرے تو آکے ہر اک سر کے آس پاس

کیا کیا ہجوم ہوں گے محبوں کے اے نظیر
محشر کے روز ساقیِ کوثر کے آس پاس

فرد

ابھی تازہ حلقۂ زلف میں جو پھنسا ہی طائرِ دل بھلا ۳۷ اُسے رنج پہونچے ہے اے صبا تو گھڑی گھڑی ہلا قفس

ردیف شین معجمہ (ش)

(۲۲۲)

ہم نے پوچھا آپ کا آنا ہوا یاں کس روش
ہنس کے فرمایا کہ آئی آپ کے دل کی کشش

دل جو نہیں تڑپا وہیں دلدار آپہونچا شتاب
اپنے دل کی اس قدر تاثیر رکھتی ہے طپش

سیر کو آیا تھا جس گلشن میں کل وہ نازنیں
تھی عجب نازاں بجود اس بات کی ایک یک روش

ڈالی ہے زلف پیچاں گردنِ دل میں کمند
اور رگ جاں سے کرے ہے نشتر مژگاں خلش

بھول کر اس کی جفا کا شکوہ مت کیجیو نظیر
تو پریشاں گو[1] ہے سخت اور یار ہے نازک منش

(۲۲۳)

شیریں کو جیسی جو کی تھی شیر پر نوازش
کتنی کڑی ہے تو بھی سینے سے لگ رہی ہے
دو دن خفا ہو اس سے چاہا جو لطف ہم نے
ہم جب شبیہ اپنی پھینک آئے اُسکے در پر

ویسی ہی اب ہے اس کی مجھ پیر پر نوازش
اس کو یہ ہے طلا کی زنجیر پر نوازش
کہہ کر "چہ خوش" یہ بولا تقصیر پر نوازش
دیکھی تو کر کے اس کی تحریر پر نوازش

ہنس کر نظیر واں سے ٹھوکر لگا ہٹا دی
کی اس نے یہ ہماری تصویر پر نوازش

(۲۲۴)

ہم ایسے کب تھے کہ خود بدولت یہاں بھی کرتے قدم نوازش
مگر یہ اک اک قدم پہ اے جاں فقط عنایت کرم نوازش

کہاں یہ گھر اور کہاں یہ دولت جو آپ آتے ادھر کو اے جاں
جو آن نکلے ہو بندہ پرور تو کیجیے اب کوئی دم نوازش

لگا کے ٹھوکر ہمارے سر پر بلا تمہاری کرے تاسف
کہ ہم تو سمجھے ہیں اس کو دل سے تمہارے سر کی قسم نوازش

جواب مانگا جو نامہ بر سے تو اس نے کھا کر قسم کہا یوں
زبان قلم ہو جو جھوٹ بولے کہ واں نہیں یک قلم نوازش

اُٹھا دیں ناز ان کے ہم نہ کیونکر نظیر دل سے کہ جن کے ہوویں
جفا تلطف، عتاب شفقت، غضب توجہ، ستم نوازش

[1] پریشان گو۔ بکواس کرنے والا بکی۔ فضول گو ۱۲

مقطع

واماندگان راہ تو منزل پہ جا پڑے ۳۸ اب تو بھی اے نظیرؔ یہاں سے قدم تراش

ردیف صاد مہملہ (ص)

(۲۲۵)

جن دنوں ہم کو اس سے تھا اخلاص
کھل رہا تھا وہ جا بجا اخلاص
اس کو بھی ہم سے تھی بہت الفت
اور ہمیں اس سے تھا بڑا اخلاص
مل کے جب بیٹھتے تھے آپس میں
تھا دکھاتا عجب مزا اخلاص
ایک دن ہم میں اور نظیرؔ اس میں ق
ہو کے خفگی جو ہو چکا اخلاص
ہم یہ بولے کدھر گئی الفت
وہ یہ بولا کدھر گیا اخلاص

(۲۲۶)

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص
لیک مشکل ہے ہمنشیں اخلاص
اس کی باریکیاں وہی جانے
ہووے جس شخص کے تئیں اخلاص
رشک سے ایک غیر نے اس کو ق
اپنے دل کا جتا دہیں اخلاص
یوں کہا تم نظیرؔ سے اے جاں
دل سے رکھتے ہو یا یوہیں اخلاص
اس نے اخفائے راز کو میرے
منہ سے اس کے سنا جو ہیں اخلاص
یوں کہا ایسے پوچ لوگوں سے
کوئی رکھتے ہیں نازنیں اخلاص
اس کو ہو کچھ تو خیر وہ جانے
ہم کو تو اس سے کچھ نہیں اخلاص

ردیف ضاد معجمہ (ض)

(۲۲۷)

سنیئے اے جاں کبھی اسیر کی عرض
چھد گیا دل زباں تلک آتے
اس گھڑی کھلکھلا کے ہنس دیجیے
جب تو اس گلبدن شکرلب نے

اپنے کوچے کے جا پذیر کی عرض
ہم نے جب کی نگہ کے تیر کی عرض
ق
ہے یہی اب تو کہنہ پیر کی عرض
یوں کہا سن کے اس حقیر کی عرض

اب تلک دُھن ہے حسن دنداں کی
دیکھ اس پوپلے نظیر کی عرض

(۲۲۸)

کہیے کہاں تک ہیں تم سے ہے جو جو غرض
چشم سے ہم نے کہا لیجیے دل کے تئیں
یار نے ہم سے کہا کچھ ہے تمنا تمھیں
پہلے تو اک بوسہ دو پھر ہمیں دشنام دو

کچھ نہ اگر ہو سکے منھ سے تو بولو غرض
اس نے نشے میں کہا او میاں کس کو غرض
ق
ہم نے کہا جی بہت پر ہے یہ اب تو غرض
اس گھڑی بر لائیے آپ یہی دو غرض

جب یہ سنا یار نے ہنس دیا اور یوں کہا
تم بھی نظیر اب تو میاں خوب کوئی ہو غرض

ردیف طاء مہملہ (ط)

(۲۲۹)

حسن کو ہے دلبری سے ارتباط
ہر مژہ کو تیر سے ہے ہمسری

رُخ کو ہے جاں پروری سے ارتباط
چشم کو افسوں گری سے ارتباط

قد کو ہے سرو سہی سے ہم قدی
تن کو ہے نازک تری سے ارتباط
نازکو شوخی سے ہے پیوستگی
آن کو ہے غارت گری سے ارتباط

مل کے ایسے نازنیں سے پھر نظیرؔ
کب کیا ہم نے پری سے ارتباط

(۲۳۰)

جب ہم نے اسے رقم کیا خط
جھپ نامہ رساں نے لے لیا خط
جاتے ہی دیا جو اس صنم کو
اس نے وہیں پڑھ کے لکھ دیا خط
آیا جو وہ نامہ بر تو ہم نے
خوش ہو کے بہت طلب کیا خط
جب اس نے کہا نظیرؔ ہنس کر
تھا لطف کی وہ جو کیمیا خط

تعویذ شفائے دل سمجھ کر
میں نے ہی وہ دھو کے پی لیا خط

ردیف ظائے معجمہ (ظ)

(۲۳۱)

دل ہے اس کجکلاہ سے محظوظ
جی بھی ہے اس کی چاہ سے محظوظ
تم سے جو ناز ہو کرو اے جاں
ہم ہیں اس رسم و راہ سے محظوظ
خوش پری بھی جو ہو سو ہو ہم تو
ہیں اسی رشک ماہ سے محظوظ
کیا تماشا ہے یاروکل تو نظیرؔ
تھا بہت خانقاہ سے محظوظ

آج بیٹھا ہے میکدے کے بیچ
مغبچے کی نگاہ سے محظوظ

(۲۳۲)

رہا سہہ کر ملال خوش محظوظ — دل سے ہم ہیں کمال خوش محظوظ

خم ابرو سے اس کے ہو تشبیہ — کیوں نہ ہو پھر ہلال خوش محظوظ

خوش نگاہوں کو سن کے آہو چشم — دشت میں ہیں غزال خوش محظوظ

خوب دیکھا تو گل سے بلبل کا — دل ہے گل کی مثال خوش محظوظ

ہے یہی خوب یار سے جو نظیر
رہیئے فی کلِ حال خوش محظوظ

ردیف عین مہملہ (ع)

(۲۳۳)

اس رُخ کی ہمسری میں جو آوے خیال شمع — اتنی تو دھیان میں نہیں آتی مجال شمع

محفل میں اس کے تن کی نزاکت کو دیکھ کر — کرتی ہے اپنے شعلے کا رنج و ملال شمع

ہے مصحفی تو یوں پر پروانہ پر لکھے — لکھنا اگر کسی کو ہو وصف جمال شمع

جاگا جو بزم عیش و طرب میں وہ صبح تک — ق — دیکھا نظیر شرم سے ہم نے یہ حال شمع

ایسی چھپی وہ پردۂ فانوس میں کہ پھر
وقت سحر تلک نہ گیا انفعال شمع

(۲۳۴)

ہے ترا رخ بھی تجلی میں کچھ اس نور کی شمع — دیکھ جس نور کو کافور ہو کافور کی شمع

چشم بد دور اسی رُخ سے ہوئی تھی روشن — مشعل وادیٔ ایمن، شجر طور کی شمع

ہے شب مہ میں وہ رخشاں ترے عارض کی جھلک — جس کے آگے ہو تو سے خجل ہو شب دیجور کی شمع

آفریں ہے دل پروانہ کو جس نے جل کر — حسن کے گرمی بازار میں مشہور کی شمع

آیا نزدیک جو محفل کے وہ مہ رات نظیرؔ
اہل محفل نے خجل، ہو کے وہیں دور کی شمع

ردیف غین معجمہ (غ)

(۲۳۵)

ساقیا ہے بہار زینت باغ ✦ دے چھلکتے ہیں بھی مے کے ایاغ
دیکھی جس دن سے اس پری کی چشم پھر ہیں ہوش کا ملا نہ سراغ
اس نے بھیجا نہ رقعہ ایک اور ہم کئی مکتوب کر چکے ابلاغ[۱]
جائے حیرت ہے کل نظیرؔ اپنا ق تھا پراگندہ بوئے مے سے دماغ
آج پینے کو جام پے در پے
نہیں ساقی کی منتوں سے فراغ

(۲۳۶)

کی جفا اس نے پھر کہہ کے دریغ کیوں رہے دل ہم یہ کیسے بہکے دریغ
وہ تو ہنستا ہے اور ہمارے آہ آئے دامن تک اشک بہہ کے دریغ
کیا کریں اب تو آ گئے اے دل جل ہیں اس شوخ رشک مہ کے دریغ
کتنے دن ہم بھی منہ لگے اس کے پھر معاتب[۲] ہوئے نگہ کے دریغ
مثل خس جا کے روئے بحر نظیرؔ
آ لگے پھر کنارے بہہ کے دریغ

ردیف فاء (ف)

(۲۳۷)

ساقی یہ پلا اُس کو جو ہو جام سے واقف ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

---

[۱] ابلاغ بھیجنا ۱۲
[۲] معاتب - معتوب ۱۲
عبدالباری آسی

مستی کے سواد ور میں اُس چشمِ سیہ کے
مرکر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے آہ!
صیاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے ورنہ
ملنے کا پیام اُس سے کہو جا کے عزیزو
اوروں سے قسم کھائیے اور ہم تو، مری جاں

کافر ہو جو ہو گردشِ ایام سے واقف
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف
تھے کا ہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف
جو اس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف
ہیں خوب تمہاری قسم اقسام سے واقف

کوئی نہیں کرتا جو کیا تو نے نظیرؔ، آہ!
دل اُس کو دیا جس کے نہیں نام سے واقف

(۲۳۸)

محفل میں ہم تھے اس طرف وہ شوخ چنچل اس طرف
تھی سادہ لوحی اس طرف مکر و فسوں چھل اس طرف

بیٹھے ہم اپنے دھیان میں بیٹھا وہ اپنی آن میں
فکرِ نظارہ اس طرف کھڑکے پہ آنچل اس طرف

کیا کیا دکھاتی ہے الم کیا کیا رکھے ہے پیچ و خم
آہوں کی شورش اس طرف زلفِ مسلسل اس طرف

ہم وے کے دل ہیں رنج کش وہ لے کے دل ہر جی میں خوش
بے تابیٔ جاں اس طرف راحت خوشی کل اس طرف

آج اس سے ملنے کو نظیرؔ احوال ہے دل کا عجب
ہم کھینچتے ہیں اس طرف کہتا ہے وہ چل اس طرف

(۲۳۹)

کان میں اس کے نہیں لعل و گہر دونوں طرف
بزم میں اس یار کی ہم ہیبتِ اغیار سے

چھد رہے ہیں کان و دریا کے جگر دونوں طرف
دیکھتے تو ہیں پہ رہتی ہے نظر دونوں طرف

خوف بدنامی کا اس کو ہے تو ہے ہم کو بھی آہ
اشک سے یاں چشم تر واں چشم نم سرمے سے ہے

یہ وہ ٹھہری ہے مثل جو ایک ڈر دونوں طرف
چاہ رکھتی ہے غرض اپنا اثر دونوں طرف

غور سے دیکھا تو کیا کیا دل کی مچھلی کے نظیرؔ
گھات میں رہتے ہیں بالے کے مگر[۵۱] دونوں طرف

(۲۴۰)

اے صف مژگاں تکلف برطرف
دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے
آگیا جب بزم میں وہ شعلہ رو
ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا

دیکھتی کیا ہے الٹ دے صف کی صف
پڑ گئے ہیں ماہ کے منھ پر کلف[۵۲]
شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف
جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

ردیف قاف (ق)

(۲۴۱)

دل پھنسانے کے ہمنشیں لائق
پاس اپنے بٹھائے ہم کو ابھی
اب تو ملتی ہے دمبدم دشنام
اس کی چین جبیں سے دل کو نظیرؔ

ہے وہی زلف اور وہ چیں[۵۳] لائق
جانے گر کچھ وہ نازنیں لائق
ٹھہرے اس لطف کے ہمیں لائق
ق دیکھا ہوتا جو ہمگیں لائق

ہم نے ہنس کر وہیں کہا اے دل
تو ابھی چاہ کے نہیں لائق

(۲۴۲)

دیکھا جو ہمیں اس نے لگا پاؤں سے تا فرق
وہ دست و پا اس کے وابستہ جو دیکھے

ہنس کر یہ کہا قیس میں اور اس میں ہے کیا فرق
ق پھر دست میں اور پا میں ہیں کچھ نہ رہا فرق

[۵۱] گرد گھوڑیاں جو ایک دریائی جانور ہے۔ کان کے ایک زیور کا نام ۱۲
[۵۲] کلف۔ جھائیں ایک قسم کے داغ جو منھ پر پڑ جاتے ہیں ۱۲
[۵۳] چیں۔ شکن ۱۲

کل ہنس کے نظیرؔ اس نے کہا ناز میں ہم سے ق کچھ بوسہ و دشنام میں بھی تم نے کیا فرق
جو چاہو سو ہم دیویں تمھیں ہم نے کہا جب دونوں کی حلاوت میں نہیں ہم کو ذرا فرق

گو لطف سے دینے کو کہا آپ نے ہم کو
پر کہنے میں اور کرنے میں اے جاں ہے بڑا فرق

فرد

مضمون سرد مہری جاناں رقم کروں ۳۹ گر ہاتھ آئے کاغذ کشمیر کا ورق

ردیف کاف تازی (ک)

(۲۴۳)

بیٹھے ہیں اب تو ہم بھی بولو گے تم نہ جب تک دیکھیں تو آپ ہم سے ناخوش رہیں گے کب تک
اقرار تھا سحر کا ایسا ہوا سبب کیا جو شام ہونے آئی اور وہ نہ آیا اب تک
محفل میں گلرخوں کے آیا جو وہ پری رو ہو شکل حیرت اس کی صورت رہے [1] سب تک
بوسہ نظیرؔ ہم کو دینے کہا تھا اس نے ق ہم وقت پا کے جس دم لینے کی پہونچے ڈھب تک

ہر چند تھا نشے میں وہ شوخ تو بھی اس نے
ہرگز ہمارے لب کو آنے دیا نہ لب تک

(۲۴۴)

مے خوردہ جو دیکھا اسے آتے ہوئے در تک دشوار پہونچنا ہوا اپنے ہمیں گھر تک
پردہ جو اُٹھا اس رُخ تاباں سے تو دیکھا اک جوش تجلی تھا عیاں حد نظر تک
مست زلف کو دیکھ اس کی نڈر ہو کے تو اے دل یہ مار سیہ ہے اسے [2] پر خوف و خطر تک
ہجراں میں ہوئی رات ہمیں طرفہ اذیّت ق جب لیل کی لیلا کے گئی زلف کمر تک
ٹک آنکھ لگی تھی کہ وہیں خواب میں یار رو ہم اشک فشاں پہونچے جو اس رشک قمر تک

[1] یعنی حیرت سے سب اس کی صورت تک کر رہ گئے ۱۲
[2] یعنی اس کو دیکھتا ہے تو خوف و خطر کے ساتھ دیکھ ۱۲ آسی

عزم اس نے کیا پونچھے اشک اسکے بصد مہر | وہ دست نگاریں گئے جب دیدۂ تر تک

چشم اپنی گئی کھل جو نظیر اس میں تو پھر ہم
ملتے کف افسوس رہے وقت سحر تک

ردیف کاف فارسی (گ)

(۲۴۵)

اس کے ناز و ادا کے رنگ اور ڈھنگ | ہیں وہ کچھ جس سے ہو پری بھی دنگ
لعل دیکھے جو سرخی اس لب کی | ملے کر سے رشک کے کئی فرسنگ
دیکھی جب ہم نے وہ گلابی چشم | پھر نہ اس دن سے پی سے گلرنگ
جب نظیر آ گیا وہ آئنہ رو | ق مہر سے کر کے اس طرف آہنگ

رنج دل یوں گیا رخ اس کا دیکھ
جیسے اٹھ جائے آئینے سے زنگ

(۲۴۶)

یار کے کاکل نے دل ہم سے لیا اور الگ | چشم فسوں گر نے بھی سحر کیا اور الگ
آن دکھا کر قریب ہو گئے گیسو وہیں | غمزۂ خونخوار نے خوں بھی پیا اور الگ
تیر نگہ کے تئیں یاد وہ انداز ہیں | سینے میں عشاق کے دل کو سیا اور الگ
ناز، قرار و خرد لے کے گیا پھر مگر | تیغ نے ابرو کے بھی وار کیا اور الگ

نشتر مژگاں کی واہ کیا کہوں پھرتی نظیر
ہے جو رگ دل اسے چھیڑ دیا اور الگ

ردیف لام (ل)

(٢٤٧)

ہے یہ شور اس دل جلے کا اس کے در کے متصل
جیسے لگتی ہے کسی کے آگ گھر کے متصل

آتے جاتے ہر گھڑی ہم دیکھتے تھے اسکو آہ
جن دنوں گھر تھا ہمارا اُس کے گھر کے متصل

گر نکلتا ہے تو لے دل جلد سینے سے نکل
ورنہ غم کی آگ آپہونچی جگر کے متصل

یک بیک غائب چمک کر جیسے ہو جاتی ہے برق
یوں ہی چھپ جاتا ہے وہ آکر نظر کے متصل

ہیں یہ زلفیں منھ یہ یا بدلی کے دو ٹکڑے سیاہ
چلتے چلتے تھم رہے آکر قمر کے متصل

اب تو یہ دھن ہے کسی تدبیر سے یارو اگر
ہاتھ جا پہونچے مرا اُس کی کمر کے متصل

کچھ ہی ہو جی جا دے اس میں یا رہے پر ایک بار
کھینچ لاؤں اس صنم کو اپنے گھر کے متصل

جی چھپانا اس گھڑی قاتل سے کیا حاصل نظیر
آ گئی شمشیر اُس کی اب تو سر کے متصل

(٢٤٨)

کب مثل شیشہ اُن کا کسی سے بر آئے دل
پتھر جنھیں خدا نے دیا ہو بجائے دل

جب سے چلا وہ دل مرے پہلو سے کھینچ کر
دل سے مرے صدا یہی نکلی کہ ہائے دل

آدے اگر بتاں کے تئیں رسم دلبری
تو تو جہاں میں پھر کہیں ڈھونڈھا نہ پائے دل

اب تو تری جفا سے یہ انگوں ہوں میں دعا
ق
ظالم، خدا کرے کہ کہیں تو لگائے دل

اور جس پہ تو فدا ہو وہ ظالم ہو اس قدر
جو مطلقاً ترا وہ نہ خاطر میں لائے دل

تجھ پر بھی چند روز تو یہ کشمکش رہے
دُر دُر اُدھر کرے اور ادھر کو ستائے دل

ناچار جیسے تجھ سے بچھڑا آتا ہوں دل کو میں
ایسا ہی تو بھی اُس سے لگا کر چھڑائے دل

شیدا ہوں میں تو لیلیٰ و مجنوں کی چاہ پر
خالق نے کیا ہی خوب تھے اُنکے بنائے دل

تھے اُس کے پاک آبلے چھاتی پہ اسکی آہ
کیا اتّحادِ جسم تھا اور کیا صفائے دل

ہیں یاں بڑے جو اہلِ دل اکثر یہ کہتے ہیں
چھوٹا سا اک نظیر بھی ہے خاکپائے دل

(۲۴۹)

دکھا کر اک نظر دل کو نہایت کر گیا بیکل
پری رو، تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل

وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اسکو شرمندہ
قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل

کفوں میں، انگلیوں میں، لعل لب میں، چشم مِسگوں میں
حنا آفت، ستم فندق، مسی جادو، فسوں کاجل

بدن میں جامۂ زرکش، سراپا حسن پہ زیب آور
کڑے، بُندے، پچھڑے، چھلے، انگوٹھی، نورتن، ہیکل

نزاکت اور لطافت وہ کفِ پا تک کہ حیراں ہیں
سمن، گل، لالہ، نسریں، نسترن، دُر، پرنیاں[1]، مخمل

سراسر پُر فریب ایسا کہ ظاہر جس کی نظروں سے
شرارت، شوخی، عیاری، طرح، پھرتی، دغا، چھلبل

نظیر اک عمر عشرت ہو، ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل

(۲۵۰)

اے دل اپنی تو چاہ پر مت پھول
دلبروں کی نگاہ پر مت پھول

عشق کرتا ہے ہوش کو برباد
عقل کی رسم و راہ پر مت پھول

دام ہے وہ ارے کمند ہے وہ
دیکھ زلفِ سیاہ پر مت پھول

واہ کہہ کر جو ہے وہ ہنس دیتا
آہ اس ڈھب کی واہ پر مت پھول

گر پڑے گا نظیر کی مانند
تو زنخداں کی چاہ پر مت پھول

(۲۵۱)

کھولی جو ٹک اے ہمنشیں اس دلربا کی زلف کل
گیا کیا جتائے خم کے خم کیا کیا دکھائے بل کے بل

[1] پرنیاں۔ ایک نفیس ریشمی کپڑا۔ اسی

آتا جو باہر گھر سے وہ ہوتی ہیں کیا کیا خوشی
دل کو تو بیم فتنہ ہے ہم اس سے مل سکتے نہیں
کیا بے بسی کی بات ہے یارو نظیر اب کیا کرے

گر دیکھ لیتے ہم اُسے پھر ایک دم یا ایک پل
آتا ہے جس دم خواب میں جب دیکھتے ہیں بے خلل
ق وہ آنے واں دیتا نہیں آتی نہیں یاں جی میں کل

دل ہر گھڑی کہتا ہے یوں جس طور سے اب ہو سکے
اُٹھ اور سنبھل گھر سے نکل اور پاس اس چنچل کے چل

(۲۵۲)

تیرے بھی منھ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
یوسف مصر سے گر ملتے ہیں سب ترے نشاں
جتنے ہیں کشتگان عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے
جب سے مُوا ہے کوہ کن کرتے ہیں اُس کا غم سدا

تاب سے تاب رُخ سے رُخ، نور سے نور ظل سے ظل
زلف سے زُلف، لب سے لب، چشم سے چشم تل سے تل
اشک سے اشک نم سے نم، خون سے خون گل سے گل
کوہ سے کوہ جو سے جو، سنگ سے سنگ، سل سے سل

یار ملا جب اے نظیر میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم جاں سے جاں، روح سے روح دل سے دل

(۲۵۳)

جو دل کو دیجیے تو دل میں خوش ہو کرے ہے کس کس طرح سے ہلچل
اگر نہ دیجیے تو وہیں کیا کیا جتاوے خفگی، عتاب، اکڑ، بل

اگر یہ کہیے کہ ہم ہیں بیکل ذرا گلے مل تو ہنس کے ظالم
دکھاوے ہیکل اُٹھا کے، یعنی بلا سے میری، مجھے تو ہے کل

جو اس بہانے سے ہاتھ پکڑیں کہ دیکھ دل کی دھڑک ہمارے
تو ہاتھ جھپ سے جھڑا کے کہہ کر مجھے نہیں ہے کچھ اسکی اٹکل[۱]

جو چھپ کے دیکھیں تو تاڑ جاوے، وگر جو تاکا تو دیکھو پھرتی
کہ آتے آتے نگاہ رخ تک چھپا لے منھ کو الٹ کے آنچل

[۱] اٹکل۔ اندازہ شناخت ۱۲ ای

کرے جو وعدہ تو اس طرح کا کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی
جو سوچیے پھر تو کیسا وعدہ، فقط بہانہ، فریب اور چھل

جو دل کو بوسے کے بدلے دیجیے تو ہنس کے لیلے بہت خوشی سے
جو بوسہ مانگو تو پھر یہ نقشا کبھی تو آج اور کبھی ــــ کبھی کل

نہ جُل[۱] میں آوے نہ پھڑکے نکلے نہ پاس بیٹھے نظیرؔ اک دم
بڑا ہی پُرفن، بڑا ہی سیانا، بڑا ہی شوخ اور بڑا ہی چنچل

(۲۵۴)

اُسی کا دیکھنا ہے ٹھانتا دل — جو[۲] ہے تیر نگہ سے چھانتا دل
بہت کہتے ہیں مت مل اس سے لیکن — نہیں کہنا ہمارا مانتا دل
ق
کہا اس نے یہ ہم سے کس صنم کو — تمھارا ان دنوں ہے مانتا دل
چھپاؤ گے تو چھپنے کا نہیں یاں — ہمارا ہے نشاں پہچانتا دل

کہا ہم نے نظیرؔ اس سے کہ جس نے
یہ پوچھا ہے اسی کا جانتا دل

(۲۵۵)

دیکھی جو اس محبوب کی ہم نے جھلک ہیکل کی کل — پائی ہر ایک تعویذ میں اپنے دل بیکل کی کل
جب ناز سے ہنس کر کہا اس نے ارے چل کیا ہی تو — کیا کیا پسند آئی ہمیں اس نازنیں چنچل کی چل
ہے وہ کفِ پا نرم تر اس کی کہ وقتِ ہمسری — ڈالے کفِ پائے صنم نرمی دہن مخمل کی مل
ہم ہیں تمھارے مبتلا مدت سے ہی یہ آرزو — بیٹھو ہمارے پاس بھی اے جاں کبھی اک پل کی پل

ہے دم غنیمت اے نظیرؔ اب میکدے میں بیٹھ کر
تو آج تو مے پی میاں پھر دیکھ لیجیو کل کی کل

[۱] جل میں آنا - فریب کھانا - دھوکہ کھانا [۲] یعنی جو تیر نگہ سے دل کو چھانتا ہے دل اُسی کے دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آسی

ردیف میم (م)

(۲۵۶)

کرکے نیرنگ فقط دل ہی نہ لے جاؤ گے تم
ایسے ایسے تو بہت رنگ ابھی لاؤ گے تم

لے چلا دل کو وہ جب ہم نے یہ پوچھا کیوں جی
پھر بھی آؤ گے تو ہنسکر کہا اب آؤ گے تم

ق
روٹھ کر اس سے چلے ہم تو کہا یوں اس نے
اب تو اس طیش میں البتہ چلے جاؤ گے تم

بے کلی بعد گھڑی بھر کے ستاوے گی جب
ہار کر پھر ادھر آنے ہی کی ٹھہراؤ گے تم

بس یہ بہتر ہے کہ مت روٹھ کے جاؤ ورنہ
پھر جو آؤ گے تو یاں آنے نہیں پاؤ گے تم

ایک تو ہم تمھیں یاں آنے نہ دیویں گے نظیرؔ
اور سوا اس کے جہاں جاؤ گے پچھتاؤ گے تم

(۲۵۷)

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترسنے ہی چلے، افسوس! پیمانے کو ہم

مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر، اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوے تھے درد و غم کھانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں، کیا گلہ صیاد کا
بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم

طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بتخانے کو ہم

باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جا کے بٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے، تو بتا دے اے نظیرؔ
تاکہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مرجانے کو ہم

(۲۵۸)

نہیں یاں بیٹھتے جو ایک دم تم
تو کیا ڈرتے ہو ہم سے اے صنم تم

ہنسو، بولو، ملو، بیٹھو، بھلا جی
نہیں کیا عاشق و معشوق ہم تم

جو یاں آیا کبھی چاہو تو بے خوف
ادھر لایا کرو اپنا قدم تم

نہایت سادہ دل ہیں ہم تو اے جاں
نہ سمجھو ہم میں ہرگز پیچ و خم تم

سنا جب یہ نظیرؔ اس نے تو ہنس کر
کہا یہ تو ہمیں دیتے ہو دم تم

(۲۵۹)

رہ کے خاموش خوشؔ آئے بت گلفام کو ہم
سیکھے ہیں بلبل تصویر سے اس کام کو ہم

لذّت آن و ادا لینے کو ہیں اور رہی آہ
ناز برداروں میں اس کے ہیں فقط نام کو ہم

میکدے سے نہ نکالو ہمیں اے بادہ کشاں
لب محبوب سمجھتے ہیں لب جام کو ہم

جس سے کرتے ہیں بتاں بعد جفا مہر و وفا
رشک سے تکتے ہیں اس نیک سرانجام کو ہم

چھوٹ کر دام سے اس کاکل مشکیں کے نظیرؔ
یاد کرتے ہیں اسیری کے اب آرام کو ہم

(۲۶۰)

نہ اُس کے نام سے واقف نہ اُس کی جا معلوم
ملے گا دیکھیے کیونکر وہ بُت خدا معلوم

جواب دیکھیے دل لے کے یہ کہا چپکے
نہ ہو یہ اور کسی کو ترے سوا معلوم

لگا کے زخم جگر پر جو پھر نمک چھڑکا
تو اس میں ہم کو ہوا اور ہی مزا معلوم

بدن پری کا ترے تن سے گو کہ گورا ہے
دلے وہ چاہے کہ ایسا ہو گدگدا معلوم

ہم اُس پہ مرتے ہیں مدت سے اور وہ کہتا ہے
قسم خدا کی ہمیں تو یہ اب ہوا معلوم

کیا تھا عہد نہ وعدہ نہ قول نے اقرار
ق جو آگیا وہ مرے پاس شب کو نامعلوم

جو مجھ سے ہنس کے کہا جس لیے ہم آئے ہیں
نظیرؔ تم نے بھی سچ کہیو کیا کیا معلوم

کہا یہ میں نے مجھے کیا خبر تمھیں جانو
کسی کے دل کی بھلا جی کسی کو کیا معلوم

له خوش آئے یعنی اچھے معلوم ہوئے خوش آمدید کا محاورہ ہے ۱۲ آسی

(۲۶۱)

تمھیں جس گھڑی دیکھتے ہیں میاں ہم
بتوں کے عجب حسن اور ناز دیکھے
تمھیں جس قدر چاہتا ہے دل اپنا
نظیرؔ اپنا ہم کو سمجھ کر نہ روٹھو

ق

تو ہوتے ہیں جی میں بہت شادماں ہم
جہاں میں غرض جن دنوں تھے جواں ہم
وہ جی جانتا ہے کریں کیا بیاں ہم
تمھارے ہی ملنے کو آتے ہیں یاں ہم

جو ملنا ہے مل لو کوئی دم وگرنہ
یہی جان لو او میاں پھر کہاں ہم

(۲۶۲)

بتوں کی دیکھ زلف عنبریں ہم
لگا نا دیکھتے تیر نگہ کا
کہا ہم نے کبھی آؤ ادھر کو
نظیرؔ اب تو ہوے لے جاں تمھارے

ق

پھنسا بیٹھے دل اپنے کے تئیں ہم
اگر دل میں نہ ہوتے سہمگیں ہم
کہا ہنس کر نہیں جاتے کہیں ہم
عجب کیا ہے اگر بیٹھیں قریں ہم

جو ہو کر ہمنشیں ہوں کچھ بھی گستاخ
سو اس ڈھب کے میاں ہرگز نہیں ہم

(۲۶۳)

ہر آن تمھارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائیں گے ہم
تو ہار کے اک دن اس کی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائیں گے ہم

بیزار کریں گے خاطر کو پہلے تو تمھاری چاہت سے
پھر دل کو بھی کچھ منت سے کچھ ہیبت سے سمجھائیں گے ہم

گر کہنا دل نے مان لیا اور رنگ بیٹھا تو بہتر ہے
اور چین نہ لینے دیوے گا تو بھیس بدل کر آئیں گے ہم

اوّل تو نہیں پہچانو گے اور لو گے بھی پہچان تو پھر
ہر طور سے چھپ کر دیکھیں گے اور دل کو خوش کر جائیں گے ہم

گر چھپنا بھی کھل جاوے گا تو مل کر افسوں سازوں سے
کچھ اور ہی لٹکا سحر بھرا اس وقت بہم پہونچائیں گے ہم

جب وہ بھی منش نہ جاوے گا اور شہرت ہووے گی پھر تو
جس صورت سے بن آدے گا تصویر کھنچا منگوائیں گے ہم

موقوف کرو گے چھپنے کو تو بہتر ورنہ نظیر آسا
جو حرف زباں پہ لائیں گے پھر وہ ہی کر دکھلائیں گے ہم

(۲۶۴)

کبھو دیکھوں نہ سنبل باغ کو میں، مجھے اُس خمِ زلفِ دوتا کی قسم
نہ نگہ کروں عارضِ گُل کی طرف، مجھے اُس رُخِ مہر و وفا کی قسم

یوں پھرے ہے چمن کی فضا میں صبا، وہ ہزار طرح سے ہو نافہ کشا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اس کی ہوا، مجھے کوے صنم کی ہوا کی قسم

جو ہیں آیا ادھر کو وہ چشم سیہ، وہیں لے گیا دل کو بسیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اُس بُت ہوش رُبا کی قسم

بدن اُس کا ہے رشکِ برگ سمن، مرے بر میں جو آوے وہ رشک چمن
کھلے غنچۂ دل مرا گل کے نمن، مجھے اُس کھلے بندِ قبا کی قسم

ترے عشق نے دل میں جو درد دیا، تو کچھ اُس سے مزہ میں ایسا لیا
نہ کروں نہ کروں نہ کروں میں دوا میں نے کھائی ہے اب تو دوا کی قسم

لگی مہندی جو ہاتھوں میں اُس کے میاں، تو وہ سرخی کچھ ایسی ہے لالہ فشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں، سو وہ کھاتی ہے اُس کی حنا کی قسم

میں نے دیکھا نظیرؔ جو اُس کے تئیں، تو تھا شرم و حیا سے وہ سر و قریں
لیا نیچی نگاہوں سے جان دل و دیں، میں کہوں کیا اب اُسکی حیا کی قسم

(۲۶۵)

ہوں تیرے تصور میں، مری جاں، ہمہ تن چشم
دل ہے مرا جوں آئینہ حیراں ہمہ تن چشم

تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہِ تاباں
رہتا ہے سدا مہرِ درخشاں ہمہ تن چشم

آنکھوں کو ملے تا کہ ترے پاؤں کے نیچے
ہر نقشِ قدم سے ہے بیاباں ہمہ تن چشم

دیوانگی میری کے تحیّر میں شب و روز
ہے حلقۂ زنجیر سے زنداں ہمہ تن چشم

اُس آئنہ رو کے ہے تصور میں، نظیرؔ، اب
حیرت زدہ نظارہ، پریشاں ہمہ تن چشم

(۲۶۶)

گر کسی سے نہ دل لگاتے ہم
لذتیں چاہ کی نہ پاتے ہم

گر نہ کرتے کچھ احتمال[۱] جفا
تو بھلا ناز کیا اُٹھاتے ہم

ق

ایک دن بھی جو وہ ادھر آتا
بہرِ تسلیم سر جھکاتے ہم

شاد ہو کر بٹھاتے اور ہر دم
لب پہ شکرِ قدوم[۲] لاتے ہم

چلنے لگتا تو باتیں کرتے نظیرؔ
گھر تلک ساتھ اس کے جاتے ہم

[۱] احتمال: برداشت اٹھانا ۱۲ [۲] قدوم - آنا ۱۲ آسی

(۲۶۷)

تدبیر ہمارے ملنے کی جس وقت کوئی ٹھہراؤ گے تم
ہم اور چھپیں گے یاں تک جی جو خوب ہی پھر گھبراؤ گے تم

بیزار کرو گے دل ہم سے یا منت در سے روکو گے
وہ دل تو ہمارے بس میں ہے کس طور اسے سمجھاؤ گے تم

گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا
اس کوچے میں بٹھلا دیں گے پھر کہیئے کیونکر آؤ گے تم

گر چھپ کر دیکھنے آؤ گے ہم اپنے بالاخانے کے
سب پردے چھوڑے رکھیں گے پھر کیونکر دیکھنے پاؤ گے تم

گر جادو منتر سیکھوگے تو سحر ہماری نظروں کا
تاثیر کو اس کی کھو دے گا کچھ پیش نہیں[۱] لے جاؤگے تم
تصویر اگر منگواؤگے تو دیکھ ہماری صورت کو
حیران مصور ہووے گا پھر رنگ کہو کیا لاؤگے تم

جس وقت نظیر ان باتوں کی ہم خوب کریں گے ہشیاری
جو حرف زبان پہ لاؤگے تم پھر کیونکر کر دکھلاؤگے تم

(۲۶۸)

اُسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام
قدیر، و حیّ، و کریم، و مُہیمن، و منعام[۲]
بروج بارہ میں لاکر رکھی وہ بار یکی
کہ جس کو پہونچے نہ فکرت، نہ دانش و اوہام
ادھر فرشتۂ کروبی، اور اُدھر غلماں
قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقتِ ارقام
یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ اُن کے یار
عطارد، و زحل، و زہرہ، مشتری، بہرام[۳]
جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا
پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام
بشر جو چاہے کہ سمجھے اُنھیں، سو کیا امکاں
ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام
نکالے اُن سے گل و میوہ شاخ و برگ و بار
سب اُس کے لطف و کرم کے ہیں عام یہ انعام
اُسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں
چھُہارے، کشمش، و انجیر و پستہ، و بادام
چمک رہا ہے اُسی کی یہ قدرتوں کا نور
بہر زماں، و بہر ساعت، و بہر ہنگام
کہ اس کا شکر کریں شب سے تا بروز ادا
اطاعت اُس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

نظیر نکتہ سمجھ مہر و فضل خالق کو
اُسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

(۲۶۹)

دیکھے نہ مجھے کیونکر، از چشم حقارت او
وہ سرو جواں یار و، من فاختۂ پیرم
چپ بیٹھوں تو کہتا ہے: "خاموش چرا استی؟"
کچھ بولوں تو ہوتا ہے، آزردہ ز تقریرم

[۱] پیش نہ لے جانا کچھ کر نہ سکنا ۱۲
[۲] یہ سب خدائے کریم کے اسم پاک ہیں ۱۲
[۳] بہرام ستارۂ مریخ و ایک فرشتے کا نام کہ مسافر کی محافظت پر مقرر ہے ۱۲ آسی

ردیف نون (ن)

(۲۷۰)

گڑ گئی ہے اُس کی مژگاں کی جھپک بے کل ہیں
کچھ تو جاناں دل سے خارِ بیقراری کا خلش[1]
وہ کفِ[2] پا ہم نے سہلائی ہے نازک نرم نرم
اس پری رو کی گلی میں یا نہاں یا آشکار
ہم تو ہوں کیفی ترے، پر کیا کریں، اے چشم یار
دل خمِ ابرو کو دیتے ہیں، تو کس کس پیچ سے

کل اگر چاہے تو ہمدم اس گھڑی کچھ جھل ہیں
کاش وہ نوک مژہ دیتی قرار ایک پل ہیں
کیا جتاتی ہے تو اپنی نرمی اسے مخمل ہیں
جس طرح سے ہو سکے، اے ہمنشیں، بے کل ہیں
ہوش میں آنے نہیں دیتا ترا کاجل ہیں
دام میں لیتا ہے اُس کا کل کا اک اک بل ہیں

ہم تو اُس کے چاہنے والے ہیں مدت سے نظیرؔ
اور نیا گنتا ہے اب تک وہ صنم چنچل ہیں

(۲۷۱)

کہتے ہیں یاں کہ "مجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں"
تجھ سا تو کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں
ساقی کو جام دینے میں، اُس خوش نگہ کو آہ!
جب اُس نہیں کے کہنے سے مانے ہی وہ بُرا
اتنا تو چھیڑتا ہوں کہ کہتا ہے جب وہ شوخ
ساقی تجھے قسم ہے، دیے جا مجھے تو جام

ق

پیارے، جو ہم سے پوچھ، تو یاں کیا، کہیں نہیں
یوں نازنیں بہت ہیں، یہ ناز آفریں نہیں
ہر دم اشارتیں ہیں کہ "اس کے تئیں نہیں"
آپ ہی پھر اُس کو کہتا ہوں ہنس کر نہیں نہیں
"بندہ تو میرا مول خریدا نہیں، نہیں؟
یاں دم میں دم ہے ہو تی نہیں جب نہیں نہیں"

پوچھے ہے اُس سے جب کوئی قتلِ نظیرؔ کو
کہتا ہے "ہم نے مارا ہی" ہاں ہاں "نہیں نہیں"

[1] خلش کو متقدمین نے بتذکیر بھی استعمال کیا ہے جیسے سوداؔ کا یہ شعر ہے۔ ع زباں ہے شکر میں تاصر شکستہ۔ بالی کے۔ کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا۔ مگر نئی زبان فصحا اس کو تانیث ہی فصیح جانتے ہیں۔ آسی

[2] کف پا تلوا۔ کف کئی معنوں میں مستعمل ہے جھین۔ جھاگ بلغم اس معنی میں کف بالاتفاق مذکر ہے۔ ہتھیلی یا تلوے کے معنی میں کف پا مختلف فیہ ہے مثال مونث سے ہے زیب و زینت سے بری حسن خداداد ہے برق ہے کف موسی کبھی مہندی سے حنائی نہوئی۔ فتح الدولہ برق لکھنوی۔ مثال مذکر سے کیا چمک کر نکلا تھا صورت ملانے پا رہتے سامنے خورشید کے آئینہ تو نے کف پا کر دیا۔ آتش

[3] کیف اُٹھانا نشہ والا مستی خرابی۔ اکثر افیون کھانے والوں کے لیے مستعمل ہے ۱۲ آسی

(۲۷۲)

سزاوار "ارے ارے" ہوئے ہیں — بھلا اتنے تو ہم بارے ہوئے ہیں
نہ رکھتے ہم سے بل زلفوں کے حلقے — مگر اس کے یہ منکارے ہوئے ہیں
تمھاری دیکھ کر عیاریوں کو — میاں کچھ ہم بھی عیارےلہ ہوئے ہیں
بلاتے ہی نہ آئے ہم تو بولا — ق — کہیں یہ نقد دل ہارے ہوئے ہیں

پھر آپی یوں نظیر اس نے کہا ہاں
کسی چنچل کے للکارے ہوئے ہیں

(۲۷۳)

فرقت میں خستہ دل کا جب حال دیکھتے ہیں — جی کی ہر اک طپش سے ہم فال دیکھتے ہیں
خم تاب، حلقے، بل، پیچ، گرہ، شکن سے اب تم — زلفوں میں پھنس کے کیا کیا جنجال دیکھتے ہیں
ابرو کو دیکھتے ہی دو تیغ ہے لگاتی — اور زخم کا نمک ہے جب خال دیکھتے ہیں
کرتے نگہ ہیں جب ہم رفتار پہ تو اس سے — دل کو ہر اک قدم پر پامال دیکھتے ہیں

اُڑتا ہے رنگ رخ سے ڈر کر نظیر کیا کیا
غصے میں ہم جب اس کا منھ لال دیکھتے ہیں

(۲۷۴)

آج تو ہمدم عزم ہے یہ کچھ ہم بھی رسمی کام کرب — کلک اُٹھا کر یار کو اپنے نامۂ شوق ارقام کریں
خوبی سے القاب لکھیں آداب بھی خوش آئینی سے — بعد اس کے ہم تحریر مفصل فرقت کے آلام کریں
یا خود آوے آپ ادھر یا جلد بلا دے ہم کو وہاں — اس مطلب کے لکھنے کو بھی خوب سا سر انجام کریں
حسن زیادہ آن موثر ناز کی شوخی ہو وہ چند — ایسے کتنے حرف لکھیں اور نامے کو اتمام کریں
سنکے وہ ہنسکر یوں بولا یہ تو تمھیں ہے فکر عبث — عقل جنھیں ہے وہ تو ہرگز اب خیال خام کریں
کام یقیناً ہے وہی اچھا جو کہ ہو اپنے موقع سے — بات کہیں یا نامہ لکھیں یا رو رو صبح سے شام کریں

ـلہ عیار کی بجائے عیارے استعمال کیا ہے ۱۲ آرسی
ـلہ آپ ہی کے بجائے آپی استعمال کیا گیا ہے جو اب بالکل ناجائز ہے ۱۲ آرسی

اس میں بھلا کیا حاصل ہوگا سوچ تو دیکھو میاں نظیر
وہ تو خفا ہو پھینک دے خط اور لوگ تمھیں بدنام کریں

(۲۷۵)

خوباں تمھارے آگے جو نام جمال لیں
تیر نگہ لگا کے نہ کھینچو بھوؤں کی تیغ
دل ناوک نگاہ پیاپے سے گر چلا
رو کے ہی رکھیے ٹک صف مژگاں کی نوک جھوک

دامن سے لگ کے منہ کو گریباں میں ڈال لیں
پھر کھینچتا ہم اس کے تو پیکان نکال لیں
فرصت جو کچھ بھی دو تو ہم اس کو سنبھال لیں
ہم طاقت اپنے دل کی ذرا دیکھ بھال لیں

دل ہم تو دے چکے ہیں بتوں کو میاں نظیر
میلا رکھیں یہ اس کے تئیں یا اُجال لیں

(۲۷۶)

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
پڑے ہوس ہی ہوس میں ہمیشہ گلتے ہیں
ہجوم آہ سے آنکھوں سے اشک ڈھلتے ہیں
چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
برنگ اشک کبھی گر کے ہم نہ سنبھلے آہ
نکالتا ہے ہمیں پھر وہ اپنے کوچے سے
فدا جو دل سے ہے ان شوخ سبزہ رنگوں پر
ہوا نحیف بھی یاں تک کہ حضرت مجنوں

تو مہ کے طشت میں گھی[1] کے چراغ چلتے ہیں
ہمارے دیکھیے ارمان کب نکلتے ہیں
بھرے ہیں چاؤ جو دل میں سو یوں نکلتے ہیں
یہ بزم تم کو مبارک ہو ہم تو چلتے ہیں
یہی کہا کیے جی میں کہ اب سنبھلتے ہیں
ابھی تو نکلے نہیں ہیں، پر اب نکلتے ہیں
یہ ظالم اس کی ہی چھاتی پہ مونگ[2] دلتے ہیں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور ہاتھ اپنے ملتے ہیں

ق

کوئی تو پگڑی[3] بدلتا ہے اور سے لیکن
میاں نظیر ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

[1] گھی کے چراغ جلنا۔ خوشی منانے کی علامت ۱۲
[2] چھاتی پہ مونگ دلنا علانیہ تکلیف پہونچانا ۱۲
[3] پگڑی بدلنا بھائی چارہ کرنا۔ دوستی کرنا ۱۲ آسی

(۲۷۷)

صفائی اس کی جھلکتی ہے گورے سینے میں — چمک کہاں ہے یہ الماس کے نگینے میں
نہ توئی ہے، نہ کناری نہ گوکھرو تس پر — سجی ہے شوخ نے انگیا بنت کے بینے میں
جو پوچھا میں کہ "کہاں تھی" تو ہنس کے یوں بولی — "میں لگ رہی تھی اس انگیا موئی کے سینے میں"
پڑا جو ہاتھ مرا سینے پر تو ہاتھ جھٹک — پکاری! "آگ نہ لگے اوئی اس قرینے میں"
جو ایسا ہی ہے تو اب ہم نہ روز آویں گے — کبھو جو آئے تو ہفتے میں یا مہینے میں
کبھو مٹک کبھی بس بس، کبھو پیالہ ٹپک — دماغ کرتی تھی کیا کیا شراب پینے میں
چڑھی جو دوڑ کے کوٹھے پہ وہ پری اک بار — تو میں نے جا لیا اُس کو اُدھر کے زینے میں
وہ پہنا کرتی تھی انگیا جو سرخ لاہی کی — لپٹ کے تن سے وہ تر ہو گئی پسینے میں

یہ سُرخ انگیا جو دیکھی ہے اس پری کی نظیر
مجھے تو آگ سی کچھ لگ رہی ہے سینے میں

(۲۷۸)

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں — دور فلک سے کیا خبر پہونچے کا لب تک یا نہیں
یہ کاسۂ فیروزگوں ہے شیشہ باز پر فنوں — جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اُسکے ہیں زیر نگیں
ہو اعتماد اس کا کسے ہے شیشہ بازی یاد اسے — رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پھر اندوگیں
کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبحدم — اک کاسۂ سر پُرالم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں — تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب تو ہیں زیر زمیں
گلبرگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشک چمن — زریں و سیمیں پیرہن دلکش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں مہ طلعتوں کی صحبتیں — عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قران مطرب قریں
باغ و چمن پیش نظر، بزم طرب شام و سحر — ہر سو بکثرت جلوہ گر حسن بتانِ نازنیں
ایک آسماں کے دور سے اک گردش فی الفور سے — اب سوچیے کا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں

لہ توئی ایک قسم کی کپڑے پر بنی ہوئی بیل۔ کناری تیلا گوٹا۔ گوکھرو ایک قسم کا چُنا ہوا اور موڑا ہوا گوٹا۔ بنت لمبی چیٹ جس پر سنہری نقرئی تاروں کا کام ہو۔ آسی
لہ اُدھر۔ درمیان ۱۲
لہ لاہی۔ ایک سرخ کپڑا ۱۲
لہ حیل جمع حیلہ ۱۲
لہ وقت صبح دم کی قسم کی ترکیبوں پر قائل ہوتا ہے۔ اگرچہ اہل فارس نے استعمال کی ہیں جیسے صائب کا یہ شعر ہ مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد + خواب سنگ وقت سحرگاہ گراں میگردد ۱۲ آسی

سنتے ہی جی بھر اگیا، رخسار پر اشک آگیا — دل عبرتوں سے چھا گیا، خاطر ہوئی بس سہمگیں

اس میں سراپا ناگہاں ہر مو ہوا مثل زباں
بولا نظیر آگہ ہو ہاں، من نیز روزے ہمچنیں

(۲۷۹)

گھبرا لے اُٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں — کہ ہم سے یار سے، آ ہو گئی مٹھ بھیڑ آندھی میں
جتا کر خاک کا اُڑانا، دکھا کر گرد کا چکر — وہیں ہم لے چلے اُس گلبدن کو گھیر آندھی میں
رقیبوں نے جو دیکھا یہ اُڑا کر لے چلا اُس کو — پکارے: "ہائے! یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں"
وہ دوڑے تو بہت، لیکن اُنھیں آندھی میں کیا سوجھے — زبس ہم اُس پری کو لائے گھر میں گھیر آندھی میں
چڑھا کوٹھے پہ، دروازے کو موند اور کھول کر پردے — لگا چھاتی، لئے بوسے، کیا ہشت بھیر آندھی میں
وہ کوٹھے کا مکاں، وہ کالی آندھی، وہ صنم گل رو — عجب رنگوں کی ٹھہری آ کے ہیرا پھیر آندھی میں
اُٹھا کر طاق سے شیشہ، لگا چھاتی سے دلبر کو — نشوں میں عیش کے کیا کیا کیا دل سیر آندھی میں
کبھی بوسہ، کبھی انگیا پہ ہاتھ، اور گاہ سینے پر — لگے لُٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں
مزے، عیش و طرب، لذت، لگے یوں ٹوٹ کر گرنے — کہ جیسے ٹوٹ کر میووں کے ہو ویں ڈھیر آندھی میں
رقیبوں کی میں اب خواری خرابی کیا لکھوں یارو — بھری نتھنوں میں اُن کے خاک دس دس سیر آندھی میں
کسی کی اُڑ گئی پگڑی، کسی کا پھٹ گیا دامن — گئی ڈھال، اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

نظیر آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں، ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

(۲۸۰)

کھلے گل، سبزہ نو رستہ بار ہے کیا کیا بہاریں ہیں — صبا ہے، رنگ و بو ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
ہجوم ابر ہے چمکے ہے برق اور مینہ برستا ہے — نشہ ہے تازگی ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صدائے بلبلاں ہے آبجو ہے صحن گلشن ہے — سمن ہے سرو ہے گلنار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

له بستا بھیر — مراد منہ اس ۱۲ آسی

صنم کے لب میں پان، ہاتھوں میں مہندی پیرہن رنگیں | کناری ہے دھنک سے، ہار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

نظیر اب عیش کی بہتا ہے ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہر، گل ہر، گل رخسار ہر کیا کیا بہاریں ہیں

(۲۸۱)

یہ جو خوباں حجاب کرتے ہیں
اپنے ملنے سے دیکھیے کس دن
کل کہا ہم نے او نظیر میاں
چپکے بیٹھے ہو کیوں تو سن کے کہا

ق

ہم پہ ناز و عتاب کرتے ہیں
ہم کو پھر کامیاب کرتے ہیں
تم سے ہم یہ خطاب کرتے ہیں
شکوے جی میں حساب کرتے ہیں

ہیں تو کرنے بہت ولیکن ہم
دل میں کچھ انتخاب کرتے ہیں

(۲۸۲)

جب اس کا ادھر ہم گزر دیکھتے ہیں
ادھر تیر چلتے ہیں ناز و ادا کے
ستم ہے کن انکھیوں سے گر تاک لیجے
نہ دیکھیں تو یہ حال ہوتا ہے دل کا
جو دیکھیں تو یہ جی میں گزرے ہے خطرہ
اگر اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس پر

ق

تو کر دل میں کیا کیا حذر دیکھتے ہیں
اُدھر اپنا سینہ سپر دیکھتے ہیں
غضب ہے اگر آنکھ بھر دیکھتے ہیں
کہ سو سو تڑپ کے اثر دیکھتے ہیں
ابھی سر اُڑے گا اگر نہ دیکھتے ہیں
یہ ثابت نہ ہو جو ادھر دیکھتے ہیں

چھپا کر، دغا کر، نظیر اس صنم کو
غرض ہر طرح اک نظر دیکھتے ہیں

(۲۸۳)

مژگاں وہ جھمکتا ہے اب تیر ہے اور میں ہوں | سر پاؤں سے چھدنے کی تصویر ہے اور میں ہوں

کہتا ہے وہ گل تیرے پرزے میں اُڑاؤں گا
اب صبح کو قاتل کی شمشیر ہے اور میں ہوں

بے جرم و خطا جس کا خوں ہووے روا یارو
اس خوبیٔ قسمت کا نخچیر ہے اور میں ہوں

ہے قتل کی دھن اس کو اور میری نظر حق پہ
تدبیر ہے اور وہ ہے تقدیر ہے اور میں ہوں

دل ٹوٹا نظیرؔ اب تو دو چار برس رو کر
اس قصر شکستہ کی تعمیر ہے اور میں ہوں

(۲۸۴)

چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں

یہ مہر و مہ جو نشیب و فراز ہیں گر وہ ان
تمھارے باغ میں ایسے کئی ہنڈولے ہیں

تُلا نہ حسن تمھارا، وگرنہ میزاں میں
فلک پہ شمس و قمر لاکھ بار تولے ہیں

ہمارے قطرۂ اشک اس کی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

وہ سنگدل جو نہ بولا تو کیا تعجب ہے
میاں نظیرؔ کہیں بت بھی منہ سے بولے ہیں

(۲۸۵)

گل نظر آیا چمن میں اک عجب رشکِ چمن
گل رخ و گلگوں قبا و گلعذار و گل بدن

مہر طلعت، زہرہ پیکر، مشتری رو، مہ جبیں
سیمبر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن

تیر قد، نشتر نگہ، مژگاں سناں، ابرو کماں
برق و ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن

زلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام
مشک تبت مشک چیں مشک خطا مشک ختن

نازنین، ناز آفریں، نازک بدن، نازک مزاج
غنچہ لب رنگیں ادا سیمیں زنخ شیریں دہن

بے مروت بے وفا بے درد بے پروا خرام
جنگجو قتّال وضع و تند خو و دل شکن

دو رشتہ و دندان و لب چاروں سے یہ چاروں خجل
نسترن برگ سمن دُرِّ عدن لعل یمن

سختی و بے رحمی و ظلم و جفا اس شوخ کے
معتمد، مومی الیہ و مستشار و موتمن

مبتلا ایسے ہی خونخواروں کے ہوتے ہیں نظیر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

(۲۸۶)

کیوں نہ ہو بام پہ وہ جلوہ نما تیسرے دن
ماہ بھی چھپ کے نکلتا ہے دلا تیسرے دن

ہاتھ سے اب تو قلم رشک مسیحا رکھ دے
نسخے بدلیں ہیں جہاں کے حکما تیسرے دن

غرق دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش
ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سنا تیسرے دن

دل بیمار رہے عشق میں کیوں کر سرسبز
خاک سے دانے کو ہے نشو و نما تیسرے دن

چھوڑ مت زلف کے مارے کو تو دریا میں ہنوز
سانپ کے کاٹے کو دیتے ہیں بہا تیسرے دن

اب ذرا چشم کے بیمار کا کر اپنے علاج
ہوتی معلوم ہے تاثیر دوا تیسرے دن

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے
مہندی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن

عمر اک ہفتہ نہیں باغ میں اے گل مت پھول
رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا تیسرے دن

چار حرف[1] اس بت پرخوں کے اوپر بھیج نظیر
آپ سے آپ جو ہو جائے خفا تیسرے دن

[1] چار حرف بھیجا یعنی لعنت بھیجا۔ آسی

(۲۸۷)

عیش کر خوباں میں، اے دل، شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں

جس قدر پینا ہو پی لے پانی انکے ہاتھ سے
آب جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں

لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہونگی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں

واں تو ہاں حوروں کے گہنے کے بہت ہونگے نشاں
ان پریزادوں کے چھلوں کی نشانی پھر کہاں

الفت و مہر و محبت سب ہیں جیتے جی کے ساتھ
مہرباں ہی اُٹھ گئے، یہ مہربانی پھر کہاں

واعظ و ناصح کہیں تو انکے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے میاں یہ نوجوانی پھر کہاں

جا پڑے چپ ہو کے جب شہر خموشاں میں نظیر
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر خوانی پھر کہاں

(۲۸۸)

لیتا ہے جان میری تو میں سر بدست ہوں
اے یار میں تو کشتۂ روز الست ہوں

اک دم کی زندگی کے لیے مت اٹھا مجھے
اے بے خبر میں نقش زمیں کی نشست ہوں

تو مست کر شراب سے، اے گل بدن مجھے
ظالم میں تیری چشم گلابی سے مست ہوں

دور از طریق مجھ کو سمجھیو نہ زاہدا
گر تو خدا پرست ہے میں بت پرست ہوں

ان سنگدل بتوں کا گلہ کیا کروں نظیر
میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

(۲۸۹)

یہ ہم سے آپ جو چیں بر جبیں ہیں
اگر ہم چاہ کے لائق نہیں ہیں ؎

بتاں لیتے ہیں دل دونوں طرح سے
اگر بیباک ہیں یا شرمگیں ہیں

کھڑے تھے ہم جو اس گلرو کے آگے
ق
سبب یہ کچھ جو ہم الفت گزیں ہیں

کہا کہیے نظیر اپنی تمنا ؎
بڑے ہی آپ صاحب دور بیں ہیں

کچھ ایسا ہو کہ جس میں لوگ ہم کو
کہیں یہ بھی اب ان کے ہمنشیں ہیں

(۲۹۰)

اس کے رخسار کی صباحت میں
شور ہے خال کا ملاحت میں

حسن کو دیکھ اے دل ناداں
ورنہ پڑ جائے گا قباحت میں

ہو گئے جو مقیم کوئے بتاں
پھر نہ آئے کبھی سیاحت میں

دل لگا کر نظیر بیٹھے ہم
ق
رنج سے دور ہو کے راحت میں

جب سنا یہ کہ یاں ہے فرقت بھی
آگیا فرق استراحت میں

(۲۹۱)

کیا کہیں ہم یہ رات چاہت میں ۔۔۔ گزری کیا واردات چاہت میں
شدتِ اُلفت میں کیا مزا اے دل ۔۔۔ چاہیے کچھ ثبات چاہت میں
یار چاہے تو پل میں آساں ہو ۔۔۔ ورنہ ہیں مشکلات چاہت میں
کڑوی باتیں نظیرؔ لگتی ہیں ۔۔۔ دل کو مثلِ نبات چاہت میں

کر دے حنظل کو ایک دم میں شہد
ہم نے دیکھی یہ بات چاہت میں

(۲۹۲)

ق

نہ دیویں ہم تو دل اپنا کبھی بتوں کے تئیں[1] ۔۔۔ پہ ان کے حُسن کے آگے کچھ اختیار نہیں
نظیرؔ ایک دن اس تند خو سے میں نے کہا ۔۔۔ یہ فارسی میں کہ اے مہ عذار و زہرہ جبیں
چہ[2] کردہ ام کہ نگاہے بحالِ من نہ کنی ۔۔۔ چہ گفتہ ام کہ نگوئی دمے بیا بنشیں
بجز[3] جفا و تعدی نمی کنی بر من ۔۔۔ نگہ عتاب قریں داری و جبیں پُر چیں

دلم[4] برائے ہمیں بردہ کہ ظلم کنی
شنید و گفت "دلے بردہ ام برائے ہمیں"

(۲۹۳)

دور سے منہ کو دکھا جاوے تو کچھ دور نہیں ۔۔۔ اپنے منظور کو یہ بات بھی منظور نہیں
تاک کر سنگ نہ پھینکو کہ مرے سینے میں ۔۔۔ دل پر اک آبلہ ہے خوشۂ انگور نہیں
اک تبسم ہے بتوں کا مری صحت کی دوا ۔۔۔ پر وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں تو رنجور نہیں
اُن کا گورا وہ بدن ہے کہ برابر اس کے ۔۔۔ سیم خالص نہیں موتی نہیں بلور نہیں

حسن میں اس درِ یکتا سے جو ہمتا ہو نظیرؔ
آدمی کیا کہ پری کا بھی یہ مقدور نہیں

[1] تئیں متروک ہے اور اس کے بجائے اب "کو" زیادہ فصیح سمجھا جاتا ہے ۱۲

[2] میں نے کیا خطا کی ہے کہ تو میرا حال نہیں دیکھتا اور ایسا میں نے کیا کیا ہے کہ دم بھر بیٹھنے کے لیے تو مجھ سے نہیں کہتا ۱۲

[3] سوائے اس کے تو مجھ پر ظلم و جور کرے اور کچھ نہیں کرتا۔ میری طرف سے تیری نگاہ میں عتاب بھرا ہے اور پیشانی پر شکن پڑی ہے ۱۲

[4] کیا تو میرا دل اسی لیے لے گیا تھا کہ مجھ پر ظلم کرے۔ اُس نے یہ سنا تو بولا کہ جی ہاں اسی لیے میں نے دل لیا تھا ۱۲ آسی

(۲۹۴)

دل ٹھہرا ایک تبسم پر کچھ اور بہا اسے جان نہیں
گر ہنس دیجے اور رہے لیجے تو فائدہ ہے نقصان نہیں

یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یا رو
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں

جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے
ہے کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں

کچھ بن نہیں آتا کیا کیجے کس طور سے ملیے اے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو چین اک آن نہیں

تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
ہیں کہتے جس کو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں

دل پھنس کر اس کی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹا اس کے دام سے تو وہ دانا ہے نادان نہیں

زنہار نہ رکھیو دل میں نظیر اس لب سے توقع بوسے کی
گر بھولے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں

(۲۹۵)

کیا دل لگا دیں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں
تھے واں ثبات اس سے بہم تھے یاں قیام اپنے نہیں
تھا اک مکان دلکشا رشک چمن جس کی فضا
تھی اس جگہ رونق فزا رقاصہ شوخ اک نازنیں
قد حسرت سرو چمن لب غیرت لعل یمن
جعد معنبر پرشکن نوک مژہ نشتر قریں
دیکھ اس کے رقصوں کی ادا دل رقص میں تھے جا بجا
نغمات یکسر سحر زا، انداز کل جادو گزیں
ناز و ادا کی گر میاں غارت گر صبر و تواں
طور تکلم در فشاں طرز تبسم شکریں

کیا کیا لگاوٹ سے بدل کیا کیا رکھاوٹ برمحل
گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجوزہ[1] ہو گئی
وہ گل سا مکھڑا زرد ہے گرمی کا عالم سرد ہے
جوں بید لرزاں دست و پا ہے جائے چوب گل عصا
نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی
دیکھ اس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں

کیا کیا بناوٹ پل بہ پل کرتی تھی وہ زہرہ جبیں
وہ نوجوانی تازگی دیکھی تو کوسوں تک نہیں
جاں رنج سے پر درد ہے آزردہ دل اندوہگیں
ہر مو جو سنبل رشک تھا یکسر ہے برگ یاسمیں
نے لب میں وہ سرخی رہی نے منہ میں وہ در ثمیں[2]
تھی کل تو رشک گلستاں ہے آج خار سہمگیں

بولی نظیر عبرت میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم و رہ گاہے چناں گاہے چنیں

(۲۹۶)

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں
نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں

تو ہزار مجھ کو ستا پری تری چاہ مجھ سے نہ چھوٹے گی
مرے دل کی تو ہے یہی خوشی تو جفا کرے میں وفا کروں

جو نہی بوسہ میں نے کیا طلب تو کہا تجھے تو نہیں ہے ڈر
مجھے خوف ہے کہ مباد اگر کوئی دیکھ لے تو میں کیا کروں

مجھے مدتوں سے ہے درد دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر
تو کہا کہ اس کی دوا ہے یہ تو کہا کرے میں سنا کروں

جو نگہ سے چاہ کے دیکھیے تو چڑھا کے تیوری یہ کہتا ہے
تری اس نگہ کی سزا ہے یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

کبھی اس کے کوچے میں جا ملے جو بکام دل گھڑی دو گھڑی
تو مجھے ہیں یاد وہ مکر و فن پھر اسی کے دل میں ہیں جا کروں

[1] عجوزہ۔ بڑھیا ۱۲ [2] دُرثمین قیمتی موتی ۱۲ [3] مثال سقوط عین ۱۲ آسی

کوئی بولا تم نے نظیر کو نہ جھڑک دیا تو کہا میاں
دل و جاں سے مجھ پہ فدا ہے وہ اسے کس طرح میں خفا کروں

(۲۹۷)

دوانہ ترا عاشق زار میں ہوں
فدا تجھ پہ مدت سے اے یار میں ہوں
فریبوں میں کب تیرے آتا ہوں ظالم
فریبی جو تو ہے تو عیار میں ہوں
جسے اس نے کاٹا موا بے اجل وہ
سمجھتا تری زلف کو مار میں ہوں
اگرچہ وہ گل ہے دیا چشم نرگس
ترے باغ تازہ کا اک خار میں ہوں

(۲۹۸)

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں
مے کہیں شیشہ کہیں، ساقی کہیں، جام کہیں
دل کی بیتابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہے مجھے
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں
ایک دل دیجیے کس کس کو سبھی مانگتے ہیں
بُندے بالے کہیں اور زلف سیہ فام کہیں
نامہ بر نامہ لکھوں یا میں زبانی کہدوں
خط کے پرزے پہ لکھوں قاصد ناکام کہیں

دل بھی اور جان دیا سب نے اسی پر ہے نظیر
گل کہیں، غنچہ کہیں، بلبل بدنام کہیں

(۲۹۹)

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں
بھر آرہا ہے ترے غم سے آب آنکھوں میں
جدھر وہ دیکھے اُدھر صف کی صف الٹتی ہے
بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں
تھا نہ اشک نہ نیند آئی نا پلک جھپکی
بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

شتابی آن کے محبوبو، پگڑیاں رنگ لو
نظیر لایا ہے بھر کر شہاب آنکھوں میں

(۳۰۰)

اپنی پرستشوں کی گرچہ نہایتیں ہیں — لیکن بتوں کی ہم سے اب تک شکایتیں ہیں
منہ کو پھرا کے ہم سے آئینے کو دکھانا — آئینہ روئیوں کی کیا کیا رعایتیں ہیں
کہتے ہیں ہم جو آؤ تو در جواب اس کے — ایک اک سخن میں سو سو طرزیں کنایتیں ہیں
بے رحمی نگہ کی فریاد جب ہیں کرتے — تو ہم کو جھڑکیاں ہیں اس کی حمایتیں ہیں
بخت سیہ ہمارا محروم لطف سے ہے — اور سرمہ و مسی پر کیا کیا عنایتیں ہیں
سن کر کسی کے غم کو کہتے نہیں کہ سچ ہے — تحریک لب کی اپنے یاں تک کفایتیں ہیں

دے کر نظیر دل کو جو جو سہیں جفائیں
کہیئے کہاں تک ان کو لاکھوں حکایتیں ہیں

(۳۰۱)

یہ جو گلرو نگار ہنستے ہیں ہ — فتنہ گر ہیں ہزار ہنستے ہیں
عرض بوسے کی سچ نہ جانو تم — ہم تو اے گلعذار ہنستے ہیں
ق
دل کو دے مفت ہنستے ہیں ہم یوں — جس طرح شرمسار ہنستے ہیں
ہم جو کرتے ہیں عشق پیری میں — خوبرو بار بار ہنستے ہیں

جو قدیمی ہیں یار دوست نظیر
وہ بھی بے اختیار ہنستے ہیں

(۳۰۲)

کہتے ہیں جس کو نظیر سنیئے ٹک اس کا بیاں — تھا وہ معلم غریب بزدل و ترسندہ جاں
کوئی کتاب اس کے تئیں صاف نہ تھی درس کی — آئے تو معنی کہے ورنہ پڑھائی رواں
فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے — فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ این و آں
لکھنے کی یہ طرز تھی، کچھ جو لکھے تھا کبھی — پختگی و خامی کے اس کا تھا خط درمیاں

شعر و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے — اپنے اسی شغل میں رہتا تھا خوش ہر زماں

شست روش پست قد سانولا ہندی نژاد — تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں

ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور — تھا وہ پڑا آن کر ابروؤں کے درمیاں

وضع سبک اس کی تھی، تس پہ نہ رکھتا تھا ریش — موچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے نیہ بہاں

پیری میں جیسی کہ تھی اس کو دل افسردگی — ویسی ہی رہتی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں

جتنے غرض کام ہیں اور پڑھانے سوا — چاہیے کچھ اس سے ہوں اتنی لیاقت کہاں

فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و نان

(۳۰۴)

جب کہ اُلٹی ہم نے تکرارِ نظر پہ آستیں — کھینچ لی اُس نے رخِ رشکِ قمر پہ آستیں

اُس پری رو کے دوانے کی یہ ہے شکلِ لباس — تارِ دامن خار پر، شاخِ شجر پہ آستیں

(۳۰۴)

طلعتِ یوسف صباحت میں ہے لاثانی، ولے — یہ نمک یہ خال و خط، یہ زلف، یہ ابرو کہاں

کس طرح سنبل ہو اُن زلفوں سے آکر سربسر — یہ لٹک، یہ بل، یہ پیچ و تاب، یہ خوش بو کہاں

(۳۰۵)

یہ حسن دی بہاراں جن دہلی آندیاں ہیں — کہ کہ طرح جگر وچ دھوماں مچاندیاں ہیں

کوئی نہ دیکھدا ہے، دیکھو ادھر تو پیارے — تم بن ہماری انکھیاں آنجھو بہاندیاں ہیں

(۳۰۶)

کل نظیر اس نے جو پوچھا بہ زبانِ پنجاب — نہہ وچ مینڈی ہے کے حال تسادا وے میاں

جوڑ ہتھ ہم نے کہا حال ”اساڈے دل دا — تسی سب جان دی ہو جی اسے کے عرج کراں

(۳۰۷)

چاہت سے اب افشا کن اصرار تو ہم ہیں — کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں

کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ — حسرت زدۂ شوخی رفتار تو ہم ہیں

متفرقات (ن)

چھوٹا سا خال اس رخ خورشید تاب میں — ۴۰ — ذرہ سما گیا ہے دل آفتاب میں

چمن میں جب سے لب اُس غنچہ لب نے کھولے ہیں — ۴۱ — گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں

میں اک اپنے یوسف کی خاطر، عزیز و — ۴۲ — یہ ہستی کی ساری دکان بیچتا ہوں

طوفان اٹھا رہا ہے مرے دلمیں سیل اشک — ۴۳ — وہ دن خدا نہ لائے جو میں آبدیدہ ہوں

صبح جب بول اُٹھا مرغ سحر ٹکڑوں کوں — ۴۴ — اُٹھ گئے پاس سے وہ رہگیا میں ٹٹروں ٹوں

کس کو کہیے نیک اور ٹھہرائیے کس کو بُرا — ۴۵ — غور سے دیکھا تو سب اپنے ہی بھائی بند ہیں

ردیف واؤ ۔ (و)

(۳۰۸)

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو — جس کی نوید پہونچی ہے رنگ بسنت کو

دی بر میں اب لباس بسنتی کو جیسے جا — ایسے ہی تم ہمارے بھی سینے سے آلگو

گر ہم نشے میں بوسے کہیں دو تو لطف سے — تم پاس منھ کو لا کے یہ ہنس کر کہو کہ لو

بیٹھو چمن میں نرگس صد برگ کی طرف — نظارہ کر کے عیش و مسرت کی داد دو

سن کر بسنت مطرب زریں لباس سے — بھر بھر کے جام پھر مے خوشرنگ کے پیو

کچھ قمریوں کے نغمے کو دو سامعے میں جا — کچھ بلبلوں کا زمزمہ دل کشا سنو

مطلب ہے یہ نظیر کا یوں دیکھ کر بسنت
ہو تم بھی شاد دل کو ہمارے بھی خوش کرو

(۳۰۹)

ہم دم چھپاوے واں کوئی کیا دل کی چاہ کو
شاہد جہاں سمجھتے ہیں پہلی نگاہ کو

دکھلا حنائی دست لیا جیب سے دین و دل
کیا دست رس ہے دیکھیے اس دستگاہ کو

بیٹھا جو چاندنی میں تو رُخ کی جھلک دکھا
خجلت تھی کون سی کہ نہ دی روئے ماہ کو

ناصح تو راست کہتا ہے لیکن وہ کیا کرے؟
دے بیٹھے اپنا دل جو کسی کج کلاہ کو

ق

جھڑکی سے، اُس نے ہم کو خفا دیکھ کر، کہا:
"کیا ناپسند گنتے ہو اس رسم و راہ کو

جانتے ہیں جھڑکیوں میں ہماری وہ لذتیں
جو چاہ میں سمجھتے ہیں بہتر نگاہ کو

گر عار ہے کچھ اس میں تمھیں، تو میاں نظیر
لے جاؤ اپنے اس دل عزت پناہ کو

(۳۱۰)

حسن و فا سے کیا کیا دکھلا دیا ہے تم کو
کیوں جی دل اپنا ہم نے کیسا دیا ہے تم کو

ہوش و خرد دل و دیں صبر و قرار اپنا
دیکھو تو ہم نے اے جان کیا کیا دیا ہے تم کو

تیوری دکھا کے ہم کو بولا ادب سے رہنا
مت بھولنا یہ ہم نے سمجھا دیا ہے تم کو

ق

چاہت کی دھن میں ہم سے اک مہرباں نے پوچھا
نقشا کسی نے اس کا بتلا دیا ہے تم کو

مشکل ہے وہ تو اور تم سمجھے نظیر آساں
یہ تو میاں کسی نے بہکا دیا ہے تم کو

(۳۱۱)

چاہت میں جس سے اے دل کچھ بھی معاملہ ہو
وہ راہ واں نہ چلیے جس راہ کا گلہ ہو

مجنوں کی عشق بازی ہم نے سنی تو جانا
کیونکر نہ ہو وہ لیلیٰ جس کا یہ حوصلہ ہو

لب بوسۂ کفِ پا ہیہات تو نہ اے دل
ایسا نہ ہو کہ اس کے پاؤں میں آبلہ ہو

چاہت کی شرط یوں ہے، ہو چاہ جسکی اس سے
ظاہر میں گر ہو دوری دل میں نہ فاصلہ ہو

مژگاں کی نوکیں چھوکیں دل کو نظیرؔ اپنے
کب دیکھنے میں آویں، جب پھر مقابلہ ہو

(۳۱۲)

بھوؤں کی تیغ کہا دل پہ آزمانے دو — قرار ایک کا کر کر لگے لگا سنے دو
مجال کیا جو چھوئیں ہم تمھاری زلف اے جاں — بھلا ہمیں کف پا تک تو ہاتھ لانے دو
حنا لگائی ہے یا حرف ہے نزاکت کا — نہ باہر آنے کے اکثر یہ ہیں بہانے دو
ق
کہا کسی نے نظیرؔ آتا ہے تو اس گل نے — کہا کہ اس کو نہ آگے قدم بڑھانے دو

جو ہو بعید نہایت تو روک دو اس کو
ہمارے پاس نہ اس وقت اس کو آنے دو

(۳۱۳)

جو دیکھو ہنس کے تم تو بند اشکوں کی روانی ہو — لب جاں بخش کو کھولو تو اپنی زندگانی ہو
وہ گورا چاند سا مکھڑا عرق آلودہ گر دیکھے — تو کیا شک ہے کہ بہہ جاوے پری کا حسن پانی ہو
مجھے کل اک پری نے یوں کہا ہم ای نظیرؔ اسدم — کہیں اک بات ایسی جس میں تجھ کو شادمانی ہو
نہ مل اس سنگدل سے تو جو ملنا ہی تو مل ہم سے — کہا میں نے یہ سنکر واہ تم بھی خوب سیانی ہو

اسے میں چھوڑوں اور چاہوں تمھیں اے پی یہ ممکن ہو
عجب تم بھی کوئی اُلٹی سٹرن خبطن دوانی ہو

(۳۱۴)

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو — یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
جدا جو ہم کو کرے اس صنم کے کوچے سے — الٰہی راہ میں ایسا کوئی رقیب نہ ہو
علاج کیا کریں جس کا تپ جدائی کا — سوائے وصل کے اس کا کوئی طبیب نہ ہو
نظیرؔ اپنا تو معشوق خوبصورت ہے — جو حسن اس میں ہے ایسا کوئی عجیب نہ ہو

(۳۱۵)

مہ ہے اگر جوئے شیر، تم بھی زری پوش ہو
دودھ چھٹی کا اسے یاد دلانے چلو

آئینۂ ماہ کو لعل لب اپنے دکھا
چشمۂ کافور میں آگ لگانے چلو

تم ہو مہ چار دہ، چار قدم رکھ کے آج
بدر فلک قدر کی قدر گھٹانے چلو

(۳۱۶)

تیر نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو
لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو

ان ابروؤں سے وہ بھی مقابل نہ ہو سکیں
بالفرض آسماں پہ اگر ہوں ہلال دو

ڈالی سمیت گل کو اٹھایا تو ہے وسلے
پہنچے میں نازکی ہے بس اب اسکو ڈال دو

تلوار اس کے ابرو نے کھینچی میاں نظیر
دل تم بھی دو بدو ہی کے سانچے میں ڈھال دو

(۳۱۷)

کہا جو ہم نے "ہمیں در سے کیوں اٹھاتے ہو؟"
کہا کہ "اس لیے تم یاں جو غل مچاتے ہو"

کہا "لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمدم؟"
کہا کہ "تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو"

کہا جو حال دل اپنا، تو اُس نے ہنس ہنس کر
کہا "غلط ہے، یہ باتیں جو تم بناتے ہو"

کہا "جتاتے ہو کیوں ہم سے روز ناز و ادا؟"
کہا "کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو"

کہا کہ "عرض کریں ہم پہ جو گزرتا ہے"
کہا "خبر ہے ہمیں، کیوں زباں پہ لاتے ہو"

کہا کہ "روٹھے ہو کیوں، ہم سے کیا سبب اسکا؟"
کہا "سبب ہے یہی، تم جو دل چھپاتے ہو"

کہا کہ "ہم نہیں آنے کے یاں" تو اُس نے نظیر
کہا کہ "سوچو تو کیا آپ سے تم آتے ہو؟"

(۳۱۸)

دل جن کو دیا تا نام تک اُن کا نہ پوچھا
تکلیف نہ ہو تا لب ریحاں نفسوں کو

گو آتش گل بھڑکی ہے، پر یہ نہیں توفیق
پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو

(۳۱۹)

خط کی رخساروں پر اس گل کے جو تحریریں ہیں دو
ہے وہ مصحف رخ کہ جس کے ساتھ تفسیریں ہیں دو

حسن وہ ترک ستمگر ہے کہ جس کے پاس چار
ترکشیں مژگاں کی اور ابرو کی شمشیریں ہیں دو

یا بلاؤ ہم کو پنہاں یا تم آؤ چھپ کے یاں
گر ملا چاہو تو ملنے کی یہ تدبیریں ہیں دو

فی الحقیقت فیض جذب عشق سے باہم ہیں ایک
لیلیٰ و مجنوں کی گو ظاہر میں تصویریں ہیں دو

دل دیا اور کی وفا اس کی جفاؤں پر نظیرؔ
غور سے دیکھا تو یہ اپنی ہی تقصیریں ہیں دو

(۳۲۰)

کچھ ڈر ہے ادھر آؤ اور اک آن نہ بیٹھو
ہنس کر یہ کہا تم کہیں پاس آن نہ بیٹھو

خوباں خرد و ہوش کو چھینے ہیں میاں دل
تم ان میں لیے ساتھ یہ سامان نہ بیٹھو

زلفوں میں پھنسا ہم کو یہ کہتا ہے وہ عیار
اس کوچے میں تم مثل پریشان نہ بیٹھو

یوں کھول کے رخسار پہ کاکل سر محفل
غافل نظر بد سے مری جان نہ بیٹھو

آئے ہو نظیرؔ اب جو تم اس بزم بتاں میں
نظارہ کرو سر بگریبان نہ بیٹھو

(۳۲۱)

منہ کو دکھا کر ذرا اے گل خندان تو
پوچھ کبھی تو مرے دیدۂ گریان تو

داغ بہ دل، چشم تر، آہ بلب، سینہ چاک
دیکھ مری چاہ کے آن کے سامان تو

ہنس کے رقیبوں کے ساتھ پیار سے یوں دمبدم
توڑے ہے کیوں زخم پر میرے نمکدان تو

شام سے لے صبح تک صبح سے لے تا بہ شام
دل سے نہیں بھولتا اب مرے ایک آن تو

جان تو دے گا نظیرؔ جانے نہ دے گا سب تجھے
ہاتھ سے اس کے عبث کھینچے ہے دامان تو

(۳۲۲)

جھڑکے بھی نہ الفت سے جو امداد کوئی ہو
تو ناز کا حسرت زدہ کیا شاد کوئی ہو
مشاطۂ ذرا بہر خدا حسن کی اس کے
اتنی نہ ہوا باندھ جو برباد کوئی ہو
اے دل تو عبث اس سے نہ کر خواہش دشنام
دشنام تو وہ دے جو اسے یاد کوئی ہو
تخفیف جفا کا یہ سبب ہے کہ مبادا
شاید کہیں مجھ سا نہ پریزاد کوئی ہو
منظور ہوا دام میں جب دل کو پھنسانا
پھر وسوسہ کیا چاہیے صیاد کوئی ہو
ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے
وہ آن غضب ہے جو خدا داد کوئی ہو
بیداد بھی کرتا ہے بہت وہ تو نظیر آہ
البتہ جو شائستۂ بیداد کوئی ہو

فرد

سرچشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ ۴۶ حضرت خضر کہیں سے جاکر شراب لاؤ

ردیف ہائے ہوز (ہ)

(۳۲۳)

جنھیں بر آرہے صحبت خیال یار کے ساتھ
وہ سب بہاریں ہی سمجھے ہیں اس بہار کے ساتھ
اکیلے باغ میں جانے سے لطف کیا ہمدم
چمن کی سیر جو کیجے تو گلعذار کے ساتھ
ہوائیں ہو کے یہاں روح سنبلستاں کی
لگی پھرے ہے تری زلف مشکبار کے ساتھ
میں منتظر بھی ہوں اور پوچھ بھی نہیں سکتا
یہ اور رشک کا نسخہ ہے انتظار کے ساتھ
رقیب کہتے ہیں پھرتا ہے یار ساتھ ترے
وہ گر پھرا بھی تو مجھ سے خراب خوار کے ساتھ
شراب و شاہد و عیش و نشاط و درد و الم
یہ سب معاملے ہیں اک نفس کے تار کے ساتھ

لہ مشاطہ کنگھی کرنے والی اور عورتوں کا بناؤ سنگھار کرنے والی عورت ۱۲ آسی

نظیر کاکلِ پیچاں نہ جانیو اس کو
میاں یہ مار ہے بازی نہ کیجو مار کے ساتھ

(۳۲۴)

داماں و کنار اشک سے کب تر نہ ہوے آہ
دو چار بھی آنسو مرے گوہر نہ ہوے آہ

جیسے کہ دل ان لالہ عذاروں کے ہیں سنگیں
دل چاہنے والوں کے بھی پتّھر نہ ہوے آہ

کہتے ہیں کہ نکلا ہے وہ اب سیر چمن کو
کیا وقت ہے اس وقت مرے پر نہ ہوے آہ

خوباں کے تو ہم فدوی و بندہ بھی کہائے
لیکن وہ ہمارے نہ ہوے پر نہ ہوے آہ

کیا تفرقہ ہے جب کہ گئے ہم تو نہ تھا وہ
اور آیا وہ ہم پاس تو ہم گھر نہ ہوے آہ

کیا نقص ہے اس غیرت خورشید کے آگے
ہم لعل تو کب ہوتے ہیں اخگر نہ ہوے آہ

دریا بھی بہے مے کے پر اے بادہ پرستاں
یہ خشک وہ لب ہیں کہ کبھی تر نہ ہوے آہ

دیکھ اس کو نظیر اب مجھے آتا ہے یہی رشک
کیوں ہم بھی اسی طرح کے دلبر نہ ہوے آہ

(۳۲۵)

پان کھا کر جب کہا اس نے کہ لانا آئینہ
رشک رنگ لعل ہو گا ہم نے جانا آئینہ

جب کہا کچھ ہم یہ فرمائش نہیں کرتے میاں
دیکھ کر منھ کو یہ فرمایا لے آنا آئینہ

ق

دیر تک دیکھا کیا منھ کو تو ہم نے یوں کہا
دیکھیں ٹک اپنا میاں ہم کو دکھانا آئینہ

لینے جو آیا نظیر اس سے یہ بولا ہنس کے شوخ
ہاتھ سے ان کے نہیں یہ تو لگانا آئینہ

یہ پرانے ہیں اگرچہ تو گرفتاروں میں ہیں
خیر ان کو بھی کوئی لا دو پرانا آئینہ

(۳۲۶)

جو کہتے ہو چلیں ہم بھی ترے ہمراہ بسم اللہ
پھر اس میں دیر کیا اور پوچھنا کیا واہ بسم اللہ

قدم اس ناز سے رکھتا ہوا آتا ہے محفل میں — کہ اہل بزم سب کہتے ہیں بسم اللہ بسم اللہ
لگائی اس نے جو جو تیغ ابرو کی مرے دل پر — لب ہر زخم سے نکلی بجائے آہ بسم اللہ
شب مہ میں جو کل ٹک ڈگمگایا وہ شہ انجم — وہیں بولے خدا حافظ پکارا ماہ بسم اللہ
وہ جس دم نسخۂ ناز و ادا آغاز کرتا ہے — تو ہم کہتے ہیں ایک ایک آن پر واللہ بسم اللہ
جو اس کی چاہ کا جی میں ارادہ ہو تو بس اے دل — مبارک ہو تجھے جا شوق سے تو چاہ بسم اللہ

نظیر اس دلربا محبوب چنچل سے لگا کر دل
ہمیں کہنا پڑا ہے دمبدم اللہ بسم اللہ[1]

(۳۲۷)

لگی ہے دل کی لگن اس حیا شعار کے ساتھ — جو آرسی کو بھی دیکھے کبھی تو عار کے ساتھ
کمال شوخیاں تس پر یہ تمکنت یہ مزاج — کہ ہے سبک سی ادا وہ بھی سو وقار کے ساتھ
ہزار گل کی بہاریں نہ ہو سکیں ہمسر — تمہارے ایک کرن پھول کی بہار کے ساتھ
جو چاہو طائر دل بچ سکے تو کیا امکان — ہجوم دام ہے کاکل کے تار تار کے ساتھ

اسے میں سحر کہوں یا فسون طرفہ نظیر
کہ ایک پل میں نگہ لڑ گئی ہزار کے ساتھ

(۳۲۸)

زاہد و روضۂ رضواں سے کہو عشق اللہ — عاشقو، کوچۂ جاناں سے کہو، عشق اللہ،
جس کی آنکھوں نے کیا بزم دو عالم کو خراب — کوئی اُس فتنۂ دوراں سے کہو، عشق اللہ،
یارو دیکھو جو کہیں اُس گلِ خنداں کا جمال — تو مرے دیدۂ گریاں سے کہو، عشق اللہ،
ہیں جو وہ کشتۂ شمشیر نگاہِ قاتل — جا کے اُن گنج شہیداں سے کہو، عشق اللہ،
آہ کے ساتھ مرے سینے سے نکلے ہے دھواں — اے بتاں مجھ دلِ بریاں سے کہو، عشق اللہ،
یاد میں اُسکے رُخ و زلف کی ہر آن، نظیر — روز و شب سنبل و ریحاں سے کہو عشق اللہ[2]

[1] بسم اللہ کا لفظ دعا کے بھی استعمال ہوتا ہے اور کسی کام کے شروع کرتے وقت بھی کہتے ہیں ۱۲ آسی
[2] لگن لگنا۔ لو لگنا تعلق خاطر ہونا دھن بندھنا ۱۲ — عشق اللہ آزاد فقیروں کا سلام ۱۲ آسی

(۳۲۹)

نور حق[1]، شافع امت سے کہو، عشق اللہ، ہر دم اس شاہِ ولایت سے کہو، عشق اللہ،

یاد کر، مومنو، اُس کا وہ ہرا پیراہن سبزۂ باغِ امامت سے کہو، عشق اللہ،

لشکرِ شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا گوہرِ درج شجاعت سے کہو، عشق اللہ،

پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو، عشق اللہ،

ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں سب ہر اک صاحب عزّت سے کہو، عشق اللہ،

راہِ مولیٰ میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر ان شہیدوں کی شہادت سے کہو، عشق اللہ،

مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو، عشق اللہ،

دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ ان جوانوں کی قناعت سے کہو، عشق اللہ،

کہیں ہیں باطنی لوٹے ہیں عبادت کے مزے دوستو اُن کی عبادت سے کہو، عشق اللہ،

چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم سے لے اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو، عشق اللہ،

کہ سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیر
اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

(۳۳۰)

اُس نے[2] ایسے حُسن کے پایا ہے گنجینے پہ ہاتھ رکھتی ہے تعظیم کو جس کے پری سینے پہ ہاتھ

آج تو وہ حسن چمکا تھا کہ غش آتا اسے رکھ نہ دیتے ہم اگر جلدی سے آئینے پہ ہاتھ

یوں پڑا کوچے میں اسکے میں کہ اس نے رحم سے رکھ لیا "وہ ہا" کہہ کے اپنے سیم گوں سینے پہ ہاتھ

پاؤں اس کے دابتے غیروں نے دیکھا تھا مجھے کوٹتے سب مل کے گر پاتے مرے سینے پہ ہاتھ

کب اُترتا بام سے میرے وہ ملنے کو نظیر
دل نہ رکھتا زیر پا اس کے جو ہر زینے پہ ہاتھ

[1] یہ غزل بطریق سلام کہی گئی ہے ۱۲
[2] ہاتھ پانا قبضہ پانا قدرت پانا ۱۲ آسی

(۳۳۱)

کل لگ چلے جو ہمدم ہم یار سے زیادہ
دشنام دے کے جھڑکا ہر بار سے زیادہ

بوسے جو کرکے وعدہ دینے لگا تو بولا
لو جی مگر نہ لینا اقرار سے زیادہ

ہے بالین تو اس کا پر غور سے جو دیکھا
کیا کیا لگاوٹیں ہیں مقدار سے زیادہ

پوچھا تمھارے منھ کی ہے کس قدر تجلی
ہنس کر کہا کہ مہ کے انوار سے زیادہ

بیدردی بتاں کا شکوہ نظیرؔ مت کر
ان کی تو ہیں جفائیں اظہار سے زیادہ

(۳۳۲)

گورے ہاتھ اس کے وہ رکھتے ہیں عجب[1] تاب پہ ہاتھ
مار بیٹھے ہیں غرض پنجۂ مہتاب پہ ہاتھ

پوچھا خواب آتا ہے تم کو تو اشاروں کے طریق
رکھ دیا ہم نے وہیں مسند کمخواب پہ ہاتھ

پڑ گئی دور سے تھی جی میں دھڑک تو لیکن
ہم نے دیکھا اسے رکھ کر دل بیتاب پہ ہاتھ

پاؤں میں دیکھ حنا اس کی سر انگشتوں کی
رکھ لیا شرم سے ہر برگ نے عناب پہ ہاتھ

دی جو دشنام بجائے شکر بوسہ نظیرؔ
مارے خوش وقتی سے جب دل نے اسی راب پہ ہاتھ

(۳۳۳)

بسکہ دل اس کا ہے مانوس خیال آئینہ
ہے وہ ملک حسن محروس خیال آئینہ

تھا وہ پشت بام پر عکس آرسی میں ہم نے بھی
زور حکمت سے لیا بوس خیال آئینہ

[1] یعنی اُس کے گورے ہاتھ عجب تاب پر قدرت رکھتے ہیں آسی

تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے ۔ بلبل تصویر و طاؤس خیال آئینہ
دل جفا سے اُس کی آزردہ ہو سو ہوتا نہیں ۔ بے خطر ہے زنگ سے روس خیال آئینہ
کل اسے آئینہ خانے میں جو تھی مشق خرام ۔ تھا دو صد جا ہم کو پابوس خیال آئینہ
صافی دل کا لغت اس سے نہ پھر نہاں رہے ۔ یک نظر دیکھے جو قاموس خیال آئینہ

ہے اگر منظور سیر عالم حیرت نظیر
تو دل اپنا کر تو محبوس خیال آئینہ

(۳۳۷)

ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ ۔ ہم عید کے بھی دن رہے اُمید وار آہ!
ملنا تو اک طرف ہی عزیزو کہ بھر نظر ۔ پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ!
تھی اُس عید کی، سو گئی وہ بھی، دوستو ۔ اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار، آہ!
ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی ۔ کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہم کنار، آہ!

جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اُس کے اُپر تو حیف ہے، اور صد ہزار آہ

(۳۳۸)

تری وہ شان کی رفعت ہے یا رسولؐ اللہ ۔ کہ لامکاں نے کہا "لا الٰہ الا اللہ"
وہ نورِ دیدۂ احمدؐ کہ جس کے رُتبے کی ۔ حدیثِ بضعۃ منّی، ہے دو جہاں میں گواہ

متفرقات ردیف (ہ)

مطلع

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لیجاتا ہے وہ ۔ ۴۷ ۔ پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

مصحف رُخ پہ ترے ابروے پیوستہ نہیں ۴۸ سو قلم سے ید قدرت نے لکھا بسم اللہ

ردیف یائے تحتانی (ی)

(۳۳۹)

خجلت تو نہ دی کچھ اُس بھیرکی یاری نے
شرمندہ کیا ہم کو ناتجربہ کاری نے

گلشن میں نقاب اُٹھا دو بار رخ اُسکے سے
کیا لطف کیا ہم پہ کل باد بہاری نے

صد پارہ کیا دم میں کل گل نے گریباں کو
اُس رشک گلستاں کی اک زیب شعاری نے

رات اُس کو سنا آتے پھر صبح تلک ہم کو
اک لحظہ نہ دی فرصت ساعات شماری نے

کیا کیا چمن پہ گل نہ کھلائے نظیر اُس دم
اُس دستِ نگارین کی توصیف شماری نے

(۳۴۰)

میاں دل تجھے لے چلے حسن والے
کہوں اور کیا، جا خدا کے حوالے

ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رولوں
تو مجھ سے ذرا مل کے آنسو بہالے

چلا اب تو ساتھ ان کے تو بے بسی سے
لگا میرے پہلو میں فرقت کے بھالے

خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے
کہیں مت نکلنا اندھیرے اُجالے

ترے اور بھی ہیں طلب گار کتنے
صبا آ کوئی تجھ کو واں سے اُڑا لے

کہیں پھر ایسا نہ کیجو کہ مجھ کو
بلا سے پڑیں فال تعویذ والے

کسی کا تو کچھ بھی نہ جاوے گا لیکن
پڑیں گے مجھے اپنے جینے کے لالے

تری کچھ سفارش میں ان سے بھی کردوں
کرے گا تو کیا یاد مجھ کو بھلا لے

سنو دلبرو اگر خواہ مہ جبینو!
میں تم پاس آیا ہوں اک التجا لے

خدا کی رضا یا محبت سے اپنی
پڑا اب تو آ کر تمہارے یہ پالے

تم اپنے ہی قدموں تلے اس کو رکھیو — تسلّی دلاسے میں ہر دم سنبھالے
کبھی اس کو تکلیف ایسی نہ دیجو — کہ غم میں یہ رہ کر کرے آہ و نالے
تمھارے یہ سب ناز اُٹھاوے گا لیکن — وہی بوجھ رکھیو جسے یہ اُٹھالے
نظیر آہ دل کی جُدائی بُری ہے — بہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو کے نالے

اگر دسترس ہو تو کیجے منادی
کہ پھر کوئی سینے میں دل کو نہ پالے

(۳۴۱)

اب دیکھیں پھر ہم اے ہمدم کس روز منھ اس کا دیکھیں گے
وہ زلف وہ تل وہ خال وہ خد وہ رنگ وہ نقشا دیکھیں گے

جب پاس صنم کے بیٹھیں گے خوش ہوکے اس کے لطف سے ہم
وہ بزم وہ خط وہ عیش وہ مے وہ جام وہ مینا دیکھیں گے

مسرور بہت دل ہووے گا خوش جی بھی ہوگا کیا کیا جب
وہ ناز وہ دھج وہ آن وہ سج وہ زیب وہ بالا دیکھیں گے

وہ کاجل چنچل آنکھوں کا وہ مہندی نازک ہاتھوں کی
وہ پان وہ لب وہ حسن وہ جُھبّب وہ گوش وہ بالا دیکھیں گے

ہے جو جو خواہش دل میں نظیر آوے گا ادھر محبوب تو ہم
وہ ربط وہ دہن وہ چین وہ سکھ وہ سیر وہ چرچا دیکھیں گے

(۳۴۲)

خوشی دو چند تھیں سیرِ ماہتاب میں ہے — جلو میں چاہنے والے قمر رکاب میں ہے
ق
لیا ہے ہم سے دل اور دیں بھی ہو طلب کرتے — دل اس تقاضے سے اپنا تو پیچ و تاب میں ہے
کہا کہ "دفترِ حُسن پر یہ خوں کی نظیر — تمھیں خبر نہیں، یہ بھی اسی حساب میں ہے"

(۳۴۳)

تھے آگے بہت جیسے خوش اے یار ہمیں سے ایسے ہی تم اب رہتے ہو بیزار ہمیں سے
ہیں سب سے تو اے ماہ اشارات، ولیکن رہتی ہے بھری ابروے خمدار ہمیں سے
محفل میں جو دیکھا تو ادھر تم ہو خفا، اور ساقی کو بھی ہے حجت و تکرار ہمیں سے
اوروں سے جو کہتے ہو کہ "ہم اُن سے ہیں ناخوش" اُس کو تو فقط کرنا ہے اظہار ہمیں سے
گلگشتِ چمن کرتے ہو جب ہمرہ یاراں واں بھی غرض آتی ہے تمھیں عار ہمیں سے
اقرارِ ملاقات ہے ہر اک سے بصد مہر کی غور تو ہے گا تمھیں انکار ہمیں سے

سمجھے گا جو رتبے کو "نظیر" اہلِ وفا کے
تو ملنے لگے گا وہ طرحدار ہمیں سے

(۳۴۴)

دل لے کے پھر نہ کہیے ہنس کر ملا کروگے یا کرکے عار ہم سے چھٹکے رہا کروگے
کہتے ہو اب جو ہر دم بس جاؤ خوش رہو تم جاویں گے جب تو تم بھی پھر خوش رہا کروگے
خوبی تو لطف میں ہے اے جاں دگرنہ ہم تو سختی بھی کھینچ لیں گے گر تم جفا کروگے
ہر دم تو دیکھو رکھ کر اپنے فریب دل میں کہتا ہے تم تو اک دن ہم سے دغا کروگے

مت عاشقی میں یارو ناخوش "نظیر" سے ہو
اب تو ہوا وہ عاشق پھر کہیے کیا کروگے

(۳۴۵)

مجبور ہو ہم اس کی یوں انجمن سے نکلے جیسے قفس میں پڑ کر بلبل چمن سے نکلے
دل دے کے شمع رو کے کوچے سے کب اُٹھیں ہم پروانہ پر جلا کر کیونکر لگن سے نکلے
سحر نگہ کے ہمرہ پہلو سے یوں چلا دل جیسے کوئی ہو بے بس اپنے وطن سے نکلے
لیلیٰ وشوں کو اس کی ہو کس طرح نہ الفت مجنوں کی شان جس کے دیوانہ پن سے نکلے

کل تو وہ دھج بدل کر دل لے گیا ہمارا
آج اے نظیر دیکھیں وہ کس چھبن سے نکلے

(۳۴۶)

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

ناز اُٹھانے میں جفائیں تو اُٹھائیں لیکن
لطف بھی ایسا اُٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

زخم اس تیغ نگہ کا مرے دل نے ہنس ہنس
اس مزیداری سے کھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی دزدیدہ نگہ نے مرے دل میں چھپ کر
تیر اس ڈھب سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے

بام پر چڑھ کے تماشے کو ہمیں حسن اپنا
اس تماشے سے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی فرقت میں ہمیں چرخ ستمگار نے آہ
یہ رُلایا یہ رُلایا ہے کہ جی جانے ہے

حکم چپی کا ہوا شب تو سحر تک ہم نے
رتجگا ایسا منایا ہے کہ جی جانے ہے

تلوے سہلانے میں گو اونگھ کے جھک جھک تو پڑے
پر مزا بھی وہ اُڑایا ہے کہ جی جانے ہے

رنج ملنے کے بہت دل نے سہے لیک نظیر
یار بھی ایسا ہی پایا ہے کہ جی جانے ہے

سلہ چپی۔ آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں دبانا ۱۲ سلہ رتجگا۔ رات بھر کسی تقریب کے لیے جاگنا ۱۲ آسی

(۳۴۷)

دوری میں اس قمر کے جب آتی ہے چاندنی
خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی

مہ آسماں پہ ہوتا ہے دیکھ اس کو شرمسار
روئے زمیں پہ ٹھوکریں کھاتی ہے چاندنی

محفل میں ہم کو دیکھ یہ کہتا ہے منھ کو پھیر
کیا میلی مفت میں ہوئی جاتی ہے چاندنی

اس سیمبر کے تن کی نزاکت کو باغ میں
نسریں و نسترن کو دکھاتی ہے چاندنی

کیا یک دلی ہے ہم نے جو کہہ بھیجا اے نظیر
تم بن ہمارے دل کو ستاتی ہے چاندنی

سن کر پیامبر سے کہا جا کے تو یہ کہہ
البتہ اپنا جی بھی کڑھاتی ہے چاندنی

گر ہم بغیر واں شب مہ سے ہو تم خفا
تو تم بغیر یاں کسے بھاتی ہے چاندنی

(٢٤٨)

جاں بھی بجاں ہے ہجر میں اور دل فگار بھی
تر ہے مژہ بھی اشک سے جیب بھی اور کنار بھی

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

کوچے میں اس کے بیٹھنا حسن کو اسکے دیکھنا
ہم تو اسی کو سمجھے ہیں باغ بھی اور بہار بھی

نہ کھیے کیا ہو بے طرح دل کی لگے ہیں گھات میں
غمزۂ پر فریب بھی عشوۂ سحر کار بھی

زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیے ہے مستعد طرۂ تابدار بھی

ق

بیٹھے بتوں کی بزم میں جنکی ہے قدر جیسے لوگ
اپنے فریب ذہن سے واں تھا یہ خراب و خوار بھی

گننے لگے وہ اپنے جب چاہنے والوں کو نظیر
اٹھ کے یکایک اس گھڑی ہم نے کہا "ہیں یار بھی"

(٢٤٩)

جو تو کہتا ہے اے غافل "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"
یہ سب کس کا ہے؟ اُسی کا ہے "نہ تیرا ہے نہ میرا ہے"

تو اول سوچ تو دل میں کہ تو ہے کون اور کیا ہے
نمازی ہے، شرابی ہے، اُچکا ہے، لُٹیرا ہے

فرشتہ ہے، پری ہے، دیو ہے، یا آدمی، جن ہے
بلا ہے، بھوت ہے، یا من، مزور، یا کمیرا ہے

تری کیا ذات ہے کیا نام ہے کیا کام کرتا ہے
مسافر ہے، وطن ہے، یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہے

جب ان چیزوں سے تو اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہرا لے
تو اسکے بعد پھر کہیو "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"

یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں، تو اپنا ہی نہیں مالک
تجھے او بے خبر ناداں یہ کس غفلت نے گھیرا ہے

تو کچے سوت کا دھاگا، عبث بل پیچ کھاتا ہے
یہ سب وہم غلط ہے اور قصور فہم تیرا ہے

تو کیا جانے کہ تجھ کو کس نے کس چرخے میں کاتا ہے
تو کیا جانے کہ تجھ کو کس اٹیرن میں اٹیرا ہے

تماشا ہے مزا ہے سیر ہے کیا کیا اہا ہا ہا!
مصور نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہے

ترقی میں تنزل ہے، تنزل میں ترقی ہے
اندھیرے میں اُجالا ہے، اُجالے میں اندھیرا ہے

طلسمات حقیقی ہے یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا
یہی چاند اور یہی سورج، یہی شام اور سویرا ہے

نظیر اللہ اللہ اس جہاں میں دم غنیمت ہے
کہاں ہم اور کہاں پھر تم کوئی دم کا بسیرا ہے

(٣٥٠)

ابرو نے کماں زلف نے زنجیر دکھا دی / مژگاں نے بھی اک ترکش پر تیر دکھا دی
گلگوں دُر دنداں میں مسی شوخ نے ہنسکر / کیا کیا رقم طرفہ کی تحریر دکھا دی
کوچے کی تری خاک نشینی نے ہمیں تو / تانبا ہو طلا جس سے وہ اکسیر دکھا دی
کل اُس نے کہا حُسن میں ہم رشک پری ہیں / مکھڑے نے ہمارے ہی وہ تنویر دکھائی

ہم بولے نظیر اُس سے کہ ہے جھوٹ تو ہنسکر
جھٹ اُس نے پری کی ہمیں تصویر دکھا دی

(٣٥١)

ناگن ہے تری زلف کی دل کیونکہ نہ ڈر جائے / یہ کاٹ ہی کھا دے جو کسی کو تو گزر جائے
شکل و بدن و زیور و پوشاک سب اُسکی / اک عالم تصویر ہیں جس جس پہ نظر جائے
عشاق سے ہے گرم تپاک اتنی ہی خاطر / تو کوئی مرے ڈر سے دم سرد نہ بھر جائے
ہے حسن پرستی بھی عجب چیز وفا کیش / دل پر یہی ہو جائے تو اس کا نہ اثر جائے

محبوب کے رتبے پہ نظر رکھیو نظیر آہ
ایسا نہ ہو جو یار کے دل سے تو اُتر جائے

(٣٥٢)

نہ سرخی غنچۂ گل میں ترے دہن کی سی / نہ یاسمن میں صفائی ترے بدن کی سی
میں کیوں نہ پھولوں کہ اس گلبدن کے آنے سے / بہار آج مرے گھر میں ہے چمن کی سی
یہ برق ابر میں دیکھے سے یاد آتی ہے / جھلک کسی کے دوپٹے میں نورتن کی سی
گلوں کے رنگ کو کیا دیکھتے ہو اے خوباں / یہ رنگتیں ہیں تمھارے ہی پیراہن کی سی

جو دل تھا وصل میں آباد، تیرے ہجر میں آہ!
بنی ہے شکل اب اُس کی اُجاڑ بن کی سی

تو اپنے تن کو نہ دے نسترن سے اب تشبیہ
بھلا تو دیکھ یہ نرمی ہے تیرے تن کی سی؟

ترا جو پائوں کا تلوا ہے نرم مخمل سا
صفائی اُس میں ہے کہئیے تو نسترن کی سی

نظیر ایک غزل اس زمیں میں اور بھی لکھ
کہ اب تو کم ہے روانی ترے سخن کی سی

(۳۵۳)

نہیں ہوا میں یہ بو نافۂ ختن کی سی
لپٹ ہے یہ تو کسی زلف پُرشکن کی سی

میں ہنس کے اس لیے منہ چومتا ہوں غنچے کا
کہ کچھ نشانی ہے اس میں ترے دہن کی سی

خدا کے واسطے گُل کو نہ میرے ہاتھ سے لو
مجھے بُو آتی ہے اس میں کسی بدن کی سی

ہزار تن کے چلیں بانکے خوبرو، لیکن
کسی میں آن نہیں تیرے بانکپن کی سی

مجھے تو اُس پہ نہایت ہی رشک آتا ہے
کہ جس کے ہاتھ نے پوشاک تیرے تن کی سی

ق

کہا جو تم نے کہ "منکا[۱] ڈھلا تو آؤں گا"
ہے بات کچھ نہ کچھ اس میں بھی مکروفن کی سی

وگرنہ سچ ہے تو اے جان اتنی مدت میں
یہی بس ایک کہی تم نے میرے من کی سی

وہ دیکھ شیخ کو لاحول پڑھ کے کہتا ہے
"یہ آئے دیکھیے ڈاڑھی لگا کے سن کی سی"

کہاں تو اور کہاں اُس پری کا وصل نظیر
میاں تو چھوڑ یہ باتیں دوانے پن کی سی

(۳۵۴)

دل میں کچھ خوشدلی جو آ پہونچی
ایسی دل کو نوید کیا پہونچی

کیوں نہ ہو رشک اس کے کوچے میں
ہم نہ پہونچے مگر صبا پہونچی

ق

کف کبھی اپنے ہاتھ کی ہیہات
اس کے پہنچے تلک نہ جا پہونچی

سن کے شہرت نظیر چاہت کی
واں سے تاکیدِ اختفا[۲] پہونچی

[۱] منکا ڈھلنا۔ مرتے وقت آدمی کی گردن کا کسی طرف مائل ہونا ۱۲
[۲] اختفا۔ پوشیدہ ہونا چھپانا ۱۲ آسی

پہنچ گیا یاں وہ کوس شِدّائی[1]
جس کی کوسوں تلک صدا پہونچی

(۳۵۵)

کیوں نہ اُس کی ہو دلربا پہونچی[2] — جس کے پہونچے پہ ہو فدا پہونچی
گر پہونچ ہو تو ہم ملیں آنکھیں — ایسی اس کی ہے خوشنما پہونچی
دل کو پہونچے ہے رنج کیا کیا وہ — اپنی لیتا ہے جب چھپا پہونچی
ایک چھڑی گل کی بھیج کر اس کو — ق فکر تھی وہ نہ پہونچی یا پہونچی

صبح پوچھی رسید جب تو نظیرؔ
دی ہمیں شوخ نے دکھا پہونچی

(۳۵۶)

اس صنم کا قرار کیا کہیئے — سختیٔ انتظار کیا کہیئے
ملتفت ہو تو کچھ کہیں اے دل — وہ تو کرتا ہے عار کیا کہیئے
ہم تجھے چاہیں تو نہ پوچھے بات — یہ طرح ہو تو یار کیا کہیئے
اور اب داہ کے سوا تجھ سے — اے تغافل شعار کیا کہیئے

تھا جو کہنا سو ہم نظیرؔ اس سے
کہہ چکے بار بار کیا کہیئے

(۳۵۷)

کئی دن سے ہم بھی ہیں دیکھتے اسے ہم پہ ناز و عتاب ہے
کبھی منہ بنا کبھی رخ پھرا کبھی چیں جبیں پہ شتاب ہے

ہے پھنسا جو زلف میں اس کے دل تو بتا دیں کیا تجھے ہمنشیں
کبھی بل سے بل، کبھی خم سے خم، کبھی تاب چین سے تاب ہے

[1] مراد شوالا ۱۲
[2] پہونچی پہننے کا ایک مشہور زیور ۱۲ آسی

وہ خفا جو ہم سے ہے غنچہ لب تو ہماری شکل یہ ہے کہ اب
کبھی رنج دل کبھی آہ جاں کبھی چشم غم سے پُر آب ہے

نہیں آتا وہ جو ادھر ذرا ہمیں انتظار میں اس کے یاں
کبھی جھانکنا کبھی تاکنا کبھی بے کلی پئے خواب ہے

وہ نظیر ہم سے جو آملا تو پھر اس گھڑی سے یہ عیش ہیں
کبھی رخ پہ رخ کبھی لب پہ لب کبھی ساغر مئے ناب ہے

(۳۵۸)

جب آیا وہ یاں دلربائی جتانے — تو کیا کیا لگا خوش ادائی جتانے
دکھانے لگی زلف اپنی درازی — مژہ بھی لگی کچھ رسائی جتانے

ق

نظیر ایک دن اس پری رو کے آگے — گئے ہم جو کچھ آشنائی جتانے
دیا جام اور ہم جو ہچکچے[1] تو بولا — تم آئے ہو نفرت فزائی جتانے
پلا دیں گے ہم تو میاں فائدہ کیا
لگے تم جو یاں پارسائی جتانے

(۳۵۹)

پھر اس طرف وہ پری رو جھمکتا آتا ہے — برنگ مہر عجب کچھ چمکتا آتا ہے
ادھر اُدھر جو نظر ہے تو اس لیے یارو — جو ڈھب سے تاکتے ہیں انکو تکتا آتا ہے
کوئی جو راہ میں کہتا ہے دل کی بے تابی — تو اس سے کہتا ہے کیا تو یہ بکتا آتا ہے
ملاپ کرنا ہے جس سے تو اس کی جانب ناز — قدم اُٹھاتا ہے جلد اور ہمکتا[2] آتا ہے
ہمارے دل کی جو آتش ہے دینی بھڑ بھڑ کا
جبھی نظیر وہ پلکیں جھپکتا آتا ہے

[1] ہچکچے یعنی ذرا جھجکے ۱۲
[2] ہمکنا۔ بچے کا ایک گود سے دوسری گود میں جانے کا ارادہ کرنا۔ ہمک کر چلنا ناز و انداز اور تبختر سے چلنا ۱۲ آسی

(۳۶۰)

دیکھ عفت دختر رز کی ہمیں انگور کی سوجھی
کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی

موسیٰ کے تئیں گو شجر طور کی سوجھی
پر ختم رسالت کو بہت دور کی سوجھی

غش کھا کے گرا پہلے ہی شعلے کی جھلک سے
موسیٰ کو بھلا کہیئے تو کیا طور کی سوجھی

ہم نے تو اُسے دیکھ یہ جانا کہ پری ہے
پریوں نے جو دیکھا تو انھیں حور کی سوجھی

دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اس کا
بلور کی جو کی پہ جھلک نور کی سوجھی

سر پاؤں سے جب پھنس گئے اُس زلف سیہ میں
جب ہم کو سیاہی شب دیجور کی سوجھی

جنّت کے لیے شیخ جو کرتا ہے عبادت
کی غور جو ظاہر میں تو مزدور کی سوجھی

مصنوع میں صانع نظر آوے تو نظیر آہ
نزدیک کی نسخہ پھر کی ہے جہاں دور کی سوجھی

(۳۶۱)

یہاں تو کچھ اپنی خوشی سے نہیں ہم آئے ہوئے
اک زبردست کے ہیں کھینچ کے بلوائے ہوئے

آتے ہی رو دئے تو آگے کو نہ رو دیں کیونکر
ہم تو ہیں روز تولد ہی کے دکھ پائے ہوئے

دیکھ کر غیر کے ساتھ اس کو کہا یوں ہم نے
ہو تو تم چاند پر اسوقت ہو گہنائے ہوئے

کل جو گلشن میں گئے ہم تو عجب شکل سے آہ
ہجر کے مارے ہوئے جی سے بتنگ آئے ہوئے

گل جو تازے تھے کھلے کہتے تھے شبنم سے یہ بات
دیکھ کر اُن کو جو وہ پھول تھے کمھلائے ہوئے

آج ہیں شاخ پہ جس طور سے پژمردہ نظیر
کل اسی طرح سے ہم ہو دیں گے مرجھائے ہوئے

(۳۶۲)

جام نہ رکھ ساقیا شب ہے پڑی اور بھی
پہر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی

پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے
اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی

پلکیں تو چھید یں تھیں دل مارے تھی برچھی نگاہ ابرو نے اس پر سے ایک تیغ جڑی اور بھی
کچھ طپش دل تھی کچھ سنتے ہی فرقت کا نام آگ سی ایک آگ پر آن پڑی اور بھی
میری شب وصل کی صبح چلی آتی ہے روک لے اس دم فلک ایک گھڑی اور بھی
گرچہ اُبھر آئی ہیں تن پہ مرے پر میاں اتنی لگائیں جہاں ایک چھڑی اور بھی

کیا کہوں اس شوخ کی واہ میں خوبی نظیر
سنتے ہی اس بات کے ایک جڑی اور بھی

(۳۶۳)

جہاں ہے قد اس کا جلوہ فرما تو سرو واں کس حساب میں ہے
وہ قامت لہ ایسا ہے کچھ قیامت، قیامت اسکی رکاب میں ہے

یہ سب غلط ہے جو یوں ہیں کہتے کہ اس کا مکھڑا نقاب میں ہے
نقاب کیا ہے وہ شرمگیں تو نقاب سے بھی حجاب میں ہے

وہ گورا پنڈا اور اس میں سرخی مگر خدا نے ہے سر سے تا پا
کیا ہے پیدا تو موتیوں کا اور اُس کو گوندھا شہاب ۲ میں ہے

جھمک جو مکھڑے کی دیکھی اس کے تو ہم نے اپنے یہ دل میں جانا
اسی کے پرتو سے مہ ہے روشن اسی کا نور آفتاب میں ہے

رہے گا محبوب جس مکان میں تو واں ہی دیکھیں گے اس کو جا کر
غرض وہ جس کا کہ نام دل ہے یہ دھن اس عالیجناب میں ہے

جو غصہ ہو کر وہ دیوے گالی تو اس ادا سے، کہ ہم تو کیا ہیں
فرشتے غش ہو کے لوٹ جاویں یہ لطف اُسکے عتاب میں ہے

بندھا ہے جب سے خیال اس کا عجب طرح کی لگن لگی ہے
کبھی وہ دل میں کبھی وہ جی میں کبھی وہ چشم پر آب میں ہے

لہ قامت کی تذکیر وتانیث میں فصحا کا اختلاف ہے ۱۲ ۔ ۲ شہاب ایک سرخ رنگ ۱۲ آسی

وہی ادھر ہے وہی اُدھر ہے وہی زباں پر وہی نظر میں
جو جاگتا ہوں تو دھیان میں ہے جو سو گیا ہوں تو خواب میں ہے

نظیر سیکھے سے علم رسمی بشر کی ہوتی ہیں چار آنکھیں
پڑھے سے جس کے ہوں لاکھ آنکھیں وہ علم دل کی کتاب میں ہے

(۳۶۴)

ہم تو عاشق ہیں ترے ناز اُٹھانے والے
تم سے کم دیکھے ہیں محبوب ستانے والے

بند کر قید محبّت میں خبر میری نہ لی
دام میں جسکے پھنسے دام چھڑانے والے

کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

کل جو رستے میں ملاقات ہوئی تو یہ کہا
کہاں جاتے ہو طرحدار جلانے والے

گزری مدت کہ مرے ساتھ لپٹنے نہیں آئے
کیا ہوئے یار وہ گلے ہم کو لگانے والے

یوں تو اوقات گزرتی ہے مزیداری میں
نہ ملے چین مزے دار دکھانے والے

اب کے ملنا ہو نظیر اس سے تو کہنا جا کے
کیا ملیں ہم نہ رہے یار بلانے والے

(۳۶۵)

کسی کی چھین نہ لی ہم نے جاہ کی گٹھری
نظر پڑی نہیں ہرگز نباہ کی گٹھری

پس از وفات نہ آئے ہماری تربت پر
بجائے سبزہ رکھی لا کے کاہ کی گٹھری

مژہ سے اس کی پڑا ہے مقابلہ، یارب
ادھر یہ دل ہے اُدھر ہے سپاہ کی گٹھری

تمھارے طرّۂ دستار نے کٹا لی ہے
متاعِ صبر اسی داد خواہ کی گٹھری

حضور میں تری رحمت کے جھک نہیں سکتا
کہ سر پہ ہے مرے بار گناہ کی گٹھری

رکھے ہے کون، جنوں، وادیٔ محبّت میں
بغیر آبلہ پا زاد راہ کی گٹھری

ہم ہوا تھا جو کچھ یاں طواف کعبہ سے
کرشمے نے وہ بتوں کے تباہ کی گٹھری

کوئی تو غرق ہے بحر فراق کا یاں شوخ — نہیں حباب یہ ہے سوز و آہ کی گٹھری
ابھار سینے، یہ اس کے کچوں کا ہے بارے — یہ شاہ حسن کے ہے خیمہ گاہ کی گٹھری
بڑا، ہے ناز و ادا کا ہجوم جو یہ لشکر — بجا ہے گر کہیں گرد سپاہ کی گٹھری

زمیں، نظیر نہیں گرم اس میں ہے کیا خاک
مگر بزور طبیعت نباہ کی گٹھری

(۳۶۶)

نہیں آئے کل سے جو تم ادھر اسے کیا خیال میں لائیے — جو کچھ عذر۵ ہو تو بیاں کرو نہیں جیسے آتے تھے آئیے
یہ کہا کہ ہم سے بھی بولیے تو بنا کے منہ کہا غیرت — یہ سخن ہے سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منہ نہ لگائیے
لگے جب بچھانے بساط ہم گئی اسکی ہیں تو کہا میاں — یہ جو دام میٹھے بچھاتے ہو اسے جلد یاں سے اٹھائیے
وہ نگار گل رخ و گلبدن جو گلے سے آکے لگے تو پھر — یہ شگفتگی ہو برنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمائیے
یہ وہ ہاتھ ہیں کہ ستم کریں یہ بہار اُن کی عجیب ہو جب — کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا انہیں خوب رچائیے
جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمھیں پاس اپنے بٹھا چکے — نہیں لائق اسکے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

جوں ہی آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنی ہنس کے کہا کہ ہاں
تمھیں لائی اپنی کشش ادھر اجی آئیے اجی آئیے

(۳۶۷)

یہ چھپکے کا جو بالا کان میں اب تم نے ڈالا ہے — اسی بالے کی دولت سے تمھارا بول بالا ہے
نزاکت سر سے پاؤں تک پڑی قربان ہوتی ہے — الٰہی اس بدن کو تو نے کس سانچے میں ڈھالا ہے
یہ دل کیونکر نگہ سے اُسکی چھدتے ہیں میں حیراں ہوں — نہ خنجر ہے نہ نشتر ہے نہ جمدھر ہے نہ بھالا ہے
بلائیں ناگ کالی ناگنیں اور سانپ کے بچے — خدا جانے کہ اس جوڑے میں کیا کیا باندھ ڈالا ہے
نہ غول آتا ہے خوباں کا سرکسا دل میں کہتا ہوں — یہ کمپو کی نہیں پلٹن یہ پریوں کا رسالا ہے
جسے تم لے کے بیدردی سے پاؤں میں کچلتے ہو — یہ دل میں نے تو اے صاحب بڑی محنت سے پالا ہے

۵ جو کچھ عذر میں عین ساقط ہوتا ہے ممکن ہے کوئی عذر ہو ۱۲ آسی

نظیر اک اور لکھ ایسی غزل جو سُن کے جی خوش ہو
تری اس ڈھب کی باتوں نے تو دل میں شور ڈالا ہے

(۳۶۸)

نہ مہر نے کوند بجلی کی نہ شعلے کا اُجالا ہے — کچھ اس گورے سے مکھڑے کا جھمکڑا ہی نرالا ہے
وہ مکھڑا اگل سا اور اس پر جو نارنجی دوشالا ہے — سحر خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے
کہیں خورشید بھی چھپتا ہے پردے میں چھپائے سے — اُٹھا دو منھ سے پردے کو بڑا پردا نکالا ہے
کھلے بالوں میں منھ کی روشنی پھوٹے نکلتی ہے — تمھارا حسن تو صاحب اندھیروں کا اُجالا ہے
نہ جھمکیں کس طرح کانوں میں اُسکے حسن کے جھمکے — ادھر جھُمکا اُدھر بُندا ادھر بجلی کا بالا ہے
رقیب اور یار آتے تھے سو ہم نے مکر سے یارو — اسے دل دے کے رکھا اور اسے دم دے کے ٹالا ہے
کن انکھیوں کی نگہ گپتی اشارت قہر چتون کے — جو دوں دیکھا تو برچھی ہے جو یوں دیکھا تو بھالا ہے
اُتارا گالیوں پر پہلے پھر بوسہ لیا ہم نے — جب اُس نقشے پہ کھینچا تھا اب اس قالب میں ڈھالا ہے
ہوے ہیں ہم چراغ صبح کیا تم ایسے میٹھے ہو — جو تم نے اب تلک کانوں میں اپنے تیل ڈالا ہے
جہاں تک رنگ ہیں دونوں جہاں میں سب اُسی کے ہیں — دے وہ آپ تو ہرگز نہ گورا ہے نہ کالا ہے

نظیر اس سنگدل قاتل سے دعویٰ خون کا مت کر
میاں جا تجھ سے یاں کتنوں کو اُس نے مار ڈالا ہے

(۳۶۹)

کون یاں ساتھ لیے تاج و سریر آیا ہے — یاں تو جو آیا ہے پہلے سو فقیر آیا ہے
عشق لایا ہے فقط ایک ہی سینے کی سپر — حسن باندھے ہوئے سو ترکش و تیر آیا ہے
کل کسی شخص نے اس شوخ سے جا کر یہ کہا — آج در پر ترے اک عاشق پیر آیا ہے
پُشت خم کردہ عصا ہاتھ میں گردن ہلتی — ضعف پیری سے نہایت ہی حقیر آیا ہے
سُن کے یہ شکل و شباہت مری اس شوخ نے آہ — وہیں معلوم کیا یہ کہ نظیر آیا ہے

(۳۷۰)

ہوش نگہ سے چلی زلف کی اب گھات ہے
دیکھیے آگے ابھی پہلی ملاقات ہے

کھینچ کے ابرو کی تیغ کہتے ہو کچھ ڈر نہیں
میرا تو کانپے ہے دل آپ کی کیا بات ہے

اُٹھتے ہو کیوں ڈر کے تم جان تمھاری مجھے
زلف سیہ کی قسم چار گھڑی رات ہے

بوسے کی درخواست میں تم نے جو دشنام دی
دل میں نہ کچھ لائیے ہم کو مساوات ہے

مُشت[۱] اُٹھائی نظیر تم کو تو اس شوخ نے
اَب جو کھسکتے نہیں یاں سے تو پھر لات ہے

(۳۷۱)

دیکھ کر کرتی گلے ہیں سبز دھانی آپ کی
دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی

کیا تعجب ہے اگر دیکھے تو مُردہ جی اُٹھے
چین نیفے کی ڈھلک پیڑو پہ آنی آپ کی

ہم تو کیا ہیں، دل فرشتے کا بھی کافر چھین لے
ٹک جھمک دکھلا کے پھر انگیا چھپانی آپ کی

آپڑے دو سو برس کے مردہ بیجان میں جان
جسکے اوپر دو گھڑی ہو مہربانی آپ کی

اک لپٹ کُشتی کی ہم سے بھی تو کر دیکھو ذرا
ہاں بھلا ہم بھی تو جانیں پہلوانی آپ کی

دیکھو کہنا مانو مت خالی سلائی سے رکھو
ورنہ کہہ دے گی ہمیں یہ سُرمہ دانی آپ کی

چھلّے غیروں پاس تو وہ خاتم زر لے نگار
ہے ہمارے پاس بھی اب تک نشانی آپ کی

وقت تو جاتا رہا پر بات باقی رہ گئی
ہے یہ جھوٹی دوستی اب ہم نے جانی آپ کی

ہم نے بھیجا تم کو، تم کہتے ہو "یاں پہونچا نہیں"
کھا گئی شاید وہ کُٹنی[۲] میری جانی آپ کی

ایک شب اے جانِ جاں گھر میں مرے رہ جائیے
حال پر بندے کے ہوگی مہربانی آپ کی

کیا عجب صورت رقیب روسیہ کی دیکھ کر
خوف سے حالت ہوئی ہو پانی پانی آپ کی

ایک عالم کوہکن کی طرح سر پھوڑے گا اب
گر اسی صورت رہی شیریں زبانی آپ کی

کیا ہمیں لگتی ہے پیاری جب وہ کہتی ہے نظیر
سُنیے میاں کچھ ان دنوں نامہربانی آپ کی

۱ مُشت - گھونسا - مکّا ۱۲
۲ آسی ۱۲

نہ گر نہیں باور تو جھک کر دیکھ لو کرتی اُٹھا
تر تو کیا بلکہ ٹپکتی ہوگی . . . . . . آپ کی

(۳۷۲)

ہنسے، روئے، پھرے، رسوا ہوئے، جاگے، بندھے، چھوٹے،
غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبّت کے مزے لوٹے

کلیجے میں پھپھولے، دل میں داغ، اور گل ہیں ہاتھوں پر
کھلے ہیں دیکھیے، ہم میں بھی یہ اُلفت کے گل بوٹے

تفاوت کچھ نہیں گلچیں میں اور بیدردخوبان میں
جو اُس کے ہاتھ گل ٹوٹے تو اُن کے ہاتھ دل ٹوٹے

ہزاروں گالیاں دیں، پھر ذرا ہنس کر ادھر دیکھا
بھلا، اتنی تسلّی سے پھپھولے دل کے کب پھوٹے

بُجلتے ہو مجھے تم، میں یہ مانگوں ہوں دعا دل میں
کوئی دلبر مرے آگے تمھیں بھی خوب سا کوٹے[1]

زباں کی کر کے مقراض اور بنا دشنام کا کاغذ
ہمارے حق میں کیا کیا آپ نے کترے ہیں گل بوٹے

یہ کہتے ہیں کہ عاشق چھوٹ جاتا ہے اذیّت سے
جب اُس کی عُمر کو لشکر اجل کا آن کر لوٹے

ہماری روح تو پھرتی ہے معشوقوں کی گلیوں میں
نظیر اب ہم تو مر کر بھی نہ اس جنجال سے چھوٹے

(۳۷۳)

چھپا کر جو بھاگے ہم اس سے ذرا جی	تو بولا کہاں جائیے گا بچا جی
جو کچھ حسن میں اس کی خاطر ہے نازک	پری میں کہاں ایسی نازک مزاجی
خفا اس سے ہو کر ہم آئے تو لیکن	کئی دن تک اپنا بھٹکتا رہا جی

[1] خوب سا کوٹے یعنی اچھی طرح مارے ۱۲ سدہ
گل کرنا عجیب و غریب کام کرنا ۱۲ آسی

جو بیٹھا تھا جا کر نظیر اس کے در پر ق بہت حسن الفت سے اپنا لگا جی
اُٹھایا جو اس نے بھڑک کر تو واں سے
چلا ہو کے بے بس یہ کہتا بھلا جی

(۳۷۴)

ہم دیکھیں کس دن حسن اے دل اس رشک پری کا دیکھیں گے
وہ قد وہ کمر وہ چشم وہ لب وہ زلف وہ مکھڑا دیکھیں گے
مت دیکھ بتوں کی ابرو کو ہٹ یاں سے تو اے دل ورنہ تجھے
ایک آن میں بسمل کر دیں گے اور آپ تماشا دیکھیں گے
دل دے کر ہم نے آج اسے ہی دیکھی صورت تیوری کی
یہ شکل رہی تو اے ہمدم کل دیکھیں کیا کیا دیکھیں گے
جب دیکھی اس کی چیں جبیں یوں ہم نے نظیر اس بت سے کہا
خیر آپ تو ہم سے ناخوش ہیں اب اور کو ہم جا دیکھیں گے
کیا لطف رہا اس چاہت میں جو ہم چاہیں اور تم ہو خفا
یہ بات سنی تو وہ چنچل یوں ہنس کر بولا دیکھیں گے

(۳۷۵)

ہے عزم یہ دل میں ہم بھی اسے اک روز نظر بھر دیکھیں گے
گر کھوئے گا پر تیر نگہ چھد جائیں گے ہم پر دیکھیں گے
جو نقشہ ہو گا الفت کا اور بات بھی کچھ بن آوے گی
کیا بات ہے اے دل پھر تو اُسے ہم جا کر اکثر دیکھیں گے
سر رکھ کر اس کی چوکھٹ پر بس ہم تو اسی کے در کے ہوئے
اب اور کسی کے گھننے سے کب اور کوئی در دیکھیں گے

ق	وہ حسن کی تابش سے منھ پر کہتے ہیں کہ پردہ رکھتا ہے بن دیکھے ہی پھر آئیں گے یاں ہم آہ یوں ہی کر دیکھیں گے

اور شاید کھڑا کھول دیا کر لطف نظیرؔ اس نے پھر ہم بھی
ٹھہرے گی نگہ تو دیکھیں گے جو نہ ٹھہری تو کہہ کر دیکھیں گے

(۳۷۶)

ناز کا اس کے جو تھپیڑا ہے		طبع مشتاق کو وہ پیڑا ہے
کچھ تماشے جنوں کے بھی دیکھو		گرد دوانے کو تم نے چھیڑا ہے
دیکھو نرگس کے ٹک خیاباں کو		دید بازوں کا یہ بھی کھیڑا ہے
دیکھ انکار جام اس نے نظیرؔ	ق	یوں کہا میاں یہ کیا بکھیڑا ہے

پی لو جلدی ابھی تو ساغر ہے
ورنہ پھر تم ہو اور تڑیڑا ہے

سلہ دیوانے کی بجائے دوانہ قدیم زبان ہے ۱۲

(۳۷۷)

نہ آیا آج بھی، سب کھیل اپنا مٹی ہے	تمام رات یہ سر اور پلنگ کی پٹی ہے
جبیں پہ قہر نہ تنہا سیاہ پٹی ہے	بھوؤں کی تیغ بھی کافر بڑی ہی کٹی ہے
چھنکی نکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارو	ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے
گلے لگائیے منھ جو میٔے سُلا رکھیے	ہمارے دل میں بھی کیا کیا ہوس اکٹھی ہے

کوئی حجاب نہیں تجھ میں اور صنم میں نظیرؔ
مگر تو آپ ہی پردہ اور آپی ٹٹی ہے

(۳۷۸)

منھ سے پردہ نہ اُٹھے صاحب سن یاد رہے	پھر قیامت ہی عیاں ہے یہ سخن یاد رہے
کھولو اتنی نہ زباں غنچہ دہن یاد رہے	پھر ہمارے بھی دہن ہے یہ سخن یاد رہے

کوچہ گردوں میں نہیں ہم جو یہ کوچہ چھوڑیں
عہد آنے کا کیا ہے تو گرہ بند میں دے
آپ کے کوچے کو ہم کعبۂ مقصود سمجھ
حرف اٹھ جانے کا کہہ بیٹھے ہو اب تو لیکن

خاک کرنا ہے ہمیں یاں ہی بدن یاد رہے
اس سے شاید تجھے اے عہد شکن یاد رہے
بھول بیٹھے ہیں سب آرام وطن یاد رہے
پھر نہ کہیئے گا کبھی قبلۂ من یاد رہے

سو چمن ایک فقط کھڑے میں اسکے ہیں نظیر
جب یہ صورت ہو تو پھر کس کو چمن یاد رہے

(۳۷۹)

ٹک ہونٹ ہلاؤں تو یہ کہتا ہے نہ بک بے
کہتا ہوں کبھی گھر میں مرے آ، تو ہے کہتا
جب یدر نکلتا ہے تو کہتا ہے وہ مغرور
یہ وہ جو الٹ دوں گا ابھی منہ سے تو دم میں

اور پاس جو بیٹھوں تو سناتا ہے سرک بے
چوکھٹ پہ ہماری کوئی دن سر تو ٹیک بے
ق
کہہ دو اسے یاں آن کے اتنا نہ چمک بے
اڑ جائے گی چہرے کی ترے سب چمک بے

سب بانکپن اب تیرا نظیر عشق نے کھو یا
کیا ہو گئی سچ کہہ وہ تیری دوٹ دبک بے

(۳۸۰)

اس کا ادھر وہ حسن دکھانا گھڑی گھڑی
دن رات اس کے ہجر میں گھڑیال کی طرح
ہما ہے اب تو ہجر میں کچھ آٹھ سات بارہ
باہر کبھی جو نکلے تو کہہ آوے گھر میں یوں
ہو شب جو وصل کی تو بہت ہو کے مضطرب
القصہ وقت صبح تک اس کو تو روٹھنا
باقی ہے اس میں قدر کچھ اچھا نہیں نظیر

اور ہم کو غش پہ غش ادھر آنا گھڑی گھڑی
پڑتا ہے ہم کو شور مچانا گھڑی گھڑی
کیا جانے کیا کرے گا یہ آنا گھڑی گھڑی
گر دیر ہو تو مجھ کو بلانا گھڑی گھڑی
کرنا ہر ایک طرح بہانا گھڑی گھڑی
اور ہم کو پاؤں پڑ کے منانا گھڑی گھڑی
گھر میں کسی کے دوڑ کے جانا گھڑی گھڑی

لہ بند میں گرہ یاد رہنے کے لیے دیا کرتے ہیں ۱۲
سلہ دوت دبک دلمانٹ ڈپٹ ۱۲ آسی

(۳۸۱)

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے
پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے
کھنچی کنگھی، گندھی چوٹی، جمی پٹی، لگا کاجل
کماں ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہے
جبیں مہتاب آنکھیں شوخ، شیریں لب گہر دنداں
بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہے
نیا کمخواب کا لہنگا، جھمکتے تاش کی انگیا
کچیں تصویر سی جن پر لگا گوٹا کناری ہے
ملائم پیٹ مخمل سا، کلی سی ناف کی صورت
اٹھا سینہ، صفا پیڑو عجب جوبن کی ناری ہے
سرین نازک، کمر پتلی، خط گلزار رو مادل
کہوں کیا آگے اب اس کے مقام پردہ داری ہے
لٹکتی چال، مدھ ماتی، چلے بچھووں کو جھنکاتی
ادائیں دل لیے جاتی عجب سمدھن ہماری ہے
بھرے جوبن پہ اتراتی جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی، لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے

(۳۸۲)

اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کرے آہ
ختم اس کے اوپر گلرخی و سیمتنی ہے
منھ چاند کا ٹکڑا ہے بدن چاند کی تختی
دنداں ہیں گہر، ہونٹ عقیق یمنی ہے
بلور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ
یا چین میں اک چینی کی مورت یہ بنی ہے
نرمی میں صفائی میں، نزاکت میں تن اس کا
ریشم ہے نہ گلبرگ، نہ برگ سمنی ہے
گر پھول کی پتی کی بنا، پہنے وہ پوشاک
چھل جاوے بدن اس کا یہ نازک بدنی ہے
کل میں نے کسی شخص سے نام اسکا جو پوچھا
یعنی یہ پری یا کہ غزال ختنی ہے
وہ بولا کہ اس شوخ کے تئیں کہتے ہیں ہیرا
کام اس کا سدا دلبری و دل شکنی ہے
تب میں نے وہیں ہنس کے کہا اس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہے

(۳۸۳)

کمر تک اُس نے زلفوں کو جو بل دے دے کے چھوڑا ہے
یہ دو زلفیں نہیں ہیں کافر ایک ناگن کا جوڑا ہے
سمند آسماں کب آپ سے دوڑے ہے اس پر تو
کسی کی ایڑ پر ہے ایڑ اور نہ کوڑے پہ کوڑا ہے
دیا اس سنگدل کے ہاتھ اپنے شیشۂ دل کو
جو سچ پوچھو تو میں نے لعل کو پتھر سے پھوڑا ہے
یہی ہے دھوم کل سے وہ مزے ملنے کو آتا ہے
گلے میں ہار ہے اور تن میں نافرمانی جوڑا ہے

غرض میں تو نظیر اس سے سمجھتا ہوں کہیں شاید
کسی کا نیل[1] بگڑا ہے جو یہ طوفان جوڑا ہے

[1] نیل بگڑنا۔ شامت آنا ۱۲ آسی

(۳۸۴)

تمھارے حُسن کے شعلے کو دیکھے شمع جلتی ہے
چھپی ہے پردۂ فانوس میں جس پر گگھلتی ہے
حنا اس ہاتھ سے بندھ کر کھلی ہے ایسی کچھ جس سے
پری کے ہاتھ کی منہدی بھی اپنے ہاتھ ملتی ہے
منھ اپنا دیکھتا ہے شوخ آئینے میں خوش ہو کر
بتوں کی شوخیوں کے سامنے کچھ بات چلتی ہے
نزاکت سے جو آیا ہے پسینہ اُسکے عارض پر
تو کیا پنکھا موافق کا جھپک مژگاں کی جھلتی ہے
صفت کرتا ہے وہ اٹکھیلیوں کی چال چلنے کی
کہ جس کے دل کو شوخی اس کی پے در پے کچلتی ہے
نگہ لیتی ہے دل کو دیکھتے ہی دیکھتے جھپ سے
ہنسی کی آن بھی ہنستے ہی ہنستے دل کو چھلتی ہے

نظیر اب دل تو مچلا یار کے کوچے میں کیا کیجے
اُٹھو جلدی نہیں تو جان بھی اب دم میں چلتی ہے

(۳۸۵)

درجِ غم میں چشم نے گوہر اُگل کر بھر دیے
اشک نے جنگلی کے جنگل دم میں ڈھل کر بھر دیے

جلوہ گر محفل میں رات اُس حُسن کے شعلے کو دیکھ
شمعدان شمعوں نے اپنے سب پگھل کر بھر دیے

کل جو ٹک رویا کسی کو یاد کر وہ گُل بدن
اشک تھے آنکھوں میں یا موتی کچل کر بھر دیے

جام کم بھرتے میں ساقی کو ذرا چھیڑا جو ہیں
اُس نے ایک دو چار ساغر مجھکو جل کر بھر دیے

ذبح کرتا تھا وہ قاتل، مجھ تپش آلودہ نے
خوں میں سب دامن کے پاٹ اُسکے اچھل کر بھر دیے

زخم شانوں کے تری زلفوں نے اے عدہ خلاف
آخرش لیت و لعل سے آج کل کر بھر دیے

کہتے ہیں اے باغباں، جتنے کہ خالی تھے چمن
جوشِ گل نے آکے سب وہ پھول پھل کر بھر دیے

اب ترے رونے کا عالم حد سے گزرا اے نظیر
اشک نے تیرے تو سب جل تھل نکل کر بھر دیے

(۳۸۶)

رخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب، نام خدا ہو، ترے قربان پری

جھمکے جھلکے وہ ثریا کے کرن پھول وہ پھول
بُندے بالے پری، موتی پری، اور کان پری

رشکِ خورشید جبیں، ابرِ سیہ سی پٹی
لہر چوٹی کی غضب، زلفِ پریشان پری

حسن گلزار، قمر شکل، صراحی گردن
مہ جبیں سیبِ ذقن، چاہِ زنخدان پری

مار غمزہ کی بلا، تیر نگہ، دست سنان
تیغ ابرو کی ستم، ترکش مژگان پری

مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی
آن ہنسنے کی قیامت، لب و دندان پری

آنکھ مستی کی بھری، شوخ نگاہیں چنچل
تہر کاجل کی کھچاوٹ، مسی و پان پری

مینی اور نتھ کا وہ عالم کہ پھدے دل جس سے
حور چُٹی کی جھلک، گوہر غلطان پری

دُھکدھکی چاند سی، جگنو کبھی ستارہ کی مثال
عطر داں طرفہ، وہ توڑے بھی درخشان پری

چاک سینے کا غضب، صاف بدن موتی سا
انگیا تصویر سی، کرتی کا گریبان پری

پشت گلبرگ، شکم سیم، کمر تار نگاہ
ساقِ بلور، گلاوٹ میں ہر اک آن پری

گھر اپشواز کا وہ حسن کے کناری قرباں
چال آفت کی نشاں جنبش داماں پری

کیا کہوں اُس کے سراپا کی میں تعریف نظیرؔ
قد پری، دھج پری، عالم پری، اور شان پری

(۳۸۷)

سمجھے تھے چاہ ہم کو یاں غم نہ لینے دیگی
کچھ گاہ گاہ ہوگا بہیم نہ لینے دے گی

اس زلف میں نہ پھنسیو وہ پیچ و خم سے اپنے
پھر چین تجھ کو اے دل اک دم نہ لینے دے گی

ابرو کی تیغ جس دم زخمی کرے گی پھر تو
ٹانکا نہ دینے دے گی مرہم نہ لینے دے گی

مت دو نظیرؔ دل کو اس تند خو کی چاہت
ق
دم خوش دلی کا تم کو باہم نہ لینے دے گی

مشکل پڑے گی وہ تو پھر آنے واں نہ دیگا
اور بے قراری تم کو یاں دم نہ لینے دے گی

(۳۸۸)

وہ جب گھر سے نکلا سجکتے سجکتے
قدم بھی اُٹھائے جھجھکتے جھجھکتے

نہ مانا کبھی دل نے کہنا ہمارا
نہایت ہم عاجز ہوئے بکتے بکتے

نہ آیا ادھر کر کے وعدہ وہ اور ہم
گئے جی میں گھبرا اُدھر تکتے تکتے

نظیرؔ اس کی محفل میں جب دور بیٹھا
ق
ہوا جب وہ ناخوش جھڑکتے جھڑکتے

بٹھایا تو دور اس نے پر اپنے ڈھب سے
وہ پھر واں ہی پہونچا سرکتے سرکتے

(۳۸۹)

اُدھر جو دیکھا تو اُس پری کی نگاہ جام شراب لائی
اُڑا دیا ہوش ایک پل میں نشہ کچھ ایسا شتاب لائی

اُٹھایا اُس نے جو رخ سے پردہ ہماری خاطر سے پر نہ کیا
بہت یہ چاہا کہ دیکھیں اک دم نگاہ ہرگز نہ تاب لائی

کہا جو ہم نے کہ دل کو لیجیے تو شرمگیں ہو "نہیں" تو کی پر
وہ دل کا لینا ہی تھا جو اسکی حیا جبیں پر حجاب لائی

گلہ جفا کا نظیرؔ ہم نے کیا جو اس نازنیں سے جا کر ق تو سُن کے اس کی وہ چین ابرو کچھ اس طرح کا عتاب لائی

جو غش میں آیا ہمیں پسینہ تو پھر ہنسا وہ کچھ اس ادا سے
کہ تھمی عرق کی تری جو منھ پر وہی تری پھر گلاب لائی

(۳۹۰)

دیا جسے دل تو پھر ستم کا نہ اس کے ہرگز حساب کیجے
گلے کو جی میں نہ راہ دیجیے نہ چشم اپنی پر آب کیجے

کیا ہے آنے کا وعدہ اس نے لگی ہے ڈھلنے گو رات تو بھی
بجا ہے اب جاگتا ہی اے دل نہیں مناسب کہ خواب کیجے

ق
ہم آئے ملنے کو تم سے اس دم تم اپنا بیٹھے ہو منھ چھپا کر
یہ وضع کیا ہے جو دل کو لیجے اور ایسے تازہ عتاب کیجے

جو یوں ہی ٹھہری تو ڈر رہے کس کا لیں ایک گھڑی سی دیکھے جھڑکی
ہمیں اُٹھا دیجیے یاں سے اُے جاں گر نہ ترک حجاب کیجے

میاں نظیرؔ اب ہو تم جو عاقل تو جتنی فرصت نظر پڑی ہے یاں
درنگ اس میں نہ آنے دیجیے جو کچھ ہی کرنا شتاب کیجے

(۳۹۱)

پھر بہار آئی ہے اور موج ہوا لہرائے ہے
دیکھیے اپنے جنوں کو اب کے کیا لہر آئے ہے

اس کی چوٹی کا تصور دل میں یوں لہرائے ہے
سانپ کے کاٹے کو جیسے لہر پہ لہر آئے ہے

صبح کا کرتا ہے وعدہ وہ تو پھر آتا ہے کب
دوسرے دن کا کہیں جب تیسرا پہر آئے ہے

گر وہ بوسے کی طلب میں ہو خفا تو ہے بجا
ہنس کے اک دشنام دینے میں جسے قہر آئے ہے

مجھ کو کاٹا ہے مقرر گیا زلف کی ناگن نے آہ
تو بھی مجھے افعی گزیدہ کس طرح ٹھہرائے ہے

زہر مُہرے سے مسی مالیدہ لب کے کر علاج
ورنہ مجھ کو بے طرح چڑھتا ہوا زہر آئے ہے

گر وہ روٹھا ہے تو تو بھی اس کو کہہ بھیج اے نظیرؔ
ہم بھی پار رکھتے نہیں ندی تو کیا گھہرائے ہے

(۳۹۲)

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہوئے
عمر بھر پھر نہ ہمارے گہر گوش ہوئے

کل جو گزرے تھے ہم اک کہنہ مزارستاں میں
واں عجب طور کی عبرت سے ہم آغوش ہوئے
یعنی اک شخص یہ بولا کئی یاں عظم دہن
سخت بوسیدہ نگہ سے مری ہم دوش ہوئے
مجھ سے یوں کہنے لگے جن کے ہیں یہ عظم رمیم
وہ بصد عیش و طرب خوش خور و خوش پوش ہوئے
رات دن فرحت و عشرت میں بسر کرتے تھے
کبھی گلشن میں پھرے اور کبھی مے نوش ہوئے
ایک دم چرخ حسد پیشہ سے مانند چراغ
دیر پل بھر نہ لگی آہ جو خاموش ہوئے
اب کوئی نام و نشاں سے نہیں ان کے آگاہ
ایسے وہ خاطر عالم سے فراموش ہوئے

جب سنا میں نے یہ اس شخص سے احوال نظیر
روح تھرا گئی لرزاں خرد و ہوش ہوئے

(۳۹۳)

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے
دن رات وہ محبوب میسر تھے کہ جن کی
زلفیں الم شام تھیں رخ رشک سحر تھے
ساقی کے ادھر جام، ادھر ناز و ادا سے
جادو نظراں خوش نگہاں پیش نظر تھے
محفل سے جو اُٹھتے تھے ذرا ہم تو لپٹ کر
نازک بدناں موکمراں دست و کمر تھے
ہمراہ گل اندا موں کے ہو خرم و خنداں
باغ و چمن و گلشن و بستاں میں گزر تھے
کیا شور تھے کیا زور تھے ہر لحظہ اہاہا
کیا ولولے کیا قہقہے بے خوف و خطر تھے

دکھلا کے جھمک جاتے رہے دم میں نظیر آہ
کیا جانے وہ دن برق تھے یا مثل شرر تھے

(۳۹۴)

گلباز عشرت ہو جیسے کیا گر خوں سے دو گھڑی
اُڑتا ہے گلبازی کی یاں اک دم میں گردوں گلچھڑی
ہر دم تغیر دیکھ یاں ہیبت سے یوں کانپے ہے جاں
جیسے ہوا سے ہر زماں ہو بید کی لرزاں چھڑی
اک گلبدن مغرور تھا رقص اس کا بس مشہور تھا
جس جس کا وہ منظور تھا کرتا تھا جو راس پر کڑی

دل اس نے دیکھا جس جگہ بے جرم و تقصیر و گنہ — مارا وہیں تیر نگہ یا تیغ ابرو کی جھڑی
ہر دم نگاہ جانستاں لے کر بٹا غمزے کا ہاں — کرتی تھی کیا کیا پھرتیاں واں جا پڑی یاں آپڑی
سرپانوں سے گلپوش تھا بلبل وشوں کا جوش تھا — ہر دل پڑا بیہوش تھا جاں دست بستہ تھی کھڑی
وہ گرم دیکھ اس کی دکاں اک سرد مہری کر عیاں — ناگاہ جور آسماں اس مہر پیکر سے لڑی
وہ حسن سب جاتا رہا میں نے کہا یہ کیا ہوا — بولا میاں اب کیجئے کیا حیرت ہے مجھکو بھی بڑی

تھی جو نظیر ایسی چمک جاتی رہی سب یک بیک
کیا جانے وہ ظالم چمک مہتاب تھی یا پھلجھڑی

(٣٩٥)

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے — خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
کر رہے تھے اپنا قبضہ غیر کی املاک پر — غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے
اور کی چیزیں دبا رکھنا بڑی سمجھی تھی عقل — چھین لیں جب اس نے جب جانا کہ ہم نادان تھے
ایک دن اک استخواں اوپر پڑا میرا جو پاؤں — کیا کہوں اس دم مجھے غفلت میں کیا کیا دھیان تھے
پاؤں پڑتے ہی غرض اس استخواں نے آہ کی — اور کہا غافل کبھی تو ہم بھی صاحب جان تھے
دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم، پشت و کمر — دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے
ابرو و بینی، جبیں، نقش و نگار و خال و خط — لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
رات کو سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ — بیٹھنے کو دن کے کیا کیا کوٹھے اور دالان تھے
کھل رہا تھا رو برو جنت کے گلشن کا چمن — نازنیں محبوب گویا حور اور غلمان تھے
لگ رہا تھا دل کئی چنچل پریزادوں کے ساتھ — کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے
گلبدن اور گلعذاروں کے کنار و بوس سے — کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے
مچ رہے تھے چہچہے اور اڑ رہے تھے قہقہے — ساقی و ساغر صراحی پھول عطر و پان تھے
ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر — جو نہ ہم تھے اور نہ وہ سب عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیرؔ
او میاں تیری طرح ہم بھی کبھی انسان تھے

(۳۹۶)

تاب اس کے دیکھنے کی نہ لائے چلے گئے
آدم رہا نہ کوئی پیمبر رہا یہاں
دارا رہا نہ جم نہ سکندر سا بادشاہ
عالم تھا یہ زلیخا کا یوسف کی چاہ میں

کیا کیا پری جوان تھے آئے چلے گئے
وہ بھی سرِ زمیں میں سمائے چلے گئے
تخت زمیں پہ سیکڑوں آئے چلے گئے
رقعے ہزار بیاہ کے آئے چلے گئے

دیکھا نظیرؔ میں نے چمن میں جو آپ کو
مہندی بھرے جو ہاتھ دکھائے چلے گئے

(۳۹۷)

سرشک چشم سے موتی بہت پڑے گئے
غرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر
ہماری ان کی رہی عمر بھر یہی صحبت
سٹائے ایسے ہیں آکر کہ پھر مرے دل سے

دُ‌ھلے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے
پر اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملبے گئے
اُدھر وہ ہنستے گئے ہم اِدھر سے روئے گئے
نہ جاگتے ہیں کبھی اور کبھی نہ سوئے گئے

نظیرؔ کیا ہی مزہ تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے سو آپ ہی کھوئے گئے

(۴۹۸)

اگرچہ دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے
مرا دل دیکھتے ہی اُس صنم کو ہو گیا شاداں
کبھی خوش ہو کے بوہو کی کبھی یو لالا ہا ہا
نہ بولا منھ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوشنما ہیرا

بنایا پان نے رنگ اور ستیھا السحر کاجل نے
نگاہیں دم بدم سو عیش و عشرت سے لگیں چلنے
عجب لوٹے مزے اس وقت نظاروں کی اٹکل نے
مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے

مجھے کر جل سے غافل بھولی صورت کا بنا نقشہ
کیا اک بار منہ غصہ میں سرخ عیار چنچل نے

اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
اٹھا کر جھٹ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے

پھلا ڈرتا جو آگے کو تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
اڑا کر مفت نظارے بچا اب تم گئے ٹلنے

ادب سے یوں کہا اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے قطرے پسینے کے مرے منہ سے وہیں ڈھلنے

لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باولا کیا کیا
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

دکھا کر مجھ کو اپنی والہ زبردستی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیرؔ اس شوخ چنچل نے

(٣٩٩)

الطاف بیاں کب ہم سے ہوں اے جان تمھاری صورت کے
ہیں لاکھوں اپنی آنکھوں میں احسان تمھاری صورت کے

کچھ کہنے پر موقوف نہیں معلوم ابھی ہو جاوے گا
خورشید مقابل ہو دیکھے اک آن تمھاری صورت کے

منہ دیکھے کی یہ بات نہیں سچ پوچھو تو اب دنیا میں
بے صبر کریں ہیں پریوں کو ہنسان تمھاری صورت کے

آئینہ رخوں کی محفل میں جس وقت عیاں تم ہوتے ہو
سب آئینہ ساں رہ جاتے ہیں حیران تمھاری صورت کے

کی عرض نظیرؔ اک بوسے کی تو ہنس کے چنچل یوں بولا
اس منہ سے بوسہ لیجیے گا قربان تمھاری صورت کے

(٤٠٠)

بے ہوش دل کو لینا ٹھہرا دیا ابھی سے
ہم کو یہ ناز اس نے دکھلا دیا ابھی سے

بوسے کی ہم کو چیٹک اور واں ہی تازہ الفت
اس آرزو نے دل کو للچا دیا ابھی سے

کر عہد مہربانی دکھلا دی چین ابرو
اس شمع رو نے اے دل ہلا دیا ابھی سے

پہلے ہی دیکھنے میں آنکھیں دکھائیں کیا کیا
چتون نے ہم کو یارو دہلا دیا ابھی سے

کیونکر نظیر اس کی چاہت نبھے گی دل سے
ہم کو تو ایک ادا نے گھبرا دیا ابھی سے

(۴۰۱)

دل وجاں ہمارے نہ غنچے سے ملتے
جو اس گل سے ملتے تو ہم گل سے کھلتے
دکھائے ستم تو ہمیں پر انسی نے
رجھلائے وہ گر نہ وہ ہم سے نہ جھلتے
وہ گجرے جو تھے نسترن کے تواں سے
نزاکت نہ ہوتی تو بھو نچے نہ چھلتے
اگر جا ہمیں اس کے کوچے میں ملتی
تو پھر عمر بھر ہم وہاں سے نہ ہلتے
ملا وہ تو بولا نظیر اس سے ہنس کر
میاں تم نہ ملتے تو ہم کیونکہ ملتے

(۴۰۲)

ہوے خوش ہم ایک نگار سے ہوے شاد اس کی بہار سے
کبھی شان سے کبھی آن سے کبھی ناز سے کبھی پیار سے
ہوئی پیرہن سے بھی خوش دلی کلی دل کی اور بہت کھلی
کبھی طرّے سے کبھی گجرے سے کبھی بدھی سے کبھی ہار سے
وہ کناری ان میں جو تھی گندھی اسے دیکھ کر بھی ہوئی خوشی
کبھی نور سے کبھی لہر سے کبھی تاب سے کبھی تار سے
گئے اس کے ساتھ چمن میں ہم تو گلوں کو دیکھ کے خوش ہوے
کبھی سرو سے کبھی نہر سے کبھی برگ سے کبھی بار سے
وہ نظیر سے تو ملا کیا مگر اپنی وضع میں اس طرح کہ
کبھی جلد سے کبھی دیر سے کبھی لطف سے کبھی عار سے

(۴۰۳)

ہوئی شکل اپنی یہ ہمنشیں جو صنم کو ہم سے حجاب ہے
کبھی اشک ہے کبھی آہ ہے کبھی رنج ہے کبھی تاب ہے

ذرا در پہ اس کے پہونچ کے ہم جو بلاویں اس کو تو دوستو
کبھی غصہ ہے کبھی چھیڑ ہے کبھی حیلہ ہے کبھی خواب ہے

جو اس انجمن میں ہیں بیٹھتے تو مزاج اس کے سے ہم کو واں
کبھی عجز ہے کبھی بیم ہے کبھی عتاب ہے کبھی داب ہے

وہ ادھر سے جا کے جو آتا ہے اسے دونوں حال سے ملیں یاں
کبھی سوچ ہے کبھی فکر ہے کبھی غور ہے کبھی تاب ہے

جو وہ بعد بوسہ کے ناز سے ذرا جھڑکے ہے تو نظیر کو
کبھی مصری ہے کبھی قند ہے کبھی شہد ہے کبھی راب ہے

(۴۰۴)

جن دنوں چاہت کی ہم کو دمبدم تقریر تھی
کس روش سے دیکھیے اور ملیے اس سے کس طرح

ہے جو نقش حُب اسی کی رات دن تحریر تھی
تھا یہی اندیشہ دل میں اور یہی تدبیر تھی

ہم نے دیکھا وہ بدو اور تم نے چھیدا دل کو آہ
یوں نظر آیا ہمیں کل ایک جاگہ پر نظیر

ق

لائق تعزیر ہم تھے دل کی کیا تقصیر تھی
گریہ آور اس کی ہر دم آہ کی تاثیر تھی

تھا زمیں پر پاؤں پھیلائے پڑا دیوانہ وار
چشم تھی حیرت زدہ اور ہاتھ میں تصویر تھی

(۴۰۵)

جب اس کی زلف کے حلقے میں ہم اسیر ہوئے
خدنگ دار جو غمزے تھے اُس کے چھٹپن میں

شکن کے عادی ہوئے خم کے خو پذیر ہوئے
پر اب نظر میں جو آئے تو رشک تیر ہوئے

جھڑک دیا ہمیں کوچے میں اس نے حسن دم دیکھ
ہم اپنے دل میں کچھ اس دم خجل کثیر ہوئے

ق

جو گاہ گاہ اُدھر جاتے ہم تو رہتی قدر
گھڑی گھڑی جو گئے اس سبب حقیر ہوئے

نگہ کے لڑتے ہی ہنس کر کہا نظیر اس نے
یہ باتیں چھوڑ دو کچھ سمجھو اب تو پیر ہوئے

(۴۰۶)

تن پر اس کے سیم فدا اور منہ پر مہ دیوانہ ہے
سر سے لے کر پاؤں تلک اک موتی کا سا دانہ ہے

نازنیا انداز نرالا چتون آفت چال غضب
سینہ ابھرا صاف ستم اور چھب کا قہر یگانہ ہے

بانکی سج دھج آن انوکھی بھولی صورت شوخ مزاج
نظروں میں گھل کھیل لگاوٹ آنکھوں میں شرمانا ہے

تن بھی کچھ گدرایا ہے اور قد بھی بڑھتا آتا ہے
کچھ کچھ حسن تو آیا ہے اور کچھ کچھ اور بھی آنا ہے

جب ایسا حسن قیامت ہو بیتاب نہ ہو دل کیونکہ نظیر
جان پر اپنی کھیلیں گے اک روز یہ ہم نے جانا ہے

(۴۰۷)

اس کے جھمکے کی لٹک سے جو ملا بالا ہے
دل مرا جھوک سے دونوں کی تہ و بالا ہے

بالے پن میں تو ہمیں سے، یہ قیامت دیکھو
اب ذرا حسن جو چمکا تو ہمیں بالا ہے

جتنے اس باغ میں ہیں سرو، صنوبر، شمشاد
اس کا قد نام خدا سب کے اوپر بالا ہے

خال چہرے پہ نہیں اس کے، یہ اللہ نے واہ
حسن کے خوان میں کیا خوب نمک ڈالا ہے

سرخ رو، پان ہوا، اس کے لبوں سے ایسا
جس کے ہم رنگ نہ گلنار نہ گل لالا ہے

سنگدل، شوخ، جفاکار، ستمگر، بے رحم
دل پرونے کے لیے جس کی نگہ بھالا ہے

پھر جھمکوں کی جھمک تس پہ غضب ہے بالا
اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے

ایسے ظالم سے کوئی دل کو لگاتا ہے نظیر
اب تری جان کا اللہ ہی رکھوالا ہے

(۴۰۸)

ہمدم چلیں ہم اس کی طرف کیا نثار لے
جاویں مگر یہی دل اُمید وار لے

ہو بیقرار کیونکہ نہ جاویں ہم اُسکے پاس
ہم کو تو ہو قرار پہ جب دل قرار لے

اے حسرت نثار اس ابرو کے وار پر
جو تجھ کو وار نا ہے سو اب تو بھی وار لے

ق

کوچے میں اس کے اشک مسلسل کے ہار گوندھ
جاتا ہوں جب میں ہاروں کو بے اختیار لے

کہتا ہوں گل فروش کی مانند بار بار
تازے ہیں موتیا کے اگر کوئی ہار لے

سو سو طرح کے مکر بناتا ہوں اس لیے
شاید وہ جُل میں آن کے مجھ کو پکار لے

دل چیز کیا جو اس کے تئیں دیجیے اے نظیر
ہم نقد جاں بھی دیویں اگر وہ اُدھار لے

(۴۰۹)

دست غیر اس کے حنا واں پاؤں پر باندھا کیے
یاں کئی مشفق ہمارے زخم سر باندھا کیے

اُڑ کے آخر جا پڑی اس روے رخشاں پر نگاہ
گرچہ ہم مدت سے اس طائر کے پر باندھا کیے

اپنے اشکوں سے ہم اسکے دست غم میں دمبدم
جب تلک جیتے رہے سلک گہر باندھا کیے

خال و ابرو کی نظر بازی سے باز آئے نہ ہم
گو وہ ہم پر ہر گھڑی تیغ و سپر باندھا کیے

قتل کا سنتے ہی مژدہ ہم تو شادی مرگ ہو
اول منزل کو پہونچے وہ کمر باندھا کیے

غش جو آیا رات اس کی چشم کے بیمار کو
رشتۂ چشم اس کے بازو تا سحر باندھا کیے

اشک اُدھر پانی میں کچھ کھولا کیے اس دم نظیر
سرخ سی کچھ گولیاں تحت جگر باندھا کیے

(۴۱۰)

دل زلف میں رکھتے ہو تو اُکتانے نہ پاوے
یہ صید نیا ہے ابھی گھبرانے نہ پاوے

کہتا ہے کہ کوچے میں ہمارے جو کوئی دل
لا دے تو کچھ کہیو یہ لے جانے نہ پاوے

کاکل ہے کھلی اس لیے تا پاؤں نگہ کا اس میں ہی بندھے چہرے تلک آنے نہ پاوے
تیوری جو چڑھی رہتی ہے اس کا ہے سبب یہ جو شکوہ زبان پر کوئی کچھ لانے نہ پاوے
مشکل ہے کہ جو چاہے تو پھر آوے نہ در تک اور دل کہیں بہلاوے تو بہلانے نہ پاوے
چپکے ہی جفائیں سہے کچھ بولے نہ ہرگز بولے تو زباں گونگی ہو بتلانے نہ پاوے

ہم ایک نظر دیکھ نظیرؔ اس کو جو بھاگے
بولا کہ اسے یہیوہاں جانے نہ پاوے

(۴۱۱)

ادا و ناز میں کچھ کچھ جو ہوش اس نے سنبھالا ہے تو اپنے حسن کا کیا کیا دلوں میں شور ڈالا ہے
ابھی کیا عمر ہے، کیا عقل ہے، کیا فہم ہے، لیکن ابھی سے دلفریبی کا اہر اک نقشہ نرالا ہے
تبسم قہر، ہنس دینا قیامت، دیکھنا آفت پلک دیکھو تو نشتر ہے نگہ دیکھو تو بھالا ہے
ابھی نوک نگہ میں اس قدر تیزی نہیں، تس پر کئی زخمی کیے ہیں اور کئی کو مار ڈالا ہے
اکڑنا، تن کے چلنا، دھج بنانا، وضع دکھلانا کبھی نیمہ کبھی چپکن کبھی خالی دو شالا ہے
کسی کے ہاتھ کاندھے پر کسی کے لات سینے پر کہیں نفرت کہیں الفت کہیں حیلہ حوالا ہے

نظیرؔ ایسا ہی دلبر شہرۂ آفاق ہوتا ہے
ابھی سے دیکھیے فتنے نے کیسا ڈھب نکالا ہے

(۴۱۲)

ہم کل ایک ایسے پری رو کے نظر بند ہوئے جس کا منھ دیکھ کے پریوں کے بھی پر بند ہوئے
ایسے کمبخت ہوئے ہاتھ ہمارے ہیہات ایک دن اس کی کمر کے نہ کمر بند ہوئے

حور پہونچے نہ پری جن کی نزاکت کو نظیرؔ
ایسے کچھ حضرت آدم کے جگر بند ہوئے

(٤١٣)

کیا ادا کیا ناز ہے کیا آن ہے — یاں پری کا حسن بھی حیران ہے
حور بھی دیکھے تو ہو جاوے فدا — آج اس عالم کا وہ انسان ہے
اُس کے رنگ سبز کی ہے چمن میں دھوم — کیوں نہ ہو آخر کو ہندوستان ہے
جان و دل ہم نذر کو لائے ہیں آج — لیجیے یہ دل ہے اور یہ جان ہے
دل بھی ہے دل سے تصدق آپ پر — جان بھی جی جان سے قربان ہے
دل کہاں پہلو میں جو ہم دیں تمھیں — یہ تو گھر اک عمر سے ویران ہے
عقل و ہوش و صبر سب جاتے رہے — ہاں مگر اک ادھ موئی سی جان ہے
وہ بھی گر لینی ہوں تو لے جائیے — خیر یہ بھی آپ کا احسان ہے

آن کر مل تو نظیر اپنے سے جان
اب وہ کوئی آن کا مہمان ہے

(٤١٤)

جب آنکھ اُس صنم سے لڑی تب خبر پڑی — غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی
پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ! — دل پر نے دی تب اُس سے کڑی تب خبر پڑی
لائے تھے ہم تو عمر بیٹا یاں لکھا، وے — جب سیاہی پر سفیدی چڑھی تب خبر پڑی
داڑھیں لگیں اُکھڑنے کو، دنداں ہوئے شہید — مجلس میں چل بچل یہ پڑی تب خبر پڑی
بن دانت بھی ہنسے، پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ! — جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی
شہتیر سا وہ قد تھا، سو خم ہو کے جھک گیا — گرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر پڑی
نیچا دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ — جب جاب لی گلے کی نڑی تب خبر پڑی
کپڑے بدل کے عطر لگا، پہن پھول ہار — نکلی سواری، دھوم پڑی تب خبر پڑی
جب آئے اُس گڑھے میں نظیر او رہزار من — اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر پڑی

(٤١٥)

دیر سے آج جو نکلے بتِ ذی شان گئی
لے گئے صبر گئی، دیں گئی، ایمان گئی

اشک ریا ہوں کہ، اب لختِ جگر گے، یارہ در
ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سرِ دامان گئی

اب تو ٹک منہ کو دکھا، یار، کہ نرگس بن کر
نکلے ہیں خاکِ چمن سے ترے حیران گئی

اُس کے دامن سے لگوں، پاؤں پڑوں، ساتھ چلوں
خاک ہوں، تو بھی مرے دل میں ہیں ارمان گئی

آخر آیا ہے، تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان گئی

پان کھا کھا نہ ہنس اس درجہ تو، اے دشمنِ جاں
ابھی بھر جائیں گے خون میں لبِ دندان گئی

نظر آتے ہیں مجھے اُس کی گلی میں دن رات
ٹکڑے ٹکڑے گئی، بسمل گئی، بے جان گئی

جان کر گورِ غریباں میں قیامت نہ مچا
ابھی سوتے ہیں ترے بے سر و سامان گئی

بادشا کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیرؔ
اُس شہِ حسن کے آئے مجھے فرمان گئی

(٤١٦)

بالفرض اگر ہم ہووے حوّا کے شکم سے
آدم کے تئیں پوچھیے: "یہ کس کا جنا ہے"

حکمت کا اُلٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل: "یہ بقا ہے، یہ فنا ہے"

اک اُس کی دوا سمجھی نہیں جاتی نظیرؔ، آہ!
کچھ اور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

(٤١٧)

زلف ہو بر سرِ احساں، تو گرفتار کرے
چشم کی عین عنایت ہو، تو بیمار کرے

تیغِ ابرو کی نوازش ہو، تو ہو زخم حصول
شورِ لب زخم کو چاہے، تو نمک زار کرے

(٤١٨)

پکارا قاصدِ اشک آج فوجِ غم کے ہاتھوں سے
ہوا تاراج پہلے شہرِ جاں، دل کا نگر پیچھے

سنو، میں خوں کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور باقی	چلے آتے ہیں اٹھتے بیٹھتے لخت جگر پیچھے

(۴۱۹)

جو اس کے ناز و ادا ہم کو دل پذیر ہوے	تو اُس کے کاکُل پُر خم میں ہم اسیر ہوے
چھوئی جو زلف ذرا اس کی ہم نے ہو گستاخ	تو غصّہ ہو کے کہا تم بھی اب شریر ہوے
نہ چھوٹا ہم سے وہ نقشہ نگہ لڑانے کا	ہے دل کی دُھن تو وہی کیا ہوا جو پیر ہوے
حقیر ہونے کی خوبی انہیں کو ہے معلوم	جو خوش نگاہوں کی نظروں میں کچھ حقیر ہوے

بتوں کے ناز کی جب شوخیاں نظر آئیں
میاں نظیرؔ سے جب ہم فقط نظیر ہوے

(۴۲۰)

جب اس مہ جبیں پاس ہم شب کو پہونچے		فروغ مسرت کے منصب کو پہونچے
جو دیکھی میاں ہم نے تسخیر تم میں		پری کی لگاوٹ کب اس ڈھب کو پہونچے
نگہ کی جو صہبا طلب کی تو بولا	ق	تمھارا لب اس کے نہ مشرب کو پہونچے
تمھیں اس کی دل میں تمنا عبث ہے		یہ وہ مے نہیں ہے جو ہم سب کو پہونچے

جو شکوہ جفا سے کرے کچھ نہ ہرگز
وہی یاں نظیرؔ اپنے مطلب کو پہونچے

(۴۲۱)

خفا ان دنوں ہم سے وہ دلربا ہے		کہیں کچھ تو جھنجھلا کے کہتا ہے کیا ہے
ابھی ہم تو ہو جاویں اس بت سے ناخوش		دے کیونکہ ہو دل تو اس پر فدا ہے
اسے چھیڑ کر وہ جو کھاتے ہیں جھڑکی		وہی جانتے ہیں جو اس کا مزا ہے
کسی نے کہا اس سے میکش ہے وہ تو	ق	نظیرؔ اب جو اے جاں تمھیں چاہتا ہے
کہا اس نے یہ سُن کے او میاں تمھیں کیا		کوئی رند ہے یاں کوئی پارسا ہے

(۴۲۲)

ہمیں اس نے وعدہ سے شاید پھلا ہے
کہ دن چڑھ گیا اس قدر جو ڈھلا ہے

جو کہتے ہیں بوسہ ہمیں بھی ملے گا
تو اس کی زبان پر بھلا جی بھلا ہے

کڑا وہ جو نازک ہے پہونچے میں اس کے
نزاکت کے سانچے میں کیا کیا ڈھلا ہے

جتاتا ہے کچھ ناز اس گل نے جس کو
وہی باغ الفت میں پھولا پھلا ہے

تعدی نظیرؔ اس کی تم بھی اُٹھا لو
میاں اب اسی میں تمہارا بھلا ہے

(۴۲۳)

تن دیکھنے جس گل کا ہر برگ سمن نکلے
وہ سیمتن اس تن سے کس طور نہ تن نکلے

یوں زلف کے حلقے سے رخسار نمایاں ہے
جوں مار سیہ منہ میں پکڑے ہوے من نکلے

یہ نقش ہیں چیچک کے منہ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے

دل چاہ زنخداں میں گو غرق ہوا لیکن
اب بھی وہ اگر یاد دے زلفوں کی رسن نکلے

تھا میں جو نظیرؔ اس کے دنداں کے تصوّر میں
جب منہ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

(۴۲۴)

جو دیکھی بالیدگی ہیں ہر دم بہار حسن نگار ہم نے
تو ویسی بڑھتی کبھی نہ دیکھی کسی چمن کی بہار ہم نے

ادائیں غمزے کی ہیں جتاتی کرنی الحقیقت اگر کسی نے
رکھا ہے دل طاق آسماں پر لیا ہی جی اس سے اُتار ہم نے

پھنسا کے نخچیر دل ہمارا ہمیں سے کہتا ہے پھر یہ ہنس کر
کہ آج تم ہم کو تہنیت دو کیا ہے پہلا شکار ہم نے

قدم وہ گن گن ادا سے رکھنا کچھ اور مطلب نہیں مگر ہاں
غرض ہر گن گن کے دل کچلنا کیا جو دل میں شمار ہم نے

کہا جو کاکل سے دل لیے ہو کہو تو بولی وہ ہنس کے نوسہ
جو پوچھا آنکھوں سے تم ہی کہہ دو تو ہنس کے بولیں ہزار ہم نے

جو زلف جھٹکے تو کھڑا اٹکے جو کھڑا اٹکے تو زلف جھٹکے
یہی دلوں کی خرابیاں ہیں جو دیکھے لیل و نہار ہم نے

نظیر چاہے جو قدر اپنی تو ایسے چنچل سے مت لگا دل
کیا ہے کتنوں کو خوار اس نے جتا دیا تجھکو یار ہم نے

(۴۲۵)

کاکل مشکیں کا تجھ کو شوق بے تابانہ ہے
اے دل صد چاک سچ کہہ دل ہے تو یا شانہ ہے

کر دیا پہلے ہی ساغر میں ہمیں مست و خراب
ہمنشیں چشم بتاں کا بھی عجب میخانہ ہے

شمع رویوں کو تو کچھ پروا نہیں پر کیا کریں
دل جو ہم رکھتے ہیں وہ دل تو نہیں پروانہ ہے

پڑ گئی تھی ایک دن چشم گلابی پر نگاہ
اب تلک پاتے ہیں ہمارے لغزش مستانہ ہے

پھر وہ چشم مست ادھر کو میل کرتی ہے دلا
یاد ہے اس کا نشہ کچھ، یہ وہی میخانہ ہے

حال دل ہم نے کہا جس دم تو بولا سچ کہو
یہ کوئی قصہ نیا ہے یا کہن افسانہ ہے

ان پری رو سے چلا پھر دل لگانے کو نظیر
کیا کہیں یہ شخص بھی کوئی عجب دیوانہ ہے

(۴۲۶)

مکھڑے پہ اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
یہ تو بھبوکا وہ نہیں چھپ سکے جو نقاب سے

دل کو دوانہ کر گیا زلف کی پیچ و تاب سے
آنکھوں سے خواب لے گیا نرگس نیم خواب سے

قد ہے وہ اس کا جلوہ گر دیدۂ تر سے میرے یوں
جیسے عیاں ہو عکس سرو نہر چمن کے آب سے

اپنا کتابی رخ جو تم پھیرو ہو مجھ سے دمبدم
تم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی اس کتاب سے

سویا ہے وہ ابھی نسیم لگیو نہ اس کے تن سے تو

اور جو لگی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے

سخت عذاب تھا ہمیں ہاتھ سے دل کے رات کو
بارے وہ تم نے لے لیا چھوٹے ہم اس عذاب سے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک حباب سے

(۴۲۷)

دیکھی نہ جدا یار کی ابرو کبھی چیں سے
یہ ہم کو توقع نہ تھی اس زہرہ جبیں سے

کیونکر نہ چمن میں ترے قامت پہ فدا ہو
ہر سرو اسی چاؤ میں نکلا ہے زمیں سے

ق

دی سینے میں جا نقش محبت کو جو اس کے
ہم جی میں بہت شاد ہوئے دل کے نگیں سے

جب دیکھ کے ہم کو درِ منظر کو لیا بھیڑ
یہ بات کہی ہم نے تب اس غرفہ نشیں سے

کیوں جی تمھیں کیا عار ہمیں سے ہے یہ رکھنی
سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہاں جی تمھیں سے

(۴۲۸)

آدم اک دمڑی کی حقیا کو رہے عاجز سدا
ہم کو کیا کیا پیچوان اور گڑگڑی پہ ناز ہے

غور سے دیکھا تو اب وہ یہ مثل ہے اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

(۴۲۹)

یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد
آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی

ق

پوچھی نظیر ایک نے کل شکل وصل یار
ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہئے کیا ہوئی

جو شکل دور باش تھی روز نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

(۴۳۰)

لو نہ ہنس ہنس کے تم اغیار کے گل دستوں سے
اتنی ضد بھی نہ رکھو اپنے جگر خستوں سے

فندقیں بزم میں دیکھ اُس کے سر انگشتوں سے
رشتۂ ربط سے لی رہ کفِ گل دستوں سے

رو برو ہووے نہ چشمانِ بتاں سے، اے دل
ڈرتے رہنا ہی مناسب ہے سیہ مستوں سے

دستِ صیاد سے چھوٹے تو اُچھل پے درپے
ورنہ کیا فائدہ، اے آہوئے دل جستوں سے

پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر
کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستوں سے

(۴۳۱)

آیا نہیں جو کر کر اقرار ہنستے ہنستے
جُل دے گیا ہے شاید عیّار ہنستے ہنستے

اتنا نہ ہنس دل اُس سے، ایسا نہ ہو کہ چنچل
لڑنے کو تجھ سے ہووے تیار ہنستے ہنستے

لے کر صریح دل کو وہ گلعذار، یارو
ظاہر کرے ہے کیا کیا انکار ہنستے ہنستے

ہنس ہنس کے چھیڑ اس کو زنہار تو نہ اے دل
ہوگا گلے کا تیرے یہ ہار ہنستے ہنستے

ہنسنے کی آن دکھلا، لیتا ہے دل کو گلرو
کرتا ہے شوخ یارو یہ کار ہنستے ہنستے

جھنجھلا کے حال دل کا کہنا نہیں روا ہے
لائق یہاں تو کرنا انکار ہنستے ہنستے

دستار سرخ سج کر طرہ زری کا رکھ کر
ق آیا جو دل کو لینے دلدار ہنستے ہنستے

آنکھیں لڑا کے اُس نے ہنسکر نگہ کی ایسی
جو لے گیا دل آخر خونخوار ہنستے ہنستے

آیا ہے دیکھنے کو تیرے نظیر اے گل
دکھلا دے ٹک تو اس کو دیدار ہنستے ہنستے

(۴۳۲)

بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں، کان میں، نتھ میں جدھر دیکھو اُدھر موتی

کوئی بندوں سے مل کر کان کے زخموں میں ٹپکتا ہے
یہ کچھ لذت ہی جب اپنا چھدا تے ہیں جگر موتی

وہ سمرن موتیوں کی اُنگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُسکے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور اُدھر نیلم، ادھر مرجان اُدھر موتی

سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی

فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

جو کہتا ہوں "ارے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا"
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر "موتی"

کڑے سونے کے کیا، موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہ ہو دیکھو، ہیں اُس کی کفش پر موتی

وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشمِ تر موتی

تبسّم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

نظیر اس ریختے کو سن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
"اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی"

(۴۳۳)

ناخوش دکھا کے جس کو ناز و عتاب کیجے
اے مہرباں پھر اس کو خوش بھی شتاب کیجے

جو اپنے مبتلا ہوں اور دل سے چاہتے ہوں
لازم نہیں پھر ان سے رُک کے حجاب کیجے

بیٹھے جو شام تک ہم۔ بولا وہ مہرباں ہو
جو خواہشیں ہیں ان کا کچھ انتخاب کیجے

ہم نے نظیر ہنس کر اس شوخ سے کہا یوں
ہیں خواہشیں تو اتنی کیا کیا حساب کیجے

موقعہ کی اب تو یہ ہے۔ جو وقت شب ہے اے جاں
ہم بیٹھے پاؤں دابیں اور آپ خواب کیجے

(۴۳۴)

گئے ہم جو الفت کی واں راہ کرنے
ق
ارادے سے چاہت کے آگاہ کرنے

کہا اس نے آنا ہوا کس سبب سے
کہا آپ کے دل کو ہمراہ کرنے

بٹھایا اور اک چٹکی لی ایسی جس سے
لگے منہ بنا ہم وہیں آہ کرنے

جو یہ شکل دیکھی تو چٹکی بجا کر | کہا یوں نظیر اور لگا واہ کرنے

میاں ایک چٹکی سے کی آہ رک کر
اسی منھ سے آئے ہو تم چاہ کرنے

(۴۳۵)

پہلے ہی جو بتوں کی گھاتیں شمار کرتے | ق | تو ہم سے دل یہ لے کر کاہے کو عار کرتے
اے دل تجھے تو ہم نے اکثر جتا دیا تھا | | واں دام زلف ہر دم ہیں آشکار کرتے
جو آگیا ادھر کو نخچیر دل تو پھر وہ | | اک آن میں ہیں اس کو اپنا شکار کرتے
پھنستے تلک اشارت کی تو بھی تو نہ سمجھا | | غافل تجھے کہاں تک ہم ہوشیار کرتے

جب دل نظیر بولا ہوتا تو اس طرح تھا
کیا حاصل اب جو مجھ کو ہو شرمسار کرتے

(۴۳۶)

سحر کو نکلے تھے سیر کرنے جو ہمدم اک دن ہم اپنے گھر سے
تو ایک گورا وہ شوخ دیکھا رخ اس کا بہتر رخ سحر سے

جو ہم کو دیکھا کیا تبسّم بہت ہوئے خوش ہم اپنے دل میں
کہا نہ منھ سے کہ آؤ بیٹھو مگر اشارت کیے نظر سے

ہمیں بھی کچھ کچھ تھی رمز فہمی جو دلبروں سے ملے تھے اکثر
سمجھ اشارت نگہ کی بیٹھے بہت ادب سے ذرا حذر سے

کہا تمھارا ہے کیا ارادہ۔ کہا یہ ہم نے ارادہ کیا ہے
مگر گھڑی دو گھڑی ہیں ملتے پری رخانِ کرشمہ گر سے

یہ سن کے اس نے نظیر ہم کو دکھائی ایک آن ایسی ہنس کر
کہ بیٹھے دیکھ اس ادا کو ایسے کہ پھر نہ سرکے ہم اس کے در سے

(۴۳۷)

کی اس صنم نے جس دم ہم پر نگاہ دل سے
ہم نے بھی اس نگہ سے کی اس کی چاہ دل سے

چاہت ہماری اے جاں تم ظاہری نہ سمجھو
ہم چاہتے ہیں تم کو اے رشکِ ماہ دل سے

جب دیکھتے ہیں اس کی طرزِ خرام یارو
ہم ہر قدم پہ کیا کیا کہتے ہیں واہ دل سے

بن دیکھے اس پری کے بے تابیاں ہماری
گھیرے ہیں گاہ جی کو لپٹے ہیں گاہ دل سے

باتیں ہمارے دل کی کہہ دیں نظیرؔ اس نے
ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

(۴۳۸)

ہے زلفِ خوش جو ایسی اور ہے وہ بند دل کی
کیا کہیے بے وقوفی اس خود پسند دل کی

ہجراں نے جس کو ہمدم مجبور کر دیا ہو
جز وصل پھر نہ ہوا کیا اس دردمند دل کی

دشنام اس کی لب کے کھائے جو ہیں مکرر
اب گر گیا ہے یارو نظروں سے قند دل کی

جتنا چھوڑا اِس سے اتنا ہی جا کے لپٹا
کرتی ہے کچھ یہ صورت چاہت میں بند دل کی

نکلی نظیرؔ ہرگز حلقے سے پھر نہ گردن
ایسی ہوئی وہ پر خم کاکُل کمند دل کی

(۴۳۹)

کوچے میں اس کے اکثر کہتے ہیں یاں سے اُٹھیے
پر تھرے دل ہے کہتا مت خوفِ جاں سے اُٹھیے

کہنے سے غیر کے تو ہم کب اُٹھیں گے یارو
جب تک نہ وہ کہے گا اپنی زباں سے اُٹھیے

بیٹھ اس کے پاس ہم نے ٹک چھو لیا جو زانو
ہنس کر کہا یہ اس نے اب آپ یاں سے اُٹھیے

رہ دیر میں تو اے دل مت یادِ خانقہ کر
واں بیٹھیے نہ ہرگز پھر جس مکاں سے اُٹھیے

دیں دے چکے تھے پہلے دے بیٹھے دل نظیرؔ اب
کس زندگی کی خاطر کوئے بتاں سے اُٹھیے

(۴۴۰)

لیجیے یہ دل نہایت اچھا ہے
کیا بیاں کیجے اس میں کیا کیا ہے

اور کو کیا خبر نہیں جانے
ہم نے جس ڈھب سے اُسکو دیکھا ہے

اُلفت غیر ہم پہ ٹھہرا کر
ق
رات دن اب اُسی کا چرچا ہے

ایک دل تھا سو دے چکے تم کو
ہم پہ یہ اتّہام بے جا ہے

منہ دکھاتے نظیر رکتے ہیں
یہ بھی کچھ اور ہی تماشا ہے

(۴۴۱)

وہ مہ جبیں جو آیا شب کو ہمارے آگے
اس لطف سے ہمارے سوتے نصیب جاگے

جلتی نہ ہوتے گریاں تو یاں اگر نہ ڈھلتی
دشمن ہوے یہ تیرے اے شمع تن کے تاگے

ہم مستقل تھے دل میں مس کی طرح نہایت
جگّر دیا یہ تو نے اے جاہ کے سہاگے

دکھلائی اس نے کیا کیا ابرو کی تیغ پر ہم
نظریں رہے لڑاتے اور اک قدم نہ بھاگے

تم تو نظیر مکرے اور ہم نے کل ہی دیکھا
تھے تم تو پیچھے پیچھے وہ شوخ آگے آگے

(۴۴۲)

کب آہ وہ کر سکتے ہیں دل کی طپشوں سے
صحبت ہے جنھیں حسن کے نازک منشوں سے

کر خرڑب زباں سے نہ پریزادیوں کی تسخیر
یہ لوگ جو ملتے ہیں تو دل کی کششوں سے

ہے آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم
کل سر کو ٹپکنا ہے چمن کی روشوں سے

خوباں تو چلے ہم سے چلن ناز کے لیکن
چھیڑا ہے انھیں ہم نے بھی کن کن روشوں سے

مدت میں نظیر اس نے کیا دل کے تئیں قتل
صد شکر کہ ہم آج چھٹے سب خلشوں سے

(۴۴۳)

ہے کام جس کے دل کو اس زلف عنبریں سے
کب ہو وہ جبیں بابرو، ایک آن اس کی جبیں سے

چمکے ہے چاندنی میں جب شوخ کی انگوٹھی
مہتاب میں ہیں گویا الماس کے نگیں سے

تھا خواب میں جو اک شب ہم نے پری کو دیکھا
تعبیر اس کی پوچھی جب ایک پیش بیں سے ق

سن کر کہا یہ اس نے ظاہر ہے جو تمہارا
دل ان دنوں میں اٹکے اک شوخ مہ جبیں سے

باتیں نظیر جس کی ہوں قند سے زیادہ
دشنام اس کے بہتر ہوں کیوں نہ انگبیں سے

(۴۴۴)

کل سنا ہم نے یہ کہتا تھا وہ اک ہمراز سے
دیکھتا تھا مجھ کو آج اک شخص عجب انداز سے

وہ نیاز و عجز تھا اس کی نگہ سے آشکار
جس طرح طائر کسی جا تھک رہے پرواز سے

تو جو واقف ہو تو جا اس کو بلا لا جلد یاں
میں تسلی دوں اسے کچھ شرم سے کچھ ناز سے

ہے مرا دل اس سے ملنے کو نہایت بیقرار
سُن کے وہ ہمراز بولا اس بت طناز سے

میں تو اس کو جانتا ہوں نام ہے اسکا نظیر
اور خبر ہے مجھ کو اس کی چاہ کے آغاز سے

تم ہو سادے مہرباں اس کو بکھیڑے یاد ہیں
اور سوا اس کے مراڈرتا ہے جی غماز سے

سن کے یہ ہمراز سے اس نے کہا ہنس کر میاں
کچھ بھی ہو ہم تو ملیں گے اس بکھیڑے باز سے

(۴۴۵)

ہم دل نہ دیں گے ہنس کر بولا یہ کیا سخن ہے
ہم نے کہا کہ حضرت اُس نے کہا کہ گُن ہے

اب نہ دل دیویں اپنا یا دیویں اس صنم کو
ہر آن اب اسی کی جی میں اُدھیڑ بُن ہے

کاکل ہیں اس پری کے حسرت فزائے سنبل
رخ رو کش چمن ہے قد رشک سرو بُن ہے

اب تک نظیر کیا کیا بھرتا ہے چاہ کے دم
ہر چند مدّتوں سے قد خم ہے اور کہن ہے

لمتا ہے جو پری رو نہ یکھے ہے دو بدو ہو
گو پیر ہے پر اب بھی دل میں یہ اُس کے جھُن ہے

(۴۴۶)

پھڑکتی چشم ہے اور شوق بیتابی جتاتا ہے
خوشی ہے جاں بھی، اور دل بھی نہیں پھولا سماتا ہے

نگہ بھی لحظہ لحظہ سوے در آتی ہے گھبرا کر
خیال گوش بھی ہر دم طرف کھٹکے کے جاتا ہے

نجومی خود بخود آکہہ گیا خوش وقتیاں ہوں گی
ادھر کچھ زاغ بھی پیہم صدا اپنی سناتا ہے

شگوں جتنے جہاں میں ہیں معین شاد ہونے کے
ہر اک ان سے بھی ہر ساعت بروے کار آتا ہے

نظیر ایسی تو باتوں سے عیاں ہے یہ کہ وہ گلرو
کوئی دم یا کوئی پل میں ابھی تشریف لاتا ہے

(۴۴۷)

رکھیں نہ کیونکہ ہم اپنے کنارے دل کی خوشی
ہمیں تو چاہیئے اے جاں تمھارے دل کی خوشی

ہمارے دل کے نہ ہاتھ آنے سے جو ناخوش تھے
لیا وہ تم نے ہوئی اب تو بارے دل کی خوشی

یہ تم جو دیتے ہو دشنام اور یہ جھڑکتے ہو
نہ سہتے ہم جو نہ ہوتی پیارے دل کی خوشی

نہ پھنستے چشم کی ایما سے زلف میں ہرگز
اگر نہ کرتی ہمیں کچھ اشارے دل کی خوشی

گلہ نہ آنے کا سن کر کہا نظیر اس نے
نہ آئے ہم تو نہ آئے، ہمارے دل کی خوشی

(۴۴۸)

کچھ نہ دیکھا میں نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے

پنجۂ خورشید بھولا تھا ید بیضا کا رشک
پھر وہی رشک اس کو آیا یاد تیرے ہاتھ سے

زخم کھایا ہم نے منہ پر جب تو قاتل نے کہا
اپنے چہرے پر ہوا یہ صاد تیرے ہاتھ سے

کھولی ناخن سے رگ دل تو نے اے فصاد جاں
یہ نیا نشتر ہوا ایجاد تیرے ہاتھ سے

صید کیا تو نے تو مارا دل یہ صیادوں کے ہاتھ
ہاتھ ملتے ہیں غرض صیاد تیرے ہاتھ سے
ہاتھ ٹوٹیں تیرے گلچیں تو نے کیوں توڑے یہ گل
حیف کیا گلشن ہوا برباد تیرے ہاتھ سے

تو نے چنگل سے چھڑایا یار کا دامن نظیر
ہم ہوئے جی میں نہایت شاد تیرے ہاتھ سے

(۴۴۹)

دل جب بندھا ہمارا اس زلف کی رسن سے
کس کس طرح کی بندش دیکھی شکن شکن سے
شبنم نے زیب جیسا پایا ہے گل سے ہمدم
لی پیرہن نے زینت ویسی ہی اس کے تن سے
ہر چند منھ پر اپنے لاتا نہیں و لیکن
تہ تہ میں بیکلی ہے غنچے کو اس دہن سے
گل چھو لیا جو ہم نے ٹک دامن اس صنم کا
نزدیک ہو کے کچھ کچھ اپنے کسی جتن سے

پھولے خوشی سے ایسے جو دل نظیر بولا
ایسا نہ ہو جو نکلو آغوش پیرہن سے

(۴۵۰)

دل لینے کے اور دل کو سپر کیا نہیں آتے
پر جو نہیں آتے ہیں وہ اصلا نہیں آتے
بازی گریاں ہم تو بہت کرتے ہیں لیکن
محبوب کبھی بہر تماشا نہیں آتے
ہم حال تو کہہ سکتے ہیں اپنا پہ کہیں کیا
جب وہ ادھر آتے ہیں تو تنہا نہیں آتے
وعدہ تو کیا ہے کہ ہم آئیں گے پر ان کو
حیلے جو ہیں جل دینے کے کیا کیا نہیں آتے

جب ہم نے نظیر اس سے کہا آئیے ٹک یاں
سن کر عجب اک آن سے بولا، نہیں آتے

(۴۵۱)

غنچے کا منفعل ہے اس کے دہن دہن سے
گل کا بھی شرمگیں ہے کیا کیا بدن بدن سے
سچ دھج کی ہم سے اس کی تعریف کس طرح ہو
حیرت میں ہے پری کا جس کے بدن بدن سے

دیکھی جو زلف ہم نے آئیں نظر میں کیا کیا
چینوں سے چینیں باہم یک جا شکن شکن سے

تم نے جو ڈھب نکالے ہم نے بھی فن جتائے
ہم یہ تمھارے اے جاں سیکھے چلن چلن سے

یہ حسن ہے نظیر اب بازار میں ہیں بیٹھے
گل شوق رخ میں اس کے آکر چمن چمن سے

(۴۵۲)

دل اپنا جو ہم عاشق اس کا کریں گے
تو دھن ہے کہ ہرگز نہ افشا کریں گے

مناسب نہ ہوگا جو منھ دیکھنا واں
تو پھر ڈھب سے کچھ اور نقشا کریں گے

ق

نظیر ایک دن بازیگر بن کے ہم نے
کہا ہم بھی یاں کچھ تماشا کریں گے

تو بولا ہمیں یاد ہیں وہ تماشے
کہ تم کو گھڑی بھر میں شیدا کریں گے

جنوں میں تماشے جو کچھ تم سے ہوں گے
ہم ان سب کو ہنس ہنس کے دیکھا کریں گے

(۴۵۳)

سہی، گو کہ جھڑکی نرالی نکالی
جو سہ لی وہ جھڑکی تو گالی نکالی

ڈرا دل نہ گوری جبیں کی جو چیں سے
تو خونخوار کاکل نے کالی نکالی

کھڑے ہو کے جب زلف کھولی تو گویا
صنوبر نے سنبل کی ڈالی نکالی

(۴۵۴)

جو میخانے میں جاکر ایک جام مے پیا ہم نے
تو جبیں جا خشت پائے خم تھی واں سر رکھدیا ہم نے

اٹھائے ناز خوباں کے بہاریں حسن کی دیکھیں
مزاد شنام اور بوسے کا بھی اکثر لیا ہم نے

بناکر چاہ میں چہرے کی رنگت کو برنگ زر
بھلا کر یاد میں سونا یہ سیکھی کیمیا ہم نے

کبھی زلف پری زادوں کے دامن سے لگے جاکر
کبھی ان کی تعدی سے گریباں کو سیا ہم نے

سلہ بازی گر۔ بھانمتی۔ تماشا دکھانے والا۔ شعبدہ باز ۱۲
سلہ مراد کالی ناگنی ۱۲ آسی

ملے، روٹھے، ہنسے، روئے، پھرے، بیٹھے، ڈرے، سنبھلے
نظیر اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

(۴۵۵)

یہ میکشی ہو بھلا کس نمط[1] زمیں کے تلے — کب اس شراب کی ملتی ہے بط زمیں کے تلے
رقم ہیں اور تو یکسر عیاں مگر ہیں گے — زر دفینہ کے حرف و نقط زمیں کے تلے
یہ رسم نامہ نویسی تو جیتے جی تک ہے — وگرنہ لکھتا ہے پھر کون خط زمیں کے تلے
نہ نکلے رہ کے کوئی جس جگہ سے حشر تلک — سو وہ مکاں تو ہے یارو فقط زمیں کے تلے
نہاتے دھوتے جو اب ہیں سو بعد مرگ کہاں — اگرچہ کتنے ہی جاری ہیں شط[2] زمیں کے تلے
محرف اور برابر تو ہیں یہیں یارو — قلم کو کون لگاتا ہے قط زمیں کے تلے

یہ دھو میں چھلیں جو زیر فلک عیاں ہیں نظیر
جو چاہو پھر یہ ملیں سب غلط زمیں کے تلے

(۴۵۶)

ہستیاں نیستیاں یاں بھی ہیں ایسی، جیسے — وہ گھر اور وہ وہاں، کچھ نہیں اور سب کچھ ہے
بے زری، فاقہ کشی، مفلسی، بے اسبابی — ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں، اور سب کچھ ہے

(۴۵۷)

تن دیکھنے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے — وہ سیم تن اُس تن سے کس طور نہ تن نکلے
یہ نقش ہیں چیچک کے منھ پر عرق آلودہ — یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے

(۴۵۸)

بقا ہماری جو پوچھو، تو جوں چراغ مزار — ہوا کے بیچ کوئی دم، رہے رہے نہ رہے
ملو جو ہم سے تو مل لو، کہ ہم بنوکِ گیاہ — مثالِ قطرۂ شبنم، رہے رہے نہ رہے

[1] نمط۔ طور۔ طرح۔ بط شراب ایک ظرف جس میں شراب بھرتے ہیں۔ ایک قسم کی صراحی ۱۲
[2] شط۔ دریا ۱۲ عبدالباری آسی

کھجوری چوٹی ادا میں موٹی جفا میں لمبی وفا میں چھوٹی
وہ نیچی کافر سیاہ پٹی، نہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی

ہر اس سے گھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک لٹک میں لٹک رہا ہے
پڑھی ہے جس نے کہ اسکی پٹی، وہ پٹی سے سر ٹپک رہا ہے

متفرقات ردیف (ی)

۴۹ مرتا ہے جو محبوب کی ٹھوکر پہ نظیر آہ
پھر اس کو کبھی اور کوئی لت نہیں لگتی

۵۰ منہ زرد، وآہ سرد، ولب خشک، وچشم تر
سچی جو دل لگی ہے، تو کیا کیا گواہ ہے

۵۱ بیٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے، نظیر
کیا دم دیا ہے حضرت آدم کو دیکھیے

۵۲ چمک ہے، درد ہے، کوندن پڑی ہے، ہوک اٹھتی ہے
مرے پہلو میں کیوں یارو، یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے

۵۳ ہو کے خفا اور تیوری چڑھا کر بولی ہیں اپی کہا نظیر
آپن نے جد گھالی تھی نہیں بن ٹھن اُنہو کا بن چھیئے

۵۴ گئی گزری اپنی وہ میکشی، لگی جب سے آگ فراق کی
یہ جلے ہے دل سو کباب ہے، یہ سرشک چشم شراب ہے

۵۵ مری اس چشم تر سے ابر باراں کو ہے کیا نسبت
کہ وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل ہے برساتی

۵۶ عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

۵۷ ہیں دست و گریباں ہوں دم بازپسیں سے
ہمدم، اُسے لاتا ہے تو لا جلد کہیں سے

۵۸ کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بے داد تیرے ہاتھ سے
اے مرے بے داد گر، فریاد تیرے ہاتھ سے

۵۹ باتیں ہمارے دل کی کہہ دیں، نظیر، اُس نے
ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

۶۰ تھرکتے ہیں جھمک قس پہ غضب بالا ہے
اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے

۶۱ وہ نیاز عشق تھا اس کی نگہ سے آشکار
جس طرح سے تھک رہے طائر کہیں پرواز سے

۶۲ جس طرف تھے دیکھتے عیش و طرب کا جوش تھا
مستی و رندی ہوس بازی و بے اندیشگی

۶۳ قد میں خم آنکھوں میں نم، چہرے پہ چھپری رنگ زرد
سر سے پا تک سخت ناخوش منظری بد ہیئتی

تمام شد غزلیات

۱ھ کھجوری چوٹی وہ گندھی ہوئی چوٹی جس کی گندھاوٹ کھجور کی سی ہو ۱۲ ۲ھ سیاہ پٹی۔ وہ چٹ جو گوندھنے کے بعد آخر حصہ میں چوٹی میں ڈالی جاتی ہے۔ پٹی پڑھنا کسی کے سکھائے پڑھائے میں آنا۔ تیسری پٹی کے معنی پلنگ کی پٹی ۱۲

۵۲ چمک۔ درد کی ایک قسم کی ٹیس۔ کوندن دمبدم درد کی چمک ہونا ۱۲ آسی

مخمّسات عاشقانہ نظیر

خمسہ بر غزل مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ

(۴٦٠)

نمی دانم کہ ایں مردم کیانند | کہ یاراں رفتہ و خوش بگذرانند
دلا پیش آں کہ ایں عالم برانند | بیفگن خیمہ تا محمل برانند
کہ ہم راہان آں عالم روانند

یہاں اس جا بجز ذاتِ خداوند | نہ بھائی ہے کوئی اپنا نہ فرزند
نہ ہو دنیا کے رشتوں میں تو پابند | زن و فرزند یار و خویش و پیوند
برادر خواندگان کاروانند

جہاں تک یہ تماشے ہیں مقابل | اے ناداں یہ سب ہیں نقشِ باطل
اگر دانا ہے تو اے مردِ عاقل | نباید بستن اندر صحبتے دل

کہ بے ایشاں بمانی تا نمانند

تکبّر میں نہ کر عمرِ بنی بر باد
تجھے کیا، آہ!، یہ نکتہ نہیں یاد
مچامست اپنے ہاتھوں داد بیداد
نہ اول خاک بود ست آدمی زاد

بہ آخر چوں بیندیشی ہمانند

تونگر کیا غنی، کیا شاہ درویش
سبھوں کو ایک دن چلنا ہے درپیش
امیرِ وقت کیا محتاج دل ریش
پس آں بہتر کہ اول آخر خویش

بیندیشند و قدرِ خود بدانند

سراسر کام دُنیا کے ہیں گندے
ذرا تو دیکھ اے خالق کے بندے
غرور و کبر میں مست اپنا تن دے
زمیں چندے بخورد از خلق چندے

ہنوز از کبر سر بر آسمانند

گیا اک دن میں گورستاں میں دل سرد
جو دیکھا ہے تو با چشم و رخِ زرد
پڑی اُڑتی تھی واں ہر قبے پر گرد
یکے بر تربتے فریاد می کرد

کہ اینہا پادشاہانِ جہانند

یہ وہ ہیں جن کے تن تھے گورے گورے
بڑے تھے سلطنت کے ان کے تورے[1]
مرصّع جام و زرّیں آب خورے
بگفتم تختۂ برکن ز گورے

بہ بیں تا پادشہ یا پاسبانند

کہاں ہے ان کی وہ شان و جلالت
یہ سُن کر مجھ سے وہ صاحب کرامت
کہاں وہ تاج و تخت و ملک و دولت
بگفتہ تختہ برکندن چہ حاجت

کہ می دانم کہ مشتِ استخوانند"

گھڑی کی عمر ہو یا لاکھ کا سن
جو ہوں بیدار ظاہر یا کہ باطن
نظیر اس بزم سے چلنا ہے اک دن
نصیحت دار و ے تلخ است ولیکن

[1] تورہ مختلف اقسام کے لذیذ کھانے جو خوانوں میں لگا کر بڑے تکلف کے ساتھ امیروں کے وہاں تقریبات میں تقسیم ہوتے ہیں ایک معنی اس کے ناز و غرور بھی ہیں ۱۲ شہباز

زدار دخانہ سعدی ستانند

ایضاً

(۴۶۱)

سراپا

کل ہم جو گئے باغ میں ٹک لطف اٹھانے — اور دل کو لگے سیر گلستاں کی دکھانے
اتنے میں کہوں کیا اب تجھے اے یار یگانے — بر بود دلم ور پئے چمنے سروِ روانے
زریں کمرے، سیمبرے، موے میانے

وہ شوخ کہ عالم میں نہ دیکھا ہو کسی نے — وہ حسن کہ نے حور نے پایا نہ پری نے
کیا تجھ سے کہوں اسکی میں خوبی کے قرینے — خورشید رخے، ماہ وشے، زہرہ جبینے
یاقوت لبے، سنگ دلے، تنگ دہانے

گلفام، گل اندام، دلآرام، نکوئے — دلدار، دل آزار، جفاکار، پری روئے
آہو صفتے کبک تگے، عنبریں موئے — بیداد گرے، کج کلہے، عربدہ جوئے
شکر شکنے، تیر قدے، سخت کمانے

ابرو خم طاق حرم و زلف گنشتے — قد رنج دلِ طوبیٰ و رخ رشکِ بہشتے
تل نقش سویدائے دل و خط لب کشتے — جادو نظرے، عشوہ گرے، حسن سرشتے
آسیب دلے، رنج تنے، آفت جانے

وہ رخ کہ ہر اک شوخِ پریزاد کو شہ[۱] دے — وہ زلف کہ سنبل جسے بیتاب ہو کہہ دے
گر حور بھی دیکھے تو اسے جان میں نہ دے — عیسیٰ نفسے، خضر رہے، یوسف عہدے
جم مرتبہ، تاجورے، شاہ جہانے

[۱] شہ: شطرنج بازوں کی اصطلاح میں بادشاہ کو کسی مہرے کی زد سے بچانے کے لیے تنبیہ کی آواز۔ جسے کشت بھی کہتے ہیں۔ رخ کی رعایت سے یہاں شہ لایا گیا ہے کہ اس کا رخ ایسا ہے جو ہر معشوق کو ہٹنے اور بچنے کی صدا دیتا ہے ۱۲ آسی

شمشیر نگہ، تیر مژہ، قاتلِ خلقے
مشہورِ جہان، فتنۂ جاں، مقبلِ خلقے
غارت گرِ دہ، بربادِ دہ، حاصلِ خلقے
تنگِ شکرے، چوں شکرے در دلِ خلقے
شوخے، نمکینے، چو نمک شورِ جہانے

کیا اُس کی میں تعریف کہوں حُسن ادا کی
پھر مثل نظیر اُس بتِ رعنا سے لگا جی
ہے ختم دو عالم کی اُسی شوخ پہ خوبی
بے زلف و رخ و لعلِ لب اوشدہ سعدی
آہے، و بخارے، و غبارے، و دخانے

مخمسہ بر غزل حضرت امیر خسرو

(۴۶۲)

کب لالہ و گل کر سکیں عارض سے تیرے ہمسری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں ناز و ادا و دلبری
قد سے خجل سرو سہی، رفتار سے کبکِ دری
اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں زیباتری

ہے شور تیرے حُسن کا یکسر زمیں سے چرخ تک
دیکھے ہے جو تیرے تئیں کہتا یہی ہے یک بیک
دن رات صورت کو تری شمس و قمر رہتے ہیں تک
"تا نقش می بندد فلک کس را نداد است ایں نمک
حوری ندانم یا ملک، فرزندِ آدم یا پری

تیرا رخ اے رعنا صنم بھر کر نظر دیکھے ہے جو
دیوانے تیرے عشق میں دل سے نہیں کچھ ایک دو
کھو دین و ایماں کے تئیں باندھے ہیں وہ زنار کو
عالم ہمہ یغمائے تو، خلقے ہمہ شیدائے تو
ایں نرگس شہلائے تو آورد رسم کافری

ہے خلق و خوبی میں بھرا اس طور سے وہ نازنیں
گر اس بیاں کے راست کا آتا نہیں تجھ کو یقیں
بہزاد و مانی دیکھتے تو ہوتے وہ حیرت قریں
صورتگر نقاش چیں رو صورتِ یارم بہ بیں
یا صورتے کش ایچنیں یا ترک کن صورتگری

[margin:] له سہ یا تنگ
نہ کر ناصح نادان
مجھے اتنا ۔ پڑ
یا لا کے دکھا دے
دہن ایسا کمر ایسی
آسی

ہیں خلق میں ہر سو عیاں رنگیں ادا، زیبا صنم — گلگوں قبا نازک بدن سوز بیٔ و زینت سے بہم
کی غور تو سچ ہے یہی مجھ کو محبّت کی قسم — آفاق ہا گردیدہ ام، مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

آیا نظر جس روز سے تجھ سا شکر لب مہ لقا — ابرو کماں، جادو نظر، شیریں سخن اور عشوہ زا
اپنے وطن کو چھوڑ کر مثلِ نظیر مبتلا — خسرو غریبست و گدا، افتادہ در شہرِ شما
باشد کہ از بہرِ خدا، سوئے غریباں بنگری

خمسہ بر غزل حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

(۴۶۳)

کیست تا آں ساقیِ گلفام را — از منِ بیدل دہد پیغام را
تشنہ لب مگذار ایں ناکام را — ساقیا برخیز و درده جام را
خاک برسر کن غمِ ایام را

گو کہ مے پینے میں ہیں بدنامیاں — عزّت و حرمت کا جاتا ہے نشاں
ہم تو سمجھے ہیں یہ، لا ساقی میاں — گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

دیکھ کر نالے ہمارے شعلہ زن — عابد و زاہد کے بھولے مکر و فن
کیوں نہ اب جل جل کے ہوں دشمن کے تن — دود و آہِ سینۂ سوزانِ من
سوخت ایں افسردگانِ خام را

یہ جو میں پہنا ہے جبّہ سر بسر — ہے بھرا اس میں سراپا مکر و شر
دینے خدا کے واسطے اے مغ پسر — ساغرِ مے بر کفم نہ تا ز سر
برکشم ایں دلق ازرق فام را

لہ اس میں اشارہ ہے دہلی چھوڑنے کی طرف جو نظیر کا وطن اصلی تھا۔ ۱۲ شہباز

تنگ دارم منزل و ماوائے خود
عاشقم بر طرز بے پروائے خود
کردہ ام کوئے مغاں را جائے خود
محرم راز دل شیدائے خود
کس نمی بینم ز خاص و عام را

یہ جو یاں خوباں رکھیں ہیں بند و بست
ان کا میں عاشق نہیں اے خود پرست
دل کو لیتے ہیں بصد افسون و دست
بادل آرامے مرا خاطر خوش است
کز دلم یکبار برُد آرام را

عشق میں آرام دل ہوتا ہے کب
کوئی دن مثل نظیر اس غم میں اب
یاں تو ہر دم غم ہے اور رنج و تعب
صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

طلب دست
بمعنی دستاں ہوا

ایضاً

(۴۶۴)

آمد نگار دلبر شیریں کلام ما
زور روزگار سکۂ دولت بنام ما
رشک ارم ز نزہت او شد مشام ما
ساقی بہ نور بادہ برافروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

زاہد تو کم خوری سے کریں تن کو اپنے کاست
جس دم کہ آکے ہوئے گا دیوان حشر راست
ہم رند پی شراب کریں عیش دل کے راست
ترسم کہ صرفۂ نبرد روز باز خواست
نان حلال شیخ ز آب حرام ما

جامے ز دست ساقی رنگیں کشیدہ ایم
زاہد خبر ندارد از آں گل کہ چیدہ ایم
غم را بہ نیست بازدہ عشرت خریدہ ایم
ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

چرخ و فلک جہاں میں خرامندہ شد بعشق
قائم وہی رہیگا جو پایندہ شد بعشق
شمس و قمر بھی نور میں تابندہ شد بعشق
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کیا کیا کریں ہیں ناز و ادا سیم تن یہاں
دیکھا جو خوب سب ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں
آوے ابھی وہ شوخ تو ہو جاویں سب نہاں
چنداں بود کرشمۂ و نازِ سہی قداں
کاید بجلوہ سروِ صنوبر خرامِ ما

زاہد ہمیں خدا نے کیا ہے جو مے پرست
دیکھے تو کس طرح کہ تری ہے نگاہ پست
مستِ الست ہم ہیں نہیں آج کل کے مست
مستی بچشمِ شاہدِ دل بندِ ما خوش است
زاں رو سپردہ اند بہ مستی قیامِ ما

جب سے جدا ہوا فلکِ حسن کا وہ چاند[1]
مثلِ نظیر ہجر کی سختی سے ہو کے ماند
روتے ہی روتے ہم کو یہ گزرا تمام چاند[2]
حافظ ز دیدہ دانۂ اشکے ہمی فشاند
باشد کہ مرغِ وصل کند قصدِ دامِ ما

دیگر

(۴۶۵)

تا کے بدلق و سبحہ کنی فکرِ دام را
بگذار یک نفس تو چنیں مکرِ خام را
آری بحلقہ در کفِ خود خلقِ عام را
صوفی بیا کہ آئینہ صافیست جام را
تا بنگری صفائے مے لعل فام را

یہ صید گاہ عشق ہے دیر و حرم نہیں
باز آ تو اس خیال سے سنتا ہے ہمنشیں؟
یاں لاکھوں جال اُڑ گئے اور سیکڑوں کمیں
عنقا شکارِ کس نہ شود، دام باز چیں
کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

[1] چاند اول - مجازاً معشوق - [2] چاند دوم - مہینہ
آسی

کیفیتِ شراب زہر مے پرست پرس | بازانکہ در ازل شدہ جامے بدست پرس
سیر جہاں نہ از دل و از عقل پست پرس | رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس

کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

گر زیر آسماں تجھے فرصت ہے ایک جو | گر اپنے دل کے عیش تو ایک ایک دم میں سو
گرچہ شراب ناب کی اس جا لگی ہے پَوْ[1] | در بزم دورِ یک دو قدح درکش و برو

یعنی طمع مدار وصالِ دوام را

کھو کر جوانی تو جو ہوا یار اب فریش[2] | پیری کا اب تو آن پڑا اتر سے مرے پہ جیش
آتا ہے تجھ کو دیکھ مرے جی میں اب تو طیش | اے دل شباب رفت، نچیدی گلے ز عیش

پیرانہ سر مکن ہوس ننگ و نام را

پیرِ مغاں نے جب سے دیے جام نو بنو | جب سے کلاہ و دلق و مصلا ہوا گرو
مثل نظیر اب تو لگی دل کو مے کی لو | حافظ مرید جامِ مے است، اے صبا، برو

وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

دیگر

(۴۶۶)

کہاں وہ کیقبادی کارخانہ؟ | کہاں وہ مے، وہ جامِ خسروانہ؟
کہوں کیا تجھ سے اے یارِ یگانہ | سحرگاہاں مخمورِ شبانہ

گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ

پڑا جب گوش میں وہ نالۂ نے | تو سوجھی اور ہی عالم کی اک شے
ہوئی مستی و مدہوشی جو در پے | نہادم عقل را رہ توشہ از مے

بلکہ عاقبت کردم روانہ | ز عافیت

[1] پَوْ وہ جگہ جہاں پانی کی سبیل رکھی جاتی ہے۔ آج کو پنسال پنسالا اور پنسالہ بھی کہتے ہیں ۱۲ ۔

[2] ذی فراش۔ وہ شخص جو کمزوری کے سبب دن رات بچھونے پر پڑا رہے۔ تاوقتیکہ صیغہ تصغیر کا خیال نہ کیا جائے قافیہ صحیح نہیں ہوتا غالباً تلفظ عوام کی رعایت کی ہوگی شہباز

کیا پہلے ہی ساغر نے یہ دل شاد
تو مجھ کو کر کے اور اک جام امداد
کہ سر اپنا رہا مجھ کو نہ پایا د
نگارے بے فروشم عشوہ داد
کہ ایمن گشتم از مکر زمانہ

ہوا جب میں نہایت شاد و خرم
کہا میں نے اُسے اے ساقیِ جم
تو رکھ کر سر قدم پر اُس کے ہر دم
بدہ کشتی مے تا خوش سر آیم
دریں دریائے ناپیدا کرانہ

کیا ہے گر مجھے منزل سے محرم
کہا جب میں نے یہ نکتہ تو اُس دم
تو رستے میں نہ چھوڑ اے خضرِ عالم
ز ساقی کمان ابرو شنیدم
کہ اے تیر ملامت را نشانہ

یہ رہ باریک ہے اور تو ہے فربہ
گمان و وہم کی جا گہ نہیں یہ
کمان اس عزم کی ہرگز نہ کر زہ
بروایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اگر ہے تجھ کو اس رہ سے سروکار
نہ رکھیو بو خودی کی کچھ خبردار
تو ہو سب ماسوا سے تارک اے یار
نہ بندی زاں میاں طوقِ کمر دار
اگر خود را نہ بینی در میانہ

وہی عاشق، وہی معشوق دلجوست
وہی حامی، وہی دشمن وہی دوست
وہی بو، اور وہی مغز اور وہی پوست
شراب و شاہد و ساقی ہمہ اوست
خیالِ آب و گِل در رہ بہانہ

نظیر اے چو تو شیدا نیست حافظ
نہ زر یا وہ نہ صحرا نیست حافظ
تنِ خاکی عجب جا نیست حافظ
وجودِ ما معمّا نیست حافظ
کہ تحقیقش فسون است و فسانہ

دیگر

(۴۶۷)

تھا جو از بسکہ میں عصیاں میں خراب آلودہ | طاعت و مکر سے رہتا تھا حجاب آلودہ
اہلِ تقویٰ کا سمجھ دانۂ و آب آلودہ | دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجّادہ شراب آلودہ

لے گیا شوق جو واں مجھ کو اٹھا دوش بدوش | جاتے ہی در پہ گرا پیرِ مغاں کے مدہوش
دیکھ کر مجھ کو، پڑا خواب میں غفلت کے خموش | آمد افسوس کناں مغبچۂ بادہ فروش
گفت "بیدار شو اے رہرو خواب آلودہ"

جب میں جاگا تو کہا اُس سے بہ شیریں سخنی | یعنی ہے جان تری عشقِ مجازی[۱] کی بھنی
دور کر دل سے یہ غفلت جو ہے خوباں کی جنی | در ہوائے لبِ شیریں دہناں چند کنی
جوہرِ روح بیاقوتِ مذاب آلودہ

اے ہوسناک یہ ہے میکدۂ قدس مقام | پیتے ہیں مستانِ ازل کرتے ہیں یاں شربِ مدام
تو بھی وہ مے جو پیا چاہے تو اے نیک انجام | شست و شوئے کن و آنگہ بخرابات خرام
تا نگردد ز تو ایں دیر خراب آلودہ

گر تجھے عشقِ حقیقی نے ہے کچھ دی توفیق | تو تو سیکھ آن کے یاں اہلِ طریقت کا طریق
ایک ادنیٰ سا یہ اُس عشق کا نکتہ ہے دقیق | آشنایانِ رہِ عشق دریں بحرِ عمیق
غرق گشتند و نگشتند بآب آلودہ

یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آکے شنا | یہ تو ہے معدنِ انوار و یقین صدق و صفا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو اے غرقِ ریا | پاک و صافی شو و از چاہِ طبیعت بدر آ
کہ صفائی ندہد آبِ تراب آلودہ

[۱] عشق کا بالکل آگ سے استعارہ کیا ہے اور جان کا کباب سے۔ شہباز۔

ہم تو پھرتے ہیں نظیرؔ عشق میں اب خانہ بدوش
کچھ جو حافظؔ نے کہا یار سے ہو دوش بدوش
کل عجب طرح کا اک نکتہ ہوا گوہر گوش
گفت حافظ بروایں نکتہ بیاران مفروش
آہ! ازیں لطف بانواعِ عتاب آلودہ

خمسہ بر غزل سراجؔ

(۴۶۸)

کھلی جبکہ چشم دلِ حزیں تو وہ نم رہا نہ تری رہی
پڑی گوش جاں میں عجب ندا کہ جگر ہو بے جگری رہی
ہوئی حسرت ایسی کچھ آنکھ پر کہ اثر کی بے اثری رہی
خبر تحیر عشق سُن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تُو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

ہو میں کیا ہی دلکو فراغتیں گئی جب سے قید لباس کی
کوئی پہنو یا کہ نہ پہنو اب غرض اسکو جانے بلا مری
نہ ہوائے اطلس و گلبدن نہ تلاشِ بادلۂ و زری
شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی پردہ دری رہی

کسی وقت مکتب عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا
گیا جبکہ مدرس عشق میں تو اب آگے یار و کہوں میں کیا
کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی سو اس علم کا یہ کمال تھا
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جو دھری تھی وہیں دھری رہی

ترے منھ پہ اب تو ہے وہ جھلک کہ جہاں تو جاکے عیاں ہوا
کوئی آگے تیرے نہ آسکا وہ قمر کہ مہرنشاں ہوا
اگر آفتاب جمال تھا تجھے دیکھ وہ بھی نہاں ہوا
ترے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر تو عیاں ہوا
کہ نہ آئینے میں جلا رہی، نہ پری کی جلوہ گری رہی

عجب اتفاق ہے خود بخود کے دل سے عیش نکل گیا
اُدھر آہ شعلہ زناں ہوئی اِدھر اشک آنکھوں سے ڈھل گیا
پڑی آگ غم کی وہ تن میں آ کہ برنگِ شمع پگھل گیا
چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

کرے عشق اب وہ یہاں ہیں کہ سبھوں سے بیٹھے وہ ہاتھ دھو
اُسے کچھ کسی کی خبر نہیں ہوا اب تو مثلِ نظیر وہ
نہ کسی کے ڈر سے چُھپے کہیں نہ کسی کے خوف سے دیے رو
ترے دردِ عشق میں اے میاں دل بینوائے سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خبری رہی

خمسہ بر غزل قدرت

(۴۶۹)

آہ کس شعلہ رو سے طبع اب مایوس ہے
اور تپِ غم کی تپش چہرے[1] اُپر محسوس ہے
جو سپند آسا جگر اس آگ کا مانوس ہے
کس کی نیرنگی یہ برقِ شعلۂ فانوس ہے
جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

بزم میں تیری صنم جس دم بہ چشمِ تر گئے
دیکھ تیرے عشق میں کیا کیا ہوا اے گھر گئے[2]
مر گئے پھر جی اُٹھے تڑپا کیے دُکھ بھر گئے
صبر اور تسکیں یاں سے کوچ کب[3] کے کر گئے
اب وداع ننگ ہے اور رخصت ناموس ہے

ہمنشیں احوال اپنا کوئی کیا تجھ سے کہے
خود بخود یہ دل میں اب خیال اُٹھنے لگے
آدمیت سے گئے سودا ہوا رسوا ہوئے
کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملک روم ہے اور سرزمین روس ہے

جائیے جب واں تو کس راحت سے کیجے زندگی
سب طرح سے خرمی حشمت سے کیجے زندگی
مثلِ گل کے نزہت و فرحت سے کیجے زندگی
گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آوازِ دہل[4] اُودھر صدائے کوس ہے

یہ خیالِ خام اپنے دل میں بندھتے تھے پڑے
جب زبان دل سے باہم یہ سخن ہونے لگے
گھل رہے تھے عیش و عشرت کے طبیعت پر دَرے[5]
سنتے ہی عبرت پکاری اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو حرص و آز کا محبوس ہے

[1] چہرے اُپر۔ بجائے چہرے کے اوپر۔ اب متروک ہے ۱۲ آسی۔
[2] گھر گئے۔ کلمۂ بددعا۔ یعنی اے خانہ برباد ۱۲
[3] دُہل۔ بضم اول و دوم صحیح ہے۔ نہ کہ بہ سکون ہا ۱۲
[4] درے سے یہاں مراد دروازے ۱۲ آسی

یں سنے جانا بے چلے گی یہ گلستاں کی طرف
نہ وہ صحرا لے گئی نہ باغ وبستاں کی طرف
یا کنارِ آب یا خرام بیاباں کی طرف
لے گئی یک بارگی گورِ غریباں کی طرف

جس جگہ جانِ تمنا سو طرح کا یاس ہے

میں جو واں آیا تو اُس جا ڈھیر دیکھے خاک کے
اتنے میں عبرت پکڑ کر ہاتھ میرے خوف سے
کوئی بے سایہ کہیں سایہ کسی پر کیا کرے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے

یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے

یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت اقلیم دیتے تھے خراج
یہ وہ ہے جس کا فرشتہ سے نہ ملتا تھا مزاج
یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت افلاک سے اُترا تھا تاج
پوچھ تو اُن سے کہ مال و حشمت دولت و تاج

کچھ بھی اُن کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

کردیا ہے عشق کے غم نے تو بے طاقت تجھے
بس یہ کہتا ہے نظیر اب نکتہ حکمت تجھے
اس مرض کی بے طرح پلٹی ہے اب آفت تجھے
گر نہ بخشے شافعِ محشر تری قوت تجھے

اس کی قدرت دیکھ کر حیران جالینوس ہے

خمسہ بر غزل فغاںؔ

(۴۷۰)

دل دیتا ہوں یارب مجھے الزام نہ ہووے
یہ عشق مرا گوشزدِ عام نہ ہووے
اس کام کا آخر کو بد انجام نہ ہووے
ڈرتا ہوں محبت سے مرا نام نہ ہووے

دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے

گر یار مرے قتل کو آیا ہے ترا دل
گر یوں ہی ارادہ ہے تو مت چھوڑیو بسمل
بہتر ہے، میں حاضر ہوں، دے کچھ نہیں حاصل
شمشیر کوئی تیز سی لانا مرے قاتل

ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہووے

لہ خرم سے مراد سرسبز ۱۲ آسی
سہ کیکر یا کیکرا محاورہ عوام میں ببول کے درخت کو کہتے ہیں۔ ببول کو داغ نے کیکر لکھا ہے مگر منشی سید احمد کیکر کہتے ہیں غالباً کیکر ہی صحیح ہے کیکر اس کی تفہیم ہے شہباز
کیکر بمعنی ببول درست ہے۔ نہ کہ کیکرا ایلیا کرا آسی

بھر عمر پھرا اُس کے غم و درد سے نالاں
آخر ہوا میں ہاتھ سے اُس شوخ کے بیجاں
کیا ضد ہے موئے پر بھی اُسے دیکھیو یاراں
آتا ہے مری گور پہ ہمراہ رقیباں
یعنے اُسے تربت میں بھی آرام نہ ہووے

پردہ میں ترے غم کا اگر دل سے اُٹھاؤں
اک آہ میں سو برق کے سینے کو جلاؤں
نالہ جو کروں کوہ کو جاگہ سے ہلاؤں
گر صبح کو چاک اپنے گریباں کا دکھاؤں
اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے

اپنا تو نظیر ایک ستمگر تھا پریرو
پائی تھی صبا نے بھی نہ اُس گل کی کبھی بو
لو اُس کو بھی دل دے کے کیا ہم نے بیک سو
جی دیتا ہے بوسے کی توقع پہ فغاں تو
ٹک دیکھیو سودا یہ ترا خام نہ ہووے

اصغر کی عارفانہ غزل کی تضمین

(۱۷۴)

وہ رنگ کہیں لعل بدخشاں میں آیا
نیلم میں کہیں گوہر غلطاں میں آیا
یاقوت میں، الماس میں، مرجان میں آیا
جب حسن ازل پردۂ امکان میں آیا
بے رنگ بہ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتی میں بسا ہے
موتی میں ہوا آب، ستاروں میں ضیا ہے
تنہا نہ ہمارے ہی وہ شہ رگ سے ملا ہے
نزدیک ہے وہ سب کے جہاں اُس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالاں
کیا باغ و چمن تختہ کا، کیا زیرِ خیاباں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں ہر اک آں
گل بھی وہی، سنبل وہی، نرگس وہی ریحاں
اپنے ہی تماشے کو گلستاں میں آیا

کیا ارض و سما، حور و ملک، دیو پری جن
کیا وحشی و طائر نہیں اک دم کوئی اُس بن
ہر رات یہی بات، یہی ذکر ہے ہر چھن[۱]
اول وہی، آخر وہی، ظاہر وہی، باطن
مذکور یہی آیتِ قسمیہ آن میں آیا

ماٹی سے کہیں خاک کا پُتلا وہ ہوا ہے
یا روح بن اُس خاک کے پُتلے میں گھسا ہے
آپ ہی تو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے
حرمت سے ملائک نے اُسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورت انسان میں آیا

آکر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ
اور حال کہیں کرتا ہے لا منھ کے اوپر جھاگ
جو اُس کے شناسا ہیں یہی کہتے ہیں بے لاگ
مُطرب وہی، آواز وہی، ساز وہی راگ
ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

کیا چمپئی، کیا پستئی، کیا اخضر و احمر
کیا سوسنی، کیا کشمشی کیا ابیض و اصفر
اب مثل نظیرؔ اس چمن دہر کے اندر
بے رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھ لے اصغر
سو طرح کے عالم کے خیابان میں آیا

خمسہ بر غزل خود

(۴۷۲)

مری بغل میں جو وہ گلعذار ہوتا تھا
نہال عیش کے دل کے چمن میں بوتا تھا
خوشی ہو منھ سے منھ اور لب سے لب لوتا[۲] تھا
لپٹ لپیٹ کے میں اُس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منھ آنسوؤں سے دھوتا تھا

وہ تھا جو پاس تو کیا کیا خوشی کی راتیں تھیں
کنار و بوس تھے عیش و طرب کی گھاتیں تھیں
مزے کی چٹکیاں چنچل پنے کی باتیں تھیں
تمام رات تھی اور کہنیاں دو لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا

[۱] چھن - لحظہ - ساعت - پل -
[۲] جانا کے بجائے بلونا عوام کی بول چال میں ہے خواص اس کو جائز نہیں سمجھتے" ای

کچھ آگے چاہ نئی کے بھی آہ کیا دن تھے ۔۔۔ کہ دونوں ہر کہیں چھپ چھپ کے بیٹھتے اُٹھتے
خوشی سے پیار سے ہنس ہنس کے گفتگو کرتے ۔۔۔ جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا

کسی طرح سے نہ تھی راہ دل میں کینے کی ۔۔۔ نہ جانتے تھے قرینے نہ بے قرینے کو
گلے لپٹنے تو کیا ار گڑتے سینے کو ۔۔۔ مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا

جو لگتی شوخ کے تلوے میں گدگدی کم کم ۔۔۔ تو چین مروڑ چڑھا ناک اور بھویں کر خم
مچل کے ہنس کے چھڑاتا قدم کو ہر اک دم ۔۔۔ غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم
وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا

مرے تو دل سے نہیں بھولتا ہے وہ عالم ۔۔۔ کہ جب پلنگ پہ مرے پاس لیٹتا باہم
گھڑی مچل گھڑی شوخی گھڑی میں دھوم دھپے دھم ۔۔۔ لٹا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم
میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھاتا تھا

نہ ہووے کیونکہ مرا دامن و گریباں تر ۔۔۔ کہ پانی مجھ سے منگاتا جو وہ پری پیکر
تو گرم و سرد کی تکرار ناز سے کر کر ۔۔۔ وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر
میں اُس کے چھینٹوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا

پڑے نہ کیونکہ مجھے کام اشک گلگوں سے ۔۔۔ کہ جا کے باغ میں ہم کھیلتے تھے پھولوں سے
کبھی گلوں سے کبھی ڈالیوں کی چھڑیوں سے ۔۔۔ نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے
وہ غوطے دیتا تھا اور میں اُسے ڈبوتا تھا

اُٹھے نہ کیونکہ مرے دل سے آہ کا شعلا ۔۔۔ کہ اس طرح کا ہزار دلربا میں یار ہے ملتا
کہاں وہ عیش کہاں دل ہے اور کہاں وہ مزا ۔۔۔ ہوا نہ تجھ کو خمار آخر اُن شرابوں کا
نظیر آہ اسی روز کو میں روتا تھا

مخمس جوش جنوں

(۴۷۳)

کروں احوال کا اپنے بیاں کیا تجھ سے میں یارا
مرا جی نقدِ دل جس دن بساطِ عشق میں ہارا
پھرا از بس جو کوہ و دشت میں راتوں کو آوارا
سحر آیا جو ہیں میں کلبۂ احزاں میں بیچارا
وہیں یکبارگی جوشِ جنوں نے دل کو للکارا

کہ بس کیا کر چکا عمر اپنی صرف اے شعلۂ آتش
دیا آیا تری گرمی میں حرف اے شعلۂ آتش
نہیں نالا تو ہے دریائے ژرف اے شعلۂ آتش
پڑا ہے کیا فسردہ مثل برف اے شعلۂ آتش
بہار آئی دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا

یہ سنتے ہی بھبوکا ہو گیا دل طیش میں آکر
لیا ایک ایسا چکر جس طرح پھرتا ہے گھن چکر
کنار و جیب کی سب دھجیاں کر ڈالیں سر تا سر
اُڑا کر گرد مل کر خاک نکلا گھر سے پھر باہر
پڑھا یہ بند اور ہو کر کے نعرہ آہ کا مارا

چناں اکنوں ز خود رفتم، نمی دانم کجا ہستم
برنگ جاں ز راہِ او گذشتم از کہ پیوستم
زرہ بگرفت اکنوں، ایں زماں شور جنوں دستم
ہجوم محشرم، ہنگامہ ام، دیوانہ ام مستم
نہ از پا می شناسم سر، نمی دانم ز سر پا را

یہ پڑھتے ہی ہوئی پھر تو جنوں کی اور سرسائی
عجب دیوانہ پن کی آگے موج آنکھوں میں لہرائی
جو ہیں دریائے دل نے آ کے پھر چلنے کی ٹھہرائی
قضا نے لا وہیں اک اس قدر زنجیر پہنائی
کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا

خدا جانے اُڑا لائی قضا جا کر کہاں سے وہ
زمیں سے نکلی کافر یا کہ اُتری آسماں سے وہ
نرالی تھی غرض اے یارو، زندانِ جہاں سے وہ
گھسٹتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغاں سے وہ
اگر گرجا زمیں پے رعد کی نوبت کا نقارا

گریباں چاک سر عریاں، پریشاں مو، برہنہ پا، جگر میں شور محشر، اور زباں او پرا ہا ہا ہا
لگا پھرنے جو ہیں شعلہ ہر اک کے گھر میں ہر اک جا محلے میں پڑا غل دوڑیو، چلیو، غضب آیا
دوانہ ہو گیا ہے پہلواں، یارو، جنوں مارا

مچا بیداد و فریاد اس قدر اور الاماں جب واں کوئی بھاگا کہیں جا کر، ہوا کوئی کہیں پنہاں
تو پھر اس حال سے آخر نکل کر واں سے سرگرداں گیا اک دیر میں اور واں جو لعبت گر اٹھے ہاں ہاں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پشتارا

عجب عالم ہوا اس دم کہیں ہو حق، کہیں ہو ہا اسی انبوہ سے جا کر پھر اک مسجد کو جا گھیرا
موذن بھاگ گئے اور عابد چھپے حجروں میں اپنے جا مصلا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اس جا
کئی زاہد کچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا

جنوں نے پھر کڑک اور تھرتھرا کر واں سے مارے پر تو آ پہونچا اسی عالم میں اک میخانہ کے اوپر
مغان و مغبچہ بھاگے شرابی کانپ اٹھے تھر تھر خم و قرابہ و مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کر دی خون کا گارا

چمن کے دیکھنے کی پھر ہوئی اس جا سے تیاری کچل مارے تمامی پھول پھل اور تختہ و کیاری
ستم یہ دیکھ اک آتش زدی[۱] بلبل جو چہکاری تو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یکباری
بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا

فضا دیکھی جو صحرا کی تو زنجیریں تڑا ڈالیں بلند و پست میدانوں کی سب گردیں اڑا ڈالیں
ہجوم جوش سے ہر کوہ کی کمریں[۲] ہلا ڈالیں تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں
کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا

چلا ایسا ہوا کا آسماں سے آ گے اک جھوکا کہ اس شورِ جنوں کا آہ سب عالم گیا گذرا
چڑھا اس جوش سے آنکھوں میں آ کر اشک کا دریا کہ لڑیاں بن کے کافر ہر سر مژگاں سے یوں اچھلا
گویا چھوٹا ہزارا ساون اور بھادوں کا فوارا

[۱] آتش زدی کی بجائے آتش زدہ فصیح ہے نظیر کے زمانے میں اس کو صحیح مانا جاسکتا ہے مگر اس زمانے کے فصحا اس قسم کی ترکیبیں استعمال نہیں کرتے ایسے ہی یکباری بجائے یک بارگی فصیح نہیں ۱۲

[۲] کمر کوہ وسط کوہ ۱۲ آسی

گھٹا اٹھی جنوں کی اور دھواں آہوں کا آگمڈا[1] | کڑک نالے کی بجلی نے پھر اس عالم کو چمکایا
تماشا دیکھنے کو اس گھڑی اک عالم آ امڈا | لگا یوں منہ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا

بڑھا پھر تو جنوں کے جوش کا اس جوش پر ساماں | جبھی سے کھل گئی شورِ قیامت کی بھی آگرواں
پڑے تھے اشک کی فوجوں سے نالوں کے نشانِ زیاں | نقیب آہ کہتا تھا بڑھے جا ناٹک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا

زمیں سے آسماں تک بندھ گیا ایسا سماں آکر | ہجومِ خلق سے چلیں بھیں مچی ہر کوٹھے کوٹھے پر
وحوش و طیر نکلے کانپ اُٹھے دیوار و در تھرتھر | ہوا سناٹے لیتی تھی فلک کو آگیا چکر
تماشا دیکھیں تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا

عجب دیوانگی نے پھر تو کیں گہری ملاقاتیں | کبھی دائیں کبھی بائیں دکھائیں رو نہی گھاتیں
اُڑا اوپر تو کر آیا فلک کے کان میں باتیں | کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں
جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا گیا سنگ کیا خارا

میاں پھر تو جنوں کے بندھ گئیں واں اسقدر چاہیں | کہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوئے خلقت کے اور بند ہوگئیں راہیں
جو اسمیں کوچۂ دلدار کی دل کو ہوئیں چاہیں | تو لے بھاگا جنوں واں سے گلے میں ڈال کر باہیں
لے آیا واں کہ تھا جس جا وہ برجِ حسن کا تارا

گیا آکر جنوں نے دل کا واں یہ غلغلہ برپا | کہ بن کر آگ اور خس بس جلایا گھر رقیبوں کا
نہ وہ انبر رہا نے وہ مزا نے دھوم نے چرچا | نظیر آیا جو ہیں پھر ہوش میں تو کہہ کے یہ بولا
کہ آخر ہر کما سے راز دا اے می شود یارا

خمسہ

ہے دل میں عزم جس کی چاہت کی چاکری کا | (۲۷۴) پایا ہے ناز اس نے شوخی میں برتری کا

[1] آگمڈا ۔ یعنی آکر پھیل گیا ۔ اب نہیں بولا جاتا ۔ ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں اُمڈنا کا مترادف گمڈنا بھی ہو ۔ اڈنا بھی قریب قریب ایسے ہی معنوں میں بولتے ہیں ۔ ایسے ہی اس بند میں بوچھار کی بجائے بوچھارا لایا گیا ہے ۔ جو حضرتِ نظیر کی جدتِ طبع اور قافیہ کی ضرورت کے لحاظ سے لایا گیا ہے ۱۲ محمد اشرف علی لکھنوی

کیا کیا بیاں ہو اس کی سج دھج ادا اُبھری کا | اک پینچے پہ جو اس نے طرّہ رکھا زری کا

سورج کی بھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا

وہ حسن ہے جو اس پر کب ہو بُت چگل میں | کاکل میں طرفہ خم ہے اچھا نمک ہے تل میں
کیا دور دیکھنے میں کیا طرز متصل میں | جس دن سے حسن چمکا اس کا تو شہر دل میں

کیا کیا پڑا ہے یارو شور اس کی دلبری کا

ہم دیکھتے ہیں جس کے ہر آن رخ کو خوش ہو | چاہت میں اس کی ڈالا خاطر سے بج سب کھو
آئینہ دیکھو اس کو حسرت زدہ ہے یارو | عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جس کو

دیکھے تو ہوش آدے پرواز میں پری کا

ہیں ناز اس کے چنچل اور ہر نگاہ جادو | آنکھوں سے اس کے ہو وے شرمندہ چشم آہو
گھر سے نکل کے اپنے کرتا نگاہ ہر سو | آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو

کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

ہنس کر نگہ لڑائی بے باک ہو کے پہلے | پھر کی حیا کچھ ایسی دل دیکھ جس کو بہلے
زلفیں بھی کھولیں منھ پر کچھ چلبلی ادا سے | کیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے

جس کو مزا نہ پہونچے ہرگز شکر تری کا

مخمسہ

(۴۷۵)

جب اس نے دکھایا بھے مکھڑے کا اُجالا | اک دم میں کیا ہوش کے عالم سے نرالا
بالی نے بھی اک جھوک دکھا کر کیا بالا | دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا

اس نے یہ بٹھایا اسے جو پھر نہ اُچھالا

جھڑکا ہمیں اس شوخ نے الفت میں سمجھ خام | اور یوں کہا تجھے کا نہیں چاہ میں کچھ کام

سلہ طرّہ یہاں گوٹ کے معنی میں کیا ہے ۱۲ سلہ چگل ایک شہر کا نام ۱۲ سلہ بالا دینا۔ دھوکا دینے کے معنی میں ہے۔ شاید یہاں بالا کرنا اسی معنی میں لایا گیا ہے ۱۲ آسی

کوچے سے نکالا ہمیں ٹھہرائے یہ الزام ۔ مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اسے تھام

نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا

ہر لحظہ اسے ہم تو بہت منع سے کرتے ۔ کہنا جو نہ مانے تو بھلا کیا اسے کہیئے
ایک روز غرض ہو کے نڈر خوف و خطر سے ۔ دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اُس کے

غمزے نے گرایا دہیں اک مار کے بھالا

یہ حال کیا اس کا جو ظالم کی خوشی نے ۔ جب دل کے تئیں آ گئے خجلت کے پسینے
تھے واں جو کھڑے رحم کیا اس پہ سبھی نے ۔ زخمی اسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے

تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

وہ جس گھڑی اے یار اُدھر کو گیا یاں سے ۔ چاہا کہ ذرا سامنے اس شوخ کے ٹھہرے
ایک پل نہ لگی واں میاں بسمل اسے کرتے ۔ اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اسکے

جا تو ہی نظیر اب اُدھر اور اس کو اٹھا لا

خمسۂ دیگر

(۴۷۶)

نگہ کے جام کا کر عزم کچھ ادھر مے لا ۔ خوشی سے بیٹھ بہم ناخوشی کی مت رٹے[۱] لا
خفا ہوں جس میں ہم ایسی نہ ہر گھڑی شے لا ۔ ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا

یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا

ملی ہے صحن گلستاں کو بھر کے سر سبزی ۔ چمن چمن میں ہوئی تازگی و شادابی
صدائیں قمری کی ہیں بلبلوں کی چہ چہ بھی ۔ بہار گل کی تو آ پہونچی تو بھی اے ساقی

گلابی مے کی دکھا ساغر پیا پے لا

نثار کا کل مشکین پہ جس کے ہے سنبل ۔ ادا میں سحر بھرا ہے نگہ میں نشہ مل

[۱] رے ہٹ
رٹ ۔ ضد ۔
اشرف علی لکھنوی

کھلا ہے تازہ جو گلشن میں حسن کے وہ گل | دل اس سے ملنے کو یوں چاہتا ہے جوں بلبل

چمن میں گل سے لپٹتی ہے بال و پر پھیلا

ہیں اس کے ناز و ادا کے کچھ اب تو یہ نقشے | جدھر کو آتا ہے وہ ہیں کو دل ہیں غش ہوتے
عجب ہوا ہے کچھ احوال اپنا کیا کہیے | وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے

پکارتا ہے پڑا ہر گھڑی وہی سے لا

ادھر اُدھر جو کوئی گلعذار ہے ملتا | تو نظریں اس سے لڑا کر میں دل کو دینے لگا
بتوں کے دیکھنے کو پھرتے رہتے ہیں ہر جا | ہوس تو گرم ہے اب تک بھی کیا ہوا جو گیا

میاں نظیر کو پیری نے برف کا تھیلا

خمسہ

(۴۷۷)

وقت سحر جو ہم نے اک سیمبر کو دیکھا | کھڑے سے اس کے حیران رہ گئے سحر کو دیکھا
چین جبیں سے ہر دم نقش خطر کو دیکھا | کیا کیا نگہ لڑا کر اس فتنہ گر کو دیکھا

مدت میں آج میں نے دل کے جگر کو دیکھا

بالی کی جھوک کیا کیا ہر آن ہے درخشاں | اور رنگ یاں ہے ایسا ہو لعل جس پہ قرباں
کیا کیا نزاکت اس کی ہم سے بیاں ہو اب یاں | شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں

اس نازکی سے ہم نے اس کی کمر کو دیکھا

آیا نظر جو اس کی آن و ادا کا نقشا | طرز نگاہ ایسی ہوتا ہے سحر جیسا
جس دم ہنسا وہ گل رو یارو تو کہیے اب کیا | اُجلاپن اس کے دیکھا دنداں میں ہم نے ایسا

جس کی جھلک سے میلا سلک گہر کو دیکھا

آنکھیں نشیلی ایسی سے ہو وے جس سے حال | نظریں کرے تھیں جادو ابرو کرے تھی بسمل

عجب وہ نگار سرکش تک آگیا مقابل | نوک مژہ نے اسکی لب جھپ سے ہوگے شامل
دل کو پرو دیا جس دم ہم نے ادھر کو دیکھا

دیکھی جو یہ تعدی اس دلربا کی اس جا | کچھ جی سے پھر ہمارے اس وقت بن نہ آیا
جب حال دل کا اس نے پل میں بنایا ایسا | پوچھا نظیر بھید اکیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اس نے ادھر کو دیکھا

دیگر

(۴۷۸)

اس قد کے آگے تیرا طرز قیام کیا ہے | مت بھول سرو تیرا واں احترام کیا ہے
زیبائی تیری ایسی لطف التزام کیا ہے | چلنے میں ناز تجھ کو ہر صبح و شام کیا ہے
اے کبک اس کے آگے تیرا خرام کیا ہے

ناز و ادا میں اس کے ہے دلبری فراہم | اس رخ کے آگے دیکھیں صورت پری کی کیا ہم
بھولے ہے گھر پہونچنا جس کے نشے سے پیہم | اس چشم کی نگہ کے کیفی کے آگے ہمدم
افیون بھی کیا بلا ہے مے کا بھی جام کیا ہے

سرخی سے اس کے لب کی کب لعل ہو برابر | دنداں کو اس کے دیکھے تو منفعل ہو گوہر
ابرو کی تیغ پر خم نوک مژہ ہے نشتر | زلف اس صنم کی جس جا ہوتی ہے دام گستر
واں کاکل پری کا اے یار دام کیا ہے

رمزیں نہیں ہیں خالی کچھ اس کے پیچ و خم سے | پھرتی ہے ناز و نخوت جی اس کے لگی قدم سے
اک روز دیکھ ہم کو عیاریوں کے دم سے | لینے کو دل ہمارا پوچھا یہ اس نے ہم سے
کیوں جی بھلا تمھارا کہیئے تو نام کیا ہے

جب اس صنم نے ہنس کر ہم سے کہا یہ اس دم | جاناکہ ہوش ایسے کچھ ہیں یوں ہی سے باہم

اور ہم تو مدتوں سے سمجھے ہیں مکر اور دم — تاڑا تو ہم نے لیکن بولے نظیر یوں ہم
اس پوچھنے سے تم کو اے جان کام کیا ہے

خمسہ دیگر

(۴۷۹)

توسن کے زین پہ جس دم وہ زیب خانہ ہوگا — ہر ناز دل پہ اس کا جوں تازیانہ ہوگا
ہے مجھ میں ہوش جتنا وہ سب روانہ ہوگا — مست دل پری رخوں سے لے دل دوانہ ہوگا
تیر نگہ جھکیں گے اور تو نشانہ ہوگا

سج دھج تو اس صنم کی ہوتی ہے دل میں ساکن — پڑتا ہے چین ہم کو کب اس کے دیکھے بن
رکھتا ہے راہ چلتے کیا کیا قدم وہ گن گن — ایسا ہی حسن اس کا بڑھتا رہا تو اک دن
محبوب دہر ہوگا شوخ زمانہ ہوگا

ہم ہیں اسے بلاتے اور وہ ہے دو ہٹلتا — جب دیکھتے ہیں جاکر تو منھ کو ہے چھپاتا
ہاتھوں سے اس کے جس دم کھینچا ستم بہت سا — ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا
گر لکھ رکھو گے اس کو رنگین فسانہ ہوگا

بھر کر نگاہ ہم نے صورت جو اس کی دیکھی — دل نے سرور پایا جی کو ہوئی تسلی
دیکھ اس کی زلف مشکیں یہ بات ہم نے سوچی — بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کرے گی
ٹک تیل پڑ گئے اس میں جس وقت شانہ ہوگا

چیٹک[1] تو دے گیا ہے جاکر ادھر سے ظالم — دل کر گیا ہے کیفی اپنی نظر سے ظالم
آیا نہ کرکے وعدہ اب جو سحر سے ظالم — جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم
دیکھیں نظیر اس کا اب کیا بہانہ ہوگا

[1] چیٹک - دھن لو - شوق ۱۲ محمد اشرف علی

خمسۂ دیگر

(۴۸۰)

یار فقط نہ آئینہ دیکھ کے تجھ کو ہے خجل
نکلے اگر تو صبحدم مہر بھی ہووے منفعل
شب کو تو آ جو بزم میں بیٹھا ہمارے متصل
تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب رخ سے رخ نور سے نور ظل سے ظل

دھوم ترے جمال کی سنتے ہی سب پری خاں
اپنے گھروں میں چھپ گئے شرم کے مارے ناگہاں
وصف اب ایسے حسن کا اور کروں میں کیا بیاں
یوسف مصری سے میاں ملتے ہیں تیرے سب نشاں
چشم سے چشم لب سے لب زلف سے زلف تل سے تل

جال ہے گل کا پیرہن مرنے سے عندلیب کے
پرزے کتاں کے اڑ گئے ماہ کے دل میں داغ دے
شمع جلی جو رات کو ساتھ پتنگ بھی جلے
جتنے ہیں کشتگان عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک نم سے نم خون سے خون گل سے گل

قیس بھی اپنے عشق میں زور ہی نام کر گیا
مرنے کی جس کے تعزیت کرتے ہیں دشت خاک اڑا
جان گئی تو کیا ہوا عشق میں شرط ہے وفا
جب سے موا ہے کوہکن کہتے ہیں اسکا غم سدا
کوہ سے کوہ جو سے جو، سنگ سے سنگ سل سے سل

ہجر میں ایک عمر سے ہم بھی جو بیقرار تھے
کون سے درد و غم ہوئے آہ جو وہ نہیں سہے
شکر ہے بارے یک بیک بعد صد انتظار کے
یار ملا جو آ نظیر میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم جاں سے جاں روح سے روح دل سے دل

خمسۂ دیگر

(۴۸۱)

دیتا ہے وہ انداز ترے کان کا بالا
ہر دلبر گلرد سے ترا نازسے بالا
دیکھے تو وہیں ہو مہ نو آن کے ہالا
مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشک گل لالا
پھولے ہے بڑا دل میں تیرا چاہنے والا

لب لعل، دہن غنچہ، بدن سیم، جبیں ماہ
قامت کو ترے دیکھ یہ کہتے ہیں دل آگاہ
یاد آتی ہے دیکھے سے ترے قدرت اللہ
عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ
خوبی کے گلستاں میں عجب شان سے بالا

ہے آج ترے حسن کی وہ شان و تجمل
نازک بدناں ہو کے ترے عشق میں بلبل
انسان تو کیا حور و ملک میں ہے پڑا غل
سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل
اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا

پھر اس سے جو اے جان تو پردے کو اٹھائے
ہر جلیس ترے دیکھنے کی تاب نہ لائے
خورشید بھی ذرہ ہو ترے سامنے آوے
مہتاب بھی منہ رشک سے ہالے میں چھپائے
دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اُجالا

تو حسن کے عالم میں وہ ہے اے شہ خوباں
آئینہ بجھے دیکھ کے رہ جاتا ہے حیراں
محبوب ترے دیکھنے کا رکھتے ہیں ارماں
دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں
واں بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا

کیا کیا میں کہوں وصف ترے ناز و ادا کا
یک شمہ یہ اس ناز و ادا کا ہے اہا ہا
میں نے تو کوئی نازنیں ایسا نہیں دیکھا
دل طور تغافل سے جوں ہی گرنے پہ آیا
جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا

وہ دل کہ بہت طالع ہیں یاں جس کے مددگار
رکھ دھیان عنایت پہ ترے حسن کی ہر بار
ہوتا ہے وہ اے جاں تری کاکل میں گرفتار
مشتاق نظیرؔ اک نگہ لطف کا ہے یار
اس کو بھی پلادے کبھی اس مے کا پیالا

خمسہ دیگر

(۴۸۲)

دل کے دینے پر یہ کیئے ہو دیں ہم مغرور کیا
کثرت حسن اس صنم کے ہو سکیں مذکور کیا
اور وفا اپنی دکھا کر ہو ویں ہم مسرور کیا
لاوے خاطر میں ہمارے دل کو وہ منظور کیا
جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

چاہ تو کی ہے تمہاری ہم نے دیکر دل کو یاں
ہم ابھی چاہت کے کوچے میں ہیں جو نو وار داں
پر نہیں طرزوں سے واقف اسکی ابتک اے میاں
دل نیا ہم نے لگایا ہے بتادو مہرباں
اس کی ہے رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا

ہے یہی لازم کہ اس کی چاہ کا ہم دم بھریں
کچھ فریب و فن کے اوپر دھیان کیا اپنا دھریں
خوش رہیں یا اشک سے ہر آن آنکھوں کو بھریں
یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں
اس کے آگے مکر کیا، چھل کیا، فسوں کیا، زور کیا

دلبروں میں وہ صنم ایسا ہے سرکش تند خو
ٹھان کر ہم نے یہ دل میں آج ہونی ہے سو ہو
کھینچے ہے ابرو کی تیغ اس پر اسے دیکھے ہی جو
یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو
بولا منہ کیا، دسترس کیا، تاب کیا مقدور کیا

دل ہوا جس روز سے اس گل کے سنبل میں اسیر
کیا ہوا اگر وہ ہمیں رکھتا ہے نظروں میں حقیر
الفت و مہر اس کی ہے اس کے نہایت دلپذیر
ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پر و سے نظیرؔ
روبرو کیا، در قفا کیا، متصل کیا دور کیا

خمسہ دیگر

(۴۸۳)

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی مہندی
کہ باطن میں ہوئی ہے سرخ ظاہر میں ہری مہندی
کرے خونیں دلوں سے کیوں نہ ہر دم ہمسری مہندی
کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی، پسی، مہندی
جب اتنے دکھ سہے تب اسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

حنا کی پھلیاں اس کے کفِ رنگیں میں جو دیکھیں
نگہ میں آن کر اس دم عجب رنگینیاں جھمکیں
کہوں کیا کیا میں ان مہندی بھرے ہاتھوں کی اب رمزیں
شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
یہ چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

ہتھیلی چاندسی ہو جن کی اور ناخن ستارے ہوں
وہ پتلی انگلیاں جن سے نزاکت کے سہارے ہوں
طلائی نقرئی ہیروں کے چھلوں سے گرارے ہوں
جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور انکا ہے جی مہندی

وہ پہونچے جن میں پہونچی سو نیاز و عجز سے پہونچی
اور ان پوروں کے ملنے سے بڑھی ہے شان چھلوں کی
عجب تم بھیگتی ہو اور عبث پتھر سے ہو پستی
کفِ نازک پر اس کے تو ہے اصلی رنگ کی سرخی
تمھاری دال یاں گلتی نہیں سنتی ہو بی مہندی

جو دیکھا میں نے ان مہندی بھرے ہاتھوں کا لہرانا
انگوٹھی بانک[۱] چھلے آرسی کا پھر نظر آنا
مرا دل ہو گیا اس شمع رو چنچل کا پروانا
بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اس کو دیکھ دیوانا
کہ ہو ویں جس پری رو کے پری ہاتھ اور پری مہندی

یکایک دیکھ کر مجھ کو وہ چنچل نازنیں بھرمی
ادھر میں نے بھی دیکھا خوب اسکو کر کے بے شرمی
کہوں کیا کیا میں اسکی اب نزاکت واہ اور نرمی
ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی
کہ دست و پا میں اسکے دیر تک مسلی گئی مہندی

[۱] بانک۔ ایک قسم کے چھلے کا نام ہے ۱۲ اشرف علی

کہاں تک گلعذاروں کے بھی ہاتھوں کو رسائی ہے
کہ جن کے واسطے اللہ نے مہندی بنائی ہے
یہ سرخی لعل نے نے پنجۂ مرجاں نے پائی ہے
نظیر اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارکباد، اچھا، واہ وا خاصی رچی مہندی

خمسہ دیگر

۴۴۴

جہاں میں ہم سے جو پر غم رہے رہے نہ رہے
سرور و عیش سے باہم رہے، رہے نہ رہے
جو یاں بہت رہے یا کم رہے، رہے نہ رہے
ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے

نہ زیب کعبہ نہ دیر مغاں کی رونق ہیں
نہ حسن دشت ہیں نے گلستاں کی رونق ہیں
کوئی کہے تو بھلا ہم کہاں کی رونق ہیں
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہمارا کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

کسی کی سن کے زبانی مرا یہ حال تباہ
چلا ہے گھر سے مجھے دیکھنے وہ حسن پناہ
ہزار درد سے بھاری ہے اب یہ غم واللہ
مجھے ہے نزع میں آتا وہ دیکھنے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے

ہم اپنے غم کو بھلا کس طرح کریں اظہار
کہ عمر اپنی تو ٹھہری ہے آگے مثل شرار
کس آرزو پہ بھلا دیویں اپنے دل کو قرار
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے

میاں ہماری تو آنکھوں میں دم ہے بر سر راہ
یہ آرزو ہے تمھیں دیکھ لیویں بھر کے نگاہ
ہمارا وقت تو رخصت کا آ لگا اب آہ
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

بتوں کے عشق میں جینے سے ہاتھ دھوئیے
جو صبر و ہوش کو کھونا ہے اب سو کھوئیے
ادا و ناز پہ ان کے نثار ہو لیجئے
یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجئے
نہ کچھ دیدۂ پر نور سے رہے نہ رہے

جفا و جور یہاں تم نے ہم پہ جو کچھ کی
ہزار بات کی اک بات ہے یہ سن لو جی
یقیں ہے تم کو کہ ہم نے نہ سب خوشی سے سہی
تمہارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے

تمہاری بزم میں اس وقت ہم جو حاضر ہیں
ہم اپنے کام میں اے یار، یار شاطر ہیں
نہ جانیو کہ ہمارے یہ بار خاطر ہیں
یہی سمجھ لو ہمیں تم کہ اک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

ہوس ہے اب تو یہی نقد دل تلک دیجیے
بھرا ہے شوق بہت دل میں آہ کیا کیجے
شراب عیش کی خوباں میں بیٹھ کر پیجے
نظیرؔ آج بھی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

دیگر

(۴۸۵)

اب تو ہر شوخ پری وش نے سنبھالا بالا
سب کے بالوں سے تمہارا ہے نرالا بالا
ہر کہیں زر د دکھاتا ہے اجالا بالا
تم نے جس دن سے صنم کان میں ڈالا بالا
ہو گیا چاند سے رخسار کا بالا بالا

آئی وہ شوخ جو کل ناز و ادا سے اس جا
پھر تیاں اس کے میں غمزوں کی کہوں اب کیا کیا
تھی وہ سج دھج کہ پری دیکھ کے ہو جائے فدا
نوک مژگاں کو خبر ہونے نہ دی آہ ذرا
دل کو یوں اس کی نگہ لے گئی بالا بالا

چال چلتی ہے عجب آن سے وہ ناز بھری
مستیاں واہ ہیں کیا کیا کہوں اس جوبن کی
ہر قدم پر سرِ سینے میں ہے ٹھوکر لگتی
جب ہلاتی ہے صراحی سی وہ گردن اپنی
نشۂ حسن کو کرتا ہے دوبالا بالا

اس کی پلکوں کی جو لگتی ہے مرے دل میں نوک
آہ سینے میں کروں اپنے میں کس کس کی روک
اے دل اس شوخ کے تو بالے سے جوبن کو نہ ٹوک
ایک تو قہر ہے کانوں میں کرن پھول کی جھوک[1]
تس[2] پہ کافر ہے جگر چھیدنے والا بالا

بالے بندکا وے کے انداز بھلے کرتے کیا کیا
یہ جو ہر جھوک میں ہے اپنی جھلک دکھلاتا
جز تحمل ہونے کے کچھ جی سے نہ بن آتا تھا
اے دل اس بالے کی ہرگز تو لگاوٹ پہ نہ جا
تجھ کو بتلاوے گا بالی یہ یہ بالا بالا

جب وہ بن ٹھن کے نکلتے ہیں بنا حسن کی شان
ہر نئے تیور کی لگاوٹ میں دکھا سحر نشان
اس کی ہر آن پہ ہوتی ہے فدا میری جان
وہ بھی کیا آن کا ڈھب ہے کہ دکھاتا ہر آن
کان کے پاس سے سرکا کے وہ شالا بالا

ہو گیا جب سے دل اس شوخ کے بالے میں اسیر
یاں تلک اس بالے نے کی ہے مرے جی میں تاثیر
کوئی بن آتی نہیں وصل کی اس کے تدبیر
اب تو رہ رہ کے مرا دل یہی کہتا ہے نظیر
اک نظر چل کے مجھے اس کا دکھا لا بالا

خمسۂ دیگر

(۴۸۶)

ہر دنیا کس قدر بے جام مے مستانہ تھا
شمع بزم عیش و عشرت کا بجاں پروانہ تھا
خوش معاشی کے لیے مشتاق بیتابانہ تھا
یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا

[1] جھوک: جنبش۔ لچک۔ دھکا۔ ہچکولا ۱۲
[2] تس۔ اب متروک الاستعمال ہے ۱۲ اشرف علی

اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہمان خانہ تھا

رات دن تھا محو ربط و اختلاط دوستاں
اس کی نادانی و کم فہمی کروں کیا کیا بیاں
کچھ وفا اور بیوفائی کا نہ رکھتا تھا گماں
تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا بجاں

اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا

ہے طلسم پر عجائب عالم ظاہر سمات
راستی پوچھو تو ہے سو بات کی یہ ایک بات
جس کا رخ آیا ادھر بازی ہوئی پھر اسکی مات
نے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات

غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا

فی المثل پہونچے بہم یاں درہم و دینار و دام
یہ نہیں وہ مے جو ٹھہرے ایک ساغر میں مدام
یا سرور روز و شب یا انتعاش[1] صبح و شام
کیا غم اس اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام

چشم معنی بیں میں یکساں ہے اگر تھا یا نہ تھا

جائے عشرت کیا جہاں ہووے تبدل ہر زماں
فکر سے دیکھا تو کیا تنبیہ ہے اے دوستاں
یعنی جو ثروت تھی یاں سو آج پہونچی جا کے واں
کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں

قطعۂ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا

رفعت اس کے بام کی بام فلک سے تھی دوچار
یہ مکاں اس کا مرصع اور مطلا[3] استوار
منظر[2] بھی حسن و خوبی میں تھیں یکسر آشکار
پر صفا و پر ضیا و پر نگار و پر بہار

زیب سے سو سو طرح اس میں جو شاخ اور شانہ تھا

ساکن اس کے عیش کے رکھتے تھے کیا کیا کچھ ورود
بج رہے تھے جا بجا قانون[4] و بین و چنگ و عود
گر رہے تھے سو تماشے خوش دلی کے زود زود
لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود

گریۂ مینا و یکسر خندۂ پیمانہ تھا

کچھ نہ رکھتے تھے بغیر عیش و طرب کے دل میں یاد
سیر کرنے کو بہ ہنگام مسا یا بامداد
تھے مہیا سب طرح خاطر کے مقصود و مراد
مالک اس کا جب وہ پشت بام پر پھرتا تھا شاد

---

[1] انتعاش کے معنے بلند ہونے اور اٹھنے کے ہیں مگر اہل فارس عیش و نشاط کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۱۲
[2] منظر۔ اسے مذکر بولتے ہیں ۱۲
[3] مطلا لفظ فارسی ہے مطلا بقاعدہ اہل عرب فارسی دانوں کا تراشا ہوا لفظ ہے جیسے مکتب ۱۲
[4] قانون ایک باجے کا نام ہے ۱۲
محمد اشرف علی

کیا کہوں کیا کیا اے ناز سرافرازانہ تھا

عشرتیں کرتا تھا واں ہر دم وہ کس کس طور سے
یہ تبدل سوچیو اے دوستو ٹک غور سے
ہرگز اندیشہ نہ تھا کچھ آسماں کے جور سے
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے

ایک مژہ بر ہم زدن میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا

ہو جہاں یہ شکل واں باقی رہے کیا ہوش میں
اس طرح سے دل تحیر کے نہ ہو آغوش میں
سردی آجا دے نہ کیونکر پھر ہوس کے جوش میں
واں طنین[1] یک مگس آے نہ ہرگز گوش میں

جس جگہ شور قیامت ساز نوبت خانہ تھا

کیوں نہ ہو عقل و خرد کی عالم حیرت میں راہ
خطفۂ[2] برق ان کو گئے یا شرر اب کہیے آہ
ایسے ایسے جب یہ تبدیلات آجادیں نگاہ
واں نظر آیا نہ ہرگز پارۂ سنگ سیاہ

جس جگہ لعل و گہر سے یہ جواہر خانہ تھا

جس گھڑی اسباب دنیا اس قدر ہوں بیوفا
بے بقائی اس کی جو جو کہیے وہ سب ہے بجا
پھر دل آگاہ کو کیا اعتماد اس کا بھلا
خوب جو دیکھا نظیرؔ ان رفتگاں کا ماجرا

پر خوف و عبرت آیندگاں افسانہ تھا.

(۴۸۷)

خمسۂ دیگر

کیا تو نے حال اس سے مرے درد کا کہا
رنج فراق کچھ نہ کہا تو نے یا کہا
اور میرے انتظار کا کیا ماجرا کہا
قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا

حرف عتاب یا سخن دل کشا کہا

آتا ہے ہول اب تو مرے دل میں ہو بہو
صبر و قرار ہوتے ہیں خاطر سے ایک سو

[1] طنین مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز اشرف علی
[2] خطفہ - بجلی کی چمک - بجلی کا گرنا ۱۲ اشرف علی

جس جس طرح کی باتیں ہوئیں تیرے روبرو
تجھ کو قسم ہے کیجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اُس نے تجھے برملا کہا

میں تو کمال ہجر میں ہوں اُس کے بیقرار
جلدی سُنا مجھے جو ہوا تجھ پہ آشکار
دن رات اُس کے آنے کا رکھتا ہوں انتظار
قاصد نے جب تو سن کے کہا کیا کہوں میں یار
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا

ٹپکا ہوا مرا عرق شرم نیچے نم
غصے کی باتیں کہہ چکا جب مجھ سے وہ صنم
سُنتا رہا میں اُس نے کہا جو جو بیش و کم
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا

سرنامہ خط کا دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
اور یہ کہا کہ چاہیے یہی خط کا تھا جواب
نامے کو دور پھینک دیا ہو کے پر عتاب
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اُسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بار ہا کہا

میرے جو ہوش سنتے ہی اس بات کے اُڑے
آیا ہوں پر شتاب خبر کرنے کو تجھے
گھبرا کے جلد میں نے قدم راہ میں رکھے
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بیجا کہا یہ اُس نے تجھے یا بجا کہا

تجھ پر تو اُس نگار کی خو بو تھی سب عیاں
اب آن کر کرے گا وہ کیا کیا خرابیاں
کیوں نامہ لکھ کے تو نے کیا درد دل بیاں
کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُسکو خط میاں
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا

(۴۸۸)

دیگر

خدا جاں کا گر اُس صنم کو کبھی مدار المہام کرتا
تو اک نظارے میں وہ ستمگار کام سب کا تمام کرتا

نہ کوئی جیتا نہ کوئی رہتا جو اپنی ضد کا وہ کام کرتا ۔ بتوں کی مجلس میں شب کو ہر وجواد رشک بھی قیام کرتا
کنشت ویران صنم کو بندہ برہمنوں کو غلام کرتا

فلک نے اپنی تمام خلقت میں مجکو تجکو کیا نرالا ۔ نہ مجھ سا عاشق نہ تجھ سا معشوق میں نے عالم کو دیکھ ڈالا
غریب حیران اسیر گریاں نہ جی میں طاقت دل میں نالا ۔ خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے تیری میں نام کرتا

جہاں کی وسعت میں صور پھنکتا اندھیرا ہوتا تمام دوراں ۔ درخت اکھڑتے ستارے گرتے لرزتی زمیں فرشتے ترساں
زمیں اُلٹتی سپہر گرتا پہاڑ اڑتے روئی سے یکساں ۔ کروڑوں دل جو مٹے پڑے ہیں نکلتے خونیں کفن سے نالاں
قیامت ہو جاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

یکایک آکر بہ مضطرابی ملا جو مجھ سے وہ ماہ پیکر ۔ کہا کہ خوب ہی لگا ہے جھگڑا کہا رقیبوں نے میں نے جا کر
ہے اب وہ دشمن ہوا ان کا خونی کہا یہ میں نے کہ اے ستمگر ۔ نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتے پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپ ہی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا

ذرا بھوؤں کی اشارتوں سے اگل جو پڑتے مژہ کے خنجر ۔ تڑپتے لاکھوں بہ رنگ بسمل خوشی سے ہو کر شہید اکبر
نہ باغ بچتا نہ باغباں سب یہ حال ہوتا پھر اس دم آکر ۔ وہ سرو قامت جو سر اُٹھا کر چمن میں جاتا جو مسکرا کر
تڑپتی بلبل سسکتی قمری گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا

ہماری جانب سے منہ چھپا کر جو بیٹھا مجلس میں آن کر تو ۔ حواس و ہوش و قرار اپنے تو وہیں اڑ گئے ہوا پہ ہر سو
رہا تھا جی باقی ایک نالاں سو وہ بھی اٹکا تھا آ کے جوں ہو ۔ بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھا یا چہرے سے لے پریرو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا

کیا ہے کاکل کی فوج نے تو ہمارے دل پر ادھر کو شبخون ۔ ادھر سے چہرے کی ہے چڑھائی عجب میں لیل نہار میں ہوں
غلط نہ جانو اب اسکو یارو قسم ہے تم سے میں است کہدوں ۔ جو زلفیں مکھڑے پہ کھولدیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

عجب مزہ تھا جو میکدے میں ہو کے تھے بادہ پرست بیخود ۔ رفیقوں اوپر نشے سے بزم صنم کے چلتے تھے دست بیخود

ہر اک پڑا تھا سر جھانے خم کے گرے تھا ہر ایک جبت بخود
وہ بزم اتنی تھی مخموری کی فرشتے ہو جاتے مست بخود
جو شیخ جی واں بیچ کے آتے تو پھر وہیں تک سلام کرتا

ہمارے حق میں جو تیرے آگے ہر ایک سے چن رہا ہے
تو اسب جو ہوسے ہو اگرچہ بن کر کے سن رہا ہے
غضب ہے جیسے فلک بھی ظالم سراپا حسرت کا دھن رہا ہے
نظیر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
دگر نہ کس میں تھی تاب و طاقت جو تجھ سے آ کر کلام کرتا

(۹۴)

مخمسہ

تمر مجل ہوا خون کی جھلک نہ دیکھ سکا
گر کبھی لب کے سخن کی ڈھلک نہ دیکھ سکا
سنہرے رنگ کی کندن ڈلک نہ دیکھ سکا
ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
کھلی نقاب رہی جب تلک نہ دیکھ سکا

ترے الم میں ہماں نہ ہو دخل سو ہوا رت کو
ملاپ تجھ سے کہاں آب و گل کی مورت کو
نہ ہمسری ہے کبھی صاف سے کدورت کو
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
بشر تو کیا ہے مری جاں ملک نہ دیکھ سکا

غم فراق میں جینے سے ہم جو اکتائے
تو واں بھی ذرے ہمارے ہوا نے اڑائے
ندان یار کے کوچے میں جا کے کام آئے
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے
ہمیں تو آہ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

ہوا ہوں سوکھ کے کانٹا میں ہجر میں رو رو
کمال ضعف کا اپنے کہوں میں کیا یارو
نہ بال اور نہ کمر اب مرے مقابل ہو
یہ ناتواں ہوں کہ آیا جو یار ملنے کو
تو صورت اس کی اٹھا بھی پلک نہ دیکھ سکا

پڑا ہے آہ مجھے جب سے شوخ سے پالا
لگا لگا کے نگاہوں کا تیر اور بھالا
نہ جی کو چین ہوا اور نہ دل نے سکھ پایا
گھڑی تو دل کو پرویا گھڑی جگر چھیدا
کبھی خوشی سے مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا

ابھی تو آہ خموں میں شراب ہے باقی
ہماری بار کو ظالم بعین مشتاقی
سبھوں کے عیش کی ہاں ہو رہی ہے بیباقی
لگا گھٹانے جو اب ہے کو دم بدم ساقی
ہمارے جام کی شاید چھلک نہ دیکھ سکا

کبھی اُدھر کو جو قاصد ترا گذر ہووے
تو آہ بھر کے یہ کہیو تو اُس پری رو سے
دیا کہ راہ میں جاتے کہیں وہ مجھ سے لے
نظر تم سے نہ ہوتا کبھی جُدا پیارے
پہ کیا کرے کہ وہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(۴۹۰)

مخمسہ دیگر

تنہا نہ منہ کو دیکھ جگر گل کا پھٹ گیا
قاصد تو بات کہتے ہی بس گھر کو سٹ گیا[ط]
قد کی بھی شان دیکھ کے ہر سرو کٹ گیا
جب میں سنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اُس کے میرا کلیجہ اُلٹ گیا

لائے ہو کیوں طبیب کو تم میرے پاس آج
پوچھو نہ مجھ سے ہر گھڑی تم صحت مزاج
یارو کہیں بھی عشق کی دارو کا ہے رواج
میں عشق کا جلا ہوں، مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اُکھٹ گیا

اس عاشقی کے ہاتھ سے مرنے کے ہوں قریب
مت پوچھ حال دل کا مرے آگے اے طبیب
قسمت میں عاشقوں کی سدا دکھ ہی ہے نصیب
فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب

[ط] سٹ گیا شاید سٹک گیا کی جگہ استعمال کیا ہے ۱۲ اشرف علی

لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

مجھ کو تو یار و حسن پرستی کا ہے مزا
میں تو اُسی کو دوست سمجھتا ہوں واہ وا
خوباں کا دیکھنا ہی مرے دل کی ہے دوا
اتنا کوئی کہے کہ دوانے پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی اُدھر کوئی پریوں کا غٹ گیا

اُس شوخ کی نگہ میں دغا، آن میں فسوں
قزاقی اُس کے حسن کی کیا کیا بیاں کروں
کب تک میں اُس کے ہاتھ سے بچتا ہوا پھروں
چھینا تھا دل کو چشم نے نیکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اُس صف مژگاں میں بٹ گیا

وہ شوخ تو کرے ہے دغا آنکھوں آنکھوں میں
جادوگری ہے کرتا ہوا آنکھوں آنکھوں میں
لیتا ہے دل نگہ سے پرا آنکھوں آنکھوں میں
کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

انگیا کے حسن کی جو نظر آگئی بھڑک
سورج کی اب جھمک کہوں بجلی کی یا چمک
اک آگ دل کے بیچ گئی اُس گھڑی بھڑک
آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اُس پری کے جو پردہ اُلٹ گیا

اک دن کہیں وہ سیر کو نکلی تھی مہ جبیں
کی عرض اُس سے میں نے کہ اے میری دلنشیں
یہ کیا ہوا ہے مجھ سے جو تو بولتی نہیں
سن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنیں
کیا بولیں چل ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا

مجھ کو تو اُس کے روٹھنے کا کچھ نہ تھا دھیان
یہ بات سُن میں رہ گیا حسرت سے نیم جان
ہاتھوں کو جوڑ چشم سے آنسو کو کر رواں
جب میں نے اُس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسا تو اب غضب نہ کرو یار دلربا
کس بات سے ہوا ہے مزاج آپ کا خفا
میں جانتا نہیں ہوں تمہیں مجھ کو دو بتا
ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا

جس سے یہ دل اُداس ہوا جی اُچٹ گیا

میں تو تمھارے پیار سے جیتا ہوں ناتواں — دیکھے سے تم کو جان میں آتی ہے میری جاں
اُس دم جو تم خفا ہو تو میں کیا کروں بیاں — آنکھیں تمھاری کیا پھریں اس وقت میری جاں
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

تم پر تو میں نثار سدا صبح و شام ہوں — تم آبِ زندگی ہو تو میں تشنہ کام ہوں
ہر دم تمھاری چاہ کا دل سے غلام ہوں — عشاق جاں نثار دل میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں تو اُس کے گلے سے لپٹ گیا

یہ جو چھبیلا اُس سے ہوا آ کے یک بیک — بالا سا دہ جگر وہیں اُس کا گیا دھڑک
جوں جوں میں لپٹا اُس سے وہ بولا کہ چل سرک — کتنا ہی اُس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

کشتی سی پھر تو ہونے لگی آ کے یک دگر — بازو چھڑائے اُس نے تو جا پکڑی میں کمر
وہ کھینچے مجھ کو میں اُسے کھینچوں تھا سر بسر — یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر
ٹکڑے ہوا اور اُس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

اُس نے بھی میری ضد سے گریباں لیا تھا چیر — میں نے بھی اُس کی کرتی کی پھاڑی کئی دھجیر[1]
پھر تو وہ ہنس کے میرے گلے لگ گئی شریر — آخر اُسی بہانے ملا یار سے نظیر
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(۴۹۱)

خمسۂ دیگر

تھا وصل کا جس طور نشہ دل میں دو بالا — ویسا ہی فلک نے یہ خلل ہجر کا ڈالا

[1] دھجیر یعنی دھجی عام طور سے یہ لفظ مستعمل نہیں۔ صرف نظیر کی ایجاد و اختراع ہے ۲ اشرف علی لکھنوی

کیونکر نہ بہے چشم سے اب اشک کا نالا | پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا

اے داغ مبارک ہو تجھے منصب والا

قصّے کو میرے سامنے ہرگز نہ سمجھا لو | اثبات جو کرتا ہے تو اس بات کو چھانو
یہ جھوٹ نہیں تم اسے مانو کہ نہ مانو | شیریں کے در اوپر یہ جو ہے شیر نہ جانو

فرہاد کے لوہو کا جھلکتا ہے یہ نالا

بھر عمر کبھی ہم سے ہوا اکھٹا نہ جدا ود | کل اس کے تئیں لے گیا اک شوخ جفا جو
جیتا ہے خدا جانے او یا مر گیا رو رو | کیا جانے وہ کس حال میں ہووے گا عزیزو

دل آج سراسیمہ اللہ تعالےٰ

ہے گرچہ لڑکپن میں ابھی شوخ وہ مشہور | پر دم میں کسی کے نہیں آتا ہے یہ مقدور
کیا کیا میں کروں اُس کی اب عیاری کا مذکور | بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے چل دور

اوروں کو کہا سے تو وہیں ہنس کے کہا، لا

دل سب سے اُٹھا، جان تجھے میں نے جو چاہا | جو ظلم و ستم تو نے کیا سب وہ اُٹھایا
اب نزع میں ہوں تیرے تغافل سے' آہا ہا | رگ رگ میں تیرے ہجر میں ٹ رشک مسیحا

مرتا ہوں کوئی اب مرے جینے کی دوا لا

اُس شوخ کو یارو، یہ کوئی جا کے سُناؤ | یعنے مجھے اس ہجر کے زنداں سے چھڑاؤ
کچھ باقی نہیں مجھ سے تم اب ہاتھ اُٹھاؤ | مجھ ضعف کے مارے کو نہ زنجیر پنھاؤ

کافی ہے مری قید کو اک مکڑی کا جالا

کل ہو جو گیا اُس صف مژگاں کے مقابل | بسمل سا تڑپتا تھا سرِ شام سے گھائل
چپ ہونے سے اب مجکو یقیں ہو گیا حاصل | شاید کہ موا رات کو سینے میں مرا دل

نہ آہ، نہ زاری، نہ دم سرد، نہ نالا

نہ زور ہے مرے پاس جو اس شوخ کو دیکھوں | نہ زور کہ دھمکا کے اُسے پاس بلالوں

کچھ بن نہیں آتا ہے، کسے جا کے سناؤں
اگر بس ہو امرا تو میں کسی چونسے کہہ دوں
جا آج پلنگ اُس کے تو سوتے کا اُٹھا لا

دنیا میں جو کرتا ہے کسی کی کوئی اب چاہ
خوبوں کے مزاجوں سے ابھی تو نہیں آگاہ
سب ناز اُٹھاتا ہے وہ اُس شوخ کے دلخواہ
وہ آپ سے روٹھا نہیں منے کا نظیر آہ
کیا دیکھے ہے چل پاؤں پڑا اور اُس کو منا لا

(۴۹۲)

دیگر

تھا ہجر میں جیسا دل ویران تہ و بالا
ہو چاہ کا رتبہ نہ بھلا کیونکر دو بالا
ویسا ہی بسا وصل کا ہوتے ہی اُجالا
پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنۃ للہ تقدس و تعالےٰ

کچھ غم نہیں گر تو نے لہو میرا بہایا
ارمان جو کچھ دل کا مرے تھا سو بر آیا
بسمل کی طرح خاک میں اور خوں میں لٹایا
گر قتل بجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم بجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ

اس عالم لیلیٰ کی ہوئی جب سے مجھے چاہ
اس حال کو پہونچا ہوں غم و درد سے واللہ
تن سوکھ کے کانٹا ہوا اور مشل پر کاہ
دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی، واہ
پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا

آنکھوں میں دم آیا ہے مرا نزع سے اب تو
اُکھڑا ہے دم اور نکلے ہے جی اب کوئی دم کو
دنیا سے گذرتا ہوں میں حسرت زدہ رو رو
مر مر، مجھے کہتا تھا، سو مرتا ہوں میں، یارو،
اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا

غنچوں کی طرح مل کے لہو اپنے دہن سے
حسرت زدہ گھبرا کے ہر اک اپنے کفن سے
زخموں کے نشاں سب وہ نمایاں ہیں بدن سے
بن تختۂ گل آخر شب اس خاک چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

مرتا ہوں تڑپتا ہوں پڑا ہجر میں اُس بن
مل جاوے کہیں تجھ سے وہ کافر جو کسی دن
دن عمر کے بھرتا ہوں شب و روز میں گن گن
قاصد، تو مرا نام تو لیجو نہ، و لیکن
کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا

اب فصل بہار آئی ہر دشت میں سے زمن میں
اور غُل میں پڑے بلبل و گل سرو و سمن میں
فرقت کے غم و درد سے طاقت نہیں تن میں
کیا خاک اُڑانے کو چلیں، آہ، چمن میں
نہ یار نہ ساقی نہ صراحی، نہ پیالا

مدت میں کہیں ایک تو آنا ہوا اُس کا
رہ رہ کے مجھے اب تو یہی حیف ہے آتا
اور آتے ہی قسمت نے مری اُسکو اُٹھایا
جیسا کہ وہ ہٹ مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

یہ نور جو برسے ہے پڑا کوچہ و در سے
دل دھڑکے ہے، دیکھا نہیں جاتا ہے نظر سے
یارو یہ تجلّی تو نہ ہو شمس و قمر سے
شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

اُس شوخ کی صورت کو ترس رہتی ہیں آنکھیں
فرقت کا جو از بسکہ ستم سہتی ہیں آنکھیں
دریا کی طرح رات و[1] دن بہتی ہیں آنکھیں
لے لے کے بلائیں مجھے یوں کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے، پھر ایک نظر اُس کو دکھا لا

ہے اُس کے تو چہرے پہ عجب رنگ جھمکتا
نہ سبز نہ سرخ اور نہ سفید اور نہ سنہرا
پر رنگ وہ ایسا ہے کہ سمجھا نہیں جاتا
دل جانے ہے اُس رنگ کو جو رنگ ہے اُسکا
یوں کچھ ہی کہو، وہ تو نہ گورا ہے نہ کالا

[1] رات دن کی جگہ رات و دن قدما لکھتے تھے اب فصحا خلاف فصاحت سمجھتے ہیں ۱۲ محمد اشرف علی مہتمم دار الارقام لکھنؤ

چکر نے مرے ہوش کو افلاک سے کھویا — تلووں کے تئیں خار بیاباں نے پرویا
نہ ابر نہ شبنم نے ٹک آنکھوں کو بھگویا — صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

کل ہم نے جو کی بادہ کشی صبح سے تا شام — اور پی کے چلے ساتھ ستمگر کے کئی جام
اس ضد کا بھلا کیوں نہ اُسے دیجیے الزام — اوروں کو تو گرنے بھی نہ پائے جو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

کیا کیا نہ ستم تو نے سہے عشق میں جاں کاہ — آنکھوں میں دم آیا تر اتن غم سے ہوا کاہ
اب جینے کا تیرے کوئی چارہ نہیں واللہ — ہم تجھ سے اسی روز کو روتے تھے نظیر آہ
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(۲۹۳)

خمسہ ہفت زبان

ہمیشہ چاہت کی دھن ہے جس کو دل اُس کا ہے پھر خوں کا ہالا
لگائے رکھتا ہے اُس کی چیٹک جو حسن اُس نے ہے دیکھا بھالا
دیا دل اپنا اسی کو ہنس کر جہاں پر یہ وُنے یوں کہا، لا
سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اُجالا
ہوا نہایت میں جی میں خوش دل نظر پڑا وہ صنم جو مجھکو
صفت کی اُس کے جمال کی واں مکھڑے مکھڑے میں تے دل ہیں خوش ہو
جو دیکھی میں نے وہ اُس کی خوبی مری نہ باں سے بیاں وہ کب ہو

وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُر خم کہ اُن کے بل اور شکن کو، یارو
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن نہ پہونچے کالا
بہار دیکھی جو اُس صنم کی، تو وصف اُس کا کہوں میں کیا کیا
پری بھی دیکھے تو شرمگیں ہو، وہ حسن و خوبی بھرے سراپا
وہ چال چنچل، وہ نظریں جادو، وہ پیاری صورت، وہ خوب نقشا
ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھویں وہ جیسی کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
عجب روش کا وہ شوخ گل رو، کہوں میں کیا کیا کچھ اُس کی خوبی
ہوا فدا میں دل اور جاں سے وہ طرز اُس کی جو میں نے دیکھی
کچھ ایسا مہوش، کچھ ایسا دلبر، کہوں کہاں تک صفت میں اُس کی
وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی
ے محبّت کا اُس کی دل کو ہو کیا ہی گہرا نشہ دو بالا
وہ شوخ چنچل کچھ ایسے ڈھب کا کہ اُس کا مکھڑا جو کوئی دیکھے
پھرے دیوانہ سا ہر طرف وہ، اُسی کی چاہت میں ہوش کھووے
لگاوٹیں ہیں کئی طرح کی، فریب و فن بھی کئی نمط کے
لبوں پہ سرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا ہے
وہ طرفہ دلبر، وہ مہر منظر، وہ نسترن بر جو میں نے دیکھا
بجز اہا ہا کچھ اور ہرگز نہ حرف میری زباں سے نکلا
ہوا میں صورت کو دیکھتے ہی غلام اُس کی ہر اک ادا کا
وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اُس کی وہ قدِ زیبا

کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا
خوش اپنے دل میں ہوا بہت ہی میں اُس پریرو کے دیکھنے سے
نثار اُس پر ہوا میں کیا کیا جب اُس کے انداز و ناز دیکھے
جو شوخیاں میں نے اُس میں پائیں کہاں تک اُن کا بیاں ہو مجھ سے
نگہ لڑاتے ہی اُس نے جس دم جھپک لیا جھپ، تو دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر و بوچا، پلک پلک نے ادھر اُچھالا
جب اُس پریرو کے ہاتھوں، آکر یہ شکل واں میرے دل کی ٹھہری
رہا میں بے بس کہوں میں کس سے جو میرے اُس وقت جی پہ گذری
ہوئی اذیت جو مجھ پہ اُس دم وہ میں ہی جانوں، خبر کسے جی
جو لے لیا جی کو میرے، یارو، تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا
جب اُس صنم کی ادا نے اُس جا دکھایا اپنا وہ سحر جادو
پھنسا میں زلفوں کے بل میں یارو رہی نہ عقل و خرد سر مو
ہوا میں بے کل برنگ بسمل، جو ہوش تھا سب ہوا وہ یک سو
بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُس کا و لے وہ گل رو
نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا
غرض وہ عیّار میرے دل کو جو لے گیا چھل کے واں سے اُس دم
صبا کے قاصد کو میں نے بھیجا کئی زبانیں سکھا کے باہم
جو پہونچے واں تو یہ کہیو پہلے تو اس زباں سے بدیدۂ نم
پریرخ من، شکر لب من، دمے تو یا زآ بہ پیش چشمم
بیاد سرو تو بے قرارم، نہال عشقت شدہ است بالا

گیا ہے جب سے تو منھ دکھا کر نہیں پڑا چین مجھکو اب تک
کھلی ہیں آنکھیں برنگ نرگس، رہا ہوں تیری ہی راہ میں تک
جھلک دکھا جاتک اپنے رخ کی کسی طرح سے تو پھر یکا یک
فداہ و جھک عشق شرقا، دموع نہراً ومن فراتک
کثیر حزنا مع الہموم ثقیل ہجراً دکا لجبالا
ہوئی وہ تقصیر مجھ سے کیا اب تو جس کے باعث جدا ہوا ہے
مرا تو جان و دل، اے پری زد تجھی صنم پر فدا ہوا ہے
کسی طرح سے تو جلد آجا، نکلتی منھ سے یہی صدا ہے
تساڈے ملنے توں دل ہے بیکل ایہی وہ کلاں نت اُکھدا ہے
سدا اسے مینوں نہ سے اپنے گھر وچ نہیں تو اتھے اساڈے نال آ
تجھی میں رہتا ہے دھیان میرا نہ سکھ ہے دن میں نہ نیند رَیناں
ترا ہی لیتا ہوں نام ہر دم جپیں ہیں سمرن کو جیسے جنپال
کہیں سے آمل تو مجھ سے پیارے جو میرے دل کو نک آوے چیناں
تمہاری آسا لگی ہے نس دن، تمہارے درشن کو ترسیں نیناں
دلاری سندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
تری جدائی میں، اے ستمگر، یہ سختی مجھ پر ہے اب گذرتی
نہ گھر میں دل کو قرار آوے، نہ میرا باہر کہیں لگے جی
نہیں جو آیا تو اس طرف کو، یہ بات کیا تیرے دل میں ٹھہری؟
اپانے من کو جو چھینوں تھیں ہی ابار کائیں لگائی اتنی
پھر انجھیں آکر کھبر ہو نہاں کی، پلک کنارا جو تہاں نے کھا آلا
وہ تیری صورت ہے جب سے دیکھی تو ہر دم آنکھیں رہے ہیں حیراں

جو کا کل آتی ہے یاد تیری تو دل ہے ہوتا بہت پریشاں
ارے سجیلے ارے چھبیلے ارے دھبیلے کبھی تو آیاں
اگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تورے امین بھوانتواں
تورے جو بتواں سے ہو ہا مہنکو نہ چینوں تنکو بھوا دکھا لا
گیا ہے جب سے تو دل کو لے کر نہیں ہے مجکو قرار یک جا
امید ملنے کی تیرے رکھ کر ادھر اُدھر ہوں میں جبا تا آتا
ہوا ہے میرا یہ حال اب تو تری جدائی میں، اے دل آرا
جگت سبھا امت بر ہمکھ اٹک کسوا امن کرن کھا
دو انے کینی تمن مہریجن نہ سدھ کی گڑبڑ نہ بدھ کی جھبالا
جو دل پہ گزرے ہے میرے تجھ بن، بیاں نہیں ہے کچھ اُسکا آساں
یہی تمنا ہے جی میں رہتی کہ تو پھر آوے کوئی گھڑی یاں
جو تجھ کو دیکھے تو ہو تسلی جو تجھ سے بولے تو دل ہو خوش ہاں
کبھی تو ہنس کر شتاب آ جا نظیر کی بھی طرف ٹک، اے جاں
بنا کے سج دھج بھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر ہلا کے بالا

(۴۹۴)

مخمسہ

چہرہ ہے ترا نور کی تنویر کا نقشا
یاں تک ہے ترے حسن جہانگیر کا نقشا
اور مصرع قد حشر کی تفسیر کا نقشا
مانی نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

ترچھی ہے تیر نظر نگہ نوک سناں ہے
آفت کی ہے تلوار قیامت کی کماں ہے
جس تیر کا مارا ہوا ہر پیر و جواں ہے
اُس ابروِ خمدار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی مشابہت، دمِ شمشیر کا نقشا

پلکوں میں تری ہے جو درازی و سیاہی
عشاق کے لشکر میں پڑے کیوں نہ تباہی
ہر نوک پڑی دیتی ہے نشتر کی گواہی
مژگاں کو تری دیکھ یہ کہتے ہیں سپاہی
تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا

شانہ ہو جگر چاک یہ کہتا ہے سیانو
اُس قید سے ڈرتے رہو سنتے ہو دوانو
میں محرمِ اسرار ہوں کہنا مرا مانو
نہ زلفِ سیہ عارضِ قاتل یہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

اُس قاتل بیداد کی جس دن سے ہوئی چاہ
اس ظلم کی فریاد کروں کس سے میں اللہ
کچھ جرم و خطا مجھ سے نہ ہرگز ہوا واللہ
کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

آگے تو مرے پاس وہ آتا تھا دل افروز
اس درد سے رونا مجھے آتا ہے شب و روز
اب دل میں لگاتا ہے مرے تیر جگر دوز
کیا گردشِ ایام ہے اے آہِ جگر سوز
اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

نکلا تھا رقیبوں کو لیے ساتھ وہ گمراہ
بس اتنی ہی تقصیر یہ کہتا ہے وہ خونخواہ
اتنا ہی کہا میں نے کہ صد آفریں، اے واہ
یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

کھیتی ہے محبت کی سو بووے ہے ہمیشہ
کھاوے وہیں، بیوے وہیں سووے ہے ہمیشہ
اور اشک کے قطروں سے پرو دے ہے ہمیشہ
دن رات ترے کوچے میں رو دے ہے ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

ہے نقش مرے دل میں ترے حسن کا ہر آن
زنہار نہ بھولوں گا تجھے میں، ارے نادان
مر کر بھی مرے دل سے نہ جا دے گا ترا دھیان
میں تو صفِ محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان
رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

کیا قول کیا پورا کہ اُس کوہ پہ جا کر
دن رات تراشا کیا دلبر کی دنا پر
ناچار جب آ سر پہ ہوا وقت برابر
فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جو تھے شیر کا نقشا

لیلیٰ کے کھلے بال جو دیکھے تھے نمودار
بھر عمر رہا پھر اُسی پھندے میں گرفتار
کیا چاہ کا اُس کی میں کہوں آہ اب اسرار
پر تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی یار
لیلیٰ کی یہ ہے زلفِ گرہ گیر کا نقشا

دن رات مرے قتل کو پھرتا ہے وہ گمراہ
اب جی مرا کس طور بچے اے مرے اللہ
کیا فکر کروں کس سے کہوں یہ غمِ جانکاہ
تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

(۲۹۵)

خمسہ بر غزل خود

خوشی سے دل کی منگا عطر و پان کوٹھے پر
بچھا کے فرش لگا سائبان کوٹھے پر
ہمارے ملنے کا رکھ دل میں دھیان کوٹھے پر
کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر

ادا کی تیغ بھوؤں کی کمان کوٹھے پر
مژہ کا تیر نگہ کی سنان کوٹھے پر
بنا کے ناز و کرشمے کی شان کوٹھے پر
کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر

کروگے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر

تمھاری یاد میں ٹکڑے کیا جگر میں نے
کھڑا ہو دور سے ٹھہرا کے ٹک نظر میں نے
تمھارے ہجر میں چھانا ہے دربدر میں نے
تمھیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے
تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر

اگرچہ ہم کو ستاتے ہو تم بہت سا جی
تمھاری مجھ سے تو الفت نہ چھوٹے جیتے جی
جھڑک جھڑک کے اٹھاتے ہو اور دیتے گالی
یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی
تو آرہے گی تمھارے ہی جان کوٹھے پر

تمھیں خبر نہیں پیارے ابھی ہو تم لڑکے
یہ وقت شام ہے اور دونوں وقت ہیں ملتے
گلاب و عطر ملا ہے جو تم نے کپڑوں سے
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان کوٹھے پر

ادھر سے زلف بھی آکر ہوا سے لہرا دے
ادھر سے چاند سا مکھڑا جھلک جو جھمکا دے
ادھر سے پان مسی بھی جو رنگ دکھلا دے
بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمھارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جہاں زنوں کی محبت کا کارخانہ ہے
یہ بار بار کے آنے سے ہم نے جانا ہے
وہاں تو لاکھ طرح دیکھنا دکھانا ہے
جھمک دکھا گئے ہیں اور بھی پھنسانا ہے
کبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

یہاں یہ ہے سر بازار کچھ تو خوف کرو
نشے میں پیارے ہنسی نہیں کہ مجھ سے مست اٹھو
گلابی پیتے ہو مے کی تو ٹک کنارے بیٹھو
تمھیں تو کیا ہے ولیکن مری خرابی ہو
کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

پڑی ہیں اس پہ یہ چھینٹیں کئی جو شنگرفی
ہزاروں دیکھی ہیں ہم نے منڈیریں چونے کی
نہیں تمھارے سر بام رنگ کی سرخی
کہ چونے کاری میں ہوتی ہی سرخی کب ایسی

کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

تمھارے ہجر نے اے جاں ہمیں کیا ہے گرد
بہا کے آنکھوں سے آنسو جگر سے بھر دم سرد
حواس باختہ غمناک چشم اور منھ زرد
یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد
کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر

ہوئے ہیں ہم تو تمھاری محبتوں میں تباہ
سنو جی خوب سمجھتے ہیں ہم تمھاری چاہ
وہ ہے تمھاری وہی ہے دغا و مکر کی راہ
لڑاؤ غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ!
کہ تھا ہمیں تو تمھارا ہی دھیان کوٹھے پر

یہ دم کی بات جو کہنا ہو اب تو اُس سے کہو
ہمیں تو دُھر سے[۵۱] ہے معلوم آپ کی خو بو
نہ جانتا ہو تمھاری جو کوئی باتوں کو یہ
خدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

یہ سن کے باتیں مری ہنس پڑا وہ مہر منیر
پھر اپنے ناز و ادا میں سمجھ کے مجھ کو اسیر
لگا یہ کہنے کہ تو بھی کوئی بڑا ہے شریر
کمند زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیر
چڑھا لیا مجھے اپنے نداں[۵۲] کو کوٹھے پر

(۴۹۶)

خمسہ

چہرے پہ سیہ ناگن چھوٹی ہے جو لہرا کر
جس کاکل مشکیں میں پھنستے ہیں ملک آ کر
کس پیچ سے آئی ہے رخسار پہ بل کھا کر
اُس زلف کے پھندوں نے رکھا ہے مجھے الجھا کر
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر

جس دن سے ہوا آ کر اُس زلف کا زندانی
لیک ہو گئی یہ میری خاطر کی پریشانی

---

[۵۱] دُھر سے یعنی شروع سے ۱۲
[۵۲] نداں — آخر کار ۱۲ — اشرف علی لکھنوی

پھر عمر نہ جاوے گی اب جی سے پشیمانی — افسوس کہوں کس سے میں اپنی یہ نادانی

دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

جس وقت لکھی ہووے قسمت میں گرفتاری — کچھ کام نہیں آتی پھر عقل کی ہشیاری
یہ قید مرے اوپر ایسی ہی پڑی بھاری — رونا مجھے آتا ہے اس بات پہ ہر باری

دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اُس زلف کے ہر مو نے لاکھوں کے تئیں مارا — اللہ کی خواہش سے بندے کا نہیں چارا
کچھ بن نہیں آتا ہے طاقت ہے نہ کچھ یارا — اب کاہے کو ہوتا ہے اس قید سے چھٹکارا

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اُس زلف تلک مجکو کا ہے کو رسائی تھی — قسمت نے مری خاطر زنجیر بنائی تھی
تقدیر مرے آگے جس دم اُسے لائی تھی — شاید کہ اجل میری بن کر وہی آئی تھی

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

گر چاہِ زنخداں میں میں ڈوب کے دکھ پاتا — یوسف کی طرح اک دن آخر میں نکل آتا
اس زلف کے زنداں سے کچھ بس نہیں چلتا — آخر یہی کہہ کہہ کر پھرتا ہوں میں گھبراتا

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اُس کو تو مرے دل کے ڈسنے کی شتابی ہے — اور جس کی وہ ناگن ہے وہ مست شرابی ہے
اس غم سے لہو رو کر پُر چشم گلابی ہے — کیا طرفہ مصیبت ہے کیا سخت خرابی ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

ہر بند مرے تن کا اس قید میں گلتا ہے — سر پاؤں سے جکڑا ہوں کچھ بس نہیں چلتا ہے
جی سینے میں تڑپے ہے اشک آنکھ سے ڈھلتا ہے — ہر وقت یہی مصرع اب منھ سے نکلتا ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اس قید کی سختی میں سنبھلا ہوں نہ سنبھلوں گا — اس کالی بلا سے میں جز رنج کے کیا لوں گا

اس موذی کے چنگل سے چھوٹا ہوں نہ چھوٹوں گا
آخر کو یہی کہہ کہہ اک روز میں جی دوں گا
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

یہ قید فرنگ ایسی دنیا میں بڑی شے ہے
اب چشم کا ساغر ہے اور خونِ جگر مے ہے
چھوٹا نہ اسیر اس کا اس قید کی وہ رے ہے
کچھ بن نہیں آتا ہے کیا نگر کروں اے ہے
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

کہنے کو مرے یارو مست دل سے بُھلا دیجو
مر جاؤں تو پھر میرا آثار[1] بنا دیجو
زنجیر کوئی لاکر پاؤں میں پنھا دیجو
مرقد پہ یہی مصرع تم میرے کھدا دیجو
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اُس زلف کے پھندے میں یوں کون اٹکتا ہے
کانٹے کی طرح دل میں غم آکے کھٹکتا ہے
جوں چور کسی جاگہ رستے میں لٹکتا ہے
یہ کہہ کے نظیرؔ اپنا سر غم سے پٹکتا ہے
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۴۹۷)

مخمسہ

ہووے جو کوئی اُس بت خودکام سے واقف
دل اپنا تو ہے چشم گل اندام سے واقف
پھر عمر نہ ہو پھر کبھی اسلام سے واقف
ساقی نے پلایا اُس کو جو ہو جام سے واقف
ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

نت مست رہے میکدۂ عشق میں رہ کے
دیکھے نہ کبھی جور زمانے کی گرہ کے
سرشار نشوں میں ہوئے پھرتے رہے بہکے
مستی کے سواد ور میں اُس چشم سیہ کے
کافر ہو جو ہو گردش ایام سے واقف

[1] آثار۔ مراد قبر۔ نشان قبر ۱۲ منہ
رستے میں چور کا لٹکنا۔ چور کے کندھے پر چڑھ کر کسی بڑے اونچے مقام پر چڑھنے سے مراد ہے ۱۲ منہ
نت ہمیشہ ۱۲ اشرف علی

اُس شوخ ستمگار کی جس دن سے ہوئی چاہ
جا ملک عدم میں بھی تڑپتے رہے واللہ
دکھ بھرتے ہی بھرتے غرض آخر ہوئے ناگاہ
مر کر بھی تہ خاک نہ آسودہ ہوئے، آہ!
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

پہلے تو پھنسایا ہمیں اُس نور نظر نے
اب، آہ، اسیری کے پڑے دکھ ہمیں بھرنے
آخر کو لگا پھر ستم و ظلم نہ کرنے
صیّاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے ور[1] نے
بچے کا ہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

منّت سے بھلا کب وہ بُلاتا ہے کسی کو
ہم نے تو بہت اُس کی سمجھ رکھی ہے خو بو
جھوٹا ہے، دغا باز ہے عیّار ہے، بد خو
ملنے کا پیام اُس سے کہو جا کے عزیزو
جو اُس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف

چاہو کہ پھر اب پیچ میں تو تم ہمیں اُس آں
ناحق دل صد چاک کو کرتے ہو پریشاں
سو آہ یہ ہونا نہیں اے خسرو خوباں
اوروں سے قسم کھائیے اور ہم تو مری جاں
ہیں خوب تمھاری قسم اقسام سے واقف

اول تو نہ کیجے کبھی خوباں کی میاں، چاہ
رونا مجھے رہ رہ کے یہی آتا ہے، واللہ
اور کیجے تو ہو لیجے سب چیز سے آگاہ
کوئی نہیں کرتا، جو کیا تو نے، نظیر آہ!
دل اُس کو دیا، جس کے نہیں نام سے واقف

(۴۹۸)

خمسہ

کھول ٹک چشم تماشا یار باشے[2] پھر کہاں
مال و دولت سونا[3] روپا تولا ماشے پھر کہاں
یہ شکار و صید، یہ شکرے و باشے[4] پھر کہاں
دم غنیمت ہے بھلا یہ بود و باشے پھر کہاں

[1] ور نہ۔ اور ولے ایک ہی معنی میں آتا ہے ۱۲
[2] یار باشی کی بجائے یار باشے لکھا گیا ہے ۱۲
[3] باشہ ایک شکاری پرندہ کا نام ۱۲
[4] چاندی سونا روپیہ اشرفی ۱۲ محمد اشرف علی لکھنوی

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

دل لگا اُلفت میں اور کر لے پریزادوں کی چاہ
چاند سے مُکھڑوں سے مل سورج و شُوں پر کر نگاہ
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ یہ وقت کب ملتا ہے آہ
کھا لے پی لے، سکھ دے اور سے لے دلائے واہ واہ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

حسن والوں کے بھی کیا کیا حسن کے عالم ہیں ہاں
سانولے گورے، سنہری سُرخ باندھے پگڑیاں
کیا سجیں کیا کیا دھجیں کیا ناز کیا چھب[1] تختیاں
بھولی بھولی صورتیں اور پیاری پیاری انکھڑیاں

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

صبح ہو تو سیر کر باغوں کی جا کر بافراغ
بلبلیں چہکیں ہیں، اور گل کھل رہے ہیں مثل باغ
شام ہو تو روشنی کو دیکھ، پی مے کے ایاغ[2]
جل رہے ہیں جھاڑ و مشعل، شمع قندیل و چراغ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

کتنے میخانوں کے در پر لوٹتے ہیں پی کے مے
کتنے مجلس کر کے سنتے ہیں دف و مردنگ و نے
دیروں میں اور مسجدوں میں کرتے ہیں غل ہے پے
ہر طرف دھومیں مچیں ہیں، دید ہے اور سیر ہے

دیکھ لے دنیا کو، غافل، یہ تماشے پھر کہاں

کتنے دل ہیں متفق کتنے دلوں میں پھوٹ ہے
دوستی ہے دشمنی ہے ضد ہے، مارا کوٹ ہے
پیار ہے، ہنس بیٹھنا ہے، اور جگت اور جھوٹ ہے
عدل ہے اور ظلم ہے غارت ہے لوٹا لوٹ ہے

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

واہ وا! کیا کیا نظیر اس خلق کے اطوار ہیں
خوار ہیں سردار ہیں زردار ہیں، لاچار ہیں
گزریاں[3] ہیں چوک ہیں، بستے کئی بازار ہیں
دشت ہیں صحرا ہیں اور دریا ہیں اور کہسار ہیں

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

---

[1] چھب تختی۔ سینے اور جسم وغیرہ کی موزونی اور خوبصورتی ۱۲
[2] ایاغ۔ پیالہ ۱۲
[3] گزری وہ بازار جہاں پرانا سامان فروخت ہوتا ہے ۱۲ اشرف علی

(۴۹۹)

خمسہ دیگر

چمن میں دن کو جو اک دو قدم وہ چلتے ہیں
خوشی سے غنچے بھی ہر شاخ پر اُچھلتے ہیں
تو پھول آنکھوں سے تلوے اُنھوں کے ملتے ہیں
وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

سحر کے نور تجلّی کے انتخاب کو دیکھ
ہزار رشک سے عشرت کے پیچ تاب کو دیکھ
اور اپنے پھیکے سے چہرے کی آب و تاب کو دیکھ
چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

جہاں تلک ہیں یہ بیدرد خوبرو، دلبر
غرض یہ ظلم تو دیکھا کیے ہیں ہم اکثر
سب اپنے چاہنے والوں کا کاٹتے ہیں سر
فدا جو دل سے ہیں ان شوخ سبز رنگوں پر
یہ کافر اُن کی ہی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

گلی میں یار کی میں، آہ، کس طرح جاؤں
نہ تن میں خون ہے باقی، نہ اب رگوں میں خوں
نہیں ہے اتنی بھی طاقت جو اک قدم کو رکھوں
ہوا ہوں خشک یہاں تک کہ حضرتِ مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور اپنے ہاتھ ملتے ہیں

ہمارے تم تو ہو ہم رنگ ظاہر و باطن
یہ التجا ہے ہماری کہ خوش ہو آج کے دن
اُٹھائے تم نے بھی غم روز عشق کے گن گن
کوئی تو پگڑی بدلتا ہے یار سے، لیکن
میاں نظیرؔ، ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

(۵۰۰)

دلبری

ہے دام بچھا اُس کی زلفوں کے ہر اک بل میں
سر پاؤں سے شوخی ہے اُس چلبلی چنچل میں
جادو ہے نگاہوں میں اور سحر ہے کاجل میں
چتون کی لگاوٹ نے اک آن کی چھل بل میں
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

کرنے سے خبرداری ہرگز نہ ہوا لاہا
اُس شوخ ستمگر نے غمزے سے جو نہیں چاہا
اور اک ہے کے سینے کو عیتار نے لے راہا
کی، یارو، یہ کچھ پھرتی، کیا کہیے، اہا ہا!
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

کیا بیٹھیں چلے اُس سے یوں ناز بھرا جو ہو
پر گھات، یہ چنچل پن کب یا دپری کو ہو
کس طور سرک جاتے، ہونا ہے جو کچھ سو ہو
اس ڈھب کے تئیں، یارو، دیکھو تو اہو ہو ہو!
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

ہنس ہنس کے لگا جس دم وہ ناز و ادا کرنے
ہر آن لگی اُس کے سو مکر سے دم بھرنے
جی اُس کی لگاوٹ سے ہر لحظہ لگا ڈرنے
کیا کام کیا، یارو، اُس شوخِ ستم گر نے
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

ڈرتے تھے بہت ہم تو اُس شوخ لڑاکے سے
آیا جو ادھر پھرتا عیتارہ لیا کے سے
اور خوف میں تھے ٹک کے ڈھب آن و ادا کے سے
نظروں کے ملاتے ہی چنچل نے چھپا کے سے
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

رکھتے تھے بہت ہم تو ہر آن کی ہشیاری
آج اُس بت پرفن نے آ کر بطرح داری
خوباں سے نہ ملتے تھے، تو ہو نہ گرفتاری
چُل دے کے ہمیں لب جھپ کی کچھ یہ فسوں کاری

سلہ اہا ہا- فائدہ ۱۲۵
سلہ ادا کا یکجائے
ادا سلہ پیا کیے سے
جلدی سے ۱۱۱ شر فعلی

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

سمجھے تھے اُسے ہم تو محبوب یہ بھولا ہے
یہ بات نہ سمجھے تھے جو سحر کا نقشا ہے
جو مکر ہے اور فن ہے ہرگز نہیں آیا ہے
کیا کہئیے نظیر آگے یہ زور تماشا ہے
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

(۵۰۱)

خمسہ دیگر

کہتا ہے تجھے کون کہ عاشق کو ستا سو
مدت سے رہا ہے تو سبے مجھے غم سے رلا سو
اور شمع نمط اس کے کلیجہ کو جلا سو
جاتی ہے بہار عمر کی آنسوں ہی میں آسو
آسوارے آسوارے آسوارے آسو

گر ذبح مرے دل کو جو تو نے کہیں پھینکا
کیا تجھ سے کہوں پیارے میں احوال اب اُسکا
وہ خستہ جگر لوٹتا پھرتا ہے اہا ہا
بسمل سا تڑپتا ہے نہ مرتا ہے نہ جیتا
شاید کہ گئی میرے نصیبوں سے قضا سو

مجھ کو تو نہیں چین ذرا یارو اب اُس بن
عیار کی گھاتوں سے کبھی رات کبھی دن
کاٹوں ہوں سدا رات بھی گھڑیوں کو میں گن گن
یوں چوری سے اُس پاس میں سوتا ہوں ولیکن
کافر نے کبھی آپ سے ہرگز نہ کہا سو

ہے اب تو ترے حسن کی آنکھوں ہیں لگی چاہ
اے درد تو کاہے کو ہمیں پوچھے گا واللہ
اور آن پڑا در پہ ترے عشق کے ہمراہ
یارو وینگے یا سو وینگے یا جاگیں گے کر آہ
کیا تجھ کو پڑی ہے تو مری جان پڑا سو

غیروں کا اُسے خوف تھا اور کچھ اسے وسواس
تو بھی وہ صنم میرے لیے جاگا کیا پاس

اب یارو بھلا آہ مری ٹوٹے نہ کیوں آس
میں چھپ کے رقیبوں سے گیا جس گھڑی اُس پاس
یہ دیکھیے قسمت کہ اُسی وقت گیا سو

گلشن میں کھلے پھول سحر ہونے کو آئی
تارے بھی چھپے چاند نے صورت بھی چھپائی
خورشید کی کرنیں بھی لگیں دینے دکھائی
ابتک بھی مرے پاس وہ بو اُسکی نہ لائی
شاید کہ کہیں آج گئی بادِ صبا سو

وعدہ تو سرِ شام سے آنے کا کیا تھا
اور رات ڈھلی آدمی تو اب بھی نہیں آیا
شاید کسی دشمن نے دیا کچھ اُسے بہکا
دشمن کی بھی تقصیر نہیں سچ ہوں میں کہتا
یارو مری تقدیر و نصیبا ہی گیا سو

یک عمر میں نکلا ہے مرے دل کا یہ ارماں
جو آج ہوا ہے تو مرا آن کے مہماں
باتوں ہی میں مت رات گزارے تُو مری جاں
ٹک پیار سے سینہ سے لپٹ کر مری اس آں
یک پہر نہ سو دے تو گھڑی بھر تو بھلا سو

جس تس سے وہ اقرار یوہیں کرتا ہے دلخواہ
اور آتا نہیں پاس کسی ایک کے گمراہ
اس جھوٹے دغاباز کی کیا دیکھیے اب راہ
زنہار وہ عیار نہ آوے گا نظیرؔ آہ
اب اس کے تو غم میں تو پڑا جاگیو یا سو

(۵۰۲)

دیگر

لگایا تھا دل ہم نے تم سے جو آہ
یہ جانا تھا تم کچھ کروگے نباہ
سو تم نے نہ دیکھا کبھی بھر نگاہ
زمانے میں کیا یوں ہی ہوتی ہے چاہ
میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

کہا تھا کہ ہم رات آویں گے آہ
ٹپک سر کو ہم رہ گئے دیکھ راہ
رہے ساتھ غیروں کے تا صبح گاہ
بڑے تم بھی ہو جھوٹوں کے بادشاہ

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

لیا پہلے الفت میں دل کو لگا
اگر تھی تمھارے یہ دل میں دغا
بلا کر پھر آخر کو غوطہ دیا
تو کیوں ہم کو ناحق میں رسوا کیا

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

مزے غیر کو آہ اور ہم یہیں
تمھیں دیکھ کر ساتھ تک تک رہیں
خوشی ہو وہیں اغیار ہم غم سہیں
غرض تم سے بس اور تو کیا کہیں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

رقیبوں کو ساتھ اپنے لے آئیے
یہی جی میں آتا ہے مر جائیے
ہنسا کر اُنھیں ہم کو رُلوائیے
تمھیں آفریں ہے یونہیں چاہیے

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

ادھر کی طرف دیکھیے میری جاں
وہ قول اور اقرار اب ہیں کہاں
خدا کو دیا کس نے تھا درمیاں
بھری ہیں غرض تم میں سب خوبیاں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

تمھاری دغا کی یہ ہے داستاں
لکھے تو قلم کے ہیں آنسو رواں
کہوں تو نہیں چلتی منھ میں زباں
کروں کس طرح میں نظیر اب بیاں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

(۵۰۳)

خمسہ

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ
بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن ادھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں ترے جان ادھر دیکھ
ہولی ہے صنم ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ
اے رنگ بھرے نو گل خنداں ادھر دیکھ

ہم دیکھتے تیرا یہ جمال اس گھڑی اے جاں
آئے ہیں یہی کر کے خیال اس گھڑی اے جاں
تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جاں
گھرٹے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جاں
ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان ادھر دیکھ

اب زرد یہ چیرا جو ترے سر پہ سجا ہے
اور اس پہ یہ طرّہ جو زری کا بھی دھرا ہے
نیمہ بھی ترا رنگ سے کیسر[۱] کے بھرا ہے
پوشاک پہ تیری گل صد برگ فدا ہے
نرگس تری آنکھوں پہ ہے قرباں ادھر دیکھ

ہولی کی طرب ہے جو ہر اک جا پہ نمودار
سنتے ہیں کہیں راگ کہیں مے سے ہیں سرشار
ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار
پچکاری ہمارے تو لگا یا نہ لگا یار
ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان ادھر دیکھ

ہے دھوم سے ہولی کے کہیں شور کہیں غل
ہوتا نہیں کچھ رنگ چھڑکنے میں تامل
دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل
ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل
اے جان ہمارا ابھی کہا مان ادھر دیکھ

ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے
جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے
ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوق کے مارے
ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے

[۱] کیسر۔ زعفران

ٹک پیار کی نظروں سے مری جاں ادھر دیکھ

ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہا ہا — دیکھو جدھر آتا ہے نظر روز تماشا
ہر آن جھمکتا ہے عجب عیش کا چرچا — ہولی کو نظیرؔ اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا
محبوب یہ آیا ارے نادان ادھر دیکھ

(۵۰۴)

خمسہ

یوں دل سے اپنے نکلے ہے اب بار بار آہ — گرتا ہے جس طرح کہ دل بے قرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ — کیوں ہم سے آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ
ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ

ہو جی میں اپنے عید کی فرحت سے شادکام — دل کھول کھول سب ملے آپس میں خاص و عام
خوباں سے اپنے اپنے لیے سب نے دل کے کام — آغوش خلق گلبدنوں سے بھرے تمام
خالی رہا پر ایک ہمارا کنار آہ

کتنا ہی جستجو میں پھرے ہم ادھر اُدھر — لیکن ملا نہ ہم سے وہ عیار فتنہ گر
کیا پوچھتے ہو شوخ سے ملنے کی اب خبر — ملنا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ

رکھتے تھے ہم امید یہ دل میں کہ عید کو — کیا شاد ہو ملیں گے گلے سے زماہرو
سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو — تھی آس عید کی سو گئی وہ بھی دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار آہ

اس سنگدل کی ہم نے غرض جب سے چاہ کی — دیکھا نہ اپنے دل کو کبھی ایک دم خوشی

کچھ اب بھی اس کی جور تعدی نہیں نئی ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہمکنار آہ

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے یعنے کہ عیدگاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستم انتظار آہ

کیونکر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر دن عید کے ہی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر
اس درد کو وہ سمجھے جو ہو عشق کا اسیر جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اُس کے اپر تو حیف ہے اور صد ہزار آہ

(۵۰۵)

خمسہ

دشنام دے تو آنہ پھر اگر دعار کے کی قدر کم تو پاس نہ بھٹکا وقار کے
سویا کیا سلایا جو بستر پہ خار کے کس کس طرح کے ناز اُٹھائے ہیں یار کے
ہے حق بجانب اس دل حکم اختیار کے

رکھتے ہیں اپنے دل میں جو ہم ترکتاز عشق اک عمر سے اُٹھاتے ہیں خوش ہو کے ناز عشق
رہتا ہے بسکہ خانۂ خاطر میں راز عشق رکھتے دل سے ہم بہ نسبت سوز و گداز عشق
مشتاق ایک بلبل زار و نزار کے

کتنے دنوں سے شکل جو اس کی نہ دیکھی تھی رہتی تھی اس سبب سے بہت دل کو بے کلی
اک روز اُس کے ملنے کو گلشن کی راہ لی پوچھی جو باغباں سے خبر اُس کے حال کی
اُس نے کہے یہ حادثے اُس دل فگار کے

تم جس کی پوچھتے ہو خبر سو وہ عندلیب
دوری سے گل کی پہونچی ہے سو یہ بے قریب
کس منھ سے اُس کا حال بیاں کیجیے حبیب
کیا جاے گریہ ہے کہ ہوئے کب وہ بے نصیب
جب رہ گئے تھے آنے میں دو دن بہار کے

جیسے گئے تھے ملنے کو ہم اُس کے شادماں
غمگیں زیادہ اُس سے ہوے سُن کے یہ بیاں
جب کہہ چکا تمام وہ احوال باغباں
ناچار سر جھکا کے ہوے واں سے ہم رواں
ہمراہ نالۂ و مژۂ اشکبار کے

تیغ الم سے اُس کے ہوا تھا جو دلفگار
جاتا رہا تھا جی سے سب آرام اور قرار
افسوس کرتے جاتے تھے خاطر میں بار بار
ناگاہ اک خرابے میں اپنا ہوا گذار
دو زخمی اُس جگہ تھے کسی روزگار کے

پرہول سخت بیم فزا کہنہ و خراب
بے سایگی و شدت گرمی آفتاب
گرد اُس کے خاربن وہ کہ جس کا نہ تھا حساب
ہوش و حواس دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
یکبار اُڑ گئے دل غفلت شعار کے

(۵۰۶)

خمسہ

چمن میں آج نسیم بہار آپہونچی
نوید نکہت گل بے شمار آپہونچی
صداے قمری و صورت ہزار آپہونچی
جنوں کی فوج کی دل پر یکار آپہونچی
ہزار شکر کہ فصل بہار آپہونچی

گئی نسیم کے ہاتھوں نکل کے باد سموم
گھٹائیں ابر بہاری کی چل رہی ہیں جھوم
تمام صحن چمن میں عجب مچی ہے دھوم
اُدھر گلوں کے اوپر بلبلیں کریں ہیں ہجوم

ادھر سے مست صفت گلعذار آپہو نچی

چمن کی سیر کو آئے ہیں مل کے مے نوشاں
نکالتے ہیں نشے مے کے دل کا سب ارماں
ہوا ہے بادہ کشی کا بھی خوب ساساماں
ہوئی ہے گرم چمن بیچ مغبچوں کی شتاں
شراب و شیشہ و ساغر کی بار آپہونچی

کھلے ہیں چاروں طرف زور تختۂ گلزار
خبر سنی ہے کہ آتا ہے وہ گل مے خوار
چلے ہے سرد صبا اور نسیم عنبر بار
گئی مصیبت روز فراق سب یکبار
کہ اب قریب شب وصل یار آپہو نچی

کوئی ہے وصف کرے گل کی تاجداری کا
نہیں یہ وقت مری جان انتظاری کا
کسی کو ذکر ہے بلبل کی بے قراری کا
نہیں یہ وقت مری جاں آہ و زاری کا
خوشی ہو اب کہ حد انتظار آپہونچی

(۵۰۷)

مخمسہ دیگر بطریق واسوخت

یار اب تجھ میں جو یہ حسن ہے زیبائی ہے
ہم تو ملنے کی میاں تیری قسم کھائی ہے
کیا ہوا تو نے اگر آن و ادا پائی ہے
یہ بڑا عیب ہے تجھ میں کہ تو ہرجائی ہے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

تو نے کیا کیا نہ کیا غم سے ہے میرا حال تباہ
لے چکا دل تو نہ کی میری طرف تو نے نگاہ
دل لیا ہوش لیا صبر لیا سب اے واہ
اب یہ رکھ یاد ستمگر کبھی تجھ سے واللہ
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

کون سنتا ہے تری بات تو کہتا ہو کسے
اب جو تو چاہے مرے دل کے تئیں پیچ ہیں

اب تری شکل سے یاں تک میاں نفرت ہے مجھے
غیر کے پاؤں پڑوں جا کے ولیکن تجھ سے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تری ضد سے میاں دل کسی بدشکل کو دوں
اُس کی کفشوں کے تئیں جھاڑ کے آنکھوں پہ رکھوں
وہ جو بٹھلا دے تو بیٹھوں اور اُٹھاوے تو اُٹھوں
تو جو منت سے بلاوے تو یہی تجھ سے کہوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور سن یار کہ جس بزم میں پاؤں تجھ کو
اُس نئے شوخ کو دکھلا کے جلاؤں تجھ کو
شمع کی طرح سے محفل میں جلاؤں تجھ کو
دیکھ کر اس کے تئیں اور سُناؤں تجھ کو
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور تو جس طرف کو جا بیٹھے وہیں آ بیٹھوں
تو بھی رشک سے دل کو ترے پامال کروں
تجھ سے منہ پھیر لوں اور اس سے ہنسوں اور بولوں
جب اُٹھوں واں سے تو ظالم یہی کہتا میں اُٹھوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

میری نظروں سے تو اے یار یہاں تک ہی گرا
خواب میں تو جو مرے پاس کبھی ہے آتا
کہ تجھے دیکھتے ہی دل ہے میرا رک جاتا
تو مری روح وہاں تجھ کو یہی دے ہے سُنا
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

مجھ کو باور نہیں گر لاکھ تو قسمیں کھاوے
اور جو لوگوں کے تئیں میرے پئے بھجواوے
اور نہ خفا ہو کے بگڑنے کا تو خط دکھلاوے
حد تو یا تنگ ہے اگر آپ تو لینے آوے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تجھے یار کبھی منہ نہ دکھاوے گا نظیرؔ
کوئی دن تیرے تئیں خوب جلاوے گا نظیرؔ
ہر جگہ ہر کہیں ہر طور ستاوے گا نظیرؔ
جو ملے گا تو یہی بات سناوے گا نظیرؔ
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

(۵۰۸)

خمسہ دیگر

یوں تو اکثر ادھر آجاتے ہیں انسان کئی
پر کہوں کیا کہ بنا حسن کے سامان کئی
چاک ہو جاتے ہیں ان ہی سے گریبان کئی
دیر سے آج جو نکلے بت ذیشان کئی
لے گئے صبر کئی دل کئی ایمان کئی

اپنے ہم چشم تو یاں خون گئے ہیں رو رو
ایک شمہ تو یہ رونے کا مرے ہی سن لو
میں بھی لایا ہوں پر اس کام کو اب اس حد کو
اتنا رویا ہوں کہ اب لخت جگر کے یارو
ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سر دامان کئی

آہ جو جو گئے تھے حسرت دیدار میں مر
آخرش ہو کے پریشاں ہمہ تن چشم و نظر
سب تڑپتے تھے وہ بیتاب زمیں کے اندر
اب تو ٹک منہ کو دکھا یار کہ نرگس بنکر
نکلے ہیں خاک چمن سے ترے حیران کئی

آوے گر باد صبا اُس کی گلی سے تو ملوں
چشم حیرت زدہ لے کفش کے نعلوں سے ملوں
سو تمنا سے میں نقش قدم آغوش میں لوں
اُس کے دامن سے لگوں پاؤں پڑوں ساتھ چلوں
خاک ہوں تو بھی مرے جی میں ہیں ارمان کئی

مان کہنا مرا اے شوخ ہٹیلے چنچل
منہ دکھانے میں غریبوں کے بس اتنا نہ مچل
گو کہ اب قمری و بلبل میں پڑی ہے ہلچل
آخر آیا ہے تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان کئی

پان کھانا ہے ترا قتل کے عالم کا نشان
دیکھ کہتا ہوں ستمگر مری اس عرض کو مان
اور خوباں کی طرح اپنے تو ہنسنے کو نہ جان
پان کھا کھا کے نہ ہنس اسقدر اے دشمن جان

ابھی بھر جائیں گے خوں میں لب و دنداں کئی

جب سے اُس شوخ کی ابرو نے کیا تیغ کو مات
اب کہوں کیا میں بھلا اس ستم و ظلم کی بات
بگنا ہوں کے سر او پر ہے نہایت آفات
نظر آتے ہیں مجھے اُس کی گلی میں دن رات
ٹکڑے ٹکڑے کئی بسمل کئی بیجاں کئی

یہ وہ جاگہ ہے کہ اس جا میں تو بن ٹھن کے نہ آ
آہ جاگیں گے تو پھر حشر کریں گے برپا
اور جو آوے تو رقیبوں کے تئیں ساتھ نہ لا
آن کر گور غریباں میں قیامت نہ مچا
ابھی سوئے ہیں ترے بے سر و ساماں کئی

جب سے اُس خسرو خوباں نے کیا مجھ کو اسیر
کیونکر اس خاک نشینی کو نہ سمجھوں میں سریر
جی بھی ہے شاد مرا دل بھی ہے سو عیش پذیر
بادشاہ کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر
اُس شہ حسن کے آئے مجھے فرمان کئی

(۵۰۹)

موتی

رہیں ہیں اب تو پاس اُس شوخ کے شام و سحر موتی
ادھر جگنو ادھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
جبیں پر موتی اور بیسر[1] میں موتی مانگ پر موتی
بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یار و سر بسر موتی
گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو ادھر موتی

کوئی اُس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اُچھلتا ہے
لپٹ کر دُھگدگی میں کوئی سینہ پر مچلتا ہے
کوئی بُندوں سے مل کر کان کی نرموں میں ملتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے ہیں کوئی بالی میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ نازہ میں ہنسکر جو کچھ باتیں بنائی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہائی ہے

[1] بیسر۔ چھوٹی نتھنی جو بعض عورتیں بلاق کی جگہ پہنتی ہیں ۱۲ اشرف علی

ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے ۔ وہ بھرن موتیوں کی انگلیوں میں جب بھراتی ہے
تو صدقے اس کے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اُس لب رنگیں کو برگِ گل سے کیا نسبت ۔ کہ جن کی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
اُداہٹ کچھ مسی کی، اور کچھ اُس پان کی رنگت ۔ وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
اِدھر لعل اور اُدھر نیلم، اِدھر مرجان اُدھر موتی

کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پرو‌تی ہے ۔ نزاکت سے عرق کی بوند بھی مکھڑے کو دھوتی ہے
بدن بھی موتی، سرتا پاؤں سے پہنے بھی موتی ہے ۔ سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اُسکے جس دم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں ۔ چمن کے گل سب اُسکے دھیان میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطراتِ شبنم دل میں روتے ہیں ۔ فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

وہ زیور موتیوں کا واہ، اور کچھ تن وہ موتی سا ۔ پھر اُس پر موتیا کے ہار، بازو بند، اور گجرا
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اُس کا ۔ جو کہتا ہوں اری ظالم، ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی

کڑے پازیب، توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں ۔ تو ہر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں ۔ کڑے سونے کے کیا موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو ہیں اُس کی کفش پر موتی

خفا ہو ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وہ ۔ تو اُس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو، دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو ۔ وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برسا دے ہماری چشمِ تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے ۔ و یا ابرِ گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے

لہ موتی کیکی نام کسی وقت خاص کی طرف اشارہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موتی نظیر کی معشوقہ تھی ۱۲ اشرف علی

بیاں ہو کس طرح سے، آہ، اُس عالم کو کیا کہیے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہیں گو نکر پرزادوں سے بوسوں کے نہ ہوں لینے
جڑاؤ موتیوں گے اس غزل پر واریے گہنے
سخن کی کچھ جو اُس کے دل میں ہو اُلفت لگی رہنے
نظیرؔ اس ریختہ کو سُن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

(۵۱۰)

پری کا سراپا

خونریز کرشمہ، ناز و ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی
مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہی
قتال نگہ اور ڈشٹ[1] غضب آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی لگاوٹ ویسی ہی
عیارہ نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہی

بیدرد ستمگر بے پروا بے کل چنچل چٹکیلی سی
دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
آنوں کی بان ہٹیلی سی کاجل کی آنکھ کٹیلی سی
وہ انکھیاں مست نشیلی سی کچھ کالی سی کچھ پیلی سی
چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہی

[1] ڈشٹ۔ ظالم۔ بد۔ برا
اشرف علی

ن گھلاوٹ

تھی خوب دوپٹہ کی سر پہ سنجاف تمامی[۱] کی اُلٹی
لبدار لٹیں، تصویر جبیں، جگڑی مینڈھی، سجی کنگھی

دل لوٹ نچاوے اب کیونکر، اور دیکھ نہ نکلے کیونکر جی
وہ رات اندھیری بالوں سے، وہ مانگ چمکتی بجلی سی

زلفوں کی کھلکت، پٹی کی جھپٹ چوٹی کی گندھاوٹ ویسی ہی

اُس کافر بینی اور نتھ کے انداز قیامت شان بھرے
اور گھرے چاہِ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھرے

وہ نرمے صاف ستارا سے اور موتی سے دامان بھرے
وہ کان جواہر کان بھرے کن پھولوں، بالے جان بھرے

بندے کی لٹک، جھمکے کی جھمک، بالے کی ہلاوٹ ویسی ہی

چہرے پر حسن کی گرمی سے ہر آن چمکتے موتی سے
خوشرنگ پسینے کی بوندیں، سو بار جھمکتے موتی سے

ہنسنے کی ادائیں پھول جھڑے، باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹھ غضب، اور دانت چمکتے موتی سے

پانوں کی رنگاوٹ قہر ستم، دھڑیوں[۲] کی جماوٹ ویسی ہی

اُس سینے کا وہ چاک ستم اُس کرتی کا[۳] تزئیب غضب
اُس قد کی زینت قہر بلا اُس کا فر ڈھب کا زیب غضب

اُن ڈبیوں کا آزار برا، اُن گیندوں کا آسیب غضب
وہ چھوٹی چھوٹی سخت کچیں، وہ کچے کچے سیب غضب

انگیا کی بھڑک، گوٹوں کی جھمک، بندوں کی کساوٹ ویسی ہی

تھی پہنے دونوں ہاتھوں میں کافر جو کڑے گنگا جمنی

---

[۲] دھڑی مستی کی تہ جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں ۱۲ [۳] تزئین زمانہ ناز کرتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں، کچھ جھمکے تِتّوڑی باہوں کی
یہ دیکھ کے عالم عاشق کا سینے میں نہ تڑپے کیونکر جی
وہ پتلی پتلی انگشتیں، پوریں وہ نازک نازک سی
مہندی کی رنگت، فندق کی نبت، چھلّوں کی چھلاوٹ ویسی ہی

تقریر بیاں سے باہر ہے، وہ کافر حسن اہا ہا ہا
کچھ آب نئی، کچھ حسن نیا کچھ جوش جوانی اٹھنے کا
سکیں جھمکیں ان باہوں کی یاں دیں آہ کہوں کیا کیا
وہ بانکے باز و ہوش رُبا، عاشق سے کھیلے بانک پٹا
پہونچی کی پہنچ پہونچے پہ غضب، بانکوں کی بندھاوٹ ویسی ہی

وہ کافر دھج جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے
پازیب، کڑے[لہ]، پائل، گھنگرو، کڑیاں، چھڑیاں گجرے توڑے
ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پر سو جھمکے
وہ چنچل چال جوانی کی، اونچی ایڑی، نیچے نیچے
کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک، ٹھوکر کی لگاوٹ ویسی ہی

اک شورِ قیامت ساتھ چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن
بلدار کمر، رفتار غضب، دل کی قاتل جی کی دشمن
مذکور کروں کیا اب یارو اس شوخ کے کیا کیا چنچل پن
کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، پھڑکے بازو تھرکے سب تن
گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہی

یہ ہوش قیامت کافر کا، جو بات کہوں وہ سب سمجھے
روٹھے مچلے، سو سوانگ کرے، باتوں میں لڑے نظروں میں ملے

[لہ] کڑے، پایل، کڑیاں وغیرہ یہ سب پاؤں کے زیوروں کے نام ہیں ۱۲ سے فقر کنا ادا کے ساتھ جسم میں جنبش ہونا ۱۲ اشرف علی

یہ شوخی پھرتی بیتابی ایک آن کبھی بخلی نہ رہے
چنچل اچپل مٹکے چٹکے سر کھولے ڈھانکے ہنس ہنس کے

قہقہہ کی ہنساوٹ اور غضب ٹھٹوں کی اڑاوٹ ویسی ہی

کہنی مارے چٹکی لے کے چھیڑے جھڑکے دیوے گالی
ہر آن چہ خوش، ہر دم اچھا، ہر بات خوشی کی چہل بھری

نظروں میں صاف اُڑا لے دل، اس ڈھب کی کافر عیاری
اور ہٹ جاوے سو کوس پرے، گر بات کہوں کچھ مطلب کی

رمزوں کے ضلعے غمزوں کی جگت، ٹھٹوں کی اُڑاوٹ ویسی ہی
ضلع[۱]

قاتل ہر آن نئے عالم کا فسر ہر آن نئی جھمکیں
بانکی نظریں، ترچھی پلکیں، بھولی صورت، میٹھی باتیں

دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب، جی لینے کی سو سو گھاتیں
ہر وقت پھبن، ہر آن سجن، دم دم میں بدلے لاکھ سجیں

باہوں کی جھپک، گھونگٹ کی ادا، جوبن کی دکھاوٹ ویسی ہی

جو اُس پر حسن کا عالم ہے، وہ عالم حور کہاں پاوے
گر پردہ منہ سے دور کرے، خورشید کو چکر آ جاوے

جب ایسا حُسن بھبھوکا ہو، دل تاب بھلا کیونکر لاوے
وہ مکھڑا چاند کا ٹکڑا سا جو، دیکھ پری کو غش آوے

گالوں کی دمک، چوٹی کی جھمک، رنگوں کی کھلاوٹ ویسی ہی

تصویر کا عالم نکھ سکھ سے چھب تختی صاف پری کی سی
کچھ چین جبیں پر اینٹھ رہی اور ہونٹوں میں کچھ گالی سی

بیدردی سختی بہتیری اور مہر و محبت تھوڑی سی

[۱] ضلع نک سک و نکھ سکھ۔ ناک نقشہ بقول مؤلف نور اللغات دہلی میں بجبر اول و ضم ثالث اور لکھنؤ میں بجبر اول و سوم بولا جاتا ہے۔ ۱۲ اشرف علی عفی عنہ

جھوٹی عیاری ناک چڑھی، بھولی بھالی بکی بیسی

باتوں کی لگاوٹ قہر ستم، نظروں کی ملاوٹ ویسی ہی

کچھ ناز و ادا کچھ مغروری، کچھ شرم و حیا کچھ بانک پنا
کچھ آمد حسن کے موسم کی کچھ کافر حسن رہا گدرا

کچھ شور جوانی اُٹھنی کا چڑھتا ہے اُمنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ اُبھرا جوش بھرا، وہ عالم جس کا جھوم رہا

شانوں کی اکڑ، جوبن کی تکڑ، سج دھج کی سجاوٹ ویسی ہی

یہ کافر گدیکا عالم، گھبرا اسے پری بھی دیکھ جسے
وہ گورا صاف گلا ایسا، بہ جاوے موتی دیکھ جسے

دل لوٹے تڑپے ہاتھ ملے اور غش کھاوے جی دیکھ جسے
وہ گردن اونچی حسن بھری، کٹ جاوے صراحی دیکھ جسے

دائیں کی مڑت، بائیں کی بھڑت مونڈھوں کی کھچاوٹ ویسی ہی

جب ایسے حسن کا دریا ہو، کس طور نہ لہروں میں بہیے
گر مہر و محبت ہو بہتر، اور جور و جفا ہو تو سہیے

دل لوٹ گیا ہے غش کھا کر، بس اور تو آگے کیا کہیے
مل جاوے نظیر ایسی جو پری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیے

بو سونگھی جھپک بغلوں کی لپک سینوں کی ملاوٹ ویسی ہی

---

(۵۱۱)

خواب کا طلسم

یارو، ذرا اُسنو یہ عجب سیر ہے بڑی — صحن چمن میں ابر کی آکر لگی جھڑی
پی کر شراب عیش کی ہر دم کڑی کڑی — کل بے خبر ہو رات کو سویا میں جس گھڑی
اُس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی

آئی نظر جو مجھکو وہ نادر محل سرا — دل میں پری کے باغ کا مجھکو یقیں ہوا
جب اُس مکاں کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا — دیکھوں تو اُس کا ہے درِ دولت سرا کھلا
آیا یہ دل میں دیکھیے چل کر کوئی گھڑی

پہونچا یونہیں میں اُس چمن زر فشاں میں — جھمکے مکاں جو اُس کے مرے آن آن میں
عالم سنہرے پردوں میں اور سائباں میں — کیا دیکھتا ہوں جا کے میں ہر اک مکاں میں
سونے کی کھان ہے کہ یہی بھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں، چمن کہیں شیشہ صراحی جام — فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام — طاق در و اق اُس کے جھمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی جو میں نے ہائے وہ کافر سی مہ لقا — اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بپا
صورت وہ قہر چاند کا ٹکڑا اسا بے بہا — اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا
نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پڑی

خونریز ابرو، جان کی قاتل ہر اک نگاہ — مژگاں وہ برچھیوں کو لیے تل رہی سپاہ

مہندی سے انگلیوں نے کیے خونِ بے گناہ
آنکھوں میں کھچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی

زلفیں وہ مشکناب سی، چہرہ وہ چاند سا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا
جگنوں رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

رکھتے تھی اُس گھڑی تو یہ عالم وہ مہ جبیں
حسرت سے آن کر مری آنکھوں نے دانتِ ہیں
شاید کہ اس طرح کی نہ ہوگی پری کہیں
دیکھی جو اس بہار کی کافر وہ نازنیں
دل لوٹ پوٹ ہو گیا جاں غش میں جا پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا
اُس دم بندھی تھی اُس کے غضب آن کر ہوا
تصویر بن رہی تھی لگا سر سے تا بپا
اکّا فرکھڑی ہوئی تھی عجب ڈھب سے بن بنا
اک ہاتھ میں لے آئینہ، اک ہاتھ میں چھڑی

دیکھی جو وہ ال پریں نے طلسمات کی ہوا
اُس کی چمک جھمک کی بہاریں کہوں میں کیا
عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
چمکا جو وہ مکان مری آنکھوں میں تو رہا
حیرت سے عقل آن کے چکّر میں جا پڑی

ایسا مکان تو میں نے نہ دیکھا تھا نہ سنا
چاہا کہ دیکھوں کوٹھے کے اوپر نظر اُٹھا
دیوانہ ہو کے چاروں طرف دیکھنے لگا
اتنے میں اک طرف سے جو پردہ سا اُٹھ گیا
بجلی سے کچھ چمک گئی آنکھوں میں اُس گھڑی

اک گھڑی ہوئی تھی جو واں ناگہاں وہ شوخ
کچھ چلبلی نگاہ تھی، کچھ انکھڑیاں وہ شوخ
لیتی تھی ہر نگاہ میں عاشق کی جاں وہ شوخ
کرتی تھی سیر چاروں طرف کی جو واں وہ شوخ
اتنے میں پھر گئی اُس کی نظر مجھ پہ آ پڑی

اُس کی نگہ کے آنے کا میں کیا کروں بیاں
بجلی تھی یا کہ تیر تھی، گولی تھی یا سناں

لے ہربڑی - ہٹیلی ۱۲ اشرف علی

میری طرف کو دوڑ کے آئی تھی، ناگہاں — میری نظر بھی دوڑ کے اُس کی نظر سے واں
ایسی لڑی کہ خوب لڑی، خوب ہی لڑی

بارے نظر کے لڑتے ہی کچھ کم ہوا حجاب — اُلفت کی آگے دونوں طرف سے کھنچی طناب
اتنے میں دیکھ دیکھ کے وہ رشکِ ماہتاب — اک بار کھلکھلا کے ہنسی اور اُٹھ شتاب
کافر وہ میرے پاس ہی آکر ہوئی کھڑی

کہنے لگی کہ تو نے بُلایا ہے کیوں مجھے — دے خواب کو دُعا کہ نہ پاتا تو دوں مجھے
چاہت میں اپنی ڈوبا ہوا دیکھا جوں مجھے — ہنس کر لپیٹ گلے سے لگی کہنے یوں مجھے
آ اس محل میں چل کے کریں عیش دو گھڑی

اُس گلبدن سے جب کہ ملی آ کے مجھ کو داد — مارے خوشی کے کچھ نہ رہی تن بدن کی یاد
کیونکر بھلا نہ عیش و طرب دل کو ہو زیاد — میری تو اُس پری سے یہی عین تھی مُراد
سنتے ہی دل کی کھل گئی ہر ایک پھلجھڑی — یہ گل جھڑی

پالا پڑا جو مجھ کو اُس آبِ حیات سے — جان آگئی بدن میں مرے اُس کی بات سے
آخر کو لے چڑھی مجھے کوٹھے پہ گھات سے — دو چار جام مجھ کو پلا اپنے ہات سے
سو ناز سے پلنگ پہ مرے پاس آپڑی

آنے سے اُس کے دل کا مرے کھل گیا چمن — عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی بھرن[۱]
نازک کمر وہ صاف شکم، اور وہ نرم تن — اُگل سا ملا جو مجھ کو نیا گدگدا بدن
رگ رگ میں میرے چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

لے کر بغل میں اُس کو لگایا جو ہیں گلے — سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے درے[۲]
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے — سینے سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
اُٹھنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی — یہ لیے

ایدھر تو جوش عشق، اُدھر حسن اور جنوں — ناز و ادا کی آگے لگی ہونے ڈھپ[۳] دھوں

[۱] بھرن ـ موسلا دھار بارش
[۲] درے ـ دروازے ۱۲
[۳] دھپ دھوں لپاڈگی مار پیٹ ۱۲ اشرف علی لکھنوی

ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں | چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آ کے یک بیک | آنکھوں سے میرے اُس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اُڑ گئی قرار گیا، جل گئی پلک | جاگا کیا نظیرؔ میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی

---

(۵۱۲)

دیگر

چلا جب گھر سے اک دلبر دبوں کو حسن سے چھلنے | عرق کو رُخ کے پلکوں کی جھپک پنکھا لگی جھلنے
لکھے تصویر کے سو نقش اور تعویذ ہیکل نے | لگایا دام زلفوں کی شکن نے، پیچ نے، بل نے
بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کا جل نے

وہ گھونگٹ کی جھلک، آئینہ جس کو دیکھ ہو حیراں | وہ کاکل کی کھلت، جس پر فدا ہو سنبل و ریحاں
مسی اور پان سے بھی منفعل ہوں لالۂ نافرماں[1] | مرا دل دیکھتے ہی اُس صنم کو ہو گیا شاداں
نگاہیں دمبدم سو عیش و عشرت سے لگیں ملنے

کئی بار اُس کی جانب میں نے جب بھر کر نظر دیکھا | وہ عالم حسن کا اُس کے بہت مجھ کو پسند آیا
وہ پیاری پیاری آنکھیں اور وہ بھولا بھولا رُخ اُسکا | کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی، کبھی بولا آہا ہا ہا
عجب لوٹے مزے اُس وقت نظارے کی ہلچل نے

ہوئی دل کو مرے اُس آن حاصل کیا ہی خوشوقتی | اُسے بھولا سمجھ کر میں نے دیکھی ہر ادا اُس کی

[1] لالہ نافرمان ایک قسم کا لالہ صرف نافرمان بھی کہتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کبھی رُخ پر، کبھی زلفوں کی جانب ٹکٹکی باندھی ۔۔۔ نہ بولا منھ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوش دلی میری

مگر کچھ کچھ تبسم کے شکرلب سے لگا ملنے

وہ جس دم مسکرایا، پھر تو میں خوش ہو کے کھل کھیلا ۔۔۔ ہوا دل کو یقیں میرے کہ یہ محبوب ہے بھولا

نہ یاں کچھ خوف تیوری کا، نہ یاں خطرہ ہی جھڑکی کا ۔۔۔ مجھے کر چلبلے سے غافل، بھولی صورت کا بنا نقشا

کیا اک بار منھ غصّے سے سرخ عیارہ اچپل نے

مرے ہوش اُڑ گئے یارو جب اُسکی شکل یہ دیکھی ۔۔۔ وہیں گھبرا گیا اور سٹ پٹایا، عقل سب بھولی

کہا دل میں، کروں اب کیا سمجھ تو ہو گئی اُلٹی ۔۔۔ اب اُس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی

اُٹھا کر جھپ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے

جب اُس عیار نے دیکھا کہ یہ اب یاں سے چل نکلا ۔۔۔ کہا ہنس کر، ارے پُرفن کہاں تو جانے پاوے گا

یہ سن کر اور بھی گھبرا گیا میں خوف سے اُس جا ۔۔۔ چہلا ڈرتا جو آگے کو، تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا

اُڑا کر مفت نظارے بچا تم اب لگے ٹلنے

کہا جب اُس نے، یہ پھر تو حواس اپنے مجھے بھولے ۔۔۔ ٹھٹھک کر رہ گیا اُس جا، نہ ہرگز چل سکا آگے

دکھائی عاجزی، منت بھی کی، اور ہاتھ بھی جوڑے ۔۔۔ ادب سے یوں کہا، اب تو ہوئی تقصیر مجھ سے

لگے قطرے پسینے کے مرے منھ سے وہیں ڈھلنے

نہ آیا رحم کچھ اُس کو بہت میں نے سماجت کی ۔۔۔ نگہ نے سامنے آتے ہی سینے میں سناں جڑ دی

کمندِ زلفِ پُرخم نے بھی گردن دل کی پھر جکڑی ۔۔۔ لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی

اُدھر سے تیغِ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آن و ادا لپٹی، کرشموں نے اُدھر گھیرا ۔۔۔ اُدھر پلکوں کی نوکوں نے چبھویا دل میں نشتر سا

ادھر انداز نے دھج کی کیا دیوانہ و شیدا ۔۔۔ اُدھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا

ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

کرے کیا واں کوئی جس جا یہ صورت آن کر ٹھہرے ۔۔۔ بچاوے دل کو پھر کیونکر کرے کیا، اور کسے یہ دکھ

ک کھُل کھیلنا جو جی میں آئے کہہ گزرنا یا کر گزرنا
۲ و ۳ اچپل - چلبلا - شوخ - اشرف علی

کہوں کیا اُس گھڑی کچھ بن نہ آیا دوستو مجھ سے
دکھا کر مجھ کو اپنے داں ربردستی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیر اُس شوخ چنچل نے

(۵۱۳)

خواب عشرت

کل دیکھا خواب عجب ہم نے اک چنچل شوخ پری جھٹ سے
اک بار گلے سے آلپٹی اور لیٹ پلنگ پر جھٹ پٹ سے

سینے سے سینہ لگتے ہی دل جوش میں آیا جھٹ پٹ سے
کچھ اور ارادہ تھا دل میں، کمبخت کسی کی آہٹ سے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

تھا اور مکاں اک خلوت کا، اور عیش کی چیزیں تھیں دو سے
ہو مست نشوں میں آلپٹی دل کھول خوشی سے پی کر مے

ہست پھیری ہوئی جب مستی میں اتیار ہوئی جب وہ بھی تے
کیا عیش ملا تھا قسمت سے اک بار وہیں اس میں اسے ہے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اُس شوخ پری کے جوبن کا اک باغ کھلا تھا، کیا کہیے
اور سُرخ بدن میں جوڑا تھا اور عطر لگا تھا، کیا کہیے

دیکھ اُس کا سینہ حسن بھرا کیسا جوش اُٹھا تھا کیا کہیے

سب دل کی دل کے بیچ رہی، کیا عیش مزا تھا کیا کہیے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اک سُرخ پلنگ تھا نازک سا، اور اُس پر سو سو تیاری
جب نیچے اوپر ہو بیٹھے، کیا عیش ہوئے بھاری بھاری
جس وقت وہ نوبت آپہونچی چھُوٹ جائے...... کی پچکاری
اتنے میں چھٹتے چھٹتے ہی یہ آن پڑی سر پر خواری
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جو عیش مزے کی خواہش تھی موجود ہوئی تھی آکر سب
باہوں سے باہیں، منھ سے منھ، چھاتی سے چھاتی لب سے لب
جس بات کی ساری لذت ہے، اُس بات کی آکر ٹھہری جب
اور عیش طرب کے ہوتے ہی کیا قہر ہوا یہ، ہائے غضب
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جس وقت پلنگ پر پہلو میں وہ چنچل اچپل جان پڑی
اُس جان صنم کے آتے ہی اس سُست بدن میں جان پڑی
گھٹنوں سے گھٹنے جا لپٹے، اور ران کے اوپر ران پڑی
... بھی ہونے نہیں پایا، جو ہائے یہ آفت آن پڑی
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

یہ تار بندھا تھا عشرت کا، جو عیش پڑا لہراتا ہے
اور وقت . . . کے چھٹنے کا آیا تو نہیں، پر آتا ہے
اتنے میں سر پر گشتی بان نرسنگا آن بجاتا ہے
کیا قہر ہوا ہے کیا کہیے، اس بات پہ رونا آتا ہے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا عیش و طرب کی ٹھہری ہے، اور نیچے اوپر آنے سے
سب چوراُچکے سے بچ کر جا بیٹھا مال ٹھکانے سے

جی ڈوب رہا تھا لذت میں اس عشرت عیش اُڑانے سے
اک بلّی اس میں چیخ پڑی، اُس خندی کے چلّانے سے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اُس وقت نشے کی لذت میں آلپٹ ہوئی تھی اس گوں سے
کچھ تیر نگہ کے چلتے تھے، کچھ تیغ اُگلتی تھی بھوں سے

لگتے تھے ڈنکے عشرت کے، اور عیش کے بجتے تھے دھونسے
اک کتّا اس میں بھونک اُٹھا، اس وقت اُسی کی بھوں بھوں سے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا دھوم مچی تھی عشرت کی، اور عیش اُبلتے تھے بہ بہ
وہ ہم سے دو ڑ لپٹتی تھی، ہم اُس سے لپٹتے تھے رہ رہ

کیا سخت مصیبت آن پڑی، اس عیش کے عالم میں وہ وہ
کمبخت گدھا اک رینک اُٹھا یکبارگی ڈھیچو ڈھیچو، کہہ

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جب ہو گی صبح تو، اے یارو، میں کیا کیا ہاتھ اُتاروں گا
اس کتے بلی کے پتھر، اور لٹھ گدھے کے ماروں گا

نرسنگے والے کو بھی اب خوب سا میں للکاروں گا
یہ بات نظیرؔ، اس عشرت کی میں کیونکر ہائے بساروں گا[لہ]

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

لہ بساروں گا
بیان کروں گا۔
اشرف علی

۵۱۴

دیگر

ہے دید فقط منظور جنھیں، وہ ہو کر جب بیکل نکلے
کیا کام انھیں جو منہ بوسے یا شوخی میں چہل نکلے
آ پہونچے اُسکے کوچے میں جو لیکر دل چنچل نکلے
ہے مقصد جنکے دیکھنے سے وہ گھر سے جب اک پل نکلے
ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ پوچھا اُن سے کون ہو تم، نہ اپنے جی کی بات کہی
جب چھوڑی خواہش بوسے کی پھر کاہے کو دشنام سہی
نہ کرنا کچھ انکار پڑا، نہ کہنا ٹھہرا یوں ہی سہی،
جب شکھ ہو گئے چنچل سے سب چھوڑ ہوس یہ بات رہی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

بیچین ہوا دل سینے میں گر دیکھنے میں کچھ دیر ہوئی
بازار گلی اور کوچے میں ہر ساعت ہیر اپھیر ہوئی
گھبرا کے نکلے بے بس ہو اور شوق کی گھیر اگھیر ہوئی
تھی چاہ نظر بھر دیکھنے کی جس جاگہ پر مٹ بھیڑ[لہ] ہوئی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ خواہش پاس بٹھانے کی نہ منت زلف کھلانے کی
ہے جی میں چاہ بھری ایسی جو شمع سے ہو پروانے کی
نہ غرض کسی کے ملنے کی، نہ محبت پان چبانے کی
جس جاگہ پر مٹ بھیڑ ہوئی ہے طرز یہی مل جانے کی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

اک آن نہیں کل پڑتی ہے ہر آن کی جھینک لانے میں
نہ ایما نہ تصریح رہی کچھ دل کا حال جتانے میں
نہ داخل جھڑکی کھانے میں نہ شامل ناز اٹھانے میں
بس ایک غرض ہم رکھتے ہیں، یہ اُس تک آنے جانے میں
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

ہے حسن بھی اُسکا ناز بھرا اور آن و ادا بھی بانکی ہے
سر پاؤں سے لے اُس چنچل میں سو زینت اور زیبائی ہے

لہ مٹ بھیڑ - منٹھ بھیڑ - ڈبھیڑ - منڈ بھیڑ سب کے آخر میں (ے) ثقیلہ ہے - مگر یہاں چونکہ یہ قافیہ واقع ہوا ہے لہذا (ے) ہی سے پڑھنا پڑے گا ۱۲ - اشرف علی

جب گھر سے وہ دلبر نکلے، دل دیکھنے کا شیدائی ہے ۔۔۔ ہم کو تو نظیرؔ اس اُلفت میں اب طرز یہی بن آئی ہے

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

۵۱۵

دیگر

دکھلا کے جھمک جس کو ٹک چاہ لگا دیجے ۔۔۔ پھر اُس کو بہت اے جان بالا نہ بنا دیجے
سو ناز اگر کیجے اُلفت بھی جتا دیجے ۔۔۔ منظر کے ذرا در کو آگے سے ہٹا دیجے

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دیکھی ہے تمہارے جو چہرے کی جھمک اے جاں ۔۔۔ دل سینے میں تڑپے ہے جو دیکھے پھر اک آن
ہے ہم کو بہت مشکل، اور تم کو بہت آساں ۔۔۔ ہے عرض یہی اب تو، اے بادشہ خوباں

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

چھپتے ہو عیاں ہو کر ہو تم اگر اس ڈھب کے ۔۔۔ عاشق بھی تو شیدا ہیں چاہت ہی کے مطلب کے
دیدار کی خواہش میں ہم یاں ہیں کھڑے کب کے ۔۔۔ جس ڈھب سے دکھایا تھا ویسی ہی طرح اب کے

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

آنکھیں بھی ترستی ہیں اور دل بھی بہت حیراں ۔۔۔ کل پڑتی نہیں اک دم بن دیکھے ہوئے اے جاں
گر حسن دکھا ہم کو بے تاب کیا ہے یاں ۔۔۔ تو پھر سے ٹک ہنس کر اے رشک مہ تاباں

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

آئی ہے نظر ہم کو جب سے وہ طرحداری ۔۔۔ ٹھہری ہے اُسی دن سے خاطر میں طلبگاری
ٹک لیتے تمہیں ہم تو جو ہوتی نہ ناچاری ۔۔۔ گر ہم کو جلانا ہے تو کر کے نمودادی

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

چھپنے کی اگر تم نے یاں آن سنواری ہے
بن دیکھے ہوئے ہم کو ہر سانس کٹاری ہے
تو بس نہیں کچھ اپنا مرضی یہ تمھاری ہے
کچھ اور نہیں خواہش یہ عرض ہماری ہے

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دل بحر محبت میں ہر آن جو بہتا ہے
لگی ہو کے بہت بے بس دکھ دوری کے سہتا ہے
اک آن تمھیں دیکھیں ارمان یہ رہتا ہے
بیکل ہے نظیر اب تو اے جان یہی کہتا ہے

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

(۵۱۶۱)

دیگر

جس دن سے ادا تجھ کو اُس بت کی لگی پیاری
دل پھنس گیا زلفوں میں اُس شوخ کی اک باری
اور کھپ گئی آنکھوں میں چنچل کی طرح داری
دیوانگی آپہونچی، جاتی رہی ہشیاری

کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

ملتا ہوں جو ٹک جاکر تو مجھ سے وہ لڑتا ہے
گردن کو پکڑ میری سر کو بھی رگڑتا ہے
کچھ بات جو کہتا ہوں جھنجھلا کے جھگڑتا ہے
جو جو وہ دکھاتا ہے سب دیکھنا پڑتا ہے

کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

اک چاہ کے دریا میں دن رات میں بہتا ہوں
ہر دم کے ستم اُس کے میں کھینچتا رہتا ہوں
غوطہ بھی جو کھاتا ہوں تو کچھ نہیں کہتا ہوں
جو ظلم وہ کرتا ہے، ناچار میں سہتا ہوں

کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

صورت جو کبھی اُس کی ٹک دیکھنے جاتا ہوں
جھڑکے ہے خفا ہو کر جب جال دکھاتا ہوں
تیوری وہ چڑھاتا ہے، میں خوف میں آتا ہوں
وہ گالیاں دیتا ہے، میں سر کو جھکاتا ہوں
کیا کیجے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

دل دے کے مجھے یارو دکھ درد ہوا لاہا
روتا ہوں تو کہتا ہے کیوں تو نے مجھے چاہا
پلکوں نے ستمگر کی اب دل کو مرے راہا
جتنا وہ ستاتا ہے، کہتا ہوں اہا ہاہا
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

کہتا ہے تجھے میں تو ہر آں کڑھاؤں گا
کوچے سے نکالوں گا، ہر وقت ستاؤں گا
کچلوں گا ترے دل کو، اور جی کو جلاؤں گا
میں اُس سے یہ کہتا ہوں جی سب یہ اٹھاؤں گا
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تقصیر نہ ہووے گی کچھ خدمت سامی میں
آنے کی نہیں خاطر ہرگز مری خامی میں
ہو گا وہی آوے گا جو راسے گرمی میں
حاضر ہے نظیر اے جان اس وقت غلامی میں
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تمام شد مخمسات
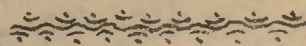
مسدسات عاشقانہ نظیر

(۵۱۷)

جدائی

جہاں میں نام تو سنتے تھے ہم جدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی ستم جدائی کا
دلے نہ دیکھا تھا درد و الم جدائی کا
بڑا ہے مرگ سے ایک ایک دم جدائی کا
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

گھڑی گھڑی میں تڑپ کر اُٹھے ہے دل سے آہ
جو کوئی شکل مری دیکھتا ہے اب واللہ
جگر کے ٹکڑے نکلتے ہیں اشک کے ہمراہ
یہی کہے ہے وہ سینے سے سرد بھر کر آہ
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

مجھے نہ کیونکہ مرے دل میں داد اور بیداد
نہ جی کو چین، نہ آنکھوں کو سکھ، نہ دل ہی شاد
کہ تھے جو عیش و طرب سب وہ ہو گئے برباد
بھلا میں کس سے اب اس ظلم کی کروں فریاد

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں
کبھی دوانہ ہو جنگل میں جا بھٹکتا ہوں
اگی میں اُس کی کبھی جا کے سر ٹپکتا ہوں
نکلتی جان نہیں اور پڑا سسکتا ہوں

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ تن سے جان نکلتی ہے اب جو صبر آوے
نہ موت آوے، نہ یار آ کے منھ کو دکھلاوے
نہ دل میں زور رہے جو تاب صبر کی لاوے
یہ حال ہو تو کوئی، آہ پھر کدھر جاوے

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

پھروں ہوں دشت و بیاباں میں رات دن غمناک
خراب حال، جگر خستہ، اور گریباں چاک
جلاتا آہ کے شعلے سے سب خس و خاشاک
پہ جس پہ آن پڑے غم وہ کیا جیے پھر خاک

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

مری جو چشم سے دن رات آنسو بہتے ہیں
جو آشنا ہیں مرے مجھکو دیکھ رہتے ہیں
تو جان و دل مرے کیا کیا عذاب سہتے ہیں
سب اپنے حیف سے مل مل کے ہاتھ کہتے ہیں

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو میکدے کی طرف کو کبھی کروں ہوں گذار
پیالہ چشم کا آنسو سے بھر ہر اک میخوار
تو دیکھ مجھ کو پریشاں، خراب و خستہ و خوار
جگر سے کھینچے ہے آہ! اور یہی کہے ہے پکار

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا

خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی چمن کو جو گھبرا کے ہوں نکل جاتا
تو واں بھی، ہائے، ذرا دل نہیں ہی ٹھہراتا
جدھر کو جاوں اُدھر غم جگر کو ہے کھاتا
عجب خرابی ہے، کچھ ہائے بن نہیں آتا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو کوئی ہجر میں روتا تھا عاشقِ محروم
میں ہنس کے کہتا تھا دل میں عبث یہ ہی مغموم
مچی جو مجھ پہ بھی آکر فراق کی یہ دھوم
وہ اُس کا درد مجھے، ہائے اب ہوا معلوم

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو کوئی پوچھے ہے کیا تجھ پہ دُکھ پڑا ایسا؟
کہ جس سبب سے تو پھرتا ہے اسقدر شیدا
میں اُس کو جس گھڑی دیتا ہوں اپنا حال سُنا
تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہی وہ ہے کہتا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ بھوک لگتی ہے، نہ نیند منھ دکھاتی ہے
جو دن پیے ہے لہو، رات مجھکو کھاتی ہے
نہ دل لگی، نہ کوئی چیز مجھ کو بھاتی ہے
کلیجا ٹوٹے ہے، اور چھاتی اُمڈی جاتی ہے

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ سُدھ ہے سیر کی مجھ کو، نہ انجمن کی خبر
نہ یاد باغ کی ہے، اور نہ شہر و بن کی خبر
نہ دھیان جسم کا، اور کچھ نہ پیرہن کی خبر
نہ ہوش دل کا ہے، نہ مجھکو تن بدن کی خبر

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو مجھ پہ آن پڑا دن سیاہ، مت پوچھو
سوائے مرگ نہیں اب پناہ، مت پوچھو

ہوا ہوں ہجر میں ایسا تباہ، مت پوچھو
جو ظلم مجھ پہ گذرتا ہے آہ! مت پوچھو

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جدائی ہائے محبت کی کیا بری ہے شے
نظیرؔ ہجر کے اب غم کو رویئے تا کے

کہ دل نہ بزم میں بہلے، نہ خوش لگے ہے مے
بہت برا ہے یہ عاشق کے حق میں دکھ اہی ہی!

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

۵۱۸

مجبوری محبت

اس شوخ کے ستم کا گلہ، آہ، کیا کروں؟
بہتے ہیں اشک شام و سحر گاہ، کیا کروں؟

تن سوکھ کر ہوا ہے مرا کاہ، کیا کروں؟
ملتا نہیں ہے تو بھی وہ گمراہ، کیا کروں؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

جس دن سے اس سے آن کے چھوٹا مرا نصیب[1]
ہوں جاں کنی میں، تو بھی نہیں جاگتا نصیب

دل بھر کے ایک دن نہ ہوا دیکھنا نصیب
کن سختیوں میں آن پڑا اب میں یا نصیب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں؟
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

[1] اس سے نصیب پھوٹا یعنی اس سے پالا پڑا ۱۲

ادھر تو مجھ کو قتل کرے ہے وہ نیک نام — اُدھر کو آ رہے ہیں اجل کے مجھے پیام
اب یار کو سناؤں، کہ رکھوں اجل کو تھام — اس کشمکش میں اب کہو کیا کیا کروں میں کام؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں؟
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں؟

گر یار کی خوشی نہ کروں تو وہ ہو خفا — اور جو اجل کو روکوں تو مانے ہے وہ بُرا
عرصہ تھا زندگی کا سو گھڑیوں پہ آ گیا — اس دو گھڑی میں آہ، میں کیا کیا کروں بھلا؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

گر اپنی زندگانی کا کرتا ہوں اب حساب — پل مارنے کی دیر ہے، پانی کا جوں حباب
کیونکر یہ ہے نہ غم سے مرے آنسوؤں کا آب — اتنی سی زندگی میں بھی کیا کیا سہوں عذاب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

جو جی چھپا کے اب نہ سہوں یار کی جفا — تو عاشقوں کے بیچ کہاتا ہوں بے وفا
اور جی کو دیکھتا ہوں تو اک دم کی ہے ہوا — ان مشکلوں کے بیچ کروں آہ، اب میں کیا

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

گر ہاتھ دھو کے بیٹھ رہوں اب میں صبر کر — یہ لوگ طعنہ دیتے ہیں ہنس ہنس کے گھر بہ گھر
اور یار سے ملوں تو وہ کرتا نہیں نظر — اس بیکسی میں آہ کہاں ٹیکوں اپنا سر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

نہ آہ کا مکاں ہے نہ رونے کی اب بچا ہے — نہ دل کو میرے صبر، نہ دلدار منھ لگائے

گر ایک غم پڑے تو مرا جی اُسے اُٹھائے — اس آسماں پھٹے کو کہوں کس سے اب میں ہائے

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

گر یار کی گلی میں رہوں جاکے بے قرار — تو سختیوں سے مجھ کو اُٹھاتا ہے بار بار
ہر آن توڑتا ہے مری آس بار بار — اس دردِ غم کو آہ میں کس سے کہوں پکار

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

روؤں تو مجھ کو اور رُلاتا ہے وہ حبیب — بولوں تو یوں کہے ہے کہ چل مت نکال جیب
گر عمر دیکھتا ہوں تو آپہونچی عنقریب — اور یار سے سلوک یہ ٹھہرے ہیں، یا نصیب!

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

چاہوں کہ مجھ کو عشق میں اپنے کرے اسیر — تو دور بھاگتا ہے مجھے جان کر حقیر
نہ مجھ کو قتل کرتا ہے ظالم، نہ دستگیر — کیا بیطرح کے غم میں پھنسا ہوں میں اے نظیر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

(۵۱۹)

فراق

جب سے تم کو لے گیا ہے یہ فلک ظالم کہیں — جی ترستا ہے کہیں، اور چشم ہے پُرنم کہیں
ہم پہ جو گذرا ہے وہ گذرا کسی پر کم کہیں — نہ تسلی ہے، نہ دل کو چین ہے اک دم کہیں

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

لزیر

تم وہاں بیٹھے ہو ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب
بیقراری، یادگاری، انتظاری، اضطراب
نہ تو دن کو بھوک ہے، نہ رات کو آتا ہی خواب
کیا کہیں، تم بن پڑا ہے ہم پہ اب کیسا عذاب

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خونبار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دل بیمار سے
رات دن سر کو پٹکنا ہر در و دیوار سے
ہے بُرا احوال اب تو ہجر کے آزار سے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

یاد آتی ہے تمھاری اُلفتوں کی جب کہ چاہ
پاؤں میں طاقت، نہ تن میں زور، نہ معلوم راہ
دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں آنسو بہے ہیں خواہ مخواہ
کیا غضب ہے، کیا کریں کچھ بن نہیں آتی ہے آہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

نہ کسی سے مہر و اُلفت، نہ کسی سے پیار ہے
دل اُدھر سینے میں تڑپے، جی ادھر بیمار ہے
نہ کوئی اپنا رفیق، اور نہ کوئی غمخوار ہے
کیا کہیں اب تو بہت مٹّی ہماری خوار ہے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں!

گھر میں جی بہلے، نہ باہر انجمن میں دل لگے
نہ پہاڑوں میں، نہ صحرا میں، نہ بن میں دل لگے
نہ خوش آوے سیر، نہ سرو و سمن میں دل لگے
اب تو تم بن نہ گلستاں، نہ چمن میں دل لگے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں

خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

پر نہیں اُٹھ کر تمھارے پاس جو آجائیے
چشم تر اور داغ سینے کے کسے دکھلائیے
جی ہی جی میں کب تلک خونِ جگر کو کھائیے
دل سمجھتا ہی نہیں، کیونکر اسے سمجھائیے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

دم بدم بھرتے ہیں ٹھنڈی سانس بیدل کی طرح
سر پٹکنا اور تڑپنا رات دن دل کی طرح
نالہ و فریاد ہیں ہر آن گھائل کی طرح
خاک خوں میں لوٹتے ہیں اب تو بسمل کی طرح

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

اب جو اپنے حال پر ہم خوب کرتے ہیں نگاہ
سب جو ظلم و ستم ہم پر کہیں کیا تم سے، آہ!
ہر گھڑی مثل نظیر اس غم سے ہے حالت تباہ
بن موے اب تو نظر آتا نہیں ہرگز نباہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۵۲۰)

التماس اخلاص

اپنے غمخواروں سے کوئی آن ہنس لے بول لے
پھر کہاں یہ دلبری یہ آن ہنس لے بول لے
دردمندوں کا نکال ارمان ہنس لے بول لے
دم غنیمت ہے ارے نادان ہنس لے بول لے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تجھ کو حق نے دی ہے حسن و خوبی کی بہار — چاہنے والے سے کرلے کچھ سلوک و مہر و پیار
کوندنا بجلی کا اور جوبن کا مت گن اعتبار — کاٹھ کی ہانڈی نہیں چڑھتی ہے پیارے بار بار[1]

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو منھ گل سے پیارے پھر دھتورا آکھ[2] ہے — آج یہ گلشن کھلا ہے کل کو سو کھا ساکھ[3] ہے
جو اُٹھا شعلہ بھبھو کا آخرش کو راکھ ہے — چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ[4] ہے

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اس قدر مت کر مری جان اپنے جوبن پہ گماں — یہ نہیں رہتا سدا کافر کسی کے پاس ہاں
جب گریں دانت اور پڑیں چہرے کے اوپر جھریاں — پھر یہ ہنسنا بولنا اور پھر یہ اچھپلیاں[5] کہاں

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

ایسا کوئی حسن والا آؤ تو ہم کو بتا — جس کی خوبی کا ہمیشہ ایک سا عالم رہا
کیوں خفا ہوتا ہے ہم سے یاد رکھ اے دلربا — ہاتھ آتا ہے نہیں کافر یہ جوبن جب گیا

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیا ہمارا حال دل خوبی سمجھتے کہتی نہیں — یا ہماری چاہ تیرے ناز کو سہتی نہیں
آہ کھیتی حسن کافر کی ہری رہتی نہیں — ناؤ کاغذ کی ہے پیارے یہ سدا بہتی نہیں

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیسے کیسے خوبرویاں ہو گئے ہیں میری جان — اپنے غمخواروں سے کیا کیا کر گئے ہیں خوبیاں

---

[1] کاٹھ کی ہانڈی بار بار نہیں چڑھتی ضرب المثل ہے ۱۲
[2] آکھ - مدار کے درخت کا نام ۱۲
[3] سوکھا ساکھ یعنی خشک ۱۲
[4] یہ بدلا محاورہ ہے - چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ ۱۲
[5] اچھپلیاں یعنی خوشیاں ۱۲ اشرف علی عفی عنہ

تو جو روٹھا روٹھا ہم سے رہتا ہے نامہرباں
دیکھ پچھتاوے گا غافل حُسن پر مت کر گماں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حُسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

حسن کا عالم مگر ہر گھڑی ملتا نہیں
مجھ سے تیرا روٹھنا ہر دم کا اب بھلتا نہیں
گُل بھی کھل کر ایک باری جان پھر کھلتا نہیں
دودھ اور دل جب پھٹا پیارے، یہ پھر ملتا نہیں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تو عاشق کا سر ہے جان، تیرا پاؤں ہے
اب یہ معشوقی کا سکہ آج تیرے ناؤں[۲] ہے
منتیں ہوئی ہیں اور تیری نہیں کچھ بھاؤں[۱] ہے
بھول مت اس پر میاں، یہ ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

دل غریبوں کے جو پیارے تجھ سے اب کھپ جائینگے
بات کو ہنس کے کو دے دے جھڑکیاں ترسائینگے
ایک دن تجھ کو بھی خوباں یوں ہیں کلپائینگے
پانڈے جی پچھتائینگے، وہی چنے کی کھائینگے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اپنے اپنے وقت میں کیا کیا پری رو بن رہے
نہ کسی کا دھن رہے، اور نہ سدا جوبن رہے
چاند سے مکھڑے رہے، اور گل سے انگ تن رہے
نہ سدا پھولے[۳] ترئی، اور نہ سدا ساون رہے

مان لے کہنا مرا اے جان، ہنس لے، بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان، ہنس لے، بول لے

اب تو چہرے پر ہے تیرے حسن و خوبی کی جھلک
لیک جب جاتی رہے گی یہ جھمک اور یہ چمک
خواہ تو ہنس بول ہم سے خواہ غصہ ہو جھڑک
پھر جو بولے گا تو ہر اک یوں کہے گا، چل نہ بک

[۱] یعنے تیرے بھاؤ میں نہیں ۱۲
[۲] متقدمین نام کے بجائے ناؤں بھی لکھتے تھے ۱۲
[۳] یعنی ہمیشہ ایک سے دن نہیں رہتے ۱۲
اشرف علی لکھنوی

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب نظیر آگے ترے رہتا ہے ہر صبح و شام — پیارے ہنس بول پیارے پی لے اُلفت کا جام
پھر کہاں یہ دلبری، یہ عیش کی باتیں، کلام — کچھ نہ رہوے گا، رہے گا آخرش اللہ کا نام

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

(۵۸۱)

اشتیاق دیدار

کیا تاب ہے جو گل رُخ نظریں چھپائے ہم سے — کچھ ہو، یہ دو نگاہیں ہنس کر ملائے ہم سے
ہم وہ میاں ہیں، اللہ بالا نہ ڈالے ہم سے — رہتے ہیں ہاتھ باندھے اب حُسن والے ہم سے

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اس حسن کا پڑا ہے کانوں میں جب سے جھنکا — ہو کر فقیر ہم نے جامہ رنگا ہے تن کا
دیدار کی طلب کو پیالا بنا نین کا — سیلی پہن کے تاکا، منکا پھرا کے من کا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اپنی تو عشق میں ہی گذری جوانی پیری — یا کاکلوں کے پھندے، یا زلف کی اسیری
اے دل جلوں کے دلبر، ہے وقت دستگیری — تیرے ہی دیکھنے کو اب ٹھان کر فقیری

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے

سلہ جھنکا، شاید جھنکار دیا گیا ہے ۱۲ سلہ تین آنکھیں ۱۲ — اشرف علی لکھنوی

ٹک ہنس کے اوپری رد، آنکھیں لڑائے ہم سے

آئے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنی باری
جوگی بھی بن چکے ہیں، مندیل[۱] بھی سنواری
زنار باندھی، قشقہ کھینچا ہے ہو بجاری[۲]
آزاد بن کے اس دم ہیں دید سے بھکاری

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپری رد، آنکھیں لڑائے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اُڑایا
بانک و پٹا و بلم گدکا و لٹھ بھرایا
شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑکھڑایا
جھمگا تمہارا اس دم ہم کو جو یاد آیا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر یرو، آنکھیں لڑائے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بجا بلے کا پالا
پنجرا، گلہری، طوطا، شکرا اتنکا رو الا
اُس حال میں بھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر کے لالا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر یرو، آنکھیں لڑائے ہم سے

شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اُتارا
تصویریں بیچنا بھی کتنے دنوں بچارا[۳]
کتنے پری رخوں کو جا پیر نے میں مارا
اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر، یارا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر یرو، آنکھیں لڑائے ہم سے

کشتی میں کتنی مدت ہم نے بدن کو توڑا
جو ڈھب تھا اُس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا
سو گل بدن کے تن کو من مانت مڑوڑا
اب خوبرو کا پیارے دنیا میں دیکھ توڑا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر یرو، آنکھیں لڑائے ہم سے

[۱] مندیل پٹکا زرین عمامہ ۱۲
[۲] بجارا یہاں اختیار کیا کے معنی میں ہے دوسرے مصرع میں یارا میں الف زائدہ ہے جو فی زمانا اُردو میں فصیح نہیں سمجھا جاتا ۱۲ اشرف علی

جوڑے کبوتروں کے کتنے دنوں اُڑائے ۔۔۔ کنکوے، چنگ، گڈی، تکلیں، پتنگ بنائے
گھرٹ والے بن ہزاروں چھلیے تلک لگائے ۔۔۔ ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

پھر لال بھی لڑائے، اور گلدمیں بھی پالیں ۔۔۔ جنگل میں گل لگائی، اور پدڑیاں سنبھالیں
ڈبیوں میں ڈال مکھی، بل کریاں بنالیں ۔۔۔ کیا کیا نہ ہم نے پیارے، پھر چھپکیاں نچالیں

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

اس شہر میں ہزاروں گو خوب رو بتاں ہیں ۔۔۔ لیکن بتاؤ کس کی یہ پیاری انکھڑیاں ہیں
کس میں یہ اچپلاہٹ، کس میں یہ شوخیاں ہیں ۔۔۔ انداز کرے دل میں تجھ میں جو خوبیاں ہیں

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

خیر آدمی ہو کے ہم نے لٹھ چکئی بنائے ۔۔۔ اُس میں بھی کتنے لڑکے خیراد پر چڑھائے
پھر ہو کے سرمہ والے، سرمہ بہت لگائے ۔۔۔ ریچھوں تلک لڑائے، بندر تلک نچائے

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

اب تو نظیر تیرا ہے مہمان، پیارے ۔۔۔ آ کر گلے لپٹ جا، اے مہربان پیارے
بوسے کئی دلادے ہونٹوں سے، جان، پیارے ۔۔۔ تیرے ہی دیکھنے کا رکھ دل میں دھیان پیارے

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

ے یہ سب کنکوے کی
قسموں کے نام ہیں ۱۲
ے پھدکی ایک
چھوٹے پرند کا
نام ۱۲ سے چکئی
ایک گول تراشی
ہوئی لکڑی جو
بیچ سے خالی ہوتی
ہے اور جس میں
تاگا باندھ کر نیچے
پھینکتے ہیں اور
ہاتھ کے اشارہ
سے وہ پھر تاگے
کو درمیان میں
لپیٹتی چلی آتی ہے ۱۲
اشرف علی لکھنوی

(۵۲۲)

وصل و فراق

گاہے بخندہ لب شکر آمیز می کنی
ہر ناز دل فریب و دل آویز می کنی
گاہے بہ عشوہ غمزۂ خونریز می کنی
القصہ ہر ادا ستم انگیز می کنی

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

پہلے لگائی دل کو مرے تو نے اپنی چاہ
سمجھے ترا فریب ہم، اے شوخ کج کلاہ
جب لگ چلے ہم، آہ، تو لی تو نے اپنی راہ
اچھی یہ رسم تو نے نکالی ہے، واہ واہ

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

اول دکھا کے دور سے وہ حسن مہر سوز
ہم دیکھتے ہی رہ گئے آشفتہ تیرہ روز
پھر چھپ گیا تو دل میں لگا تیر سینہ دوز
سوچا جو ہم نے خوب تو اے شمع دل فروز

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

رووں نہ تیرے ہاتھ سے ہم کیونکہ زار زار
اب ہم تو بے قرار ہیں اور تو خوشی ہے یار
دلدار بن کے تو نے کیا ہم کو دل فگار
کیونکر نہ ہو خوشی کہ ترا ہے یہی شعار

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

غرفے سے پہلے جھانک کے چہرہ دکھا دیا
اپنا بڑھا یا حسن، کیا ہم کو مبتلا
جب ہم نے کی نگہ، تو لیا پردے میں چھپا
صد آفریں ہے، اے مرے عیّار مہ لقا

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

زلفوں کا اپنی ہم کو دکھا تو نے پیچ و تاب
ڈالا ہمارے دل میں تعشق کا اضطراب
جب پھنس گئے ہم، آہ، تو جھٹکا دیا شتاب
اب فطرتوں کا تیری، غرض، ہے یہی جواب

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

مکر و فریب تو جو کرے ہے نیا نیا
وہ سب نظیر جانے ہے، اے شوخ دلربا
تیری جو شوخیوں سے وہ آگاہ بسکہ تھا
سعدیؔ بھی جبھی یہ بیت گلستاں میں لکھ گیا

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

(۵۲۳)

رضا جوئی

گر تجھ میں، اے پریرو، یا مہر یا جفا ہے
یا راستی کا ملنا یا سربسر دغا ہے
گر تو وہی جو تیرے اب دل کو خوش لگا ہے
ہم جانتے نہیں ہیں کچھ نیک و بد کہ کیا ہے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

کچھ دل میں ہے، تو دل کی آبادیاں بھی کر لے
جور و ستم کی اپنے اُستادیاں بھی کر لے
بیدرد ہے تو، ظالم بیدادیاں[1] بھی کر لے
جلاد ہے تو کافر جلادیاں بھی کر لے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

[1] بیداد کی بجائے بیدادی گو شروع دور میں اردو میں صحیح ہو۔ مگر متروک الاستعمال ہے ۱۲ اشرف علی

اب در پہ اپنے ہم کو رہنے دے یا اُٹھا دے
ہم سب طرح سے خوش ہیں، رکھ یا ہوا بتا دے
عاشق ہیں نر قلندر[۱]، چاہے جہاں بٹھا دے
یا عرش پر چڑھا دے، یا خاک میں ملا دے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

گر مہر سے بلا دے تو خوب جانتے ہیں
اور جور سے ڈبا دے تو ڈوب جانتے ہیں
ہم اس طرح بھی تجھ کو مرغوب جانتے ہیں
اور اُس طرح بھی تجھ کو محبوب جانتے ہیں

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

اک دن وہ تھا کہ ہم پر تھے عیش کے دھڑاکے
یاں مطلبوں کے ہم پر، اور غیر پر کڑاکے
اب غیر پر کرم ہے، اور ہم پہ ہیں جھڑاکے
ہم سب طرح خوشی ہیں، سنتا ہے او لڑاکے!

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو، پیارے
یا تیغ کھینچ ظالم، ٹکڑے اُڑا ہمارے
جیتا رکھے تو ہم کو، یا تن سے سر اُتارے
اب تو نظیرؔ عاشق کہتے ہیں یہ پکارے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

(۵۲۴)

دید بازی

پھبتا ہے اُس کو یارو، دم عاشقی کا بھرنا
ہو یاد جس کو سو سو گل[۲] پھول کا کترنا
جس گھاٹ حسن اُترے اُس گھاٹ ہی اُترنا
جس ڈھب کا حسن دیکھا اُس ڈھب ہی کر گذرنا

۱؎ نر قلندر - بڑے قلندر ۱۲

۲؎ گل کترنا بہ عجیب کام کرنا - اب یہی محاورہ ہے لیکن ہے کہ زمانۂ قدیم میں گل پھول کترنا محاورہ ہو ۱۲ اشرف علی

سو کرد فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حُسن بھاری شہ زور یا جبّاڑا
ڈنڈ پیل، بھان مگدر، لیزم سے خم کو جھاڑا
تو پہلوان بن کر کھود ا دہیں اکھاڑا
اس پیچ سے ہی گل رو میٹھے کو دھر پچھاڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن تھا چمکتا قاتل کا مثل کتّا
بانک اور پٹا ہلایا، محنت سے ہو کے لتّا
تو لکڑی باز بن کر پھینکا پھری کبھی گتکا
راوت ہی بن کے مارا اُس پر بھی اپنا ہتّا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے، خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن بانکا، تو بن کے ٹیڑھے بانکے
کر خانہ جنگی اُس سے کھائے بدن پہ ٹانکے
تیغ و سپر، تپنچے باندھے ہیں سب جہاں کے
ٹانکے تو کھائے لیکن پھنکے بھی خوب بھانکے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

تصویر سی کسی کی صورت جو دی دکھائی
گلیوں میں سیر دیکھی، میلوں میں جا لگائی
تو بن کے پھر مصور تصویر ہی بنائی
اس شکل سے ہی اکثر کی حسن کی کمائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لقّے کی طرح دل کو جب حسن نے مروڑا
دکھلا کبھی کا پٹھا، یا شستر و کا جوڑا
تو پال کر کبوتر اُس سے ہی دل کو جوڑا
کیسا ہی پر گھرڑا تھا پر موٹھ سے نچھوڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا

لی جاوڑا۔ شاید
[illegible]ہر کرنے والے
[illegible]کے معنے میں لیا ہے
جبار سے بگڑا ہوا
[illegible] لقا۔ کبھی وغیرہ
کبوتروں کی قسموں
کے نام ہیں ۱۲۔
اشرف علی
پر گھرا۔ دو ڈھائی
برس کے کبوتر کو کہتے
ہیں۔ یہ بھی لڑا ہوا
ہوتا ہے گر عرف
و ایک لڑائی کا
شہباز

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن، یارو، جوں لعل یا انگارا
کل پاکہ جال رو کا اور لعل کو اُتارا
تو لعل چٹی کا ہی پھر پالنا بچارا
اُس لعل کے ہی ڈھب میں اس پر بھی جال مارا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

بازاری حُسن دیکھا تو کرکے دل فگاری
ڈالے ہنڈوے اس میں رنگین زرنگاری
پنجرے بنائے خاصے، رنگیں، ہلکے بھاری
اُن پنجروں میں کرنی اپنی دُکانداری
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

اچھا لگا جو دل کو سیمیں بدن پیارا
دکھلا کے چاندی سونا، جیسے چمکتا تارا
تو کیمیا گری کا پھر ٹھکھٹا سنوارا
پارا بھی تھا تو اُس کو اس ڈھب میں رُ اُتارا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جمنا پہ جبکہ دیکھے اس حسن کے تناپے
چندن دکھا کے ہر دم درپن دکھا کے بھاپے
تو بن کے باہمن اُس جا چھاپے تلک بھی چھاپے
اُس گھاٹ پر بھی آخر اپنے ہی چھاپے چھاپے
سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جادو جو حسن دیکھا تو سیکھے جادو ٹونے
پڑھ کھوپری کے کاجل چاول سندور مونے
بیروں کے تئیں جگا کے بیٹھا یا کونے کونے
جادو میں دیکھ ڈالے کافر کئی سلونے
سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن قابل تو ریختہ بنائے ۔۔۔ کچھ مکریاںؔ بنائیں اور کچھ کبتؔ بنائے
سکھیوںؔ کی بحث ڈالی اور کھنڈ بھی جمائے ۔۔۔ جب بھولنے نہ پائے پھر تو مزے اڑائے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن شیر دیکھا تو ریچھ کو نکالا ۔۔۔ اور بن کے ریچھ والے سونٹا گرا سنبھالا
کشتی سے کھڑ کھڑایا اور آپ کو اچھالا ۔۔۔ اُس ریچھ سے بھی کتنے گل رو کو دیکھ ڈالا

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

کھڑکی کا حسن دیکھا تو پھر نچا کے بندر ۔۔۔ بکرا بھی لا اٹھایا اس کام کا سمندر
جب ڈگڈگی بجائی کوچہ گلی کے اندر ۔۔۔ لڑکے ہزاروں بولے آؤ میاں قلندر

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

پایا جو رنگ بھولا تو بن کے رنگ بھریلے ۔۔۔ چھلے انگوٹھی ڈھالے سانچے کے کر کے بھر یے
بولا کوئی جو اُس میں کچھ تو خدا سے ڈریے ۔۔۔ تو اُس سے ہنس کے کہنا کچھ بات یاں نہ کریے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن کوئی بلدار لہر کھایا ۔۔۔ تو بن گئے سنپیرے اور سانپ کو چلایا
تو بین بجا کے ہر دم سانپوں کا پھن ہلایا ۔۔۔ اُس سانپ کے ہی فن سے اپنا بھی من منایا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سرکش سیانے ہی ہو پکارے ۔۔۔ ڈھونی فلیتے لکھے اور بھوت جن اتارے

۱؎ مکری ۔ ایک قسم کی پہیلی ۲؎ کبت ۔ ایک قسم کی ہندی کی نظم ۔ ۳؎ سکھی سکھیاں ایک قسم کی پہیلی ۔ ۴؎ کھنڈ ۔ ایک قسم کی گنوار و نظم ۔ ۵؎ رنگ بھریا ۔ رانگے کے کھلونے اور زیور بنانے والا ۱۲
اشرف علی

پھونکی چڑیل خنڈی، دبودں پہ ہاتھ مارے
اک چھوئے منترا میں کیسے کیے نظارے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن بالا دیکھا تو مکڑیاں بنائیں
کچھ چینٹیاں منگائیں کچھ تتلیاں نچائیں
ڈبیوں میں ڈال مکھی اور مکڑیاں لڑائیں
ان تیلیوں کی خاطر کیا تیلیاں لڑائیں

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہر اک پلنگ اُتارا شیشے میں جڑ کے ماشا
مولی کا ہنس بگلا، گاجر کا مور باشا
ککڑی کے پھول کترے اور سنگترہ تراشا
دیکھا ہر اک بہانے اُس حسن کا تماشا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

میلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے
گھاٹوں میں جا چبینے نقد و اُدھار بیچے
سیروں میں دال موٹھیں پاپڑ اچار بیچے
چکلوں میں بن کے مالی پھولوں کے ہار بیچے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

گر آپڑی کسی دن کچھ سیتلا بُرائی
پھر بن گئے پجاری کر حسن کی اُگائی
تو بیچ کر بجایا کی دل کی سر برائی
اس سیتلا کی مت میں اپنی ہی مت گنوائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہولی کی پھر بہاریں بہو تنجیں جبھ دائیں بائیں
آزاد بینوا ہو پھر کیں ندا صدائیں
تو بن کے جوگی چیلے باندھیں عجب ہوائیں
اُس حال قال ہی سے دیں حسن کو دعائیں

لہ خنڈی ایک قسم کی گالی — ٹھٹھول باز عورت۔ اشرف علی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

خوبی کا لہر کھاتا دیکھا جو حسن لہری
کی بات وہ ہی جو کچھ اُس کے پسند ٹھہری
پالے بٹیر طوطے بگلے بئے گلہری
اُس لہر کی بھی دیکھی کیا کیا بہار گہری
سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سہانا تو بن گئے دِوانے
لڑکوں کے سنگ کھانے اور شور غل مچانے
لاگے ہر اک کو اپنے دیوانہ بن جتانے
دیکھے ہزار جھگڑے آخر اسی بہانے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھی جو نرم و نازک اس حسن کی کلائی
بیچے بہت کھلونے اور جو جو بن ہے آئی
منہیار بن کے چوڑی ہاتھوں میں کھن کھنائی
آخر بھکاری بن کر کی حسن کی گدائی
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لازم ہے اُس کو، یارو، عاشق وہی کہاوے
بہروپیا بھی اپنا بہروپ بھول جاوے
جو اس طرح کی گھاتیں کر حسن کو بڑھاوے
آگے نظیرؔ کیا کیا عاشق کی دھن بتاوے
سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۵۲۵)

رہ نوردیٔ فراق

جب ہم نے دل سے، اے زیبِ محفل
فرقت میں تیری آشفتہ بیدل
باندھا سفر کے ناتے پہ محمل
غربت کے ہمراہ، حسرت تھی شامل

رفتیم و بُردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

منزل پہ اُترے تو اشک ریزاں
جوں صید زخمی ہر سو گریزاں
صحرا میں گذرے تو خاک بیزاں
القصہ آخر اُفتاں و خیزاں

رفتیم و بُردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

نکلے جو واں سے ہم پاپیادہ
صد جا نشستہ، صد جا فتادہ
صد بار ہجراں بر جاں نہادہ
تجھ سے کہیں کیا، اے گل، زیادہ

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

منزل بھی طے کی، اور صد بیاباں
بیتاب و بے صبر ہر سو شتاباں
طعنے بھی کھینچے مثلِ عقاباں
فی الجملہ ناچار، اے ماہِ تاباں

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

چلنے کی طاقت ہم میں کہاں تھی
نے دم میں دم تھا، نے جاں میں جاں تھی
قالب تو یاں تھا اور روح واں تھی
لیکن یہی بیت وردِ زباں تھی

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

منزل پہ روئے ہم آ کے ہر شب
صد اشک در چشم، صد آہ بر لب

اور دن کو لوٹے صحرا میں جب تک
آ گئے نظیرؔ اب کیا بوسے مطلب

رفتیم و بُردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

(۵۲۶)

رازداری محبوب

من رے اے شوخ گلبدن، نادان
اس طرح بھر کے منھ، چبا کر پان

تجھے کہہ کہہ کے ہم ہوئے حیران
غیر سے تو ہنسا نہ کر ہر آن

اس میں ہوگا ہمارے جی کا زیان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

گل بدن تالیاں بجا دیں گے
کتنے آنکھوں میں مُسکرا دیں گے

غنچہ لب منھ بنا چڑا دیں گے
کتنے آئینہ لا دکھا دیں گے

کیا ہی چھیڑیں گے ہر گھڑی، ہر آن
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

تو جو خوباں میں خوار ہووے گا
بات سب مفت اپنی کھووے گا

اپنی سب دلبری ڈبووے گا
ہاتھ پھر سر پہ رکھ کے رووے گا

کچھ نہ پھر بن سکے گا، اے نادان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کل تو واں ایک گورا سا لڑکا ہم تو جانیں وہ صاف تھا جھوٹھا		اپنے یاروں میں کچھ وہ کہتا تھا یا خدا جانے، تھا وہی سچا

تو تو اس طور کا نہیں انسان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پوچھا کہ کیا لیا بوسا؟ میں کہا ہاتھ سینے پر پھیرا؟		وہ تو کچھ اور اور ہی چڑھ گا اُس نے سودا ہی پار کر ڈالا

جانے اب اُس کا دین اور ایمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے اُس سے کہا تو جھوٹا ہے بولا صاحب، تمھیں تو سودا ہے		کیا وہ ایسا خراب و رسوا ہے؟ واں تو جھگڑا ہی سارا برچھا[1] ہے

گیا تمھارے ہیں بند اب تک کان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پھر بات کھود کر پوچھی بولا وہ تم تو سنتے ہو کم جی		کیا کسی نے لگا لیا چھاتی؟ اجی ترکی ہی واں تمام ہوئی

جب تو کچھ ہم بھی ہو گئے حیران
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اور بھی اس کے چرچے ہوتے تھے کئی سن سن کے ہوش کھوتے تھے		کتنے موتی کھڑے پروتے تھے ہم اسی دن کو یار روتے تھے

آخر اُٹھے یہ ٹوٹکے[2]، طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کہ بھلا وہ جو کچھ کہتے تھا جب		کچھ بھی سچ، یا کہ جھوٹ ہے یہ سب

[1] جھگڑا برچھا ہونا یعنی کسی جھگڑے کا فیصل ہونا۔ برچھا ہونا صرف بھیڑ چھٹنا ۱۲
[2] ٹوٹکیا یعنی اتہام طوفان بہتان۔ اشرف علی

آہ، اب ہم کو اس سے کیا مطلب
نیچ بھی ہو گا، تو تو کہے گا کب

شرم کا ہے کو کھلنے دے گی زبان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو جو راتوں کو اُن میں جاتا ہے
قہقہے مار، کھِل کھِلاتا ہے
جی میں پھُولا نہیں سماتا ہے
ہم کو اب پھر یہ ہَول آتا ہے

کہیں ویسے ہی پھر نہ ہوں بہتان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج جانا کہیں جو ہے ٹھانا
آفت اس حسن پہ تو مت لانا
دیکھیو، اُن کے ساتھ مت جانا
اُن کے زنہار دم میں مت آنا

اُن سے ڈرتا ہے ہر گھڑی شیطان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو بھلا گو کہ ہوشیار رہا
تجھ کو غافل نشے میں جب پایا
پر دیا جب نشہ دغا سے پلا
پھر اچھوتا کسی نے کب چھوڑا

رحم کر اپنے حال پر، اے جان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

یاد ہے تجھ کو بات پرسوں کی
بات کچھ اور ہی اور ٹھہری تھی
جب نشے میں تجھے خبر نہ رہی
وہیں ہم آ گئے جو خیر ہوئی

ورنہ واں ہو چکا تھا سب سامان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

گر اُٹھوں میں تو ہو گیا بدنام
کتنے ہنس ہنس کے دیویں گے دشنام
کئی خوباں کریں گے خط ارقام
کئی جھک جھک کریں گے آ کے سلام

پھر بندھیں گے اکھاڑے اور میدان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

خوب رد بھی پھر آ کے چھیڑیں گے
سب یہ باتیں گڑی اکھیڑیں گے
کاغذوں کی طرح پھنبیڑیں گے
خوب سا شہد میں لتھیڑیں گے

دم میں کر دیں گے کرکری سب شان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

بجھ یہ اب پھینکتے ہیں جو پھندے
واں کئی ہو چکے ہیں شرمندے
اے ستم گر، بڑے ہیں وہ خندے
دیکھ الفت میں ان کی مت تن دے

بن کے انسان، پھر نہ ہو حیوان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو تھوڑا سا گل یہ پھولا ہے
اب تو جس کے بھر دے بھولا ہے
کل کو پھر باؤ اور بگولا ہے
وہ ترے عیب سب قبولا ہے

لوگ باندھیں گے تو بطے، طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

پھول ڈالی پہ جب تلک ہے کھلا
جب کہ اس کو کسی نے توڑ لیا
اس کا واں ہے کچھ اور نہ ہی رتبا
پھر وہیں سونگ سانگ پھینک دیا

اس سخن کے تو مغز کو پہچان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج یہ گال ہیں جو گل سے لال
آہ! نکلیں گے ان پہ جس دم بال
لوگ کرتے ہیں بلبلوں کی مثال
پھر نہ یہ دھوم، اور نہ یہ دھمال

ان کے ملنے پہ بھول مت، اے جان

اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو رکھتے ہیں بوالہوس کھٹکا
لیک جب حسن کھا گیا جھٹکا
کوئی چھیڑا رنگا، کوئی چپکا
آٹا نبڑا اور بوچیا پھر سٹکا[له]
ہیں یہ دو دن کے چاؤ اور ارمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آگے وہ بات یاد ہے، پیارے
پر وہ طوفان تو طے اُن سے
گرچہ سچ کچھ نہ تھی، خدا نہ کرے
ہم تو اب تک ہیں اُن سے شرمندے
بلکہ تجھ کو بھی خوب ہوں گے دھیان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کیوں ستمگر یہ کیسی بات ہوئی؟
نوبت اب یاں تلک تو آ پہونچی
اُس نے جو کچھ کہی سو تو نے سنی
اب نقارے ہی بجتے ہیں باقی
دیکھ، عاشق نظیر کو پہچان
اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

ختم شد مسدسات

[له] آٹا نبڑا بوچیا سٹکا۔ کہاوت ہے۔ یعنی مطلب نکلا اور مطلبی لوگ غائب ہوئے ۱۲ اشرف علی

ترکیب بند و ترجیع بند وغیرہ

(۵۲۸)

ترکیب بند

ادھر کو جس گھڑی اے ہمنشیں وہ یار آیا ہمارے دل سے گئی بے کلی قرار آیا
اُسے جو مہر سے ہے ذرّہ پروری منظور تو پھر ادھر کو جھکتا وہ مہر دار آیا
مزاج اُس کا جو عاشق نواز ہے ہم دم تو راہِ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا مبارک ہو تمھارے پاس ہے وہ نازنیں نگار آیا
کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا آکر بھلا ہوا کہ تمھارا بھی گل عذار آیا

خوشی یہ بولی تمھارے میں گرد خاطر ہوں
ادھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں

گیا ملال ہوے شاد ہم زمانے سے ہوا ملاپ چھٹے ہجر کے ستانے سے
نشاط جی کو ہوئی ہر طرف کے ملنے سے سرور دل کو ہوا ہنسنے اور ہنسانے سے
ہوئی نمود وہ ساعت بھی انبساط بھری کہ جس میں شاد ہوئے ہم بھی دل لگانے سے
ہر اک طرف سے ہوئی سو طرح کی خوش وقتی نویدیں آئیاں عشرت کے کارخانے سے

سمائے پھولے نہیں پیرہن میں، اب ہرگز
ہم ایسے شاد ہیں اُس گلبدن کے آنے سے

جہاں میں جس کو ملاقات یار کہتے ہیں
عجب بہار رہے اس کو بہار کہتے ہیں

ہمارے دل میں جو فرقت کی بیقراری تھی
تو اُس کے ہاتھ سے صورت عجب ہماری تھی
کبھی خیال رُخ و زلف کا سحر تا شام
کبھی تصور مژگاں سے دل فگاری تھی
نہ دل لگے تھا کسی شغل سے کوئی ساعت
نہ جاں کو جُز الم ہجر ہمکناری تھی
یہ اضطراب تھا ہر دم، یہ اپنی بیتابی
ہمارے حال پہ سیماب کی بھی زاری تھی
خدا کے فضل سے پھر اس میں خیر و خوبی سے
وہ دن بھی آیا کہ جس کی اُمیدواری تھی

جو دیکھی بھر کے نظر گلعذار کی صورت
تو ہر طرف نظر آئی بہار کی صورت

عیاں جو سامنے آکر وہ گلعذار ہوا
تو عالم عیش کا پھر ایک سے ہزار ہوا
نگہ کو حُسن نے اُس گل کے تازگی بخشی
خوشی قریب ہوئی، دور انتظار ہوا
جدا جو ہجر میں ہم سے قرار رہتا تھا
ہمارے دل سے وہ پھر آن کر دوچار ہوا
تسلی دل کو ہوئی اُس صنم کے ملنے سے
رخ اُس کا دیکھتے ہی رفع اضطرار ہوا
طلب تھی دل کے تئیں جسکی ایک مدت سے
ہزار شکر وہی عیش آشکار ہوا

نشاط و عیش کو خاطر سے ہمقرینی ہے
نیاز ناز ہے اور لطف ہمنشینی ہے

ہم اپنے دل کی خوشی کا بیاں کریں کیا کیا
کہ ایک لحظہ یہ ٹھہرا ہے عیش کا نقشا
کبھی ہیں دیکھتے رخسار یار کو ہنس ہنس
کبھی خوشی سے ہیں چھو لیتے اُسکی زلف دوتا
کبھی ہیں یار کی چشم و نگاہ سے پیتے
خوشی سے عیش کے بھر بھر کے ساغر صہبا
کبھی ہیں اُس کے تکلم سے دل کو خوش کرتے
کبھی ہیں اُس کے تبسم پہ جی سے ہوتے فدا

جو دیکھتا ہے ہمیں اس طرح کی عشرت میں
تو یہ سخن وہ رہِ منصفی سے ہے کہتا:-

"نظیر" تم نے جو حاصل یہ شادمانی کی
یہی بہار ہے بُستانِ زندگانی کی

(۵۲۹)

ترجیع بند

اے گل اندام دل آرام پریزاد صنم
کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
نہ تکلم نہ تبسم نہ تلطف نہ کرم
کیا خطا ہم سے ہوئی جس سے ہوا تو برہم
تو تو معشوق ہے البتہ نہیں تجھ کو غم
لیکن اس بات سے ہے ہم کو بہت رنج و الم

چاہے شمشیر لگا لے تو پر ابرو نہ مروڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہمیں کر ڈال تو پر دل کو نہ توڑ

خوبرویوں کے تئیں چاہیے خوش کرداری
یعنی خوش خوئی و خوش خلقی و خاطر داری
غم زدوں اپنے کی ہر آن نئی غم خواری
پھر محبوبوں سے لگتی ہے نہایت پیاری
پیار میں سہتے ہیں عشاق بھی ہلکی بھاری
خوبی رکھتی نہیں آزردگی و بیزاری

چھوڑ نرمی کو قدم سختی کی منزل میں نہ رکھ
سو گرہ زلف میں رکھ پر تو گرہ دل میں نہ رکھ

دیکھ کر تو جو ہمیں لیتا ہے ہر دم منہ موڑ
ہم سمجھ جاتے ہیں پیارے تری خاطر کی مروڑ
بے گنہ ہم سے تو اب رشتۂ الفت کو نہ توڑ
تیری خفگی سے ہمیں ہوتے ہیں اندوہ کروڑ
عرض کرتے ہیں ترے سامنے ہم ہاتھ کو جوڑ
یہ چلن خوب نہیں ہے اسے اے جان تو چھوڑ

ہو کے محبوب دل آرام دل آزار نہ ہو
گل کیا ہے تجھے اللہ نے تو خار نہ ہو

ہم تو اے جان دل و جاں سے ہیں اب تجھ پہ نثار
چاہنے والوں سے لازم نہیں خاطر میں غبار
گرچہ عالم میں بڑے حسن کے ہیں گے گلزار
تیرے بن دیکھے نہیں رکھتے ہیں ایک آن قرار
تا محبت دور نہ کیجے دل عاشق بیزار
لیکن اس باغ کی ہے چاہنے والوں سے بہار

گل کی رونق جو ہے بلبل ہی کے منڈلانے سے
شمع کی گرمی بازار ہے پروانے سے

تو جو تیوری کو چڑھاتا ہے ہمیں دیکھ میاں
دیکھ ناخوش تجھے ہم ہوتے ہیں دل میں حیراں
منھ بنا بیٹھنا ہر چند کہ ہے حسن کی شاں
اور عیاں کرتا ہے چہرے پہ یہ خفگی کے نشاں
بھید اس بات کا ہوتا نہیں کچھ ہم پہ عیاں
پر وہ موقع سے اگر ہو تو بجا ہے اے جاں

بے سبب ہو کے خفا رنگ نہ بدلا کیجے
چشمۂ صاف محبت کو نہ گدلا کیجے

اے مرے مہر جبیں چھوڑ یہ خفگی کی چال
ہم سے وہ کون سی تقصیر ہوئی ہے فی الحال
روٹھنے سے ترے ہے ہم کو بہت رنج و ملال
بدر دل دیکھ ترے غصہ کو ہوتا ہے ہلال
جس کے باعث ترا اب آیا ہے خفگی پہ خیال
ہم ترے ذرۂ بیقدر ہیں۔ اے مہر مثال

ڈال مت ہم کو عبث غم کی پریشانی میں
بے خطا چین نہ لا اپنی تو پیشانی میں

ہم سے آزردہ جو ہونا تھا تجھے بے تقصیر
جس سے یک چند ملے رہتے ہیں اے ماہ منیر
اب تو دل کھول کے ملنے میں نہ کر کچھ تاخیر
کیوں کیا تھا ہمیں پھر دام میں زلفوں کے اسیر
عمر بھر کرتے نہیں اس کے تئیں پھر دلگیر
ہے یہی خوب ترے حق میں جو کہتا ہے نظیر

دل کو عشاق کے غنچے کی طرح تنگ نہ کر
صلح کر چاہنے والوں سے میاں جنگ نہ کر

ترجیع بند

(۵۳)

ہم پر اے بے مہر مت اتنی روا بیداد رکھ
لطف سے ویرانۂ دل کو مدام آباد رکھ

ہم نے کیا کیا دے کے دل تیرے رکھا ہے دل کو شاد
منھ دکھا کر تو بھی اب دل کو ہمارے شاد رکھ

جیسے دل دے کر کیا ہم نے کھلے بندوں تجھے
تو بھی قید غم سے ویسا ہی ہمیں آزاد رکھ

قصر دل کا انہدام اچھا نہیں ہوتا میاں
گر بھلا چاہے تو بیدردی کی مت بنیاد رکھ

راستی پیشوں سے کرنی کجروی بہتر نہیں
اور جو کرتا ہے تو پھر یہ بات دل میں یاد رکھ

بے دماغی سے نہ چمکے گی طرحداری تیری
سرد مہری سے نہ ہوگی گرم بازاری تیری

اے گل خنداں لگا مت تو ہمارے دل میں خار
صاف دل ہیں ہم نہ رکھ تو اپنی خاطر میں غبار

ہو کے آزردہ ہمیں مایوس مت کر لطف سے
ہم فقط ہیں اک نگاہ مہر کے امیدوار

جس سبب سے تلخ ہے تو ہم سے اے شیریں سخن
مت نہاں رکھ اس کو دل میں شوق سے کر آشکار

جھوٹ ہووے گا تو آپی دیں گے ہم اسکا جواب
اور جو سچ ہوگا تو ہم آپی سے ہوں گے شرمسار

ہے تو بحر حسن و خوبی تجھ کو یہ لازم نہیں
موج بے تابی سے کرنا ہم کو ہر دم بر کنار

گر تکدر کا سبب غماز بے انصاف ہے
اُس سخن چیں کی خطا ہے یاں تو سینہ صاف ہے

یاد ہے آگے جو غمازوں نے تھا بہتاں کیا
جب بچشم غور دیکھا سچ وہ نکلا تو بتا

ہیں سخن کہنے میں گو اہل ہوس سیماب طبع
لیکن ان کی بات کا ہے سوچنا بھی کیمیا

جس نے پی تیرے گلابی چشم کے پیالے میں مے
اس پہیے نے بھلا پھر اور ساغر کب پیا

لاکھ صورت سے لگا دے کوئی بے معنی سخن
ہم نے دل اے شمع رو تجھ بن کسی کو کب دیا

ہم سے چھٹنے کا نہیں چکر ترے کوچے کا جاں جب تلک پھرتی ہے سر پر آسماں کی آسیا

وہ تو از روے گماں غماز کا بہتان ہے
تو اسے جانے یقیں یہ تو بڑا طوفان ہے

قامت موزوں ہے تیرے باغ خوبی کا نہال کیا قیامت ہے کہ تو ہم کو نہیں کرتا نہال
کبک ہوتی ہے تری رفتار کے آگے خجل ہم سے تو بیرحموں کی کس لیے چلتا ہے چال
کیوں نکالے ہے ہمیں محفل سے اپنی سوچ تو کون سا گل باغ سے دیتا ہے بلبل کو نکال
ہم تو سر پاؤں پہ رکھتے ہیں ترے ہو کر خوشی تو ہمیں کس واسطے کرتا ہے غم سے پائمال
نقص کیا دیکھا ہمارے چاہ میں اے تند خو جس کے باعث سے تری ہم پر یہ خفگی ہے کمال

ہم کھڑے ہیں منتظر اور تو نہیں کرتا نگاہ
اور تو اب کیا کہیں بس واہ واجی واہ واہ

تو جو رشتے کی طرح کھاتا ہے ہم سے پیچ و تاب سوزن غم دل میں لگتی ہے ہمارے بے حساب
ہم کو چشم لطف ہے تجھ سے سو تو اس کی عوض بے مروت، بے گنہ، بے جرم کرتا ہے عتاب
ذرہ گو ناچیز ہے پر مہر اپنے مہر سے دیکھ کتنی دور سے کرتا ہے اس کو نور یاب
بس اسی صورت سے تو بھی مہربانی کر میاں ہم ترے ذرے ہیں اور تو ہے ہمارا آفتاب
لشکر آزردگی سے تیرے اے سرکش صنم کشور خاطر ہمارا مدتوں سے ہے خراب

چیں بہ ابرو تیرا ہونا حق میں اپنے سیف ہے
ایک نگہ کی تو کرے ہم سے بخیلی حیف ہے

کیوں بدلتا ہے ہمیں تو دیکھ کر ہر آن رنگ ہم ہیں تجھ سے صلح میں تو کس لیے کرتا ہے جنگ
دلکشائی حسن کی کیجے مہر سے پھر جور سے غنچہ ساں اے گل نہ کیجے اسکی پھر خاطر کو تنگ
حسن کو مت دیر پا اپنے سمجھ غافل نہ ہو یہ وہ طائر ہے جسے اڑتے نہیں لگتی درنگ
اب جو کرنا ہے وہ کر لے دور خوبی میں میاں پھر نہیں پھرتا کماں سے جس گھڑی نکلا خدنگ

شیشۂ دل کو ہمارے بے سبب ہو کر خفا
تو ڈمت اے بے دغا سنگیں دلی کا ہے کے سنگ

اس قدر بے رحم اور بے درد مت یک لخت ہو
زرم دعضوں سے میاں اپنے نہ اتنا سخت ہو

جو مزا ہے مہر میں نامہربانی میں نہیں
ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا بس اب جلدی سے تو
ہے یقیں تجھ کو بھی یہ دل سے کہ تیری چاہ میں
حسن کا رہنا ہمیشہ عقل میں آتا ہے کب
یہ جو ہم شکوہ ہیں کرتے تجھ سے ہو کر دردمند

لطف سے خوبی دوبالا ہوتی ہے اے نازنیں
دور کر غصے کو اور ہو مہربانی کے قریں
ہم نے اک مدت سے کیا کیا کچھ جفائیں سہی ہیں
گرچہ دولت ہے بڑی لیکن نہیں رہتی کہیں
سب یہ الفت کا سبب ہے ٹھیک جان اسکے تئیں

تیری خفگی سے نظیر اب شاکی ہے دن رات کا
آملا جب تو گلے سے پھر گلا کس بات کا

(۵۲۱)

ترکیب بند

تیرے لب لعل سے گل اندام
گلبرگ ہے غرق شبنم رشک
عارض سے خجل ہے عارض صبح
یہ حسن یہ کام دل تو پا کر ہے
خوبی نے کیا ہے تجھ کو زیبا
اتنی بھی نہ کیجیے جفائیں
دکھ پا کے تری تعدیوں سے

ہے حسرت لعل حسرت انجام
دیکھے سے ترا یہ لطف اندام
کاکل سے خجل ہے کاکل شام
رکھتا ہے عبث ہیں تو ناکام
زیبندہ نہیں ہے تجھ سے یہ کام
جو خوبی میں آ دے جس سے الزام
ہم سخت بجاں ہیں اے دل آرام

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو

دے طول نہ رشتۂ جفا کو

رہتے ہیں تری جفا سے گلرو — آنکھوں میں ہمارے سرخ آنسو
کاہے کو یہ شکل ہو ہماری — گر لطف کی اک نگہ کرے تو
غم دیدہ ہے مو بمو ہمارا — فرق اس میں نہ جان اک سر مو
دل تجھ سے چھڑا نہیں بھی سکتے — کچھ تو نے کیا ہے ایسا جادو
گر دیکھے تو ہنس کے اس طرف کو — سب رنج و الم ابھی ہوں یکسو
ہم چاہتے ہیں اشارہ کہ لطف — تو کھینچے ہے ہم پہ تیغ ابرو
تنگ آئے ہیں اب تو ہم نہایت — اے برق نگاہ آتشیں خو

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

تجھ میں تو نہ تھی جفا کی عادت — نفرت سے تجھے تھی سخت نفرت
کیا ہم سے خطا ہوئی کہ جس سے — کم ہو گئی تیرے دل کی الفت
باندھی ہے کمر ستم پہ تو نے — سب چھوڑ کے مہر اور محبت
رکھ ہم سے وہی نگاہ پہلی — ایسا بھی نہ ہو تو بے مروت
دل ہم سے لیا تھا منتوں سے — اب جاتی رہی کہاں وہ منت
آرام و قرار و طاقت و صبر — سب ہوتے ہیں آج ہم سے رخصت
ہر آن کی رنجشوں سے تیری — پہونچی ہے ہمیں بہت اذیت

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

سمجھے تھے تجھے ہم اپنا دلدار — سو تو نے کیا ہمیں دل افگار
خیر اس کا گلہ تو ہے بہت سا — اب کیجیے کہاں تک اس کو اظہار

جیسا کہ تو ہے جفا سے مجبور — ہیں ویسے ہی ہم وفا سے لاچار
دل تجھ سے ابھی چھڑا لیں ہم تو — پر اہل وفا کا یہ نہیں کار
اقرار کیا ہو ساتھ جس کے — پھر اس سے کبھی نہ کیجیے انکار
جتنا کہ تو ہم پہ مہربان تھا — اتنا ہی ہوا ہے اب تو بیزار
شدت سے ہم آ گئے ہیں عاجز — اے دلبر و دل شکن۔ دل آزار

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

دل تیرے لگا کے خال و خد سے — ہم تجھ پہ فدا ہیں دیکھ کد سے
آتے ہیں تری گلی میں بیباک — ہر روز ہم عشق کی سند سے
الفت میں ترے لگا کے دل کو — فارغ ہیں جہاں کے نیک و بد سے
چاہت سے تری ہمیں کسی کے — مطلب نہ قبول سے نہ رد سے
دیوانہ کو تیرے اے پری رو — کیا کام ہے دانش و خرد سے
ہم تیری ادا کے مبتلا ہیں — کاوش تو نہ کر جفا کی کد سے
آزردگیوں سے تیری ہم پر — گزرا ہے الم زیادہ حد سے

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

ہے حسن میں تجھ کو تاجداری — اور کشور دل میں حکم جاری
ہوتا ہے برنگ بلبل زار — گل دیکھ کے تیری گلعذاری
ٹک دیکھ۔ جفا سے تیری بے مہر — کیا شکل ہوئی ہے اب ہماری
دل تڑپے ہے مثل مرغ بسمل — اور چشم کرے ہے اشکباری
تھا جرم وہ کون سا کہ ہم کو — دی جس کے عوض یہ دل فگاری

گر ہو دے گناہ ہم پہ ثابت — تو ہم سے تو دے گناہ گاری
کچھ ہم میں نہیں ہے تاب و طاقت — اتنی بھی نہ کر ستم شعاری

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

وہ گل ہے تو آج حسن ایجاد — ہے گلشن حسن تجھ سے آباد
قامت کا ترے بیان خوبی — کرتے ہیں چمن میں سرو و شمشاد
ہیں تیری ہوا کے ہم ہوادار — تو ہم کو نہ کر الم سے برباد
ہم دیکھ تجھے ہیں شاد ہوتے — تو ہم کو کرے ہے غم سے ناشاد
یوں زلف میں تیری ہم پھنسے ہیں — ہو دام میں جیسے صید صیاد
ہو دل سے فدا جو اپنے اوپر — اتنی نہیں کرتے اُس پہ بیداد
تیرا ہے نظیر جان و دل سے — سن عرض یہ اس کی اے پریزاد

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

(۵۳۲)

بہار

گرہ بند

شب کو چمن میں، واہ وا کیا ہی بہار تھی مچی! — پھول کھلے تھے پھول پھول، غنچہ کھلے کلی کلی
بیلا، چنبیلی، رائے بیل، موتیا، جوہی، سیوتی — باد صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
حوض پڑے چھلکتے تھے، نہر ہلورے لیتی تھی — شوخ بغل میں غنچہ لب، ہم کے نشوں کی تازگی

نا تمام

عیش و طرب کی لہر میں رات جب آدھی ڈھل گئی　　اس میں کہیں سے، ہے غضب! نکلی جو کر چاندنی

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لُٹ گئی

رات تو کیا ہی عیش کی ٹھہری تھی آ کے انجمن　　تارے کھلے تھے مہ رتن، پھول کھلے چمن چمن
نرگس و نار و یاسمن، سوسن و طرّے نسترن　　کبک و تدرو خندہ زن، بلبل و قمری نعرہ زن
یار بغل میں گلبدن، سُرخ گلے میں پیرہن　　سینہ بسینہ، تن بہ تن، عیش و طرب کے سب برن
اس میں رقیبِ دل شکن، آیا گجر کا کر کے فن　　تھالی کہیں سے لا شتاب مجھ پہ بجا ٹھنن ٹھنن

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

باغ میں شب کو واہ واہ کیا ہی مزوں کے گھوٹ تھے　　طوطے و بگلے مور تھے، فاختوں کے بھی شور تھے
شوخ پر اپنے زور تھے، اُس کے بدن بھی زور تھے　　توڑے کڑے و بتور تھے، چھلے بھی پور پور تھے
یار ہمارا چاند تھا، چاند کے ہم چکور تھے　　دونوں جھکی و ڈور تھے، دونوں تپنگ و ڈور تھے
مے کے نشوں کے شور تھے، کیڑے بھی شور بور تھے　　بولا رقیب دن دیے، دوڑیو یارو، چور تھے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی مزے تھے رات کو، یارو میں تم سے کیا کہوں　　صحن چمن ارم نموں، ڈالیاں جھومیں سرنگوں
شوخ بغل میں ذوفنوں، عیش و طرب فزوں فزوں　　مے کے بہے تھے آ کے خوں، چہرے نشوں میں لالہ گوں
یار کے ناز او رفسوں، اپنے بھی عشق اور جنوں　　جام پکارے منہ لگوں، عیش پکارے دم نہ لوں
اس میں رقیب بدشگوں، کچھ نہ بنا تو وہ زبوں　　پچھلے پہر سے بن کے مرغ بولا ہے آ کے کاڑوں کوں

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

سلہ گھور - فراوانی افراط ۱۲ ؎ پور پور - چاندی یا سونے کے پھول - ایک قسم کا زیور - پاؤں کے چھوٹے چھوٹے گھنگھرو ۱۲ شہبانہ

لوٹے ہیں کیا ہی ہم نے واہ، رات مزے بہار کے
کاکل مشکبار کے، طرّہ تاب دار کے
باہیں گلے میں یار کے، بوس و کنار پیار کے
بھاگا رقیب ہار کے، ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے

انکھڑیوں سرمہ دار کے، لعل مسی نگار کے
مے کے نشوں کے تار کے پھولوں کے شاخسار کے
ہاتھوں میں گجرے تار کے، نیچے گلوں میں ہار کے
کچھ نہ بنا تو دی اذاں کوٹھے پہ جا کے یار کے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

رات ہوئے تھے واہ واہ کیا ہی نشے رسا رسا
شوخ بغل میں چاند سا، دیتا تھا بوسے ہنس ہنسا
جامہ بدن میں چست چسا، پھول ہوا تھا بس بسا
اس میں رقیب کرکسا[1] کرکے سحر کا وسوسا

پیتے تھے مے بسا بسا، پھولوں میں ہم بسا بسا
زلفوں میں اُس کی دل پھنسا، آنکھ اداؤں جی بسا
نیندوں میں یار رسمسائے تھا جمائی کسمسا
لاکے نقارہ یا دہل دھوں دھوں بجایا کس کسا

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی، نظیرؔ، رات کو عیش کے تھے مقابلے!
جی پہ خوشی کے در کھلے، رنج و تعب کے فاصلے
ناز و ادا کے چوچلے، عیش و طرب کے غلغلے
اس میں رقیب نام نہ سے بولا ہی کرکے اُشغلے[2]

مے کے نشے ابل چلے، دل کے فراخ حوصلے
شوخ کے ناز چلبلے، بوسوں کے تھے معاملے
یار لپٹ رہا گلے، دل میں خوشی کے ولولے
"باندھو کمر مسافرو، کوچ کریں ہیں قافلے"

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

[1] کرکسا۔ زبان درازی و سخت کلامی بعض نسخوں میں گرگس سا بھی ہے ۱۲ شہباز

[2] اشغلے کرنے مکر کرنے۔ فریب کرنے ۱۲ شہباز

(۵۴۳)

چاندنی

گرہ بند

صحن چمن میں، واہ واہ، زور کچھی تھی چاندنی!
آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلۂ زری
بوس و کنار، و جام و مے، عیش و طرب، ہنسی خوشی
چاند ہلوریں[۱] لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک زری زری
اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
آگے چُنی تھیں صف بصف مے کی کئی گلابیاں[۲]
سینوں میں اضطرابیاں، آنکھوں میں بے حجابیاں
بچھ رہی تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
ہم کو نشوں کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

چاندنی، واہ چاندنی! کرتی تھی کیا جھلک جھلک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک جھپک
ایسے مزے میں، عیش میں، آہ! کہیں سے یک بیک[۳]

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگمگا
ایک طرف وہ رشکِ مہ میری بغل میں تھا پڑا

[۱] ہلوریں لینا۔ موجیں مارنا ۱۲
[۲] گلابیاں ہے شراب کی پیالیاں
[۳] یک نہ دو بے نشان و گمان ۱۲ شہباز

دونوں دلوں میں لذتیں، دونوجیوں میں عیش تھا
ہونٹھوں سے ہونٹھ لگ رہے، سینے سے سینہ مل رہا
مے کی گلابی ہاتھ میں، آنکھوں میں چھا رہا نشا
اتنے میں آہ! ایک بیک کیا ہی غضب یہ ہوگیا

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

واہ! ہوئی تھیں رات کیا چاندنی کی اُجالیاں
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
ہم بھی نشے میں مست تھے، ساقی کی پی کے پیالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل و گل کی ڈالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ، دیتا تھا میٹھی گالیاں
جل کے فلک نے اس میں، ہائے! آفتیں لا یہ ڈالیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی چمن میں شب کو واہ! ابر سے تھی نور کی جھڑی
غنچہ دہن تھا بےخبر، پی تھی جو مے کڑی کڑی
چشم سے چشم، لب سے لب، چھاتی سے چھاتی جب لڑی
تار نفسوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی پڑی
دیتا تھا بوسے پیار کے، سینے سے مل گھڑی گھڑی
کیا ہی گھڑی تھی عیش کی! اس میں یہ آ بلا پڑی

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت یا ارم؟
چاندنی تھی وہ چاندنی، چاندی کا رنگ جس سے کم
دونوں نشوں میں مست ہو سوئے پلنگ پہ جبکہ ہم
یار تھا یا کہ حور تھا، یا کہ پری وہ یا صنم؟
پیتے تھے مے گھڑی گھڑی، لیتے تھے بوسے دمبدم
عین مزا تھا وصل تھا اس میں نظیرؔ، ہے ستم!

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

(٥٢٤)

شب عیش

گرہ بند

رات لگی تھی واہ واہ، کیا ہی بہار کی جھڑی
شمع و چراغ و گلبدن، بارہ دری تھی باغ کی
مینھ کے مزے، ہوا کے غل، مے کے نشے گھڑی گھڑی

موسم خوش بہار تھا، ابر و ہوا کی دھوم تھی
یار بغل میں غنچہ لب، رات اندھیری جھک رہی
اس میں کہیں سے ہے ستم! ایسی اک آ پون چلی

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

شب کو ہوئیں، اہا ہا! زور مزوں کی مستیاں
سبز دلوں کی بستیاں، جنس خوشی کی سستیاں
دھوم جھوں میں بستیاں، چہلیں پڑیں اُکستیاں

بجلی کی شکلیں ہنستیاں، بوندیں پڑیں برستیاں[ا]
دونوں میں عیش مستیاں، دونوں میں مے پرستیاں
اس میں فلک نے یک بیک، لوٹیں دلوں کی بستیاں

ابر کھلا ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

برسے تھیں کیا ہی جھوم جھوم، رات گھٹائیں کالیاں
بجلیوں کی اُجالیاں، بارہ دری کی جالیاں
چلتی تھیں مے کی پیالیاں، منھ پہ نشوں کی لالیاں

کوئلیں بولیں کالیاں، بہ چلے نالے نالیاں
عیش کی جھومیں ڈالیاں، باہیں گلوں میں ڈالیاں
اس میں فلک نے دوڑ کر سب وہ ہوائیں کھا لیاں[۲]

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

ابر و ہوا کے، واہ واہ! شب کو عجب ہی زور تھے
بھیگ رہا تھا سب چمن، مینھ کے جھڑ اکے زور تھے

[ا] برستیاں — ہنستیاں، کستیاں وغیرہ نظیر کے زمانہ میں شاید بولا جاتا ہو، فی زمانہ غیر فصیح و لغو ہے ۱۲

[۲] کھا لینا — برباد کرنا ۱۲ شہید ا نہ

غوک، پپیہے، مور تھے، جھینگروں کے بھی شور تھے
باغ سے تا باغباں جتنے تھے شور بور تھے
بادہ کشی کے دور تھے، عیش و طرب کے جھور تھے
آ پڑے اس میں ناگہاں یہ جو خوشی کے چور تھے

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

چار طرف سے ابر کی، واہ! اُٹھی تھی کیا گھٹا!
برسے تھا مینھ بھی جھوم جھوم چھاجوں، امنڈ امنڈ پڑا
ہم بھی ہوا کی لہر میں، پیتے تھے مے بڑھا بڑھا
بجلی کی جگمگاہٹیں، رعد رہا تھا گڑگڑا
جھوکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا
دیکھ ہمیں اس عیش میں سینہ فلک کا پھٹ گیا

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

زور مزوں سے رات کو برسے تھا مینھ جھمک جھمک
جام رہے جھلک جھلک، شیشے رہے بھبک بھبک
ہم بھی نشوں میں خوب پھبک، لوٹتے تھے بہک بہک
بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑے جھپک جھپک
یار بغل میں بانمک، عیش و طرب تھے بے دھڑک
کیا ہی سماں تھا عیش تھا! اتنے میں آہ! ایک بیک

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

کیا ہی مزا تھا، واہ واہ! ابر و ہوا کا، یار و گل!
عیش و نشاط بر محل، بارہ دری کا تھا محل
پیتے تھے مے مچل مچل، لیتے تھے بوسے پل بہ پل
برسے تھا مینھ سنبھل سنبھل، آگے رہی تھی شمع جل
شوخ سے بھر رہی بغل، دل میں قرار جی میں کل
اس میں نظیرؔ، یک بیک آکے یہ مچ گئے قلل

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(۵۳۵)

سوزِ فراق

تضمینِ مُعشّر

مجھے اے دوست، تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے
یہ بیتابی، یہ بیخوابی، یہ بے چینی دکھاتا ہے
اگر کچھ منھ سے بولوں تو مزہ الفت کا جاتا ہے
کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے
نہ دل لگتا ہے گھر میں، اور نہ صحرا مجکو بھاتا ہے
وگر چپکا ہوں رہتا تو کلیجہ منھ کو آتا ہے
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسو کٹھن سینہ کا کس بدھ کروں اُپاؤ

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے
کیے پر اپنے پھر آپ ہی کو دکھ پانا بھی ہوتا ہے
جگر کی بیکلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے
تڑپنا، لوٹنا، بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہے
کفِ افسوس کو مل مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہے
اگر دانستمے روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

جو میں ایسا جانتی پریت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی پریت نہ کیجو کوئے

سحر سے شام تک صحرا میں پھرنا دن کو من مارے
لبوں پر آہ، دل میں داغ جوں آتش کے انگارے
جب اُس کی ہی یہ مرضی ہے تو چپ بیٹھے ہیں بیچارے
نگا کر شام سے تا صبح گننا رات کے تارے
جسے دل چاہتا ہے اُس کو کچھ پروا نہیں یارے
مگر اُس کے تصور میں یہی کہتے ہیں اے پیارے
ز حالِ من کہ چونم بے رخت، داری خبر یا نہ؟
دلِ من سوخت، آیا در دلت باشد اثر یا نہ؟

۱؎ کوئی اس نظم کو داہوخت کہتا ہے کوئی ترکیب بند مجھے دونوں میں عذر ہے چونکہ یہ فراق نظم گائی بھی جاتی ہے اور نہایت گہرا اثر سوز و گداز کا رکھتی ہے لہذا اس کو سوزِ فراق سے ملقب کیا گیا

۲؎ سینہ۔ دوستی محبت۔ عشق ۱۲

۳؎ اُپاؤ دوا علاج۔ تدبیر پیدا ایک نعمت جو پائے [illegible] بھی ہے ۱۲ شہباز

آہ دیئی کیسی بھئی ان چاہت کے سنگ
دیپک کے بھاویں نہیں، جل جل مرے پتنگ

کبھی ہو کر گریباں چاک صحرا کو نکلتا ہوں
لگی ہے آگ دل میں شمع ساں جل کر پگھلتا ہوں
بدن میں دیکھ کر شعلہ بھڑکتے، ہاتھ ملتا ہوں
زتابِ آتشِ دوری کہ میسوزد دل و جاں را

کبھی گھبرا کے پھر گھر کی طرف ناچار چلتا ہوں
دھواں اُٹھتا ہے آہوں کا، برنگِ موم گلتا ہوں
بھبھوکے تن سے اُٹھتے ہیں، ستی کی طرح جلتا ہوں
نمودہ نبضِ من پُر آبلہ دستِ طبیباں را

برہ آگ تن میں لگی جرن لگے سب گات
ناری چھوُات بید کے پڑے پھپھولے بات

لہ پھپھولا

غضب ہے، ایک تو سمجھے نہ دل، وہ جی بھی گھبراوے
نہ ہو دل کیونکہ ٹکڑے، اور نہ جاں کس طور اُکتاوے؟
لگے جو آگ دل میں، پھر وہ بجھنے کس طرح پاوے؟
چو در دل آتشِ دوری فتد اورا کہ بنشاند

تس اوپر ہر گھڑی اُس دلربا کی شکل یاد آوے
در و دیوار سے کیونکر نہ کوئی سر کو ٹکراوے؟
مگر جس نے لگائی ہو، وہی آکر بجھا جاوے
مگر آنکس کہ آتش زدہ ہموں آبے برافشاند

ہردے اندر دَوں لگی، دھواں نہ پرگھٹ ہوئے
جا تن لاگے سو لکھے، یا جن لائی ہوئے

کہاں تک کھائیے غم؟ اب تو غم کھایا نہیں جاتا
قدم رکھتا ہوں جس جا، واں سے سرکایا نہیں جاتا
پڑا ہوں دشت میں رستہ کہیں پایا نہیں جاتا
مکانِ یار دور از من، نہ پر دارم نہ پا، اے دل

دلِ بیتاب کو باتوں سے بہلایا نہیں جاتا
یہ پتھر ہاتھ سے تل بھر بھی اُکسایا نہیں جاتا
جو چاہوں بھاگ جاؤں، بھاگ بھی جایا نہیں جاتا
عجب در مشکل اُفتادم، چساں طے سازم ایں منزل

نا میرے پنکھ نہ پاؤں بل، میں اپنکھ، پیا دور
اُڑ نہ سکوں، گر گر پڑوں، رہوں بسور بسور

اُدھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ "تو چل یار کے ڈیرے"
ادھر تن مجھ کو کہتا ہے کہ "تو مت مجھ کو دکھ دے رے"

لہ ہردا دل دَون آگ۔ پرگھٹ ظاہر۔ بجھنا دریافت کرنا، شہباز

جو کہنا دل کا کرتا ہوں تو وہ رہتا ہے گھر میرے
نہ دل مانے، نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے
دلم دلدار می جوید، تنم آرام می خواہد

وگر تن کی سنوں تو اور دکھ پڑتے ہیں بہتیرے
کروں کیا میں نظیر ایسی جو مشکل آن کر گھیرے؟
عجائب کشمکش دارم کہ جانم مفت می کاید

دل چاہے دلدار کو، اور تن چاہے آرام
دبدا میں دونو گئے نہ مایا ملی نہ رام

(۵۳۶)

طلسم وصال
تضمین معشر

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل
ادا بھی چلبلی اور آن میں بھی کچھ عجب چھلبل
کبھی نظریں لڑا دے اور کبھی مکھڑے پہ آنچل
نگارے، گلعذارے، نو بہارے، نازنینے

کہ جس کی دیکھ کر سج دھج مرا دل ہو گیا بے کل
فسوں گر انکھڑیاں ظالم کی اور جس پہ لگا کاجل
پڑا دُر کان میں جھلکے، گلے میں سج رہی ہیکل
دل آرامے، پری شکلے، بتے، شوخے، دل آرامے

دیہ سمن تیں اوجڑی، مکھ میں چند لجائے
بھویں دھنکیں تان کیں، پلکیں بان چلائے

مجھے اس شوخ چنچل نے جب اپنا حسن دکھلایا
گرا میں ہو کے بیخود یوں، پری کا جیسے ہو سایا
بہت سا اس گھڑی میں نے تو اپنے دل کو سمجھایا
کشیدم نالہ از شوق، پیراہن قبا کردم

دکھا کر اک نظر چلتا ہوا اور مجھ کو تڑپایا
پھر اس میں ہوش جب آیا تو دل سینے میں گھبرایا
نہ مانا دل نے ہرگز، ڈھونڈھنا ہی اس کا ٹھہرایا
برائے جستن او صبر و تسکیں را رہا کردم

بھینٹ کبھی جاتیں کہی نینن انسواں لائے

ہے کوئی ایسا مہنت جو پیتم مندر بتائے

کہوں کیا اُس گھڑی یارو، عجب احوال تھا میرا
طلب کی کثرتیں اور جستجو کا شوق بہتیرا
کبھی تھی اس طرف جھانکی کبھی تھا اُس طرف پھیرا
از و می گفتم "احوالم مپرس اے یار غمخوارم

ہر اک سے پوچھتا تھا ہر گھڑی اُس شوخ کا ڈیرا
ادھر آہوں کی سوزش اور اُدھر اشکوں نے آگھیرا
جو کوئی پوچھتا تھا "کیوں میاں کیا حال ہے تیرا؟"
خرابم دلفگارم، بے قرارم، نوگرفتارم

الگن[1] پھندے اُرپری اور من پھنس و ینوروئے
درگن[2] جادو ڈار کے سُدھ بُدھ دینی کھوئے

ابھی یاں اک پری رو کر گیا ہے مجھ کو دیوانہ
پلایا اُس کی آنکھوں نے مجھے اُس مے کا پیمانہ
ملوں اک دم تو میں اپنا سناؤں اُس کو افسانہ
اگر دانی، چناں کن لطف تا بینم مکانش را

مرا دل ہو گیا اُس شمع رو کو دیکھ پروانہ
نگہ نے کر دیا اُس کی مجھے اک پل میں مستانہ
مکاں اُس کا تجھے معلوم ہے اے یار، کچھ یا نہ
نہم سر بر درش، در شوق بوسم آستانش را

نیہ گرے کا ہار ہے، ہوں توڑے بلہار
مارے ہے موہے پرہ دُکھ سے چل واکے دُوار

یہ سن کر تھا وہ کہتا "میں تجھے اُس کا پتا دیتا
ابھی لے جا کے تجھکو اُس کی ڈیوڑھی پر بٹھا دیتا
ادب سے جا کے اُس کے حلقۂ در کو ہلا دیتا
ولیکن آں بتِ سرکش نو عاشق عار میدارد

نہیں میں ساتھ جا کر تجکو اُس کا گھر بتا دیتا
جو واں کے بیٹھنے کے طور ہیں وہ سب جتا دیتا
نکلتا جب تو خوبی سے تجھے اس سے ملا دیتا
رسیدن تا درش آساں نباشد کار میدارد"

پلک کٹاری مار کے، ہر دے رکت بہائے
کہ کی آہ سامرت[3] جو واکے دوارے جائے"

یہ باتیں کہہ کے تھا میرے بہت وہ دل کو بہلاتا
مگر مجھ کو بغیر از دیکھنے کے کچھ نہ تھا بھاتا

جو اُلفت میں جتاتے ہیں وہی تھا مجھ کو تبلاتا
کبھی تھا آہ کرتا اور کبھی تھا اشک بھر لاتا

[1] الگن زلف گیسو ۱۲ [2] درگ آنکھ نگاہ ۱۲
[3] سامرت دیا ساقہ قابلیت طاقت ۱۲

کبھی دیوانہ بن کر سوے صحرا اٹھا نکل جاتا　　دلِ شیدا کو اپنے تھا کبھی اس طرح سمجھاتا
بہ بینم آخرش اور راز من تا کے نہاں باشد　　اسیرانِ محبت را کجا پرواے جاں باشد

نیہ نگر کی ریت ہے تن من دیہو کھوے
بیت ڈگر جب پگ رکھا ہونی ہو سو ہوے

وہ تھا یہ بات سنتا جب مرا منھ دیکھ رہتا تھا　　جو چلتا تھا تو وہ اپنی طرف کو ہاتھ گہتا تھا
مرا دل آتش فرقت میں اُس دلبر کی دہتا تھا　　نہ تھا کچھ بن جو آتا اُس سے، درد و رنج سہتا تھا
گریباں تک بڑا اشک اُس گھڑی آنکھوں سے بہتا تھا　　وہ کہتا تھا "ارے پھر جا" تو میں یوں اُس سے کہتا تھا
کشم آہ و فغانم گریۂ دشام و سحر گردم　　نہ بینم تا رخش، از جستجو ہرگز نہ برگردم

بیتم سنے من موہ کے کینوں مان گمان
بن دیکھے وار دیپ سے میری کرو ہٹ پران"

چلا داں سے میں اُس غمخوار کی باتوں سے گھبرا کر　　یہی تھی آرزو دل میں کوئی بتلاے اُس کا گھر
پریشاں حال پھرتا تھا، کبھی ادھر کبھی ادھر　　بتایا جب مکاں اُس کا تو بیٹھا ایک رستے پر
یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ آ پہونچا وہیں دل بر　　اُٹھا میں اور کہا یوں رکھ کے سر کو اُسکے قدموں پر
مرا مجروح کردی در نگہ ہم رُخ بپوشیدی　　چہ تقصیرم کہ دل بُردی و حالِ من نہ پُرسیدی

من مورا بس کر لیو، کاہے کینی اوٹ
ایسی موتیں، من ہرن، کہا بن آئی کھوٹ"

کہی یہ بات جب اُس شوخ سے میں نے بہ چشم نم　　تو پہلے ناز میں وہ نازنیں مجھ سے ہوا برہم
لگا مجھ کو جھڑکنے اُس گھڑی تیوری چڑھا باہم　　پھر اُس میں رحم جو آیا تو ہنس کر دیں کہا اُس دم
تجھے زخمی جو کر آئے تھے اب تیغ نگہ سے ہم　　لگا دیں گے ترے ہر زخم پر اب لطف کا مرہم
نظیر ایں حرف چوں گفت آں نگارِ دلستانِ من　　غم از دل رفت و آمد شاد مانیہا بجانِ من

من میرو یا بات رس پنٹ بھیو پرسند

(۵۳۷)

بحر طویل

پہلا مصرع

ایک دن باغ میں جاکر، چشم حیرت زدہ واکر، جامۂ صبر قبا کر، طائر ہوش اُڑا کر،
شوق کو راہ نما کر، مرغ نظارہ اُڑا کر، دیکھی رنگت جو چمن کی، خوبی نسرین و سمن کی،
شکل غنچوں کے دہن کی، تازگی لالہ کے تن کی، تازگی گل کے بدن کی، کشت سبزے کی
ہری تھی، نہر بھی لہر بھری تھی، ہر خیاباں میں تری تھی، ڈالی ہر گل کی ہری تھی، خوش نسیم
سحری تھی، سرو و شمشاد و صنوبر، سنبل و سوسن و عرعر، نخل میوے سے رہے بھر، نفس باد
معنبر، در و دیوار معطر، کہیں قمری تھی مطوق، کہیں انگور معلق، نالے بلبل کے مدقق،
کہیں عوغائی کی بق بق، اس قدر شاد ہوا دل، مثل غنچے کے گیا کھل، غم ہوا کشتہ و بسمل،
شادی خاطر سے گئی مل، خرمی ہو گئی حاصل، روح بالیدہ ہو آئی، شان قدرت دی دکھائی،
جان سی جان میں آئی، باغ کیا تھا گو یا اللہ نے اُس باغ میں جنّت کو اُتارا،

دیری

دوسرا مصرع

ناگہاں صحن چمن میں، مجمع سرو و سمن میں، جیسے ہو روح بدن میں، جیسے ہو شمع لگن میں،
جیسے خورشید کرن میں، ماہ پروین و پرن میں، دیکھا اک دل بر رعنا، و طرح دار جفا کار، دل آزار،
نمودار، نگہ ہمسر شمشیر، مژہ ترکش پہ تیر، سر زلف گرہ گیر، دل خلق کی زنجیر، جبیں نور کی
تصویر، وہ رخ شمس کی تنویر، زباں شہد بیاں شیر، نظر روح کی اکسیر، دہن غنچۂ خاموش،

سمن برگ بردوش، سخن بحر گہر جوش، بدن سروِ قباپوش، پھڑی گل کی ہم آغوش، دفا رحم فراموش، ہراک آن ستم کوش، عجب حسن دل آرا، نہ کبھی مہر نے دیکھا، نہ کبھی ماہ نے دیکھا، نہ کسی فہم میں آیا، نہ تصور میں سمایا، وہ نظر مجھ کو جو آیا، مجھے حسن اپنا دکھایا، دل نے اک جوش اٹھایا، جی نے سب ہوش اڑایا، سر کو پاؤں پہ جھکایا، اشک آنکھوں سے بہایا، اُس نے جب یوں مجھے پایا، یہ سخن ہنس کے سنایا، کہ "تو ہے عاشق شیدا، لیکن عاشق نہیں پیدا، ہوئے تجھ پر یہ ہویدا، کہ اگر ہم کو تو چاہے یا محبت کو نباہے، نہ کبھی غم سے کراہے، نہ کسی غیر کو چاہے، نہ کبھی گل کی طرف دیکھ، نہ سنبل کی طرف دیکھ، نہ بلبل کی طرف دیکھ، نہ بستاں پہ نظر کر، نہ گلستاں میں گزر کر، چھوڑ دے سب کی مودّت، ہم سے رکھ دل کی محبت، اس میں ہم بھی تجھے چاہیں، تجھ سے الفت کو نباہیں، ہیں یہی چاہ کی راہیں، گر یہ مقدور تجھے ہو، اور یہ منظور تجھے ہو، تو نظیرؔ آج سے تو چاہنے والا ہے ہمارا۔"

(۵۳۸)

پہلا مصرع

راحت افزائے محباں، مصدر لطف نمایاں، مظہر خوبی شایاں، مجمع مہر نمایاں، رونق محفلِ الفت، زینت بزم مودّت، باعث راحت و بہجت، سبب فرحت و عشرت، شاد باشی وسلامت، شوق دیدار نہ چنداں، کہ بہ کلک آید بیاں، لاجرم بہتر و انسب، کہ پذیرورہ مطلب، نامۂ عیش فزایت، بہ تفقد و عنایت، لطف اصدار نمودہ، فرحت تازہ فزودہ، حُسن الفاظ نگارد کہ مضامین و معانی، بعبارت نظر آرد کہ باندازِ عیانی ایں تلطف کہ نمودی، باایں ہمہ نزودی، منتے بر دلم آمد، خامہ گر تیز خرامد، نتواند کہ نگارد، وصف آں مہر نگارا۔

دوسرا مصرع

آں کہ از فرطِ عطوفت، بصد افزونی شفقت، طلب پے روالفت، شدہ با کثرتِ سُرعت
از پے فرخندہ بشارت، خہے زیبندہ اشارت طرب و فرحت آں را، کہ بدل ساختہ مارا،
اگر اظہار نماید، بزبان عجز فزاید، وگر از خامہ نگارد، بنوشتن نگراید، عزم ایں مخلص دیرین، ہمہ
لے دل بہ رنگیں، کہ بتاخیر نسازد، و توقف نظر ازد، پے تحصیل تمنا، برسد زود در آنجا،
از عنایات الٰہی، ہست امید کہ جلدی، بیند از فرحت و خوبی، رُخ خورشید ضیا را +

(۵۳۹)

پہلا مصرع

صبح دم با دل خرم، توسن عزم جہاندم، سر کوے بہ رساندم، دیدم القصہ ہماں دم، دلبر
طرفہ ترے، حُسن ورے، فتنہ گرے، لب شکرے، پرفن عیار، دل آرام دل آزار، جفا
کیش طرحدار، پری شکل فسوں کار، بہ تن جامۂ رخشاں، ہمچو خورشید درخشاں، تازہ تر چوں
گل خنداں، سرمہ در چشم نمایاں، زینتِ لب مسی دیاں، بہ تبسم شکر افشاں، نگہ سحر دل و جاں،
ہمہ مکر و ہمہ دستاں، زلف بر چہرہ کشادہ، بہر جاں دام نہادہ، مثلِ صیاد ستادہ، بردہ دل باز
نداہ، بنمایش ہمہ سادہ، و لے پُرکار زیادہ، صنمے، مہر وشے، غنچہ لبے، گل بدنے، سرو قدے،
ناز کنے، عشوہ دہے، شوخ دل آرا +

دوسرا مصرع

دلم از عقل برآمد، حیرتے در نظر آمد، عشق خود جلوہ گر آمد، آمد و خوب تر آمد، شدہ حالے عجبے،
گہ طربے، گہ تپشے، گہ قلقے، گہ نظرے، گہ حذرے، ہیچ نہ در یاد، بدل شوق در ازدیاد بجاں

شورش بیداد، چہ گویم کہ چہ افتاد، شدم محو تماشاہ دید چوں آں بت زیبا کہ شد ایں والہ و شیدا،
زود آور دلبہا، خندۂ قند و نمک زا، کرد صد ناز ہویدا، گفت "اے ہوش نہ برجا، تو چرا آمدی
ایں جا، سر خود گیر بزودی، باش آں طور کہ بودی" گفتمش "دل تو ربودی، عاشق خویش
نمودی، بر من شیفتہ، والہ دیوانہ، دل دادہ، دل بستہ، افتادہ، خود لطف ضرور است
نگارا، +

قصائد، قطعات و رباعیات نظیر

قطعات

(۵۴۰)

کہا یہ دل نے مجھے ایک دن کہ باغ کو دیکھ
زرا تو چل کے گلستاں کو شب چراغ کو دیکھ

جونہی گیا میں چمن میں تو دل ہوا خرم
گلوں کے حسن کو اور ناز او رد ماغ کو دیکھ

کہ اس میں آیا نظر مجھ کو اک گل لالہ
ہیں شاد اس کے ہوا عیش با فراغ کو دیکھ

یکایک اس نے کہا تو نگہ نہ کر مجھ پر
نہ میرے بادۂ شبنم سے پر ایاغ کو دیکھ

نہ میری دیکھ تو سبزی نہ رنگ سرخ نظیر
ہے دردمند اگر تو تو میرے داغ کو دیکھ

(۵۴۱)

ایک دن رو کر لگا کہنے دل شیدا مجھے
تو نے عیش زندگانی کچھ نہ دکھلایا مجھے

میں کہا، بازار دنیا میں ہے سب کچھ دیکھ لے
جو تجھے درکار ہے اس کی تو کر ایما مجھے

گر یہ دولت چاہیے تجھ کو تو ہے یہ بے وفا
بے وفا سے پھر توقع کیا تجھے اور کیا مجھے

وصف اس بازار دنیا کا کہوں میں تجھ سے کیا
ایک نکتہ اس گھڑی ہے خوب یاد آیا مجھے

ایک مزارستان میں اے دل اک مزار کہنہ تھی
واں ہدایت نے شگاف ایک اس میں دکھلایا مجھے

مختصر تھی اک چمن بندی اور اس میں ایک شخص
مسند زریں پہ بیٹھا واں نظر آیا مجھے

ناگہاں باصد تاسف ہائے دنیا کہہ اُٹھا
اس کے کہنے سے تعجب ہو گیا اس جا مجھے

میں کہا ان خوبیوں میں چاہیے افسوس کیا
سن کے بولا اس کا اب افسوس ہے آتا مجھے

میں نے واں کی تھی عبادت اور ریاضت چند روز
لطف حق نے اس کے بدلے یاں یہ کچھ بخشا مجھے

اور جو میں بھر عمر رہتا واں عبادت میں تو پھر
کیا کہوں اس کی عوض ملتا یہاں کیا کیا مجھے

سن کے اس نکتے کو مجھ سے یوں کہا دل نے نظیر
سچ کہا تو نے نہایت یہ پسند آیا مجھے

(۵۴۲)

ایک دن دل خود بخود اک بار قہ قہ کر ہنسا
میں نے اس کا دیکھ کر وہ خندۂ دنداں نما

یوں کہا تجھ کو ملا کیا گنج دولت کا کوئی
یا پڑا پایا کوئی تو نے جواہر بے بہا

یا کہیں سے منصب و جاگیر کی پہونچی نوید
یا تجھے خط اماں کلک اجل نے لکھ دیا

تو ہے غرق معصیت تجھ کو تو ہو کر منفعل
چاہیے عذر گنہ کرنا بصد درد و بکا

ایک دن تیری طرح سے میں بھی باعیش و نشاط
مثل گل خنداں و خرم اک گلستاں میں گیا

دیکھ کر ہنستا مجھے اک گل یہ بولا او میاں
اس قدر اس باغ میں ہنستا نہیں تجھ کو روا

میں نے اس کو یوں کہا آخر اسی گلزار میں
تو بھلا کس واسطے ہنستا ہے ایسا کھلکھلا

سن کے اس نے قطرۂ شبنم کے آنسو چشم سے
کر کے جاری اور بصد افسوس یوں مجھ سے کہا

میرے اور ہنسنے میں تیرے ہے نہایت اختلاف
تو ہنسا غفلت سے اور میں عمر پر اپنی ہنسا

کل جو تھے یاں گل کھلے آج انکی ایک اک پنکھڑی
سامنے میرے اُڑا کر لے گئی باد صبا

اب کوئی دم میں یہی ہوگی مری صورت نظیر
پس ترا ہنسنا بجا ہے یا مرا ہنسنا بجا

(۵۴۳)

کہا دل نے مجھے اک دن کہ یاں دولت غنیمت ہے
نشاط و کامرانی فرحت و عشرت غنیمت ہے

یہ سن کر میں نے اس سے یوں کہا کہتا ہے کیا اے دل
یہ دنیا کی ہوس ہے تو اسے کہہ مت غنیمت ہے

حباب آسا تری ہے زندگی اس بحر دنیا میں
اگر تو غور سے دیکھے تو یہ مہلت غنیمت ہے

پس اس مہلت میں تجھ سے جو عبادت اور ریاضت ہو
تو وہ نعمت تجھے اے دل بہر صورت غنیمت ہے

نظیر اب تجھ سے کہتا ہے یہ اے دل اتنی فرصت میں
جو کچھ حسن عمل کر لے تو یہ فرصت غنیمت ہے

(۵۴۴)

کہا یہ دل نے مجھے دیکھ کر شب مہتاب
کہ میں ہوں اس شب مہتاب میں بہت بیتاب

جو آج کچھ بھی مرے پاس سیم و زر ہوتا
تو کیا ہی عیش کے کرتا میں اس گھڑی اسباب

بلا کے مطرب و رقاص چند بادلہ پوش
بچھا کے فرش مکلف سفید آئینہ تاب

جو چیزیں بزم طرب کی ہیں سب مہیا کر
خوشی سے بیٹھتا محفل میں جوں گل شاداب

ادھر سرور دکھاتے بہار رقص و سرود
ادھر سے عیش بڑھاتے صدائے چنگ و رباب

برستے عیش و نشاط اس طرح سے کر کے ہجوم
کہ جیسے برسے ہے جھڑ باندھ باندھ جوش سحاب

سحر تلک غرض اس بزم عشرت آگیں سے
ہزار فرحت و عشرت میں کرتا استیعاب

یہ سن کے میں نے کہا دل کو ایسی محفل تو
پچاس ساٹھ روپے میں بھی ہو سکے ہے شتاب

کچھ ایسی بات نہیں یہ تو ہے ابھی موجود
پر ایک بات میں پوچھوں جو اس کا دے تو جواب

ہوئے ہیں وہ جو جم و کیقباد و کیکاؤس
کب ان کی دولت و حشمت کا ہو سکے ہے حساب

انھوں نے کھو کے کروڑوں روپے یہ دیکھی سیر
پھر آخرش نہ وہ حشمت رہی نہ وہ اسباب

صراحی رہ گئی حسرت سے خون دل پی کر
پیالہ رہ گیا حیرت سے کر کے چشم پر آب

تو بس اسی میں تو عبرت پذیر ہو اے دل
کہ عیش و عشرت دنیا خیال ہے یا خواب

توجس کو زیست سمجھتا ہے وہ ہے شعلۂ خس
تو جس کو عیش ہے گنتا سو وہ ہے نقش برآب

توآب جس کو سمجھتا ہے عطش غفلت سے
وہ موج آب نہیں ہے فقط ہے موج سراب

نہیں وہ چاندنی ہو جس کے بعد تاریکی
نہیں وہ عیش کہ ہو جس کے بعد رنج و عذاب

وہ ہے کہ پہلے ہو جس میں سرور پیچھے شرور
سوائے آب سرا صلا نہ کہیئے اس کو شراب

تو جس کے واسطے کرتا ہے اس قدر افسوس
مرے قیاس میں ہے وہ خلاف رائے صواب

مگر خطا نہیں تیری میں خوب سمجھا ہوں
فریب دیوے ہے تجھ کو یہ نفس خانہ خراب

تجھے تو نفس کے برعکس چاہیئے کرنا
کہ جس میں زور نہ پاوے یہ مفتری کذاب

ضیاء نور عبادت سے اپنا خانۂ دل
کر ایسا جیسا کہ ہے آفتاب عالمتاب

فروغ طاعت و تقویٰ کر اس قدر پیدا
کہ جس سے تیری شب گور ہو تجلی یاب

بھروسا عمر کا مت کر نہیں وفا اس میں
جو کچھ نکوئی ہے کرنی تو وقت را دریاب

نظیر کی تو یہی بات یاد رکھ اے دل
کہ یہ جہاں تو ہے دریا اور اس میں تو ہے حباب

رباعیات نظیر

(۵۴۵)

مکھڑے کو جو اُس کے ہم نے جا کر دیکھا
نکھ تو نہیں پہ چھپ چھپا کر دیکھا
وہ حسن نظر پڑا کہ جس کا ہم نے
جب رات ہوئی تو مہ کو جا کر دیکھا

(۵۴۶)
دیگر

محبوب نے پیرہن میں جب عطر ملائے
اور پان چبا کے اپنے گھر سے وہ چلا
ہم نے یہ کہا نہ جاؤ باہر اے جاں
ہے شام قریب ہنس دیا کہہ کے بھلا

(۵۴۷)
دیگر

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا
مکھڑے میں عجب حسن کا نقشا دیکھا
ایک آن دکھائی ہمیں ہنس کر ایسی
جس آن میں کیا کہیں کہ کیا کیا دیکھا

(۵۴۸)
دیگر

دل دیکھ اُسے جس گھڑی بے تاب ہوا
اور چاہ ذقن سے مثل گرداب ہوا
کی عرض کہ بے قرار دل ہے، تو کہا
اب دل نہ کہو اسے جو سیماب ہوا

(۵۴۹)

دیگر

ہم دل سے جو چاہتے ہیں اے جان تمھیں
تم پاس بٹھاؤ تو ذرا بیٹھیں ہم آ کے

بے کل ہوں اگر نہ دیکھیں ایک آن تمھیں
مشکل ہے ہمیں تو اور ہے آسان تمھیں

(۵۵۰)

دیگر

اس زلف نے ہم سے لے کے دل بستہ کیا
آنکھوں نے نگہ نے اور مژہ نے کیا کیا

ابرو نے کجی کے ڈھب کو پیوستہ کیا
کیفی کیا، دیوانہ کیا، خستہ کیا

(۵۵۱)

دیگر

پان اس کے لبوں پہ اس قدر ہے زیبا
ہر فندق انگشت سے اس دست کو گر

جو رنگ پہ جس کے سرخی لعل فدا
گلدستۂ باغ حسن کہیے تو بجا

(۵۵۲)

دیگر

کیا حال اب اس سے اپنے دل کا کہیے
مشکل ہے مہینوں میں نہ جاوے جو کہا

منظور نہیں یہ بھی کہ بے جا کہیے
پھر ملیے جو ایک دم تو کیا کیا کہیے

(۵۵۳)

دیگر

پس اس کے گئے سپر جو ہم کر سینہ
جب ہم نے کہا دیکھنے آئے ہیں تمھیں

دل کرنے کو اس کی چاہ کا گنجینہ
سن کر یہ لگا وہ دیکھنے آئینہ

(۵۵۴)

دیگر

آئینہ جو ہاتھ اس کے سنے تا دیر لیا
اس دیر سے خجلت نے ہمیں گھیر لیا
جب ہم نے کہا کیا یہی عاشق ہے میاں
یہ سنتے ہی آئینے سے منھ پھیر لیا

(۵۵۵)

دیگر

رکھتے ہیں جو ہم چاہ تمھاری دل میں
آرام کی ہے امیدواری دل میں
تم حکم قرار کو نہ دوگے جب تک
البتہ رہے گی بے قراری دل میں

(۵۵۶)

دیگر

رکھتی ہے جو خوش چاہ تمھاری ہم کو
اور کرتی ہے شاد باری باری ہمکو
کچھ دیر جو کی تھی ہم نے دل دیتے وقت
اب تک ہے اسی کی شرمساری ہم کو

(۵۵۷)

دیگر

کوچے میں تمھارے ہم جو ٹک آتے ہیں
اور دل کو ذرا بیٹھ کے بہلاتے ہیں
ہو تم جو دل آرام تو ہم دیکھ تمھیں
اک دم رخ آرام کو تک جاتے ہیں

(۵۵۸)

دیگر

ہم دیکھ کے تم سے رخ آرام میاں
خوش رہتے ہیں دل میں سحر و شام میاں
دیوانے تمھارے جب ادا کے ٹھہرے
پھر حسن پری سے ہمیں کیا کام میاں

(۵۵۹)
دیگر

یاد آتی ہیں جب ہمیں وہ پہلی چاہیں
تھے شور جو قہقہہ کے سو اُن کے بدلے
افسوس کرے ہے دل میں کیا کیا راہیں
اب شور مچا رہی ہیں جی میں آہیں

(۵۶۰)
دیگر

ہوں کیوں نہ بتوں کی ہم کو دل سے چاہیں
دل لینے کو سینے سے لپٹ کر گیا کیا
ہیں ناز و ادا میں ان کی کیا کیا راہیں
ڈالے ہیں گلے میں پتلی پتلی باہیں

(۵۶۱)
دیگر

ہم اس کی جفا سے جی میں ہو کر دلگیر
دل ہاتھ سے جاتا ہے بغیر اس سے ملے
رک بیٹھے تو ہیں دے کریں کیا تقریر
اب جو نہ پڑیں پاؤں تو پھر کیا تدبیر

(۵۶۲)
دیگر

ساقی سے جو ہم نے مے کا اک جام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے
پیتے ہی نشے کا یہ سرانجام لیا
یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

(۵۶۳)
دیگر

اے دل جو یہ آنکھ آج لڑائی اس نے
اپنی بے باکی اور حیا کی خوبی
اور پل میں لڑا کے پھر جھکائی اس نے
تھی ہم کو دکھانی سو دکھائی اس نے

(۵۶۴)

دیگر

ہے چاہ نے اس کی جب سے کی جا دل میں
کیا کیا کہیئے جو ہے نہیتا دل میں
جاتی ہے جدھر نگاہ اللہ اللہ
آتا ہے نظر عجب تماشا دل میں

(۵۶۵)

دیگر

گر یار سے ہر روز ملاقات نہیں
اور ہو بھی گئی تو پھر مدارات نہیں
دل دے چکے اب قدر ہو یا بیقدری
جو کچھ ہو سو ہو بس کی تو کچھ بات نہیں

(۵۶۶)

دیگر

ناصح نہ سنا سخن یہ مجھے جس تس کے
جو تو نے کہا یہ آوے جی میں کس کے
کیونکر نہ ملوں بھلا جی میں اس سے آہ
دل رہ نہ سکے بغیر دیکھے جس کے

(۵۶۷)

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے باآب و تاب
اہلِ صورت کا ہے دریا، اہلِ معنی کا سراب

وہ مطلّا قصر رنگیں وہ منقش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصرِ ارم کو پیچ و تاب

وہ عظیم الشاں مکاں، دیتی تھیں جن کی رفعتیں
ہنس کے طاقِ آسماں کو طاقِ ابرو سے جواب

صحن میں بستاں سرا ایسی پُر از غلمان و حور
جن کی انہاروں میں جائے آب گل خالص گلاب

اُن میں تھے وہ صاحبِ ثروت جنھیں کہتی تھی خلق
کیقباد، قیصر و کیخسرو، و افراسیاب

مہر وش بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش
مشتری ہمت، ثریا بارگہ، کیواں جناب

وہ تجمل، وہ تموّل، وہ تفوق، وہ غرور
وہ تحشّم، وہ تنعم، وہ تعیش، وہ شباب

ہر طرف فوجِ بتاں، ہر سو ہجومِ گُل رخاں
جن کے عارض رنجِ ماہ و رشکِ روئے آفتاب

چشمک و آں و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت غمزہ و ناز و عتاب

صبح سے لے شام تک و رشام سے تا بہ صبح
متصل رقص و سرود و پے بہ پے جام و شراب

ساقی، و مطرب، ندیم، و مستی، و مے خوارگی
ساغر و مینا گُل و عطر، و مے و نقل و کباب

کثرتِ اہلِ نشاط و جوشِ نوشا نوش سے
از زمیں تا آسماں شورِ نے و چنگ و رباب

وہ بہاریں، وہ فضائیں، وہ ہوائیں، وہ سرور
وہ طرب، وہ عیش، کچھ جس کا نہیں حد و حساب

یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا، یا دفعتہً
کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب

وہ تو سب جاتے رہے دم میں حباب آسا، مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصرِ ویران و خراب

تھا جہاں وہ مجمعِ عالی وہاں اب ہے تو کیا؟
نقشِ ستم گور یا کنہ کوئی پرِ عقاب

ہیں اگر دو خشت باہم، تو لب افسوس ہیں — اور جو کوئی طاق ہے، تو صورت چشم پُر آب

خواب کہیئے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں، واللہ اعلم بالصواب

(۵۶۸)

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں — دور فلک سے کیا خبر پہونچے گا لب تک یا نہیں
پر کاسۂ فیروزہ گوں، ہے شیشہ بار پر فنوں — جتنے حیل ہیں و فسوں سب اس کے ہیں زیر نگیں
ہو اعتماد اس کا کسے، ہے شیشہ بازی یاد اسے — رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پُر اندوہ گیں
کل دامنِ صحرا میں ہم گزرے جو وقتِ صبح دم — اک کاسۂ سر پُر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بفریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں — تھے ہم بھی سر بر آسماں، گو اب تو ہیں زیر زمیں
گل برگ سے نازک بدن، سر پاؤں سے رشک چمن — زرین و سیمیں پیرہن، دل کش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں، مہ طلعتوں سے صحبتیں — عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں، مطرب قریں
باغ و چمن پیشِ نظر، بزم طرب شام و سحر — ہر سو بکثرت جلوۂ حسن بتانِ نازنیں
اک آسماں کے دور سے، اک گردش فی الفور سے — اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں، در لمحہ ایں،
سنتے ہی جی بھر آگیا، رخسار پر اشک آگیا — دل عبرتوں سے چھا گیا، خاطر ہوئی بس غمگیں

اس میں سر اپنا ناگہاں، ہر مو ہوا مثل زباں
بولا "نظیر آگہ ہو ہاں، من نیز روزے ہمچنیں"

(۵۶۹)

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے — خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
گر رکھا تھا اپنا قبضہ غیر کی املاک پر — چھن گئی جس وقت تب سمجھے کہ ہم نادان تھے
غیر کی چیزیں چرا لی ہم بڑی سمجھے تھے عقل — غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے
ناگہاں اک استخواں پر جا پڑا اپنا قدم — کیا کہیں غفلت میں اس دم ہم کو کیا کیا دھیان تھے

پاؤں پڑتے ہی مرے اُس استخواں نے آہ کی
اور کہا غافل کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے

دست وپا، زانو، سر و گردن، شکم، پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے

ساعد و بینی جبیں نقش و نگار و خط و خال
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے

رات کے سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا طاق اور ایوان تھے

الگ رہے تھے قہقہے اور ہو رہے تھے چہچہے
ساغر و ساقی صراحی عطر پھول اور پان تھے

لگ رہا تھا دل کہیں چنچل پریزادوں کے ساتھ
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے

گلبدن اور گل عذاروں سے کنار و بوس سے
کچھ نکالی تھی ہوس اور کچھ ابھی ارمان تھے

ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر
نے تو وہ ہم ہی رہے نے عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

ختم شد دیوان نظیر

مثنویات نظیر

(۱)

مثنوی سیر دریا

تمہید

یک زماں از بحرِ عشرت زلے دہر ۔۔۔ آگئی دریاے خاطر میں یہ لہر

یعنے ٹک دریا کی جانب جائیے ۔۔۔ دو گھڑی واں دل کو خوش کر آئیے

آپڑا جب یہ ارادہ دھیان میں ۔۔۔ جا پڑا دل شوق کے عمان میں

جی طلب کا سر بسر گھر ہوگیا ۔۔۔ اُلجۂ خواہش سمندر ہوگیا

ہر طرف سے دل کے ہو کر دو بدو ۔۔۔ جوش میں آیا محیط آرزو

آگئی کثرت میں فوج اشتیاق کی ۔۔۔ سر سے گزری دل کے موجِ اشتیاق

کھینچ کر لنگر ہوس نے ناگہاں ۔۔۔ زورقِ خاطر پہ باندھا بادباں

تند تر ہو کر تمنا کی ہوا کے ۔۔۔ لے چلی کشتی طبیعت کی بہا

صفت کشتی

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہر آن ہو ۔۔۔ شوق جس کشتی کا کشتی بان ہو

کیوں نہ وہ کشتی تپش لیتی چلے | جس کو خواہش اور طلب کھینچی چلے
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو مثلِ باد | جس کی ہووے آرزو بادِ مُراد
کیوں نہ وہ کشتی روانی میں ہو طاق | جس کے چپّو ہوں بدستِ اشتیاق
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو تیر ساں | جس کے قبضے میں ہوس کی ہو کماں
کیوں نہ وہ کشتی ہو پرّاں آب پر | دے تمنّا جس کو ہر دم بال و پر
الغرض غالب ہوئی جب دل کی چاہ | سیل کے مانند لی دریا کی راہ

صفتِ دریا

جب نظر آیا کنارا بحر کا | اُس کے پہلو سے لگا اک دشت تھا
جی نے یہ چاہا کہ پہلے یک قلم | وصف اُس صحرا کا کریجے رقم
پر جو اوّل بحر کا تھا ماجرا | پہلے اُس میں ہی سخن تیرا مرا
بھا گئیں اُس کی جو طرحیں خاصیاں | کئیں اُسی کے آب میں غوّاصیاں
کیا کہوں، دریا تھا وہ یا عینِ نور | جس کی اک اک موج تھی بحرِ سرور
یوں وہ آبِ صاف سے پُر نور تھا | جس سے گدلا چشمۂ کافور تھا
تھا وہ کچھ حسنِ صفا پایا ہوا | جیسے آئینہ جلا پایا ہوا
تابشِ الماس کو آتے تھے بیم | قطرہ قطرہ اُس کا تھا دُرِّ یتیم
دن میں کرتا تھا وہ آبِ سیم مات | رات میں تھا چشمۂ آبِ حیات
تھی وہ کچھ تہ کی تجلّی گستری | جیسے آئینے میں ہو عکسِ پری

صفتِ شیرینیِ آب

تھی عذوبت اُس کی یہ شکّر فشاں | شہد جس کے وصف میں عذب البیاں

قند ہی چپکا نہ تھا کچھ ہو سکے بات — منھ سے مصری کے بھی نکلے تھی نہ بات
شربت اُس پانی کے آگے روتا تھا — دودھ بھی پانی سے پتلا ہوتا تھا
اُس کی شیرینی کی گر سنتی صفیر — بھولتی شیریں کو اپنی جوئے شیر

صفت خنکی و شیرینی آب

سردی اور شیرینی اُس میں یوں بھلی — جیسے ہو وہ برفِ شیریں کی ڈلی
اولے اُس کو دیکھ کر غش کھاتے تھے — ہونٹ شکر کے بھی چپکے جاتے تھے

صفت موج

موج رکھتی ہے نزاکت سے وہ نہر — جوں کنارے کی بناوٹ میں ہو لہر
دیکھ کر اُس کی وہ چینِ دل نشیں — چپ ہی رہ جاتی وہاں چینِ جبیں
حد تو یہ اُس موج چین آباد سے — بھولی تھی جعد مسلسل یاد سے
نیمۂ شبنم کی چن کر آستیں — گر کوئی اُس موج کے لاتا قریں
تاب کیا جو پاس آنا جانتی — دور ہی سے دیکھ کر چیں مانتی
جب نسیم صبح واں آجاتی تھی — دل میں کیا کیا اپنے لہریں کھاتی تھی
کیا کروں اُس کے تواتر کا بیاں — اس طرح ہوتی تھی پے در پے عیاں
جیسے طبع عیش تزا سے زود زود — کرتی ہیں ہر دم نئی لہریں نمود

صفت حباب

ہر حباب اُس کا نزاکت جوش تھا — موج کی تھالی کا وہ سرپوش تھا
یا کہ تھی دریا نے پہنی، کر کے چاہ — سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ

یا ہوا سے قصد کرکے خواب کا
درج سیمیں ہوش اُس پر کھوتا تھا
کس نے دیکھا اُس سوا بہتا ہوا
کس نے غیر از اُسکے دیکھیں بھالیاں
تھی ہوا اُس میں وہ کچھ خوبی بھری
تھا تنک اتنا کہ وار اور پار سے
کیا کہوں اُس کی صفائی اور چمک
موتیوں پر غم کے اولے پڑتے تھے
اب کہوں خوبی میں اُس کی تا کجا
تھا وہ بے چوبہ بنایا آب کا
گنبدِ گردوں تصدق ہوتا تھا
آب پر اُلٹا کٹورا سیم کا
آپ پر چینی کی اُلٹی پیالیاں
جس طرح ہوتی ہے شیشے میں پری
خوف رکھتا تھا نگہ کے پار سے
کاسۂ بلور جاتا تھا دمک
دل میں شیشے کے پھپولے پڑتے تھے
بندھ رہی تھی دور میں اُس کی ہوا

صفت گرداب

گردشِ گرداب تھی اس طور کی
سیر کو فکرت کے وہیں دور آ گیا
دیکھتا گر اُس کی گردش کا کمال
کف پڑا پھرتا تھا وہ ایسا شگرف
چرخ جب کہتا کہ اُس پر ہوں نثار
اُس کی گردش میں وہ چکر خاص تھا
بحر دیکھ اُس کی پھرت کی پھیریاں
جب نظر جاتی تھی اُس میں گھرتی تھی
اب پڑوں کب تک میں اُسکے آب میں
اور بھی مضموں کوئی لاتا میں گھیر
میں نے جب خوبی پہ اُس کی غور کی
ہوش کا بھی مغز چکر کھا گیا
چاک ہوتا سینۂ چرخِ کلال
چاک کے ہمراہ جوں پھرتا ہے ظرف
تھی زبانِ موج کہتی "دور یار"
جس سے حیراں دامنِ رقاص تھا
ناچتا تھا لے کے چکر پھیریاں
کیا کہوں، پانی میں پھرکی پھرتی تھی
کشتیِ دل جا پڑی گرداب میں
گر نہ آ جاتی طبیعت کو گھیر

خوبیوں کو اُن کی تکتا تھا مہر
شب کو عکسِ ماہ، دن کو عکسِ مہر

صفتِ ماہی

ماہیاں تھیں اُس میں وہ ندرت بھری
جن کے اک اک پر کو تکتی تھی پری

تھیں وہ اُن سے حسن کی ہمراہیاں
مشت میں جن کی حنا کی ماہیاں

آوے کب لطف اُن کا آگاہی تلک
جن کا غل تھا ماہ سے ماہی تلک

یوں دل دریا سے ہوتی تھیں عیاں
جیسے نقطہ نون کے ہو درمیان

ماہیِ چرخ اُن کو پا کر اچھیاں
دور سے لیتی تھی اُن کی مچھیاں

تھا تڑپنے کی کجی میں وہ جمال
دن کو گر ہوتا تو غش کرتا ہلال

ایسی کچھ اُن کی وہ کجیاں تھیں نفیس
دیکھتا تھا جن کو نونِ خوشنویس

اُن کی کجیوں پر نظر جب لاتی تھی
برق کیا کیا دہری ہو ہو جاتی تھی

آب بھی اُن کی کجی کے روبرو
دل بروں کے ابرووں کی آب رو

وہ کجی جب سر سے پا تک آتی تھی
نون کی گردن کی ہے بن جاتی تھی

دیدۂ شوق اُن کو بھی یوں تک رہے
جیسے ماہی کی دو چشمی ہو وے ہے

صفتِ صدف و ریگ

ہر صدف بلور سے شفاف تھی
ریگ بھی آب گہر سے صاف تھی

صفتِ ساحل

ساحل اُس کے وہ صفا سے ہم کنار
جس کی خوبی کا نہ تھا کچھ وار پار

صفتِ ذرۂ ریگ

ریت کے ذرے جو واں ہموار تھے
وہ بھی یکسر گوہرِ شہوار تھے

(حاشیہ: ماہی ایک ایک — نسخے — شور جن کا — نسخے — ہیں — نسخے — نسخہ — نہیں — ریگ — ہیں)

کیا کہوں ذروں کی اس کے آب و تاب ۔۔۔ تک رہا ہے جن کی صورت آفتاب
ایک طرف ہیں قازو بگلوں کے پرے ۔۔۔ ایک طرف سارس کلنگ اور قرقرے

خاتمہ

اس طرح کا بحر جب دیکھا رواں ۔۔۔ دل نے بھر لیں راحتوں کی کشتیاں
طبع میں عشرت بپا ہی آگئی ۔۔۔ غم کی کشتی پر تباہی آگئی

یاں سے اب لیتا ہوں میں صحرا کی راہ ۔۔۔ ہیں عجب کچھ واں بہاریں واہ واہ
وادیٔ خاطر چمن سے ملتا ہے ۔۔۔ غنچۂ دل دیکھتے ہی کھلتا ہے
گلشن اس کے حسن کا دل بستہ ہے ۔۔۔ باغ اس صحرا کا اک گلدستہ ہے
گل سے ہر گل اب رگڑتا دوش ہے ۔۔۔ بلبلوں کا بھی نہایت جوش ہے
اس طرح کی جا بجا ہے سبزہ کاہ ۔۔۔ جس سے ہوتی ہے ہری کشت نگاہ
ہے نزاکت اس کی سبزی میں یہ واں ۔۔۔ اطلس سبز اس قدر نازک کہاں
مخمل اس سبزی کے اوپر سوتی ہے ۔۔۔ پرنیاں ہر دم تصدق ہوتی ہے
لہلہاہٹ اس کی ہے یہ خوشنما ۔۔۔ جس طرح چلتا ہے پانی لہر کھا
برگ برگ اس کا زمرد کا نگیں ۔۔۔ قطرۂ شبنم بھی جوں در ثمیں
موج مے ہے اس کی ہر موج ہوا ۔۔۔ اک نشہ سا دل کو آتا ہے چڑھا
خواب مغز سر میں ڈالے ہے کمند ۔۔۔ خود بخود آنکھیں ہوئی جاتی ہیں بند
اونگھ پر اونگھ اس مزے کی آتی ہے ۔۔۔ آنکھ گہہ کھلتی ہے گہہ مند جاتی ہے
نکہت جیب ہوا ہے یاں تلک ۔۔۔ ہے معطر جسم جس سے جاں تلک
ہر شجر اُس کا دُم طاؤس ہے ۔۔۔ بوٹا بوٹا طبع کا مانوس ہے

دیکھ شکل اس دشت نزہت بہر کی — اُٹھ گئی دل سے محبت شہر کی
تازگی دیکھ اس نضارت یار کی — اُٹھ گئی اُلفت در و دیوار کی
دل نے یوں چاہا کہ اب رہیئے یہیں — خلق میں کہلائیے صحرا نشیں
اب جو یہ صحرا ملا ہے بے تلاش — کیجیے یاں مثل مجنوں بود باش
چھوڑیئے دانش کی خوش اسلوبیاں — دیکھیے دیوانہ پن کی خوبیاں
بے محابا شادمانی کیجیے — بے تکلف زندگانی کیجیے
دیکھیے وارستگی کی شادیاں — کیجیے دل کھول کر آزادیاں

عمر بھر اُٹھیے نہ یاں سے اے نظیرؔ
دیکھیے ہر دم یہ دشت دل پذیر

مثنوی دوم

عجب دلکشا عالم حسن ہے
عجب جانفزا عالم حسن ہے

صفت حسن کی کس زباں سے کہوں
کہوں کیا اگر اس زباں سے کہوں

دکھائے ہے کس کس طرح کی بہار
فدا ہوں میں اس حسن صنعت کے یار

زباں ہیں اگر حسن گفتار ہو
تو شمہ بھی اس کا نہ اظہار ہو

ادا حسن کی وہ ہے اور آن بھی
کہ جس پر فدا ہے دل اور جان بھی

تبسم شکر، خوش اشارات ہے
تکلم بھی ایسا کہ کیا بات ہے

سراپا عیاں زینت افزائیاں
حیا، شوخیاں، جلوہ آرائیاں

جہاں صاحب حسن تشریف لائیں
تو واں لوگ پھولے نہ تن میں سمائیں

اگر روٹھ بیٹھیں تو منت کریں
خوشامد کریں دل سے خدمت کریں

جدھر یہ دکھا دیں جفاکاریاں
ادھر سب کریں نازبرداریاں

جنھیں نازنیں ہنس کے دشنام دیں
وہ اس کا مزا دل ہی دل بیچ لیں

جو ایک ان کی جھڑکی سے ممتاز ہوں
تو کیا کیا وہ دل میں سرافراز ہوں

یہ ہو کر خفا ان سے لڑنے لگیں
وہ ان کو منا پاؤں پڑنے لگیں

یہ کوچے سے اپنے اٹھا دیں جنھیں
وہ قسمیں دلا کر بٹھا دیں انھیں

یہ تیوری کو جن پر چڑھائے رہیں
وہ چاہیں انھیں اور جفائیں سہیں

سہی قد سمن بر گل اندام ہیں
صنم ہیں پری ہیں دل آرام ہیں

عناں دل کی دے کر نظیر ان کے ہاتھ
غنیمت ہے الفت جو ہو ان کے ساتھ

کوئی نازنیں تھا بہت خوش جمال ۔ پری شکل اور صاحب ملک و مال
وہ رنگیں ادا نو گل باغ حسن ۔ کہ جس پہ فدا سو گل باغ حسن
کہاں حسن کی اس کے تقریر ہو ۔ پری دیکھ کر جس کو تصویر ہو
عجب اس کی سج دھج عجب آن بان ۔ عجب اس کی شوکت عجب اس کی شان
رہی سر پہ رفعت کی وہ سج کلاہ ۔ کہ جس کو تکیں چاہ سے کج کلاہ
قبا تن میں حشمت کی وہ دل فریب ۔ کہ رہ رہ کے دیکھیں جسے جامہ زیب
چمک حسن پر مہر اور ماہ کی ۔ ترقی بہت دولت و جاہ کی
جدھر کو نکلتا وہ ہو کر سوار ۔ ادھر لوگ اس گل پہ ہوتے نثار
نگہ کی کوئی پی کے مے جھومتا ۔ کوئی اسپ کے نقش پا چومتا
کوئی دام کاکل میں ہوتا اسیر ۔ کوئی دل میں کھاتا نگاہوں کے تیر
اٹھاتا کوئی تیغ ابرو کے وار ۔ کوئی نوک مژگاں سے ہوتا فگار
غرض ملک خوبی میں تھا وہ جواں ۔ شہ دلبراں خسرو دلبراں

مکاں اس کے کیا کیا چمکتے ہوئے ۔ بلند اور وسیع اور جھلکتے ہوئے
کئی زر فشاں اور کئی سنگ کے ۔ بچھے فرش ان میں کئی رنگ کے
جو خورشید کی پڑتی ان پر جھلک ۔ تو جاتی جھلک ان کی کوسوں تلک
خواصیں کنیزیں بھی سب دلربا ۔ بہت خوبرو اور بہت خوش ادا
وہ ناز ان کنیزوں کے کرتے تھے کام ۔ کہ سن کر کئی دل تھے ان کے غلام
لباسوں میں سب سیم تن سی پھریں ۔ جواہر کے گہنے پہ منت دھریں
بنئے چوچلے، ناز، اٹکھیلیاں ۔ انوکھی اداؤں میں البیلیاں
وہ باغ اس کے سب سرو سنبل بھرے ۔ گل و بلبل ان میں تھے بالکل بھرے

جو کچھ وصف کی باغبانی کرے
تو نوک قلم گلفشانی کرے

کہے وصف گر اک خیاباں کا
تو کاغذ ہو تختہ گلستاں کا

محل اس سے ہوتا شبستان حسن
چمن اس سے ہوتا گلستان حسن

ندیم اس کے خاطر کے مرغوب تھے
جو یہ خوب تھا وہ بھی سب خوب تھے

گیا ایک دن کھیلنے وہ شکار
عجب واں تماشا ہوا آشکار

یہ پہونچے جو نخچیر گہ میں شتاب
سب اسباب ہر صید کا بے حساب

نہ چھوٹے تھے چیتے ابھی اور نہ باز
نہ جرّے نہ شکرے سوے کبک و قاز

یکایک نئی اک شمیم آگئی
برنگ نسیم آکے لہرا گئی

وہ نکہت کی جب واں ہوئی واردات
تو اس میں ہوئی یہ تعجب کی بات

کہ آئی نہ وہ یار و اغیار کو
مگر ان کو اور ان کے رہوار کو

جونہی مغز میں ان کے وہ بو گئی
تو حالت کچھ ان کی عجب ہو گئی

نہ اپنی خبر اور نہ توسن کی سدھ
نہ کچھ ہوش جاں کا نہ کچھ تن کی سدھ

وہ توسن بھی ویسا ہی کچھ ہو گیا
چلا بو کی جانب برنگ ہوا

نہ ہانکا انھوں نے نہ مہمیز کی
دیے اس نے رفتار واں تیز کی

انھوں نے تو اس کی نہ دی باگ اٹھا
وہ یکبارگی خود بخود بھاگ اُٹھا

لگا تازیانہ جو تقدیر کا
تو دیکھ اس کو ہوش اڑ گیا تیر کا

سواروں نے گھوڑے اُٹھائے بہت
کڑے تازیانے لگائے بہت

گیا برق ساں سرخ و زرد کو
پر اس کی نہ پہونچا کوئی گرد کو

وہ آگے یہ پیچھے تگ و تاز میں
وہ انجام میں اور یہ آغاز میں

انھیں متصل ایڑ پر ایڑ تھی
اسے اور ہی ایڑ کی چھیڑ تھی

گرہ ایک ہوا کی نمایاں ہوئی ۔ جو نزدیک پہونچی تو پیچاں ہوئی
سمیت اسپ اس کو اُڑا لے گئی ۔ یہ دیکھو ہوا کو ہوا لے گئی
جو دیکھا رفیقوں نے یہ اس کا حال ۔ تو ہو جی میں دلگیر اور پر ملال
پھر آئے سوے شہر آنسو بہا ۔ یہ احوال اس کے پدر سے کہا
پدر یہ خبر سن کے غمگین ہوا ۔ دل اس کا بہت حیرت آگیں ہوا
فلک بازی اس ڈھب کی جب جا کرے ۔ تو واں شخص مجبور پھر کیا کرے
یہ حال اس کا جب نے سُنا رو دیا ۔ تعجب میں آ ہوش کو کھو دیا
جو ہوتا تھا واں درد و غم سو ہوا ۔ اب آگے سنو ماجرا جو ہوا
گئی اس کو لے کر ہوا جس گھڑی ۔ تو کیا کیا چلی واں سے ہو کر کڑی
پھر آخر اسے لا کے ایک آن میں ۔ اُتارا عجب اک بیابان میں
ہوا جس گھڑی واں کی ان کو لگی ۔ ہوئی دل کی اور ہوش کی تازگی
یہ اُترے جو اس دشت میں آن کر ۔ تو دیکھا ادھر اور اُدھر دھیان کر
بڑا دشت آیا نظر ایک ہرا ۔ بہت فرحت افزا بہت دل کشا
جو آئیں نظر واں کی ہریالیاں ۔ تو کیا کیا ہوئیں دل کو خوش حالیاں
ہوا از رم نرم ایسی تفریح بار ۔ چمن میں چلے جوں نسیم بہار
کروں کیا ہوا کی میں خوبی رقم ۔ لکھوں تو ہری ہو سراپا قلم
اگر رنج کی دل میں بنیاد ہو ۔ تو سب اس ہوا سے وہ برباد ہو
کرے جب طبیعت سے ہمراہیاں ۔ تو کیا کیا جتا دے ہوا خواہیاں
خوش آئی وہاں کی انھیں جو ہوا ۔ ہوئی آگے چلنے کی دل کو ہوا

رسیدن جوان بر کنارہ چشمہ

بڑھے جب یہ آگے کو ہو شادماں ۔ تو دیکھا کہ اس دشت کے درمیاں

بہت خوشنما ایک تالاب ہے — صفا پرور اس کا بہت آب ہے
تموج ہے کیا کیا ادا کر رہا — کناروں تلک آب ہے بھر رہا
بنا ہے بہت طرفہ معمول میں — بڑے عرض میں اور بہت طول میں
جو فکر اس کے بحر صفت میں ترے — تو جوں موج مضمون بہتا پھرے
قلم بھی لکھے کچھ جو آ لہر میں — تو پیرے وہ انگشت کی نہر میں
رقم ہو تو کاغذ کے اوپر شتاب — پھریں دوڑتے حرف مثل حباب
یہ کچھ موج کی سلسلہ بندیاں — کہ سنبل کی شاخیں ہوں شرمندیاں
شنا ماہیوں کا اس اداب میں — کہ جوں عکس پہ کا پھرے آب میں
اُگے سبزۂ سبز بخت اس کے گرد — کھڑے لہلہاتے درخت اس کے گرد
طیور اُن کی ہر شاخ پر ناز میں — بھریں خوبیاں ان کی آوازہ میں
کناروں پہ سرووں کی پر آبیاں — پھریں بیچ میں ترتی مرغابیاں
بڑے قاز سرخاب بگلے بہت — وے یاں کے بگلوں سے اگلے بہت
کہیں پانی پیوے کلنگوں کی صف — بطیں بھی پھریں پیرتی ہر طرف
کہیں اس کے ساحل پہ مشکیں غزال — بیس ڈال کر منھ وہ آب زلال
اسے بھی یہ دیکھ عیش گستر ہوے — پیا پانی اور شادماں تر ہوے
سمجھ میں تو ان کی بیابان تھا — و لیکن وہ دشت پرستان تھا

ماندن جوان بوقت شب در آں بیابان

جو دیکھا وہ صحرا انیا یک بیک — تو خوش ہو یہ دیکھا کیے دیر تک
تماشا کبھی اس فضا کا کیا — کبھی وصف آب و ہوا کا کیا
ہوے دشت میں واں کے مشغول یہ — چمن اپنے گھر کے گئے بھول یہ

دل ان کا جو تھا عشق میں گن رہا — تو اس میں کوئی دو گھڑی دن رہا
یہ سوچے کہ یاں سے اٹھا چاہیے — کہیں شب کو چل کر رہا چاہیے
کچھ اک میوے اس جا کیے نوش جاں — ہوئے پانی پی کر وہاں سے رواں
ہنسی اور خوشی جب یہ آگے بڑھے — تو واں کوہ تھا اک یہ اس پر چڑھے
پہ چڑھے کوہ پر واں جو یہ پرشکوہ — تو دیکھا مکاں ایک بالائے کوہ
نئی طرز میں اس کی دیکھی بنا — نہایت مصفا بہت دل کشا
انھوں نے نظر کر سب آرام پر — رکھا پاؤں اپنا سر بام پر
پہ چڑھے بام پر جب یہ ہر دل پسند — تو بیٹھے اسی کو یہ کر دل پسند
ہوا اپنی راحت جتانے لگی — بلندی بہاریں دکھانے لگی
چھپا سورج اور وقت دونوں ملے — جو اس وقت کھلتے تھے گل سب کھلے
بسیرے کے طائر لگے بولنے — ہر ایک طرز بسرام کو کھولنے
جو آواز اُن کی بہت واں ہوئی — تو کیا کیا عیاں راحت جاں ہوئی
وہ صحرا کی سبزی وہ ہنگام شام — ہوئے مل کے ایسے وہ حسن انتظام
کہ جوں سانولا دلربا شنگ ہو — چھٹی منہ پہ زلف اسکے شب رنگ ہو
ہوا وصل ان کا وہ اس آن میں — کہ سنبل ہو آغوش ریحان میں
جو دونوں میں واں آشنائی ہوئی — تو پھر زور میں مشک سائی ہوئی
لگیں لپٹیں آنے ادھر اور اُدھر — مکاں سب گیا مشک و عنبر سے بھر
معنبر وہ صحرا وہ بن ہوگیا — غرض رشک دشت ختن ہوگیا
معطر ہوا جب اُنھوں کا مشام — تو ہنس کر کہا واہ رے یاں کی شام
یہ پھرتے تھے یوں بام پر شادماں — پھرے جوں فلک پر مہ آسماں
کوئی دو گھڑی بعد پھر واں شتاب — نمایاں افق سے ہوا آفتاب

وہ تھا کوہ اس جا جو آئینہ رنگ
تو کیا کیا چمکنے لگے اس کے سنگ

درختوں کے پتے سہانے لگے
ہر ایک شاخ پر جگمگانے لگے

ضیائیں ادھر چاندنی رات میں
نمائش ادھر جوں طلسمات میں

وہ طائر جو ہیں بولتے رات میں
وہ مشغول سب اپنے نغمات میں

چمکنا جو تھا بھا گیا چاند کا
چکوریں بھی ناچے تھیں چاہت جتا

وہ سب دشت واں مہ کے دستور سے
جھلکنے لگا ہر طرف نور سے

غرض واں بہار اس قدر ہو گئی
کہ ان کو خوشی میں سحر ہو گئی

سحر کا بھی نور اس خوشی کا ہوا
کہ جس کو قمر دیکھ پھیکا ہوا

صباحت وہ اس کی ہوئی سو بسو
کہ حیرت میں ہوں جس سے آئینہ رو

چلی اس قدر راحت افزا نسیم
کہ دل سے ہوئے دور سب خوف و بیم

سحر سے بھی یہ خوش بہت ہو گئے
جو خورشید نکلا تو پھر سو گئے

کئی دن اسی طور سے واں رہے
بہت خرم و شاد و خنداں رہے

چلے واں سے آگے بہ مقدور تک
گئے سیر کرتے بہت دور تک

اسی طور کی خوبیاں دیکھیاں
طبیعت کی مرغوبیاں دیکھیاں

کہیں دن کہیں رات کو جا رہے
جہاں دل نے چاہا اسی جا رہے

یہ جتنا کہ آگے چلے جاتے تھے
عجائب بھی ان کو نظر آتے تھے

دکھاتے تھے جلوے نگہ کے حضور
نئے کچھ وحوش اور نئے کچھ طیور

کئی دن میں چل کر یہ پہنچے کہاں
نیا باغ تھا ایک پری کا جہاں

جو آئے یہ اس باغ میں پر سرور
تو پایا عجب رنگ و بو کا وفور

گل و نسترن سے بھری کیاریاں
نسیم اور صبا کی ہوا داریاں

زمین چمن سے وہ سبزہ اگا
کہ سلک زمرد ہو جس پر فدا

اگر سرو و شمشاد کی دل پسند — صدا قمریوں کی بھی کیا کیا بلند
رہیں بلبلیں ہر طرف چہچہا — رواں نہر اور جوش فوارہ ہا
ہنسیں کبکیں اور زیب لائی پھریں — تدریں بھی چالیں دکھاتی پھریں
گل و لالہ و سوسن و ارغوان — رہے اپنی اپنی دکھا خوبیاں
ادھر کو رخ نار و ن لعل گوں — ادھر چشم نرگس بھی رکھتی فسوں
ادھر عبہر اپنی سے کیے کج کلاہ — ادھر زلف سنبل بھی دام نگاہ
ادھر حوض نادر اُدھر آبشار — جدھر دیکھیے ہر طرح کی بہار
جو دیکھا انھوں نے وہ باغ ایک بار — طبیعت ہوئی اُن کی باغ و بہار
مکاں ایک تھا باغ کے درمیاں — بہت زرنگار اور جواہر فشاں
معطع نہ اونچ اور نہ کچھ نیچ میں — عجب اونچ اور نیچ کے بیچ میں
جگہ ٹھہرنے کی اسے ٹھان کر — گئے بیٹھ جلدی یہ واں آن کر
کبھی عارض گل پہ ان کی نگاہ — کبھی زلف سنبل پہ ان کی نگاہ
بہت ہو کے خوش وقت واں بار بار — یہ تھے دیکھتے اس چمن کی بہار

وہ تھا باغ جس کا وہ اک آن میں — ہوئی وارد اپنے گلستان میں
عجب مہر پیکر عجب خوش لباس — خواصیں بھی اس کے بہت آس پاس
نگہ اس کی جادو و ادا فتنہ زا — جو چاہے تو لے دل پری سے اڑا
جب اس نے یہ دیکھا نیا گلبدن — تو ہو مثل بلبل وہ گل پیرہن
لگی کہنے دل میں تعجب میں آ — کہ یہ اس چمن میں نیا گل کھلا
یہ گل اس گلستاں میں بیٹھا ہے جو — کبھی یاں تو آئی نہ تھی اس کو بو
عجب ہی یہ گل گلشن ناز ہے — عجب دلربا شوخ طناز ہے

ذرا اس سے چل کر ملا چاہیے
یہ کہہ اپنے دل میں وہ سرو رواں
ہوئی ان کے آگر وہ یوں عنقریب
منگا جلد دو کرسیاں زر نگار
بہت خیریت پوچھ کر یوں کہا
لگی دیکھنے چاہ سے بھر نظر
جب ان کی نگہ واں نہ اس سے لڑی
غرور اس کو ہے اور ہی شان کا ہٗ
مجھے یہ جو خاطر میں لایا نہ یاں
بڑی دیر تک پوچھتی وہ رہی
بہت پوچھنا حال کا جب کیا
ہنسا جب وہ شمشاد باغ جمال
ضیافت بڑے لطف سے اُس نے کی
کھلایا نہایت خوشی سے انھیں
جو پھر رسم ہے عطر اور پان کی
ہوا ناچ اور راگ بھی خوب سا
جو واں ناچ اور راگ دیکھا سنا
وہ گہنے نئے اور وہ نادر لباس
بہت نیند جب ان کو آنے لگی
پری نے مکاں ان کو بتلا دیا
انھوں نے کیا جا کے آرام واں

کچھ احوال اس کا سنا چاہیے
جہاں تھے یہ بیٹھے چلی آئی واں
کہ جوں گل کے نزدیک ہو عندلیب
بٹھایا انھیں اور وہ بیٹھی نگار
نہایت کرم تم نے ہم پر کیا
انھوں نے نہ دیکھا اُٹھا کر نظر
وہ سمجھی کہ اس کی نگہ ہے بڑی
یہ انسان ہے اور ہی آن کا
اسی میں گھلی جاتی ہے میری جاں
ولے کچھ انھوں نے نہ اپنی کہی
یہ جب بھی نہ بولے مگر ہنس دیا
پری ہو گئی بس اسی میں نہال
ہر ایک چیز پاکیزہ آگے رکھی
کیا شاد ربط دلی سے انھیں
وہ لائی بجا اپنے مہماں کی
مزے پر مزا ان کے دل کو ملا
نہ دیکھا کبھی تھا نہ ویسا سُنا
کہ حسرت میں ہو دیکھ جس کو قیاس
پلک پر پلک کو جھکانے لگی
بہت فرش پاکیزہ بچھوا دیا
نگہباں رہیں کتنی آرام جاں

پری باغ سے اپنے گھر کو گئی
وہ جاگی تھی جاتے ہی بس سو رہی

ہوئی جب سحر پھر وہ آئی پری
لگی کرنے دلداری و دلبری

جو کل ان سے تھا لطف و احساں کیا
تو آج اس کی نسبت دوچنداں کیا

کوئی دو مہینے تلک روز و شب
رہے باغ میں یہ بہ عیش و طرب

پری تھی دل و جاں سے اُن پر نثار
لگے کہنے اس سے یہ ہو بیقرار

اگر تم کہو تو میں صحرا میں جا
شکار افگنی کا بھی لوں کچھ مزا

کہا اس نے بہتر ہے اے مہرباں
کرو تم شکار افگنی جا کے واں

شتاب ایک فرس اس نے منگوا دیا
بڑے ساز سے اس کو سجوا دیا

کہا پھر بہت دور مت جائیو
اسی کوہ و صحرا میں ہو آئیو

پھرو گے اُدھر تم تو کرتے شکار
رہوں گی ادھر میں بہت بیقرار

نہ آؤ گے پھر جب تلک تم ادھر
رہے گا لگا دھیان میرا اُدھر

بہت چاہت اپنی جتاتی تھی وہ
پہ خاطر میں ان کے نہ آتی تھی وہ

وہ الفت میں ان کے گرفتار تھی
انھیں اس سے نفرت تھی اور عار تھی

اُنھیں حسن پر تھا جو اپنے غرور
اسے کچھ نہ گنتے تھے اپنے حضور

ہوئے جب یہ اس بادپا پر سوار
چلے شاد ہوتے سوئے کوہسار

جو کیں واں انھوں نے عناں تازیاں
تو وہ اسپ کرنے لگا بازیاں

ابھی تھا زمیں پر ابھی کوہ پر
ابھی پل میں آیا اُدھر سے ادھر

ڈپٹ میں ہوا باد، جب ایڑ کی
اُچک کر اُڑا جس گھڑی چھیڑ کی

جو چاہا یہ پکڑیں پرند ہوا
تو ان کا دیا ہاتھ ان سے ملا

جو چاہیں ہرن پکڑیں جیتا ہوا
تو ان کا وہیں واں بھی جیتا ہوا

ملا صید جو جو بیابان میں
کیا قید اس نے وہ ایک آن میں
طبیعت جدھر ان کی مائل ہوئی
وہی آرزو ان کی حاصل ہوئی

تو پھر جس گھڑی دن بہت سا چڑھا
درختوں کے سایہ میں بیٹھے یہ جا
یہ سایہ میں بیٹھے تھے جا کر جو ہیں
تو دیکھا کہ اس جا پہ ایک نازنیں
سوار اپنے اشہب پہ آتا ہے وہ
بہت لوگ ساتھ اپنے لاتا ہے وہ
عیاں حشمتوں کا کچھ آثار ہے
ذرا حسن میں بھی طرحدار ہے
انھیں اس نے دیکھا تو خوش ہو کے واں
اتر اپنے توسن سے وہ نوجواں
سلام ان کو کر کے گلے سے ملا
بہت خرمی سے وہ جوں گل کھلا
وہ دیکھ اُن کو جب مثل گل کھل گیا
تو اُن کا بھی واں اس سے دل مل گیا
ہوئی اس کو ان سے محبت بہت
انھیں بھی ہوئی اس سے الفت بہت
کہا گھر میں رکھیئے ہمارے قدم
ہماری تو آنکھیں تمھارے قدم
انھیں واں سے وہ سیمبر لے گیا
غنیمت سمجھ اپنے گھر لے گیا
وہ توسن یہ آئے تھے جس پر سوار
دیا بھیج جس کا تھا وہ راہوار
پری ان کی خاطر بھٹکتی رہی
بہت دل ہی دل میں بلکتی رہی
یہ آئے جو گھر میں پری زاد کے
تو دیکھے مکاں طرفہ بنیاد کے
چمن گلفشاں دلکشا خوب تر
ہر ایک چیز نادر خوش اسلوب تر
جو ہم عمر ان کا تھا وہ نوجواں
بہت خوش ہوا ان کے آنے سے واں
سوا اُس کے واں اور ہم سن دو سال
انھیں بھی ہوئی اُن سے الفت کمال
لگے رہنے ان ہمنشینوں میں شاد
پری کا نہ آیا وہ پھر باغ یاد
یہ دلخواہ صحبت جو اُن کو ملی
تو کیا کیا ہوئی ان کو واں خوشدلی

سحر سے لگا شام تک فرحتیں
لگا شام سے صبح تک عشرتیں

رہے واں بہت خوش یہ دو چار ماہ
پھر اک دن پری زاد پر کر نگاہ

کہا یاں جو بہتر کوئی ہو مکاں
تو ہم کو دکھاؤ تم اے قدرداں

کہا اُس نے یاں اک مکاں ہے بنا
برابر نہیں اُس کے یاں دوسرا

تمھیں کل ہم اس جا میں لے جائیں گے
بہت خوبیوں سے دکھا لائیں گے

سحر کے یہ ہوتے ہی نکلے شتاب
ہوا وہ پری زاد بھی ہمرکاب

وہ گھوڑے ہوا کا جو بھرتے تھے دم
انھوں نے رکھا دم میں اس کا قدم

گئے واں یہ جس دم نزاکت نشاں
تو دیکھا عجب اک بلوریں مکاں

ہرا گرد صحرا تھا کوسوں تلک
بچھا فرش مینا تھا کوسوں تلک

بنا یوں وہ اس سبز صحرا میں تھا
کہ الماس لے جوں زمرد میں جا

بلند اس قدر وہ ضیا دستگاہ
کہ بھولوں کو اکثر بتاتا وہ راہ

جھلک اور جھمک اس کی واں اس قدر
کہ آئینہ شرمندہ ہو دیکھ کر

وہ صحرا جو پہلے انھیں تھا ملا
یہ صحرا جو دیکھا وہ ٹھہرا بڑا

مکاں جتنے دیکھے تھے خوش قطع واں
وہ بھولے اُنھیں جب یہ دیکھا مکاں

یہ مائل جو اُس دلنشیں کے ہوئے
تو مشتاق اس کے مکیں کے ہوئے

کہا اس پری زاد سے ہنس کے واں
کہ ہم کو خوش آیا بہت یہ مکاں

اب اس کی ہے اس دم تمنا ہمیں
کہ جس کی یہ جا ہے ٹک اس سے ملیں

سنا جب یہ اس نے تو اُن سے کہا
اسے دیکھ لینا نہیں کچھ بھلا

یہ جس کا مکاں خوب پر نور ہے
بہت حسن پر اپنے مغرور ہے

نگہ برق زلف سیہ جال ہے
ستمگر ہے سرکش ہے قتال ہے

گھمنڈ اپنی سج پر ہے اس کو بہت
غرور اپنی دھج پر ہے اس کو بہت

بڑے حسن میں یاں جو ہیں خوبرو
تو ان کو وہ کہتی ہے یہ کیا ہے تو

یہ نام اس کا ہے وہ جو محبوب ہے
نہایت طرح دار اور خوب ہے

یہ سن کر انھوں نے کہا واہ واہ
بھلا ہم بھی اب دیکھ لیں اک نگاہ

اسے ہم جو ٹک دیکھ جاویں گے یاں
کریں گے صفت جا کے ہم اپنے ہاں

پری زاد یار، ان کو لایا اُدھر
جہاں جلوہ گر تھی وہ رشک قمر

ہوے واں جو یہ اس پری سے دوچار
پڑے دام ان پر ہزاروں ہزار

وہ محبوب بھی دیکھ اُنھیں غش ہوئی
عیاں چاہ کی دل میں آتش ہوئی

کہا آیئے یاں کرم کیجیے
کنیزی میں اپنی ہمیں لیجیے

یہ بولے کہ ہم پر جو اعطاف ہے
فقط آپ کا حسن الطاف ہے

وگرنہ یہ رتبہ ہمارا کہاں
جو یاں آویں یہ ہم میں یارا کہاں

اُدھر عجز اس نے کیا بار بار
ادھر سے انھوں نے کیا انکسار

دلوں میں بہم تازہ الفت ہوئی
پھر الفت سے بڑھ کر محبت ہوئی

پھر آگے محبت کے تو عشق ہے
ہوا عشق پھر عشق کو عشق ہے

ہوے دونوں آپس میں جب مبتلا
تو لائی وہ رسم ضیافت بجا

وہ کھانے جو تھے زرفشاں خوان کے
سو آگے رکھے اپنے مہمان کے

نہایت تکلف کی تیاریاں
ملیں ان کو کیا کیا مزیداریاں

دکھایا انھیں ناچ پھر اس قدر
کہ جادو نے مجرا کیا آن کر

پکڑ ہاتھ چاہت جتاتی پھری
مکانات ان کو دکھاتی پھری

چمن بھی پھر اپنے دکھائے انھیں
تر و تازہ میوے کھلائے انھیں

بڑا لطف ان پر نمایاں کیا
ہزار عیش سے ان کو شاداں کیا

پری کی جو مادر تھی والاصفات
تو واں اُس نے کی تھی مقرر یہ بات

کہ جب تک رہے دن پری اس جا رہے
جو شب ہو تو مجھ پاس پھر آ رہے

پھر اس میں جو دن واں ذرا سا رہا
دیا اس نے معمول اپنا جتا

گئے رکھتے جو دونوں دل آپس میں مل
تو ہوتا نہ تھا واں سے اُٹھنے کو دل

یہی تھی تمنا یہی تھی طلب
کہ بیٹھے رہیں متصل روز و شب

پھر اتنے میں چھپنے لگا آفتاب
یہ بے بس چلی واں سے اُٹھ کر شتاب

پھر آئے جو گھر تھا پریزاد کا
ولیکن دل ان کا اسی جا رہا

رہی جی میں اس کی ملاقات بھر
نہ آئی انھیں نیند واں رات بھر

ہوئی ان کے جی پر جو یاں واردات
وہی حالت اس کی رہی ساری رات

سحر پھر چلے اس کا لیتے یہ ناؤں
وہ محبوب بھی آئی تاروں کی چھاؤں

ملے جب تو پھر شادمانی ہوئی
عیاں سو خوشی کی نشانی ہوئی

بہم مل کے بیٹھے جو دونوں وہ گل
گئی رات کی غنچگی دل سے کھل

خوشی کے لگے ہونے باہم سخن
طرب کے کھلے جی میں کیا کیا چمن

لگی ہونے مہر و وفا آشکار
یہ اس پر فدا اور وہ ان پر نثار

بہت شام تک خوش طبیعت رہی
ہر ایک طور خاطر کو فرحت رہی

اسی طور مدت تلک دم بدم
رہے شاد و مسرور دونوں بہم

یہ ملتے جو ہر روز تھے بے خطر
تو اک دن ہوا اس خلل کا اثر

کہ ناگہ ادھر اس کی ماں آ گئی
پری دیکھ کر اس کو تھرّا گئی

نہایت وہ غصّہ ہوئی اور خفا
انھیں تو نہ ہرگز کچھ اس نے کہا

طمانچہ مگر اس کے عارض پہ مار
اسے لے گئی واں سے ناچار وار

جو اس کے طمانچہ وہ آکر لگا
تو واں منھ پر اور ان کے دل پر لگا

وہ مہوش جو مکھڑا ہوا لال کچھ
تو ان کے ہوا دل کا احوال کچھ

وہ نقش انگلیوں کا جو اس جا ہوا
تو نقشا عجب ان کے دل کا ہوا

قرار دل اور ہوش جاں کھو دیا
جو کچھ بس نہ دیکھا تو بس رو دیا

پھر آکر یہ گھر میں پریزاد کے
ہوئے ہم نفس آہ و فریاد کے

ہوا ہجر کا ان کے دل پر وہ جوش
کہ خواب و خورش کا رہا کچھ نہ ہوش

نہ باہر یہ نکلیں نہ باتیں کریں
دم سرد ہر دم یہ بیٹھے بھریں

یہ بیکل اُدھر وہ پری بیقرار
یہ آہیں کریں وہ اُدھر اشکبار

رہا ایک مدت اسی طور حال
انھیں درد و غم اس کو رنج و ملال

پری زاد دیکھ ان کو جنجال میں
پڑا سخت تشویش کے جال میں

کوئی سوچ کر بات دل میں وہیں
گیا واں جہاں تھی وہ اندوہگیں

حضور اس کی ماں کے بصد عجز جا
جھکا سر کو اور پاؤں پر گر پڑا

کہا وہ جو گھر میرے انسان ہے
کہوں کیا وہ میرا دل و جان ہے

جو اس کے تئیں میں نہ لاتا ادھر
تو برسوں تلک وہ نہ آتا ادھر

اگر پر لگاتا وہ اسباب میں
تو ہرگز پہونچتا نہ یاں خواب میں

وہ انسان ہے اور یہ پرستان ہے
وہ اس جا مسافر ہے مہمان ہے

بہت شرمگیں اور ہے صاحب حیا
نہیں اس نے کی ایک سر مو خطا

میں لایا اسے جب یہ الفت ہوئی
یہ میرے سبب سے محبت ہوئی

نہیں زہر ہرگز وہ تریاک ہے
اُسے آج تک الفت پاک ہے

اب اس کا پریشاں بہت حال ہے
ادھر یہ بھی فرقت سے پامال ہے

رہے یوں ہی دونوں جو اندوہگیں
تو کچھ مشکل جینے کی اُن کے نہیں

مناسب تو اب عقل کے ہے یہی — کہ نسبت سے دونوں کی ہو زندگی
مجھے عرض کرنا سزاوار ہے — مزاج آپ کا آگے مختار ہے
نہایت وہ صاحب خرد تھی پری — اسی بات میں دیکھ کر بہتری
کہا خیر بہتر ہے اب جائیے — برات اُس کی جا کر بنا لائیے
یہ فرماں ہوا جب پریزاد کو — چلا اپنے گھر کی طرف شاد ہو

جب آیا وہ گھر اپنے فرخندہ فال — بہت خوش ہو کھولا در گنج و مال
وہ کیں اس نے شادی کی تیاریاں — کہ جس کی ہوئیں واں نموداریاں
کیے طرفہ عشرت کے سامان سب — نمایاں ہوئے دور عیش و طرب
ہزاروں پریزاد رنگیں قبا — ہوئے بزم شادی میں رونق فزا
کئی دن تلک ناچ اور راگ کا — ہر ایک اہل محفل نے پایا مزا
بہت خوان واں نعمتوں کے دھرے — کھلائے ہر اک کو وہ اور پرے
گل اور پان بھی طرفہ آداب سے — بھرے ظرف شربت سے اور آب سے
وہ سلک زمرد در بے بہا — وہ ہر چیز شادی کی عشرت فزا
وہ سہرا سنہرا جواہر نگار — وہ جوڑا اُٹھانا وہ گوہر کے ہار
بخوبی یہ سب کچھ پنہایا اُنھیں — بہت خوب دولھا بنایا اُنھیں
بنا زیب و زینت سے اک راہوار — کیا ان کو اس پر بہ زینت سوار
ہوئی جب عیاں تھی جو ساعت بھلی — برات اُن کی بن ٹھن کے یاں سے چلی
گئے اس کے در پر تو کر کر نگاہ — لگے کہنے سب شاد ہو واہ واہ

غرض جا کے اتری جب ان کی برات — رہیں چہلیں اور عشرتیں ساری رات

جو رسمیں تھیں وہ سب خوشی سے ہوئیں
پری سے ہوا بیاہ ان کا جو وال
پھر اک تخت پر بیٹھ کر شان سے
ہوئیں ان کے ماں باپ کو فرحتیں
جو دیکھا عجب عظمت حسن سے

بھی باتیں بہ خوش دلی سے ہوئیں
بہت عیش و عشرت ملی ان کو ہاں
پری کو یہ لائے پرستان سے
اُنھیں بھی رہیں عمر بھر عشرتیں سا
جہاں میں بڑی دولت حسن ہے

جو کچھ حسن میں خوبی آیات ہے
وہ خوش ہے نظیر اس کی کیا بات ہے

مثنوی سوم

عجب عشق کا رتبہ وجاہ ہے — عجب عشق کی رسم اور راہ ہے
عجب عشق کی شوکت وشان ہے — عجب عشق کا طور و عنوان ہے
عجب عشق کا رمز اور راز ہے — عجب عشق کا سوز اور ساز ہے
مجھے بھی جو ہے کچھ مزا عشق کا — سخن دل میں رکھتا ہے جا عشق کا
سنا تھا جو میں نے کبھی ایک جا — تو لکھتا ہوں یاں سے میں اب ہر ما

کوئی شخص تھا صاحب عز و جاہ — کسی وقت میں تھا وہ حشمت پناہ
بہت حسن و خوبی میں آراستہ — بہت زیب و زینت میں پیراستہ
بہت اس کی تخفیف وضع میں خوبیاں — طرح داریاں اور خوش اسلوبیاں
یہ تھا خلق اور جسم میں نرم پن — کہ جس پر فدا تھے گل و نسترن
نہایت مزاج الفت انگیز تھا — تکلم بہت شکر آمیز تھا
سخن میں طبیعت بھی مشکل پسند — مضامین رنگیں بہت دل پسند
محبت بہت ہر گل اندام سے — دل آرام رکھتا دلآرام سے
سخن حسن کا اس کے مرغوب تھا — ادا کا سمجھنا بہت خوب تھا
محل اور مکاں تھے وہ کچھ خوشنما — کہ تھی واں نگہ کو تحیر کی جا
عجب رونق ان میں نمودار تھی — پری اس جگہ نقش دیوار تھی
مہیا سب اسباب ندرت کے ساتھ — ہر اک چیز تھی سوز اکت کے ساتھ

کئی یوں تو اس کے گلستان تھے — بہاروں کے ان سب میں سامان تھے
دلے ایک باغ اس کے منظور تھا — دل اس کا بہت اس سے مسرور تھا
گل اس کے بہت رنگ و بو سے بھرے — دو رستہ کھڑے سرو باندھے پرے
طرب عندلیبوں کی آواز میں — نسیم عیش میں اور صبا ناز میں
ادھر نسترن کے رہے بھر چمن — ادھر یاسمین کے چمن در چمن
اودھر سرو کے سنبل آغوش میں — اُدھر ڈالیوں کے گل آغوش میں
ادھر چاندنی جگمگائی ہوئی — ادھر نرگس آنکھیں لڑاتی ہوئی
ادھر بلبلیں عشق میں بھر رہیں — ادھر قمریاں شور و غل کر رہیں
ادھر شان شمشاد زینت فزا — ادھر آب انہار موج انتما
وہ غنچوں کے لب مسکراتے ہوئے — وہ گل شاخ پر کھلکھلاتے ہوئے
رہی نہ در سبزوں میں بھر تازگی — ادھر کوتری اور ادھر تازگی
وہ اس باغ میں گلعذاروں کے ساتھ — بہت سیر کرتا بہاروں کے ساتھ

ہوئی ایک دن واں عجب واردات — کہ اس باغ میں وہ رہا ایک رات
ہوئیں بزم عشرت کی تیاریاں — نشاط و طرب کی نموداریاں
مے و ساقی و مطرب خوش نوا — سبھوں نے دیا حسن محفل بڑھا
صراحی گلابی بھکنے لگی — مے ناب ہر دم چھلکنے لگی
وہ رقاصہ ہا شوخ اور اچپلی — ادا ان کی چنچل نگہ چلبلی
لباس ان کے جھمکیں دکھاتے ہوئے — وہ زیور بھی سب جگمگاتے ہوئے
وہ سب ناچنے اور گانے لگیں — مزے زندگی کے دکھانے لگیں
گئی رات آدھی جو اس میں گزر — ہوئی نیند آنکھوں میں آ جلوہ گر

جو غالب وہ خواب آن کر ہوگیا
تو اس عیش و عشرت میں وہ سو گیا

وہ سویا جو عشرت کے اسباب میں
تو یکبارگی آن کر خواب میں

دل اس کا کوئی نازنیں لے گئی
وہ گل تھا اسے بیکلی دے گئی

دکھا کر جھمک وہ تو چلتی ہوئی
رہی اس کی جاں ہاتھ ملتی ہوئی

دکھا حسن اس نے اُدھر راہ لی
ادھر اس نے کی آہ اور چاہ لی

دکھا آن وہ تو نہاں ہو گئی
اسے زندگی بار جاں ہو گئی

دکھا زلف وہ تو گئی جال میں
دل اس کا پڑا عشق کے جال میں

دکھا آن وہ تو گئی آن میں
بھرا عشق اس کے دل و جان میں

دکھا تیغ ابرو کی وہ نازنیں
گئی کر کے زخمی جب اس کے تئیں

کھلی یک بیک آنکھ اس خواب سے
ہوا تر بتر چشم کے آب سے

اگرچہ وہ جاگا پہ روتا رہا
دل اس کا نداُس پہ ہوتا رہا

اگرچہ وہ جاگا تو فی الفور تھا
ولے اس کے دل کا وہی طور تھا

اگرچہ وہ جاگا تو ہنگام سے
پہ اس کا نہ چھوٹا دل اس دام سے

اگرچہ وہ جاگا تو حسرت بھرا
نہ بھولا مگر اس صنم کو ذرا

خلل آگیا اس کے احوال میں
پڑا کچھ عجب ڈھب کے جنجال میں

کبھی یاد اس حسن اور شان کی
کبھی یاد اس ناز اور آن کی

کبھی یاد اس مہ سے رخسار کی
کبھی یاد اس چشم خونخوار کی

کبھی یاد اُس طرز مرغوب کی
کبھی یاد اس قامت خوب کی

کبھی یاد اُس زلف کج بانہ کی
کبھی یاد اس دھج کے انداز کی

تپش دمبدم دل کے ہمراہ تھی
خلش ہر گھڑی ہر نفس آہ تھی

نہ لگتی تھی کچھ بات جی کو بھلی
وہی بے قراری وہی بے کلی

تحیر میں آکر پڑا ایک بار — نہ دل کو تسلی نہ جی کو قرار
رکھے دل میں اس بھید کو یا کہے — عجب حال تھا کیا کرے کیا کہے
یہ کچھ عشق کا جلد آنا ہوا — کہ عاقل سے دم میں دوانا ہوا
دیا جھپ کچھ ایسا جھکڑا دیکھا — کہ دیا خوشی سے اٹھا غم بھرا
نمایاں ہوئی جب سحر آن کر — تو خادم وہ جب وقت پہچان کر
لے آیا کوئی گڑگڑی کو بنا — کوئی آشنا بے کو لایا اُٹھا
نظر آیا مسند پہ لیٹے ہوئے — دوپٹے سے منہ کو لپیٹے ہوئے
کہا شب جو گذری مے و جام میں — ہیں اس واسطے اب تک آرام میں
بہت دن چڑھا جب تو حیراں ہوئے — جنھوں نے سُنا وہ پریشاں ہوئے
جو تھے اقربا آگئے آن میں — کہا سچ کہو تم ہو کس دھیان میں
اگرچہ کٹی جاگتے رات ہے — پر اتنا بھی سونا یہ کیا بات ہے
نہ دیکھا نہ دل کو سنبھالا ذرا — کسی سے نہ بولا نہ چالا ذرا
کئی طور سے سب نے تدبیر کی — ولیکن کسی نے نہ تاثیر کی
مہینوں تک اس کا یہی حال تھا — پریشاں دل و خستہ احوال تھا
کسی سے نہ کہتا نہ کچھ بات تھا — اسی کے تصور میں دن رات تھا
مصاحب جو اس کے تھے اور ہمنشیں — پراگندہ خاطر دل اندوہگیں
ہر اک نے اس احوال پر کر نظر — کہا اس کی خدمت میں یوں آن کر
بہت دن ہوئے آپ کو اس طرح — نہ سمجھے گی بھلا بات یہ کس طرح
نہ ہنستے ہو ہرگز نہ کچھ بولتے — نہ بھید اپنے دل کا ہو کچھ کھولتے
کہو کچھ تو اب اس کی تدبیر ہو — تفحص میں ہرگز نہ تاخیر ہو
کہو کچھ تو اب اپنے مقدور تک — کریں جستجو اس کی ہم دور تک

یہ سن کر کہا ان سے احوالِ دل
کہ میرا ہوا ہے یہ کچھ حال دل

رہے ڈھونڈتے وہ بھی مدت تلک
نہ دیکھی رخِ مدعا کی جھلک

کہا پھر یہ تدبیر ہے اب سنو
کہ قصہ کہانی ہر ایک شب سنو

جو اس میں بر آوے تمھاری مراد
یہی خاص اب ہے ہماری مراد

تمھارا جو اس طور کا حال ہے
کہیں کیا ہمارا جو احوال ہے

تمھارا جو نقشہ ہے اس طور کا
کہیں کیا ہمیں غم ہے کس طور کا

کہا جب انھوں نے یہ ہو دردمند
اسے بھی یہ تدبیر آئی پسند

جسے تھا جو کچھ یاد آنے لگا
زباں پر وہ احوال لانے لگا

بہت داستاں اور کہانی ہوئی
مہینے تک افسانہ خوانی ہوئی

ہوا کوئی وارد جو ایک رات واں
تو اس نے کہی جلد یہ بات واں

کہ میں نے جو دیکھا اب ایک حال ہے
کہوں کیا غرض طرفہ احوال ہے

گیا تھا میں ایک دن کسی کام کو
ہوا واں سے پھرنا مرا شام کو

مجھے شام کا وقت جس جا ہوا
تو اس دشت میں یہ تماشا ہوا

کئی خوشنما واں پرند آ گئے
وہ آئے پھر ان سے دو چند آ گئے

بہت پیارے پیارے خوش آہنگ کے
پر و بال اُن کے کئی رنگ کے

بہت دلربا نازک اندام تھے
نگہ کے لیے اُن کے پر دام تھے

ابھی ان پرندوں کے تھے طور کچھ
بدل کر ابھی ہو گئے اور کچھ

عجب گفتگو اور عجب چال ڈھال
بہت خوبرو اور بہت خوش جمال

جو پریوں کی تصویر میں ہے سند
وہی ان کی صورت وہی ان کے قد

بہت خوش لباس، ان کے پر دوش پر
کچھ ایسے کہ لے دیکھ انھیں ہوش پر

کسی نے دیا فرش اس جا بچھا
کسی نے بہت حسن ترکیب سے
کسی نے مے اور جام لا کر رکھے
ہوئیں جا بجا روشن اس بزم میں
وہ سب کر چکے۔ تھا جو کچھ عزم میں
پریزاد وہ بھی ہوئے آن کے
جواں تھا جو ان میں بہت نازنیں
جو آئے تھے بیٹھے وہ۔ گرد آن کر
یہ تھا ہمنشینوں میں حسن اس کا واہ
ہوا ناچ اور جام چلنے لگے
نوا زنگ کی اور صدا تال کی
ادا جادو اور سحر انداز سے تھے
وہ چمکے تھے حسن اور لباس اس گھڑی
یہ عالم جو واں رخ دکھانے لگا
یہ دیکھا تماشا جو اس رات تھا
سوا اس کے اور ایک سنیے بیاں
یہ کچھ عیش تھا اور یہ سامان تھا
ملال اپنے چہرے پہ لائے ہوئے
کسی پر نظر وہ اٹھاتا نہ تھا
خفا تھا نہایت ہی اس کا مزاج
رہی دو گھڑی رات جس وقت واں
جھمک وہ کہ ہو تا شش جس پر فدا
رکھے مسند اور تکیے ترتیب سے
طرب کے سرانجام لا کر رکھے
عجب ڈھب کی تھیں عجب مشعلیں
پرند اور آئے پھر اس بزم میں
بڑے حسن کے اور بڑی شان کے
ہوا زیب مسند وہ مسند نشیں
ادب سے مقام اپنے پہچان کر
نمایاں ہو جیسے ستاروں میں ماہ
نشے خوش دلی کے اچھلنے لگے
خوشی دل کی اور تازگی حال کی
عجب راگ تھے اور عجب ساز تھے
چھٹے جیسے مہتاب یا پھلجھڑی
تو وہ دشت سب جگمگانے لگا
کہوں کیا عجب کچھ طلسمات تھا
کہ اُن میں جو مسند نشیں تھا جواں
پر اس کو نہ ہرگز اُدھر دھیان تھا
دل آزردہ۔ چپ سر جھکائے ہوئے
وہ عیش اس کو ہرگز خوش آتا نہ تھا
خبر کیا کہ اس کا کدھر تھا مزاج
تو اک پیک محفل میں آیا وہاں

پھر اگرد مسند نشیں سب کے وہ آ
جھکا سر کو مجرا کیا اور کہا

کہ احوال داں کا بدستور ہے
ابھی راہِ مطلب بہت دور ہے

یہ سن کر جواں آہ کر کر اُٹھا
دمِ سرد محفل سے بھر کر اُٹھا

گیا واں سے اپنے اسی دھیان میں
گئے سب وہ ساتھ اسکے ایک آن میں

گئے وہ۔ میں بے کر ہوس رہ گیا
تعجب تحیّر میں بے بس رہ گیا

وہ جھمکیں نگہ ساتھ گھرتی رہیں
وہ شکلیں تصور میں پھرتی رہیں

نہ امیری ان پر طبیعت رہی
کئی دن تلک مجھ کو حیرت رہی

گیا میں کئی باریوں تو اُدھر
ولے پھر وہ نقشہ نہ آیا نظر

یہ جب اس کی خدمت میں وہ کہہ چکا
تو ساتھ اُس کے یہ بھی اُدھر کو گیا

امید اپنے دل کو یہ دینے لگا
خبر دشت میں اُن کی لینے لگا

کہ شاید پھر آویں تو ان سے ملوں
یہ احوال اپنا میں ان سے کہوں

کیا ایک مدت تلک انتظار
ہوا بارے ان کا پھر اس جا گذار

وہی آ کے نقشہ نمایاں ہوا
یہ دیکھ اُن کا عالم کو حیراں ہوا

بچھا فرش اور زیب اس جا ہوے
سب اسبابِ عشرت مہیا ہوے

جو مسند نشیں تھا اس عنوان سے
وہ مسند پہ بیٹھا اسی شان سے

وہی ناچ اور راگ پھر واں ہوا
سنا تھا جو کچھ سب نمایاں ہوا

یہ دیکھا جب اس نے تو اٹھ کر وہیں
گیا واں جہاں تھا وہ مسند نشیں

جو حاضر ہوا بزم میں آن کر
تو اس نے بھی ہمسر اسے جان کر

پکڑ آستیں پاس لایا اسے
بغلگیر ہو کر بٹھایا اُسے

بہت خوبی و لطف و اکرام سے
ہوا واقف اس کے وہیں نام سے

کہا تم نے کی مہربانی بہت ہمیں اب ہوئی شادمانی بہت
دل اس کا ہوا اس کے آنے سے شاد یہ اس سے کہا دل لگانے سے شاد
کہا یاں پہ آنا سبب کا ہے کچھ فقط لطف ہے یا تمنا ہے کچھ
سنی یہ جو بات ان سے اس ماہ کی تو بھر اشک آنکھوں میں ایک آہ کی
کہا کیا تمنا میں اپنی کہوں عجب طور کے رنج اور غم میں ہوں
یہ سن کر کہا کچھ تو کہیئے بھلا جب ان سے یہ احوال اپنا کہا
کہ میں باغ میں اپنے ایک شب رہا بہت عیش و عشرت میں پھر سو گیا
کوئی دلربا آن کر خواب میں خلل کر گئی طاقت و تاب میں
مجھے بے کل اور مبتلا کر گئی کہوں کیا میں تم سے کہ کیا کر گئی
دکھایا جو مکھڑا مجھے بے نقاب تو مجھ میں تحمل رہا پھر نہ تاب
دکھایا مجھے حسن اس آن سے کہ شیدا ہوا میں دل و جان سے
دکھائی کچھ ایسی مجھے آن بان کہ سینہ گئی توڑ اور دل کو چھان
جو کچھ حسن میں اس کے تھی برتری کہوں کیا اگر حور تھی یا پری
کھلی آنکھ میری تو پھر وہ کہاں میں بے بس تڑپتا رہا نیم جاں
تلاش اس کی میں نے بمقدور کی جھلک بھی نہ دیکھی پھر اس نور کی
محبت میں اس کی گرفتار ہوں جگر خستہ ہوں اور دل افگار ہوں
ہر ایک طور سے جب میں بے بس ہوا تو خدمت میں لایا ہوں اب التجا
یہ احوال جب گوش ان سے کیا تو سنتے ہی کی آہ اور رو دیا
کہا تم جو بے کل ہو اور زرد ہو ہمارے غرض تم بھی ہمدرد ہو
تمہارے جو کچھ دل کا احوال ہے ہمارے بھی دل کا وہی حال ہے
پری ایک ہے دلربا نازنیں بہت خوش ادا مہ لقا نازنیں

بہت پرغرور اور بہت ہٹ بھری
عجب حسن میں اس کے عنوان ہیں
لگا دل کو اس کی ہر ایک آن سے
یہی آرزو دل میں رکھتے ہیں آہ
دلے ہم کو وہ منھ دکھاتی نہیں
نہیں دل جو لگتا تو پھر ہار ہم
کئی قاصد اپنے اُدھر جاتے ہیں
اسے جس گھڑی ہم پہ مہر آوے گی
رہو تم ہمارے کنے مہرباں ؎
جب اس کے تئیں ان نے یوں کہہ دیا
کہا واں نہیں بات کچھ اور ہے
تو پہر دو گھڑی رات جب دم رہی
یہ ہمدرد کے ساتھ ایک آن میں
دکھائے اُنھیں واں کے رنگیں مکاں
دکھائے اُنھیں واں کے باغ و چمن
بہاریں عجب اور فضائیں عجب
انھیں دیکھتے وہ کب آئے تھے
کہاں یہ کہاں حد پرستان کی
مہینے تک ان کی ضیافت رہی
شب و روز فرحت فزا انجمن
وہ قاصد جو اس کے تھے جاتے ادھر

کوئی اس کے ہمسر نہیں یاں پری
جو پریاں ہیں وہ اس پہ قرباں ہیں
ہم اس پر فدا ہیں دل و جان سے
کہ دیکھیں کسی دن اسے بھر نگاہ
ہمیں کوئی عشرت خوش آتی نہیں
ادھر کو بھی آتے ہیں لاچار ہم
خبر اس کی ہر روز لے آتے ہیں
تو ہم پاس وہ رشکِ مہر آوے گی
جو کچھ ہم سے ہوگا وہ ہوگا عیاں
وہیں آکے قاصد نے مجرا کیا
وہی رنگ ہے اور وہی طور ہے
گئے وہ۔ اسے بھی ملی ہمرہی
ہوا جلد وارد پرستان میں ؎
مرصع طلائی جواہر فشاں
گل و بلبل و نرگس و نسترن
صدائیں عجب اور ہوائیں عجب
محبت سے ان کو وہ دکھلائے تھے
بلندی یہ ہے عشق کی شان کی
پھرے رے ادھر سے ادھر تک یہی
طرب۔ رقص۔ گلگشتِ باغ و چمن
پھر آتے تھے ہر دم اُدھر سے ادھر

کسی نے پھر ایک دن بصد خوشدلی
کہا واں سے دو را عتراضی ہوئی
خوشی یہ جو زیب زبانی ہوئی
وہ جب خوش ہوا واں تو اس نے بلا
یہ مہماں ہیں ان پر کرم کیجیے
کہا اس نے کہیے انھوں نے کہا
یہ شکل اور یہ قد اور یہ انداز ہے
کہا اس نے سن کر کہ یاں ایک پری
کئی دن میں جا اس کو یہ اضی کیا
بڑی دھوم سے شادی اُنکی ہوئی
پریزادتے ہو کے واں شاد جب
کر آراستہ خوب ایک انجمن
بڑی دھوم سے بیاہ اپنا کیا
دل اپنا جب اُس نے پر عشرت کیا
پری کو یہ ساتھ اپنے لائے ادھر

نوید آن کر اُس کے ملنے کی دی
وہ محبوب اب دل سے راضی ہوئی
نہایت اسے شادمانی ہوئی
کسی اپنے ہمراز سے یوں کہا
جو کچھ یہ کہیں اُس کو سن لیجیے
کہ ہوں اب میں جس نازنیں پر فدا
یہ کچھ حسن ہے اور یہ کچھ ناز ہے
اسی حسن اور ناز میں ہے بھری
مئے جام عشرت انھیں بھر دیا
بڑے غم سے آزادی اُن کی ہوئی
بنا طرفہ شادی کے اسباب سب
تکے جس کو ہر لحظہ باغ و چمن
بیاں اس کا جاتا نہیں کچھ لکھا
تو اس جا سے ان کو بھی رخصت کیا
خوشی خرمی سے رہے عمر بھر

کروں کیا نظیر اب میں تقریرِ عشق
عجب حسن رکھتی ہے تاثیرِ عشق
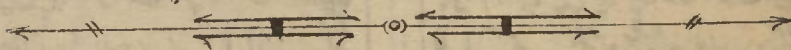
نظمیاتِ نظیر

(۱)

نظیر محراب عبادت میں

الٰہی تو فیاض ہے اور کریم
مقدس، معلّے، منزہ[1]، عظیم

الٰہی تو غفار ہے اور رحیم
نہ تیرا شریک اور نہ تیرا سہیم

تری ذات والا ہے یکتا قدیم

ترے حسن قدرت نے یا کردگار
پہنچتی نہیں عقل اُنھیں ذرہ وار

کیے ہیں جہاں میں وہ نقش و نگار
تحیّر میں ہیں دیکھ کر بار بار

ہیں جتنے جہاں میں ذہین و فہیم

زمیں پر سمٰوات گرداں کیے
نباتات بے حد نمایاں کیے

نجوم اُن میں کیا کیا درخشاں کیے
عیاں بحر سے دُرِّ و مرجاں کیے

حجر سے جواہر بھی اور زر و سیم

[1] منزہ - پاک - عظیم عظمت والا - بڑا - ۱۲ سہیم - درِ - موتی - مرجان - مونگا - ۱۲ آسی

شگفتہ کیے گل، بہ فصل بہار — عنادل بھی اور قمری و کبک و سار
برو برگ و نخل و شجر، شاخسار — طراوت سے، خوشبو سے ہنگام کار
رواں کی صبا ہر طرف، اور نسیم

بیاں کب ہو خلقت کی انواع کا — جو کچھ حصر ہووے تو جاوے کہا
خصوصاً بنی آدم خوش لقا — شرف اُن سبھوں میں انھیں کو دیا
بہ اسلام و ایمان و دین قدیم

عطا کی انھیں دولت معرفت — عبادت، اطاعت، نکو منزلت
حیا، حُسن، اُلفت، ادب، مصلحت — تمیز سخن، خلق خوش، مکرمت
فراواں دیے اور ناز و نعیم

ترا شکر احسان ہو کس سے ادا — ہمیں ہیچ سے تو نے پیدا کیا
کیے اور الطاف بے انتہا — نظر اس سوا کیا کہے سر جھکا
یہ سب تیرے اکرام ہیں یا کریم

(۲)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان ما

یارب ہے تیری ذات کو، دونوں جہاں میں برتری — ہے یاد تیرے فضل کو، رسم خلائق پروری
دائم ہے خاص و عام پر لطف و عطا، حفظ آوری — کیا انس و جاں، کیا طائراں، کیا وحش، کیا جن و پری
پالے ہے سب کو ہر زماں تیرا کرم اور یاوری

تو خالق ارض و سما، تو حاکم قدرت نما — ہے حکم تیرا جا بجا لے عرش تا تحت الثریٰ
برتر، مقدس، ذوالعلا، بندے ترے شاہ و گدا — دنیا و دیں کی یا خدا ہے حق تجھی کو سب روا
فرمانروائی، حاکمی، شاہی، خدائی، سروری

۵۱ سار سیاہ رنگ کا ایک خوش آواز پرندہ
۵۲ انتہا ۱۲
۵۳ مراد انسان ۱۲
آسی

قدرت سے نے تیری ہر زماں لیکر زمیں تا آسماں
مرغوب رنگ آمیزیاں، محبوب حسن آرائیاں

کیا کیا بہاریں کیں عیاں، کیا کیا دکھائیں خوبیاں
حقا تری صنعت پہ، ہاں بس ہے ختم لاریب و گماں

رنگینی، و طراحی، و نقاشی، و صورت گری

تو نے بنائے سب فلک، پیدا کیے حور و ملک
ہر جا تجلی اور جھمک، بے انتہا نور اور چمک

انساں صبیح در نمک، حیواں عجائب یک بیک
گھٹتی ہے دانش انکو تک، ہے یہ بھی قدرت کی جھلک

چمکے ہیں جس سے اسقدر خورشید و ماہ و مشتری

تو قادر و سبحان ہے، اقدس معلا شان ہے
تیرا کرم ہر آن ہے، احسان بے پایان ہے

خالق ہے اور رحمان ہے رزاق اور منان ہے
ہم کو یہی شایان ہے جب تک بدن میں جان ہے

ہر آن میں لاویں بجا شکرانہ و فرمانبری

جو جو ہیں تیری قدرتیں کیا کیا بیاں انکا کریں
کیا کیا بنائیں نعمتیں، کیا کیا بنائیں رحمتیں

آتی نہیں کچھ فہم میں، جز یہ کہ اُن کو تک رہیں
کب شکر ان کا کر سکیں لیکن یہی ہر دم کہیں

یارب ترا فضل و کرم لطف و عنایت گستری

ہے تو ہی رب العالمیں، اور تو ہی خیر الراحمیں
ہے آسماں سے تا زمیں، ہیں سب عباد و تابعیں

یکتائی ہے تیرے تئیں، ہمسر ترا کوئی نہیں
ہے یہ نظیر عصیاں قریں، جانے ہے باصدق و یقیں

ہوگی ترے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری

(۳)

ہو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ

اس ارض و سما کے عرصے میں یہ جتنا کھچم کھچا ہے
حیواں پکھیرو، نر ناری کیا بوڑھا بالک بچا ہے

یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے، یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
کیا دانا، بینا، ہوش بھرا کیا بھولا، ناداں، کچا ہے

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

حاشیہ:
۱؎ طراح نقاش
۲؎ صبیح۔ خوبصورت سفید رنگ ۱۲
۳؎ منان بہت احسان کرنے والا بہت نعمتیں دینے والا۔ خدائے تعالیٰ کا ایک نام ۱۲
۴؎ کھچم کھچا پری بھر جانے کی شان۔ رچنا بنانا ست قسم کرنا ہستی میں لانا۔ پیدا کرنا۔ مخلوق کرنا منقش کرنا منقوش کرنا مرقسم کرنا۔ ٹھاٹھ باندھنا۔
۵؎ پکھیرو۔ پرند اُڑنے والے جانور نر ناری مرد عورت ۱۲
اشرف علی

کوئی خالق باری رب مولا رحمان رحیم اللہ نگری
کوئی رام رام کہکر سمرے کوئی بولے شیو شیو ہری ہری
کوئی الکھ روپ کرتار کہے نرکال نرنجن دھاری
کوئی داتا دینت دیوا ٹل کوئی راہپ دیوت جن بری

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

دریا و سمندر جھیل نہر ندی نلے ڈبرے جوہر
جونکیں بھینسیں گوہیں بھینگے مرغابی بطخ بیل انبر
سیپی گھونگے کوڑی موتی گھڑیال اور ناکے سوس مگر
کیا لاجی بدوی اور رہنور کیا مچھ مچھ ادر کیا جی جنتر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

پھلواری باڑی باغ چمن ہے سب کو یاد تری ہی بھلی
کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہر سب کے دل میں یاد دھلی
تو مالی والی رکھوالی کیا برچھ بھلی کیا پیڑ بلی
کیا چوٹی جڑ کیا پھل کونپل کیا ٹہنی پتا کلی کلی

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ہشیار و دانا مست سڑا عیار نظر ناقص کامل
رمال نجومی گھڑیالی ملا بہمن پنڈت عاقل
سردار غریب ادنی اعلی زیرک سیانا نادان غافل
کیا بید مہندس ابجد داں کیا عالم فاضل کیا جاہل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

سیارہ ثوابت لوح و قلم جنات عدن فردوس فلک
آثار طبائع قوس و جدی میزان اسد سرطان ہر یک
خورشید سے لے مہتاب تلک مہتاب سے لے خورشید تلک
کیا رضواں غلماں جنت کے کیا عرش بریں کیا حور و ملک

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ہیں دشت بیاباں اور وادی عرصہ میداں صحرا جنگل
ہیکو پاکھر نرما سنبھل کچنار سنبھالو بڑ پیپل
ویرانہ پربت جھاڑ شجر بوٹی جھاڑی پیڑ اور جل
کیا ابر ہوا کیا برق گھٹا کیا دل بادل کیا جل دو جل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

راہبیل نتیر اور مولسری مدمالت بیلا اور سمن
جائی جوہی خوشبو نرگس سنگار ہنیلی سیم بدن
دوپہری گیندا گل لالہ نافرماں کرنا بان مدن
کیا پھول گلابی گل طرہ کیا ڈیلا آبانسہ سکھ درسن

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

لہ نگری ترکی میں خدا کو کہتے ہیں ۱۲ ۲ الکھ جو دیکھنے میں نہ آئے۔ نرنکار۔ پوشیدہ۔ الوپ۔ غائب ۱۲ ۳ نرنجن بری از ہوائے نفسانی و شہوت ۱۲ ۴ دھاری نقش کا روپ دھارن کرنے والا جس کا کوئی روپ نہ ہو ۱۲ ۵ ڈبرا یا ڈابر۔ جھیل۔ جوہڑ۔ نشیب جہاں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے چھوٹا نالاب۔ غدیر ۱۲ ۶ جوہڑ۔ بارانی تالاب چھوٹی جھیل۔ ڈابر۔ تال۔ آبگیر۔ غدیر ۱۲ ۷ مالا گھڑیال کی قسم کا ایک جانور ۱۲ ۸ امر بیل۔ اکاس بیل۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بن جڑ اور بن پانی ہمیشہ ہری رہتی ہے وہ اس کا مادہ امر قرار دیتے ہیں اور جو لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس کی جڑ آسمان پر ہوتی ہے وہ امبر بیل کہتے ہیں ۹ ہندی میں جیو جنتو حشرات الارض کو کہتے ہیں مگر نظیر نے تصرف کرکے جنتو کو جنتر کر دیا ہے جس طرح امر بیل کو بیل امر یا مدن بان کو بان مدن کر لیا ہے یا ممکن ہے کہ بول چال میں بھی جنتر ہی ہو ۱۲ ۱۰ تاکیچی نفعیلی کی ایک قسم ہے ۱۲ ۱۱ پیاد۔ ایک درخت جس کی مسواکیں بناتے ہیں ۱۲ ۱۲ پاکھر ایک بڑا سایہ دار درخت کا نام ہے جس کے پھل کا اچار رطحال کے واسطے بہت مفید ہے ۱۲ ۱۳ ڈیلا یا ڈیلیا ایک پہاڑی درخت کا نام جس کا زرد یا سرخ اور بڑا پھول ہوتا ہے ۱۲ ۱۴ ایک قسم کا درخت جس کے پھولوں میں اکثر مٹھاس نکلتی ہے اور اس کی لکڑی سے کوئیلوں کی بارود خوب بنتی ہے۔ پیا بانسہ ۱۲ ۱۵ سکھ درسن سوسمار۔ جو سوراخوں وغیرہ میں رہتا ہے ۱۲ آسی

انگور، سنگترہ نارنگی، بر[1] سیو سدا پھل[2] سیتا پھل[3]
آنب املی جامن لکری بادام چھوارے اور جا پھل

نارنج جھنبیلی اور کوے کھٹے میٹھے کمرکھ، گلگل[4]
کیا گول کھٹے مولسری کیا شفتالو کیا گٹھل بڑھل

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

گرگڑھ بگلہ کلنگ، اور بار کوئی سارس بگلا کویل تیتر
بھری لگھڑ طوطا مینا ہد ہد شکرے باشے، تیتر

سرخاب ترمتی زاغ وزغن سیمرغ اور سارس مرسفر
کیا بلبل قمری لعل بیا کیا لکمھی بھنگا، اور مچھر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گج گینڈا ارنا شیر پلنگ آہو ہرنی روبہ گیدڑا
کج کوہی پاڑا اگرگ چیچ گرگٹ چلپاسہ موش دگرا

سیپی نیولا سانڈا بچھو افعی چیتل جتی، اژدر
کیا جل مانس کیا بن مانس کیا ہاتھی گھوڑا ابل شتر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ابدال قطب اور غوث ولی ہے دھیان میں تیرے اس سب کا
تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا تجھ سے دھیان لگا

کیا گیانی دھیانی نار دمن کیا جوگی جنگم گرچیلا
کیا شاہ نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنگال گدا

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

(۴)

تو کار جہاں رانکو ساختی

خدا کی ذات ہے وہ ذوالجلال والاکرام،
اسی نے ارض و سموات کو دیا ہے نظام

کہ جس سے ہوتے ہیں پروردہ سب خواص و عوام
اسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام

قدیر و حی و کریم و مہیمن و منعام

فلک پہ تاروں کی کیا کیا مرصع کاری کی
ضیا و نور کی کیا کیا تجلی باری کی

پھر ان میں زیب فزا کہکشاں نگاری کی
بروج بارہ میں لاکر رکھی وہ بار یکی

کہ جسکو پہونچے نہ فکرت نہ دانش و اوہام

[1] بربر کا مخفف ہے اور یہ عوام کی بول چال میں ہے [2] گو اصل کتاب میں سدا پھل لکھا ہے مگر میرے خیال میں سری پھل کا نسخہ بہتر ہے۔ سدا پھل وہ درخت جو ہمیشہ پھلوں سے لدا پھندا رہے ہمیشہ پھل لانے والا درخت۔ ہر سال پھلنے والا درخت سری پھل۔ ناریل نارجیل صحرائی بعض جگہ سری پھل بیل کو بھی کہتے ہیں ۱۲ [3] سیتا پھل شریفہ [4] شہباز [5] گلگل ایک قسم کا بڑا درخت ۱۲ اشرف علی

بنائی کرسی[1] و عرش اور لامکاں در آں
طہور[2] و حور و قصور و ملائک و رضواں

پھر اور سدرہ و رفرف سے درج نار و جناں
ادھر فرشتۂ کروبی اور اُدھر غلماں

قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقت ارقام

ثوابت[3] اُس نے بنائے ہیں اس قدر بسیار
کہ روز حشر تلک ہو سکے نہ جن کا شمار

مگر یہ نام ہیں اُن کے جو سات ہیں سیار
یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ اُن کے یار

عطارد و زحل و زہرہ، مشتری، بہرام

ہوا ہے حکم ازل سے جو اُن کو پھرنے کا
کریں گے دَور یہ ہمراہ آسماں کے سدا

قوی کسی کا کہاں حکم ہو سکے ایسا
جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا

پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام

جو کچھ ہے اُس نے بنایا یہ کل نہان و عیاں
اُسی کی صنعت و قدرت کے ہیں یہ سب نشاں

ہیں ایسے ایسے مکاں اور اُسکے بے پایاں
بشر جو چاہے سو سمجھے انھیں ہے کیا امکاں

ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام

زمیں کو دیکھو تو کل آب پر دیا ہے قرار
پھر اُس میں اور بنائے ہیں کوہ و بر[4] و بحار

کیا ہے اور نباتات کے تئیں اظہار
نکالے اُن سے گل و میوہ شاخ گل اور بار

سب اُس کے لطف و کرم کے ہیں عام یہ انعام

اُسی کے حکم سے ہم اس جہاں میں آتے ہیں
زبان و عقل و خرد، چشم و گوش پاتے ہیں

اُسی کے لطف سے پھولے نہیں سماتے ہیں
اُسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں

چھوہارے، کشمش و انجیر و پستہ و بادام

ہے وہ ہی خالق و رازق وہی رؤف و غفور
اُسی کے مہر سے پلتے ہیں انس و وحش و طیور

اُسی کے حکم سے خلقت کا یاں ہوا ہے ظہور
چمک رہا ہے اُسی کی یہ قدرتوں کا نور

بہر زمان و بہر ساعت و بہر ہنگام

---

[1] کرسی آٹھواں آسمان۔ چھوٹا تخت۔ تخت رب العالمین جس کی تعریف مجال انسانی سے باہر ہے۔ سدرہ آسمان ہفتم پر بیر کا ایک درخت جس کو سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں۔ رفرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا گھوڑا۔ نام مقام اسرافیل۔
[2] طہور شراب جنت۔ قصور قصر کی جمع۔ رضوان داروغہ بہشت کروبی۔ فرشتہ مقرب۔ غلمان جنت کے امرد لڑکے۔ لوح سے مراد لوح محفوظ ۱۲
[3] ثوابت وہ ستارے جو گردش نہیں کرتے۔ سیارے گردش کرنے والے ستارے ۱۲
[4] بر۔ جنگل۔ بحار بحر کی جمع ۱۲ آسی

اسی نے حکم کیا ہے ہمیں عبادت کا
جو غور کی تو ہمارا بھی ہے اسی میں بھلا

اُسی نے طاعت و تقویٰ کا حکم ہم کو دیا
کہ اُس کا شکر کریں شب سے تا بروز زاد

اطاعت اُس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

جو اس میں لطف و عنایت ہے کب کسی میں ہو
عبادت اُس کی ہے جو ہووے دل کی خو

ہر اک طرف ہے اُسی کے گُلِ کرم کی بو
نظیر نکتہ سمجھ مہر و فضل خالق کو

اُسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

(۵)

چڑیوں کی تسبیح

(وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحھم)

وقت سحر کی روحیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں، کر کر ذکر کمن اور فکیوں کرتی ہیں

مرغے بولے گکڑوں گکڑوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اُس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا، سب بچوں بچوں کرتی ہیں

بنکھ[1] بڑھا گرڑھ بنکھ اسی کے غم کی تپ میں تپتے ہیں
عنقا اور سیمرغ اُسی کی فرقت بیچ تڑپتے ہیں

سارس گدھ حواصل[2] بُزّے بگلے بنکھ کلپتے ہیں
بنکھ پکھیرو جتنے ہیں سب نام اُسی کا جپتے ہیں

[1] بنکھ بڑھا گرڑھ بنکھ پرندوں کے نام ۱۲ [2] حواصل ایک سفید آبی پرند کا نام جس کا پوٹا بڑا اور آگے نکلا ہوا ہوتا ہے ۔ بزا ایک دریائی پرندہ ۲ ، شہباز

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ہے سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

قمری بولے حق سرہٗ بلبل بولے بسم اللہ
کبک ٹیٹری چاروں قل اور تیتر بھی سبحان اللہ

دادر[1] مور پپیہے، کوئل کوک رہے اللہ اللہ
فاختہ کو کو تیہو ہو ہو، طوطے بولیں دحق اللہ

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ہے سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

شکرا[2] چیخ اور لگھڑ باشے، اور ترمتی، باز کوئی[3]
کونج[4] کبوتر، سبزک، جھاپو، کلکل، سارو، مارچوئی[5]

لعل پڑھے صم بکم جب پہنے پوشاک سوئی
پدڑی، پدی، پودنے شکر خورے بولیں توئی توئی

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ہے سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

چیل[6] کٹطی السجل کہے ہے چلوں چلوں، مت جان، میاں
کوے قاں قاں، کرتے ہیں الآن کما کان[7] میاں

مرمر بولے مرغابی کل من علیہا فان، میاں
جتنے پنکھ پکھیرو ہیں سب پڑھتے ہیں قرآن میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

ہنس ہما، سرخاب، تدرویں بولیں یا رحمان، میاں

---

[1] دادر رہتہری میں مینڈک کو کہتے ہیں۔ گیتوں میں مور کے سلسلہ میں اس کا ذکر اکثر آیا ہے۔ اس لیے دونوں میں ایک قسم کا تعلق اور دلچسپ رشتہ پیدا ہو گیا ہے جس کو محض خیال شستگی و صفائی زبان توجہ نہیں ۱۲۔ [2] متداول نسخوں میں بند ۴۔ ۵۔ ۶ نہیں ہیں ۱۲۔ [3] کوہی جو تلفظ عام میں کوئی ہو گیا ہے۔ [4] کونج فرہنگ آصفیہ سے مستنبط ہوتا ہے کہ سارس قاز کی جنس سے ہے۔ بعض اہل دہلی سے تحقیق ہوا کہ قاز کی یہ بگڑی ہوئی شکل ہے۔ [5] مارچوبی چوئی مار یا چوہی مار ہے جس کو فارسی میں موشک خوار کہتے ہیں ۱۲۔ [6] آیۃ کا ٹکڑا ہے یوم نطوی السماء کطی السجل قیامت کے بیان میں ۱۲ شہباز۔

[7] نون کو بالاشباع پڑھنے سے وزن ٹھیک ہوتا ہے ۱۲ شہباز۔

سارو، ہریل اور لٹورے، دھیڑ یا حنان، میاں

ققنس، تیتر، چکوہ، چکوی بولیں یا منان، مہاں
ہُدہُد بولیں احد احد کچھ تو بھی تو کر دھیان، میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

بوم چغد اور سبزک ابابیل اور چکوریں شام چڑی
کھنجن، جھپاں، لوے، کلنگ اور غوغائی کی دھوم پڑی

تتلی، ٹڈی، ڈانس[1]، بھنبھیری، کترنی بھنوری اور بڑی
مکھی، مچھر، پسو بھنگے بول رہے سب گھڑی گھڑی

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

تن تن، اور لم ڈھینک، مولا حق حق تار پروتے ہیں
الگھن، بئے، چنڈول، ابلقے یاد میں اُس کی روتے ہیں

طائر تو سب تخم محبت اُس کا دل میں بوتے ہیں
پنچھی اُس کی یاد کریں، ہم پاؤں پسارے سوتے ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

کس کس کا لوں نام غرض ہیں جتنے طائر خورد و کبیر
کوئی کہے 'یا حیّ توانا'، کوئی کہے 'یا رب قدیر'

پنچھی تو سب یاد کریں، اور ہم غفلت میں رہیں اسیر
ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہ ہوگا آہ! نظیر

[1] ڈانس۔ ایک قسم کا بڑا مچھر ۱۲ شہباز

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

(۶)

نظیر بارگاہ رسالت میں

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفےٰ
سر گروہ مسلمیں ہو یا محمد مصطفےٰ
حاکم دین متیں ہو یا محمد مصطفےٰ
قبلۂ اہل یقیں ہو یا محمد مصطفےٰ
رحمت للعالمیں ہو یا محمد مصطفےٰ

آسماں تم نے شب معراج کو روشن کیا
عرش و کرسی کو قدم اپنے سے دے نور و ضیا
رنگ و بو گلشن کی جنت کے بڑھائی بر ملا
جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہے جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمد مصطفےٰ

ہے تمھاری پشت پر مہر نبوت کا نشاں
اور تمھارا وصف ہے طٰہٰ و یٰسیں میں عیاں[1]
معجزے جو ہیں تمھارے اُنکا کب ہووے بیاں
کشور اعجاز جو ہے اُس کے تم باعزّ و شاں
صاحب تاج و نگیں ہو یا محمد مصطفےٰ

تم کو ختم الانبیا حق بھی حبیب اپنا کہے
اور سدا روح الامیں آوے ادب سے وحی لے
کس نبی کو یہ مدارج ہیں تمھارے سے ملے
ہے نبوت کا جو اقدس بحر تم اُس بحر کے
گوہر یکتا تمھیں ہو یا محمد مصطفےٰ

ہیں جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن
جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنع خالق کے چمن
باعث خلق اُن کے ہو تم یا حبیب ذو المنن
اور اک مطلع پڑھوں میں یمن سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمد مصطفےٰ

مطلع ثانی

[1] طٰہٰ و یٰسین۔ قرآن پاک کی دو سورتیں۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ وسلم کے نام ۱۲ آسی

تم ظہورِ اولیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ ہم دمِ جاں آفریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
وجہ قرآنِ مبیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ نزہتِ بستانِ دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
زینتِ خلدِ بریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

احمدِ مختار ہو تم یا شہِ ہر دو سرا ہے تمھارے حکم کے تابع قدر بھی اور قضا
خلق میں خواہش سے تم جس امر کی رکھو بنا دیر اک پل درمیاں آئے تو یہ امکان کیا
جس گھڑی چاہو وہیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آپ کے نقشِ قدم سے جو مشرف ہو زمیں دیکھتا ہے اُس کی رفعت رات دن عرشِ بریں
راز تو خلقت کے تم کو ہی کھلے ہیں شاہِ دیں اور جو جو کچھ کہ ہیں اسرارِ ربّ العالمیں
سب کے تم برحق امیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے اور تمھیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے کیا ہوا لیکن دل اس امید سے مسرور ہے
تم شفیع المذنبیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

مخبرِ صادق ہو تم اور حضرتِ خیر الورا سرورِ ہر دو سرا اور شافعِ روزِ جزا
ہے تمھاری ذاتِ والا منبعِ لطف و عطا کیا نظیر اک، اور بھی سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم واں بھی تمھیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

(۷)

اقرار باللسان و تصدیق بالقلب

رکھ اپنے دل میں اے آدم کے بن کلمہ محمدؐ کا اور اپنی اُنگلیوں اوپر بھی گن کلمہ محمدؐ کا
پڑھتے ہیں سب پری اور دیو جن کلمہ محمدؐ کا مسلماں ہو تو مت بھول اک بھی چھن کلمہ محمدؐ کا
پڑھا کر صدقِ دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں یہ کلمہ طیب تو شفیع المذنبیں کا ہے
محمدؐ مصطفےٰ یعنی کہ ختم المرسلیں کا ہے
خدا کے دوست برحق رحمۃ للعالمیں کا ہے
بھروسا آسرا تکیہ بھی یہ دنیا و دیں کا ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمہ سے کھلتا ہے سدا جنت کا ہر اک در
اسی کلمہ کو پڑھتے ہیں چمن کے پھول سب کھلکر
یہی کلمہ لکھا ہے عرش اور کرسی کے ماتھے پر
یہ سب کلموں سے ہے بہتر یہ سب کلموں سے ہی برتر

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کے نور سے خورشید کہلاتا ہے نورانی
اسی کلمے کے باعث دین و دنیا میں ثنا خوانی
اسی کلمے کے باعث چاند کی روشن ہے پیشانی
اسی کلمے کو پڑھتے ہیں فلک ارض اور ہوا پانی

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے سے ہیں اے دل زمین و آسماں روشن
اسی کلمے سے ہیں جنت کے باغ اور باغباں روشن
مہ و خورشید تارے عرش و کرسی لامکاں روشن
غرض جنت تو کیا اُس سے تو ہیں دونوں جہاں روشن

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہ وہ کلمہ ہے جس کا ہے رہا ارمان نبیوں کو
اسے حور و ملک غلمان پڑھیں ہیں ہر سحر منھ دھو
اسی کلمے کے پڑھنے سے گئے ہیں لوگ عارف ہو
وہ بیشک جنتی ہیں ایک باری جو پڑھیں اسکو

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے کی برکت سے تو اب یاں بھی سلامت ہے
پڑھے گا جو اسے اُسکا دل و جاں بھی سلامت ہے
اگر یاں سے تو جاویگا تو پھر واں بھی سلامت ہے
اُسی کی عاقبت بھی خیر و ایماں بھی سلامت ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

چلے گا جس گھڑی تو چھوڑ کر یہ عالم فانی
نکیر و منکر آکر جب کریں گے تجھ پہ طغیانی
پڑے گا قبر کے جا کر اندھیرے بیں ہو زندانی
یہی کلمہ کرے گا واں تری مشکل کی آسانی

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے نے عزرائیل کی ہیبت کو ٹالا ہے
اسی کلمے نے تنگی کو لحد کی کھول ڈالا ہے

پڑے گا قبر کا تجھ پہ میاں وہ دن جو کالا ہے
یہی کلمہ ترا واں بھی اندھیرے کا اُجالا ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

صف محشر میں جب دہشت کا تجھ پہ وار اُترے گا
یہی کلمہ ترا اُس جا رفیق و یار اُترے گا

گناہوں کا ترا جتنا ہے بوجھ اور بھار اُترے گا
اسی کلمے کی دولت سے میاں تو پار اُترے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں جب پل صراط اوپر تو اپنا پیر ڈالے گا
تو وہ تلوار کی ہو دھار تیرا پاؤں کھائے گا

لگے گا جب وہاں گرنے تو یہ کلمہ بچائے گا
یہی بازو دیکر پڑے گا یہی تجھ کو سنبھالے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

سوا نیزے کے اوپر جبکہ ہو گا آفتاب آیا
ہر اک گرمی کی تابش سے پھریگا سخت گھبرایا

پڑے گا جب ترے تن پر بھی شعلہ اُس کا گرمایا
یہی کلمہ چھتر بنکر کرے گا تجھ پہ واں سایا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

تلیں گے جب وہاں سب کے عمل میزاں کے پلے پر
جو ہلکے ہیں پڑیں گے آفتیں گرز اُنکے کلّے پر

تجھے تولیں گے جس دم اُس ترازو کے محلے پر
یہی کلمہ میاں واں بھی ترے ہووے گا پلّے پر

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

جو پورے ہیں میاں اُن کی تو ہو گی گرم بازاری
کمی ہے جنس جس کی اُسکی ہو گی واں بڑی خواری

ترا پلّہ بھی جب کرنے لگے گا واں سبک ساری
یہی کلمہ بناوے گا ترے پلّے کو واں بھاری

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

پڑے گا تشنگی کا شور اُس میداں میں جب آکر
پھریں گے پانی پانی کرتے مارے پیاس کے اکثر

تری بھی جب لگے گی سوکھنے تالو زباں یکسر
یہی کلمہ تجھے پانی پلاوے گا، میاں بھر بھر

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے دیدارِ حق کا بھی دکھاوے گا
بہشتی کر کے حلّے نور کے تجھ کو پنھاوے گا
محمدؐ کی شفاعت سے بھی تجھکو بخشواوے گا
بڑی عزت بڑی حرمت سے جنت میں لیجاویگا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے واں جام کوثر کا پلاوے گا
یہی کلمہ ترا منھ چاند سا روشن بناوے گا
یہی کلمہ تجھے گلزارِ جنت کا دکھاوے گا
یہی کلمہ ترے ہر وقت پہ واں کام آوے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ نجات اور مغفرت کا ہے ترے چارا
اسی کلمے سے ہے ہم سب گنہگاروں کا چھٹکارا
اسی کلمے سے ہو گی روح تیری عرش کا تارا
اسی کلمے سے ہو گا دین اور دنیا کا نستارا[۵]

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں اب یہ جو کلمہ ہے تو حق کی خاص رحمت ہے
اسی سے یاں نظیرؔ عزت اسی سے واں شفاعت ہے
یہ صدقے سے رسول اللہ کے ہم پر عنایت ہے
یہی سب مومنوں کے واسطے افضل عبادت ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

(۸)

منقبت

علیؑ کی یاد میں رہنا عبادت اسکو کہتے ہیں
علیؑ کی مدح کا پڑھنا کرامت اسکو کہتے ہیں
علی کا وصف کچھ کہنا سعادت اس کو کہتے ہیں
علی کے نام کا لینا حلاوت اس کو کہتے ہیں

علیؑ کی حب میں مر جانا شہادت اسکو کہتے ہیں

اسی کو سر جھکا سجدہ کیا خورشیدِ انور نے
اسی کو لحمکَ لحمی کہا جانِ پیمبر نے
اسی کو لافتی[۶] ہر دم کہا اللہ اکبر نے
اسی کو دم بدم کہا اس شاہِ برتر نے

خدا و مصطفےٰ سے ہم قرابت اس کو کہتے ہیں

۵ نستارا یعنی ہندوؤں کے عقائد کے مطابق عذاب تناسخ سے نجات مسلمانوں کے عقائد کے مطابق عذاب سے نجات ۱۲
ع سقوط ۲
۶ لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار اشارہ ہے حدیث مشہور کی طرف ۱۲ آسی

کیا مولا سے میرے گر کسی نے اک سوال آ گر — جو مانگا اک شتر اسکو دلائے سیکڑوں اُشتر
اگر کچھ زر کی خواہش کی تو بخشے اس قدر گوہر — کہ اُس کا گھر بھرا اور اُس کے ہمسایوں کا گھر باہر
کریم و اہل ہمت میں سخاوت اسکو کہتے ہیں

امیر المومنین گردشت میں پڑھنے نماز آوے — رہیں قامت[1] کے کہنے کے لیے جبرئیل آجاوے
صفیں حور و ملک غلماں[2] و جن و انس کی لاوے — مرا مولا ہر اک سجدے میں وصل حق ہی دکھلاوے
نبوت کے جو مالک ہیں امامت اسکو کہتے ہیں

اُسی نے ایک حملے سے گرایا باب خیبر[3] کا — کروڑوں کافروں سے جا لڑا وہ اک تن تنہا
چہ بیر العلم[4] میں کود کر دیوؤں کو جا مارا — ہزاروں پہلوانوں سے کبھی اپنا نہ منھ موڑا
بہادر بے دل و یکتا شجاعت اسکو کہتے ہیں

کہا اُس شاہ نے "روز قیامت میں جو آؤں گا — وہاں عرصات[5] میں اپنے محبّوں کو جو پاؤں گا
کھڑا ہو عرش کے آگے سبھوں کو بخشواؤں گا — پلا کر جام کوثر سب کو جنّت پہونچواؤں گا
علی کے دوستو بس لو شفاعت اسکو کہتے ہیں

نظیر آوے وہ دن جو شاہ کو سب دوستاں دیکھیں — تو پھر حسنین کے صدقے سے اُنکو ہم بھی واں دیکھیں
اور اب دنیا میں آنکھوں سے نجف کا آستاں دیکھیں — سروں پر اپنے وہ دامان عالی سائباں[6] دیکھیں
قسم ایمان کی ہم عین راحت اسکو کہتے ہیں

(۹)

حضرت علیؑ کا معجزہ

سنتے ہوا اے علی کے محبّان دوستدار — اک معجزہ میں کہتا ہوں اُس شہ کا آشکار
بے تازہ و امدادت بہ از نقل روزگار — تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نامدار
اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

[1] نماز جماعت کی اطلاع کے لیے تکبیر کہنا جسمیں قد قامت الصلوۃ بھی دو مرتبہ کہتے ہیں۔ قامت بھی اسی کلمہ کی طرف اشارہ ہے ۱۲
[2] غلمان جنت کے امرد لڑکے ۱۲
[3] خیبر۔ ارض حجاز میں ایک قلعہ کا نام جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہکر حضرت علی نے فتح کیا ۱۲
[4] بیر العلم یا بیر الالم۔ ایک کنویں کا نام جسمیں ایک روایت کے موافق حضرت علی نے کفار سے جنگ کی۔ بمیر العلم کی ترکیب درست نہیں۔ یہ ایسی ہی ہے جیسے شب لیلۃ القدر ۱۲
[5] عرصات میدان قیامت ۱۲
[6] سائبان سایہ کرنے والا چھاتا پھیر ۱۲ آسی

جس دشت میں شکار کو گذرا تھا وہ غنی
تھا ایک چشمہ پانی کا اور سبز تھی بنی
واں ایک شیر رہتا تھا اور اُس کی شیرنی
دو بچے اُس بنی میں تھی وہ شیرنی جنی
دس بیس روز کے تھے ابھی طفل شیر خوار

بچوں کو اپنی چھاتی پہ رکھے وہ بے زباں
بندوق کی جو آئی صدا اس میں ناگہاں
دونوں کو بیٹھی دودھ پلاتی تھی شادماں
نر مادہ دونوں بھاگ گئے ہو کے نیم جاں
بچے اکیلے رہ گئے جنگل میں بے قرار

القصہ جب شکار سے فارغ ہوا وہ شاہ
رکھوا کے اُن کو اونٹ پہ جلدی سے خوامخواہ
ناگاہ دونوں بچوں پر اُس کی پڑی نگاہ
لی اُس شکار گاہ سے پھر اپنے گھر کی راہ
محلوں میں اپنے آن کے اُس نے لیا قرار

جب آئے شیر و[1] شیرنی با حالت تباہ
وہ شیر کھا کے غش گرا اک بار کر کے آہ
اور دونوں بچے گھر میں نہ آئے اُنھیں نگاہ
اور شیرنی نے لی نجف[3] اشرف کی وہیں راہ
سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

القصہ کتنے روز میں وہ شیرنی غریب
شوہر سے چھوٹی اور ہوئی بچوں سے بے نصیب
بھوکی، پیاسی، پھیرتی ہونٹوں پہ خشک جیب
آ پہونچی یک بیک نجف اشرف کے عنقریب
بچوں سے اپنے سر پہ اُڑاتی ہوئی غبار

بازار میں نجف کے جب آئی وہ نیم جاں
کوئی پکارا دوڑیو کوئی پکارا ہاں ہٹ
ہر اک دکان سے واں کی اُٹھا شور اور فغاں
ہیبت[4] سے اُس کی چھپنے لگے پیر اور جواں
چاروں طرف سے دھوم مچی آ کے ایک بار

وہ تو کسی طرف کو نہ گھر کی بتاتی تھی
آنکھوں سے اس ہجوم میں آنسو بہاتی تھی
نے منھ کو موڑتی تھی، نہ پنجہ اُٹھاتی تھی
شاہ نجف[5] کے روضے پہ فریادی جاتی تھی
لوگ اُسیر اپنے خوف سے کہتے تھے بار بار"

سلہ واوِ عاطفہ کا استعمال اس صورت میں کہ ایک لفظ ہندی اور ایک فارسی اب بعض فصحا جائز نہیں رکھتے۔ اور بعض جائز سمجھتے ہیں ۱۲
سلہ۲ جیسے۔ زبان
سلہ۳ نجف کی ف کے نیچے اضافت توصیفی کی ضرورت ہے۔ قریب کے بجائے عنقریب کو صرف ضرورت شعری جائز کر دے تو کر دے ورنہ عنقریب اور قریب کے محل استعمال میں بڑا فرق ہے۔ نجف وہ شہر جہاں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہے ۱۲
سلہ۴ ہیبت۔ خوف
سلہ۵ شاہ نجف سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۱۲ آسی

حیدرؑ حرم وہ پہونچی حیدرؑ صفدر کے در تلک
دربان اُس کے خوف سے کمسر گئے سرک
داخل ہوئی وہ روضۂ انور میں یک بیک
رونے لگی وہ سامنے سر کو ٹپک ٹپک
آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگی قطار

آنکھوں سے اُسکی آنسو کی ندی جو بہتی تھی
بچوں کا داغ اپنے کلیجے پہ سہتی تھی وے
کچھ منھ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہتی تھی
گویا وہ شہ سے اپنی زبان میں یہ کہتی تھی
بچے مرے دلائیے یا شیر کردگار وے

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا
مظلوم جیسے روتا ہے عادل کے پاس آ
اور کچھ زباں سے اپنی سناتی تھی بقبقا[۱]
نکلے تھی آہ آغا آغا کی منھ اُسکے سے صدا
کہہ آغا آغا درد سے روتی تھی زار زار

فریادی بن کے ساقیٔ کوثر کے سامنے
محتاج بن کے صاحب قنبر[۲] کے سامنے
یوں بیٹھتی تھی روضۂ انور کے سامنے
مظلوم جیسے آن کے داور کے سامنے
کرتا ہے اُس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار

لوگوں کے دل سے جب تو ہوا خوف سگ کا کم
سب اُس کے پاس آن کے دیکھیں تھے اُس کا غم
ہر آن اپنے سر کو پٹک کر کے چشم نم
بچوں کو اس طرح وہ اُٹھاتی تھی دمبدم
فریادی داد مانگے ہے جوں ہاتھ کو پسار

فریاد وہ تو مانگے تھی آغا سے جھوم جھوم
یعنی فلک نے مجکو دکھایا یہ روز شوم
اس بات سے تمام نجف میں پڑی یہ دھوم
گرد اُس کے مرد و زن کا ہوا آن کے ہجوم
حیرت میں تھے تمام چہ ناداں، چہ ہوشیار

کدی[۳] پانی اس کے واسطے کوئی کھانا لاتا تھا
لیکن اُسے تو روئے سوا کچھ نہ بھاتا تھا
بچوں کا داغ ہوش سب اُسکے اُڑاتا تھا
جو اُس کو دیکھتا تھا اُسے رونا آتا تھا
ایسی طرح سے سر کو پٹکتی تھی بار بار وے

[۱] بقبقانا شور مچانا اور شتر کی طرح بلبلانا شور و فریاد کرنا۔ دل سے فریاد کرنا ۱۲ [۲] قنبر حضرت علیؑ کے غلام کا نام ۱۲ [۳] کوئی بروزن قوی اب مستعمل نہیں بلکہ خلاف فصاحت ہے ۱۲ آسی

جب تین دن وہ شیرنی بھوکی پڑی رہی
ناچار ان شریفوں نے دیکھ اس کی بیکلی
جس طرح واں قدیم سے کہنے کی راہ تھی
اس طرح سے جناب مقدس میں عرض کی
باسینۂ الم کش و باچشم اشکبار

آئی ندا یہ شیرنی دیتی دہائی ہے
اک شخص کے یہ ظلم و ستم کی ستائی ہے
بچوں نے اس کے قید کی آفت جو پائی ہے
سو اب ہمارے روضے پہ فریادی آئی ہے
کل اس کا بھید ہوئے گا[1] تم سب پر آشکار

یاں تو شریف کو یہ عنایت ہوا جواب
واں جا پلنگ الٹ دیا اس کا بعین خواب
فرمایا وہ جو شیر کے بچے[2] ہیں دل کباب
بھجوا دے ان کو شہر نجف میں تو کل شتاب
ورنہ تو اس گنہ سے بہت ہوگا شرمسار

ہاں ان کی ان کے واسطے آنسو بہاتی ہے
اور تین دن ہوئے ہیں نہ پیتی نہ کھاتی ہے
فریادی ہو کے روتی ہے اور غل مچاتی ہے
غش ہو ہمارے روضے میں جی کو کھپاتی ہے
جلدی سے ان کو بھیج دے کر اونٹ پر سوار

وہ تھرتھرا کے کانپ اٹھا اور ہو کے عذر خواہ
جانا یہ اس نے یہ ہیں شہنشاہِ دیں پناہ
بولا نجف تو پندرہ دن کی ہے یاں سے راہ
بھجوا دوں کس طرح سے انھیں کل میں پر گناہ؟
اتنا تو اس غلام میں کب ہے گا اختیار“

تب حکم یہ ہوا اسے ”جس وقت ہو سحر
جلدی سے دونوں بچوں کو رکھوا کے اونٹ پر
بھجوا دے اپنے شہر کی آبادی سے ادھر
جب پہنچیں گے یہ شہر کے دروازے کے اوپر
واں پیدا ہوگا غیب سے اک ناقہ و سوار

ہوتے ہی صبح اس نے منگا کر وہ دو بچے[3]
رکھوا کے ایک اونٹ پہ جلدی رواں کیے
جب لوگ آئے شہر کے دروازے کے تلے
کیا دیکھیں ایک شخص کو واں آدھی رات سے
ہے منتظر وہ اونٹ کی پکڑے ہوئے مہار

[1] اب ہوئے گا کے بجائے ہوگا فصیح ہے ۱۲ [2] بچے میں جیم فارسی مشدد ہے، اردو میں یوں ہی چاہیے فارسی میں صرف فتح جیم فارسی کے ساتھ بھی بولتے ہیں ۱۲ [3] کے نزدیک عوام کی زبان ہے۔ تحریر میں لانا خلاف فصاحت ہے ۱۲ آسی

جاتے ہی دونوں بچے اُنھوں نے اسے دیے
وہ اُن بچوں کو لے کے چلا اس شتاب سے
با احتیاط سونپ کے پھر شہر کو پھرے
آپہونچا اُس مکان میں اک پہر دن چڑھے
یکبار اُس کا شہر نجف میں ہوا گزار

بچوں کے آنے آنے کی جب غل[1] ہوئی کر توڑ
جب لا کے اُس کے سامنے بچے دیے وہ چھوڑ
وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منھ کو موڑ
یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت کی کر جھنجھوڑ
انسان جیسے کرتا ہے بچوں کو اپنے پیار

بچے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جا دودھ سے لگے
یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
اُس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسی ہی اُس کے منھ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اُس نے بچے پائے تو ہو کر وہ شادماں
روضے کے سات بار تصدق ہوئی وہاں
بچوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوان بے زباں
پھر آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہونچی اپنے دشت میں خوش ہو کے ایک بار

شیر خدا کے عدل کی یہ دیکھ رسم و راہ
انصاف ایسا چاہیے اے شاہ دیں پناہ
خلقت تمام واں کی پکاری یہ واہ واہ
حامی و منصف اور نہیں کوئی تم سا شاہ
ہے ختم تم پہ عدل و حمایت کا کاروبار

حیواں تمھارے لطف سے جس وقت ہو دیں شاد
جیسے تمھارے در سے ملی شیرنی کی داد
انساں پھر مکان سے رہیں کیونکہ نامراد
احساں ایسے ایسے بہت اے کرم نہاد
ہیں[2] گے تمھارے صفحۂ عالم میں یادگار

اے شاہ یہ نظیر تمھارا غلام ہے
عاصی ہے پر گناہ ہے اور ناتمام ہے
رکھتا سوا تمھارے کسی[3] سے نہ کام ہے
دن رات اُس کا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجو میری آبرو یا شیر کردگار ''

۱؎ غل بمعنی شور۔ اب زیادہ فصحا کی زبان پر بتذکیر ہے ۱۲
۲؎ ہیں کے بجائے ہیں گے اب فصیح نہیں سمجھا جاتا ۱۲
۳؎ اس قسم کی تعقید شعر کو سست کر دیتی ہے ۱۲ آسی

(۱۰)

خیبر کی لڑائی

ہو کیوں نہ بڑا غم سے خوارج کا دہاڑا؟
گھر طیش مخالف کا رہے کیوں نہ اُجاڑا؟
جڑ پیڑ سے کفر اُن کا نہ کیوں جائے اُکھاڑا؟
لے نام علی "جب کہوں للکار جباڑا"
دریائے فلک کا بھی ڈہل جائے کڑاڑا

پہلے تو پیمبر سے لڑا تھا وہ کڑک کے
چھٹ جائیں وہاں سام و نریمان کے چھکے
رستم کے تئیں ٹوک لے، دے زال کو دھکے
ہیں شاہ کی جرأت کے جہاں دھوم دھڑکے
نیزوں کے تئیں آن کے میدان میں گاڑا

دیکھی تھی مرے شاہ کی جب آنکھ سراسر
اس واسطے گھر چھوڑ گئے اُن کو پیمبر
پیش آیا جبھی معرکۂ قلعۂ خیبر
اور آپ نبی لے کے چلے دین کا لشکر
جھنڈوں کے تئیں آن کے میدان میں گاڑا

دن رات مچی آن کے خیبر کی لڑائی
لے نادِ علی حق نے پیمبر کو بھجائی
اور سرِ فتح کئی روز تلک ہاتھ نہ آئی
جبریل نے یہ بات وہیں آن سنائی
یہ گڑھ تو کسی طرح نہ جاوے گا اُکھاڑا

اور یوں ہی بہت روز تلک تم سے لڑیگا
پامال نہ ہو، خاک میں ہرگز نہ گڑے گا
لشکر پہ لڑائی کا بڑا بوجھ پڑے گا
جب تک نہ علی آن کے اس گڑھ پہ چڑھے گا
یہ گڑھ تو اُسی شاہ سے جاوے گا اُکھاڑا"

یہ سنتے ہی حضرت نے مرے شہ کو بُلایا
آنکھوں میں لبِ پاک لگا کر یہ سُنایا
آئے تو وہیں چھاتی سے بس اپنی لگایا
"اس فتح کا ہے حکم ترے نام پہ آیا
بے شک یہ مکاں تم سے ہی جاوے گا اُکھاڑا"

۱ بڑا دہاڑا ہونا - بڑا حال ہونا - خوارج، خارجی کی جمع ۱۲ ۲ جباڑا کوئی لفظ متداول کتب لغت میں نہیں - غالباً یہ جبھاڑا کا آزادانہ تلفظ ہے جبھاڑا جبھوڑا سے بنا ہے اور اس کے معنی ہیں وہ شخص جو نہایت زبردست زبان رکھتا ہو، فصیح گویا - بڑا بولنے والا - بڑا غل مچانے والا غل سے مغز کھا جانے والا - پہلے مصرع میں اجاڑا بمعنی اجاڑ ۱۲ ۳ کڑاڑا - دریا کا بلند کنارا - دریا کا ٹیلا ۱۲ ۴ زال رستم کا باپ - سام رستم کا دادا - نریمان - سام کا باپ رستم کا پردادا - چھکے چھوٹنا - ہوش اڑنا - حواس باختہ ہونا - دھوم دھڑکا رونق - چہل پہل یہاں مراد چرچے شہرت - ذکر اذکار ۱۲ ۶ نادِ علی - ایک دعا کا نام ۱۲ - ۷ گڑھ - قلعہ ۱۲ آکسی ۸ چڑھے بحذف ہا بھی درست ہے چنانچہ ذوق کا مطلع ہے ؎ جھکے ہے ترے ماتھے پہ جھومر کا بڑا چاند + کا بوسہ چڑھے چاند کا وعدہ تھا چڑھا چاند ۱۲ برد فقیر شہباز - ۹ پہلے مصرع میں ترے، اور رقیب کے مصرع میں تم، یہ شتر گربہ ہے جو ممکن ہے کہ نظیر کے زمانے میں صحیح مان لیا جائے مگر اب جائز نہیں - عبدالباری آسی -

یہ سنتے ہی حیدرؓ نے زرہ، خود پہن کر
دلدل پہ چڑھے کہہ کے جو "اللہ اکبر!"
آئے وہ وہاں پر تھا جہاں قلعۂ خیبر
کاوےؔ کو لگا کر دیا رہوار کو چکر
نیزے کو ہلایا کبھی ترچھا کبھی آڑا

کہتے ہیں کہ خیبر ہے بڑے کوہ کے اوپر
گرد اس کے دھرا ہے وہاں اک سخت سا پتھر
دلدل کو پھرا شاہ نے دروازے پہ آکر
ہمّت کر اُٹھا ہاتھ کو مارا جو زمیں پر
پتھر میں وہیں گڑ گیا نیزہ جو ہیں گاڑا!

جب آگے ہوئے واں اسد اللہ نمایاں
تب چلنے لگے تیر و تبر، خنجر و پیکاں
دروازے پہ خیبر کے جو بیٹھا تھا نگہباں
حیدرؓ کے خط و خال پہ جب اُس کا گیا دھیان
منھ دیکھ کے کافر نے وہیں شاہ کو تاڑا۔

چلّا کے جبھی اُس نے یہ آواز سُنائی
"دو کیا بیٹھا ہے کم بخت ہے شامت تری آئی
جو کچھ کہ نشانی تھی بزرگوں نے بتائی
سب اس اسد اللہ میں دیتی ہے دکھائی
اب گڑھ ترا جاتا ہے اسی دم میں اُکھاڑا

دستیؔ ہے نجوموں کی سفیدی میں سیاہی
جاتے ہی مکاں لیوے گا یہ شیر الٰہی
یہ تیر، یہ پیکان ہیں حیدر کی گواہی
آئی ہے ترے کفر کی کشتی پہ تباہی
آیا ہے وہیں شیر الٰہی کا نواڑا"

یہ سنتے ہی مرحب کو غضب طیش چڑھ آیا
آواز سے حارث کو وہیں اُس نے بلایا
لے لشکر کفار کو باہر نکل آیا
حیدر سے چڑھا لڑنے کو وہ دیو کا جنّایا
تیار کیا لڑنے کو کشتی کا اکھاڑا

صف باندھے اُدھر لشکر کفار کھڑا تھا
اور ایک طرف کو تھا علم فوج علیؓ کا
اور دونوں طرف تیز طبل جنگ کا باجا
آواز نقیبوں نے وہیں زور کی دی آ
اور جنگ کا میداں ہیں جما آکے اکھاڑا

ے نے۔ یہ ضرورت ہے ۲۔ ے کا وادینا گھوڑے کو اس طرح چکر دینا کہ ایک دائرہ سا بن جائے ۳۔ بستی ہے یعنی دکھائی دیتی ہے نجوموں یعنی ستاروں میں ۴۔ نواڑا کشتی ۵۔ جایا۔ بچہ۔ لڑکا۔ ۶۔ اب باجا متروک ہے اس کی جگہ بجتا بولتے ہیں۔ نقیب وہ لوگ جو بادشاہوں یا امرا وزرا کی سواری کے آگے آگے آواز لگاتے جاتے ہیں یا کسی کی بار یابی دربار کے موقع پر آواز بلند پکار کر بتلاتے ہیں۔ چوبدار، ہرکارہ آسی

پہلے تو ہوئی جنگ عموڈوں کی نمودار
پھر برق کی صورت سے چمکنے لگی تلوار
پھر اُن کی کمندوں کا کھلا حلقۂ خونخوار
شیروں سے ہوا آن کے میدان نمودار
جوں رعد کے ہوتا ہے گرجنے میں جھنگاڑا

ہر سمت سے آتے ہی گھٹا چھا گئی گھنگھور
شمشیر کی بجلی بھی چمکنے لگی چو اَور[1]
تیروں کا برسنے لگا مینھ آن کے پُر زور
ایدھر سے ہوا لشکرِ اسلام کا غل شور
اودھر سے ہر اک کافرِ بدکیش دہاڑا[2]

مرحب نے اکھاڑے میں قدم آکے دیے گاڑ
خم ٹھونک بدل تیوری کو، بازو کے تئیں جھاڑ
حارث بھی اُسی آن بنا آن کے اک تاڑ
اس زور سے نعرہ کیا واں آن کے چنگھاڑ
کہ قاف کے پردے میں گویا دیو چنگھاڑا

یوں کہنے لگا لشکرِ اسلام کو للکار
تو ہاتھ مرا دیکھ لے اور زور کے آثار
آوے جو ہو کوئی تم میں پہلوان نمودار
کیا تاب ہے مجھ سے جو لڑے آن کے اکبار
میں نے تو سدا دیو کے سینے کو ہے پھاڑا"

یہ سنتے ہی حیدر نے دی رکھ ہاتھ سے صمصام[3]
قنبر نے لیا دوڑ کے دلدل[5] کے تئیں تھام
اور سیدھے چلے آئے اکھاڑے میں اُٹھا گام
مرحب سے لڑے لے کے جب اللہ کا وہ نام
آپس میں لگا ہونے گرزوروں کا جھڑاڑا

مرحب تو وہیں گر پڑا یہ دیکھ کے ساماں
اُس کافرِ بدکیش کے تب چھٹ گئے اوساں
سب پہ ہوئے مولیٰ کے مرے زور نمایاں
مولیٰ نے اُسے مار کے ٹھوکر سے اُسی آں
حارث کو کچل کوٹ کے، مرحب کو پچھاڑا

تھا اُن میں ہی اک اور پہلوان زور آور
دلدل نے اُسے دیکھ کے جلدی سے اُچھل کر
مرحب کو اُٹھانے لگا آکر وہ زور آور
اک لات جڑی قہر کی دانتوں سے پکڑ کر
یوں چاب لیا جیسے چباتے ہیں سنگھاڑا

[1] چاروں طرف
[2] دہاڑنا شیر کا گرجنا۔ شیر کا بولنا ڈروکنا۔ چنگھاڑنا غرّانا۔ گونجنا ۱۲
[3] صمصام تلوار ۱۲
[5] دلدل۔ گھوڑے کا نام ۱۲ حضرت علی

حارث کو گرا شام کو مرحب کے تئیں مار
حملہ کیا خیبر کے اُپر آن کے اک بار
میداں میں کیئے فتح کے آثار نمودار
گھوڑے کے اُپر حیدری نعرے کے تئیں مار
پتال[1] کی جڑ سے درِ خیبر کو اُکھاڑا

تھیں شاہ کی جرأت کی جہاں تک کہ ترنگیں
کتنے تو وہاں بھاگ گئے مار شلنگیں[3]
سب کانپ گئیں قلعۂ خیبر کی النگیں[2]
اور کتنے گئے بھول وہاں آن کے جنگیں
ہر گبر کو پھر تپ سے چڑھا آن کے جاڑا

تب اُن پہ چلی آن کے اسلام کی تلوار
ڈھونڈے سے نہ ملا پھر کسی بدکیش کا آثار
بھاگا کوئی زخمی، کوئی بسمل، کوئی خوں بار
سب دور ہوئے گلشنِ دنیا سے خس و خار
اور کفر کے جنگل پہ بجا دیں کا کلھاڑا

کی فتح غرض شاہ نے خیبر کی لڑائی
کفار میں اسلام کی نوبت کو بجائی
بدکیشوں کی پل مارتے میں کر دی صفائی
خیبر میں پھری آن کے حیدر کی دُہائی
سب اُڑ گیا پھر آن کے کفار کا دھاڑا[4]

میں مدح نظیر اب جو بناتا ہوں ہمیشہ
کھاتا ہوں کھلاتا ہوں لٹاتا ہوں ہمیشہ
دولت ہی کا انعام میں پاتا ہوں ہمیشہ
خیرات اُسی در سے میں پاتا ہوں ہمیشہ
جاری ہے سدا میرے شہنشاہ کا باڑا[5]

(۱۱)

مناقب شیرِ خدا

نورِ ظہورِ خالقِ اکبر کو کیا لکھوں
دریائے معرفت کے شناور[6] کو کیا لکھوں
روحِ روانِ جسمِ پیمبر کو کیا لکھوں
دونوں جہاں کے گوہرِ انور کو کیا لکھوں
حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں؟

[1] زمین ۱۲
[2] باشندہ - فوج ۱۲
[3] لمبے لمبے قدم رکھنا ۱۲
[4] بھیڑ - ہجوم - بڑی جماعت ۱۲ جتھا
[5] باڑا - احاطہ چاردیواری گھیر - دان - خیرات وغیرہ جو شادی میں ہندو لوگ فقیروں اور کمینوں وغیرہ کو دیتے ہیں ۱۲ اشتہار
[6] شناور - تیراک تیرنے والا ۱۲ اشرف

گر نور اُس کا دیکھو کہوں شمس اور قمر
تارے تو جوں ستارے[1] ہیں اُس کفش پا اُپر
وہ اُس کا ذرّہ نور کا وہ اُس کا فیض بر
اور قطب[2] بھی تو اُس سے ہی قائم ہے بخطر
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

گر فی المثل میں اُس کو کہوں روضۂ جناں
اور جو بھلا میں خوبی رضواں سے دوں نشاں
جھکتی ہیں بارِ عجز سے جنّت کی ڈالیاں
سو وہ بھی اُس کے باغ کا ادنیٰ ہے باغباں
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

اور جو کہوں کہ چشمۂ آبِ حیات ہے
اُس کے عرق[3] سے جسم کے یہ قطر جات ہے
یا خضر ہے، تو یہ کوئی کہنے کی بات ہے؟
اور اُس کی اُس کے فضل سے یار و نجات ہے
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

اُس شاہ کے اگر لب و دنداں کی صفا
سو وہ تو صدقے ہو کے رہا خاک میں گڑا
کہوے کوئی کہ لعل و گہر ہیں یہ بے بہا
اور یہ بھی ہو نثار سدا آب میں رہا
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

شاہا تری جو مدح[4] بناتا ہے اب نظیرؔ
لیکن قلم کو ہاتھ لگاتا ہے جب نظیرؔ
تیرے سوا کسی کا کہاتا ہے کب نظیرؔ
صلوات پڑھ کے یہ ہی سناتا ہے تب نظیرؔ
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

(۱۲)

زورِ بازوئے علیؓ

اک معجزہ کہتا ہوں میں اُس شاہ کا سن کر
اک کافر بدذات چلا لڑنے کی دھن[5] کر
موتی سے سخن ہیں بوا سے ڈھلے گے سے چن کر
آسامنے حیدرؓ کے غضب آگ سا بھُن کر
جوں اونٹ ذبح کرتے ہیں چلا کے دہاڑا[6]

---

[1] ستارے سے مراد وہ چھوٹی چمکدار ٹکلیاں جو سلمے ستارے میں ہوتی ہیں اور جوتوں پر بھی ٹانکتے ہیں [2] قطب ایک مشہور ٹھہرا ہوا تارا جسکے گرد وہ تارے گردش کرتے ہیں اور انکو فرقدان یا فرقدین کہتے ہیں۔ قطب خود گردش نہیں کرتا ۱۲ [3] عرق پسینہ ۱۲ [4] مدح بناتا کی بجائے اب مدح کہنا یا مدح لکھنا یا مدح کرنا۔ کہنا چاہیے ۱۲ [5] ضد ۱۲ [6] دہاڑنا شیروں کی طرح شور کرنا۔ بڑے زور سے چیخنا ۱۲ اشرف علی

کہنے لگا میں تم سے علی کشتی لڑوں گا ۔۔۔ کشتی کے جو ہیں پیچ علی تم سے کروں گا
خم ٹھونک کے میدان میں علی تم سے اڑوں گا ۔۔۔ ہاں، یا علی میں آپ سے کچھ گر نہ پڑوں گا

ہر چند علی آپ نے دیووں کو پچھاڑا"

جب شاہ اُٹھے جوش میں آطیش و غضب کے ۔۔۔ یک بارگی اُس کا فربد ذات سے لپٹے
کر یاد خدا ہاتھ کمر بند میں اُس کے ۔۔۔ اک ہاتھ سے پھینکا جو اُسے تین چرخ دے

یوں گر پڑا جوں گرتا ہے دریا کا کڑاڑا

چاہا جو اُٹھے خوف سے وہ کانپ دھڑک کر ۔۔۔ اُس شاہ نے ماری وہیں اک لات کڑک کر
روح اُس کی نکلنے لگی نتھنوں سے پھڑک کر ۔۔۔ نتھنوں سے لہو ڈال کے ماتھے پہ چھڑک کر

منکر کا اجل لے چلی دریا کو نواڑا

دانتوں سے پکڑ تنکا وہ بولا علی، آیا ۔۔۔ تقصیر ہوئی مجھ سے میں اپنا کیا پایا
پھر اُس کو مسلماں کیا، کلمہ کو پڑھایا ۔۔۔ کفار میں جا دین کے ڈنکے کو بجایا

دیں داری کو جاری کیا اور کفر کو گاڑا

(۱۳)

مدح پنجتن

کروں کیا وصف میں اُن کا الم ناک ۔۔۔ کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک[۲]
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک ۔۔۔ کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک[۳]

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

محمد رحمتہ للعالمیں ہے ۔۔۔ حبیب حق شفیع المذنبیں ہے
رسول پاک ختم المرسلیں ہے ۔۔۔ کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے

لگا تحت[۴] الثریٰ سے تا بہ افلاک

[۱] کشتی ۱۲ [۲] لولاک لما خلقت الافلاک یعنی اے محمد اگر میں تجھ کو پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا [۳] ادراک یعنی قوت مدرکہ ۱۲ [۴] تحت الثریٰ سے مراد زمین کے نیچے یا نیچے کی زمین ۱۲ اشرف علی

محمد اور علیؓ یا قوتِ احمر
زمرد لعل ہیں شبیر و شبرؑ
دُرِ بحرِ خدا خاتونِ اطہر
جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گہر ہیں پنجتن پاک

انھیں کے واسطے خلدِ عدن[۱] ہے
جنھیں[۴] ان کی محبت کا چلن ہے
انھیں کے واسطے نہر لبن[۳] ہے
بہشتی حُلہ[۵] اور اُن کا بدن ہے
سدا سیر بہشت اور سایۂ تاک

جسے اُن کی محبت پل[۶] بہ پل ہے
اُسی کو دین اور دنیا کا پھل ہے
جو کوئی ان کی اُلفت میں دغل[۷] ہے
تو اُس مرتد کی یارو یہ مثل ہے
کہ جیسے میوے طوبیٰ[۸] بیچ کر ڈھاک

علی جو شہسوارِ لافتا ہے
فلک ہیبت سے اُس کی کانپتا ہے
امیر المومنیں شیرِ خدا ہے
علی جو صفدرِ روز و غا ہے
کہ جس کی شرق سے ہے غرب تک دھاک

علی ہے قاتلِ کفارِ گمراہ
نبی کا قوت بازو ید اللہ
علی کا حکم ہے ماہی سے تا ماہ
اُٹھا دے چرخ کی گردش تو واللہ
ابھی تھم جائے دم میں چرخ کا چاک

علی نے مہد میں چیرا ہے اژدر
اُلٹ ڈالا ہے اک حملے سے خیبر
علی نے کاٹ ڈالے عمرو و عنتر
خواص اشیا کا پھیرے گردہ سر در
تو ہو تریاک[۹] زہر اور زہر تریاک

علی کو مصطفےٰ نے جی کہا ہے
علی کو لحمک لحمی کہا ہے
علی کو جسمک جسمی کہا ہے
علی کو روحک روحی کہا ہے
یہ سمجھے وہ خدا دے جس کو ادراک

۱؎ عدن۔ بہشت کے باغ جن میں اہل بہشت ہمیشہ رہیں گے ۲؎ صحیح لفظ بفتح اول و سکون دوم ہے ۱۲ ۳؎ لبن بفتح اول و دوم دودھ ۱۲ ۴؎ یعنی جنھیں ان کی محبت ہے مصرع نجات ہو جزو ترکیب الجھا ہوا ہے ۵؎ بہشتی حلہ۔ لباس بہشتی ۱۲ ۶؎ پل بہ پل ایک متروک ترکیب ہے مصرع ثانی سے مراد یہ کہ دین و دنیا میں برخوردار ہے ۱۲ ۷؎ دغل کھوٹ ۱۲ ۸؎ طوبیٰ جنت کا ایک درخت جس کی ایک شاخ جنت کے ہر گھر میں پہونچی ہوئی ہوگی اور اس سے طرح طرح کے میوے اہل بہشت کو حاصل ہوں گے ۹؎ تریاک کسی زہر کو دور کرنے والی دوا ۱۲ آسی

علی کو خاص نسبت ہے نبی سے ۔ نبی کو راہ دل میں ہے علی سے
وہ دونوں ایک تن اور ایک جی ہے ۔ کسی کو تاب کیا غیر از علی سے
جو پہنے مصطفیٰ کے تن کی پوشاک

علی کو جو کوئی پہچانتا ہے ۔ برابر مصطفیٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے ۔ وہ اپنے خاک سر پہ چھانتا ہے
لگائی اُس نے دوزخ کی گرتاک

علی کی دوستی میں جو مرے گا ۔ اُسی کو باغ جنت کا ملے گا
علی کے بغض میں جو جان دے گا ۔ وہ ملعوں دوزخ اندر یوں جلے گا
کہ جیسے آگ پر جلتا ہے خاشاک

جسے وصف علی کچھ سالتا[۱] ہے ۔ اُسی کو دوزخ آخر ڈھالتا[۲] ہے
جو اُن کا بغض دل میں پالتا ہے ۔ گویا بھر بھر کے ڈلیاں[۳] ڈالتا ہے
وہ اپنے دین اور ایمان میں خاک

جو رکھے دشمنی حیدر سے یک مو ۔ وہ بیشک ہے سیہ دل اور سیہ رو
جو لے بکی سے نام مرتضیٰ کو ۔ نہ جاوے اُس شقی کے منھ سے بدبو
کرے گر شاخ سے طوبیٰ کی مسواک

پڑھوں جس دم مناقب میں علی کا ۔ پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اڑ جائے ہر اک ناصبی کا ۔ دھڑک جاوے کلیجہ مدعی کا
عدو کا دم میں ہو جائے جگر چاک

رہوں یاں جب تلک رکھ میری عزت ۔ مروں تو کچھ نہ ہو مجکو اذیت
پھر آوے جس گھڑی روز قیامت ۔ نظیر اپنے کی واں بھی رکھیو عزت
خداوندا بحق پنجتن پاک

[۱] سالنا یعنی سوراخ کرنا ۔ چھید نا ۔ تکلیف دینا ۔ آزار پہنچانا ۱۲
[۲] اپنے سانچے میں ڈھالتا ہے یعنی پیلے آگ میں گلاتا ہے پھر صورت کے نئے نئے قالب میں ڈھالتا ہے ۱۲
[۳] ڈلیا ٹوکری مٹی پھینکنے کی ۱۲ پرنفیر شہباز

(۱۴)

مدح پنجتن پاک

ہے دل میں میرے یاد جو بارہ امام کی
یہ بیت مجھ کو ورد ہے ہر صبح و شام کی
اور آرزو ہے ساقیٔ کوثر کے جام کی
تسبیح ہزار دانہ ہے اور اُن کے نام کی
سمرن[۱] مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

اول تو دل ہو صاف، دوم جسم تابناک
چوتھے عدو کا غیب سے ہو جاوے سینہ چاک
سویم کہاؤں دونوں جہاں میں گنہ سے پاک
اور پانچویں میں ڈالوں مخالف کے سر پہ خاک
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

تن ہے سو پاک صاف معطر ہو مثل پھول
دونوں جہاں میں خوش رہوں از خدمت رسول
ہو روح شاد، دل نہ ہو میرا کبھو ملول
روزہ، نماز، ورد، وظائف ہوں سب قبول
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

بھاگے پہ چڑیل، کانپ اُٹھے بھوت اور پلید
جن و پری ہوں دل سے مرے آن کر مرید
ٹل جاویں دیو، چھپنے لگیں منکر شدید
جیتا رہوں تو شاہ، جو مر جاؤں تو شہید
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

نعرہ کروں جو حیدری، ہل جاویں سب پہاڑ
گر خارجی ہو آوے مرے آگے مثل تاڑ
تھرّاویں چشمہ سار، ہلیں ڈر سے بوٹے جھاڑ
پگڑی کو اُس کی پھینک کے داڑھی کو لوں اُکھاڑ
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

اے دوستو عجب ہے بنا پنجتن کا نام
جو ہیں سو ہیں یہی ختم الخیر والسّلام
جس کے طفیل اتنے بر آتے ہیں سب کے کام
اور ہیں جو ہوں نظیر تو کہتا ہوں صبح و شام
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

[۱] سمرن تسبیح پنجتن جیسے کہ اس مصرع میں آیا ہی اس کو فصحائے حال قابل اتباع نہیں سمجھتے۔ یعنی بہ وزن فاعلن فصیح اور بروزن فعلن غیر فصیح ۱۲ آسی

(۱۵)

ثمرۂ عقیدت

جو محب ہیں خاندانِ مصطفےٰ کے دوستدار — اور علی مرتضیٰ پر جان و دل سے ہیں نثار
سب سنیں دل شاد ہو یہ ماجرا تفصیل وار — ہیں جو عباس علی کرار، غازی، نامدار
اُن کا میں اک معجزہ لکھتا ہوں باعزّ و وقار

آرکاٹ اک شہر ہے واں ایک ساہوکار تھا — جتنے واں زردار تھے اُن سب میں وہ سردار تھا
مال و زر کا گھر میں اُس کے جابجا انبار تھا — اُس کے اک بیٹا سعادتمند، برخوردار تھا
گُل بدن، گُل پیرہن، گلرنگ، گُل رو نامدار

دوسرا اُس کے کوئی بیٹی نہ بیٹا تھا مگر — ایک بیٹا تھا وہی سرو رواں رشک قمر
تھا پنہاتا اُس کو پوشاک اور جواہر سربسر — بسکہ اکلوتا جو تھا، اس واسطے اُس کے اُپر
باپ بھی جی سے فدا اور ماں بھی دل سے تھی نثار

اُن دنوں میں تھا برس تیرہ کا اسکا سن و سال — جب نظر آتا اُسے ماہ محرم کا ہلال
تعزیہ خانوں میں جاتا چھپ کے وہ رعنا غزال — مرثیوں میں سن کے شاہِ کربلا کے غم کا حال
پیٹتا سینے کو اور ماتم سے روتا زار زار

تعزیے کے سامنے ہوکے مودب سر جھکا — مورچھل رو رو ضریح پاک پر جھلتا کھڑا
جب علم اُٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا — یاحسین ابن علی کہکر علم لیتا اُٹھا
لوگ دیکھ اُس کی محبت ہوتے تھے حیران کار

شام سے آکر وہ قندیلیں جلاتا دمبدم — قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دمبدم
عودسوزوں میں اگر لاکر گراتا دمبدم — اہل مجلس کے تئیں شربت پلاتا دمبدم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا تھا واں کا کاروبار

لیکن اس کے باپ کو ہرگز خبر ابتک نہ تھی	جب سُنا اُس نے تو بیٹے پر بہت تاکید کی
جھڑکا اور مارے طمانچے، خوب سی تنبیہ کی	اور کہا "اے بے حیا، بدبخت، موذی، مدّعی

ذات سے کیا تو نکالے گا مجھے اے نابکار؟"

اُس کے دل میں تو شہید کربلا کا جوش تھا	تعزیہ پر دھیان تھا، اور مرثیے پر گوش تھا
باپ تو کرتا نصیحت، اور وہ خاموش تھا	نے طمانچوں کا اُسے، نے جھڑکیوں کا ہوش تھا

اُٹھ گیا تھا اُس کے دل سے صاف سب کا ننگ و عار

باپ نے تو دن میں یہ اُس پر کیا رنج و عتاب	رات کو پھر تعزیہ خانوں میں جا پہونچا شتاب
پھر پکڑ لایا اُسے جا کر بصد حال خراب	الغرض سو سو طرح اُس پر کیے رنج و عذاب

اُس نے پر جانا نہ چھوڑا اُس مکاں کا زینہار

اپنا بیگانہ اُسے جا کر بہت سمجھاتا تھا	پر کسی کا کب کہا خاطر میں اُس کی آتا تھا
رونا اور ماتم ہی کرنا اُس کے دل کو بھاتا تھا	تعزیہ خانے کی جانب یوں وہ دوڑا جاتا تھا

جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

جب تو سب نے تنگ ہو کر مصلحت ٹھانی بہم	جس سے کرتا ہے یہ ماتم اور اُٹھاتا ہے علم
کیوں نہ اب اِس دم وہی ہاتھ اُس کا کر ڈالو قلم؟	کہہ کے یہ آخر کو سب نے، ہے قیامت! ہے ستم!

کاٹ ڈالا ہاتھ جلد اُس بے گنہ کا ایک بار

الغرض کر ہاتھ اُس مظلوم کا تن سے جدا	کوٹھری میں کر کے بند اور قفل اوپر جڑ دیا[لہ]
نے اُسے کھانا کھلایا نے اُسے پانی دیا	شام تک بھوکا پیاسا کوٹھری میں تھا پڑا

دیکھ اپنے ہاتھ کو روتا تھا ڈاڑھیں مار مار

وہ اندھیری کوٹھری وہ بھوک وہ پانی کی پیاس	ہاتھ سے لوہو کی بوندیں بھی ٹپکتیں آس پاس
کس مصیبت میں پڑا وہ گلبدن زرّیں لباس	ہاتھ زخمی، خون جاری، دل پریشاں، جی اُداس

کس سے مانگے داد، اور کس کو پکارے بار بار

لہ قفل جڑ دیا یعنی تالا بند کر دیا ۔ آسی

وہ تو اپنی بیکسی کے درد میں روتا تھا واں
ہو گیا اک بارگی نورِ تجلی کا نشاں
اس میں کیا ہے دیکھتا اس کوٹھری کے درمیاں
اُس تجلّی میں نظر آیا اُسے اک نوجواں
کاندھے کے اوپر علم پہلو میں تیغ آبدار

دستانہ[1] ہاتھ میں اور پشت کے اوپر سپر
دائیں کو تیر و کماں بائیں کو شمشیر و بتر
تن میں اک پہنے زرہ اور خود زریں فرق پر
جس طرح ابر سیہ میں برق ہووے جلوہ گر
اس طرح اُس کوٹھری میں آگیا وہ شہسوار

اُس نے جب اُس نوجواں کے نور[2] کی دیکھی جھلک
دیکھتے ہی اُس کا ہیبت سے گیا سینہ دھڑک
تھا مجسم وہ تو حق کا نور سر سے پاؤں تک
مند گئیں آنکھیں وہیں، اور کھا گئیں پلکیں جھپک
ہو گیا بے ہوش وہ مجبور زخمی دل فگار

تاب کس کی ہے جو اُس چہرے کے آگے تاب لائے
ایسے طالع ایسی قسمت، یہ نصیبا کون پائے
ماہ کیا گر شمس بھی دیکھے تو اپنا سر جھکائے
ایسا شہزادہ مقدس جس کے گھر تشریف لائے
آدمی کیا ہے فرشتوں کا نہیں عزّ و وقار

وہ تو وہ نورِ تجلی دیکھ بے خود تھا پڑا
آپ گھوڑے سے اُتر کے نورِ چشم لافتا
اس عنایت اس کرم کا کچھ بھی پار و انتہا
اُس بریدہ دست کو اُس کے دیا تن سے ملا
اور کہا اُٹھ جلد اے آلِ نبی کے دوستدار

وہ جو آنکھیں کھول کر دیکھے عجب انوار ہے
روشنی سے جس کی روشن سب در و دیوار ہے
ہاتھ کو دیکھا تو خاصا ہاتھ بھی تیار ہے
نہ تو اُس میں درد ہے نہ خون کا آثار ہے
رہ گیا یک بارگی حیرت میں وہ مظلوم زار

پھر جو اس لڑکے کو اس میں ہوش سا کچھ آگیا
اور کہا رو رو مرا تو ہاتھ تو تن سے تھا جدا
ہو تصدق اور وہیں پاؤں کے اوپر گر پڑا
یہ تمھیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے ملا
سچ بتاؤ کون ہو تم اے امیرِ نامدار؟

---

[1] دستانہ یعنی دستانہ سلاح جنگ میں سے ایک لوہے کی چیز تھی جسے لڑنے والے اس غرض سے ہاتھوں سے کہنیوں تک پہنتے تھے کہ وہ جگہ زخم سے محفوظ رہے

[2] نور کی جگہ انوار لایا گیا ہے ۱۲ آسی

باپ نے تو میرے مجھ پر یہ ستم برپا کیا — ہاتھ کاٹا قید کی، اور سو تعدّی و جفا
مجھ سے بیکس پر جو تم نے کی یہ کچھ لطف و عطا — اب خدا کے واسطے جلدی سے اے بحرِ سخا
اپنا کچھ نام و نشاں مجھ سے کہو تفصیل وار"

جب کہا حضرت نے ہم بھی آدمی ہیں اے عزیز — بندۂ درگاہِ رب العالمیں ہیں، اے عزیز
خاکسار و عاجز و اندوہگیں ہیں اے عزیز — جن کا تو کرتا ہے ماتم وہ ہمیں ہیں، اے عزیز
آفریں صد آفریں اے پاک مومن دیندار

یہ ہمارا ہے نشاں اے پاک طینت متقی — نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباس علی
کربلا کے دشت میں دولت شہادت کی ملی — جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اُسے چاہے ہے جی
جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اُس کے غمگسار"

سنتے ہی اس بات کے اکبار وہ لڑکا غریب — ہو گیا شاد اور وہیں سر رکھ کے قدموں کے قریب
یوں لگا کہنے بڑی قسمت بڑے میرے نصیب — میں کہاں عاجز کہاں اللہ کے خاصے حبیب؟
میں تصدق ہوں تمھارا یا شہِ والاتبار

یہ کرم یہ لطف یہ بندہ نوازی کس سے ہو؟ — مجھ سے نالائق کی ایسی سرفرازی کس سے ہو؟
تم نے جو کچھ مجھ سے کی یہ چارہ سازی کس سے ہو — یہ حمایت یہ مدد یا شاہ غازی کس سے ہو؟
اس عنایت اس کرم کا ہے تمھیں پر کاروبار

میں جو اپنے ہاتھ سے کرتا تھا ماتم برملا — اور اُٹھاتا تھا علم کو میں تمھارے جابجا
حق اگر پوچھو تو کس کا ہاتھ ہے کٹ کر ملا؟ — یہ تمھیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے لگا
ورنہ کس میں تھی بھلا یہ قدرت و یہ اقتدار"

وہ ابھی راغب تھا اپنے درد کے اظہار کا — ایک پل میں پھر نہ دیکھا نقش اس اسوار کا
کیا دیا تن سے ملا ہاتھ اپنے ماتم دار کا — معجزہ دیکھو یہ ابنِ حیدرِ کرار کا
کس میں یہ قدرت ہے جز فرزندِ شیرِ کردگار

اب جو اس کے ہاتھ پر کٹنے کی آئی تھی گرہ — کچھ حکیموں سے نہ ہوتا گر وہ پھرتا در بدر
اب انھوں نے کر دیا اک آن میں آتے ہی بر — یہ نہیں دست اور کا دست ید اللہ ہی ہے یہ
جز ید اللہ ہو بھلا کس دست سے یہ دستکار[1]؟

کیا حسین ابن علی نے جوش پیدا میدان میں! — اور رہیں عباس علی کی بخششیں ہر آن میں
جن کے بیٹوں کے رہیں دل خلق کے احسان میں — کیوں نہ پھر خالق کہے اُن کے پدر کی شان میں
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار[2]

صبح کو اُس کوٹھری کا خود بخود در کھل گیا — باپ ماں دیکھیں تو اُس کا ہاتھ تن سے ہے ملا
پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اُس نے سب کہا — سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق سے کلمہ پڑھا
ہاتھ میں تسبیح لی زنار کو ڈالا اُتار کے

پھر ہوئی اس معجزے کی شہر کی خلقت میں دھوم — ہو گیا اس طفل پر سب شہر کا آ کر ہجوم کے
دیکھتا تھا جو کوئی لیتا تھا اُس کے ہاتھ چوم — اور لگا آنکھوں سے یوں کہتا تھا ہر دم جھوم جھوم
"یہ انھیں کی دوستی کے گل نے دکھلائی بہار"

الغرض، ماں باپ اُس پر جان و دل سے ہو فدا — لے کے لڑکے کو چلے دل شاد سوئے کربلا
راہ میں کرتے تھے لوگ اسکی زیارت جابجا — جب وہ منزل پہ اُترتے تھے تو واں کے لوگ آ
دمبدم کرتے تھے اپنا سیم و زر اس پر نثار

کو بکو شہر نجف میں بھی یہ شور و غل پڑے — اک محبِ پاک دل آیا ہے ہندستان سے
واں کے بھی لوگ آئے سب اسکی زیارت کے لیے — اور لاکھوں شخص آئے دور اور نزدیک کے
اس قدر یہ معجزہ سب میں ہوا واں آشکار

کربلا کے پاس پہونچا جس گھڑی وہ ماہتاب — اُن شریفوں کو ہوا حکم شہ عالی جناب
اک ہمارا دوست آتا ہے چلا جوں موج آب — کر کے استقبال تم جا کر اُسے لاؤ شتاب
اُس کی لازم ہے تمھیں دلداری کرنی بیشمار"

[1] دستکار یعنی دستکاری ۱۲
[2] جس شہرت — یکساں نامی تعریف ہے کوئی جوان نہیں مگر علی — کوئی تلوار نہیں مگر ذوالفقار
آسی

کربلا کے لوگ نکلے اُس کے استقبال کو
کر زیارت چوم اُس کے دستِ خوش افعال کو
لے گئے اسپ و شتر آرایش و اجلال کو
سو تجمل سے غرض اُس صاحبِ اقبال کو
شہر میں لائے بصد اکرام و عزّ و افتخار

کام کیا کیا کچھ ہوئے اُس سے خدا کی راہ کے
اُس نے کٹوایا تو ہاتھ اب اُن کے ماتم کے لیے
پھر خدا نے بھی اُنھیں یہ دستِ قدرت کے دیے
کیوں نہ پھر تن سے ملاتے وہ تو منصف ہیں بڑے
سیکھ جاوے اُن سے نصفت[1] آ کے ہر نصفت شعار

جب ہوئے روضے میں داخل وہ محبانِ علیؓ
واں انھوں نے کچھ مکاں بنوانے کی تجویز کی
کر زیارت اور تصدق ہو کے دل سے ہر گھڑی
لڑکا بنواتا پھرے تھا ہاتھ میں لے کر چھڑی
کی عمارت آخرش رنگیں منقش، زرنگار

وہیں بھی اُس کو ملا دنیا بھی یارو، دیکھیو
کیا محبت کے چمن کی ہے یہ خوشبو، دیکھیو
اور محبِ پاک کہلایا ٹک اس کو دیکھیو
کیا ہی طالع کیا ہی قسمت ہے محبّو دیکھیو
اُن کی الفت کا نہال آخر یہ لایا برگ و بار

یا علی عباس غازی صاحبِ تاج و سریر
جان و دل سے اب تمھارے نام کا ہو کر فقیر
سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و کیا امیر
یہ غلام روسیہ اب جس کو کہتے ہیں نظیر
آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے اُمیدوار

(۱۶)

عشق اللہ

یعنی آزادوں کا سلام

پہلے اُس ختمِ رسالت سے کہو عشق اللہ
صاحبِ خلق و کرامت سے کہو عشق اللہ

[1] نصفت - انصاف ۱۲ آسی

گلشن دیں کی طراوت سے کہو عشق اللہ
نور حق شافع امّت سے کہو عشق اللہ

ہر دم اُس شاہ ولایت سے کہو عشق اللہ

اور وہ ہے جس سے ہرا باغ امامت کا چمن
سبز پوش چمن جنّت فردوس حسن
زہر نے جس کا زمرد سا کیا سبز بدن
یاد کر مومنو اس کا وہ ہرا پیراہن

سبزۂ باغ امامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ گل جس سے ہے گلزار شہادت کا کھلا
لے گئے دشتِ بلا میں جو اُسے اہل جفا
تین دن رات کا پیاسا وہ بہادر یکتا
لشکر شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا

گوہر دُرج شجاعت سے کہو عشق اللہ

اور جس مرد کا ہے نام شہ زین عبّاؑ
کربلا میں وہ اگر آہ کا شعلہ کرتا
(زین العابدین)
جل کے لشکر وہ سبھی خاک سیہ ہو جاتا
پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا

اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو عشق اللہ

باقرؑ و جعفرؑ و کاظمؑ و رضاؑ شاہ شہاں
اور تقیؑ نور نبی اور وہ نقیؑ قبلۂ جاں
عسکریؑ، مہدیؑ ہادی وہ امامِ دوراں
ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں

سب ہر اک صاحب عزّت سے کہو عشق اللہ

جتنے اللہ نے بھیجے ہیں ولی پیغمبر
عارف و کامل و درویش و مشائخ رہبر
اور جنھوں نے کہ ذرا حق کے اُپر کر کے نظر
راہ مولا میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر

اُن شہیدوں کی شہادت سے کہو عشق اللہ

ہیں جہاں تک کہ جہاں میں جو ولی اور فقرا
ہر دم ان سب کے دلوں میں ہے بھرا عشق خدا
اور جس مرد نے خوش ہو کے براہ مولا
مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا

اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ صابر و شاکر بہ رضائے اللہ
راہِ مولا میں چلے سے کے توکّل ہمراہ

جا کے جنگل میں پہاڑوں میں لگا حق پہ نگاہ | دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ

اُن جوانوں کی قناعت سے کہو عشق اللہ

وہ جو کہلاتے ہیں دنیا میں خدا کے بندے | بندگی کرتے ہی کرتے وہ بھی خاص ہوئے
خاک بھی ہو گئے پر کرتے ہیں ہر دم سجدے | کہیں ہیں بات نہ ٹوٹے ہیں عبادت کے مزے

دوستو اُن کی عبادت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جن پہ ہیں احوال دو عالم کے کھلے | چلتے دریا میں ہیں اور روے ہوا پر اُڑتے
چاہیں پتھر کے تئیں لعل کریں نظروں سے | چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم لے لے

اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جو عشق کا گلزار کھلاتا ہے نظیرؔ | پنجتن پاک کا عالم میں کہاتا ہے نظیرؔ
ریختہ، فرد، رباعی بھی بناتا ہے نظیرؔ | کہ سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیرؔ

اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

(۱۷)

نظیر روضۂ حضرت سلیم چشتی رح پر

نظیرؔ کا حضرت شیخ سلیم چشتی رح کی مدح میں اس طرح سرگرم کلام ہونا کہ ایک ایک شعر ایک ایک لفظ ایک ایک حرف میں عقیدت اور ستائش و مدحت کا ایک ذخار دریا موجزن ہے نظیرؔ کی فراخ مشربی روشن دماغی کی زبردست دلیل ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ صرف مدح کرتا اور گذر جاتا ہے بلکہ وہ اُن سے اسی طرح التجا بھی کرتا ہے جیسے کسی اپنے مذہب کے پیشوا سے ؎

رکھیو نظیرؔ کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجد ہر احساں حضرت سلیم چشتی

شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بہاء الدین رح کے فرزند ارجمند اور حضرت فرید الدین گنج شکر کی

اولاد میں سے تھے۔ آپ ہندوستان میں شیخ الاسلام اور عرب میں شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے والد ماجد آپ کی ولادت سے قبل لدھیانے میں رہتے تھے۔ اس کے بعد دہلی تشریف لاکر محلہ سرائے علاء الدین زندہ پیر میں مقیم ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ کی ولادت بقول صاحب معارج الولایت ۸۸۴ھ میں اور بقول صاحب اخبار الاخیار ۸۹۷ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کسی وجہ سے دہلی چھوڑ کر فتحپور سیکری میں متوطن ہوئے تو وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ اور پھر آپ اپنے بھائی موسیٰ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ اور چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہیں تھی لہذا آپ کو اپنے فرزندوں سے زیادہ سمجھا۔ جب آپ سن شعور کو پہونچے تو عازم سفر ہوئے مگر آپ کے بھائی کو یہ مفارقت بہت شاق ہوئی اور انھوں نے عذر کیا کہ تم کو کیونکہ جدا کردوں میرے اولاد اور بھائی جو کچھ ہو تمھیں ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تم کو لڑکا عنایت کرے گا چنانچہ اس کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔ اور آپ سرہند تشریف لے گئے جہاں شیخ مجد الدینؒ سے جو اُس وقت کے مشہور اور زبردست عالم تھے۔ آپ نے تکمیل علوم ظاہری کی ۹۳۱ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں متعدد حج کیے۔ روضہ نبوی کے عرصہ تک مجاور رہے۔ اس کے بعد آپ عرب و عجم کی سیاحت میں مشغول رہے اسی اثناء میں شیخ ابراہیم چشتی سے بیعت کرکے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور پھر آپ سے بہت سے لوگوں نے بیعت کرکے مراتب عالیہ حاصل کیے۔ جب اس سفر طویل کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے تو سیکری میں مقیم ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہنے لگے۔ یہیں آپ نے عقد کیا یہیں اہل و عیال کے ساتھ متاہلانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اور بہت سی عمارتیں باغ اور کنویں وغیرہ تعمیر کیے۔ ۹۶۲ھ میں بعض پریشانیوں کی وجہ سے آپ پھر حج کے لیے تشریف لیگئے اور جب آپ دوبارہ حرمین شریفین سے واپس ہوکر فتحپور سیکری میں مقیم ہوئے تو آپ نے اپنے عقیدتمندوں اور حاضر باشوں سے کہا کہ میں نے دو ارادے کیے ہیں ایک اُن میں سے کرنا ضرور ہے یا کہ ترک طعام کردوں یا ترک کلام۔ معتقدین نے عرض کیا کہ اگر سکوت اختیار کیا تو

سب لوگ فیض ارشادات سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ نے ترک طعام کیا اور آخر عمر تک کبھی سات آٹھ دن اور کبھی بارہ دن کے بعد آپ بقدر سد رمق ایسا کھانا کھا لیا کرتے تھے کہ جس میں گوشت نہ ہوتا تھا۔ آخر ۲۹ ر رمضان یوم پنجشنبہ ۹۷۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس سے پہلے اپنے صاحبزادے بدر الدینؒ کو یہ کہہ کر اپنا قائم مقام اور سجادہ نشین کیا تھا کہ حضرت گنجشکرؒ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ فتحپور سیکری میں مدفون ہوئے جہاں آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے خوارق عادات کی حکایات بہت سی ہیں جو کتب سیر و تذکرہ میں دیکھنا چاہییں۔

عبد الباری آسی

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتیؒ
سر دفتر مسلماں حضرت سلیم چشتیؒ
عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتیؒ
مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتیؒ
سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتیؒ

برج اسد کی رونق عرش بریں کے تارے
یہ بات جان و دل سے کہتے ہیں سب پکارے
گلزار دین کے گلچین اللہ کے سنوارے
تم وہ ولی ہو برحق، جو فیض سے تمھارے
عالم ہے باغ و بستاں حضرت سلیم چشتیؒ

شاہوں کے بادشا ہو باتاج بانوا ہو
خلقت کے رہنما ہو دنیا کے مقتدا[1] ہو
اور قبلۂ صفا ہو اور کعبۂ ضیا ہو
تم صاحب سخا ہو محبوب کبریا ہو
ہے تم سے زیب امکاں حضرت سلیم چشتیؒ

شاہ و گدا ہیں تابع سب تیری مملکت کے
پروردہ ہیں تمھارے سب خوان مکرمت کے
لائق تمھیں ہو شاہا اس قدر و منزلت کے
شاہا شرف تو بخشی خالق کی سلطنت کے
ادتم ہو میر ساماں حضرت سلیم چشتیؒ

ہے نام پاک تیرا مشہور شہر و[2] بن میں
کرتی ہیں یاد تم کو یہ جانیں ہیں جو تن میں

[1] مقتدا وہ جسکی پیروی کی جائے ۱۲
[2] ہندی اور فارسی الفاظ میں داؤ عاطفہ کو ایسے اکثر فصحا خلاف فصاحت جانتے ہیں ۱۲ آسی

ہے خُلق کی تمھارے خوشبو گل و سمن میں ۔ خدمت میں ہیں تمھاری فردوس کے چمن میں
جنّت کے حور و غلماں حضرت سلیم چشتیؒ

کعبہ سمجھ کے اپنا مشتاق تیرے در کو کرتے ہیں آ زیارت دل سے جھکا کے سر کو
اوصاف تیرے ہر دم لیتے ہیں سیم و زر کو پڑھتے ہیں مدح تیری گلشن میں ہر سحر کو
ہو بلبل خوش الحاں حضرت سلیم چشتیؒ

ہے سلطنت جہاں کی سب تیرے زیر فرماں چاکر ہیں تیرے در کے فغفور۱؎ اور خاقاں
خوان کرم پہ تیرے ہے خلق ساری مہماں ہیں حکم میں تمھارے جنّ و پری و انساں
ہو وقت کے سلیماں حضرت سلیم چشتیؒ

تم سب سے ہو معظّم اور سب سے ہو مکرم خلقت ہوئی تمھارے سب نور سے مجسّم
اور خوبیاں جہاں کی تم پہ ہوئیں مسلّم ابرِ کرم سے تیرے دائم ہے سبز و خرّم
عالم کا سب گلستاں حضرت سلیم چشتی

پشت و پناہ ہو تم ہر اک گدا و شہ کے محتاج ہیں تمھاری اک لطف کی نگہ کے
منزل پہ آ کے پہنچے سالک تمھاری رہ کے خاکِ قدم تمھاری در چشم مہر و مہ۲؎ کے
ہو روشنی کے ساماں حضرت سلیم چشتیؒ

چشم و چراغ ہو تم اب جملہ مومنیں کے روشن ہیں تم سے پردے سب آسمان و زمیں کے
بیشک ضیائے دل ہو ہر صاحبِ یقیں کے ذرّہ نہیں تفاوت تم آسمان ہو دیں کے
ہو آفتاب رخشاں حضرت سلیم چشتیؒ

عالم ہے سب معطر تیرے کرم کی بو سے حرمت ہے دو ستوں کو حضرت تمھارے دم سے
یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو سے رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجدِ ہر احساں حضرت سلیم چشتیؒ

۱؎ چین کے ایک مشہور بادشاہ کا نام جس کو اس کے باپ نے ایک بت کے نذر چڑھایا تھا بعد کو مدت تک چین کے ہر بادشاہ کا یہی خطاب یا لقب رہا — خاقان۔ بڑا بادشاہ۔ پہلے چین اور ترکستان کے بادشاہوں کا یہی خطاب ہوتا تھا۔ ۲؎ درچشم مہر و مہ کے میں "و کے" زائد ہے۔ اس لیے کہ درچشم مہر و مہ خود وہی معنی بتاتا ہے۔ اس قسم کی ترکیبیں متاخرین کے یہاں ... ہیں۔ قدما کے یہاں اس کو ناجائز نہیں جانتے تھے۔ آسی

(۱۸)

تذکرہ حضرت گرو گنج بخش رح

نظیر کا مذہب تو ضرور امامیہ تھا۔ اُس نے کہیں صحابۂ کرام کی مدح نہیں کی۔ اور بعض جگہ انھیں کے ساتھ حضرت علیؓ کی مدح بھی بھول گیا۔ مگر اس حقیقت سے انکار دشوار اور سخت دشوار ہے کہ وسیع المشربی اور روشن خیالی کے ساتھ ہی اُس کو بزرگان دین اور اولیائے کرام کی خدمت میں ایک خاص عقیدت تھی۔ جس کے متعلق مقدمے میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ حضرت سلیم چشتیؒ کی مدح تو جیسی کی ہے وہ آپ نے پڑھی اُن کے عرس کی دھوم دھام میں نظیر کے کیف روحانی کو ملاحظہ کیا۔ مگر کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ نظیر وطن پرست تھا۔ اپنے وطن کا ذرہ ذرہ اُس کی آنکھوں کا سرمہ تھا۔ پھر اتنی بڑی ہستی کی وہ مدح کیوں نہ کرتا۔ جس کے مزار کی شمع کے چکر لگانے کے لیے دنیا پروانہ وار چلی آتی ہے۔ جن کے متبرک روضہ پر آج تک انوار کی شب و روز بارش ہو رہی ہے۔ مگر گرو گنج بخش کی مدح میں کوئی کیا کہے گا۔ اس کو دیکھ کر یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی پنجابی کی فرمائش سے یہ نظم لکھی اور اس کی وجہ یہ معلوم ہے کہ ان بزرگ کا مزار لاہور میں ہے دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ خصوصیت سے اس نظم میں پنجابی لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ سُرت چرن دے نال۔ اسی طرح ہندی کے بھی کئی لفظ لائے گئے ہیں جن کی بظاہر کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی تھی۔

یا پھر یہ ہے کہ دنیاوی ضرورتوں اور آلام نے ان کو مجبور کر رکھا تھا اور کسی سے انھوں نے ان بزرگ کی تعریف سنی ہے۔ اور معاً عرضداشت پیش کر دی۔ مگر اس سب کے باوجود بھی انداز مؤدبانہ اور طرز عقیدتمندانہ نظیر کے حسن عقیدت کی گواہی دے رہا ہے۔ اور اس کے بعد کہنا ہی پڑے گا کہ وہ نام نہاد کوئی مذہب بھی رکھتے ہوں۔ مگر ان کا خلوص دنیا کی ہر مذہب و ملت کے بزرگوں اور واجب الاحترام ہستیوں کے لیے خوش آمدید کہنے کے واسطے تیار ہے۔ گرو گنج بخش کون تھے اسے

ذیل کی عبارت سے معلوم کیجیے۔

داتا گنج بخش

آپ کا نام شیخ علی مخدوم جلالی آپ کے باپ کا نام عثمان بن علی الجلالی تھا۔ آپ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی جنیدی کے مرید اور حنفی مذہب کے بزرگ تھے۔ علوم ظاہر و باطن پر آپ کو یکساں عبور تھا۔ زہد و تقویٰ اور خوارق عادات میں نہایت مشہور و معروف تھے آپ کا سلسلہ فقر شیخ شبلی تک پہونچتا ہے۔ آپ نے اپنے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل رح کے علاوہ دوسرے بزرگان دین مثل شیخ ابوالقاسم گورگانی۔ ابوسعید ابوالخیر۔ ابوالقاسم قشیری وغیرہم سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ سفینۃ الاولیا۔ اور نفحات الانس کے مصنفوں کی تحقیق کے مطابق آپ کا اصل وطن غزنین تھا۔ ہجویر اس شہر کا ایک مشہور محلہ تھا۔ چنانچہ آپ کے والدین کا مزار غزنین ہی میں ہے یوں تو آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مگر کشف المحجوب بہت مشہور ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فارسی میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو موضوع تصوف پر لکھی گئی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں جو فوائد الفواد کے نام سے معروف ہے لکھا ہے کہ آپ کے لاہور تشریف لانے سے پہلے خواجہ حسین زنجانی لاہور کے قطب تھے اور یہ بھی شیخ کے پیر بھائی یعنی حضرت شیخ ابوالفضل کے مرید تھے جب شیخ کے لیے ارشاد ہوا کہ وہ لاہور جائیں اور وہیں مقیم ہوں انھیں خیال ہوا کہ وہاں خواجہ حسین موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے یہی سوچ کر یہ سو گئے مرشد نے فرمایا کہ تم وہاں جاؤ چون و چرا کی کیا ضرورت ہے اور پوچھنے کی کیا حاجت ہے چنانچہ یہ حسب ارشاد مرشد سفر کر کے لاہور پہونچے تو رات ہو چکی تھی شہر کے باہر آپ نے رات گزاری اور صبح جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حسین زنجانی کا جنازہ آ رہا ہے آپ نے جنازہ میں شرکت کی اور پھر بیرون شہر بجانب مغرب قیام فرمایا۔ اور وہیں خانقاہ و مسجد تعمیر فرمائی اور آخر عمر تک وہیں رہے چنانچہ آپ کا مزار بھی وہیں ہے۔ آپ کی وفات ۴۶۵؁ ہجری میں ہوئی اور ۱۲۷۸ھ میں حاجی نور محمد فقیر نے ایک مقبرہ آپ کے مزار پر تعمیر کرایا۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ اجمیری نے آپ کے مزار پر انوا

سے رخصت ہوتے وقت یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

اسی روز سے آپ داتا گنج بخش مشہور ہوئے۔

آسی

ہو رہ دلا مدام گرد گنج بخش کا — خوبی میں ہے قیام گرد گنج بخش کا
کرپا[1] میں احترام گرد گنج بخش کا — لے دل ہمیشہ نام گرد گنج بخش کا
رکھ دھیان صبح و شام گرد گنج بخش کا

ہردم انھیں کی یاد کا رکھ دل میں تو خیال[2] — اور رکھ سر[3] تو اپنی انھیں کے چرن دے نال[4]
کھوتے ہیں سب کے دل کے وہی رنج اور ملال — سیوک کو اپنے کرتے ہیں اک آن میں نہال
بخشش میں ہے یہ کام گرد گنج بخش کا

آتے ہیں وہ مدد کے تئیں جلد ہر کہیں — اُن کا ہوا جو دل سے اُسے کچھ خطر نہیں
یہ بات ٹھیک ہے اسے کرجی میں تو یقیں — گرتا ہوا جو نام لے اُن کا تو اُس کے تئیں
لیتا ہے نام تھام گرد گنج بخش کا

خوبی کچھ اُن کے لطف کی جاتی نہیں کہی — کرپا وہ اپنی رکھتے ہیں ہر آن ہر گھڑی
گہتے ہیں دکھ میں بانہہ بہت ہوتے ہیں خوشی — کہتے ہیں جس کو لطف کی مسند ہوئی وہی
ہے دل سدا مقام گرد گنج بخش کا

رکھ اُن کی لحظہ لحظہ تو کرپا اُپر نظر — وہ اپنے گنج لطف سے دیتے ہیں سیم و زر
جو چاہیئے مراد، اُنھیں سے تو عرض کر — جو دل سے پوجتے ہیں تو اُن سب کے حاج بر
الطاف ہے مدام گرد گنج بخش کا

اُن کی سرن[5] میں آیا تو پھر دکھ نہ ہو کبھو — رکھ لیں گے اپنی مہر سے وہ تیری آبرو

[1] کرپا۔ مہربانی مرحمت ۱۲
[2] خیال دھیان ۱۲
[3] قدم کے قریب
[4] پنجابی فقرہ ہے ۱۲
[5] پناہ۔ حمایت شہباز

رکھ اپنے جی سے اُن کی ہی کرپا کی آرزو　　اَرداس کر کے سر کو جھکا اُن کے در پہ تو

لطف و کرم ہے عام گرو گنج بخش کا

کر عرض اُن سے اپنا تو احوال اے نظیر　　اپنے کرم سے لیں گے تجھے پال اے نظیر
رکھ اُن کی یاد جی میں تو ہر حال اے نظیر　　رہتا ہے جگ میں خوشدل و خوشحال اے نظیر

ہے دل سے جو غلام گرو گنج بخش کا

(۱۹)

گرو نانک شاہ

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو　　وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود، مراد امید سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گرو[۱]　　نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس[۲] نوا اَرداس[۳] کرو اور ہر دم بولو "واہ گرو!"

ہر آن دلوں وِچ[۴] یاں اپنے جو دھیان گرو کا لاتے ہیں　　اور سیوک[۵] ہو کر اُن کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گر اپنی لطف و عنایت سے سکھ چین انھیں دکھلاتے ہیں　　خوش رکھتے ہیں ہر حال انھیں سب تن کا کاج بناتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا اَرداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو آپ گرو نے بخشش سے اس خوبی کا ارشاد کیا　　ہر بات وہ ہے اُس خوبی کی تاثیر نے جس پہ صاد کیا
یاں جس جس نے اُن باتوں کو ہے دھیان لگا کر یاد کیا　　ہر آن گرو نے دل اُن کا خوش وقت کیا اور شاد کیا

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا اَرداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

دن رات جنھوں نے یاں دل وِچ ہے یاد گرو سے کام لیا　　سب من کے مقصد بھر پائے خوش وقتی کا ہنگام لیا

---

[۱] گرو، استاد، مرشد، زباہ نباہ کا ہندوانہ لہجہ ۱۲
[۲] سیس نوا، سر جھکا کر ۱۲
[۳] اَرداس سکھوں کے لہجہ میں عرضداشت ہے ۱۲
[۴] وِچ پنجابی میں بیچ کو کہتے ہیں ۱۲
[۵] سیوک، خادم، پرستندہ ۱۲ شہباز

دکھ درد میں اپنے دھیان لگا جسوقت گرو کا نام لیا
پل بیچ گرو نے آن اُنھیں خوش حال کیا اور تھام لیا

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو"

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں
الطاف سے اُن کے خوش ہو کر سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
وہ اپنی لطف و شفقت سے نت[۱] ہاتھ اُنھوں کے گہتے[۲] ہیں
دکھ دور اُنھوں کے ہوتے ہیں سو سکھ سے جگ میں رہتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا امید کرم کی دھرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ اُنھوں کے بھرتے ہیں
وہ اُن پر لطف و عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
آنند[۳] عنایت کرتے ہیں سب ہنتا[۴] کی چنتا ہرتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو لطف و عنایت اُن میں ہیں کب وصف کسی سے اُنکا ہو
الطاف جنھوں پر ہیں اُنکے سو خوبی حاصل ہے اُن کو
وہ لطف و کرم جو کرتے ہیں ہر چار طرف ہیں ظاہر وہ
ہر آن نظیر اب یاں تم بھی بابا نانک شاہ کہو

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

[۱] نت ہمیشہ برابر ۱۲ [۲] گہتے ہیں مضبوطی سے پکڑتے ہیں۔ ہاتھ گہتے ہیں دستگیری فرماتے ہیں ۱۲ [۳] خوشی ۱۲ [۴] دل کے ترددات کو دور کرتے ہیں ۱۲ شہباز

٭ یہ علامت استفہام کی ہے اور اکثر مشکوک مقامات میں لفظ یا عبارات مشکوک پر خط عرضی کھینچ کر داہنی طرف بنا دی گئی ہے اس غرض سے کہ اگر ناظرین کا رفع شک ہو جائے یا کوئی صحیح نسخہ اُن کو معلوم ہو تو اُس سے مطبع کو بھی مطلع فرمائیں تاکہ طبع ثانیہ میں شکریہ کے ساتھ ترمیم و تصحیح مناسب کر دی جائے۔

مہتمم

تقریبات اہل اسلام

شب برات

(۲۰)

کیونکر کرے نہ اپنی نموداری شب برات
زندوں کی ہے زباں کی مزیداری شب برات

چلیپک[1] چپاتی حلوے سے ہے بھاری شب برات
مُردوں کی روح کی ہے مددگاری شب برات

لگتی ہے سب کے دل کو غرض پیاری شب برات

شکر کا جن کے حلوا ہوا وہ تو پورے ہیں
شکر نہ گڑ کا جن کے وہ پرکٹ لنڈورے ہیں

گڑ کا ہوا ہے جن کے وہ اُن سے ادھورے ہیں
اوروں کے میٹھے حلوے چپاتی کو گھورے ہیں

اُن کی نہ آدھی پاؤ نہ کچھ ساری شب برات

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے
پہونچاتے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی پڑے

قندوں کے حلوے روغنی نانیں لیے کھڑے
زندے بھی راہ تکتے ہیں مردے بھی ہیں کھڑے

ان خوبیوں کی رکھتی ہے تیاری شب برات

ڈھلیا چپاتی حلوے کی تو سب میں چال ہے
کالے سے گڑ کی لپٹی[2] کڑھی کی مثال ہے

ادنیٰ غریب کے تئیں یہ بھی محال ہے
پانی سے ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے

کرتی ہے ایسی دُکھیا پسنہاری شب برات

نہ کے

[1] چلیپک بروزن کمرک نانے کہ خمیر آں را تنک ساختہ درمیان روغن بریاں کردہ باشند۔ برہان قاطع —
[2] لپٹی کوئی سریش نما سیال غذا یعنی قسم کا حلوا جس کا قوام گوند یا سریش کا سا ہو اور نفرت انگیز ہو ۱۲ شہباز

اور مفلسوں کی ہے یہ تمنا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ
دریا پہ جاکے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
حلوائی کی دُکان پہ دادا کی فاتحہ
یاں تک تو اُن پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

وارث ہیں جن کے جیتے وہ مردے بھی آن کر
جن کا کوئی نہیں ہے وہ پھرتے ہیں دربدر
حلوے چپاتی خوب ہی چکھتے ہیں پیٹ بھر
اور دل کے لگتے پھرتے ہیں کونوں سے گھر گھر
اُن کی ہے کھاری نون سے بھی کھاری شب برات

ملّا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں
مفلس کوئی بلاوے تو منھ کو چھپاتے ہیں
حلوا کہیں کہیں وہ چپاتی اُڑاتے ہیں
شکر کا حلوا سنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوے یہ دل میں اہا ہا ری شب برات

چھوڑے ہے لٹو تونبڑی ہر دم بنا کے جو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو
حاکم کا پیادہ کہتا ہے یوں اُس سے تلخ ہو
چھپر جلاؤگے تو دلاوے گی صبح کو
تم سے چبوترے[۱] میں گنہگاری شب برات

پھرتے ہیں عشق باز جو لڑکے کی گھات میں
مہتابی آکے چھوڑیں ہیں لڑکے جو رات میں
ٹونٹا ہی لے کے دیتے ہیں لڑکے کے ہاتھ میں
کیا زرکیاں سی چھوڑے ہیں ہنس ہنس کے بات میں
کرتی ہے کام اُن کے بھی یوں جاری شب برات

جو رنڈی باز ہیں وہ بہت دل میں شاد ہو
اے بی تم اپنی کلھیا ہمیں چھوڑنے کو دو
کیا کیا انار چھوڑے ہیں بشنی[۳] ہو روبرو
اور چاہو تم ہمارا یہ ہت پھول چھوڑ لو
ہو جائے جس کے چھٹتے ہی پھلواری شب برات

اور جو بہار حسن کے ہیں پاکباز یار
کہتے ہیں اُن کو دیکھ کے آنکھوں میں کرکے پیار
گلکاری چھوڑے ہیں جہاں محبوب گلعذار
کیا چاہیے میاں تمھیں ہت پھول اور انار
تم پر تو آپ ہوتی ہے بلہاری شب برات

۱؎ چبوترے سے یہاں مراد کوتوالی یا تھانہ۔ انگریزی عملداری کے شروع میں اونچے چبوترے پر تھانہ وغیرہ قائم ہوتا تھا ۱۲

۲؎ اس نظم میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں جو آتشبازیوں کے نام ہیں۔ لٹو۔ تونبڑی۔ ٹونٹا۔ زرکیاں۔ کلھیا۔ ہت پھول۔ گلکاری۔ چھچھوندر۔ ہوائی۔ پٹاخہ۔ قلم تراشی پینک۔ گھن چکر۔ یہ آتشبازیاں پہلے عام طور سے شبرات کے روز رات کو چھوڑا کرتے تھے ۱۲

۳؎ بشنی۔ آشنا۔ رنڈی باز ۱۲

عبدالباری آسی

گھن چکر اپنے دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں
ٹونٹے ہوائی سینگ کہیں تھتھاتے ہیں
زنیپٹ زبٹ پٹاخے کہیں غل مچاتے ہیں
لڑکوں کے باندھ غول کہیں لڑنے جاتے ہیں
کرتی ہے پھر تو ایسی دھواندھاری شب برات

آ کر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کرڑی
اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی جھڑی
ہو گئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی
پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم تڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں جھلس گئیں
چھاتی کسی کی جل گئی باہیں جھلس گئیں
ٹانگیں بچیں کسی کی تو رانیں جھلس گئیں
مونچھیں کسی کی پھک گئیں پلکیں جھلس گئیں
رکھے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دل میں سمجھتا ہے اپنے غیر
کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنا بیر
کہتا ہے واں نظیرؔ بھی آتش کی دیکھ سیر
یارب تو سب کی کیجیو برسا برس کی خیر
بے طرح کر رہی ہے نمو داری شب برات

(۲۱)

عیدالفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید[۱] کی خوشی
اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رندِ عاشقوں کو ہے کئی اُمید کی خوشی
کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شب برات نہ بقر عید[۲] کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد زرد گال
خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد سنہری سفید لال
دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال

[۱] تجرید تنہائی علیحدگی دنیا سے قطع تعلق ۱۲
[۲] یہاں عموماً بقرید۔ اصل میں بقر عید تھا۔ اردو میں بقرید تھا۔ اور اس کو سند سمجھنا چاہیے۔ بعض بکرید بولتے ہیں وہ صحیح نہیں ۱۲ آسی

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اٹھ کے نہانے کی دھوم ہے
شیر[1] و شکر سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے
لڑکوں کو عید گاہ کے جانے کی دھوم ہے

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

بیٹھے ہیں پھول پھول کے میخانوں میں کلال[2]
اور بھنگ خانوں میں بھی ہیں سرسبزیاں کمال
چھنتی ہیں بھنگیں اڑتے ہیں چرسوں کے دم ذلال[3]
دیکھو جدھر کو سیر مزا عیش قیل و قال

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کوئی تو مست پھرتا ہے جام شراب سے
کوئی پکارتا ہے کہ چھوٹے عذاب سے
کلا کسی کا پھولا ہے لڈو کی چاپ[4] سے
چٹکاریں جی میں بھرتے ہیں نان و کباب سے

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

محبوب دلبروں سے ہے جن کی لگی لگن
ان کے گلے سے آن لگا ہے جو گلبدن
سو سو طرح کے چاہ سے مل مل کے تن سے تن
کہتے ہیں تم کو عید مبارک ہو جان من

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کیا ہی معانقے[5] کی مچی ہے الٹ پلٹ
ملتے ہیں دوڑ دوڑ کے باہم جھپٹ جھپٹ
پھرتے ہیں دلبروں کی بھی گلیوں میں غٹ کے غٹ[6]
عاشق مزے اڑاتے ہیں ہر دم لپٹ لپٹ

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی

---

[1] شیر دودھ کو کہتے ہیں۔ بکر عید کے روز سوئیوں میں چاول شامل کر کے جو پکاتے ہیں اس کھانے کا نام بھی شیر ہے۔
[2] کلال۔ شراب فروش
[3] طواری ۱۲
[3] حب لاصلی ۱۲
[4] لڈو کی چاپ یعنی لڈو کے چبانے سے متقدمین کی زبان ہو سکتی ہے مگر اب اس طرح نہیں بولتے چٹکار۔ چٹخاری
[5] چاؤ۔ خواہش۔ لاڈ۔ پیار ۱۲ ع
[5] معانقہ گلے ملنا
[6] غٹ کے غٹ۔ گروہ کے گروہ ۱۲ اسی

جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کاجل حنا غضب مسی و پان کی دھڑی
کرتی کبھی دکھا کبھی انگیا کسی کرٹی
پشوازیں سرخ سوسنی لاہی[لہ] کی پھلجھڑی
کہہ "عید عید" لوٹے ہیں دل کو گھڑی گھڑی

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

جو جو کہ اُن کے حسن کی رکھتے ہیں دل سے چاہ
جاتے ہیں اُن کے ساتھ لگے تا بہ عید گاہ
توپوں کے شور اور دوگانوں کی رسم و راہ
میانے کھلونے سیر مزے عیش واہ واہ!

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر
تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا وزیر
دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیر

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

(۲۲)

عید

یوں لب سے اپنے نکلے ہے اب بار بار "آہ"
کرتا ہے جس طرح کہ دل بے قرار آہ!
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ!
ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ!

ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ

ہو جی میں اپنے عید کی فرحت سے شادکام
خوباں سے اپنے اپنے لیے سب نے دل کے کام
دل کھول کھول سب ملے آپس میں خاص و عام
آغوشِ خلق گلبدنوں سے بھرے تمام

[لہ] ایک باریک ریشمی کپڑے کا نام پھلجھڑی جس سے پھول جھڑیں ۱۲ آسی

دل لہ

خالی رہا پر ایک ہمارا کنار[1]، آہ!

کیا پوچھتے ہو شوخ سے ملنے کی اب خبر
کتنا ہی جستجو میں پھرے ہم اِدھر اُدھر
ملتا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
لیکن ملا نہ ہم سے وہ عیار فتنہ گر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار، آہ!

رکھتے تھے ہم امید یہ دل میں کہ عید کو
سو[2] تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو
کیا کیا گلے لگاویں گے دلبر کو شاد ہو
تھی آس عید کی سو گئی وہ بھی دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار آہ!

اُس سنگدل کی ہم نے غرض جب سے چاہ کی
کچھ اب ہی اُس کی جور و تعدی نہیں نئی
دیکھا نہ اپنے دل کو کبھی ایک دم خوشی[3]
ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
اکافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہمکنار آہ!

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے
یعنی کہ عیدگاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے
ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستم انتظار آہ!

کیونکر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر
اس درد کو وہ سمجھے جو ہو عشق کا اسیر
دن عید کے بھی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر
جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اُس کے اپر[4] تو حیف ہے اور صد ہزار آہ

(۲۳)

عیدگاہ اکبرآباد

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں
تانتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
سو سو چمن جھلکتے ہیں اک اک نگاہ میں

[1] کنار، یعنی آغوش و بغل بفتح اول و دوم ہے۔ اسکی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے تذکر کی مثال یہ ہے سہ ہلال ماہ محرم سمجھ کے روتا ہوں + کبھی جو یار سے خالی کنار ہوتا ہے + امداد علی بحر لکھنوی۔ مثال مؤنث سہ خفقان القلوب سے ہمدم کی + طوق گردن کنار آب و غم کی + مومن دہلوی۔ مؤلف نور اللغات نے لکھا ہے کہ اب زیادہ بہ تانیث مستعمل ہے ۱۲

[2] سو کو۔ بعض فصحا متروک قرار دیتے ہیں مگر اس کا مترادف لفظ اردو میں اور کوئی نہیں ہے لہذا یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا ۱۲

[3] خوشی بجائے خوش۔ کی مثالیں متقدمین کے کلام میں ملتی ہیں جیسے آتش لکھنوی کا یہ مصرع سہ خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے بلکہ کمی کی بجائے کمتی بھی متقدمین نے لکھا ہے۔ اب ان الفاظ میں احتیاط ضروری ہے ۱۲

[4] اپر۔ بغیر واؤ بجائے اوپر اب بالاتفاق متروک ہے ۱۲ عبد الباری آسی۔

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

جھمکا ہے ہر طرف کو جو آبادلا[1] زری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری
پوشاک میں جھمکتے ہیں سب تن زری زری
ہے سب کے عید عید کی دل میں خوشی بھری

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ مخواہ
صحن چمن ہے جنتی ہے سب صحن[2] عید گاہ
دل باغ باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار
ہاتھی و گھوڑے بیل ورتھ و اونٹ کی قطار
خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں بندھے ہر طرف ہزار
غل شور باجے بھونپے کھلونوں کی ہے پکار

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

پہنے پھرے ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں
کمریں سبھوں نے ملنے کی خاطر ہیں کسلیاں
پھولوں کی پگڑیوں میں ہیں شاخیں اڑسلیاں[3]
ملتے ہیں یوں کہ چھاتی کی کڑکے ہیں پسلیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں ملتے ملتے جو عاجز پری رخاں
تس پر بھی لپٹے جاتے ہیں جوں گڑ پہ مکھیاں
دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبرا کے گالیاں
دامن کے ٹکڑے اڑتے ہیں پھٹتی ہیں چولیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں ملتے ملتے تن جو پسینوں میں تر بتر
چھپتے پھریں ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جدھر
ملنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے ادھر ادھر
ٹھٹا ہنسی و سیر تماشے جدھر تدھر

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خرد اور کبیر
ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دل پذیر
ادنیٰ غریب امیر سے لے شاہ تا وزیر
ہنس ہنس کے مجھ سے کہتا ہے یوں کیوں میاں نظیر

---

[1] بادلا اور زری دو کپڑوں کا نام ۱۲

[2] صحن بالاتفاق مذکر ہے ۱۲

[3] اڑس لیاں اب اردو میں جمع اس طرح نہیں لاتے ۱۲

[4] یہ جمع بھی قدیم زمانے کی ہے اب یوں بولتے ہیں۔ پری رخ جو ملتے ملتے عاجز آتے ہیں ۱۲ آسی

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

تقریبات اہل ہنود

(۲۴)

بسنت

جب[۱] پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنتا
اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے پچنتا
اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ[۲] بھونتا

سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

اک پھول کا گیندوں کے منگایا سے بجرا[۳]
دس من کا لیا ہار گندھا ہاتھ کا گجرا
جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا گجرا
جا یار سے مل کر یہ کہا اے مرے رجرا[۴]

سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار
اور یار کے گجرے بھی تھے اک دھون[۵] کی مقدار
آنکھوں میں نشے کے ابلتے تھے دھواں دھار
جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار

سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

[۱] یہ نظم آزردہ کر کے لکھی گئی ہے۔ اسی واسطے ہر جگہ گھڑی بولی ہے۔ کھلنتا لڑنتا۔ پچنتا بسنتا۔ راجہ کی جگہ رجرا ۱۲ [۲] لکڑ بھونتا کے معنی کسی لغت میں نہیں ملے اور نہ مل سکتے تھے۔ یہ خاص تصرف میاں نظیر کا ہے لڑکے کو آزادانہ شوخی سے لکڑ کر لیا گیا ہے اور بھونتا بھانے سے بنا لیا گیا ہے یعنی وہ لڑکا جو سب کا بھائے طفل عالم فریب ۱۲ پروفیسر شہباز [۳] ایک قسم کی کشتی کا نام ہے ۱۲ [۴] یعنی رات ہوئی ۱۲ [۵] راجہ کی تصغیر ۱۲ [۶] دھون پیمانہ کا ایک وزن۔ اصل میں دہ من تھا کثرت استعمال سے دھون ہو گیا ۱۲ شہباز

پگڑی میں ہماری تھے جو گیندوں کے کئی پیڑ
ساقی نے بھی مٹکے سے دیا منھ کے تئیں بھیڑ
ہر جھونک میں لگتی تھی بسنتوں کے تئیں ایڑ
ہر بات میں ہوتی تھی اسی بات کی آ چھیڑ
سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

پھر راگ بسنتی کا ہوا آن کے کھٹکا
دل کھیت میں سرسوں کے ہر اک پھول سے اٹکا
دھو نسے کے برابر وہ لگا باجنے مٹکا
ہر بات میں ہوتا تھا اسی بات کا لٹکا
سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ
محبوب رنگیلوں کی بھی اک ساتھ لگی جھاڑ[52]
سب کھیت اٹھا سر کے اوپر رکھ لیا جھنجاڑ[51]
ہر جھاڑ سے سرسوں کے بھی کہتی تھی ابھی جھاڑ
سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج آہا ہا!
بلبل کی نکلتی ہے صفیر[53] آج اہا ہا!
دل شاد ہیں ادنیٰ و فقیر آج اہا ہا!
کہتا یہی پھرتا ہے نظیرؔ آج اہا ہا!
سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

(۲۵)

دیگر

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی
سنتے ہی اس پری نے گل گل شگفتہ ہو کر
جب رنگ کے آئی اس کی پوشاکِ پرز زراکت
اک پنکھڑی اٹھا کر نازک سی انگلیوں میں
ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جاں بسنت آئی
پوشاک زرفشانی اپنی وہ ہیں رنگائی
سرسوں کی شاخ پر گل پھر جلد اک منگائی
رنگت پھر اس کی اپنی پوشاک سے ملائی

جس دم کیا مقابل کسوت سے اپنے اس کو
پھر تو بصد مسرت اور سو نزاکتوں سے
دیکھا تو اس کی رنگت اس پر ہوئی سوائی
نازک بدن پہ اپنے پوشاک وہ کھپائی

جھوک

۵۱ جھجھ بڑی گھنی اور لمبی داڑھی کو کہتے ہیں جھجھاڑ لمبی گھنی داڑھی والا داڑھی کی طرح گنجان گھنا ۱۲ -
۵۲ جھاڑ بھیڑ ۱۲
۵۳ صفیر - آواز ۱۲
بہ وفیر شہباز

چمپے کا عطر مل کر سوتی سے پھر خوشی ہو — سیمیں کٹائیوں میں ڈالے گرٹے طلائی
بن ٹھن کے اس طرح سے پھر راہ لی چمن کی — دیکھی بہار گلشن پھر طرب فزائی
جس جس روش کے اوپر جا کر ہوا نمایاں — کس کس روش سے اپنی آن وادا دکھائی
کیا کیا بیاں ہو جیسے چمکی چمن چمن میں — وہ زرد پوشی اس کی، وہ طرز دلربائی
صد برگ نے صفت کی نرگس نے بے تامل — لکھنے کو وصف اس کا اپنی قلم اٹھائی
پھر صحن میں چمن کے آیا بحسن و خوبی — اور طرفہ تر بسنتی اک انجمن بنائی
اس انجمن میں بیٹھا جب ناز و تمکنت سے — گلدستہ اس کے آگے ہنس ہنس بسنت لائی
کی مطربوں نے خوش خوش آغاز نغمہ سازی — ساقی نے جام زریں بھر بھر کے مے پلائی

دیکھ اس کو اور محفل اس کی، نظیر ہر دم
کیا کیا بسنت آ کر اس وقت جگمگائی

(۲۶)

ہولی

ہوا جو آ کے نشاں آشکار ہولی کا — بجا رباب سے مل کر ستار ہولی کا
سرود، رقص ہوا بے شمار ہولی کا — ہنسی خوشی میں بڑھا کاروبار ہولی کا

زباں پہ نام ہوا بار بار ہولی کا

خوشی کی دھوم سے ہر گھر میں رنگ بنوائے — گلال عبیر کے بھر بھر کے تھال رکھوائے
نشوں کے جوش ہوئے راگ رنگ ٹھہرائے — جھمکتے روپ کے بن بن کے سوانگ دکھلائے

ہوا ہجوم عجب ہر کنار ہولی کا

گلی میں کوچے میں غل شور ہو رہے اکثر — چھڑکنے رنگ لگے یار ہر گھڑی بھر بھر
بدن میں بھیگے ہیں کپڑے گلال چہروں پر — مچی یہ دھوم تو اپنے گھروں سے خوش ہو کر

۵ یہاں تقطیعیں نہیں اسما، اسی طرح بند ۲ کا شعر اول کے مصرع دوم کا اور بند ۸ کے شعر اول مصرع ثانی کا بند ۱۲ آسی

تماشا دیکھنے نکلے نگار ہولی کا

بہار چھڑکواں کپڑوں کی جب نظر آئی
نگر لڑا کے پکارا ہر ایک شیدائی[1]
ہر عشق باز نے دل کی مراد بھر پائی
میاں یہ تم نے جو پوشاک اپنی دکھلائی
خوش آیا اب ہمیں نقش و نگار ہولی کا

تمھارے دیکھ کے منہ پر گلال کی لالی
نگہ نے دی مئے گلرنگ کی بھری پیالی
ہمارے دل کو ہوئی ہر طرح کی خوش حالی
جو ہنس کے دو ہمیں پیارے تم اس گھڑی گالی
تو ہم بھی جانیں کہ ایسا ہے پیار ہولی کا

جو کی ہے تم نے یہ ہولی کی طرفہ تیاری
تمھاری آن[2] بہت ہم کو لگتی ہے پیاری
تو ہنس کے دیکھو ادھر کو بھی جان یک باری
لگا دو ہاتھ سے اپنے جو ایک پچکاری
تو ہم بھی دیکھیں بدن پر سنگار ہولی کا

تمھارے ملنے کا رکھ کر ہم اپنے دل میں دھیان
یہ خوش دلی کا جو ٹھہرا ہے آن کر سامان
کھڑے ہیں آس لگا کر کہ دیکھ لیں اک آن
گلے میں ڈال کے بانہیں خوشی سے تم اے جان
پنھاؤ ہم کو بھی اک دم یہ ہار ہولی کا

اُدھر سے رنگ لیے آؤ تم ادھر سے ہم
خوشی سے بولیں ہنسیں ہولی کھیل کر باہم
گلال عبیر ملیں منھ پہ ہو کے خوش ہر دم
بہت دنوں سے ہمیں تو تمھارے سر کی قسم
اسی امید میں تھا انتظار ہولی کا

ہنسوں کی گالیاں ہنس ہنس کے کوئی سہتا ہے
لگا کے تاک کوئی منھ کو دیکھ رہتا ہے
گلال پڑتا ہے کپڑوں سے رنگ بہتا ہے
نظیر یار سے اپنے کھڑا یہ کہتا ہے
مزا دکھا ہمیں کچھ تو بھی یار ہولی کا

[1] شیدا کی بجائے شیدائی کو بعض فصحا غیر فصیح سمجھتے ہیں کیونکہ شیدا خود ہی شیدائی کے معنی دیتا ہے۔ مگر یہ خیال درست نہیں فصحائے ایران نے اس طرح استعمال کیا ہے جیسے کہ حافظ کا یہ شعر — حافظ شب ہجراں شد صبح شب وصل آمد۔ شادیت مبارک باد اے عاشق شیدائی — یہاں صرف شیدائی ہی نہیں عاشق بھی شیدائی کے دل میں موجود ہے۔ دوسرے مصرع میں "کھلائی" ہے مثلاً اس کی بجائے "دکھائی" زیادہ فصیح جانتے ہیں ۱۲ آسی

[2] آن: ناز انداز ادا وغیرہ ۱۲ آسی

(۲۷)

ہولی

قاتل جو میرا اوڑھے اک سرخ شال آیا
گویا نکل شفق سے بدر کمال آیا
کھا کھا کے پان ظالم کر ہونٹھ لال آیا
جب منھ سے وہ پری رو مل کر گلال آیا
اک دم تو دیکھ اُس کو ہولی کو حال آیا

عیش و طرب کا ساماں ہے آج سب گھر اُسکے
از ماہ تا بماہی بندے ہیں بے زر اُس کے
اب تو نہیں ہے کوئی دنیا میں ہمسر اُس کے
کل وقت شام سورج ملنے کو منھ پر اُس کے
رکھ کر شفق کے سر پر طشت گلال آیا

خالص کہیں سے تازی اک زعفراں منگا کر
شیشے میں بھر کے نکلا چپکے لگا چھپا کر
مشک و گلاب میں بھی مل کر اُسے بسا کر
مدت سے آرزو تھی اک دم لگا چکا کر
اک دن صنم پہ جا کر میں رنگ ڈال آیا

ارباب بزم بھر تو وہ شاہ اپنے لے کر
چالاک چست کافر گمراہ اپنے لے کر
سب ہمنشین حسب دلخواہ اپنے لے کر
دس بیس گلرخوں کو ہمراہ اپنے لے کر
یو نہیں بھگونے مجھ کو وہ خوش جمال آیا

عشرت کا اُس گھڑی تھا اسباب سب مہیا
ہاتھوں میں دلبروں کے ساغر کسی کے شیشا
بہتا تھا حسن کا بھی اُس جا پہ ایک دریا
کمروں میں جھولیوں میں سیروں گلال باندھا
اور رنگ کی کٹھی بھر کر مشک و پکھال آیا

عیار گی سے پہلے اپنے تئیں چھپا کر
دوڑے گئی یہ کہکر جاتا ہے دم چرا کر
چاہا کہ میں بھی نکلوں اُن میں سے پھٹ پھٹا کر
اتنے میں گھیر مجھ کو اور شور و غل مچا کر
اُس دم کمر کمر تک رنگ و گلال آیا

یہ چہل تو کچھ اپنی قسمت سے مچ رہی تھی
کیسا سماں تھا کیسی شادی سی رچ رہی تھی

یہ آبرو کی پردہ حرمت سے بچ رہی تھی
اُس وقت میرے سر پر اک دھوم مچ رہی تھی

اُس دھوم میں بھی مجھ کو جو کچھ خیال آیا

لازم نہ تھی یہ حرکت[۱] اے خوش صفیر تجھ کو
کرتے ہیں اب ملامت خرد و کبیر تجھ کو

اللہ رے سب کہے ہیں مل کر شریر تجھ کو
لاحول پڑھ کے شیطان بولا نظیرؔ تجھ کو

اب ہولی کھیلنے کا پورا کمال آیا"

(۲۸)

ہولی

پھر آن کے عشرت کا مچا ڈھنگ زمیں پر
ہر دل کو خوشی کا ہوا آہنگ[۲] زمیں پر

اور عیش نے عرصہ ہے کیا تنگ زمیں پر
ہوتا ہے کہیں راگ کہیں رنگ زمیں پر

بجتے ہیں کہیں تال کہیں رنگ[۳] زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

گھنگرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار
طبلوں کے کھٹکے طبل پہ سازوں کے بجے تار

سارنگی ہوئی بین طنبوروں کی مددگار
راگوں کے کہیں غل کہیں ناچوں کے بندھے تار

ڈھولک کہیں جھنکار سے ہے مرونگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

اس رت میں چمن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے
ہر شوخ کے تن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے

اور جنگل و بن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے
عاشق کے بدن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے

سب عیش کے رنگوں میں ہے ہم رنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

[۱] ہنسی مذاق۔ دھوم دھام ۱۲ یہ حرکت یہ سکوار ... کے معنی میں ... سمجھنا چاہیے ۱۲
[۲] ارادہ ۱۲
[۳] رنگ ۔ ... گھنگرو ... سی

مارا ہے لپٹ ہولی کے رنگوں نے عجب جوش — جو رنگ میں اک خلق بنی پھرتی ہے گل پوش
ہیں ناچ کہیں راگ کہیں رنگ کہیں نوش — پیتے ہیں نشے عیش میں سب لوٹیں ہیں مدہوش

معجون کہیں پیتے ہیں کہیں بھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

میخانے میں دیکھو تو عجب سیر ہے یارو — واں مست پڑے لوٹے ہیں اور کرتے ہیں ہاہو
مستی سے سوا عیش نہیں ہوش کسی کو — شیشوں میں پیالوں میں صراحی میں خوشی ہو

اچھلی ہے پڑی بادۂ گلرنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

گاگاکی پکاریں کہیں رنگوں کی چھڑک ہے — مینا کی بھبک اور کہیں ساغر کی چھلک ہے
طبلوں کی صدائیں کہیں تالوں کی جھنک ہے — تالی کی بہاریں کہیں ٹھلیا کی کھڑک ہے

بجتا ہے کہیں دنت کہیں مرچنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

مستی میں اٹھا آنکھ جدھر دیکھو اہاہا — ناچے ہے طوائف کہیں مٹکے ہے بھویّا۱؎
پیتے ہیں کہیں جام کہیں سوانگ کا چرچا — اور رنگ کو گلیوں میں جو دیکھو تو ہر اک جا

بہتی ہیں امنڈ کر جمن و گنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

معمور ہے خوباں سے گلی کوچہ و بازار — اڑتا ہے عبیر اور کہیں پچکاری کی ہے مار
چھایا ہے گلالوں کا ہر اک جا پہ دھواں دھار — پڑتی ہے جدھر دیکھو ادھر رنگ کی بوچھار

ہے رنگ چھڑکنے سے ہر اک دنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بھاگے ہے کہیں رنگ کسی پہ جو کوئی ڈال — وہ پوٹلی مارے ہے اسے دوڑ کے فی الحال

۱؎ ناچنے والا بھاؤ بتا بتا کر ناچنے والا ۱۲

یہ ٹانگ گھسیٹے ہے تو وہ کھینچے پکڑ بال ۔ وہ ہاتھ مروڑے تو یہ توڑے ہی گھڑا گال

اس ڈھب کے ہر اک جا پہ مچے ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بیٹھے ہیں سب آپس میں نہیں ایک بھی گڑ دا ۔ پچکاری اُٹھا کر کوئی جھمکاوے ہی گھڑوا[1]
بھرتے ہیں کہیں مشک کہیں رنگ کا گڑوا[2] ۔ کیا شاد وہ ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بھڑوا

سننے میں یہاں تنگ نہیں اب ننگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

ہولی کی نظیر اب جو بہاریں ہیں اہا ہا ۔ محبوب رنگیلیوں کی قطاریں ہیں اہا ہا
کپڑوں پہ جمی رنگ کی دھاریں ہیں اہا ہا ۔ سب "ہولی ہے ہولی" ہی پکاریں ہیں اہا ہا

کیا عیش ہے کیا رنگ ہے کیا ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

(۲۹)

ہولی

جب آئی ہولی رنگ بھری سو ناز و ادا سے مٹک مٹک ۔ اور گھونگھٹ کے پٹ کھول دیئے وہ روپ دکھایا چمک چمک
کچھ مکھڑا کرتا دمک دمک کچھ ابرن[3] کرتا جھلک جھلک ۔ جب پاؤں رکھا خوش وقتی سے تب پائل باجی جھنک جھنک

کچھ اُچھلیں سُنتیں[4] ناز بھریں کچھ کودیں آہیں تھرک تھرک

یہ روپ دکھا کر ہولی کے جب نین رسیلے ٹک مٹکے ۔ منگوائے تھال گلالوں کے بھر ڈالے رنگوں سے مٹکے
پھر سانگ بہت تیار ہوئے اور ٹھاٹھ خوشی کے جھرمٹ کے ۔ گل شور ہوئے خوشحالی کے اور ناچنے گانے کے کھٹکے

مردنگیں باجیں تال بجے کچھ کھنک کھنک کچھ دھنک دھنک

پوشاک چھڑکواں سے ہر جا تیاری رنگیں پوشوں کی ۔ اور بھیگی جاگہ رنگوں سے ہر کنج گلی اور کوچوں کی

[1] گھڑوا ہاتھ کا ایک زیور ۱۲ [2] پانی رکھنے کا ایک برتن ۱۲ [3] ابرن یا ابھرن زیور ۱۲ [4] سنگتیں جمع سنگت کی جس کے معنی ہیں ۱۲ [5] باجیں ۔ جگہ کی جا جاگہ یا ہر بار کی جگہ ہر باری اب لفظ کے یہاں متروک ہیں ۱۲

ہر جاگہ زرد لباسوں سے ہوئی زینت سب آغوشوں کی
سو عیش و طرب کی دھومیں ہیں اور محفل میں مے نوشوں کی
مے نکلی جام گلابی سے کچھ لہک لہک کچھ چھلک چھلک

ہر چار طرف خوش وقتی سے دف باجے رنگ اور رنگ ہوئے
دل شاد ہوئے خوشحالی سے اور عشرت کے سو ڈھنگ ہوئے
کچھ دھومیں فرحت عشرت کی کچھ عیش خوشی کے رنگ ہوئے
یہ جھمکی رنگت ہولی کی جو دیکھنے والے دنگ ہوئے
محبوب پری رو بھی نکلے کچھ جھجک جھجک کچھ ٹھٹک ٹھٹک

جب خوباں آئے رنگ بھرے پھر کیا کیا ہولی جھمک اٹھی
سب چاہنے والے گرد کھڑے نظارہ کرتے ہنس خوشی
کچھ حسن کی جھمکیں ناز بھری کچھ شوخی ناز اداؤں کی
محبوب نشے کی خوبی میں پھر عاشق اوپر گھڑی گھڑی
ہیں رنگ چھڑکتے سرخی کے کچھ لپک لپک کچھ جھپک جھپک

ہے دھوم خوشی کی ہر جانب اور کثرت ہے خوش وقتی کی
خوباں کے رنگیں چہروں پر ہر آن نگاہیں ہیں لڑتی
ہیں چرچے ہوتے فرحت کے اور عشرت کی بھی دھوم مچی
محبوب بھگاویں عاشق کو اور عاشق ہنسکر اُن کو بھی
خوش ہو کر اُن کو بھگو دیں ہیں کچھ اٹک اٹک کچھ ہمک ہمک

وہ شوخ رنگیلا جب آیا یاں ہولی کی کر تیاری
کی رنگ چھڑکنے سے کیا کیا اُس شوخ نے ہر دم عیاری
پوشاک سنہری زیب بدن اور ہاتھ رنگیلی پچکاری
ہم نے بھی نظیر اُس چنچل کو پھر خوب بھگویا ہر باری
پھر کیا کیا رنگ بہے اُس دم کچھ ڈھلک ڈھلک کچھ ٹپک ٹپک

(۳۰)

ہولی

میاں تو ہم سے نہ رکھ کچھ غبار ہولی میں
مچی ہے رنگ کی کیسی بہار ہولی میں
کہ روٹھے ملتے ہیں آپس میں یار ہولی میں
ہوا ہے زور چمن آشکار ہولی میں
عجب یہ ہند کی دیکھی بہار ہولی میں

اب اس مہینے میں پہنچی ہے یاں تلک یہ چال
فلک کا جامہ بھی سرخی شفق سے لال

بنا کے چاند کے سورج کے آسماں پہ تھال
فرشتے کھیلیں ہیں ہولی بنا عبیر و گلال
تو آدمی کا بھلا کیا شمار ہولی میں

سنا کے ہولی جو زہرہ بجاتی ہے طنبور
تو اُس کے راگ سے بارہ بروج ہیں معمور
چھوؤں ستاروں کے اوپر پڑا ہے رنگ کا نور
سبھوں کے سر پہ یہ ہر دم پکارتی ہے حور
اکہ رنگ سے کوئی مست کچھ عار ہولی میں

جو گھر کے ابر کبھی اس مزے میں آتا ہے
تو بادلوں میں وہ کیا کیا ہی رنگ لاتا ہے
خوشی سے رعد بھی ڈھولک کی گت لگاتا ہے
ہوا کو ہولیاں گا گا کے کیسا نچاتا ہے
تمام رنگ سے پر ہے بہار ہولی میں

چمن میں دیکھو تو دن رات ہولی رہتی ہے
شراب ناب کی گلشن میں نہر بہتی ہے
نسیم پیار سے غنچے کا ہاتھ گہتی[1] ہے
تو باغبان سے بلبل کھڑی یہ کہتی ہے
نہ چھیڑ مجھ کو تو اے بدشعار ہولی میں

گلوں نے پہنے ہیں کیا کیا ہی جوڑے رنگا رنگ
کہ جیسے لڑکے یہ معشوق پہنتے ہیں تنگ
ہوا سے پتوں کے بجتے ہیں تال و مردنگ[2]
تمام باغ میں کھیلیں ہیں ہولی گل کے سنگ
عجب طرح کی مچی ہے بہار ہولی میں

امیر جتنے ہیں سب اپنے گھر میں ہیں خوشحال
قبائیں پہنے ہوئے تنگ تنگ گل کی مثال
بنا کے گھری طرح حوض مل کے سب فی الحال
مچاتے ہولیاں آپس میں لے عبیر و گلال
بنے ہیں رنگ سے رنگیں نگار ہولی میں

یہ سیر ہولی کی ہم نے تو برج[3] میں دیکھی
کہیں نہ ہووے گی اس لطف کی میاں ہولی
کوئی تو ڈوبا ہے دامن سے لے کے تا چولی
کوئی تو مرلی[4] بجاتا ہے کہہ "کنھیا جی"
ہے دھوم دھام یہ بے اختیار ہولی میں

گھروں سے سانوری اور گوریاں نکل چلبلیاں
کسنبی اوڑھنی اور مست کرتی اچپلیاں[5]

[1] پکڑتی تھامتی ہے
[2] مردنگ ایک قسم کی ڈھولک سنگ - ساتھ - اب خواص اس معنی میں استعمال نہیں کرتے ۱۲
[3] برج متھرا گوکل بندرابن وغیرہ ۱۲
[4] مرلی - بانسری ۱۲
[5] اچپلی

جدھر کو دیکھیں اُدھر مچ رہی ہیں رنگ رلیاں
تمام برج کی پریوں سے بھر رہیں گلیاں
مزا ہے سیر ہے در ہر کنار ہولی میں

جو کچھ کہانی ہے ابلاؔ بہت پیا ماری
چلی ہے اپنے پیا پاس لے کے پچکاری
گلال دیکھ کے پھر چھاتی کھول دی ساری
پیا کی چھاتی سے لگتی وہ چادر کی ناری
نہ تاب دل کو رہی نے قرار ہولی میں

جو کوئی سیانیؔ ہے اُن میں تو کوئی ہے ناکند
وہ شور بور رہتی سب نگ سے نپٹؔ یک چند
کوئی دلاتی ہے ساتھن کو یار کی سوگند
کہ اب تو جامۂ دانگیا کے ٹوٹے ہیں سب بند
پھر آکے کھیلیں گے ہو کر دو چار ہولی میں

نظیرؔ ہولی کا موسم جو جگؔ میں آتا ہے
وہ ایسا کون ہے ہولی نہیں مناتا ہے
کوئی تو رنگ چھڑکتا ہے کوئی گاتا ہے
جو خالی رہتا ہے وہ دیکھنے کو جاتا ہے
جو عیش چاہو سو ملتا ہے یار ہولی میں

(۱۳)

ہولی

سفید و زرد کی لڑائی

جدا نہ ہم سے ہوئے خوش جمال ہولی میں
کہ یار پھرتے ہیں یاروں کے نالؔ ہولی میں
ہر ایک عیش سے ہےگا بحال ہولی میں
بہار اور رنگھاب کے ہے سال ہولی میں
مزا ہے سیر ہے ہر سو کمال ہولی میں

سبھوں کے عیش کو پھاگن کا یہ مہینا ہے
سفید و زرد میں لیکن کمال کینا ہے
طلا کا زرد کنے سر بسر خزینا ہے
سفید پاس فقط سیم کا دفینا ہے

سلہ ابلا۔ ناز ک اندام عورت ۱۲ ؎ سیانی سن تمیز کو پہنچی ہوئی۔ ؎ نپٹ۔ بالکل سراسر ؎ جگ زمانہ ؎ نال ساتھ ہمراہ ۱۲ ؎ ہے کے بجائے ہیگا تی زمانہ فصیح نہیں سمجھا جاتا ۱۲ آسی

ہر ایک دل میں ہے رستم و[1] زال ہولی میں

کہا سفید سے آخر کو زرد نے یہ پیام — کہ اے سفید تو اب چھوڑ دے جہاں کا مقام
میں آیا اب تو مرا بندوبست ہوگا تمام — تو مجھ سے آن کے مل چھوڑ اپنی ضد کا کلام

وگرنہ کھینچے گا تو انفعال ہولی میں

ملے گا مجھ سے تو میں تجھ کو پھر بڑھاؤں گا — بنا کے آپ سا پاس اپنے بٹھاؤں گا
کہا سفید نے "میں مطلقاً نہ آؤں گا — تجھی کو بعد کئی دن کے میں بھگاؤں گا

تو اپنا دیکھیو کیا ہوگا حال ہولی میں"

یہ سن کے طیش میں آ زرد کا سپہ سالار — چڑھ آیا فوج کو لے کر سفید پہ یک بار
ادھر سفید بھی لڑنے کو ہو کے آیا سوار — صف مقابلہ دونوں کی جب ہوئیں تیار

ہوا کرخت جواب و سوال ہولی میں

ملا ادھر سے سفید اور ادھر سے زرد بہار — گھٹائیں رنگ برنگ فوجوں کی جھکیں سرشار
پکھالیں مشکیں چھٹیں رنگ کی پڑی بوچھار — اوڑ[2] چار طرف سے پچکاریوں کی مار امار

اُڑا زمیں سے زماں تک گلال ہولی میں

یہاں تو دونوں میں آپس میں ہو رہی یہ جنگ — اُدھر سے آیا جو اک شوخ بارخ گلرنگ
ہزاروں نازنیں معشوق اور اُس کے سنگ — نشے میں مست کھلی زلف جوڑے رنگ برنگ

کہا کہ پوچھو تو کیا ہے یہ حال ہولی میں

کہا کسی نے کہ اے بادشاہِ مہرویاں — سفید و زرد یہ آپس میں لڑ رہے ہیں یہاں
یہ سن کے آپ وہ دونوں کے آ گیا درمیاں — ادھر سے تھا بنا اُسے اور اُدھر سے سکو کہ "ہاں"

تم اس قدر نہ کرو اختلال[3] ہولی میں

کہا تمھاری خصومت کا ماجرا ہے کیا؟ — کہا سفید نے ناحق یہ زرد ہے لڑتا
یہ سن کے اُس نے وہیں اپنا اک منگا جوڑا — پھر اپنے ہاتھ سے جوڑے کو چھڑکوا اں رنگوا

[1] اب نظم میں دوؔ کا اظہار غیر فصیح سمجھا جاتا ہے ۱۲
[2] اور کی "رے" تقطیع میں نہیں آتی مگر قدما اس طرح لکھ جاتے تھے ۱۲
[3] اختلال خلل پڑنا ۱۲ آسی

کہا کہ دونوں رہو شامل حال ہولی میں

پھر اپنے تن میں جو پہنا وہ خلعتِ رنگیں
ہزاروں لڑکوں نے پہنے وہ جوڑے پھردوں ہیں
سبھوں کو حکم کیا "تم بھی پہنو اب یوں ہیں"
پکاری خلق کہ انصاف چاہیئے یو نہیں"
ہوا پھر اور ہی حسن و جمال ہولی میں

میاں میں کیا کہوں پھر اس مزے کی ٹھہری بہار
ہزاروں باغ رواں ہیں کروڑوں ہیں گلزار
جدھر کو آنکھ اٹھا کر نظر کرو اک بار
چمن چمن پڑے پھرتے ہیں سرو گل رخسار
عجب بہار کے ہیں نونہال ہولی میں

جو نہر حسن کی ہے موج مار چلتی ہے
اگاڑی[2] مست صفِ گلعذار چلتی ہے
علم لیئے ہوے آگے بہار چلتی ہے
پچھاڑی عاشقوں کی سب قطار چلتی ہے
سبھوں کے دل میں خوشی کا خیال ہولی میں

گلال عبیر سے کتنے بھرے ہیں جو پائے
کوئی کہے ہے کسی سے کہ ہم بھی لو آئے"
تمام ہاتھوں میں گڑوے[3] بھی رنگ کے لائے
تو اُس سے کہتا وہ ہنسکر کہ "آمرے جائے"
ہنسی خوشی کا ہے قال و مقال ہولی میں

اسی بہار سے گوکل پورے[4] میں جا پہونچے
سب عالم گنج میں شاہ گنج و تاج گنج پھرے
اور منڈی نائی کی اور سید خاں کی منڈی سے
ہیں شہر میں نہیں اور گرد شہر کے رہتے
ہوا ہجوم کا بحر کمال ہولی میں

سبھوں کو لے کے کناری بزار میں آئے
کہ پیل منڈی و پنی گلی کے بھی آئے
پھر موتی کٹرے پیٹھی کے لوگ سب دھائے
جہاں تہاں سے یہ گھر گھر کے لوگ سب دھائے
کہ بنواؤں کے دیکھیں جمال ہولی میں

ہوئی جو سب میں شریف و رذیل میں ہولی
کسی کا بھر گیا جامہ[5] کسی کی پگڑی بھری
تو پہلے رنگ کی پچکاریوں کی مار ہوئی
کسی کے منھ پہ لگائی گلال کی مٹھی

---

[1] مطابق اصل ۱۲
[2] آگے کی جگہ اگاڑی اور پیچھے کی جگہ پچھاڑی اب نہیں لکھتے بلکہ اگاڑی پچھاڑی اُن رسیوں کے معنی میں مستعمل ہے جو گھوڑے کے اگلے اور پچھلے پاؤں میں باندھ کر میخ وغیرہ سے باندھ دیتے ہیں ۱۲
[3] گڑوا پانی رکھنے کا برتن ۱۲
[4] گوکل پورہ ـ نائی کی منڈی ـ عالم گنج ـ شاہ گنج ـ کناری بازار ـ موتی کٹرہ ـ پیل منڈی ـ پنی گلی ـ پیٹھی ـ یہ سب اکبر آباد کے محلوں کے نام ہیں ۱۲ آسی
[5] جامہ یعنی کپڑا ـ قبا پیراہن نوشاہ کا ایک خاص لباس ۱۲ آسی

کسی نے کسی پر پتا جما ہے

تو رفتہ رفتہ ہوئی پھر یہ چال ہولی میں

گھٹائیں مشک و کپھالوں کی جھوم کر آئیں
صبا نے رنگ کی بوچھاریں آکے برسائیں
سنہری بجلیاں پچکاریوں کی چمکائیں
ہوا نے آن کے ساون کی جھڑیاں بندھوائیں
لگی برسنے کو مشک و کپھال ہولی میں

ادھر گلال کا بادل بھی چھا گیا گھنگھور
یہ لڑکے نازنیں بولیں ہیں کو کلا جوں مور
صدائے رعد ہوئی ہر کسی کا غل اور شور
تمام رنگ کی بوچھار سے ہیں شور ابور
عجب ہے رنگ لگی یہ برشگال ہولی میں

نگاکے چوک سے اور چار سو تلک دیکھا
تمام بھیڑ سے ہر طرف بند ہے رستا
کہ جا گہ ایک بھی تل دھرنے کی نہیں ہے ذرا
تس اوپر رنگ کا بادل ہے اس قدر برسا
کہ ہر گلی میں بہا ڈھولی کھال ہولی میں

نظیر ہولی تو ہے ہر نگر میں اچھی خوب
کہاں ہیں ایسے صنم اور کہاں ہیں یہ محبوب
ولیک ختم ہوا آگرے پہ یہ اسلوب
جنھوں کے دیکھے سے عاشق کا ہووے تازہ قلوب
تری نرالی ہے یاں چال ڈھال ہولی میں

نسخہ بڑی

(۳۲)

ہولی

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں ترے جان ادھر دیکھ
بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن ادھر دیکھ
ہولی ہے صنم ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ
اے رنگ بھرے نو گل خنداں ادھر دیکھ

ہم دیکھنے تیرا یہ جمال اس گھڑی اے جاں
آئے ہیں یہی کر کے خیال اس گھڑی اے جاں
تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جاں
مکھڑے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جاں

ملہ کوکلا ہندی میں کوئل کو کہتے ہیں ۱۲
سلہ برشگال - برسات ۱۲ آسی
سلہ ڈھولی کھال آگرے میں غالباً جمنا کی چھوٹی سی شاخ کا نام ہے ممکن ہے کہ یہ دھوبی کھال ہو یعنی جمنا کا وہ حصہ جہاں دھوبی کپڑے دھوتے ہیں ۱۲ آسی
سلہ نگر موضع - جگہ - گاؤں ۱۲
سلہ تازہ ہوئے قلوب - بجائے قلب تازہ ہو ممکن ہے کہ اس وقت لکھا جاتا ہو - مگر اب درست نہیں ۱۲ آسی

ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان ادھر دیکھ

اب زرد یہ چیرا[1] جو ترے سر پہ جما ہے
نیمہ[2] بھی ترا رنگ سے کیسر[3] کے بھرا ہے
اور اُس پہ یہ طرّہ جو زری کا بھی دھرا ہے
پوشاک پہ تیری گُل صد برگ[4] فدا ہے

نرگس تری آنکھوں پہ ہے قربان ادھر دیکھ

ہولی کی طرب ہے جو ہر اک جا میں نمودار
ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار
سنتے ہیں کہیں راگ کہیں مے سے ہیں سرشار
پچکاری ہمارے تو لگا یا نہ لگا یار

ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان ادھر دیکھ

ہے دھوم سے ہولی کی کہیں شور کہیں غل
دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل
ہوتا نہیں کچھ رنگ چھڑکنے میں تامل
ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل

اے جان ہمارا بھی کہا مان ادھر دیکھ

ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے
ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوق کے مارے
جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے
ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے

ٹک پیار کی نظروں سے مری جان ادھر دیکھ

ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہا ہا!
ہر آن جھمکتا ہے عجب عیش کا چرچا
دیکھو جدھر آتا ہے نظر رنگ تماشا
ہولی کو نظیرؔ اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا!

محبوب یہ آیا ارے نادان ادھر دیکھ

(۳۴)

ہولی کی بہاریں

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

[1] چیرا ایک قسم کی پگڑی۔ طرّہ رقیش کے تاروں کا گچھا۔ پھندنا ۱۲
[2] نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ۔
[3] کیسر زعفران۔
[4] گل صد برگ۔ ایک قسم کا گلاب کا بہت عمدہ پھول ۱۲ آسی

مجبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم مُنھ چنگ[1] بھرے
کچھ گھنگرو تال چھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ[2] ہو رنگ کے ڈوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

گلزار کھلے ہوں پریوں کے اور مجلس کی تیاری ہو
منھ لال گلابی آنکھیں ہوں اور ہاتھوں میں پچکاری ہو
کپڑوں پر رنگ کے چھینٹوں سے خوش رنگ عجب گلکاری ہو
اُس رنگ بھری پچکاری کو انگیا پر تک کر ماری ہو
سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اُس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
منھ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
مے نوشی ہو بیہوشی ہو "بھڑوے" کی منھ میں گالی ہو
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھویوں[3] کے لڑکے
کچھ ناز جتا دیں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گا دیں اڑ اڑ کے
ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ لچکے شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو دھوم عبیروں کی ایسی پر چھائے ہوں ابر گلالوں کے
کچھ ریلے رنگ چھڑکنے کے کچھ نقشے بھیگے بالوں کے
اور بھڑوا بھڑوا کہہ کہہ کر آ گھیریں غول[4] ...... کے
کچھ ہاتھ پکڑ کچھ ..... ل کچھ بوسے لے گالوں کے
جی جان مزے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

دیکھ اُن کی انگیا رنگ بھری اک دل میں جوش اُٹھے بارے
کوئی دیکھ پکارے میا رے! کوئی دیکھ پکارے دیا رے!
ہو تیر کھڑا ... میں چھٹتے ہوں .... کے فوارے
غٹ پٹ چل غول ... کے اس تیر کی ہیبت کے مارے

[1] منھ چنگ۔ ایک باجے کا نام جو منھ سے بجایا جاتا ہے ۱۲
[2] ٹھٹھ۔ مجمع۔ بھیڑ ۱۲
[3] بھاؤ بتا کر ناچنے والے ۱۲
[4] غول۔ گروہ
جہاں نقطے لگے ہیں وہاں سے غیر مہذب الفاظ نکال دیے ہیں ۱۲ آسی

دہشت سے دور بھٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

شہ زور کماں ہو... کی اور تیر کھرا فولادی سر
کوئی بھاگے ہاتھ کو پیچھے رکھ کوئی بھاگے ہاتھ کو آگے دھر
ہر آن اُچھل کر لگتا ہو اُس تودے پر اُس تودے پر
غنٹے چنچل شوخ نشانوں کے اُس تیر کرٹ سے ڈر ڈر کر
سب آ گا پیچھا ڈھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

غنٹے چنچل شوخ... میں اُس تیر کی آ کر ہل چل ہو
کوئی ہاتھ رکھے ہو... پر اور ریٹ کسی کا کھل کھل ہو
کوئی انگیا ڈھانکے پھرتی ہے کوئی لیتی منھ پر آنچل ہو
سینے سے سینہ لگ لگ کر سو عیش مزے کی تل دل ہو
... کے جوش بھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اُس جوش اُبلتی... میں پھر آ کر دھینگا مشتی ہو
کچھ ہاتھ پکڑ کچھ... مل کچھ منھ میں مشتا ہشتی ہو
وہ ریلا کر کے آن پڑے اوریاں... کی پشتی ہو
بن جائے اکھاڑا عشرت کا اور عیش و طرب کی کشتی ہو
سب تن کے ہاڑ کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

کوئی نیچے دب کر کہتی ہو چلا کر ہائے کچل ڈالا
کوئی پیٹ پکڑ کر بھاگی ہو یوں کہتی ہے ہے مل ڈالا
... پر مار کے ہاتھوں کو... بھی صاف مسل ڈالا
کوئی دھوم مچا کر کہتی ہو "کم بخت نے سینہ دل ڈالا"
جب یہ غل شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکڑ ہو
معجون شرابیں ناچ مزا اور ٹکیا سلفا کگڑ ہو
اُس کھینچا کھینچ گھسیٹی اُپر بھڑوے رنڈی کا پھکڑ ہو
لڑ بھڑ کے نظیرؔ بھی نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

(۳۴)

ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حسن دکھایا ہولی نے
ہر خاطر کو خرسند کیا ہر دل کو لبھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے
دف رنگیں نقش سنہری کا جو وقت بجایا ہولی نے

ل دھینگا مشتی۔ زبردستی جبر یہ کام
پشتی ۱۲ ؎ ہاڑ۔ ہڈیاں ۱۲ ؎
ٹکیہ۔ سلفہ گانجے چرس وغیرہ کی قسم کی چیزیں۔
کگڑ۔ ایک قسم کا حقہ ۱۲ ؎
لتھڑ پتھڑ۔ سنا ہوا۔ شرابور ۱۲ آسی

بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتاؤں ہولی کا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہر گالی مصری قند بھری ہر ایک قدم اٹھکھیلی کا

دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھمی[1] اور منھ چنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی

ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت[2] کی گلکاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لائے سو عشرت کی تیاری ہے
منھ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے

یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکیں رنگوں کی اور ہر دم رنگ افشانی[3] ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھہری کھینچا تانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاریوں کی زرافشانی ہے
کہیں لٹیاں جھمکتی رنگ بھری کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے

ہر چار طرف خوشحالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ کودے ہیں کچھ اچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں

یہ طور یہ نقشا عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو یاروں کی ہر جانب نوک جھوکی ہے
کچھ سینتیں[4] ترچھی سحر بھری کچھ گھات لگاوٹ ٹھکی ہے
کچھ آن رنگیلی چلتی ہے کچھ بان ادھر سے روکی ہے
کچھ شور اہاہا ہا کا کچھ دھوم اہو ہو ہو کی ہے

یہ عیش یہ خط یہ کام یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے کہیں چلتی مے کی پیالی ہے
سو کثرت عیش مسرت کی خوش وقتی اور خوشحالی ہے
کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں دل شاداں منھ پر لالی ہے
کچھ بولی ٹھولی پیار بھری کچھ گالی ہے کچھ تالی ہے

---

[1] ڈھمڈھمی خنجری ڈفلی ۱۲
[2] خوش رنگت۔ قدیم ترکیب ہو سکتی ہے ۱۲
[3] زرفشانی کی جگہ رنگ افشانی۔ یا تابندگی کی جگہ تابانی مجھے باوجود تلاش لغت میں نہیں ملے ۱۲
[4] سین کی جمع۔ اشارے ۱۲ آسی

ان چرچوں کا ان چہلوں کا یہ تار لگایا ہولی نے

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آئے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامنیوں کی گاتے ہیں
کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے ہیں کچھ گاتے ہیں

ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

(۳۴)

ہولی کی رنگ فشانی سے ہر رنگ یہ کچھ پیراہن کا
جس خوبی اور رنگینی سے گلزار کھلے ہیں عالم میں
لے جام لبالب بھر دنیا پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
ہر محفل میں قاصوں کا کیا سحر دلوں پر کرتا ہے
ہے روپ عبیروں کا مہوش اور رنگ گلابوں کا گلگوں
اس گلرو نے یوں ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی ہے
جو رنگار رنگ بہاروں میں ہو صحن چمن اور گلشن کا
ہر آن بھبڑ کو ان جوڑوں سے ہے حسن کچھ ایسا ہی تن کا
یہ ساغر پہونچے دست تلک یا ہاتھ لپکے دشمن کا
وہ حسن جتانا گانے کا اور جوش دکھانا جوبن کا
ہیں بھرتے جس میں رنگ نیا ہے رنگ عجب اس برتن کا
تا دھیان ہمیں کچھ چولی کا نا ہوش تمھیں کچھ دامن کا

جب ہم نے نظیر اس گلرو سے یہ بات کہی ہنس کر ہمدم
کیا پوچھے ہے اے رنگ بھری ہے مست مہینا پھاگن کا

(۳۵)

دوالی کا سامان

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا

عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار
کھلونے کھیلوں بتاسوں کا گرم ہے بازار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار

سلہ کامنی دلربا حسین عورت۔ اس لفظ کا استعمال بعض ٹھمریوں میں جوگن کے ساتھ بھی پایا گیا ہے۔ جیسے نٹ دھاری جوگن کامنیاں۔ لہٰذا اس میں جوگن کا مفہوم بھی شامل ہے یعنی حسین جوگن یا جوگن کے بھیس میں حسین ۱۲ سلہ گات کی جمع گاتیں نون کے ساتھ ہے مگر یہاں برعایت قافیہ نون کو حذف کر دیا ہے ۱۲ پروفیسر شہباز

سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی
بتاسے کوئی برنی کسی نے تُلوائی
پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی"
کھلونے والوں کی اُن سے زیادہ بن آئی

گویا انھوں کے وال راج آگیا دوالی کا

صرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار
کہے ہیں ہنس کے قرضخواہ سے ہر اک اکبار
انھوں نے کھایا ہے اس دن کے واسطے ہی اُدھار
دوالی آئی ہے سب دے چلائیں گے اے یار

خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی
اصل جواری سے اُن میں تو جان سی آئی
جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
خوشی سے کود اُچھل کر پکارے او بھائی

شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے بار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی
پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی

کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری
جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری

یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لانگی مٹوٹھ نے مارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کر دیا زارا
کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ نے انگارا
لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا

یہ شور آ کے مچا جا بجا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکار دے بھڑوے
جو گھر میں آوے تو سب مل کے ہیں سو گھڑوے
بہو کی نوگری بیٹے کے ہاتھ کے کھڑوے
نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے

لہ لفظ حیرت
نمبر اول دیکھو مع دوم
جس سے۔ مگر شاید
گفتگو سے عوام کو
نظم کیا گیا ہے ۱۲
سے اصل بفتح اول و
سکون دوم صحیح ہے
مگر شاید گفتگو سے عوام
کی پیش نظر رکھ کر یہ
اٹھایا گیا ہے ۱۲ سے
گنڈا چار کوڑی کا
ہوتا ہے۔ پچار
پیسے ۱۲ سے لگی موٹھ
بھی ایک قسم کا جوا
ہوتا ہے۔ سوختہ
مع ثانی میں
شاید کسی قسم کے
جوے کے معنی
میں ملایا گیا ہے
مگر اس معنی میں
آنہ برین کی نظر سے
نہیں گذرا ۱۲
شہ زارا شاید
مزید علیہ زار
ہو ۱۲ سے
نوگری ہاتھ کا
ایک زیور۔
کھڑوے بھی
ایک قسم کا زیور
ہوتا ہے ۱۲
شہ گھڑوے
یہ لفظ بھی نگاہ
سے نہیں گذرا ۱۲
آسی

وہ اُس کے جھونٹے پکڑ کر گھسے ماروں گا | ترا جو گہنا ہے سب تار تار اُتاروں گا
حویلی اپنی تو اک داؤ پر میں ہاروں گا | یہ سب تو ہارا ہوں خنذی تجھے بھی ہاروں گا
چڑھا ہے تجھکو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خنذی یہ لت وہ پیاری ہے | کسی زمانے میں آگے ہوا جو جواری ہے
تو اُس نے جورو کی نتھ اور ازار اُتاری ہے | ازار کیا ہے کہ جورو تلک بھی ہاری ہے
سنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے | تو زر سے ہوتی ہے اور زر بغیر ہوتی ہے
جو ہارے اُن پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے | اور اُن میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے
تو آڑے آتا ہے اُن کے دیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ ان کو جانیو یارو | نصیحتیں ہیں انھیں دل میں ٹھانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو | جو جواری ہو نہ بُرا اُس کا مانیو یارو
نظیرؔ آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

(۴۷)

دیوالی

دوستو کیا کیا دیوالی میں نشاط و عیش ہے | سب مہیا ہے جو اس ہنگام کے شایاں ہے شے
اس طرح ہیں کوچہ و بازار پُر نقش و نگار | ہو عیاں حسنِ نگارستاں کی جن سے خوب رسے
گرمجوشی اپنی با جام چراغاں لطف سے | کیا ہی روشن کر رہی ہے ہر طرف روغن کی مے
مائل سیر چراغاں نخل ہر جا دمبدم | حاصل نظارہ حسن شمع رویاں پے بہ پے
عاشقاں کہتے ہیں معشوقوں سے با عجز و نیاز | ہے اگر منظور کچھ لینا تو حاضر ہیں روپے

گر مکرر عرض کرتے ہیں تو کہتے ہیں وہ شوخ
کہتے ہیں اہل قمار آپسمیں گرم اختلاط
جیت کا پڑتا ہے جس کا داؤں وہ کہتا ہے یوں
ہم سے لیتے ہو یہاں تکرار و حجت تا بکے
ہم تو ڈب میں سو پہ رکھتے ہیں تم رکھتے ہو کے
سوئے دست راست ہے میرے کوئی فرخندہ پے

ہے دسہرے میں بھی یوں گو فرحت و زینت نظیر
پر دیوالی بھی عجب پاکیزہ ترتیوہار ہے

(۳۸)

راکھی[۱]

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی
سنہری سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
سلونوں میں عجب رنگیں ہے اُس دلدار کی راکھی
نہ پہونچے ایک گل کو یار جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی چمن بھی گل بھی شبنم بھی
تماشا ہے اہاہاہا! غنیمت ہے یہ عالم بھی
جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
اُٹھاتا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمھاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
ہر اک گلرو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
دو ان بلبلیں ہوں دیکھ گل پہننے لگیں تنکے
ولیکن تم سے اب جان اور کچھ راکھی کے گل پھولے
تمھارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے
گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اُٹھتے ہیں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ! چھلتے ہیں

[۱] وہ رنگین ڈوری جو رکھشا بندھن یا سلونوں کے دن ہندو اپنی کلائی پر باندھتے یا برہمن وغیرہ ان کی کلائی پر باندھتے ہیں ۱۲ حاشی

کہاں نازک یہ پہونچے اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اُس شوخ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے مارے
پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اُپر بارے
تو اُن کی راکھیوں کو دیکھ اے جاں چاؤ کے تارے
نظیرؔ آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بندھا لو اُس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

(۳۹)

شہر اکبر آباد

شہر مکاں میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں
کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری
ہر شام بھی وہ مشک ملاحت سے ہے بھری
شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
لیلیٰ کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

باغات پر بہار، عمارات پُر نگار
محبوب دل فریب گل اندام و گلعذار
بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
گلیاں کہیں ہیں آپ کو گلزار پُر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے
ادھر کو قہقہے ہیں تو اُدھر کو چہچہے
دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے
سبزی کو جن کی دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات
دیکھے تو پھر نبات سے کچھ آوے بن نہ بات

شہد اُن پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہی گھات
قند و شکر بھی دل سے فدا ہوں دن اور رات
رہتے ہیں اُن کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

بجر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر
لاکھوں بہاریں رکھتی ہے اک ایک جس کی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منھ دھووے شاد بہر
اُس پہ ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنانِ شہر
شمشاد سرد ہوتے ہیں جوں نہر پہ عیاں

گڑیاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم
تو بجر صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
پیرے ہیں اس روش کی بہاروں سے ہو بہم
سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دم بدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہلِ شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا
لہریں نشاط و عیش کی اُٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا
ساحل پہ جوشِ خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحرِ بیکراں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام
ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے اژدحام[1]
ہر طور دل رہے ہی خوش اور طبع شاد کام
میری نظیرؔ دل سے یہی ہے دعا مدام
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور امان

(۴۰)

کنھیا جی کی راس[2]

کیا آج رات فرحت و عشرت اساس ہے
ہر گلبدن کا رنگین و زرّیں لباس ہے
محبوب دلبروں کا ہجوم آس پاس ہے
بزمِ طرب ہے عیش ہے پھولوں کی باس ہے
ہر آن گوپیوں[3] کا یہی سکھ بلاس[4] ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

[1] ازدحام کی جگہ اکثر لوگ اژدحام بولتے ہیں وہ صحیح نہیں ۱۲
[2] راس۔ ناچ۔ کھیل تماشا میلا ۱۲
[3] گوپیاں کنھیا جی کی سہیلیاں۔ گائے چرانے والیاں۔ دودھ بیچنے والیاں
[4] بلاس خوش عیش چین اطمینان۔ سکھ بلاس۔ کلام عشرت فرجام ۱۲

بکھرے پڑے ہیں فرش پہ مقیش اور زری
سکھیاں پھرے ہیں ایسی کہ جوں حور اور پری
بجتے ہیں تال گھنگرو و مردنگ و خنجری
سن سن کے اس ہجوم میں موہن[1] کی بانسری

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

آئے ہیں دھوم سے جو تماشے کو گلبدن
کرتے ہیں نرت[3] کنج بہاری بصد برن[4]
گویا کہ کھل رہے ہیں گلوں کے چمن چمن
اور گھنگروؤں کی سن کے صدائیں چھنن چھنن

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

پہونچے ہے آسماں تئیں مردنگ کی گمگ
کرتی ہے مست دل کو مکٹ[5] کی ہر اک جھلک
آواز گھنگروؤں کی قیامت جھنک جھنک
ایسا سماں بندھا ہے کہ ہر دم للک للک

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

حلقہ بنا کے کشن جو ناچیں ہیں ہاتھ جوڑ
اکر کسی کو پکڑے ہیں دیں ہیں کسی کو چھوڑ
پھرتے ہیں اس مزے سے کہ لیتے ہیں دل مروڑ
یہ دیکھ دیکھ کسی کا آپس میں جوڑ جوڑ

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

ناچیں ہیں اس بہار سے بن ٹھن کے نندلال
ہنستے ہیں چھیڑتے ہیں ہر اک کو دکھا جمال
سر پر مکٹ برا جے ہے پوشاک تن میں لال
سکھیوں کے ساتھ دیکھ کے یہ کانھ جی کا حال

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

ہے روپ کشن جی کا جو دیکھو عجب انوپ[8]
اور اُن کے ساتھ چمکے ہے سب گوپیوں کا روپ

[1] موہن فریفتہ کرنے والا کشن کے بیسیوں ناموں میں سے ایک نام یہ بھی ہے۔ اور نام جو اس نظم میں مستعمل ہوئے ہیں یہ ہیں: — کنج بہاری۔ نندلال مرلیا والے کانھ جی کنھیا ۱۲ [3] نرت ناچ ۱۲ [4] برن رنگ ۱۲ [5] مکٹ۔ تاج۔ للک للک کر کچھ کہنا۔ عاجزانہ التجا کرنا ۱۲۔ [8] انوپ بےمثل بےنظیر۔ نادر لاجواب ۱۲ شہباز مرحوم

مہتابیاں چھٹتیں ہیں گو یا کھل رہی ہے دھوپ
اس روشنی میں دیکھ کے وہ روپ اور سروپ[1]

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

ہنستی ہوئی جو پھرتی ہیں ساتھ اُنکے گوپیاں
ہیں اُن میں رادھکا[2] بھی کہ تاروں میں چندرماں[3]
کرتی ہیں کشن جی سے ہر اک آن آن باں
آپس میں اُن کے رمز و اشارات کرکے دھیان

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

اس شہر میں نظیر جو بیکس غریب ہے
رہتا ہے مست حال میں اپنے بغیر سے
شب کو گیا تھا راس میں کچھ کرکے راہ طے
جاکر جو دیکھتا ہے تو واں سچ ہے کرکے جے!

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

(۴۱)

آگرے کی تیراکی

جب پیرنے کی رُت میں دلدار پیرتے ہیں
عاشق بھی ساتھ اُن کے غمخوار پیرتے ہیں
بھولے سیانے نادان ہشیار پیرتے ہیں
پیر و جواں و لڑکے عیار پیرتے ہیں

ادنیٰ غریب مفلس زردار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

[1] حسن شمائل ۱۲ [2] رادھا کنھیا جی کی معشوقہ جن کو رادھکا بھی کہتے ہیں ۱۲ [3] چندرماں ہندوؤں کی زبان میں چاند ۱۲ -
[4] اس نظم میں دوم سوم چہارم تین بندوں میں ساری دقتیں بند ہیں۔ دوسرے اور تیسرے بند میں تو آگرے کے محلے اور مقامات مشہورہ ہیں اور چوتھے میں دریا کی مختلف کیفیتوں اور پانی کی مختلف ہیاتوں کے نام مقامات کی تحقیق ہو سکتی ہے۔ میری تحقیق میں وہ مقامات یہ ہیں: جھرنا۔ سجایا سبھی کا اٹا۔ چھتری۔ برج خونی۔ دارا کا چبوترا۔ مہتاب باغ۔ سیدتیلی قلعہ۔ روضہ۔ حکیم کا باغ۔ شیو داس کا چمن۔ پانی کی مختلف ہیاتوں کی تحقیق ذرا مشکل ہے۔ جن ہیاتوں کا چوتھے بند میں ذکر ہے اُن کی تحقیق بعض مستند فرہنگ نگار اور آگرے کے ایک کہنہ مشق نکتہ پرداز سے کی گئی مگر پھر بھی بطور کامل نہ ہو سکی۔ ہر چند مؤخر الذکر فاضل نے آگرے کے پرانے پیراکوں سے بھی مدد لی۔ پہلا ہی لفظ کھری سمجھ میں نہ آیا بعض نسخوں میں اس کو کھڑی بالا التفاقہ لکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ کھری ہے یعنی وہ ہیات پانی کی جس میں سطح آب پر چھوٹے چھوٹے سم کے سے نشان نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اخیر کے چند لفظوں میں دقت ہے کسی بچھاڑ کو کوئی صاحب ایک لفظ قیاس کرکے کشتی بچھاڑ فرماتے ہیں۔ کوئی کہتے ہیں کسی الگ ہے اور بچھاڑ الگ۔ کرا کو بعض حضرات کراڑ پڑھتے ہیں۔ بعض گرا۔ پیچ میں جن ہیاتوں کا ذکر ہے گو ان کی لفظی تحقیق ہو گئی ہے مگر معنی میں ان کے بھی اختلاف ہے۔ میری تحقیق ناقص کے مطابق تحقیق الفاظ یوں ہے۔ کھری۔ چادر۔ بند۔ تانہ۔ پچکوا۔ پینڈا (یا پینڈھا)۔ بھنور۔ اچھال۔ چکر۔ سمیٹ مالا۔ پیڑا گھیر۔ تختہ۔ کسی پچھاڑ۔ کراڑ یا گرا۔ معنی کی تحقیق ناظرین خود فرمالیں۔ ۱۲ پروفیسر شہباز مرحوم۔

جھرنے سے لے کے یارو سجاآنگا تا پیالا
مہتاب باغ سید تیلی قلعہ و روضا

چھتری سے بُرج خونی دارا کا چونترا کیا
غل شور کی بہاریں انبوہ سیر چرچا

ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

باغ حکیم اور جو شیو داس کا چمن ہے
میوہ مٹھائی کھاتے اور ناچ دل لگن ہے

اُن میں جگہ جگہ پر مجلس ہے انجمن ہے
کچھ پیرنے کی دھومیں کچھ عیش کا چلن ہے

ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

برسات میں جو آکر چڑھتا ہے خوب دریا
بینڈا بھنور اُچھالن چکر سمیٹ مالا

ہر جا کھڑی[1] و چادر بند اور تاند چکوا
بینڈا اگھمیر تختہ کستی پچھاڑ کرا

واں بھی ہنر سے اپنے ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

تربینی میں اہاہا ہوتی ہیں کیا بہاریں
پیریں نہادیں اُچھلیں کودیں لڑیں پکاریں

خلقت کے ٹھٹھ ہزاروں پیراک کی قطاریں
کٹے وہ چھینٹ غوطے کھا کھا کے ہاتھ ماریں

کیا کیا تماشے کر کر اظہار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کے پاٹ گویا صحن چمن ہے یارے
منھ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے

پیراک اُسمیں پیریں جیسے کہ چاند تارے
پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے

کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہیں پیریں اپنا دکھا کے سینہ
سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینا

ن
سبحان کاتا بنا ر

[1] کھڑی لگانا ایک قسم کی پیراکی جس میں کھڑے ہو کر پیرتے ہیں۔ اگرچہ پروفیسر شہباز کو یہ تحقیق نہ ہو سکا مگر مجھ کو تحقیق ہے اسی طرح سے اور تمام لفظ چادر بند تاند چکوا بینڈا بھنور اچھالن چکر سمیٹ مالا بینڈا اگھمیر تختہ کستی پچھاڑ کرا یہ سب پانی کی بیتیں نہیں بلکہ پیراکی کی قسموں کے نام ہیں ۱۲ آسی

آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینا — سردوں کا یہ چلا ہے گویا کہ اک قرینا
دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں اُن میں کتنے پانی پہ صاف سوتے — کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اُڑاتے کتنے سوئی پروتے — حقّوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں پانی کے کچھ لتاڑے — دریا میں مچ رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
لبریز گلر خوں سے دونوں طرف کراڑے[1] — بجرے[2] دناؤ چپّو ڈونگے بنے نواڑے[3]
ان جھمگھٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گلرو ناچوں میں جھمک رہے ہیں — جوڑے بدن پہ رنگیں گہنے بھبک رہے ہیں
تانیں ہوا میں اُڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں — عیش و طرب کی دھومیں پانی چھپک رہے ہیں
سو ٹھاٹھ کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آں بولتے ہیں "سید کبیر کی جے!" — پھر اُس کے بعد "اپنے اُستاد پیر کی جے!"
موڑ[4] و مکٹ کنھیّا جمنا کے تیر[5] کی جے! — پھر غول کے سب اپنے خرد و کبیر کی جے!
ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیر یاں کے ہیں پیرنے کے بانی — ہے جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن مانی
استاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی — سب خوش رہیں ہے جب تک جمنا کے بیچ پانی

---

[1] کراڑا - دریا کا بلند کنارا۔
[2] بجرا - کشتی -
[3] نواڑا - کشتی ۔
[4] مور پھولوں کا سہرا ۔
[5] تیر - کنارہ ۔

کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

(۴۲)

بلدیو جی کا میلا

ترجیع بند

کیا وہ دلبر کوئی نویلا ہے
موتیا ہے چنبیلی بیلا ہے
شہری قصباتی اور گنویلا ہے
ایک کیا کیا وہ کھیل کھیلا ہے
ناتھ ہے اور کہیں وہ چیلا ہے
بھیڑ انبوہ ہے اکیلا ہے
زر اشرفی ہے پیسا دھیلا ہے
بھیڑ ہے خلقتوں کا ریلا ہے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں یار اور کہیں اغیار
کہیں بستی ہے اور کہیں گلزار
وہی بھگتی ہے اور وہی اوتار
آپ آتا ہے دیکھنے کو بہار
کہیں عاشق ہے اور کہیں دلدار
کہیں جنگل ہے اور کہیں بازار
اُس کی لیلائیں کس سے ہوں اظہار
آپ کہتا ہے یوں پکار پکار

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں رام اور کہیں لچھمن
کہیں بارا کہیں مدن موہن
کہیں کچھ مچھ ہے اور کہیں راون
کہیں بلدیو اور کہیں سیکشن

سلہ بلدیو کرشن کے بڑے بھائی بلرام کا لقب ہے ۱۲ سٹہ نویلا - نیا - نادر - طرفہ کار - عجوبہ ۱۲ سٹہ ناگک ۱۲ سٹہ غلام ۱۲ شہ گاؤں کا رہنے والا - دیہقانی ۱۲ شہ زاہد پرہیزگار ۱۲ شہ مجسّم خدا ۱۲ شہ بشن کے دس اوتار ہیں ان کی تفصیل سے (۱) مچھ اوتار (۲) کچھ اوتار (۳) باراہ اوتار (۴) نرسنگھ اوتار (۵) بونا اوتار (۶) پرسرام اوتار (۷) رام اوتار (۸) بلرام اوتار (یا ریوتی) (۹) بدھ اوتار (۱۰) کلنکی اوتار ۱۲ شہ مانڈ

سب سردیوں میں ہیں اُسی کے جتن
کہیں نکلا ہے سیر کو بن[1] بن
کہیں نرسنگھ ہے وہ نارا ین
کہیں کِتا پھرے ہے یوں بن بن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

آج میلے کا یاں جو ہے سامان
کوئی درشن[2] کوئی دعائیں مان
ہر طرف کھل رہے ہیں گل ریحان
بھیڑ انبوہ غل دکان دکان
آئے ہیں دور دور سے انسان
سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہار بدّھی[3] مٹھائی اور پکوان
اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف حسن کی پکاریں ہیں
اک طرف نوبتیں جھنکاریں ہیں
کہیں عاشق نظارے ماریں ہیں
سیر ہے دید ہے بہاریں ہیں
دل ربا سو برن[3] سنواریں ہیں
جھانجھ مردنگ راس ڈھاریں[4] ہیں
سونگا ہوں کی جیت ہاریں ہیں
کر کے جے جے یہی پکاریں ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ
رے کے مندر سے دو دو کوس لگا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا
بھیڑ انبوہ اور دھرم دھکّا
جو کہ تل دھرنے کی نہیں ہے جا
باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا
جس طرف دیکھیے اہا ہا ہا!

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے

---

[1] بن سنور کر ۱۲
[2] زیارت
[3] برن قسم طرح
[4] دھاریں ہیں یعنی دھار رہے ہیں ۱۲ آسی

زور بلدیو جی کا میلا ہے

بسکہ اُمڈے ہیں خلقتوں کے دل
چوک بازار فوج اور دنگل
کوئی انبوہ میں رہا ہے کچل
کتنے کرتے ہیں جست کود اُچھل

جا بجا بھر رہے ہیں جُز[1] جنگل
جنگلوں میں ہیں مچ رہے منگل
کوئی دھکوں میں کر رہا ہل دل
کتنے کہتے ہیں مور چھل چھل

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہیں ہزاروں ہی جنس کے بٹّے[2]
پیڑے لڈو جلیبی اور گٹّے[3]
کوئی تو کر رہا ہے چھل بٹّے[4]
پہ ہیں مندر کے کوٹھے اور اٹّے[5]

موتی مونگا اور آرسی ٹّے[6]
کوئے نارنگی سنگترے کھٹّے[7]
کوئی چڑھاتا ہے کھیر کے چٹّے[8]
بوڑھے لڑکے جوان اور کٹّے[9]

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں
جھانجھ مردنگ دف بجاتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں

آکے عیش و طرب مناتے ہیں
اپنے دل کی مراد پاتے ہیں
راس[10] منڈل بھجن سناتے ہیں
سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف گلبدن رنگیلے ہیں
بات کے ترچھے اور کٹیلے[11] ہیں

نک پلک غنچہ لب سجیلے ہیں
دل کے لینے کو سب ہٹیلے ہیں

[1] جز مترادف جوڑ یہاں اس کا استعمال اسی قبیل سے ہے جیسے گھر گرست لاؤ لشکر، فرفرمائش [2] بٹ یا بٹّا باز لگے [3] بٹّا زیور تار کھنے کی ڈبیا ۱۲ [4] گٹّا ریوڑی کی قسم کی ایک مٹھائی ۱۲ [5] لیموں کی ایک قسم جو بہت ترش ہوتی ہے ۱۲ [6] چھل بٹے۔ فن فریب ۱۲ [7] چاٹ سے ماخوذ ہے۔ وہ غذا جو معمولی غذا کے علاوہ تبدیل ذائقہ کے لیے پکایا کرتے ہیں مثلاً فیرنی۔ شیر برنج ۱۲ [8] اٹّا گیتوں میں تحقیف سنا گیا ہے۔ اوپر کی منزل۔ اٹاری بھی اسی سے ہے [9] کٹّا مضبوط ہاتھ پاؤں کا آدمی اس کا استعمال اب عموماً ہٹّے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہٹّا کٹّا بھلا چنگا ۱۲

[10] وہ بھجن جو راس میں جشن کے ساتھ گائے جاتے ہیں خوشی کے بھجن ۱۲ [11] کٹیلا۔ چالاک۔ بہادر ۱۲ اپردھیسر تیباز۔

خشک تر نرم سوکھے گیلے ہیں
جوڑے بھی سرخ سبز پیلے ہیں

ٹیڑھے بلدار اور نکیلے ہیں
پیار الفت بہانے حیلے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

خلق آتی ہے سب جڑی جٹڑی[1]
کوئی دوڑے ہے ہاتھ لے لکڑی
جیب کتری[2] کہیں گئی پکڑی
چور کی تاک سے کہیں پکڑی

چیز رکھتے ہیں باندھ کر جکڑی
دوڑیو چور لے چلا گٹھڑی
کہیں لوٹی دکان اور ہٹڑی[3]
سو تماشے ہنسی خوشی پھکڑی[4]

ن
چور دون
گارنت برد

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

نازنیں ہیں وہ سانوری گوری
کر کے چتون نگاہ کی ڈوری
دھوم ناز و ادا جھمکا[5] جھوری
گھونگھٹوں میں ہیں کر رہی چوری

جن کی نازک ہر اک پری پوری
دل کو چھپنے ہیں سب برازوری
برج میں جیسے مچ رہی ہوری
چوری کیسی کہ صاف سرزوری

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

گنڈ پر ہی نہان ہوتے ہیں
پانی لے ہاتھ منھ کو دھوتے ہیں
کتنے جا کر بنوں میں سوتے ہیں
ان بہاروں میں ہوش کھوتے ہیں

جس میں گنگا برن[6] کے سوتے ہیں
کتنے کنٹھی کھڑے پروتے ہیں
بندروں میں چنوں کو بوتے ہیں
سو مزے سو تماشے ہوتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے

[1] جڑی یا جٹڑی سخت۔ مضبوط۔ مستحکم۔ بندھی ہوئی جکڑی ہوئی ۱۲
[2] جیب کتری جیب کترنے کا اگر یا عورت جیب کترنے والی ۱۲
[3] ہٹڑی ہٹ یا ہاٹ کی تصغیر ۱۲
[4] پھکڑ کی تصغیر ۱۲
[5] جھک جھوری شوخی ۱۲
[6] گنگا برن۔ گنگا کی طرح کے سوتے ۱۲ آسی

۱ حیلہ۔ فریب ۱۲ ۲ غصہ۔ شکر رنجی۔ برافروختگی ۱۲ ۳ ساکے سے وہ داستانیں مراد ہیں۔ جو کچھ ہندو ایک جگہ بیٹھ کر اپنے نامور بہادروں کے متعلق دل بہلانے کے لیے گاگا کر بیان کرتے ہیں مثلاً۔ آلا اودل کی لڑائی کنور بجی کے عرکہ ساکے ہندوؤں میں شاہنامہ اور داستان عنتر اور داستان امیر حمزہ وغیرہ کے قائم مقام ہیں ۱۲ ۴ اصطلاح شعر میں جس کو بند کہتے ہیں اسی کو ہندی میں کھنڈ کہتے ہیں۔ ہر کھنڈ کے بعد دُہرا بطور ٹیپ کے آتا ہے ۱۲۔ ۵ لپاکے جھپاکے۔ لپک جھپک کے تفخیمی صیغے ہیں۔ اس تفخیم میں کسی قدر ظریفانہ شوخی بھی شریک ہے ۱۲ ۶ جھانکیاں دریچے روزنے موکھے ۱۲

زور بلدیو جی کا میلا ہے

کوئی آکر بہانے اور مِس[۱] سے
ہوتے ہیں آملاپ جس تس سے
کوئی کھویا گیا ہے مجلس سے
کہیں بازو میں لگ رہے گھسے

مل رہا ہے ملا ہے دل جس سے
لڑ رہا ہے کوئی کہیں رس[۲] سے
کون چلائے پوچھے کس سے
اور دھکا پیل اور گھماں گھسے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ناچ اور راگ کے کھڑاکے ہیں
نقلیں قصے کہانی ساکے[۳] ہیں
کہیں آغوش کے لپاکے[۵] ہیں
تھرتھری دانت پر کڑاکے ہیں

گھنگرو اور تال کے جھناکے ہیں
کھنڈ[۴] ڈُہرے کبت کتھاکے ہیں
کہیں بوسوں کے سو جھپاکے ہیں
تس پہ جاڑے کے سو بھڑاکے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

صحن مندر کا سب سے ہے اعلا
ہو رہا جھانکیوں[۶] کا اُجیالا
ہے کوئی درشنوں کا متوالا
کوئی ڈنڈوتیں کر رہا لالا

اُس کا گنبد ہے عالمِ بالا
پردے جیسے ہیں چاند پر ہالا
کوئی جپتا ہے دھیان میں مالا
کوئی جے جے کرے ہری دھن والا

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے جو مندر میں آپ وہ لالن[۸]
نئی پوشاک اور نئے بھوجن

ہر گھڑی میں بدل رہے ہیں برن
نئی جھانکی ہے اور نئے درشن

۸ معشوق حقیقی ۱۲ شہباز مرحوم

آرتیؔ کی کہیں مچی ٹھن ٹھن
تال مردنگ جھانجھ کی جھن جھن
کہیں گھنٹوں کی ہو رہی چھن چھن
خاص پرشادؔ مصری اور ماکھنؔ

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کوئی چنچل چلے ہے ٹھمکی چال
آنکھوں میں حسن کے نشے رنگ لال
کچھ وہ پوشاک کچھ وہ حسن و جمال
ڈال دیں ہار کا گلے میں جال
کچھ وہ پتلی کمر وہ لمبے بال
مصری ماکھن کے ہاتھوں اوپر تھال
مالنوں کا زیادہ اُن سے کمال
بدھی ہو کرلیں صاف ادل کو نکال

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

بسکہ آتے ہیں راجہ اور رانی
بھیڑ انبوہ کی فراوانی
پالکی ہاتھی گھوڑے رتھ بانی
کچھ نہیں مول تول کیا مانی
اور لاکھوں ہیں زانی اور ناقی
اور بجوموں کی لاکھ طغیانی
جوگی بیراگی گیانی اور دھیانی
پانی کا دودھ، دودھ کا پانی

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کتنے کچے ہیں کتنے پکے ہیں
چور نٹ کھٹ ہیں اور اچکے ہیں
بھیڑ انبوہ اور بھڑکے ہیں
پالکی ہاتھی گھوڑے ڈھکے ہیں
اُن کے منھ اور اُچھال چھکے ہیں
دودھ کھویا ملائی پکے ہیں
دھوم دھونسوں کی اور دھڑکے ہیں
سو تماشے ہیں سو چھکے ہیں

[illegible] گھمنڈ

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے

۱؎ آرتی ایک خاص رسم ہے کہ تھال میں چکھ رکھو کر بت کے سر کے گرد پھراتے ہیں۔ اس کے ساتھ گھنٹا بھی بجایا جاتا ہے ۱۲
۲؎ تبرک ۱۲
۳؎ ماکھن مکھن کا ہندوانہ لہجہ ۱۲
۴؎ ادنگی ہندی میں خاموشی کو کہتے ہیں ۱۲۔
۵؎ ایک بڑا دُہرا ڈھول شہباز

زور بلدیو جی کا میلا ہے

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار
چوڑی ہنگڑی کی اک طرف جھنکار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار
گر کے دے گالی یوں کہے ہے پکار

اپنا سب گرم کر رہے بازار
نوگرہی بوٹھ انگوٹھی چھلے بار
جس گنواری کو چلیے دھکا مار
کیسو اٹھلا چلے ہے داڑھی جار

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

مٹی اور کاٹھ کے کھلونے ڈھیر
کوئی کمہاری کے کر رہا ہتھ پھیر
کوئی کنجڑن سے لڑ رہا منھ پھیر
گالی دے مار کوٹ سانجھ سویر

کوئی لیوے ہے کوئی دیوے ہے پھیر
کوئی کا کھن کے چن رہا ہے بیر
کوئی بیٹے کو مارتا ہے سیر
لاٹھی پاٹھی ہے شور غل اندھیر

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

سیکڑوں رنگ رنگ کی چھڑیاں
کہیں چھوٹیں انار پھلجھڑیاں
کہیں الفت سے انکھڑیاں لڑیاں
عیش عشرت کی لٹ رہیں دھڑیاں

پھول گیندوں کے ہار کی لڑیاں
کہیں کھلتی ہیں دل کی گلجھڑیاں
کہیں باہیں گلے میں ہیں پڑیاں
دال موٹھیں منگوچھی اور بڑیاں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لگ رہی بھیڑ اس قدر ٹھٹھ ہو
جو جہاں تھا وہیں پھنسا پھر وہ

راہ آگے کو اور نہ پیچھے کو
جس کو کھینچے ہیں گر پڑے ہے سو

ا؎ جوڑیاں بیچنے والا ۱۲
۲؎ لاکھ یا شیشے کی چوڑی
۳؎ عورت باغبان ۱۲
۴؎ گرہیں گٹھیاں ۱۲

بیٹھے گتے ہیں کھا کے دھگّوں کو
اور گنوار دل پکار کر "ہو ہو"!
"جے مہاراج! رام رام بھیجو"
اب تو لٹھ وار دے لگانے کو

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے!

کیا مچی ہے بہار جے بلدیو!
دھوم بیل و نہار جے بلدیو!
ہر زباں پر ہزار جے بلدیو!
کہہ نظیر اب پکار "جے بلدیو"!
عیش کے کار و بار جے بلدیو!
ہر کہیں آشکار جے بلدیو!
دم بدم یادگار جے بلدیو!
سب کہو ایک بار جے بلدیو!

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

(۴۳)

حضرت سلیمؒ چشتی کا عُرس

ہے یہ مجمع نکو سرشتی کا
بحر ہے عارفوں کی کشتی کا
ذکر کیا یاں گنہ کی زشتی کا
فخر ہے حرفِ سرنوشتی کا

رنگ ہے گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیمؒ چشتی کا

باغ جنّت ہے آج یہ درگاہ
دیکھو رضواں بہاریاں کی واہ!
پھول پھولے ہیں فیض کے دلخواہ
دل میں کہتا ہے دمبدم واللہ

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیمؒ چشتی کا

یہ تجلی نہ سیم و زر سے ہے
حور و غلماں کی روح ترسے ہے
ابر رحمت کا نور برسے ہے
اور اشارہ یہی نظر سے ہے

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

صحن درگہ ہے باغ اور بستاں
جی میں سب پھول پھول ہو شاداں
اور دو ہیں ندی و دریاں
یہی کہتے ہیں ہر گھڑی ہر آں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

بسکہ خلقت بھری ہے لالوں لال
حسن راگ اور مشائخوں کے حال
گھر مکاں ہے گلوں سے مالامال
بھیڑ غل شور اور یہ قال مقال

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کھل رہا ہے چمن جو فیض بھرا
قدسیاں دیکھ وہ بہشت سرا
جھرنا گویا ہے حوض کوثر کا
سب پکارے ہیں یوں "اہا ہا ہا!"

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے درگہ میں فیض اُٹھاتے ہیں
کتنے نذر و نیاز لاتے ہیں
کتنے جھرنے میں جا نہاتے ہیں
کتنے خوش ہو یہی سناتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

عرس درگاہ کے جو دیکھے واہ
اور ہی گل کھلے ہیں خاطر خواہ

بلبلوں کی طرح چہک کر آہ
سب یہی کہہ رہے ہیں کر کے نگاہ

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس ہے حضرت سلیم چشتی کا

ہے ہم دور دور کا عالم
سبز و سرخ و سفید و زرد بہم
سب خوشی ہو کے جوں گل شبنم
دیکھ سیریں یہ کہتے ہیں ہر دم

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

بھیڑ انبوہ خلق کی کثیر
بادشاہ و گدا و میر و وزیر
طفل و پیر و جواں غریب و فقیر
پر سبھوں کی زباں پہ یہ تقریر

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے دل یمن بھی پھرتے ہیں
غنچہ لب گلبدن بھی پھرتے ہیں
شوخ گل پیرہن بھی پھرتے ہیں
دل ربا دل شکن بھی پھرتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے نظروں سے زخمی ہوتے ہیں
کتنے دل اپنا مفت کھوتے ہیں
کتنے الفت کے تخم بوتے ہیں
کتنے موتی کھڑے پروتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

جانشیں ہیں جو صاحب مسند
عارف الحق میاں علی احمد
اُن کی خوبی نظیر ہے بیحد
سب پکارے ہیں خلق بیجد و عد

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

(۴۴)

تاج گنج کا روضہ

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے
خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے
مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے
روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں یہاں
سنگ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں
پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زدر بلندی سے بہرہ مند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سربلند
گرد اس کے گمزیاں[1] بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
ایسا ہلال اُس میں سُنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس
برسوں تک اُس میں رہیئے تو ہو وے نہ جی اداس
وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اُس میں جو کرتا گذار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جہاں
سنگیں گل جو اس میں بنائے ہیں تہ نشاں
گرد اُن کے جالی اور مجّر[2] ہے درفشاں
پتّی کلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجب نگار
آئینے بھی لگے ہیں مجلّی ہوتا بدار

[1] گمزی۔ چھوٹی برجی
[2] مجّر۔ مجرہ۔ پتھر کا بنا ہوا مکان یا چار دیواری ۱۲ آسی

دروازے پر لکھا خطِ طغرا ہے طرفہ کار
ہر گوشے پر کھڑے ہیں جو مینار اُسکے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دوچار ہے

پہلو میں ایک برج لبی کہتے ہیں اُسے
آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دوردور کے
مسجد ہے ایسی جسکی صفت کس سے ہوسکے
پھر اور بھی مکاں ہیں ادھر اور اُدھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دل کشا
آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا
ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھولتا
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن
"کوکو" کرے ہیں قمریاں ہوکر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن بہ چمن
گلنار لالۂ وگل و نسرین و نسترن
فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاج دار شاہ جہاں صاحب سریر
بنوایا ہے اُنھوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اُس کے یہ ہوتا ہے دل پذیر
تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیر
اس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

(۴۵)

کنکوے اور پتنگ کی تعریف

زرجلا

یاں جن دنوں میں ہوتا ہے آنا پتنگ کا
بھرے ہے ہر مکاں میں بنانا پتنگ کا
ہوتا ہے کثرتوں سے منگانا پتنگ کا
کرتا ہے شاد دل کو اُڑانا پتنگ کا
کیا کیا کہوں میں شور مچانا پتنگ کا

۵۱ آگرے میں پتنگ کے میلے کو زرجلا کہتے ہیں ۱۲ شہباز

اُڑنا دو باز[1] کا ہے وہ شوخی کی دستگاہ
تکرے کی باز آوے نہ اُس جا کبھی نگاہ
دیکھے تو باز جرّے کو ہو اسکی دل سے چاہ
بجری کبھی[2] بھی دیکھ یہ کہتی ہیں "واہ واہ!"

ایسا ہے ناز و حسن دکھانا پتنگ کا

ہر لحظہ اس بہار سے اُڑتا ہے للپرا[3]
گھائل کے اُڑنے کی بھی صفت اب کہوں میں کیا
بلبل سمجھ کے گل جسے ہو جاوے مبتلا
گھائل جو عشق کے ہیں یہ کہتے ہیں برملا

ہے دل میں خوب شوق بڑھاتا پتنگ کا

اُڑنا لنگوٹیے[4] کا ہے ایسا کچھ ارجمند
اور چاند تارے[5] کی بھی جھمک چاند سے دو چند
گوشے سے جس کو دیکھتے آوے لنگوٹ بند
اُڑنا پہاڑیے کا بھی ہے اس قدر بلند

اُکھڑے تو پھر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا

بگلے[6] کے اُڑنے میں بھی وہ خوبی ہے آشکار
پٹنے[7] کے مول کا بھی دو بنا ہے خوش نگار
مچھلی نگہ کی دیکھ کے ہو جس کو بے قرار
دھیرٹ بھی ابلقے کو چڑاتا ہے بار بار

چنچل پن اس قدر ہے جتانا پتنگ کا

اُڑنا گلہریے کا بھی میں کیا کروں بیاں
اور ہے دو دھاریے کی بھی کچھ اور آن بان
دیکھیں درخت پر جسے چڑھ کر گلہریاں
حیراں ہو جس سے تیغ نگاہ پری رُخاں

پھر کس طرح نہ دل ہو دوانا پتنگ کا

اُڑتا ہے اس طریق سے وہ ہے جو مانگ دار
خربوزیے کی کانپ کا جھکنا یہ لال دار
ہوتا ہے جس پہ گوہر دل دیکھ کر نثار
اور پینڈی[8] بان کی بھی کچھ اس طور کی بہار

گویا ہوا میں گل ہے کھلانا پتنگ کا

بمنا بھی اپنی دیتا ہے جس وقت خوبی کھول
اور ہے دو کونیے کی بھی اک اک ادا[9] ہول
نکلے ہیں "واہ واہ!" کے ہر اک زباں سے بول
اُڑتا ہے کلسرے میں بھی شیرازیوں کا غول

جید ہے نوک جھوک دکھانا پتنگ کا

[1] دو باز۔ وہ کنکوا جس کے دونوں باز اصل رنگ کے خلاف لگائے گئے ہوں ۱۲ [2] کہی بھی باز بجری کی قسم کی ایک شکاری چڑیا ہے بعض جگہ اس کو گُنجی بولتے ہیں ۱۲ [3] للپرا۔ وہ پتنگ جس کے لال پر لگائے ہوں ۱۲ [4] لنگوٹیا بھی ایک قسم کا پتنگ ہے ۱۲ [5] چاند تارا بھی ایک پتنگ جس پر کاغذ کا چاند لگاتے ہیں پہاڑیا۔ بڑی قسم کا ایک پتنگ ۱۲ [6] بگلہ سفید پتنگ ۱۲ [7] پٹنہ پیرا۔ دو بنا سبز رنگ کے دو باز لگا ہوا کنکوا غرض دھیرٹ۔ ابلقہ۔ گلہریا۔ دودھاریا۔ مانگدار۔ خربوزیہ بمنا۔ دوکونیا۔ جیب گگرہی یہ سب کنکووں کے نام ہیں ۱۲ [8] پینڈی بان۔ وہ نکونا کاغذ جو کنکوے کے نیچے کی طرف لگاتے ہیں۔ اس کو بعض جگہ چرّا اور چوترا بھی کہا جاتا ہے ۱۲ [9] اہول بے بہا۔ کلسرا ایک قسم کا کنکوا۔ جو گھرڈا۔ چپکا۔ بے کلاہ ۱۲ آتی۔

چپ کے بھی دعوت کرنے میں چپکا رہوں ہیں کیا
غائب ہے گرگڑی اُڑنے پہ گرگڑی کا مرتبا
شرمندہ ہو کبوتر چپ جس سے دائما
چوکنی چنچلیں ہوں اُڑے جب کہ چوگھڑا
اس زور سے ہوا یہ ہے جانا پتنگ کا

اُڑتے ہیں اس ہجوم سے کنکوے پچکے
چھوٹی بھی تکّل[۱] ایسی کہ نخ سے فقط اُڑے
کوّا پکڑنے سے گویا کوّے ہیں اُڑ رہے
جھجاؤ ہیں منڈھاؤ میں کچھ اس قدر بڑے
لازم ہے گر کہیں انھیں نانا پتنگ کا

تیلی کمر کو موڑتے ہیں جس وقت کج کلاہ
یہ شکل دیکھ کر کوئی کہتا ہے واہ واہ!
باہیں دراز کرتے ہیں لب جھپ کے خواہ مخواہ
اب اس طرف لڑے گی بھلا کاہے کو نگاہ
دل میں تو کھپ رہا ہے لڑانا پتنگ کا

لاتا ہے پھیر پھار[۲] کے تکّل جو اپنی دال
اب پیچ پڑنے کو ہیں نہ دے اتنی ٹھکیاں[۳]
کہتا ہے کوئی اُن سے خبردار ہو میاں
گھبرا کے کنّے[۴] اُس کے نہ پھنسنے دو میری جاں
اچھا نہیں ہے مفت کٹانا پتنگ کا

گر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں "دیکھیو
پہلے تو یوں قدم کے نہیں او میاں رکھو
رہ رہ اسی طرح سے نہ اب دیجے ڈھیل کو
پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اسکو کاٹ دو
ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

کہتا ہے جو پتنگ تو پھر لوٹنے اُسے
کاغذ ذرا سا ملتا ہے یا ٹکڑے کانپ کے
دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر پڑے
پھر سوچیے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

اس آگرے میں یہ بھی تماشا ہے دلپذیر
کیونکر نہ دل پتنگ کی ہو دوڑ میں اسیر
ہوتے ہیں دیکھ شاد جسے خرد اور کبیر
خوباں کے دیکھنے کے لیے کیا میاں نظیر
ہے یہ بھی ایک طرفہ بہانا پتنگ کا

۱؎ تکّل۔ ایک خاص قسم کا کنکوا جس میں دو کمانیں لگی ہوتی ہیں۔ نخ۔ ایک قسم کی ریشمی مضبوط ڈور۔ جھجاؤ۔ ایک بڑا کنکوا۔
۲؎ پھیر پھار کر یعنی پتنگ کے رخ کو موڑ کر
۳؎ ٹھکی دینا خاص انداز سے پتنگ کی ڈور سے جھٹکے دینا
۴؎ کنّے۔ وہ ڈور جو خاص طور سے کنکوے کے ٹھڈے میں باندھتے ہیں۔ ۵؎ آسی

(۴۶)

شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند
رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موج دار بند[۱]
ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی
کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی
ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہی جوں ایک بار بند

کڑیاں جو ساکھ[۲] کی تھیں کہیں وہ تو اگلے سال
لاچار قرض دام سے چھپر لیے ہیں ڈال
پھوس اور ٹھٹھیرے اُسکے ہیں جوں سر کے بکھرے بال
اس بکھرے پھوس سے ہے یہ ان چھپروں کا حال
گویا کہ اُن کے بھول گئے ہیں چمار بند[۳]

دنیا میں اب قدیم سے ہے زر کا بند و بست
اور بے زری میں گھر کا نہ باہر کا بند و بست
آقا کا انتظام نہ نوکر کا بند و بست
مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بند و بست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نا استوار بند

کپڑا نہ گٹھری بیچ نہ تھیلی میں زر رہا
خطرہ نہ چور کا نہ اُچکّے کا ڈر رہا
رہنے کو بن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا
کھنکھار جاگنے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار[۴] بند

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ
آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے بُرے وقت سے پناہ
وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

---

[۱] وہ بند جو دریا پر باندھتے ہیں جسے بندا یا بندھا بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

[۲] ساکھ ایک لکڑی کا نام ہے جس کے شہتیر عمدہ ہوتے ہیں اس کو ساکو بھی کہتے ہیں ۱۲

[۳] وہ بندش جو چھپر وغیرہ میں پھونس کی یا نس کے ساتھ باندھتے یا خود بانسوں کا ڈھانچا باندھتے ہیں کرتے ہیں ۱۲

[۴] چور کے ساتھ چکار بطور تابع مہمل مستعمل ہے۔ اور یہ ہندی کا ایک لفظ ہے لہذا اس میں واؤ لانا اب صحیح نہیں۔ متقدمین ایسی ترکیبیں اکثر لکھ جاتے تھے ۱۲ آسی

صرّاف، بنیے، جوہری اور سیٹھ، ساہوکار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار
دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بیٹھے ہیں یوں دُکانوں میں اپنے دُکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

سوداگروں کو سود نہ بیوپاری کو فلاح
دلاّل کو ہے یافت نہ بازاری کو فلاح
بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دُکھیا کو فائدہ نہ پسنہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار
کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہے سر سنار
اور جتنے پیشہ دار ہیں روتے ہیں زار زار
کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب بِک گئے
زردار اُٹھ گئے تو بٹیے[1] سرک گئے
اور ریشمی قوام بھی یک سر چپک گئے
چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا بال ستلی[2] کھینچیں جو ہو جائے تار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چنتے ہیں
ڈھنیے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دھنتے ہیں
جلتے ہیں نان بائی تو بھڑ بھونجے بھنتے ہیں
روتے ہیں وہ جو مشروع و داراٸی بنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بنیں تھے ازار بند

گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھیے
ردی قلم دکان میں نہ ٹکڑے ہیں ٹاٹ کے
مطلق اُسے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤ سے
یاں تک کہ اپنی چھٹّی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک اس سے اُدھار بند[3]

یوں ہیں ہر گز نہیں جو قزاق راہ مار
کوتوال رو دیں خاک اُڑاتے ہیں چوکیدار
بیوپاری آتے جاتے نہیں ڈر سے زینہار
ملاحوں کا بھی کام نہیں چلتا میرے یار
نادیں ہیں گھاٹ گھاٹ کی سب وار پار بند

نرم چلے — کاغذی — بیوپاری۔ ملاح

[1] بٹیا۔ کلابتوں وغیرہ بٹنے والا۔ [2] مشروع داراٸی ایک ریشمی کپڑا جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ مشروع بھی ایک کپڑا ہوتا ہے کہ عورتیں اُس کے پاجامے بناتی ہیں۔ [3] کوتوال میں واو کا ظاہر ہونا فصیح ہے بروزن ہوشیار۔ بند۔ یہاں بند کاغذ سے مراد ہے۔ [4] علہ بساطی۔ نان بائی۔ بھڑبھونجے دھنیے۔ جلاہے۔ ازار بند بننے والے۔

هردم کمانگروں کے اُپر پیچ و تاب ہیں
مرتے ہیں مینا ساز مصوّر کباب ہیں
صحاف اپنے حال میں غم کی کتاب ہیں
نقاش اُن سبھوں سے زیادہ خراب ہیں
رنگ و قلم کے ہوگئے نقش و نگار بند

بیچیں تھے وہ جو گوندھ کے پھولوں کی بدھی ہار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنس آبدار
مرجھا رہی ہے دل کی کلی جی ہے داغدار
لاچار پھر وہ ٹوکری اپنی زمیں پہ مار
جاتے ہیں گرد کان کو آخر وہ ہار بند

حجام پر بھی یاں نہیں ہے مفلسی کا زور
کانپے ہے سر بھگوتے ہوئے اُسکی پور پور
پیسا کہاں جو سان پہ ہو استروں کا شور
کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یاں تک ہے استرے و نہرنی کی دھار بند

نائی

ڈیرو بجاکے وہ جو اُتارے ہیں زہر مار
منتر تو جب چلے کہ جو ہو پیٹ کا ادھار
آپ ہی وہ کھیلتے ہیں ہلا سر زمیں پہ مار
جب مفلسی کا سانپ ہو اُن کے گلے کا ہار
کیا خاک پھر وہ باندھیں کہیں جا کے مار بند

بے روزگاریوں نے دیے ایسے ہوش کھو
دیکھے نہ کوئی ناچ نہ + + + کی سونگھے بو
روٹی نہ پیٹ میں ہو تو + + + کہاں سے ہو
یاں تک تو مفلسی ہے کہ + + + کا رات کو
دو دو مہینوں تک نہیں کھلتا ازار بند

گر + + + نوچی ہے کسبی کی رشکِ ماہ
کوئی سوار و پی پہ رکھے اُس کو خوامخواہ
کہتی ہے اُس کی نایکا بھربھر کے سرد آہ
یا رب تو جلد کھول دے روزی کی اس کی راہ
مت کام اس کا رکھ میرے پروردگار بند

وہ + + + بھی مانگے ہے دل میں یہی دعا
کچھ اچھا کھاؤں پہنوں جو ہو زیست کا مزا
یا رب تو میرے موتی کو جلدی سے اب چھدا
کہکر یوں آنسو لاتی ہے آنکھوں میں ڈبڈبا
ہوں جس طرح صدف میں دُرِ آبدار بند

سہ کمان گر: کمان بنانے والے۔ صحاف۔ جلد کتاب بنانے والے ۱۲ سہ ناخون کے گرہ یا اوپر کے گوشے پر جو کھال ہوتی ہے اس کو کور کہتے ہیں ۱۲ سہ ڈمرو۔ (باڈرو) ڈگڈگی کو کہتے ہیں یعنی شیشۂ ساعت کی شکل کا ایک باجا جو بندر والوں اور سنپیروں کے پاس رہتا ہے۔ ادھار۔ ناشتے کے طور پر تھوڑا سا کھانا کھانا ۱۲ سہ الفاظ جو کسی قدر دائرۂ تہذیب سے باہر ہیں اُنکی جگہ تین ستارے بنادیے گئے ہیں۔ بند حذف نہیں کیے گئے اس لیے کہ باعتبار خوبی بندش قابل شہرت ہیں ۱۲ شہبا مرحوم

وہ + + + کہئیے کیا ہیں جو اس غم سے ہیں تباہ
ایسی ہی اب جو بند رہے گی ہماری راہ
کہتی ہیں یوں وہ کرکے فلک کی طرف نگاہ
تو گھاس پھوس بڑھ کے کوئی دن کہیچ آہ
ہو جائے گی ہکیر وہ سب راخ دار بند

+ + + بھی دیکھ کمائی کی بندیاں
کہتی ہیں دے کے آہِ جگر کو بلندیاں
کونے میں اپنی روزی کو روتی ہیں خندیاں
مرتی ہیں یا الٰہی تری گندی بندیاں
ہوے ہمارے + + + یار بند

+ + + جو + + + کتنے شب کے وقت آئے
+ + + پہ ہاتھ پھیرے نہ بوسے کو منہ جھکائے
غالب ہے یہ کہ دیکھ وہ + + + کو بھاگ جائے
دم مارنے کی بات نہیں، کیا کہوں میں ہائے
+ + + کا بھی کار ہوا نابکار بند،،

لذت ہے جن کو حسن کے نقش و نگار سے
آویں اگر وہ لاکھ طرح کی بہار سے
محبوب ہیں جو غنچہ دہن گل عذار سے
کوئی نہ دیکھے اُن کو نظر بھر کے پیار سے
ایسے دنوں کے ہوگئے آپس میں کار بند

پھرتے ہیں نوکری کو جو بن کر رسالدار
کپڑا نہ لتا پال سلہ نہ پر تغُّو نہ بوجھ بھار
گھوڑے کی ہے لگام نہ اونٹوں کی ہے مہار
یوں ہر مکاں میں آکے اُترتے ہیں سوگوار
جنگل میں جیسے دیتے ہیں لاکر اُتار بند

کوئی پکارتا ہے پڑا بھیج اے خدا
کوئی کہے ہے ہاتھ اُٹھا بھیج اے خدا
اب تو ہمارا کام تھکا بھیج اے خدا،،
لے جان اب ہماری تو یا بھیج اے خدا
کیوں روزی یوں ہے کی مرے پرورگار بند؟

محنت سے ہاتھ پاؤں کی کوڑی نہ ہاتھ آئے
دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے
بیکار کب تلک کوئی قرض و اُدھار کھائے؟
آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کاروبار بند

سلہ چھوٹا خیمہ جس میں اکثر سپاہی رہتے ہیں تغّو سوار کا سامان سفر جو بیل باٹو پر چلتا ہے ایسے ٹوٹو کو پر تل کا ٹٹو کہتے ہیں ۱۲ سلہ کام تھکا یعنی کام چلنے سے رہ گیا اب کام نہیں چلتا
یہ دونوں شعر شہباز مرحوم

آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ
بامن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
حیران ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند

اس شہر کے فقیر بھکاری جو ہیں تباہ
بھوکے ہیں کچھ بھجائیو بابا خدا کی راہ
جس گھر میں جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ
واں سے صدا یہ آتی ہے "پھر مانگو" جب تو آہ
کرتے ہیں ہونٹھ اپنے وہ ہو شرمسار بند

کیا چھوٹے کام والے و کیا پیشہ ور نجیب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب
روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
اُٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کہ یا نصیب!
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند

قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض[1] لیتے جاتے ہیں
البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
یوں بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم ہی کھاتے ہیں
سوتے ہیں کر کواڑ کو اک آہ مار بند

دیکھے ہیں بند اپنے جو وہ کاروبار کو
یاں تک تو بیچو اسی ہے ہر بیقرار کو
سودا ایسا ہو گیا ہے ہر اک دل فگار کو
جو + + + میں بھول کے دھوتی ازار کو
کھولے ہے انگرکھے کے کھڑا بار بار بند

کیونکر بھلا نہ مانگیے اس وقت سے پناہ؟
یاں تک امیرزادے سپاہی ہوئے تباہ
محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سیاہ
جن کے جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کے پکڑے شکار[2] بند

ہے جن سپاہیوں کنے بندوق اور سناں
چاندی کے بند تار تو پیتل کے ہیں کہاں؟
کندے کا اُن کے نام نہ چلّے کا ہے نشاں
لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسّی کے اُن میں باندھے ہیں پیادے سوار بند

[1] قرض بسکون دوم صحیح ہے ۱۲
[2] وہ گھوڑا جو زین میں گھوڑے کی دم کے پاس شکار لٹکانے کے لیے بندھا ہوتا ہے ۱۲ [3] کنے بزدیک پاس ۱۲ آسی

جو گھوڑا اپنا بیچ کے زین کو گرو رکھیں
ٹکا جو بکتا آوے تو کیا خاک دے کے لیں
یا تیغ اور سپر کو لیے چوک میں پھریں
جب مٹھ قبض بک کے پڑے روٹی پیٹ میں
پھر اُس کا کون مول لے وہ کچھے دار بند

جتنے سپاہی یاں تھے نہ جانے گدھر گئے
ہتھیار بیچ ہو کے گدا گھر بگھر گئے
دکھن کے تئیں نکل گئے یا پیشتر گئے
جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں دربدر گئے
پھر کون پوچھے اُن کو جواب ہیں کٹار بند

ایسا سپاہ[1] مرد کا دشمن زمانہ ہے
تنخواہ نہ طلب ہے نہ پینا نہ کھانا ہے
روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانہ ہے
پیادے دوال بند[2] کا پھر کیا ٹھکانا ہے؟
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات
کس کس کے دکھ کو روئیے اور کس کی کہیئے بات
سب پر پڑی ہیں آن کے روزی کی مشکلات
روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

ہے کون سا وہ دل جسے فرسودگی نہیں؟
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں
وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی[3] نہیں
اب آگرے کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آکے ایسے ہوئے رہگذار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختان میوہ دار
کانٹے کا اُن میں نام نہیں پھول در کنار
کیاری میں خاک دھول روش پر پڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا
غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزا ہرا بھرا
نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر[4] پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

[1] سپاہ مرد سپاہی
[2] دوال بند وہ سپاہی جس کی کمر پر چمڑا یا چمڑے کی پیٹی بندھی ہو۔ نقار بند، صاحب نوبت و نقارہ ۱۲
[3] نابودگی۔ نایابی، نہ ہونا۔ نہ ہوتے
[4] چادر پانی کی چوڑی دھار آبشار جھرنا ۱۲ آسی

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا بناہ
پھوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر[1] پناہ
وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اُجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار[2] بند

کیوں یارو اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا؟
جو ہے سو اس ہوا میں دوانہ سا ہو رہا
جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
سودا ہوا مزاج زمانے کو یا خدا
تو ہے حکیم کھول دے اب اس کے چار[3] بند

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر
سب کھاویں بیویں یاد رکھیں اپنے اپنے گھر
ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
اس ٹوٹے شہر پہ بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایکبار تو سب کار و بار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے
ملّا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
شاعر کہو، نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ چار[4] بند

[1] شہر بسکون دوم صحیح ہے عوام بفتح بولتے ہیں ۱۲
[2] خاربند۔ کانٹوں کی باڑھ جو کھیت یا باغ کے چار طرف حفاظت کے لیے لگا دیتے ہیں ۱۲
[3] چاربند۔ کنایتاً عناصر اربعہ کو کہا جاتا ہے ۱۲
[4] مراد بند اشعار ۱۲

آگرے کے کھیل تماشے

(۴۷)

کبوتر بازی

ہیں[۱] عالمِ بازی میں جو ممتاز کبوتر	اور شوق کے طائر سے ہیں انباز[۳] کبوتر
بھاتے ہیں بہت ہم کو یہ طنّاز[۲] کبوتر	مدت سے جو سمجھیں ہیں ہمراز کبوتر

پھر ہم سے بھلا کیونکہ رہیں باز کبوتر ؟

حیوان ہیں گرچہ عجب انداز کے پر ہیں	صورت میں پریوار، تو سیرت میں بشر ہیں
آواز سے واقف ہیں اشاروں سے خبر ہیں	پرواز میں ہمشہپر عنقاے نظر ہیں

کیا گوٹے ہوں اور کیا ہوں گرہ باز کبوتر

کیا بلبل و قمری و پہے پدڑی و پدّے	چنڈول، اگن، لال، بئے، ابلقے، طوطے
کیا طوطی و مینا و بئی تیتر و تنکرے	طائر ہیں غرض بازی اشغال کے جتنے

کی غور تو ہیں سب سے سرافراز کبوتر

ہیں بصری، اور کابلی، شیرازی، نسادر	چو یا چندن و سبز، کھمی شستر و اکرّ
طاؤسی و گل، پوٹیے، نیلے، گگی تھتیٹر	تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر

جو کرتے ہیں چھتری کے اُپر ناز کبوتر

۱ اس نظم میں کبوتر کے اقسام کی بڑی دقت تھی۔ اور کل اقسام کی تحقیق ہوگئی مگر بند چہارم کا اکرّ اور بند ششم کا مکھرا۔ اور بند ہفتم کا ہسترا ٹھیک نہ معلوم ہوا ناظرین تحقیق کریں اقسام تحقیق شدہ کے معنی بخوف تطویل نہیں لکھے گئے۔ فقط تصحیح متن کردی گئی ہے اور عام مقصد کے لیے اتنا ہی کافی ہے ۱۲۔ ۲ شہباز مرحوم۔ ۳ انباز۔ ملا ہوا ۴ گوٹے۔ گرہ باز بصری۔ کابلی۔ شیرازی۔ نسادر چویا۔ چندن۔ سبز کھمی۔ شستر۔ اکرّ طاؤسیے۔ گل پوٹیے۔ نیلے گگی۔ تھتیٹر۔ لقے چیتے۔ جوگیے۔ کھیرسے۔ پٹیٹ چپ۔ نفتے۔ مکھرے۔ زرچے گل آنکھ۔ لال آنکھ اودے۔ زردے تابرے۔ تیرسے سی۔ توسی۔ پلکے سیابی۔ کھاگرسے تنبولیے۔ پان لال اگری۔ سرمئی۔ عنبری۔ خال۔ بھورسے۔ بگسی تابڑے۔ ہیرے۔ ہسترے۔ کاسنی۔ لوٹن۔ یہ سب کبوتروں کی قسمیں۔ اور رنگ کے لحاظ سے ان کے نام ہیں ۱۲ — آسی

لڑتے ہیں ادھر اپنی کساوٹ کو دکھاتے
ہیں جو گیے بھی رنگ گئی جوگ کے لاتے
چیتے ہیں اُدھر سیم بری اپنی جتاتے
پریوں کے پرے دیکھ کے ہیں چرخ میں آتے
جب حلقہ زناں کرتے ہیں پرواز کبوتر

گھیرے، ڈبیت و چپ و نفتے و کھرے
کچھ کابرے تیرے، مسی، و توشی و پلکے
زرچے، و گل آنکھ، اور لل آنکھ اور دے دزرنے
پھرتے ہیں ٹھمک چال، سُناتے ہیں خوشی سے
کیا کیا وہ غٹرغوں کی خوش آواز کبوتر

سیمابیے اور گھاگھرے تنبو لیے، پان لال
بھورے، گمسی تانبڑے، ببرے بھی خوش احوال
کچھ اگرئی اور سرمئی اور عنبری اور رخال
پھر مستر ے، اور کاسنی لوٹن بھی سبکبال
کھولے ہیں گرہ دل کی گرہ باز کبوتر

"کو!" کرکے جدھر کے تئیں چھپی کو ہلا دیں
گٹی کو نہ پھڑکا دیں تو پھر تہ کو نہ آ دیں
کچھ ہو دے غرض پھر وہ اُسی سمت کو جا دیں
چھوڑ ان کو نظیرؔ اپنا دل اب کس سے لگا دیں
اپنے تو لڑکپن سے ہیں دمساز کبوتر

(۴۸)

بلبلوں کی لڑائی

ترجیع

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں
یہ شورسُن کے خلقت دوڑ آئی دائیں بائیں
اُس میں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
کوئی بولا "واہ حضرت" کوئی بولا "واہ سائیں"
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دونوں کٹ کٹ لڑتی تھیں کر کے گڈا[1]　　جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا تگڈا[2]

خلقت بھی آ کے ٹوٹی چھوڑ اپنا اپنا اڈا　　کڑکی کسی کی پسلی، ٹوٹا کسی کا ہڈا

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی جو تھی کہ اس میں چھوڑا　　اس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا

پھر تو یہ بھیڑ آ کر ان کشتیوں کا کوڑا　　چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری پڑھ ہم نے پھر فسوں کی　　کشتی میں گٹھری بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی

سن سن کے چیخیں ان کی زد نے میں غرغوں کی　　سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھونکی

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

سن سن وہ چخ چخ ان کی چڑیاں جو چوں چوں آئیں　　کوّے پکارے غاں غاں چیلیں بھی چلچلائیں

سارہ، ٹٹیر، مینا، چمگادڑیں بھی آئیں[3]　　مرغوں نے ککڑوں کوں کی کلکلیاں پھیر پھیرائیں

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

چلائے مور، سارس، اور پھڑ پھڑ اے گھگو　　گد اور چغد دہاڑے[2] اور پھڑ پھڑائے الّو

کتے بھی بھونکے بھوں بھوں گیدڑ پکارے ہو ہو　　بھڑکے گدھے بھی رینکے کر اپنی ڈھینچو ڈھینچو[5]

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

جب لے کے چلے وہاں سے ہم بلبلوں کا لشکر　　سب لوگ ہنس کے بولے اس دم دعائیں دے کر

---

[1] گڈا ہونا: گتھنا، تگڈا
[2] تین تین کا ایک گروہ بن جانا
[3] دہاڑنا: غل شور مچانا، بڑے زور سے چیخنا
[4] ایک پرندہ، ایک پرندہ کا نام
[5] گدھی کی آواز ... آتی

سب میں میاں نظیر اب تم ہو بڑے قلندر
یہ کھیل آگرے میں اب ختم ہے تمھیں پر

سو سو طرح کی دھو میں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

(۴۹)

گلہری کا بچہ

لیے پھرتا ہے یوں تو ہر بشر بچا گلہری کا
ہر اک اُستاد کے رہتا ہے گھر بچا گلہری کا
دلیکن ہے ہمارا اس قدر بچا گلہری کا
دکھا دیں ہم کسی لڑکے کو گر بچا گلہری کا
تو دم میں لوٹ جائے دیکھکر بچا گلہری کا

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی رہی ہیں بن
کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف کی ناگن
کناری دار پٹا جس میں گھنگرو کر رہے چھن چھن
گلے میں ہنسلی پاؤں میں کڑے اور ناک میں لٹکن
رہا ہے سر بسر گہنے میں بھر بچا گلہری کا

کسی سردار کے دل میں یہ آیا ایک دن یارو
کہ دیکھے گھر بلا کر عشق بازوں کے ہنر کو وہ
کہا اُس نے کہ "ہاں اس ڈھب کے اُستادوں کو لے آؤ"
سو ہو کر اُس کا سب میں ڈھونڈھ چکر لے گیا ہم کو
نہ تھا ہم پاس اُس دم کچھ مگر بچا گلہری کا

وہ دیکھے تو بُری صورت بُرا احوال اور پھٹے کپڑے
بڑھے داڑھی کے بال اور زرد منھ آنکھوں میں آنسو ہے
بندھی میلی سی پگڑی سر پہ اور ٹکڑے انگرکھے کے
وہ کپڑے گو پھٹے تھے ہم پر اپنے فن میں تھے پورے
لگا رکھتے تھے ایسے وقت پر بچا گلہری کا

جو ہیں اتنے میں ہم کو اس بُرے احوال سے دیکھا
کہا اُس نے کہ پھنستا ہو گا ان سے کس طرح لڑکا
نظر سے اُسکی میں نے جب تو واں اس بات کو تاڑا
کمر کو دیکھ ڈھونڈھی جیب پگڑی کو ٹٹول اُس جا
وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈھ کر بچا گلہری کا

کہیں بیٹھا تھا واں اُس کا برس بارہ کا اک لڑکا
وہ گورا گدگدا اچھا پری سا چاند کا ٹکڑا
جوہیں اُس نے وہ بچا آہ یارو اک نظر دیکھا
وہیں لٹو ہو کر بولا "یہی لوں گا یہی لوں گا"
چھڑا دو جلد میرے ہاتھ پر بچا گلہری کا

یہ کہہ بیقراری سے وہ لڑکا شوق میں غش ہو
وہیں گھبرا کے آ پہونچا جہاں ہم تھے کھڑے یارو
لگا سو منتوں سے مانگنے وہ یہ تو ہم کو دو
وہ باپ اُس کا پکارا ہاں نکالو جلدی سے انکو
غضب جادو کا رکھتا ہے اثر بچا گلہری کا

(۵۰)

ریچھ کا بچہ

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچا
لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچا
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچا
جسوقت بڑھا ریچھ ہوا ریچھ کا بچا
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچا

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا
لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا
بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچا

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر
ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر
وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُرزر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچا

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس پہ کرن پھول
مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اُپر جھول
اور ان کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل پھول
یوں لوگ گرے پڑتے تھے سرپانو کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچا

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق[1] اور اونٹوں کی قطاریں
اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
غُل شور، مزے، بھیڑ، ٹھٹھ، انبوہ، بہاریں
جب ہم نے کیا لاکے کھڑا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے "یہ پیشہ ہے قلندر
وہ کیا ہوے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر"
ہاں چھوڑ دیا بابا اُنھیں جنگلے[2] کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی[3] کے تئیں گت پہ بجایا
لڑنے کے سوا ناچ بھی اس کو ہے سکھایا
اس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھبا ریچھ کا بچہ

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں اُو
ہر چار طرف سیتی کہیں پیر و جواں واہ
پھر کہروا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ!
سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ
کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچہ

اس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا "خدا تم کو رکھے شاد"
کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
اور کوئی یہ کہتا تھا "ارے واہ رے اُستاد
تو بھی جیے اور تیرا سدا ریچھ کا بچہ"

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا
لپٹا تو یہ کشتی کا ہنر آن دکھایا
خم ٹھوک پہلواں[4] کی طرح سامنے آیا
جو چھوٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو رِجھایا
ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا
گہہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہہ اُس نے پچھاڑا
للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتھاڑا
اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گر ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچہ

[1] قیق - آواز - چیخ ۱۲
[2] جنگل کی بجائے پہلے جنگلا بھی بولتے تھے۔ جنگلے کی راہ سے چلادیں۔ گلزار نسیم ۱۲
[3] ڈھپلی۔ ڈفلی کا عامیانہ لہجہ ۱۲
[4] پہلوان میں "ہ" ساکن ہے ۱۲ آسی

یہ داؤں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر
سب نقد ہوئے آکے سوا لاکھ روپے ڈھیر
یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر
جو کہتا تھا ہر ایک سے اس طرح سے منھ پھیر
یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچا"

کہتا تھا کھرا کوئی جو کر آہ "اہا ہا!
یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ اہا ہا!
اس کے تمھیں استاد ہو واللہ اہا ہا!
کیا کہیئے غرض آخرش اے واہ اہا ہا!"
ایسا تو نہ دیکھا، نہ سنا ریچھ کا بچا"

جس دن سے نظیر اپنے تو دلشاد یہی ہیں
سب کہتے ہیں "وہ صاحب ایجاد یہی ہیں
جاتے ہیں جدھر کو اُدھر ارشاد یہی ہیں
کیا دیکھتے ہو تم کھرے استاد یہی ہیں
کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچا"

(۵۱)

اژدہے کا بچا

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بئے کا بچا
مینا، بیا، لٹورا، اور ابلقے کا بچا
اور بیچتا ہے کوئی طوطے ہرے کا بچا
تیتر بٹیر سارس شکرے لوبے کا بچا
سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو اژدہے کا بچا

کھاتے تھے ہم تو اس سے آگے پلاؤ قلیا
پھرتے ہیں سر پہ رکھ کر چالیس من کی ڈلیا
یا روکھی سوکھی روٹی یا باجرے کا دلیا
اب کوئی اگرے میں ایسا نہیں ہے بلیا
سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو اژدہے کا بچا

جب بیچتے تھے یارو ہم اژدہا پرانا
سو سو طرح کا جب تو آتا تھا ہم کو کھانا

ا؎ کھرا یا کھرا گرگ شکار کو کہتے ہیں ۱۲
۲؎ بلیا بلی کی تصغیر ہے یعنی زور آور - قوی بازو - زبردست - امیر مال دار - توانگر ۱۲ آسی

اب گاہکی جو کم ہے تو ہے یہ دل میں ٹھانا
اک بچا روز لانا اور روز بیچ کھانا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

گاہک نہ کوئی بولا ہے یہ بڑا زمانا
اب بھی بکا تو بہتر، نہیں پھر پڑے گا لانا
آج اس کو سر پہ رکھ کر سب شہر ہم نے چھانا
ہے اس سے ہی ہماری نت روٹی کا ٹھکانا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

ہے ڈر ہم اس کو رکھیں یا پھیر کر لے جاویں
کچھ بن نہیں ہے آتا یہ دکھ کسے سناویں
تو کیا ہم آپ کھاویں اور کیا اسے کھلاویں
جی چاہتا ہے اب تو یہ شہر چھوڑ جاویں

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

سو من گیہوں کا ہر دن کھانے کو کہاں[1] سے آوے
جب رات ہو تو ہر دم یہ خوف جی میں آوے
اور سو پکھال پانی کب تک کوئی پلاوے
شاید اسے چرا کر کوئی چور لے نہ جاوے

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

روزی کے اب تو ایسے گھر گھر میں ہیں کسالے[2]
جب تنگ ہو وے روزی کون اژدہے کو پالے
ہاتھی و گھوڑے اپنے دیتے ہیں لوگ ڈھالے[3]
اس کی بھی اور ہماری یارو خبر خدا لے

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

لو دس ہزار تک تو چھوڑے اسے نہ دیں گے
ستر ہزار تک بھی سودا نہیں کریں گے
اتنے روپے تو اس کے اک پر کے ہم نہ لیں گے
اسی ہزار دے گا تو ہم بھی دے چکیں گے

---

[1] کہاں بجے عوام
[2] دقتیں ۱۲
[3] ڈھانا لٹانا ارزاں بیچنا یا مفت پلے باندھنا۔ سر ہو کر دینا۔ ذلیل میر سے جو دیکھنے والے دل بیچ ڈالتے ہیں جو کوڑیوں کے مولوں یہ مال ڈھالتے ہیں ۱۲ پروفیسر شہباز مرحوم

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو، لواژدہے کا بچّا

سب اُٹھ گئے جہاں سے وہ تھے جو بوگ جیّا[1]
اس بات کو تو عمدہ ہو بھوگ[2] کا بلسیا[3]

وہ رہ گئے ہیں جن کے گھر میں نہیں ہے ہنسیا
جو اژدہے کو پالے ایسا ہے کون رسیا[4]

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو، لواژدہے کا بچّا

آگے تو گھر بہ گھر تھے اکثر تمام داتا
اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا

سیمرغ پالتے تھے کرنے کو نام داتا
سچ ہے نظیر آخر اجگر کے رام داتا[5]"

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو، لواژدہے کا بچّا

(۵۲)

بیا

اب ہاتھ پر مرے جو نمودار ہے بیا
خوباں کے دیکھنے کا طلب گار ہے بیا

زردی میں اپنے رنگ کی زردار ہے بیا
عاشق دلوں کی گرمی بازار ہے بیا

جتنے بئے ہیں، سب میں یہ سردار ہے بیا

جس دن سے میرے ہاتھ یہ عیّار ہے لگا
کوڑی کبھی اُٹھا، کبھی منہدی اُتار لا

کیا کیا پری رخوں کی بہاریں ہیں دی دکھا
بیٹی ہے اُس کی یارو یہ ڈورا نہیں بندھا

لڑکوں کی اُلفتوں میں گرفتار ہے بیا

کرنے کو دید جب سے لیا ہے یہ ہم نے مول
چھلّا انگوٹھی لاتا ہے ہردم گرہ سے کھول

پھرتے ہیں ساتھ تب سے کئی دلبروں کے غول
پانی کنوئیں سے کھینچے ہے کر پوستوں کے ڈول

---

[1] جیا جن والے خوش نصیب صاحب خیر و برکت، صاحب شہرت و نام ۱۲
[2] بھوگ کے معنی ہیں حظ کے اور بلسنا تمتع اُٹھانا بھوگ کا بلسیا۔ حظوظ و لذائذ دنیاوی سے پورا پورا تمتع اُٹھانے والا ۱۲
[3] رسیا مزوں میں دن رات پڑا رہنے والا آدمی۔ شوقین آدمی ۱۲
[5] حشرات الارض کا رزّاق خدا ہے۔ یہ ایک مشہور مثل ہے ۱۲ شہباز

ایسا ہنر میں اپنے نمودار ہے بیا

گر یہ تماشے پر کبھی اپنے اُتر پڑے — لڑکے امیروں کے پھریں ایدھر اُدھر پڑے
پر مجھ کو یہ یقیں ہے اگر ٹک نظر پڑے — ہاتھی سے بادشہ کا بھی لڑکا اُتر پڑے

ایسا ہمارے پاس یہ تیّار ہے بیا

آگے ہمارے پاس تھا بچا گلہری کا — طوطا، نبیٹی، اور تھا بگلا سدھا ہوا
اُن کو تو ہائے چور کوئی لے گیا چرُا! — اب اس کا ہے ہمارے تئیں، یارو، آسرا

اس بے کسی میں اب تو مددگار ہے بیا

گر یہ ہمارے پاس نہ ہوتا تو آمیاں[ف] — پوچھے تھا کون ہم سے غریبوں کی بات یاں
اس درد و غم میں حق کے سوا اب تو اس مکاں — اپنا نہ کوئی دوست، نہ مشفق، نہ مہرباں

گر ہے تو اب جہاں میں یہی یار ہے بیا

لڑکا جو کوئی شوخ ہٹیلا ہو اُچپلا — پھنستا نہ ہو کسی سے کسی جال میں جو آ
یارو یہ وہ بیا ہے، دیا جس گھڑی دکھا[ک] — بس دیکھتے ہی آن میں لٹو ہو آ ملا

کافر یہ اس طرح کا جھمک وار ہے بیا

کرتا ہے آکے بندی وٹیکی پہ جب یہ چوٹ — بالوں کی لٹ دکھاؤ تو لاوے وہیں کھسوٹ
بوڑھوں کا دل تماشے میں ہوتا ہے جسکے بوٹ — لڑکا تو ایک دم میں ہو بس دیکھ لوٹ پوٹ

یہ تو کہیں کا زور طرح دار ہے بیا

جب مانگتا ہے مجھ سے بہت ہو کے بیقرار — کہتا ہوں اُس سے جب تو میں "اے شوخ گل عذار
یہ کیا بیا ہے اس کو نہ لو پیارے زینہار — گر ساتھ میرے آؤ تو دکھلاؤں تم کو یار

اس سے بھی اور ایک مزے دار ہے بیا"

اس دم کے بیچ جب وہ پری زاد لگ چلا — پھر وہ نہیں کوڑیوں کا دیا جھاڑ اُسے دکھا
بوسے بھی خوب لے لیے مطلب بھی کر لیا — اور یوں کہا کہ جان نہ تم ماننا برُا

ف او میاں

ک کوڑیوں کا چھلا کسی ناگفتہ بہ شے سے کنایہ ہے ۱۲

میری خطا نہیں یہ گنہ گار ہے بیا،

یہ سن کے مجھ سے کہتا ہے جب ہو کے وہ خفا
تب ہاتھ جوڑ اس کو یہ دیتا ہوں میں سنا
لو اب بیا تو دو مجھے، ہونا تھا سو ہوا
تم کو تو ایسے لاکھ ملیں گے اے دل ربا

مجھ کو تو ملنا پھر کہیں دشوار ہے بیا،

ایسے بئے تو لاکھوں کروں تم پہ میں نثار
اور مجھ غریب کا تو اسی پر ہے روزگار
لے جا کے اس کو تم کہیں ڈالو گے مفت مار
ہر دم اسی کا اس سے ہی چلتا ہے کاروبار

سچ پوچھئے تو میرا یہ بیوپار ہے بیا،

ایسا بیا ہے اب تو سزا وار دل پذیر
کیا شوخ، کیا شریر، غریب اور کیا امیر
لڑکے جہاں تلک ہیں پری زاد بے نظیر
سب منتوں سے کہتے ہیں آکر میاں نظیر

اک دو گھڑی تو ہم کو یہ درکار ہے بیا،

مدارج عمر

(۵۳) طفلی ۱

کیا دن تھے یار وہ بھی تھے جبکہ بھولے بھالے
چوٹی کوئی رکھالے بدھی کوئی پنھالے
نکلے تھی دائی لیکر پھرتی کبھی ددا[1] لے
ہنسلی گلے میں ڈالے، منت کوئی بڑھالے

موٹے ہوں یا کہ دبلے، گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم، نے حیا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے
آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ واہ ہے

کچھ کھالے اس طرح سے کچھ اُس طرح سے کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

مرجاوے کوئی تو بھی کچھ اُن کا غم نہ کرنا
اُن کی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھرنا[2]
نے جانے کچھ بگڑنا نے جانے کچھ سنورنا
جس بات پر یہ مچلے پھر وہی کر گذرنا

ماں اُوڑھنی کو، بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

---

[1] ددا۔ کھلائی وہ عورت جو بچوں کی خدمت پر مقرر ہو ۱۲ آسی۔

[2] گھر! اگرچہ فیروز کی رعایت سے بالکسر پڑھیں تو قافیہ ناقص رہتا ہے ممکن ہے کہ ہلنا کی طرح قدیم تلفظ گھرنا ہو۔ گھرنا بالفتح کے معنی لغت میں نفرت ملامت اور شرم کے لکھے ہیں لیکن وہ نامانوس اور غیر متعارف لفظ ہے۔ اور نظیر نے غالباً اُس کا استعمال اس صاف و شستہ نظم میں نہ کیا ہوگا ۱۲ شہباز مرحوم

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوڑتے[1] ہیں
بابا کی مونچھ، ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں
گڑ، بیر، مولی، گاجر لے منھ میں گھونٹتے[2] ہیں
گردوں میں اٹ رہے ہیں خاکوں میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا سو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو اُن کو دو سو کھالیں پھیکا ہو، یا سلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہی اُنکو سونا
ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا
پروا نہ کچھ پلنگ کی، نے چاہیئے بچھونا
بھونپو کوئی بجالے، پھرکی کوئی پھرالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشاہی کیا ہے
یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشاہ ہے
اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس[3] مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

(۵۷)

ایضاً طفلی ۲

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چٹورے
پانوؤں میں ہیں کالے ٹیکے ہاتھوں میں نیلے ڈورے
ہر آن آنچلوں[4] کے معمور رہتے کٹورے
یا چاندسی ہو صورت یا سانورے وگورے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

گل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے تھے
ماں باپ اُن کی خدمت سر پر قبولتے تھے
پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے
ہاتھوں میں کھیلتے تھے جھولوں میں جھولتے تھے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

[1] ہاتھ اوڑنا ہاتھ پھیلانا ۱۲ [2] گھونٹنا سے مراد منھ میں گھولتے رہنا ۱۲ [3] یعنی بال بچے ۱۲ [4] آنچل پستان آسی

کے دوستی کسی سے نے دل میں ان کے کینا
نے گرمیوں سے واقف نے جانتے پسینا
جانیں نہ بے قرینا، نے سمجھیں کچھ قرینا
چھاتی سے ماں کی لپٹے خوش ان کو دودھ پینا

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

جو دیکھے اُن کی صورت سے پیار سے کھلاوے
چومے کبھی دہن کو چھاتی کبھی لگاوے
ہاتھوں اُپر اُچھالے اور چھیڑ کر ہنساوے
کوئی چسنی منھ میں دیوے کوئی جھنجھنا بجاوے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

چھوٹا سا کوئی اُن کا کرتا نکالتا ہے
ماں دودھ ہے پلاتی اور باپ پالتا ہے
یا چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پہ سنبھالتا ہے
نانا گلے لگاوے دادا اُچھالتا ہے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

کیا عمر ہے عزیزو اور کیا یہ وقت ہے گا
پانوؤں چلے تو واں سے پھر اور پیار ٹھہرا
جب گھٹنیوں پہ آئے پھر اور کچھ تماشا
سب زندگی کا خط ہے اُن کو نظیرؔ، اہاہا!

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

(۵۵)

لطف شباب

کیا عیش کی رکھتی ہے سب آہنگ جوانی؟
ہر آن پلاتی ہے مے اور بھنگ جوانی
اکرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ جوانی
اکرتی ہے کہیں صلح، کہیں جنگ جوانی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا
پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہے تڑپتا
جو ہر کہیں عاشق کہیں رسوا، کہیں شیدا
مرتے ہیں سسکتے ہیں، بلکتے ہیں اہاہا!

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

نے مے کا نہ معجون کے منگوانے کا کچھ غم
گالی کا نہ آنکھوں کے لڑا آنے کا کچھ غم
نہ دل کے لگانے کا نہ گل کھانے کا کچھ غم
ہنسنے کا نہ چھاتی سے لپٹ جانے کا کچھ غم
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سین
وعدہ کہیں اقرار کہیں سین کہیں نین
جھوٹا ہے کہیں پیار، کسی سے ہے لگی نین
نے جی کو فراغت ہے نہ آنکھوں کے تئیں چین
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

الفت ہے کہیں مہر و محبت ہے کہیں چاہ
ساقی ہے صراحی ہے، پریزاد ہیں ہمراہ
کرتا ہے کوئی چاہ کوئی دیکھ رہا راہ
کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں اللہ[1]
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

چہرے پہ جوانی کا جو آکر ہے چڑھا نور
چھاتی سے لپٹتی ہے کوئی حسن کی مغرور
رہجاتی ہیں پریاں بھی غرض اس کے تئیں گھور
گودی میں پڑی لوٹے ہے چنچل سی کوئی حور
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

گر رات کسی پاس رہے عیش میں غلطاں
گھبرا کے اٹھے جب تو گرے پاؤں پہ ہر آں
اور واں سے کسی اور کے ملنے کا ہو دھیاں
کہتی ہے ہمیں چھوڑ کے جاتے ہو کدھر جاں؟
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

[1] یہ مصرعہ جرأت کی تقلید میں ہے اس کی ایک مشہور غزل ہے جس کا مقطع یہ ہے ؎
جرأت کی غزل جس نے سنی اس نے کہا واہ
کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے واللہ
شہباز

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

رستے میں نکلتے ہیں تو ہوتی ہیں یہ چاہیں
کھانسے ہے کوئی ہنس کے کوئی بھرتی ہیں آہیں
وہ شوخ کہ ہوں بند جنھیں دیکھ کے راہیں
پڑتی ہیں ہر اک جا سے نگاہوں پہ نگاہیں
اس ڈھب سے کہ مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

تنتے ہیں اگر اینٹھ کے چلتے ہیں عجب چال
کھینچے ہیں کہیں بال، کہیں توڑ لیا گال
جو پانوں کہیں راہ، کہیں میٹ کہیں ڈھال
چڑھ بیٹھے کہیں ہاتھ کہیں منھ کو دیا ڈال
اس ڈھب سے کہ مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

جاتے ہیں طوائف میں تو واں ہوتی ہے یہ چاؤ
کوئی کہتی ہے یاں بیٹھو کوئی کہتی ہے یاں آؤ
کہتی ہے کوئی "ان کے لیے پان بنا لاؤ"
ناچے ہے کوئی شوخ بتاتی ہے کوئی بھاؤ
اس ڈھب سے کہ مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

ہنس ہنس کے کوئی حسن کی چھل بل ہے دکھاتی
چتون کی لگاوٹ کوئی چنچل ہے دکھاتی
مسّی کوئی سرمہ کوئی کاجل ہے دکھاتی
کُرتی کوئی انگیا کوئی آنچل ہے دکھاتی
اس ڈھب سے کہ مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کہتی ہے کوئی رات مرے پاس نہ آئے
کہتی ہے کوئی کس نے تمھیں پان کھلائے
کہتی ہے کوئی ہم کو بھی خاطر میں نہ لائے
کہتی ہے کوئی گھر کو جو جائے ہمیں کھائے
اس ڈھب سے کہ مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لہ گال توڑنا ۔ فرط شوق میں گال کاٹ لینا اس شعر کو ڈاکٹر فیلین نے اپنی ڈکشنری میں یوں نقل کیا ہے سہ
پاٹانگ گھسیٹے ہے
تو وہ پیر کھینچے پکڑ بال
تو ہاتھ مروڑے
تو یہ توڑے ہے پکڑ گال ۱۲ شہباز
سلہ بھاؤ بتانا ۔ گانے یا گیت کے مضمون کا حرکات و سکنات سے نقشہ کھینچنا ۱۲ آسی

گر دل کو کسی شوخ پری کی ہوئی ٹک چاہ
جوں باز کہ چڑیا کو کہیں داب لے ناگاہ
اور ناز نہیں کرنے لگی اُس وقت وہ اکراہ
مچوادے لپٹ کر وہیں ... سے اوئی آہ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

آیا جو کوئی حسن کا بوٹا یا کوئی جھاڑ
انگیا کے تئیں چیر کے کرتی کو لیا پھاڑ
جا شوخ سے جھٹ لپٹے یہ پنجوں کے تئیں جھاڑ
اخلاص کہیں پیار کہیں مار کہیں دھاڑ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیر اب میں جوانی کی کہوں بات
محبوب پریزاد چلے آتے ہیں دن رات
اس پن[1] میں گذرتی ہے عجب عیش سے اوقات
سیریں ہیں بہاریں ہیں تواضع ہے مدارات
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۵۶)

عالم پیری[2]

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھاپا
اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھائے بڑھاپا

جو لوگ خوشامد سے بٹھاتے تھے گھڑی بھر
اب آکے بڑھاپے نے کیا ہائے یہ کچھ تھر[3]
چھاتی سے لپٹتے تھے، محبت کی جتا لہر
اب جن کے کنے جاتے ہیں تکتے ہیں اُنھیں ہر

[1] پن - عمر - زمانہ - عمر کے چار درجے ہیں :- لڑکپن - جوانی - اڈھیڑپن - بڑھاپا ۔ ان میں سے ہر ایک درجے کو پن کہتے ہیں - جب سب پن ڈھل گئے تو کھائی پنہاری. یعنی جب ارذل عمر کو پہونچی اور کسی مصرف کی نہ رہی تو ہار کر پنہاری کا پیشہ اختیار کیا اور پانی بھرنے لگی ۔

[2] یہ نظم نظیر کی بہت ہی ممتاز نظموں میں ہے اور اس کی شہرت یورپ تک پہونچ گئی ہے یہی نظم سرنامۂ پیری اور بڑھاپے نامے کے ساتھ بھی ملقب ہے۔ چنانچہ اخیر نام سے موسیو دی تاسی اپنی فہرست میں اس کا ذکر کرتے ہیں ۱۲

[3] مطبع احمدی کے نسخے میں اس شعر کے بدلے تیسرے بند کا دوسرا شعر نقل ہو گیا تھا جس سے قافیوں میں سخت عیب پیدا ہو گیا مطبع نولکشور کے متداول نسخے میں قافیوں کی تصحیح میں تو کوشش کی گئی مگر مطلب اس میں بھی رکیک رہا۔ اب سنگ لنگ (گم شدہ کڑی) کے مل جانے سے مطالب اور قوافی دونوں کا سلسلہ ٹھیک ہے ۱۲ شہباز۔

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تو پریزاد یہ رکھتے تھے ہمیں گھیر
سو آکے بڑھاپے نے کیا ہائے یہ اندھیر
آتے تھے چلے آپ، جو لگتی تھی ذرا دیر
جو دوڑ کے ملتے تھے سو اب لیتے ہیں منھ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جب تلک ایّام جوانی کے ہرے رُکھ
بیٹھے تھے پرند آن کے جب تک تھا ہرا رُکھ
محبوب وہ ملتے تھے، نہ ہو دیکھ جنھیں بھوکھ
اب کیا ہے جو پت جھڑ ہو اور جڑ ہی گئی سوکھ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسفِ ثانی
دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلّوں کی نشانی
مرجائیں تو اب منھ میں نہ ڈالے کوئی پانی
کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی؟ ہائے جوانی!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یاد آتے ہیں ہم کو جو جوانی کے وہ ہنگام
اور جام، دل آرام، مزے، عیش اور آرام
ان سب میں جو دیکھو تو نہیں ایک کا اب نام
کیا ہم پہ ستم کر گئی یہ گردشِ ایّام!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے
چہلیں ہیں، بہاریں ہیں، پریزاد ہیں بھکتے
ہم اُن کے تئیں دور سے ہیں رشک سے تکتے
وہ عیش و طرب کرتے ہیں ہم سر ہیں پٹکتے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب پاؤں پڑیں ان کے تو ہرگز نہ بلا دیں
اتنا تو کہاں اب جو کوئی جام پلا دیں!
جا بیٹھیں تو اک دم میں خفا ہو کے اٹھا دیں
گر جان نکلتی ہو، تو پانی نہ چوا دیں؟

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جب عیش کے مہمان تھے، اب غم کے ہوئے ضیف
جب اینٹھ کے چلتے تھے، سپر باندھ، اٹھا سیف
اب خون جگر کھاتے ہیں جب پیتے تھے سو کیف
اب ٹیک کے لاٹھی کے تئیں چلتے ہیں صد حیف

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا!

تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے
اب آ کے بڑھاپے نے کیے ایسے ادھورے
وہ کون سے گھوڑے تھے جو ہم نے نہیں گھورے
پر جھڑ گئے دم اڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار و الٹ ہائے گیا ہم سے زمانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے داؤ کا بہانا
جو شوخ کہ تھے اپنی نگاہوں کے نشانا
ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں جسے کہتا ہے وہ کیا پوچھے ہے بڈھے
بیٹھیں تو یہ ہو دھوم کہاں بیٹھے ہے بڈھے
آویں تو یہ غل ہو کہ کہاں آوے ہے بڈھے!
دیکھیں جسے کہتا ہے وہ کیا دیکھے ہے بڈھے؟

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

۱۲ بند ۷-۸-۹ مسترادل مخزن میں نہیں ہیں ۱۲ یہاں ۱۲ نسخہ ۱۲ بند ۱۲-۱۳ ابھی نسخوں میں نہیں ہیں ۱۲ شہباز

کیا یارو کہیں گو کہ بڑھاپا ہے ہمارا
پر بوڑھے کہانے کا نہیں تو بھی سہارا
جب بوڑھا ہمیں ہائے جہاں کہہ کے پکارا
کافر نے کلیجے میں گویا تیر سا مارا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

خوباں میں اگر جاویں تو ہوتی ہے یہ پھکڑی
کھینچے ہے کوئی ہاتھ کوئی پکڑے ہے لکڑی
مونچھیں کہیں بتی کے لیے جاتی ہیں پکڑی
داڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کہتا ہے کوئی چھین لو اس بوڑھے کی لاٹھی
کہتا ہو کوئی شوخ کہ ہاں کھینچ لو داڑھی
اتنی کسی کافر کو سمجھ اب نہیں آتی
کیا بوڑھے جو ہوتے ہیں تو کیا انکے نہیں جی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اک وقت وہ تھا ہم بھی مزے کرتے تھے گن گن
محبوب پریزاد نہ رہتے تھے سلے بن
اک وقت یہ ہے ہائے جو سب کرتے ہیں اب گھن
یا ایک وہ ایام تھے یا ایک یہ ہیں دن

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھوں میں اگر جاویں تو لگتا نہیں واں دل
واں کیونکہ لگے دل تو ہے محبوبوں کا مائل
محبوبوں میں جاویں تو وہ سب چھیڑیں ہیں مل مل
کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل

سب چیزوں کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے
تو واں بھی لگی ساتھ یہی خواری گئی ہے

ایک گویا روزن نعمتوں نصیحت سے نصحائے عالی وار کے دینے اور گرنے کو پسند نہیں کرتے آسی نے پھکڑ کی بجائے پھکڑی ۱۲ سے نبیدہ ۱۵-۱۶-۱۲ بھی متداول نسخہ میں نہیں ہیں ۱۲ شہباز

سنتے ہیں کہ کہتی ہوئی پنہاری گئی ہے
لو دیکھو بڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

پگڑی ہو اگر لال گلابی تو یہ آفت
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے گر شکل یہ رحمت
کہتا ہی ہر اک دیکھ کے کیا خوب ہی رنگت
لاحول ولا دیکھیے بُوڑھے کی حماقت

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر بیاہ میں جاویں تو یہ ذلت ہے اُٹھانا
رندوں میں اگر جاویں تو مشکل ہے پھر آنا
چھٹتے ہی سبنے باپ نکاحی کا نشانا
افسوس کسی جا نہیں بوڑھے کا ٹھکانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

ہے جھانولی تالی کا زنانوں میں جو چرچا
داڑھی کی بلگت بولے کوئی آنکھ کو مٹکا
گر اُن میں کبھی جاویں تو ہے یہ ستم آتا
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے آ آمرے دادا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

دریا کے تماشے کو اگر جاویں تو یارو
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہی بدخو
کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو؟
کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر آج کو ہوتے وہ جوانی کے زمانے
مشکل ابھی پڑ جاتی انھیں پیچھے چھڑانے
قدرت تھی جو یوں چھیڑتے پھر دے دو زمانے
اک دم میں ابھی لگتے او ہی ہائے مچانے

لہ بند ۱۹، ۲۰، ۲۲ بھی متداول نسخوں سے مفقود ہیں ۱۲۔ سے جھانولی۔ چشم و ابرو کا اشارہ۔ جگہ زیب۔ تالی دونوں ہاتھوں کا بجانا ۱۲ آسی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر ناچ میں جاویں تو یہ حسرت ہے ستاتی
اوروں کی طرف جاوے تو آنکھیں ہیں لڑاتی
جو ناچ ہے کافر وہ نہیں دھیان میں لاتی
پر ہم کو تو کافر وہ انگوٹھا ہے دکھاتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر نائکا اُن میں کوئی بوڑھی ہے کہاتی
پھیکی سی پرانی سی لگاوٹ ہے جتاتی
البتہ بڑھاپے پہ ہے ٹک رحم وہ لاتی
پر تھر ہے وہ ہم کو ذرا خوش نہیں آتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

چکلے کے جو اندر کی وہ کہلاتی ہیں کسبی
مُنھ دیکھتے ہی کہتی ہیں سب آ ڈبے جی
اگر اُن میں کبھی جاویں تو ہوتی ہے خرابی
کیا آئے ہو یہاں کرنے کو پیری و مُریدی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر جائیں طوائف میں تو لگتی ہیں سنانے
ہلس مقس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے
کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے؟
ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گو جھک کے کمر پاؤں سے سر آن لگا ہے[1]
کہتے ہیں جسے "ہم کو یہ ارمان لگا ہے
پر دل میں تو خوباں کا وہی دھیان لگا ہے
کہتا ہے وہ کیا بوڑھے کو شیطان لگا ہے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

[1] لے بند ۸ ۲ بھی متداول نسخوں سے غائب ہے ۱۲

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بناوے
داڑھی کے کنے انگلی کو لا لاکے نچاوے
چل کر کوئی کبڑے کے طرح قد کو جھکا دے
یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھا دے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیتے جوانی میں کیے دھوم دھڑکے[2]
سب اڑ گئے کافور وہ نظارے وہ جھمکے[4]
ویسے ہی بڑھاپے میں چھٹے آن کے چھکے[3]
اب عیش جوانوں کو ہیں اور بوڑھوں کو دھکے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر حرص سے داڑھی کو خضاب اپنی لگا دیں
گو مکر سے ہنسنے کے تئیں دانت بندھا دیں
جھرّی جو پڑی منھ پہ اسے کیونکہ مٹا دیں
گردن تو پڑی ہلتی ہے کیا خاک چھپا دیں

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھے ہوئے پر حسن کی چاہت نہیں چھٹتی
اور دل سے بھی محبوب کی الفت نہیں چھٹتی
آنکھوں سے یہ دیدار کی لذت نہیں چھٹتی
سب چھٹ گیا پر دید کی یہ لت نہیں چھٹتی

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

سنتے ہو جوانو! یہ سخن کہتے ہیں تم سے
جاوے گی جوانی تو پھر افسوس کرو گے
کرنے ہوں جو کر لو وہ مزے عیش و طرب کے
تم جیسے ہو ویسے تو کبھی ہم بھی جواں تھے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

---

[1] بند ۳۰-۳۱ و ۳۲ ہو بھی متداول نسخوں سے مفقود ہیں ۱۲
[2] دھوم دھڑکے کرنا، دھوم دھام کرنا
[3] چھکے چھوٹنا، ہوش و حواس پراگندہ ہونا ۱۲
[4] جھمکے دیدار ۱۲ آسی

اب جتنے ہو معشوق یہ سب یاد رکھو بات
محبوبو غنیمت ہے جوانی کی یہ اوقات
جو ہو سو کرو چاہنے والوں کی مدارات
جب بوڑھے ہوئے پھر تو ہوئے ڈھاک کے دو پات[لہ]

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب جس سے رہیں صاف تو ہوتا ہے وہ گدلا
اس چرخ ستمگار نے سینے میں حسد لا
اللہ نہ دکھلاوے کسی کو یہ ملولا[۲]
کیا ہم سے جوانی کا لیا آہ یہ بدلا!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں پیئے جام سبو کے
جب آکے گلے لگتے تھے محبوب بھبو کے
ویسے ہی بڑھاپے میں پیئے گھونٹ لہو کے
اب کہیئے تو بڑھیا بھی کوئی منھ پہ نہ تھوکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یہ ہونٹھ جواب پوپلے یارو ہیں ہمارے
ہوتے تھے جوانی میں تو پریوں کے گذارے
ان ہونٹوں نے بوسوں کے بڑے رنگ ہیں مارے
اور اب تو چڑیل آن کے اک لات نہ مارے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی کے چڑھے زور یہ شیر شخ[سمہ]
نکلا ہوا تن سوکھ، روئی بال، رگیں نخ[شہ]
ویسے ہی بڑھاپے کی پڑی آن کے اب یخ
حلوا ہوئے چرخا ہوئے کیسی ہوئے چرخ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

محفل میں وہ مستی سے بگڑنا نہیں بھولے
ساقی سے پیالوں پہ جھگڑنا نہیں بھولے

لہ محاورہ ہے ڈھاک کے تین پات۔ مگر نظیر نے یہاں بضرورت شعر تصرف کرلیا ہے اور بُرا نہیں معلوم ہوتا ۱۲ پروفیسر شہباز۔ سہ بند ۵ ۳ بھی متداول نسخوں میں نہیں ہے۔ ملولا۔ افسوس۔ رنج بچھتاوا ۱۲ سہ قافیے اور تین مصرعوں میں بہت چستی سے آئے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ یہاں بھی کوئی ویسی ہی چست ترکیب ہو۔ میرے خیال میں ملولا کی جگہ نگوڑا ہے یعنی خدا کسی کو ایسا ٹھہرا کر نہ دکھلائے جس میں بیسیار بر سر پرخاش ہوں ۱۲ شہباز۔ سہ بند ۴ سے ۹ تک بھی متداول نسخوں میں مفقود ہیں ۱۲ سمہ شخ فارسی میں ایک تو شاخ کا مخفف ہے۔ دوسرے زمین سخت اور سرکوہ کو کہتے ہیں چنانچہ قاآنی کہتا ہے:۔ بہ قل شگوفہ ہیں کہ برنا دہ ز شخ + در امویش از عذار برنگ سفید نخ + چو پیر سے بکوہ کی سپید شش شود زشخ + در اموحہ ہمچو برف دمد ہر نفس چو یخ + کہ زود شش سپید کرد سپہر سیاہ کار۔ و لہ
فلک تا زدمہ سیرہ کرکوب وشخ بر + کم آسا سے وپرتا بیا و رہبو سے و راہسر + یہاں دونوں معنی منطبق ہیں سر شاخ پر یا سر کوہ پر ۱۲ پروفیسر شہباز
شہ نخ ریشمی مضبوط ڈورے ۱۲ ستی۔

ہنس ہنس کے پریزادوں سے لڑنا نہیں بھولے
وہ گالیاں، وہ بوسوں پہ اَڑنا نہیں بھولے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

کیا دور تھا سر دُکھنے کا ہوتا تھا جد[1] افسوس
ہر غنچہ دہن دیکھ کے کرتا تھا صد افسوس
اب مر بھی اگر جاویں تو ہوتا ہے کد[2] افسوس
افسوس! صد افسوس!! صد افسوس!!! صد افسوس!!!!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

جب جان کے بُوڑھا ہمیں چھیڑیں ہیں یہ دلخواہ
اور چھیڑ کے مجلس سے اُٹھاتے ہیں بکراہ
اُس وقت تو ہم یارو دم سرد سے بھر آہ
رو رو کے یہی کہتے ہیں "اب کیوں مرے اللہ!"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر ہوتی جوانی تو ابھی دھوم یہ مچتی +
چھاتی سے لپٹ دم میں کڑاکڑ اُلتے لیلی
جب کرتی وہ انگیا کی اُڑ اڑ اسیتے دھجی
پر کیا کریں یارو کہ بُڑھاپے نے بُری کی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

وہ جوش نہیں جس کے کوئی خوف سے دہلے
وہ زعم نہیں جس سے کوئی بات کو سہ لے
جب بھُس ہوئے ہاتھ تھکے پاؤں بھی پہلے
پھر جس کے جو کچھ شوق میں آدے سو ہی کہہ لے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

کرتے تھے جوانی میں تو سب آپ سے آ چاہ
اور حسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دلخواہ
یہ قہر بُڑھاپے کیا آہ! نظیر، آہ!
اب کوئی نہیں پوچھتا، اللہ ہی اللہ!

[1] پہلے جب کے معنی میں بولتے تھے ۱۲، [2] یہ تنہا [3] کب کی قدیم شکل ۱۲ [4] مطبع صفدری کے نسخے میں اس نظم کے ۴۳ ہی بند تھے۔ جھانولی۔ تالی والا بند (بند ۲) اس میں زیادہ ہے ۱۲ شہباز

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

(۵۷)

بڑھاپے کی تعلّیاں

تضمین

جو نوجوان ہیں اُن کے دلمیں گمان کیا ہے؟
بوڑھا ادھیڑ، اُمکا ڈھمکا، فلان گیا ہے؟

جو ہم میں کس بل ہے اُن میں تاب و توان کیا ہے؟
ہم سے جو ہو مقابل پٹھے میں جان کیا ہے؟

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

ہر وقت دل ہمارا اگدر ہی بھانتا ہے
ہر شوق گلبدن سے گہری ہی چھانتا ہے

تیر اب تلک ہمارا تودے ہی چھانتا ہے
اِس بات کو ہماری اللہ ہی جانتا ہے

اب بھی ہمارے، آگے یارو جوان کیا ہے؟

چاہیں تو گھور ڈالیں سو خوبرو کو دم میں
سینہ بھڑک رہا ہے خوباں کے درد و غم میں

اور میلے چھان ماریں، وہ زور ہے قدم میں
پٹھوں میں وہ کہاں ہیں؟ جو گرمیاں ہیں ہم میں

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

دُبلے ہوئے ہیں ہم تو خوباں کے درد و غم سے
مونچھیں سفید کی ہیں اس ہجر کے ستم سے

اور جھرّیاں پڑی ہیں اُن کے غم و الم سے
بوڑھا ہمیں نہ جانو اللہ کے کرم سے

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

کوئی بھی بال تن پر میرے نہیں ہے کالا
اگر جوان مقابل ہووے کوئی ہمارا

خوباں کے درد و غم کا ان پر پڑا ہے پالا
خالق سے ہے یقیں یہ دکھلائے وہ بھی پچھیا

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

جب ..... سروں میں تیل اور پھلیل ڈالیں

اور کنگھی چوٹی کر کر ہم سے جھمیل ڈالیں

ہم بھی جب اُن سے یارو، ملنے کا میل ڈالیں
دو چار کو لتاڑیں، دس پانچ کھیل ڈالیں

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

اے یار، سو برس کی ہوئی اپنی عمر آکر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میدان میں زور جاکر
اور جھرّیاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
رُستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

ہم اور جوان مل کر گر دل کے تئیں لگا دیں
جاکر اُنھوں کے گھر پر جب زور آزما دیں
اور اپنے اپنے گل سے ملنے کی دل میں لا دیں
وہ گرد وال کو دیں ہم کوٹھا پھاند جا دیں

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

جاتے ہیں روز جتنی خوباں کی بستیاں ہیں
سو سو طرح کی چُہلیں جی میں اُکستیاں[1] ہیں
ہر آن دیدبازی اور بُت پرستیاں ہیں
کیا جوش بھر رہے ہیں، کیا عیش مستیاں ہیں

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

جو ہم کو جانے بوڑھا، سو وہ ہے شیخ چِلّی
ہاتھی کو داب بیٹھیں، جیسے چُوہے[2] کو بلّی
ہم چھیڑ ڈالیں اب بھی خوباں کو کر کے کھِلّی
رستم سے اک گھڑی میں مچوا دیں تو بہ تِلّی

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

... کا خوب بھر دیں جتنا مکان ہے اُونڈا[3]
ہر ناز میں پچھے ہے ہر شوخ ہے کنونڈا
... تو ایسے جیسے کھاڑا لے کوئی پونڈا
نہ رہنے پاوے ... نہ رہنے پاوے ...

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

دنیا میں طاقت اپنی مشہور اس قدر ہے
جنگل میں ہاتھی، چیتا یا کوئی شیر نر ہے
کوچوں میں اور مکاں میں دیکھو جدھر اُدھر ہے
ہر اک کے دل میں اپنا ہی خوف اور خطر ہے

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

کرتے ہیں ہم جو یارو، اب دھوم اور دھڑ لگے
دیکھے جوان تو اُس کے چھٹ جائیں دم میں چھکّے

[1] اُکستیاں قدما اس طرح کے جمع کے صیغے لکھتے تھے اب یہ صورت متروکُ الاستعمال ہے ۱۲ آسی۔
[2] چوہا بہ تخفیف واؤ ھُوا کے وزن پر لکھنا اب فصحا جائز نہیں رکھتے۔ قدما اس طرح استعمال کرتے تھے اب بروزن ھُوا صحیح اور فصیح مانتے ہیں ۱۲ آسی
[3] اونڈا - گہرا عمیق آسی

پیتے ہیں مے کے پیالے چلتے ہیں اردکھتے
کیا کیا نظیرؔ ہم بھی کرتے ہیں اب جھمکے
اب بھی ہمارے آگے یارو، جوان کیا ہے

(۵۸)

بڑھاپے کا عشق

گرہ بند

قائم ہے جسم، گو کہ نہیں کس غنیمت است
سو عیش ہم کو گر نہ ملے، دس غنیمت است
جیتے تو ہیں، اگرچہ نہیں بس غنیمت است
وقتِ خزاں چو گل نبود خس غنیمت است
پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

کرتے ہیں اس بڑھاپے میں خوباں کی ہم تو چاہ
اور وہ جو کچھ شعور کے رکھتے ہیں دستگاہ
احمق ہیں خورد، جو وہ ہنستے ہیں ہم پہ آہ!
سو وہ تو ہم کو دیکھ یہ کہتے ہیں "واہ واہ!"
پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

جن دلبروں سے یارو ہم اب دل لگاتے ہیں
بوسہ بھی ہم کو دیتے ہیں، مے بھی پلاتے ہیں
وہ سب ترس ہمارے بڑھاپے پہ کھاتے ہیں
اور راہ منصفی سے یہ کہتے بھی جاتے ہیں
پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

نے تن میں اب ہے زور نہ چلتے ہیں دست و پا
اس وقت میں بھی عشق کو رکھتے ہیں جا بجا
اور جھکتے جھکتے سر بھی قدم ساتھ آ لگا
کیوں یارو سچ ہی کہیو یہ انصاف کی ہے جا
پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است

وزشاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

روئے جو ہم چمن میں سحر بیٹھ کر ذرا
بلبل سے پوچھا گل نے کہ "بڑھاپا یہ کیوں بپا"؟
اُس نے کہا کہ اسکا کسی سے ہے دل لگا
جب گل نے ہم کو دیکھ کے ہنسکر یہی کہا

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

طاقت بدن میں کہیئے، تو اب نام کو نہیں
ہوتا ہے اب بھی سیر، تماشا اگر کہیں
جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دل شاد ہم وہیں
جو ہم کو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے "آفریں"!

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

کل میکدے میں ہم جو گئے با قد دوتا
اور پی شراب، لوٹ گئے، شور و غل مچا
اُس دم ہمارے دیکھ بڑھاپے کا حوصلا
ہنس ہنس کے جب تو پیرمغاں نے یہی کہا

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

پیارے تمھارے اور تو عاشق ہیں نوجواں
اک ہم ہی بوڑھے سب سے ہیں اور پیر ناتواں
وہ تو رہیں گے، ہم ہیں کئی دن کے میہماں
بس سبکو چھوڑ ہم سے ملو کس لیے کہ جاں

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

جو ہیں جواں اُنھوں کے تو اُلفت ہے کاروبار
ہم بوڑھے ہوکے عشق کو رکھتے ہیں برقرار
ملتے ہیں دل لگاتے ہیں پھرتے ہیں خوار و زار
جو ہم سے ہوسکے، وہ غنیمت ہے، میرے یار

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

دانتوں کا گرچہ منھ میں ہمارے نہیں نشاں
ان شوخیوں کا وقت ہمارے بھلا کہاں

بوسے پہ آن اڑتے ہیں تو بھی ہر ایک آن
پر دل میں اپنے ہم بھی یہ کہتے ہیں مسرجاں

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

جن کو خدانے دی ہی جوانی کی دستگاہ
اور ہم کہاں پھر آدینگے کرنے تمھاری چاہ

وہ تو ہمیشہ دل کو لگا دینگے تم سے آہ!
بس تم اب اپنے دل میں اسی پر کرو نگاہ!

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

گو تن تمام کانپے ہی اور ہیں سفید بال
پیارے ہمارے ملنے سے لاؤ نہ کچھ ملال

تو بھی بناہتے ہیں محبت کی چال ڈھال
کس واسطے کرو تم اب اس بات پر خیال

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

ہوتے ہیں الفتوں سے جوانی میں سب اسیر
جو ہم کو دیکھتا ہی اب اس حال میں نظیر

ہم عشق سے بڑھاپے میں نکلے ہیں بن فقیر
پڑھتا ہے شاد ہو کے یہی بیت دلپذیر

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

(۵۹)

جوانی بڑھاپے کی لڑائی

مناظرۂ شیب وشباب

جہاں میں یار و خدائی کی کیا خدائی ہی
کہ ہر کسی کو تکبر ہے، خود نمائی ہے

ادھر جوانی بڑھاپے پہ چڑھ کے آئی ہے ۔ اُدھر بڑھاپے کی اُس پر ہوئی چڑھائی ہے
عجب جوانی، بڑھاپے کی اب لڑائی ہے

جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار ۔ بڑھاپا اپنے بڑھاپے میں دم رہا ہے مار
ہوئے ہیں دونوں جو لڑنے کیواسطے تیار ۔ ادھر جوانی نے کھینچی ہے طیش سے تلوار
بڑھاپے نے بھی اُدھر لاٹھی اک اُٹھائی ہے

ادھر ہے تیر سا قامت، اُدھر وہ پیٹھ کماں ۔ اُدھر وہ ٹیڑھا بدن اور ادھر اکڑ کے نشاں
جوانی کہتی ہے بڑھ کر کہ سُن، بڑھاپے میاں ۔ کہ تیری خیر اسی میں ہے، چل، سرک اس آں
وگرنہ تیری اجل میرے ہاتھ آئی ہے

میں آج وہ ہوں کہ رستم کو بھڑ کھڑا ڈالوں ۔ پہاڑ ہو وے تو اک دم میں ہل ہلا ڈالوں
درخت جڑ سے اُکھاڑوں زمین ہلا ڈالوں ۔ ابھی کہے تو تری دھجیاں اُڑا ڈالوں
کہ مجھ کو زور کی، قوت کی بادشاہی ہے

کہا بڑھاپے نے گر تجھ میں زور ہے بچّا ۔ تو ہاں جی، دیکھیں ہمارے تو سامنے آجا
اگرچہ زور ہمارے نہیں ہے تن میں رہا ۔ مسوڑوں سے ہی تری ہڈیوں کو ڈالوں چبا
نہ ہم سے لڑ کہ اسی میں تری بھلائی ہے

اگرچہ تو ہے نیا ہم پرانے ہیں، لیکن ۔ نیا ہے تو ہی دن آخر پرانا ہے نئو دن
ہزار گو کہ ترا زور پہ چڑھا ہے سن ۔ پہ ہم نہ چھوڑیں ترے کان اب مروڑے بن
کہ تو نے آکے بہت دھوم یاں مچائی ہے

کہا جوانی نے تیرا تو اب ہے کیا احوال ۔ تو میرے کان مروڑے کہاں یہ تیری مجال
نہ تیرے پاس طمنچہ نہ تیر سیف نہ ڈھال ۔ ابھی گھڑی میں بکھرتا پھرے گا ایک اک بال
یہ ڈاڑھی تو نے جو مدت میں اب بڑھائی ہے

کہا بڑھاپے نے سن کر کہ تو اگر ہے پہاڑ ۔ تو ہم بھی سوکھ کے جھڑبیری کے ہوئے ہیں جھاڑ

ابھی کہے تو ترے کپڑے، لتّے ڈالیں پھاڑ
ذرا سی بات میں اک دم کے بیچ لیویں اُکھاڑ
ہر ایک مونچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہے

یہ سن کے بولی جوانی کہ چل، نہ کہہ تو بات
کہیں ہو پاؤں، کہیں سر، کہیں پڑا ہو ہات
ابھی جو آن کے ماروں تری کمر میں لات
جسے تو جینا سمجھتا ہے، اور خوشی کی بات
وہ تیرا جینا نہیں ہے وہ بےحیائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا کہ تونے جھوٹ کہا
شراب ہو جو پرانی تو اُڑ چلے ہے نشا
جو پوچھئے سچ تو ہمیں کو مزہ ہے جینے کا
پرانے جب ہوئے چانول تو ہیں اُنھیں میں مزا
قدیم ہے یہ مثل ہم نے کیا بنائی ہے

تری تو خلق میں ہے چار دن کی سب کو چاہ
ہمیں ہیں وہ کہ کریں ہیں تمام عمر نباہ
جہاں تو ہو چکی پھر بس وہی ہے حال تباہ
تو آپھی دیکھ گریباں میں ڈال کر منھ آہ
کہ اب کے کس میں وفا کس میں بیوفائی ہے

جوانی جب تو یہ بولی بڑھاپے سے سن کر
میں جب تلک ہوں، بہاریں مزے ہیں سر تا سر
تری وفا سے مری بیوفائی ہے بہتر
جو سلطنت ہو گھڑی بھر کی تو بھی ہے خوشتر
مزے تو لوٹ لیے گو کہ پھر گدائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا وہ سلطنت ہے کیا
ہمیں ملی وہ بزرگی کی منزلت اس جا
کہ جس کے ساتھ لگا ہو زوال کا دھڑکا
کہ جب تلک ہیں رہے گی ہمارے ساتھ سدا
خدا نے ایسی ہمیں دولت اب دلائی ہے

کہا جوانی نے چل جھوٹی اب نہ کر تکرار
شراب ناچ مزے گل بدن گلے میں ہار
مرے تو واسطے عیش و طرب ہیں باغ و بہار
تری خرابی یہ دیکھی ہے ہم نے کتنی بار
کہ تو نے ہر کہیں ذلت ہی جا کے پائی ہے

مجھے خدا نے دیا ہے وہ مرتبہ اور شان
جدھر کو جاؤں اُدھر عیش رنگ پھول اور پان

اُچھل ہی کود ہی، لذت، مزے، خوشی کے دھیان | گلے لپٹتے ہیں محبوب گل بدن ہر آن
گھڑی گھڑی کی نئی سیر ہی اُڑائی ہے

کہا بڑھاپے نے چل جھوٹ اتنا مت بولے | مذا تو جن پہ ہے وہ میرے پاؤں ہیں پڑتے
ہمیں کہیں ہیں وہ حضرت تجھے کہیں ہیں پلے | ہزاروں بار پڑے تجھ پہ لات اور گھونسے
بھلا بتا تو کہیں ہم نے مار کھائی ہے؟

تجھے پچلتے ہیں وہ خوبرو جو لاتوں میں | ہم اُن کو مار اُتاریں ہیں دم کی باتوں میں
ہم عیش دن کو اُڑاتے ہیں اور تو راتوں میں | کریں ہیں عشق کو ہم جس طرح کی گھاتوں میں
تجھے کہاں ابھی اس بات میں رسائی ہے

تو جن کے واسطے گلیوں میں اب پھرے ہی خوار | ہم اُن کی لوٹے ہیں عیش و طرب کے بیچ بہار
تجھے تلاش و طلب میں کٹے ہے لیل و نہار | ہم اپنی ٹٹی میں بیٹھے ہی کھیلتے ہیں شکار
تو کیا وہ جانے جو کچھ ہم نے گھات پائی ہے

بڑھاپے نے کہا اُس دم جوانی سے بابا | مرا تو وصف کتابوں میں ہے لکھا ہر جا
بزرگی اور مشیخت بڑھاپے میں ہے سدا | تری جو بات کا مذکور ہے کہیں آیا
تو ہر طریق میں خواری ہی تجھ پہ آئی ہے

جونہیں جوانی نے خواری کا منھ سے نام لیا | بڑھاپا دوڑ جوانی سے وہیں آلپٹا
مڑوڑیں مونچھیں ادھر اُس نے ڈاڑھی کو کھینچا | لڑے جو دونوں بڑا ہر طرف یہ شور مچا
کہ یارو دوڑیو، فریاد ہے! دہائی ہے!

کھڑے تھے لوگ ہزاروں یہ دونوں لڑتے تھے | گھڑی پچھاڑتے تھے اور گھڑی پچھڑتے تھے
جو باز چھوڑتے تھے تو کمر پکڑتے تھے | ہر اک طرف سے نئے گھونسے لات جڑتے تھے
تو سب یہ کہتے تھے کیا ان کے جی میں آئی ہے

یہ مار کوٹ کا آپس میں جب ہوا چرچا | نظیرؔ اس میں وہیں ایک ادھیڑپن آیا

لـه دو ایک بند اوپر کے غائب معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اوپر جو تقریر تھی وہ بڑھاپے ہی کی تھی بند ۲۰ میں خواری کے لفظ کا جوانی کے منھ سے نکلنا لکھا ہے حالانکہ وہ اسی بند کے مطابق بڑھاپے کے منھ سے ہے پس ان دونوں بندوں میں کچھ تصرف کاتب کا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲ شہباز

کچھ اس کو رو کا ادھر اور کچھ اُس کو سمجھایا
تم اپنے خوش رہو یہ اپنے خوش رہے ہر جا
ملاپ خوب ہے لڑنے میں کیا بھلائی ہے

(۶۰)

موازنہ زور و کمزوری

زور جب تک کہ ہمارے بدن و تن میں رہا
کھونڈے گلزار و چمن، گلشن و باغ و صحرا
پچ گئی دم میں، اگر کیسی ہی اٹکل تھی دوا
دوڑے ہر سیر تماشے میں خوشی سے ہر جا
زور کی خوبیاں لاکھوں ہیں کہوں میں کیا کیا

عیش و عشرت کے مزے جتنے کہ سب زور میں ہیں
لذتیں فرحتیں کیا کہیئے عجب زور میں ہیں
خرمی خوشدلی و عیش و طرب زور میں ہیں
زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب زور میں ہیں
سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور مزا

جب سے کمزور ہوئے تب سے ہوا یہ احوال
ہو گئے سب وہ اُچھل کود کے نقشے پامال
سستی و ضعف و نقاہت کی چڑھائی ہے کمال
اب جو چاہیں کہ چلیں پھر بھی اسی طور کی چال
قصد کرتے ہیں بہت پر کہیں جاتا ہی چلا

پانی پیتے ہیں تو بلغم وہ ہوا جاتا ہے
پیویں شربت تو ہوا زدگیاں وہ لاتا ہے
اور نہ ہی چکھیں تو چھینکوں کا منہ چھاتا ہے
اور جو کم کھائیں تو پھر ضعف سے غش آتا ہے
پیٹ بھر کھائیں تو پھر چاہیے چورن کو ٹکا

راہ چلنے میں یہ کچھ ضعف سے ہوتے ہیں نڈھال
اور ٹک تند ہوا چلنے لگی تو فی الحال
ہر قدم آتے ہیں پابوس کو سو رنج و ملال
چلنی پڑتی ہے پھر اُس وقت تو اس طور کی چال
جیسے کیفی کوئی چلتا ہے بہت پی کے نشا

اونچی نیچی جو زمیں آگئی رستے میں کہیں
یک بیک دونوں سے گذرے تو یہ طاقت ہی نہیں
اُس کی یہ شکل ہے کیا کہیئے نقاہت کے تئیں
اُتریں نیچے کو تو گر پڑنے کے ہوتے ہیں قریں
اور جو اونچے پہ رکھیں پاؤں دم آتا ہی چڑھا

آوے گر جاڑے کا موسم تو خرابی یہ ہو
تو بھی ہرگز گلِ گرمی کی نہیں آتی بو
پہنے نو سیر روئی کی جو بنا کر دُوتو[1]
ہو بدن سرد و خنک اس ہیں کہ ایسا جس کو
دیکھے گر برف کا ٹھیلا تو رہے سر کو جھکا

اور عیاں ہووے جو ٹک آگے ہوا گرمی کی
موم ہوتے ہیں جہاں تن کو ذرا دھوپ لگی
اُس میں کچھ اور رہی ہوتی ہے نقاہت سستی
اور پسینوں میں یہ صورت ہر بدن کی ہوتی
جیسے غواص سمندر میں لگاوے غوطا

ضعف کے دام میں ہیں اب تو کچھ اس طور اسیر
طبع افسردہ، دل آزردہ بدن سخت حقیر
جس میں نہ طاقتِ تحریر نہ تابِ تقریر
جو جو کمزوریاں کرتی ہیں نہ کیا کہیئے نظیر؟
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

(۶۱)

موت کی فلاسفی

ہندوانہ لہجہ

جو مرنا مرنا کہتے ہیں وہ مرنا کیا بتلائے کوئی
سی ڈالی آنکھ دورنگی کی جب یکرنگی نے مار سوئی
واں جو ہر باہیں کھول ملے سب اپنی اپنی چھوڑ دُوئی
نہ مردوں کا غل شور رہا نہ عورت کی کچھ آہ اُدئی
ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پَوَن کی پَوَن ہوئی
اب کس سے پوچھے کون موا؟ اور کس سے کہیئے کون موئی

[1] دوتا۔ دوتاہ دوتاہ ایک قسم کی پوشاک۔ دوتو دوتا کا ہندی لہجہ ہے ۱۲ شہباز

نقارہ دھوں دھوں بجتا تھا اور کیا کیا تھی آواز بڑی
جب پھوٹ گیا پھر دیکھو تو آواز سب اسکی کہاں گئی
نر مادہ دونوں ایک ہوئے جب آن بھرم کی کھال پھٹی
نرکا کچھ نرمول رہا نہ مادہ کی پہچان رہی

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیئے کون موئی!

ہر چار طرف اجیالی تھی اس تیل سکورے پانی کی
وہ جوت نہ تھی اس دیئے کی تھی وہ اور کسی کی اجیالی
سب گھر کے بیچ اجالا تھا کیا نوک بندی تھی نور بھری
جب دیوا بجھ کر سرد ہوا پھر چھا گئی کل اندھیاری

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیئے کون موئی

تھا جب تک خالص دودھ بنا تھی کیا کیا اسمیں چیز دھری
براق ملائی ماکھن تھا اور کھویا گاڑھا اور تری
جب پھٹ کر ٹکڑے دودھ ہوا پھر کہاں گئی وہ چکنائی
نہ دودھ رہا نہ دہی رہا نہ روغن مسکہ چھاچھ مہی

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیئے کون موئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو لکڑی میں تھی آگ لگی
جب بجھ کر ٹھنڈی راکھ ہوئی پھر اسکی آنچ کہاں پہنچی
یاں ایک طرف کو دولھا تھا اور ایک طرف کو دولھن تھی
جب دونوں ملکر ایک ہوئے پھر بات ہی کیا پردے کی

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیئے کون موئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو ٹکی ڈالی پانی میں
اور رستے میں جب پھوٹ گئی ہاتھوں کی نیجا تانی میں
نہ راجہ کا سندیشہ رہا نہ بھید رہا کچھ رانی میں
جا گھیرے مل گئے گھیر وہیں دریا میں مل گیا پانی میں

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیئے کون موئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو کپڑا پانی بھیگا تھا
جب سوکھا دھوپ کے اندر وہ پھر پانی اسکا کہاں گیا

ف نرمول نرکلہ مسلسل۔ مول جڑ یعنی وہ شے جسکی کوئی جڑ بنیاد نہو سب بنیاد والی شے محض نرکا کچھ نرمول نہ رہا یعنی کچھ نام و نشان نہ رہا چونکہ یہ معنی بہ تکلف پیدا ہوتے ہیں لہذا ممکن ہے کہ نرمول کی جگہ جڑ مول ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ شہباز

۲ سکورا یعنی سکورہ) ایک چھوٹا مٹی کا برتن مٹی کی طشتری ۱۲

۳ تری مٹھی کا مہی مکھن کا دودھ جس سے مکھن نکال لیتے ہیں ۱۲

۵ سندیشہ شک وشبہہ۔ خوف ڈر۔ تردد ۱۲ شہباز

سب مردہ بول اُٹھے واں کسی نے رنگ لا
نہ بھرم رہا نر مادہ کا نہ دھوکا ہاتھی چیونٹی کا

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پَوَن کی پَوَن ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

یاں جن کو جینا مرنا ہے ای یار انھیں کو ڈرنا ہے
اس بھول بھلیاں جگر میں ٹک ستہ پیدا کرنا ہے
جب دونوں دکھ سکھ دور ہوئے پھر جینا ہی نہ مرنا ہے
سب چھوڑ بھرم کی باتوں کو اس بات پہ دل دھرنا ہے

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پَوَن کی پَوَن ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

حق ناحق اُن سے کون لڑے جو مرنا سمجھیں جینے کو
جو مر گئے آگے مرنے سے وہ جانے بھید قرینے کو
جینے کا رہنا نام رکھیں اور جینا کھانے پینے کو
ہو خاصی دُھن جا لپٹی اُس لال بنے رنگ بھینے کو

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پَوَن کی پَوَن ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

کیا صورت لوگ لگائی کی کیا نقشہ ناری نر بپت[3] کا
جو سمجھیں اُنکو آساں ہے نہیں فرق ہے رائی پربت کا
کیا رنگ بنے کا روپ ہٹے کیا سوانگ بنا یا گت گت کا
بس اے نظیر اب کیا کہئے ہے نہ وہ تماشا قدرت کا

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پَوَن کی پَوَن ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہئے کون موئی

(۶۲)

موت کا دھڑکا

گرہ بند

دنیا کے بیچ، یارو، سب زیست کا مزا ہے
جب مر گئے تو آخر پھر عمر خاک پا ہے
جیتوں کے واسطے ہی یہ ٹھاٹھ سب ٹھٹا ہے
نے باپ ہے نہ بیٹا، نہ یار آشنا ہے

[1] بھرم اس نظم میں خاص معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ بھرم کے ایک تو معنی ہیں عزت، اعتبار، حیثیت عرفی اور دوسرے معنی ہیں غلطی، شک، خوف، حیرت۔ [2] شیبانی کی اشارہ ہے موتو اقبل ان تموتوا کی طرف۔ [3] نر بپت۔ بادشاہ، شہباز

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

جیتوں کے دل کو ہر دم کیا عیش پے بہ پے ہے
جب مر گئے تو ہرگز مے ہے نہ کوئی شے ہے
گلزار، ناچ، سیریں، ساقی، صراحی مے ہے
اس مرگ کے ستم کو کیا کیا کہوں میں، ہے ہے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

یہ دم کی بات جو تھے مالک یہ اپنے گھر کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہ گذر کے
جب مر گئے تو ہرگز گھر کے رہے نہ در کے
پوچھا نہ پھر کسی نے یہ تھے یہاں کدھر کے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

مرنے کے بعد کوئی اُلفت نہ پھر جتاوے
جو دیکھے اُن کی صورت دہشت سے بھاگ جاوے
نے بیٹا پاس آوے، نے بھائی منہ لگاوے
اس مرگ کی جفائیں کیا کیا کوئی سناوے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

پیتے تھے دودھ شربت اور چابتے تھے میوا
بچے یتیم ہو گئے، بی بی کہائی بیوا
مرتے ہی پھر کچھ اُن کا سکہ رہا نہ بھیوا[۱]
اس مرگ نے اُکھاڑا کس کس بدن کا لیوا

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

جب روح تن سے نکلی آنا نہیں یہاں پھر
ہاتھی پہ چڑھ کے یاں پھر گھوڑے پہ چڑھ کے واں پھر
آکاہے کو دیکھتے ہیں یہ باغ و بوستاں پھر؟
جب مر گئے تو لوگو یہ عشرتیں کہاں پھر؟

ڈرتی ہے روح، یارو اور جی بھی کانپتا ہے

۱؎ بھیوا ۔ پتھر جو انگوٹھی میں جڑا جاتا ہے ۔ نگین انگشتری یہاں وہ نگین مراد ہے جس پر مہر کھدوا لیتے ہیں ۱۲ شہبانہ

مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

گھر ہو بہشت جن کا اور بھر رہی ہو دولت
اسباب عشرتوں کے محبوب خوب صورت
پھر مرتے وقت اُن کو کیونکر نہ ہووے حسرت
کیا سخت بے بسی ہے کیا سخت ہے مصیبت

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

کھانے کو اُن کے نعمت سو سو طرح کی آتی
اور وہ بنا دیں ٹکڑا دکھیوٹک اُن کی چھاتی
کوڑی کی جھونپڑی بھی چھوڑی نہیں ہے جاتی
لیکن نیظر سب کچھ یہ موت ہے چھڑاتی

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو مرنا بُری بلا ہے

(۶۳)

کل نفس ذائقۃ الموت

ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے ۱۲ آسی

دنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مر گیا
دل تنگیوں سے اور کوئی اُکتا کے مر گیا
عاقل تھا وہ تو آپکو سمجھا کے مر گیا
بے عقل چھاتی پیٹ کے گھبرا کے مر گیا

دُکھ پا کے مر گیا کوئی سکھ پا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

دن رات دُشمنی ہے یہاں دہر ہی ہے جنگ
چلتی ہیں نت اجل کی سناں گولی و تفنگ
جسکا قدم بڑھا وہ ہوا تو ہیں بے درنگ
جو جی چھپا کے بھاگا تو اُسکا ہوا یہ رنگ

وہ بھاگتے میں تیغ و تبر کھا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو کُل — یا چُپ گذاری عمر و یا دھوم کر چہل
جب آن کر فنا نے کھلایا اجل کا گُل — کام آئی کچھ کسی کو خموشی نہ شور و غل
چپکے کوئی موا کوئی چلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

گر لاکھ عشرتوں سے رہی دل میں دھوم دھام — یا سو مصیبتوں سے ہوا غم کا ازدحام
آخر کو جب اجل نے کیا آن کر سلام — ...سڑی کے غم میں کوئی ہو گیا تمام
کوئی حور پریاں چھاتی سے لپٹا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

پڑھ کر نماز کوئی رہا پاک باوضو — کوئی شراب پی کے پھرا مست کو بکو
ناپاک، پاک موت کے ٹھہری نہ روبرو — کوئی عبادتوں سے موا ہو کے سرخرو
ناپاک روسیاہ بھی پچھتا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

کر دل کے آئنے کے تئیں صاف ایک بار — کشفِ قلوب دل پہ کیا اپنے آشکار
جب پیک نے اجل کے کیا آن کر گزار — کام آئی روشنی نہ کرامات کی بہار
کامل فقیر خلق میں کہلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

بالفرض گر کسی کو ہوئی یاد کیمیا — یا مفلسی میں ایک نے خون جگر پیا
کوئی زیادہ عمر سے اک دم نہیں جیا — سوکھی کسی نے روٹی چبا غم میں جی دیا
قلیہ، پلاؤ، نہ زردہ کوئی کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا — یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا

آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا | پورے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا

باغ و مکان محل کوئی بنوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گیسو بڑھا کے کوئی مشائخ ہوا یہاں | یا بینوا ہو کوئی ہوا خود منڈا یہاں
جب مرشد اجل کا قدم آیا درمیاں | کوئی تو لمبی ڈاڑھی لیے ہو گیا رواں

مونچھیں بھویں تلک کوئی منڈوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گر ایک بے وقار ہوا اور ایک قدر دار | سر پہ لگا جب آن کے تیغ اجل کا وار
بے قدری کام آئی کسی کا نہ کچھ وقار | تھا بے حیا سو وہ تو موا کھو کے ننگ و عار

اور جس کو شرم تھی سو وہ شرما کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کوئی موتی چاہتا تھا کوئی موٹھ اور سڑا | جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر | یہ خاک پر موا وہ موا تخت کے اوپر

تھی جیسی جس کی قدر وہ بتلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

عاشق ہو گر کسی نے کسی گل کی چاہ کی | عاشق نے اپنے عشق بڑھانے میں جان دی
اور جب اجل کی دونوں سے آ کر لگن لگی | معشوق کام آئی کسی کی نہ عاشقی

دلبر بھی اپنے حسن کو چمکا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کتنوں میں بڑھ کے ایسی بڑھی الفتوں کی چاہ | جو جسم و جان ایک ہوئے انکے واہ واہ
عاشق موا تو مر گیا معشوق خواہ مخواہ | معشوق مر گیا تو وہ عاشق بھی کر کے آہ

اُس گلبدن کی قبر اُپر جا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کیا کالی پیلی شکل کے کیا گورے گلعذار
عاشق کوئی ہے اور کوئی معشوق طرحدار
عاقل حکیم و عامل و فاضل رسالدار
پنڈت نجومی بید چہ ناداں چہ ہوشیار
دو دن کی شان ہر کوئی دکھلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کیا اونچھی ذات پات کے اشراف کیا نجیب
قسمت سے پھوٹی کوڑی کسی کے نہ ہوئی نصیب
جس دم قضا کے ہاتھ نے بند آنکھ کی حبیب
کیا ہوشیار و عاقل و دانا و کیا طبیب
کوئی حزا نے خاک میں گڑوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

مرنے سے پہلے مر گئے جو عاشقان زار
وہ زندۂ ابد ہوئے تا حشر بر قرار
کیا کاتبان اہل قلم خوش نویس کار
جتنی کتابیں دیکھتے ہو لاکھ یا ہزار
کوئی لکھ کے مر گیا کوئی لکھوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پیر و مرید و شاہ و گدا امیر اور وزیر
سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
مفلس غریب صاحب تاج و علم سریر
کوئی ترس ترس کے موا غم میں اے نظیرؔ
کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

(۶۴)

عالم گزران

کی وصل میں دلبر نے عنایات تو پھر کیا
یا ظلم سے دی ہجر کی آفات تو پھر کیا
غصہ رہا یا پیار سے کی بات تو پھر کیا
گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا
اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

مجنوں کی طرح ہم نے اگر دل کو لگایا
بے چین کیا روح کو اور تن کو سکھایا
دل بر نے بھی لیلیٰ کی طرح دل کو لبھایا
جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈھا بھی نہ پایا
قصّوں میں رہے حرف و حکایات تو پھر کیا

جس شوخ پریزاد کی آ دل سے ہوئی چاہ
ہر طور ملے اُس سے رہے عیش کے ہمراہ
ہنسنا بھی ہوا باتیں بھی اچھی ہوئیں دلخواہ
حد بوس و کنار اور جو تھا اسکے سوا آہ
اگر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا

تھے وہ جو دُر و لعل سے بہتر لب و دنداں
آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں یکساں
جن آنکھوں کو ملتا ہو بھلا خاک کے درمیاں[1]
دو دن اگر اُن آنکھوں نے دنیا میں مری جاں
کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا؟

دُنیا میں اگر ہم کو ملا تخت سلیمان
تابع رہے سب جن و پری آدم و مرغان
جب تن سے ہوا ہو گئی وہ بود نہ سی جاں
پھر اُڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شاں
لے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر
اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر
اسپ و شتر و فیل و خرم و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا؟

[1] درمیاں میں (ے) کو ظاہر کرکے کہنا زیادہ فصیح ہے ۱۲ آسی

کامل ہوا گر روشنی کی دل کی اندھیری
جب آئی اجل پھر نہ چلی میری نہ تیری
اور باگ تصرّف سے کرشمات کی پھیری
آخر کو جو دیکھا تو ہوے خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف و کرامات تو پھر کیا

طائر کی طرح سے اُڑے ہم گرچہ ہوا پر
دریا پہ چلے ایسے کہ پا بھی نہ ہوے تر
یا ارض کو طے کر گئے غوطہ سا لگا کر
جب آئی اجل آہ تو اک دم میں گئے مر
گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا

حجرے میں اگر بیٹھ کے ہم ہو گئے درویش
عابد ہوے زاہد ہوے مرتاض[1] حق اندیش
اور چلّہ کشی کر کے ہمیشہ رہے دل ریش
جب آئی اجل ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر گے جو کی کوشش و طاعات تو پھر کیا

مے پی کے اگر ہو گئے ہم مست خرابی
کی لاکھ طرح عشق کی مستی و خرابی
ہونٹوں سے جدائی نہ کبھی مے کی گلابی
جب آئی اجل پھر وہیں اُٹھ بھاگے شتابی
رندوں میں ہوے اہل خرابات تو پھر کیا

عامل ہوے ہم لکھ کے اگر نقش ازل سے
لوگوں کو بچانے لگے بھوتوں کے خلل سے
دو دن کو جو تعویذ فلیتے و عمل سے
جب آئی اجل پھر نہ چلا زور اجل سے
تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا ؟

پڑھ علم ریاضی جو منجّم ہوے دھومی
پیشانی مہ و زہرۂ و برجیس کی چومی
اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
آخر کو اجل سر کے اُپر آن کے گھومی
سب چھان لیے ارض و سمٰوات تو پھر کیا

گر ہم نے اطبّا ہو طبابت کی رقم لی
جب سر کے اُپر مرگ نے آ ڈالدی کملی
چیز اور سوا طب کے سرانجام کے کم لی
اک دم میں ہوا ہو گئی سب نظری و عملی
تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

[1] مرتاض — ریاضت کرنے والا درویش ۱۲ آسی

سلہ علی گوہر کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔ علی گوہر شاہ عالم کا نام تھا ۱۲ ع د رہائی، پچرنا اپنے آپ کو قوت و جبروت سے مشتہر کرنا ۱۲ سلہ ناقی۔ نوساہی

گر اپنا ہوا منصب و جاگیر کا نقشا — اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا — اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا

دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تا شاہ — سب زر کے طلبگار رہیں لے ماہی سے تا ماہ
مرتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈھے ہر کوئی جاہ — دولت ہی کا ملنا ہی بڑی چیز، نظیر آہ!
بالفرض ہوئی اُس سے ملاقات تو پھر کیا

(۶۵)

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ

گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا تو پھر کیا — اور بحر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا؟
ماہی، علم، مراتب پُر زر ہوا تو پھر کیا؟ — نوبت، نشاں، نقارہ در پر ہوا تو پھر کیا؟
سب ملک سب جہاں کا سرور ہوا تو پھر کیا

یا رگھ کے فوج و لشکر کی سلطنت پناہی — پھیری دُہائی اپنی لے ماہ تا بہ ماہی
جب آن کر فنا کی سر پر پڑی تباہی — پھر سر رہا نہ لشکر نہ تاج بادشاہی
دارا و جم سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا

یا ذات میں کہائے نامی اصیل، ذاتی — جمشید فر کے پوتے نوشیرواں کے ناتی
تھے آپ مثل دولہ اور فوج تھی براتی — جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتی
مُلک و مکاں، خزانہ لشکر ہوا، تو پھر کیا

یا راج بنسی ہو کر دنیا میں راج پایا — چتوڑ گڑھ ستارہ کا لنجر آنبا یا
جب توپ نے اجل کی آمورچا لگایا — سب اُڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا

ثلہ راج بنسی شاہی خاندان کا آدمی۔ راجہ کے خاندان کا راجپوت قوم کا نام ۱۲ شہ چتوڑ گڑھ اودے پور میں ایک مقام ہے یہاں راجپوت راجاؤں کا ایک مشہور خاندان قائم ہوا جو نہایت شرافت سے اپنے آپ کو آفتاب نسب خیال کرتا ہے اور سورج بنسی کے لقب سے ملقب ہے اس خاندان کے راجہ اپنے تئیں رام کی اولاد جانتے ہیں۔ سب سے پہلے چتوڑ گڑھ پر ماموں نے حملہ کیا مگر اُس کا حملہ ناکام رہا۔ علاء الدین نے حملہ کرکے اُس پر فتح حاصل کی اس فتح کے بیسیوں قصے بن گئے ہیں۔ اُن میں آلاادل بھی ہے دوسری فتح اکبر نے حاصل کی

تہ ستارہ وہ جگہ ہے جہاں رام راج قلعہ جیجی سے بھاگ کر متحصن ہوا تھا۔ مگر اورنگ زیب نے سنہ ۱۷۰۰ء میں بذات خاص اُس کا محاصرہ کرکے چھ مہینے ہی میں فتح کرلیا۔ تاریخ فتح ستارہ ۱۲ اپریل سنہ ۱۷۰۰ء ۱۱ سہ کالنجر بندیل کھنڈ کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ جس کے محاصرے میں شیر شاہ کی جان گئی ۱۲ شہباز

گڑھ، کوٹ، توپ، گولہ، سنگر ہوا تو پھر کیا

کتنے دنوں یہ غل تھا نواب ہیں یہ خاں ہیں — یہ ابن پنج ہزاری، یہ عالی خاندان ہیں
جاگیر و مال و منصب سب آج اُن کے ہاں ہیں — دیکھا تو اک گھڑی میں نہ نام نہ نشاں ہیں

دو دن کا شور و چرچا گھر گھر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی دیکھو، یہ ہیں امیر[۱] خاں جی — اور یہ ہیں خانخاناں اور یہ مشیر خاں جی
پنجا اُٹھا قضا کا جب آئے شیر خاں جی — پھر کس کے میر خاں جی کس کے وزیر خاں جی

عمدہ، غنی، تونگر، بازر ہوا تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی گھوڑا ہے نامدار خاں کا — یہ پالکی، یہ ہاتھی ہے ذوالفقار[۲] خاں کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا — خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا

جھپان[۳] میگ ڈنبر در پر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی یہ ڈیوڑھی ہے خان مہرباں کی — یہ باغ یہ حویلی ہے محلدار[۴] خاں کی
جب راج نے قضا کی کرنی بسولی ٹانکی — اک اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی

رنگیں محل، سنہرا گھر در ہوا تو پھر کیا؟

کتنوں نے بادشاہی کیا کیا خطاب پایا — مہریں بڑی کھدائیں، سکّہ بڑا جمایا
جب آن کر قضا نے نام و نشاں مٹایا — وہ نام اور سکّہ ڈھونڈھا کہیں نہ پایا

دو دن کا مہر چھاپا در پر ہوا تو پھر کیا

جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا — کر بند و بست اپنا نظم و نسق بٹھایا
لے کر سند اجل کا جب فوجدار آیا — اک دن میں حکم حاصل سب ہو گیا پرایا

ہانسی، حصار، ٹھٹھا، بھکر ہوا، تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی یہ لشکر ہے طرّہ باز خاں کا — یہ خیمہ، شامیانہ ہے شہنواز[۵] خاں کا
آیا کٹک[۶] اجل کے جب یکہ تاز خاں کا — سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز[۷] خاں کا

؎۱ امیر خاں محمد شاہ رنگیلے کا مصاحب تھا۔ بادشاہ کا بہت ہی منہ چڑھا تھا اس کے سیکڑوں لطائف مشہور ہیں چنانچہ وہ پوت۔ کپوت۔ سپوت والا لطیفہ بھی اسی کا ہے ۱۲ ؎۲ ذوالفقار خاں اورنگ زیب کا نہایت ہی چست و چالاک اور قابل زبردست سپہ سالار تھا ۱۶۹۶ء میں قلعہ جنجی اسی کے ہاتھ سے فتح ہوا ۱۲ ؎۳ جھپان ایک قسم کی عماری نما پالکی جس کا سرد پہاڑوں پر رواج ہے ۱۲ ؎۴ دلّی میں محلدار خاں کا باغ شہر کے باہر چھاؤنی میں واقع ہے جیسا کہ غالب کے ایک فارسی کے رقعہ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ ؎۵ شہنواز خاں ناصر جنگ والی ریاست حیدر آباد کا وزیر یعنی دار المہام تھا۔ غلام علی آزاد کا معاصر علمی قابلیت خاصی رکھتا تھا۔ شعر و سخن سے بھی اسکو اچھا ذوق تھا ۱۲ ؎۶ کٹک زبان مارواڑی میں لشکر کو کہتے ہیں ۱۲ ؎۷ سرفراز خاں شجاع الدین کا بیٹا اور مرشد قلی خاں کا پوتا تھا ۱۷۴۰ء میں باپ کا جانشین ہوا نادر شاہ کا حملہ بھی اسی زمانہ میں ہوا تھا۔ نادر شاہ جب ہند سے لوٹ مار کر چلا گیا تو علی وردی خاں صوبہ دار بہار نے محمد شاہ کے وزیر کو کچھ دے کر صوبہ داری بنگال کی سند حاصل کی۔ حصول سند کے بعد فوج لے کر مرشد آباد پر چڑھ آیا۔ سرفراز خاں گولی سے مارا گیا۔ علی وردی خاں اس کی جگہ تخت پر بیٹھا اور خطبہ سکہ جاری کیا۔ اور حسب وعدہ دہلی کو ایک کروڑ نقد اور ستّر لاکھ کے جواہرات بطور نذر روانہ کیے تھے ۱۲ ؎۸ کرنی بسولی معماروں کے اوزار ۱۲ مولوی عبد الباری آسی مصحح۔

سردار، میر بخشی بڑھ کر ہوا، تو پھر کیا؟

ہاتھی پہ چڑھ کے نکلے یا خاصے گھوڑے اوپر
یالے صراحی حقہ دوڑے جلیب[1] اندر
یا نالکی سنبھالی یا پالکی کی جھالر
جب آ اجل پکاری صاحب رہا نہ نوکر

آقا ہوا تو پھر کیا نوکر ہوا تو پھر کیا

یالے کے اک قلم داں اور رکھ قلم کو سر پر
جب عمر کی کچہری جھانکی قضا نے آکر
جوڑے حساب لاکھوں چھرے لکھے سراسر
پھر آپ نہ قلم داں کاغذ رہا نہ دفتر

منشی، وکیل، دیواں مر مر ہوا تو پھر کیا

یالی قضا کی خدمت ہو بیٹھے آپ قاضی
اعلام[2] نے قضا کا جب آ فنا پکاری
محضر بنائے لکھے قضیے چکائے شرعی
پھر محکمہ نہ جھگڑا، قاضی رہا نہ مفتی

کوڑا البیدہ[3] دزہ در بر ہوا تو پھر کیا

کتوال بن کے بیٹھا یا صدر[4] ہو مقرر
آیا قضا کا مرذھا جب دم چھڑی اٹھاکر
فاسق ڈرے ہزاروں اور کانپے چور تھر تھر
کتوالی اور صدارت سب ہو گئی ہوا پر

دو دن کا خوف خطرہ اور ڈر ہوا تو پھر کیا

کہتے تھے کتنے ہم تو ہیں ذات میں کلاں جی
جس دم قضا پکاری اب اٹھ چلو میاں جی
ہم شیخ ہم مغل ہیں ہم ہیں پٹھان ہاں جی
پھر شیخ جی نہ سید مرزا رہے نہ خاں جی

ذات و حسب نسب کا جوہر ہوا تو پھر کیا

یالے کے زر جہاں میں کرنے لگے تجارت
کھولیں قضا نے بہیاں[5] جب کرکے اک اشارت
یا سیٹھ بن کے بیٹھے خاصی بنا عمارت
سب کوٹھی اور دکانیں کر ڈالیں دم میں غارت

مال اور مکاں جواہر اور زر ہوا تو پھر کیا

یا ہو سپاہی بانکا ترچھا بڑا اکھا یا
کھیتوں میں جاکے کوندا لاکھوں کی تئیں بھگایا
بل دار باندھ چیرا طرّے کو جگمگایا
جب منھ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا

[1] جلیب اندر جلو میں ۱۲ [2] اعلام - فرمان حکمنامہ ۱۲ [3] لبید (یا لبیدا) بیلے مجہول - سونٹا - ایک سزا کرنے کا آلہ ۱۲ [4] مرذھا اصل میں مرزہہ تھا یعنی وہ عہدہ دار جو دس جوانوں پر افسر ہو - ایک عہدہ دار جو بہار میں سرکار کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا ۱۲ [5] بہیاں بہی کی جمع ۱۲

یکتا شجاع بہادر صفدر ہوا تو پھر کیا

گھوڑا اٹھا کے ڈوبا فوجوں میں ہو دِلآور ــ مارے تینچے بھالے کھائے کٹار جمدھر[1]
مارا قضا نے بھالا جس دم فنا کا آکر ــ پھر مردمی شجاعت سب ہو گئی ہوا پر

خود و سلاح حِلتہ بکتر[2] ہوا تو پھر کیا

یا خانہ جنگی لڑکر کھایا بدن میں ٹانکا ــ مونچھوں کو تاؤ دے کر ہو ڈوبت دات بانکا
جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے جھانکا ــ پھر طرہ رہا نہ ترچھا گنڈا رہا نہ بانکا

تیغا سپر قرابین جمدھر ہوا تو پھر کیا

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت ــ مردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کی کرامت
کھوئے مرض ہزاروں دھوئی ہر اک کی زحمت ــ جب آئی سر پہ اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت

لقمان یا فلاطوں آکر ہوا تو پھر کیا

یا ہو نجومی کامل تاروں کو چھان ڈالا ــ سورج گہن بچا رے چندر گہن نکالا
برج و ستارے باندھے احکام کو سنبھالا ــ جب وقت اپنا آیا اُس وقت کو نہ ٹالا

جوتش نجوم پنڈت پڑھ کر ہوا تو پھر کیا

یا پڑھ کے دو کتابیں اور علم کرکے حاصل ــ یا بھوت جن اتارے مشہور ہو کے عامل
جب دیو کا اجل کے سایہ ہوا مقابل ــ ٹلا رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاضل

تعویذ و فال جادو منتر ہوا تو پھر کیا

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا یا ہاتھ لے کے مالا ــ پوتھی بغل میں دابی زنار کو سنبھالا
پوجا کتھا بچھانی کیا کیا سبد[3] نکالا ــ کچھ بن سکا نہ آیا جب جان لینے والا

بید و پران پڑھ کر مصر ہوا تو پھر کیا؟

یا زہد بندگی میں سوکھا ہو کوئی عابد ــ بیٹھا مصلّوں اوپر ہو مسجدوں میں ساجد
حاضر ہوا قضا کا جب آن کر مجاہد ــ پھر بوریا نہ بدھنا عابد رہا نہ زاہد

---

[1] جمدھر- ہر قسم کا خنجر ۱۲
[2] بکتر- ایک قسم کی زرہ جو لڑائی میں پہنتے ہیں- لوہے کی کڑیوں کا بنا ہوا جامہ ۱۲
[3] سبد (اصح شبد) لفظ کو کہتے ہیں نانک پنتھیوں کی اصطلاح میں سبد- گیت- کو بھی کہتے ہیں- گیتا مہابھارت کا قصہ ۱۲ شہبانہ

روزہ نماز چلّہ اکثر ہوا تو پھر کیا

یا پی کے مے کسی نے کی عیشؔ[1] کامیابی
جس دم قضا نے اپنی جھمکائی[2] اک گلابی
لوٹا نشے میں ہر جا کر دل سے بے حجابی
پھر مے رہی نہ مینا نہ مست نہ شرابی

اک دم لبوں پہ مے کا ساغر ہوا تو پھر کیا

حسن و جمال پاکر یا خوب رو کہایا
آکر پڑا سروں پر جس دم اجل کا سایا
یا عشق میں کسی نے جی جان کو گھٹایا[3]
دونوں میں پھر کسی کو ڈھونڈھا کہیں نہ پایا

عاشق ہوا تو پھر کیا؟ دلبر ہوا تو پھر کیا؟

یا ہو کے پیر زادے کرنے لگے فقیری
جب پیر جی کی کفنی آکر اجل نے چیری
کر کر مرید کتنے کی اُن کی دست گیری
سب اُڑ گئی ہوا پر دم میں مریدی پیری

مرشد فقیر ہادی رہبر ہوا تو پھر کیا

یا سر منڈا کے بیٹھے آزاد ہو نویلے[4]
میلے کیے ہزاروں مونڈے فقیر چیلے
یا خود منڈے کہا کر سو روپ رنگ کھیلے
جب آ فنا پکاری جا سو رہے اکیلے

تکیہ ہوا تو پھر کیا؟ بستر ہوا تو پھر کیا

جوگی، اتیت[5]، جنگم[6]، یا سیوڑا[7] کہایا
ترسول سے قضا کا جب وقت سر پہ آیا
یا کھول کر جٹا کو یا گھونٹ سر منڈایا
نہ بالکے[8] کو بھا نبا، نہ آپ کو بچایا

نانک، کبیر، منیھی پھر تھر ہوا تو پھر کیا؟

یا نیک بن کے بیٹھے اچھے لگے کہانے
آکر بجے اجل کے جب سر پہ شادیانے
یا ہو کے بد ہر اک کے دل کو لگے ستانے
پھر نیک و بد جہاں تک سب لگ گئے ٹھکانے

بہتر ہوا تو پھر کیا؟ بدتر ہوا تو پھر کیا

کیا ہندو اور مسلماں، کیا رند و گبر و کافر
جتنے نظیریاں ہیں اک دم کے ہیں مسافر
نقّاش کیا مصوّر، کیا خوش نویس، شاعر
رہنا نہیں کسی کو چلنا ہے سب کو آخر

[1] عیش زیادہ تر مذکر بولتے ہیں ۱۲
[2] جھمکانا جھمکانا جھلکانا ۔ بھبکانا ۔ پانی لُنڈھانا ۔ پانی گرانا ۔ پانی اونڈھانا ۱۲
[3] نویلا ۔ تازہ ۔ نیا ۔ جدید ۱۲
[4] اتیت ایک قسم کے ہندو فقیر ۔ گُسائیں ۔
[5] جنگم ۔ جین مذہب کا فقیر ۱۲
[6] سیوڑا ۔ ایک قسم کا فقیر جس کے سر پر جٹائیں ہوتی ہیں اور ہاتھ میں گھنٹا ۱۲
[7] بالکا ۔ چیلا ۱۲ آسی

دو چار دن کی خاطر یاں گر ہوا تو پھر کیا؟

(۶۶)

مراتب دنیا محض بے ثبات ہیں

کل شیٔ ھالکٌ

گر بادشاہ کرعل ملکوں ہوا تو کیا ہوا؟
غل شور ملک و مال کا کوسوں ہوا تو کیا ہوا؟
دو دن کا نرسنگا بجا بھوں بھوں ہوا تو کیا ہوا
یا ہو فقیر آزاد کے رنگوں ہوا تو کیا ہوا؟
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ہوا تو کیا ہوا

دو دن تو یہ چرچا ہوا گھوڑا ملا ہاتی ملا
آگے کو نقارا نشاں پیچھے کو فوجوں کا پرا
بیٹھا اگر ہو دے اُپر یا پالکی میں جا چڑھا
دیکھا تو پھر اک آن میں ہاتی نہ گھوڑا نہ گدھا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ہوا تو کیا ہوا

یا دولت و اقبال ہے پہنا زری اور بادلا
آخر نہ وہ دولت رہی نہ آپ نہ وہ گھر رہا
مسند سنہری دی بچھا مخواب کے تکیے لگا
مسند کہیں جاتی رہی تکیہ کہیں پھرتا پھرا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ہوا تو کیا ہوا

یا عشرتوں کے ٹھاٹھ تھے اور عیش کے اسباب تھے
یا بیکسی کے درد سے بے حال تھے بے تاب تھے
ساقی صراحی گل بدن جام شراب ناب تھے
آخر جو دیکھا دوستو سب کچھ خیال و خواب تھے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ہوا تو کیا ہوا؟

تھا ایک دن وہ دھوم کا نکلے تھا جب اسوار ہو
یا ایک دن دیکھا اُسے تنہا پڑا پھرتا ہے وو
ہر دم پکارے تھا نقیب آگے بڑھو پیچھے رہو
بس کیا خوشی کیا ناخوشی یکساں ہیں سب نزدیک وو
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ہوا تو کیا ہوا؟

جب حشمتوں کی شان میں کرتا تھا کیا کیا شیخیاں
اور اُڑ گئی دولت یہ پھر اسباب کے تختے کہاں
ہر دم تکبر کے سخن ہر آن میں مغرور یاں
آ کر فنا حاضر ہوئی سب مٹ گئے نام و نشاں
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وں ہوا تو کیا ہوا

یا نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دستر خوان پر
یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اوپر دھر نظر
میوے مٹھائی با مزے حلوائے تر شیر و شکر
ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑے کی خاطر در بدر
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وں ہوا تو کیا ہوا

یا دولتوں کا سامنے آ کر بھا ایک دریا بہا
یا ہو کے مفلس بینوا پھرتا ہے دانے مانگتا
لے کر زمیں تا آسماں دولت میں بھرتا تھا بڑا
جب آ گئی سر پر اجل اک دم میں سب کچھ مٹ گیا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وں ہوا تو کیا ہوا

گر ناز و نعمت میں رہا یعنی کہ وہ زردار تھا
جب وقت چلنے کا ہوا نہ یہ رہا نہ وہ رہا
یا مفلسی کے ہاتھ سے محتاج ہو در در پھرا
آیا تھا جس احوال سے ویسا ہی آخر چل بسا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وں ہوا تو کیا ہوا

گر اک مصیبت میں رہا اور دوسرا دل شاد ہے
یا لذتیں یا راحتیں یا ظلم یا بیداد ہے
واں عیش و عشرت کے مزے یاں نالہ و فریاد ہے
کچھ رہ نہیں جاتا میاں آخر کو سب برباد ہے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وں ہوا تو کیا ہوا

جو عشرتیں آ کر ملیں تو وہ بھی کر جانا میاں
یا سکھ میں یا دکھ میں غرض یاں سے گذر جانا میاں
جو درد و دکھ آ کر پڑیں تو وہ بھی بھر جانا میاں
یاں چار دن کی زندگی آخر کو مر جانا میاں
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وں ہوا تو کیا ہوا

اب دیکھ کس کو شاد ہو اور کس پہ آنکھیں نم کرے
یا دل کو رو وے بیٹھ کر یا درد دکھ کو کم کرے
یہ دل بچارا ایک ہے کس کس کا اب ماتم کرے
یاں کا یہی طوفان ہے اب کس کی جوتی غم کرے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وں ہوا تو کیا ہوا

گر تو نظیرؔ اب مرد ہے تو جال میں بھی شاد ہو
آزادگی بھی دیکھ لے جنجال میں بھی شاد ہو
دستار میں بھی ہو خوشی رومال میں بھی شاد ہو
اس حال میں بھی شاد ہو اُس حال میں بھی شاد ہو

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

(۶۷)

رہے نام اللہ کا

دنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا
زردار، نہ بے زر، نہ بد انجام رہے گا
نہ صاحب مقدور نہ ناکام رہے گا
شادی نہ غم گردش ایام رہے گا

نہ عیش نہ دکھ درد، نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ چرخ دکھاتا ہے بڑا گنبد ازرق
لوح و قلم و عرش بریں ثابت[۲] و مطلق
یہ چاند یہ سورج یہ ستارے ہیں معلق
سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہو جائے گا ہو حق[۳]

آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

لے عالم ارواح سے تا عالم جنات
کیا ابر و ہوا کوہ و بحر ارض و سموات
انسان و پری حور و ملک جن و خبیثات
اک پھونک میں اُڑ جائینگے جوں نقش طلسمات

ہشیار نہ پختہ نہ کوئی خام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور
یا ایک کا ہے نام و نشاں خلق میں مشہور
یا کشف کرامات میں ہے صاحب مقدور
اک دم میں پلک مارتے ہو جائینگے سب دُور

مستور نہ مشہور نہ گم نام رہے گا

[۱] یہ نظم نظیر کی بہت مشہور اور مقبول نظموں میں ہے نام اس کا نظیر نے کچھ نہیں رکھا اُس نے عنوان فارسی لکھا تھا جس کا خلاصہ آجکل کی اُردو میں یہ ہے "جہان کی فنا رحمٰن کی بقا"۔ عبدالرحمٰن خاں شاگرد نے اس نظم کو بلقب "فنا نامہ" ملقب کیا غالباً تغلیباً ۱۲

[۲] ثابت وہ ستارے جو ایک جگہ قائم ہیں۔ مطلق سے مراد سیارے ۱۲

[۳] ہو حق ہو جانا فنا فی اللہ ہو جانا مٹ مٹا جانا۔ نیست و نابود ہو جانا ۱۲ شہباز

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختاری کے غرّہ سے جو کرتے ہیں سدا کام
یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی دام
جب آکے فنا ڈالے گی اک گردش ایام
اک آن میں اُڑ جائے گا سب چیز کا الزام
مختار، نہ مجبور، نہ خودکام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیار
سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آکے فنا ڈالے گی سر کے اُپر اک وار
اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاوینگے سب پار
نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

کرتے ہیں جو اب دل سے ریاضات و عبادات
یا عمر کو کھوتے ہیں بہ رندی و خرابات
جب آکے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اک ہات
پھر صاف ہیں دونوں کی گنہگاری و طاعات
نہ رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں
جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آن
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن
عاشق تو قلندر رہیں نہ ہندو نہ مسلماں
نہ رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی اُن سے یہ پوچھو
دارا و سکندر رہ گئے آہ کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو
اس دولت و اقبال پہ مت بھولو امیرو
نہ ملک، نہ دولت، نہ سرانجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار — آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا آپ چاہیئے کر لیجیے بیوپار — پھر جنس نہ دلاّل نہ مالک نہ خریدار

نہ نقد، نہ کچھ قرض نہ کچھ وام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب جتنی گھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات — یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
کیا پست مکاں کیا یہ ہوادار مکانات — اک اینٹ بھی ڈھونڈھے کہیں آنے کی نہیں ہات

دالان، نہ حجرہ نہ در و بام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول — یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول
آجاوے گی جب بادِ خزاں اُنکے اُپر بھول — ہر خار کی ہر پھول کی اُڑ جاوے گی سب دھول

نہ زرد نہ سرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مے خوار بھی کتنے ہوئے یاں مے کے ملاقی — ساقی بھی کئی ہو گئے محبوبِ وثاقی[1]
لا جام کوئی بھر کے جو ہو اور بھی باقی — فرصت ہی غنیمت کوئی دم کو ارے ساقی

نہ مے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں بہم چاہ — آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے واللہ
وہ شخص کہاں جاتے رہے ای مرے اللہ — اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ

نہ عشق نہ عاشق نہ دل آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ٹک غور کرو اب ہیں کہاں مجنوں و فرہاد — لیلیٰ کہاں شیریں کہاں وہ ناز وہ بیداد

[1] وثاق معاہدہ کرنا، باہم عہد باندھنا۔ وثاقی عہد بستہ محبوب وثاقی وہ معشوق جس نے وفاداری کا عہد باندھا ہو دوستی کا پکا عہد کا مضبوط وفادار راسخ العہد و ستم شہباز

جو پھول کھلے تھے واہ وہ سب ہوگئے برباد
ہم تم بھی غنیمت ہیں سُن او یار پری زاد
واں حسن نہ یاں عشق کا ہنگام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

محبوب بنا جس نے تمھیں حسن دیا ہے
ملتا ہے تو مل تو یہی جینے کا مزا ہے
اُس نے ہی ہمیں عاشق جاں باز کیا ہے
سب ناز و نیاز آہ یہ اک دم کی ہوا ہے
پھر ہجر نہ کچھ وصل کا پیغام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ملنے سے ہمارے جو تمھیں آتا ہے الزام
پھر حسن کہاں اپنے رکھو کام سے تم کام
آنے دو پہ تم ہم سے نہ جاؤ سحر شام
جھک مارتے ہیں وہ جو تمھیں کرتے ہیں بدنام
طوفان نہ بہتان نہ الزام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی
دیوان بنا یا کوئی قصہ کہ کہانی
آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
کچھ باقی نظیرؔ اب نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

(۶۸)

طلسم زندگی

فرصت حیات و کثرت وقوع واردات

آہ کیا کہیے رہی یاں جب تک اپنی حیات
تھے بندھے کیا کیا تعلق اپنے جیتے جی کے سات

لہ ایہام کوئی کلام کی قسم نہیں ہے بلکہ ایک صنعت کا نام ہے جس کا قدمائے شعرائے اُردو میں بہت رواج تھا چنانچہ آبرو کا شعر ہے سو پانی پت آن چھوڑ جو کنور تم چلے تو راہ پیچ جانان ولے سو کیسی اسکی زبان شیریں ہے دل میرا قفل ہے تماشے کا اس قسم کے کلام کو مجازاً ایہام کہنے لگے۔ مثلاً فلاں شاعر ایہام خوب کہتا ہے یعنی اپنے کلام میں صنعت ایہام نہایت لطافت و خوبی کے ساتھ برتتا ہے ۱۲
سہ نظیر کی لفظوں میں اس نظم نام "جو نظم ہنر کی کائنات" بھی ہو سکتا ہے۔ شہباز

جب موئے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات — زندگی اپنی تھی کل چونسٹھ گھڑی کی کائنات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم بادشا بھی ہو چکے — صاحب تاج و نگیں فرماں روا بھی ہو چکے
مالک ملک و مکاں کشور کشا بھی ہو چکے — عاجز و مفلس فقیر و بے نوا بھی ہو چکے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم ہو گئے حشمت پناہ — بخشی و میر و وزیر و منشی و دیوانِ شاہ
محتسب کتوال قاضی صدر مفتی اہل جاہ — اس قدر تو عمر جس میں یہ تماشے واہ واہ

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم عارف و کامل ہوئے — صاحب کشف و کرامت اور روشن دل ہوئے
عالم و فاضل فقیہ و جاہل و عامل ہوئے — تھی یہی فرصت اسی میں خاک مٹی گل ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم پوتے اور بیٹا ہوئے — پھر ہمیں بابا ہمیں نانا ہمیں دادا ہوئے
سالے سسرے بھائی ماموں اور چچا تایالہ ہوئے — تھی یہی فرصت اسی میں دیکھیے کیا کیا ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر — مسجد و تالاب و مندر حجرۂ و دیوار و در
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر — تھے مسافر پھر اسی میں کر گئے آخر سفر

لہ تایا بڑے چچا کو کہتے ہیں ۱۲

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم دلربا بھی ہو گئے
پر گنہ مست و خراب و پارسا بھی ہو گئے
عاشق و فاسق اسیر و مبتلا بھی ہو گئے
تھی یہی فرصت اسی میں تھا جو ہونا ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کوٹھی زر کی بھر گئے
خاک چھانی اور ضرر اور نفع کیا کیا کر گئے
لیں ہزار اجناس بھی اور بن کے سوداگر گئے
تھی یہی فرصت انھیں جھگڑوں میں آخر مر گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کھیتہاں بھی ہو گئے
پھر سپاہی ہو سپر شمشیر کو بھی رو گئے
شحنہ و عامل مقدم ہو کے قانون گو گئے
تھی یہی اس میں تھا جو ہونا سو ہو کر ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں اپنا ہوا بیاہ اور برات
دیکھ لی ہولی دوالی عید بھی اور شب برات
لڑکے بالے بھی اسی میں ہو گئے پھر آٹھ سات
پھر اسی میں چل بسے آخر کو رکھ چھاتی پہ ہات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پیشے ہیں جتنے جہاں میں کیا صغیر و کیا کبیر
طفل سے ٹھہرے جواں اور پھر جواں سے بنکے پیر
سب کیے ہم نے میاں اس حال میں ہو کر اسیر
پھر اسی میں پیر ہو کر مر گئے آخر نظیر

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات

رہ چلے دینا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

(۶۹)

فنا

تنبیہ الغافلین

جہاں ہے جب تلک یاں سیکڑوں شادی غم ہونگے
کنار و بوس او رعیش و طرب بھی دم بدم ہونگے
ہزاروں عاشق جانباز اور لاکھوں صنم ہونگے
مگر جتنے یہ اپنی صف کے ہیں یہ سب عدم ہونگے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دُھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

تمہارا اب ہے جتنا حسن کا عالم غنیمت ہے
ہمارا دیکھنا اور عاشقی کا دم غنیمت ہے
اگر ہے بیش تو بہتر وگرنہ کم غنیمت ہے
بھروسا کچھ نہیں دم کا عزیزو دم غنیمت ہے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دُھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

چمن میں چل کے بیٹھو اور صراحی جام منگواؤ
گلے لپٹو ہمارے اور ہمیں ہنس ہنس کے بوسہ دو
پیو بھر بھر کے ساغر تم بھی اور ہم کو بھی پلواؤ
اجل کا فر گھڑی ہے سر پہ اے دلدار سنتے ہو

نہ یہ چہلیں نہ یہ دُھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہماری چشم میں آئے تمہارے عارض گلگوں
گھڑی بھر بیٹھ کر ہم پاس کر لو عیش بوقلموں
غرض تم وقت کے لیلیٰ ہو پیارے اور ہم مجنوں
کسی کے کہنے سننے پر نہ جاؤ دیکھو کہتا ہوں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اچھل لو کود لو ہی جب تلک یہ زور رلیوں میں
ہمیں لو ساتھ اور سیریں کرو جھولیوں کی گلیوں میں
غنیمت ہے وہی دم اب جو گذرے رنگ رلیوں میں
پھر گئی پھر تو آخر تن کی اُڑتی خاک گلیوں میں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر سینہ ہمارا تم نے چکی کی طرح دلا ہا
موئے پر کس نے پوچھا دل بروا اور کس نے پھر چاہا
تو اب جلدی گلے مل کر لگا دو عیش کا پھاہا
ہمیں تو رونا آتا ہے یہی کہہ کر، اہا ہا ہا!

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہو آگے عاشق و معشوق تھے سب مل گئے گِل میں
نہ قاتل میں رہا جی اور نہ اُس قاتل کے بسمل میں
اجل کی تیغ سے دونوں کے تکے اڑ گئے تل میں
تو بس اے دلبرو تم بھی یہی اب جان لو دل میں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر تم نے ہمارے دل کو دکھ دیدے کے ترسایا
گیا جب وقت کافر ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آیا
غلط فہمی تمھاری یا کہ جس نے تم کو سکھلایا
غرض ہم نے تو اب بھی اور تمھیں آگے بھی سمجھایا

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہمارے اور تمھارے حق میں ہے اب تو یہی بہتر
کبھی لپٹیں گلے سے اور کبھی مے کے پئیں ساغر
کہ دیکھیں چاندنی اور سیر دریا کی کریں جاکر
یہی کہنے کو رہ جاوے گا آخر اے مرے دلبر

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے

میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر برسات ہو یا ابر ہو یا مینھ برستا ہو — پہن پوشاک رنگیں اور ہمارے بر میں آ بیٹھو
ادا و ناز و غمزے چوچلے کرنے ہوں سو کر لو — فلک کب چین دیتا ہی مری جاں پھر تو آخر کو

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اُدھر واں حسن کی مستی ادھر یاں عشق کی لے ہی — چمن ہے ابر ہے ساقی صراحی جام اور مے ہے
جو کرنا ہو سو کر لو اس گھڑی سب عیش کی شے ہی — غضب ہی قہر ہی جب جی نکل جاویگا پھر ای ہے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ابھی یاں اُلفتیں بڑھتی ہیں اور واں نازکی گھاتیں — غنیمت ہیں طمانچے پیار کے اور چاہ کی لاتیں
جب آنکھیں مند گئیں سب ہو چکیں چتون اشارہ آئیں — کہاں پھر دن مزے کے اور کہاں یہ عیش کی راتیں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہمیں ہی بیقراری اور تمھیں ہر دم طرحداری — غنیمت ہے ہماری اور تمھاری گرم بازاری
نظیر اب کیا کہے آگے غرض آخر بلا جاری — کہاں پھر ہم کہاں پھر تم کہاں اُلفت کہاں یاری

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

———— ⁂ ————

(۷۰)

فنا

انسان خاک کا پتلا ہے آخر خاک ہی میں اسکو ملجانا ہے

دنیا میں کوئی شاد کوئی دردناک ہے
یا خوش ہے یا الم کے سبب سینہ چاک ہے
ہر ایک دم سے جان کا ہر دم تپاک ہے
ناپاک ہے پلید نجس یا کہ پاک ہے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

ہے آدمی کی ذات کا اُس جا بڑا ظہور
لے عرش تا بہ فرش چمکتا ہے جس کا نور
گذرے ہے اُن کی قبر پہ جب وحش یا طیور
رو رو یہی کہے ہے ہر اک قبر کے حضور
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

دنیا سے جب کہ اولیا اور انبیا اُٹھے
اجسام پاک اُن کے اسی خاک میں رہے
روحیں ہیں خوب حال میں روحوں کے ہیں مزے
پر جسم سے تو اب یہی ثابت ہوا مجھے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ شخص تھے جو سات ولایت کے بادشاہ
حشمت میں جن کی عرش سے اونچی تھی بارگاہ
مرتے ہی اُن کے تن ہوئے گلیوں کی خاک راہ
اب اُن کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

کس کس طرح کے ہو گئے محبوب کج کلاہ
تن جن کے مثل پھول تھے اور منہ بھی رشک ماہ
جاتی ہے اُن کی قبر پہ جس دم مری نگاہ
روتا ہوں پھر تو میں یہی کہہ کے دل میں آہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ گورے گورے تن کہ جنھوں کی تھی دلمیں جائے
سو ویسے تن کو خاک بنا کر ہوا اُڑائے
ہوتے تھے میلے اُن کے کوئی ہاتھ گر لگائے
رونا مجھے تو آتا ہے اب کیا کہوں میں ہائے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

عمدوں کے تن کو تانبے کے صندوق میں دھرا
قائم یہاں یہ اور نہ ثابت وہ واں رہا
مفلس کا تن پڑا رہا ماٹی اُوپر پڑا
دونوں کو خاک کھا گئی یارو کہوں میں کیا
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

اگر ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن
کیڑے مکوڑے کھا گئے دونوں کے تن بدن
اور اک یونہیں پڑا رہا بیکس برہنہ تن
دیکھا جو ہم نے آہ تو سچ ہے یہی سخن
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں ناج ہیں کنگنی سے تا گیہوں
کیڑے جہاں تلک ہیں سپید و سیہ نموں
اور جتنے میوجات ہیں تر خشک گوناگوں
کمخواب تاش بادلہ کس کس کا نام لوں
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں دیکھو ہو بوٹے سے تا بہ جھاڑ
سب خاک ہوں گے جبکہ فنا ڈالے گی اکھاڑ
بڑ پیپل آنب نیب چھوارا کھجور تاڑ
کیا بوٹے ڈیرھ پات کے کیا جھاڑ کیا پہاڑ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنا یہ خاک کا ہے طلسمات بن رہا
ترکاری ساگ پات زہر امرت اور دوا
پھر خاک اُس کو ہونا ہے یارو جدا جدا
زر سیم کوڑی لعل زمرد اور ان سوا
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

گڑھ کوٹ توپ رہکلہ تیغ و کمان و تیر
ہونا ہے سب کو آہ اسی خاک میں خمیر
باغ و چمن محل و مکانات دل پذیر
میری زباں پہ اب تو یہی بات ہے نظیر
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

فنا

موت کے آگے علم و فضل سب ہیچ ہے

پڑھ علم کئی اس دنیا میں گر کامل ذی ادراک ہوئے
اور لاد کتابیں اونٹوں پر سر معنی کے درّاک ہوئے
معقول پڑھی منقول پڑھی ہر منطق میں چالاک ہوئے
یاں جتنے علم کے دریا ہیں ان دریا کے پیراک ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

رمال نجومی جفری ہو یا غیبوں کے احکام کہے
کل تارے چھان لیے سارے اور پھینکے تختوں پر قرعے
منہ دیکھ اجل کی شکلوں کا سب داخل خارج بھول گئے
نہ رمل جفر کچھ پیش گئے نہ تختے قرعے کام آئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

مشہور حکیم اور بید ہوئے یاں پڑھ کر علم طبابت کا
دالان کتابوں سے روکا اور نسخوں سے صندوق بھرا
جب موت مرض نے آن لیا سب بھولے نبض اور قارورا
گو نسخے لاکھ مجرب تھے پر کام نہ آیا ایک نسخا

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

لے ہاتھ قلم اور باندھ سپر گر ہوئے سپاہی متصدی
دن رات لڑے گڑھ کاغذ سے شمشیر کھنچی اور قلم چلی
جب کلک قضا نے حرف لکھے اور سیف اجل کی چمکی
یاں دفتر طبلک ڈوب گئے واں تیغ سپر بھی ہٹ پڑتی

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

یا کوٹھی کر کر سیٹھ ہوے یا کھود زمیں کو کھیتی کی ۔ لکھ ڈالیں بہیاں لاکھوں کی یو ڈالی دھرتی بُری بھلی
جب ہنڈی آئی مالک کی اور آکر جم کی بھیج لگی ۔ یاں کوٹھی کوٹھے بیٹھ گئی واں کھیتی باڑی کھیت رہی

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوے

یا مست شرابی رند ہوے یا زاہد نامقدور ہوے ۔ یا پیر ہوے دل شاد ہوے یا جلوؤں میں مسرور ہوے
جب عمر کے پیالے دونوں کے آساعت پر معمور ہوے ۔ یاں جب تسبیح نہ دور ہوے واں پیالے شیشے چور ہوے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوے

اس دنیا کی دھن دولت میں گر شاہ سلیمان جاہ چلے ۔ یا ٹھہرے میر و وزیر اعظم یا راجہ بن کر راہ چلے
منہ دیکھ اجل کے لشکر کا تب ہے کر گھر کی راہ چلے ۔ نے ہاتھی گھوڑے سنگ گئے نہ تخت چھتر ہمراہ چلے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوے

سب چھوڑ فقیر آزاد ہوے یا دنیاداری لوٹ گئے ۔ یا شال دوشالے اوڑھ پھرے یا اجلے پیوند گوٹ گئے
سنگ اور قضا کے سونٹے سے سر دونوں کے جب پھوٹ گئے ۔ یاں سیلی تاگے ٹوٹ گئے واں جامے تن کے چھوٹ گئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوے

یا حاکم یا محکوم ہوے یا عاقل یا معقول ہوے ۔ یا خادم یا مخدوم ہوے یا جاہل یا مجہول ہوے
زردار ہوے سردار ہوے مردود ہوے مقبول ہوے ۔ کچھ اور نہ دیکھا آخر کو سب انت اسی میں دھول ہوے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوے

گر بیر بخیلی زہر ہوے یا بخشش میں تریاک ہوے ۔ یا نخل ہوے پر میووں کے یا خالی یا توں ڈھاک ہوے

۱؎ جم دو موت ملک الموت ۱۲
۲؎ بھیج مالگزاری لگان ۔ قسط ۱۲
شہباز

یا عمر گزاری عشرت میں یا سو غم میں غمناک ہوئے
پھل پھول کھلائے گلشن کے یا گلیوں کی خاشاک ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آ کر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

حکاک مصور زرگر تھے یا ہاتھ تبر اور تیشے تھے
یا پھیری سے دوکان بسی یا جنگل جنگل بیشے تھے
جو علم و ہنر ہم سیکھے تھے اور جتنے اپنے پیشے تھے
بس او نظیر اب کیا کہیئے سب ناحق کے اندیشے تھے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آ کر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

(۷۲)

بعد از فنا

کیا کیا جہاں میں اب ہیں ہماری سواریاں
دلچسپ دل فریب پیاری سواریاں
کس کس طرح کی ہم نے سنواری سواریاں
پر ہم سے کچھ نہ کر گئیں یاری سواریاں
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ تخت جس پہ کل تھا جواہر جڑا ہوا
کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے جابجا
جس دم اجل نے تختے کے اوپر دیا سلا
اُس تخت کے بھی ہو گئے تختے جدا جدا
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

ہاتھی جو تھے پہاڑ کی مانند تن سیاہ
جن پر کسیں عماریاں رخشندہ رشک ماہ
ہودوں کی بھی چمک پہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے واہ واہ

جب چار کاندھے پہ ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

خاصے وہ گھوڑے ترکی و تازی جو تھے بڑے — جن پر سنہرے زین جواہر کے تھے جڑے
ٹاپوں بھی ہنہناتے رہے چھوٹے اور بڑے — مالک چلا تو سب وہ وہیں رہ گئے کھڑے

جب چار کاندھے پہ ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ پالکی بنی تھی سنہری جو زرنگار — جھالر[۱] پہ جس کی ہوتے تھے موتی پڑے نثار
لانا لگی پہ موت نے جب کر لیا سوار — پھر وہ نہ پالکی نہ وہ جھالر نہ وہ کہار

جب چار کاندھے پہ ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

تھیں وہ رتھیں کہ بیٹھے تھے جن میں پھیل پھیل — بجتے تھے زنگ[۲] اور تھے کلس اُن کے جوں سُہیل
رتھ بان نے اجل کے جو ہیں کر لیا دبیل — پھر کس کی چھتری پہیئے کہاں اور کہاں کے بیل

جب چار کاندھے پہ ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ گاڑیاں جو دوڑیں تھیں گھوڑوں سے بیشتر — ناگوری اُن کے ہاتھی کے پاٹھے تھے خوب تر
پہیّا قضا کے ہاتھ سے جب اُلٹا آن کر — گاڑی اُدھر اُلٹ گئی مالک گرا اودھر

جب چار کاندھے پہ ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

گھڑبہل[۳] فیل بہل شتر بہل راہ وار — ہرنوں کی بہل بکری بہل گھنٹے گھنگرو دار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار — پھر بہلیاں نہ بہل نہ جھنکار نہ پکار

جب چار کاندھے پہ ہوئیں بھاری سواریاں

۱ہ جھالر (جھلر – گرن، مسلسل، آنچل، پھندنے (ریشمی خواہ مقیش تار جو مسند یا جھول وغیرہ کے گرداگرد لگاتے ہیں) ۱۲

۲ہ زنگ۔ گھنٹالی۔ گھنگرو، گھنٹی۔ ناسخ ۔ مری نیلی کو یاں اگر لائے ـ باندھوں ناقہ میں زنگ سونے کا ـ ۱۲

۳ہ شہباز گھڑ بہل، شتر بہل، فیل بہل یہ سب زمانۂ قدیم کی سواریاں تھیں ۱۲ آسی

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ، محافہ اور وہ چنڈول[1]، بگھیاں
مالک ہوا اجل کے جو کھڑ کھڑ[4] یہ پروا ں
وہ پینیں، وہ بوچے[2]، وہ چوپالے[3] خوش نشاں
بوچا گیا نہ ساتھ میانہ گیا، میاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

چھکڑے، لڑھے[5]، رہکلے[6] شتر بہل اور خچر
مالک چلا جو موت کے تانگے کو چھوڑ کر
ٹٹو، حمار، بھینسے، وہ لدنے کے گو، خر
بھینسا گیا نہ ساتھ، نہ ٹٹو نہ گاؤ خر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

اسوار جب اجل کا ہوا آن کر اسیر
ہاتھی بھی خاک ڈالتے سر پر رہے حقیر
گھوڑے بھی ہنہناتے رہے سب جب ان دیر
یہ بات تو عیاں ہے کہوں کیا میاں نظیر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

(۷۳)

پیری[7] کی سواری اور سفر آخرت کی تیاری

بٹ مار اجل کا آپہونچا ٹک اسکو دیکھ ڈر دبابا
دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے لے بس من مار مر و بابا
اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھر دبابا
جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا

---

[1] چنڈول، پالکیاں محافہ، ڈولا، ایک زنانہ سواری جسے کہار اُٹھاتے ہیں ۱۲
[2] بوچا ہوادار، تامجان ایک قسم کی ہیرول کی سواری جسے کہار اُٹھاتے ہیں ۱۲
[3] چوپال (چوپہلا) ایک قسم کا ڈولا ۱۲
[4] کھڑ کھڑیا۔ ہلکی پالکی ۱۲
[5] لڑھا۔ چھکڑے کی قسم کی ایک گاڑی ۱۲
[6] رہکلا ایک قسم کی گاڑی جس پر توپ چلتی ہے ۱۲
[7] اس نظم کو کتاب میں تو "فقیروں کی صدا" کے ذیل میں لکھا ہے۔ لیکن فقرا "کپڑی نامہ" کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ ٹیپ میں کپڑی کا لفظ بار بار واقع ہوا ہے ۱۲ شہباز

نانک جی

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو — خیرات کرو احسان کرو یا پن کرو یا دان کرو
یا پوری لڈو بٹواؤ یا خاصہ حلوا مان کرو — کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا کچھ دھیان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دل کو تو اپنا جینے سے اب نہ گلے کو یوں مت کاٹو — اب چاٹ فنا کی ٹک چکھو اور خون کسی کا مت چاٹو
دھن چھوڑو حصہ بخرے کی اور بھاجی[1] اپنی تم باٹو — ناکند بچھیرے[2] کو دیکھے اب اور دولتی مت چھاٹو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اسپ بہت کودا اچھلا اب کوڑا مار زیر کرو — جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میان میں تم شمشیر کرو — تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

سر کا نیا چاندی بال ہوئے منھ پھیلا پلکیں آن جھکیں — قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیائی گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوکھ گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں — جو ہونی تھی سو ہو گذری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ پاؤں گھسٹ کر چلنے سے مت رستے کو حیران کرو — اور پوپلے منھ سے روٹی کو مت مل مل کر ہلکان کرو
اب آپ ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو — کچھ لابھ نہیں ہے جینے میں اب مرنے سے پہچان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

---

[1] بھاجی ترکاری پکی ہوئی ۱۲ اسی
[2] ناکند بچھیرا۔ وہ گھوڑے کا بچہ جو ابھی ایک برس کا ہو اور جس کے پیدائشی دانت نہ گرے ہوں۔ یہ نہایت سرکش ہوتا ہے۔ دولتی جھاڑنا مراد سرکشی اور بدمعاشی کرنا یعنی بہت سے برے کام کر چکے اب یہ باتیں نہ کیے جاؤ ۱۲ آسی

اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے
تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھ کے سکھ سے کھاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم جو خالی ہاتھوں جاؤ گے
کچھ بات نہیں بن آنے کی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھو اجل سر دھنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گھر بار روپے اور پیسے میں مت دل کو تم خورسند کرو
یا گور بناؤ جنگل میں یا جمنا پر آنند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو کچھ فند کرو
بس بہت تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

بیوپار تو یاں کا بہت کیا اب واں کا بھی کچھ سودا لو
جو کھیپ ادھر کو چڑھتی ہے اس کھیپ کو یاں سے لدوا لو
اس راہ میں جو کچھ کھاتے ہوں اس کھانے کو بھی منگوا لو
سب ساتھی پہنچے منزل پر اب تم بھی اپنا رستا لو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دو چار گھڑی یا دو دن میں اب تن سے جان نکلنی ہے
یہ ہڈی پسلی جتنی ہے یا گھلنی ہے یا جلنی ہے
ہے رات جو باقی تھوڑی سی کوئی دم میں وہ بھی ڈھلنی ہے
اٹھ باندھو کمر سویرے سے تم کو بھی منزل چلنی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئے گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ دولت کام نہ آوے گی مت اسکو تم زنجیر کرو
جو پار اُتارے دریا سے اُن باتوں کو گو سیر کرو

یہ خاک بدن کی پارا ہے مت مار اسے اکسیر کرو
اب ناؤ کنارے آپہونچی اب چڑھنے میں مت دیر کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

کچھ دیر نہیں اب چلنے میں کیا آج چلو یا کل نکلو
اب شام نہیں اب صبح ہوئی جوں موم پگھل کر ڈھل نکلو

کچھ کپڑا لتہ لینا ہو سو جلدی باندھ سنبھل نکلو
کیوں ناحق دھوپ چڑھاتے ہو بس ٹھنڈے ٹھنڈے چل نکلو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرائے کا یارو صندوق جنازہ بار ہی ہے
کس نیند پڑے تم سوتے تھے یہ بوجھ تمھارا بھاری ہے

جب اس پر ہو اسوار چلے پھر گھوڑا ہے نہ عماری ہے
کچھ دیر نہیں اب آہ نظیر تیار کھڑی اسواری ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

(۷۴)

بنجارا

دنیا کا سب ٹھاٹھ پڑا رہجائے گا

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونی پلا سر بھارا

قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

سلہ یہ نظم بہت مشہور ہے اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف نسخ بہت ہے۔ فقط الفاظ میں بلکہ بندوں کی ترتیب اور شمار میں بھی۔ مطبع نظامی کے نسخے میں تیسرے بند کی جگہ چھٹا بند ہے اور تیسرا بند اس کا اُس کا چوتھا بند ہے مطبع صفدری کے نسخے میں جو چوتھا بند ہے وہ مطبع احمدی کے نسخے میں پانچواں ہے اور مطبع نظامی کے نسخے میں بارھواں میں نے مطبع احمدی کے نسخے کی ترتیب اس میں قائم رکھی ہے مطبع صفدری کے نسخے میں بارہ ہی بند ہیں ایک بند نذارد ۱۲ سلہ ٹلا ٹاٹ کا بڑا تھیلا جسمیں غلہ وغیرہ رکھتے ہیں ۱۲ سلہ سر بھارا بھی ایک قسم کا تھیلا ہے جس کو سر سے اٹکا کر پیٹھ پر لادتے ہیں اور آگے کو جھک کر چلتے ہیں ۱۲ شہباز

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبا کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستہ میں یہ گون تری ڈھل جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال کٹورے چاندی کے کیا پیتل کی ڈبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے روپے کے کیا مٹی کی ہنڈیا چینی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل زمرد سیم و زر
جب پونجی بات میں بکھرے گی پھر آن بنے گی جان اوپر
نقارے نوبت بان نشان دولت حشمت فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک مکان کیا چوکی کرسی تخت چھپر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پہ بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

۱؎ داکھ کشمش ۱۲
۲؎ ہانڈھنا پھرنا گشت لگانا۔ خاک چھانتے پھرنا ۱۲
۳؎ تباہ ہونی برباد ہونی نیست نابود ہونی ۱۲
۴؎ آب و دانہ ۱۲
۵؎ چوبارا کوٹھا۔ مکان کے اوپر کا وہ کمرہ جس کے چار دروازے یا چاروں طرف کھڑکیاں ہوتی ہیں
[illegible] رہنے کا گھر ۱۲
[illegible] زربفت ایک قیمتی کپڑا [illegible] ایک کپڑے کا نام ۱۲
[illegible] باٹ راستہ پگڈنڈی ۱۲
انتہی

مغرور نہ ہو تلواروں پر مت پھول بھروسے ڈھالوں کے
سب پٹا توڑ کے بھاگیں گے منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بقچے تاش مشجر کے کیا تختے شال دوشالوں کے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیا سخت مکاں بنواتا ہے کھم تیرے تن کا ہے پولا
تو اونچے کوٹ اٹھاتا ہے واں گور گڑھے نے منہ کھولا
کیا رینی خندق رند بڑے کیا برج کنگورا انمولا
گڑھ کوٹ رہکلہ توپ قلعہ کیا شیشہ دارو اور گولا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن
کیا مندر مسجد تال کنویں کیا گھاٹ سرا کیا باغ چمن

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیر اک بھنگا آن نہ جھانکے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ﮯ پٹا توڑ کر بھاگنا جلدی سے بھاگنا کا فور ہونا۔ رفوچکر ہونا فورا اچپل دینا ۱۲ شہباز تاش زری۔ ایک قسم کا زری کا ریشمی کپڑا مشجر۔ بیلدار بوٹے دار پھولدار کپڑا ۱۲ کھم کھمبا پولا جو چیز اندر سے خالی اور نرم ہو۔ کھکھل۔ کوٹ قلعہ ۱۲ آسی رینی قلعہ کے گرد کی چھوٹی دیوار ۱۲ آسی رند۔ دیوار قلعہ یا شہر پناہ کے دمدمے جو غنیم پر اندر سے بندوقیں چلانے کے واسطے چھوڑ دیتے ہیں آسی گھر میں بیٹھے کھیلے ہو تم شکار سے رو رنٹ دیوار ہے جو زہ ہو ۱۲ رہکلہ گر یہاں بہاں نظر الگذا دلا مشدد چھوٹی توپ جو گاڑی پر چڑھی ہوتی ہو

گاڑی۔ بھڑیہ ۱۲ ۵ بعض نسخوں میں یہی پہلا مصرعہ ہے اور پہلا مصرعہ دوسرا ۱۲ شہباز۔

اندھیری

لائی ہے جب اپنا یہ شروعات[1] اندھیری
دیتی ہے غریبوں کو مکافات اندھیری

کرتی ہے اُجالے کے تئیں مات اندھیری
دکھلاتی ہے خوباں کی مُلاقات اندھیری

ہر عیش کی کرتی ہے عنایات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جس وقت ہوئی رات اندھیرے سے دھواں دھار
گر اس میں کہیں شور ہو یا غل ہو اک بار

جو شوخ ملا شوق سے جا بھڑ گئے للکار
ایدھر سے اُدھر ہو گئے دو چار قدم مار

بر لاتی ہے اس ڈھب کی مہمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دوشالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا

کمبل کو ادھر ہم نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
منہ اُس کے رقیبوں کا کیا خوب سا کالا

کیا وصل کا رکھتی ہے کرامات[2] اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

[1] شروعات ایک مختلف فیہ لفظ ہے بعض فصحا شروع کے معنی میں شروعات کو درست سمجھتے ہیں اور بعض غلط۔ افسوس ہے اس کا پتہ نہیں چلتا اس نظم میں عنایت کی جگہ عنایات۔ مہم کی جگہ مہمات۔ کرامت کی جگہ کرامات طلسم کی جگہ طلسمات وغیرہ بھی لائے گئے ہیں ۱۲

[2] کرامات فی زمانا مؤنث بولا جاتا ہے ۱۲ آسی

بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چھپکے چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چھپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چھپکے اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چھپکے

اس ڈھب کی تو رکھتی ہے عجب گھات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

کل یار نے اور ہم نے جو پی سے کے گلابی[1] اور عیش جو کرنے لگے ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا ہو سو نگہ شتابی گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی

ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

سوتے تھے جو ہم اس میں سنے غیر کے کھٹکے چھپ چھپ گئے اٹھ دونوں ہی نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اس نے ڈھبک ڈھوٹے[2] جو مارے کتنا ہی ٹٹولا جو اجالا ہو تو پاوے

چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

معمول ہے جب چاند کا چھپتا ہے اجالا ہوتا ہے عجب کھیل پر پردے سے دوبالا
محبوب پڑی شکل صراحی و پیالا نہ روکنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا

اس لوٹ کی کرتی ہے مدارات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جس کوچے میں چاہا وہیں کرنے لگے پھیری بیٹھے کہیں اٹھے کہیں جلدی کہیں دیری
اور اس میں کہیں مل گئی گر حسن کی ڈھیری پھر جب تو نہ کہہ میری نہ میں کچھ کہوں تیری

کام عیش کے لاتی ہے لگا سات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھا شوخ سے کل رات عجب سیر کا کھٹکا بوسوں کی مدارات کا سینوں کی لپیٹ کا

[1] گلابی ایک قسم کی بوتل یا صراحی جس میں شراب یا گلاب رکھتے ہیں ۱۲
[2] ڈھبک ڈھوٹے ۔ ادھر ادھر سرسری ڈھونڈھنا ۱۲

آیا جو چغل خور تو بندہ وہیں سٹکا
وہ ٹکریں کھاتا ہوا پھر تا رہا بھٹکا

رد کرتی ہے سب سر کی بلیات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھی شب کو اندھیری تو عجب ڈھب کی نظر آہ
نکلے تھے ہمیں ڈھونڈھنے اُس دم کئی بدخواہ
سو عیش و طرب سے تھے ہم اُس یار کے ہمراہ
مل مل بھی گئے تو بھی نہ دیکھا ہمیں واللہ

کیا عیش کے رکھتی ہے طلسمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۷٦)

برسات کا تماشا

اہل سخن کو ہے گا اک بات کا تماشا
دنیا کے صاحبوں کو دن رات کا تماشا
اور عارفوں کی خاطر ہے ذات کا تماشا
ہم عاشقوں[1] کو ہے گا سب گھات کا تماشا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

خورشید گرم ہو کر نکلا ہے اپنے گھر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے
لیتا ہے مول بادل کر کر تلاش زر سے
آدھے اساڑھ تو اب دشمن کے گھر سے برسے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منھ اُٹھا کر
ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر
ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سُنا کر
کوئی دم کو میگھ راجا[2] دیکھے گا سب کو آکر

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

جب یہ نوید پہونچی صحرا میں ایک باری
چشموں میں کوہ کے بھی ہوئی سب کی انتظاری
ہونے لگی وہاں پھر برسات کی تیاری
موسم کے جانور بھی آتے ہیں باری باری

[1] عاشق سے وہ لوگ مراد ہیں جو ... ساٹی اور نیچر کی ہر ... و ابر عاشق ہیں ۱۲
[2] میگھ راجہ بادلوں کا راجہ فرشتہ جو بجلی پر متوکل ہے رعد ۱۲ شہباز

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کے بادلوں سے پھر آگھٹا جو چھائی
ہو مست رعد گرجا کوئل کی کوک آئی
بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
بدلی نے کیا مزے کی رم جھم جھڑی لگائی

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

جن صاحبوں کے دل کو کچھ عشق سے ہی بہرا
ہر طرف آب سبزہ اور گلبدن سنہرا
وہ اس ہوا میں جا کر دیکھیں ہیں کوہ و صحرا
جنگل میں آج منگل کس کس طرح کا لہرا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کوئی اپنے دلربا سے کہتا ہے دیکھیں جنگلاؔ
اور ساغر و صراحی مے کی تو اپنے سنگ لا
چہرے کو تو گلابی یا گل انار رنگ لا
پی پی نشوں میں سیریں دیکھیں بنا کے بنگلا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر گلبدن کے تن میں پوشاک ہے اکہری
صحن چمن میں ہے جو بارہ دری سنہری
پگڑی گلابی، ہلکی یا گل انار گہری
اس میں سبھوں کی آکر ہے بزم عیش ٹھہری

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

معشوق عاشقوں میں کیا بزم بانمک ہے
جھنکار تال کی ہے اور طبلے کی کھڑک ہے
شیشہ گلابی ساقی اور جام اور گزک ہے
گوری ملار کے ساتھ آواز کی گمک ہے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آکر کہیں مزے کی ننھی پھوار برسے
اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے
چیزوں کا رنگ چھٹ کر حسن و نکھار برسے
چھاجوں امنڈ کے پانی موسل کی دھار برسے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا
وحش و طیور ہر اک مل کے ہے نہاتا
برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ پانی بہا ہے جاتا
غوغا کریں ہیں مینڈک جھینگر ہے غل مچاتا

لہ جنگل کا سماں
ایک قسم کا چھیلدار کپڑا ۱۲ شہباز

[illegible]

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

گلشن میں آبھرے ہیں سب گلبدن نچیلے
کہتا ہے کوئی کسی سے اے دلربا ہٹیلے
ساتھ اُن کے لگ رہے ہیں عاشق جو ہیں رنگیلے
ایک ہی گلابی مے کی ہاتھوں سے میرے پی لے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہے ہر دم برسے ہیں مینھ کی دھاریں
کوئل پپیہے کوکیں اور کوک کر پکاریں
اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں
اور مور مست ہو کر جوں کوکلا جھنکاریں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹائیں آکر مدمست تل رہی ہیں
رخساروں پر بہاریں ہر اک کے ڈھل رہی ہیں
دستاریں سُرخ اس میں کیا خوب کھل رہی ہیں
شبنم کی بوندیں جیسے ہر گل پہ ٹل رہی ہیں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کی کالی راتیں اور برق کے اشارے
لپٹے گلے سے سوتے معشوق ماہ پارے
جگنو چمکتے پھرتے جوں آسمان پہ تارے
گرتی ہے چھت کسی کی کوئی کھڑا پکارے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہاتھوں میں ہیں ہر اک کے پھولوں کی لال چھڑیاں
گل بوندوں کے جڑاو پر بوندیں ہیں مینھ کی پڑیاں
بجلی چمکتی پھرتی اور لگ رہی ہیں جھڑیاں
برسیں گویا ہزاروں اب موتیوں کی لڑیاں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر ایک اُن میں بہتر محبوب گلبدن ہے
تس پر یہ ابر باراں اور گل ہے اور چمن ہے
خوبی میں برگ گل سے بہتر ہر اک کا تن ہے
عاشق کے دل سے پوچھو کیا عیش کا چلن ہے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

شہروں کے بیچ ہر جا عمدوں کے جو مکاں ہیں
بیٹھے ہوئے بغل میں معشوق دلستاں ہیں
باراں کے دیکھنے کی بام و اٹاریاں ہیں
ہر رنگ ہر طرح کی مے کی گلابیاں ہیں

آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

بنگلے سبھوں نے ہر جا اونچے چھوائے زر دے
پکوان تازے تازے خاصے پلاؤ زردے
میوے مٹھائی انبہ انگور اور سردے
برسے ہے ابر باراں کھلوا دیے ہیں پردے

آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

اب شہر میں جہاں تک اوباش پیشہ ور ہیں
معشوق ہیں بغل میں محبوب سیم بر ہیں
بیٹھے دکان اوپر بے خوف و بے خطر ہیں
اور سب غریب خُرّم[51] با دل شاد اپنے گھر ہیں

آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آگے دکان کے نالا ہے موج مار چلتا
کوئی چھپکتا پانی اور کوئی ہے پھسلتا
عالم طرح طرح کا آگے سے ہے نکلتا
ٹھٹّھا ہے اور مزا ہے آبِ عنب[52] ہے ڈھلتا

آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

معمور ہیں جہاں کی سب تال اور تلیاں
اور ڈالیاں چمن کی بوندوں سے جھک رہی ہیں
سب بھر رہا ہے پانی اور سیر امبریاں[53]
بادل بھرے ہیں جیسے معشوق ہیں دو گنیاں

آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(معشوق ہیں دو دو چھیاں / بادل بھرے ہیں جن سے)

ہے جو نظیر جن کی دھو میں اُگستیاں ہیں
معشوق ہیں بغل میں اور مے پرستیاں ہیں
سب سے زیادہ اُس کو اب عیش مستیاں ہیں
شعروں سے موتیوں کی بوندیں برستیاں ہیں

آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۷۷)

برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں

---

[51] خُرّم بالفتح درست ہے ۱۲
[52] آب عنب شراب انگوری ۱۲
[53] امبریاں آموں کا باغ۔ عام طور امریاں بولتے ہیں ۱۲
[54] ترو تازہ شاداب ۱۲ آسی

[illegible]

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر[۱] دریا رونڈ رہے ہیں
مور و پپیہے کویل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے اُمنڈ رہے ہیں
برسے ہے مینھ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ[۲] رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
اللہ کے نقارے[۳] نوبت کے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگا دیں
جھینگر جھنگار[۴] اپنی سُرنائیاں بجا دیں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینھ بُلا دیں
پی پی کریں پپیہے مینڈک ملاریں گا دیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزا ہرے بچھونے
قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے
بچھوا دیے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی
اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بماہی
یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یا رب سامان تیری قدرت
بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت

---

[۱] ڈابر چھوٹا سا تالاب یا جھیل جہاں نشیب کی وجہ سے پانی جمع ہو جائے۔ رونڈنا جوش مارنا۔ رمنڈنا شور مچانا
[۲] گھمنڈنا۔ گھمنڈ کرنا ۱۲
[۳] نقارہ۔ بتشدید قاف صحیح اور فصیح ہے ۱۲
[۴] جھنگار جھینگر کی آواز۔ سرنائی ایک باجا۔ یہ سورنا کا مخفف ہے۔ نفیری وغیرہ ۱۲ آسی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا | اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزے کا جو صبح و شام ہے گا | یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو | پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہُد ہُدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو | سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں ادھر کے کر شور ناچتے ہیں | پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے کر کر گھنگھور ناچتے ہیں | مینڈک اچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اوپر سوتے ہیں کتنے بن بن | سوہیں گلابی جوڑے پھولوں کے ہار ابرن
کتنوں کے گھر ہی کھانا سونا لگے ہے آنگن | کونے میں پڑ رہی ہیں سر منہ لپیٹ سوگن

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری | جو غم میں ہیں انہوں پر گذرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری | چھاتی پھٹے ہے ان کی جو ہیں برہ کی ماری

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو وصل میں ہیں ان کے جوڑے مہک رہے ہیں | جھولوں میں جھولتے ہیں گہنے جھمک رہے ہیں
جو دکھ میں ہیں سو ان کے سینے پھڑک رہے ہیں | آہیں نکل رہی ہیں آنسو ٹپک رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بیقراری | ہر بوند مارتی ہے سینے اوپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری | ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سدھ ہماری

لہ زٹل مور کی آواز۔ بیہودہ۔ سو کلام ۱۲ آسی
ﷺ سوہنا۔ زیب دینا بھلا معلوم ہونا۔ زیب تن ہونا ۱۲
ﷺ سوگن جھنک عورت۔ غمزدہ عورت جو کسی کا سوگ کرتی ہو ۱۲
ﷺ برہ۔ فراق برہ کی ماری۔ فراق زدہ۔ برہن
ﷺ برہن جو جدائی میں مبتلا۔ شہباز

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سُناتی
بِرہن کی دھُن کو سن کر بے کل ہیں کہتی جاتی

سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی
پردیسی نے ہماری اب تک بھی سدھ بھلائی

رو رو اُنھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
اب تک بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہے یہ گت بنائی
نے گھر میں جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی

میلے کچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
پھوٹا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کر کے پھیرا
ہے خوش کسی کو آ کر ہے درد و غم نے گھیرا

مارو جی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
منھ زرد بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جنکو اب میّسا حسنوں کی ڈھیریاں ہیں
محبوب دلبروں کی زلفیں بکھیریاں ہیں

سرخ اور سنہرے کپڑے عشرت کی گھیریاں ہیں
جگنو چمک رہے ہیں راتیں اندھیریاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگو رہے ہیں
کتنے برہ کے مارے سدھ اپنی کھو رہے ہیں

باہیں گلوں میں ڈالے جھولوں میں سو رہے ہیں
جھولے کی دیکھ صورت ہر آن رو رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے
کتنے بھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے

پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ غریب کنگلے

لہ مارو جنگ جو راگ کا۔ گیتوں میں معشوق کو اس لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے ۱۲ ۔ ے وہ ملک جس میں جنگل بہت ہوں جنگل بیابان ۱۲۔ کہ عمدہ: زمانہ شاہی کا ایک عہدہ۔ کہ کنگلا: مفلس ۱۲

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
یا سائبان ستھرا یا بانس کا اُسارا[1]
مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گذارا[2]
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے
دردر حویلی والا ہر آن رو رہا ہے
دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
مُفلس سو جھونپڑے میں دلشاد سو رہا ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پُرانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا
اُٹھ سکے ہر آن کو مینھ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دِوانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان[3] ٹپکا
گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
باقی تھا اک اُسارا سو وہ بھی آن ٹپکا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اونچا مکان جس کا ہے پنچ کھنا[4] سوایا
اُس نے تو اپنے گھر میں ہر شور غل مچایا
اوپر کا کھن[4] ٹپک کر جب پانی نیچے آیا
مفلس پکارتے ہیں جاتے ہمارا +++
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں پہ بیر بھوٹی ٹیلوں اُپر دھتورے
بچھو کسی کو کاٹے کیڑا کسی کو گھورے
بسّو سے مچھّروں سے روئے کوئی بسورے
آنگن میں کنسلائی کونوں میں کھنکھجورے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھنسی کسی کے تن میں سر پر کسی کے پھوڑے
کھا پوریاں کسی کو ہیں لگ رہے مڑوڑے
چھاتی پہ گرمی دانے اور پیٹھ میں دَدوڑے
آتے ہیں دست جیسے دوڑیں عراقی گھوڑے

[1] اُسارا چھپر سائبان ۱۲
[2] پولے تلے گزارا کرنا مفلسانہ تنگی سے زندگانی بسر کرنی ۱۲ شہباز
[3] ندان آخرکار بالآخر ۱۲
[4] پنچ کھنا پنچ منزلہ شش کھن - منزل ۱۲ شہباز

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پتلی جہاں کسی نے دال اور کڑھی پکائی
کوئی پکارتا ہے کیوں خیر تو ہے بھائی
مکھی نے وہیں بولی آ اونٹ کی بلائی
ایسے جو کھا رہے تھے کیا کالی مرچ کھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا اودی اوڑھنی ہے
سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اس پر تو سب گھلاوٹ[1] برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بدنوں میں کھب رہے ہیں خوبوں کے لال جوڑے
لہریں بنا رہے ہیں لڑکوں کے لال جوڑے
جھمکیں دکھا رہے ہیں پریوں کے لال جوڑے
آنکھوں میں چبھ رہے ہیں پیاروں کے لال جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی
گلنار یا گلابی یا زرد، سرخ، دھانی
جھولوں میں جھولتے ہیں اوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولنے میں جھولے کی ڈور چھوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے
یا ساتھیوں میں اپنے پانوؤں سے پانوؤں جوڑے
بوندوں میں بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو ہو رہی ہے اس عیش کی نشانی
اس وقت تم نہ جاؤ اے میرے یار جانی
سوتے ہیں ساتھ جس کے کہتی ہے وہ سیانی
دیکھو تو کس مزے سے برسے ہے آج پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے شراب پی کر ہو مست جھک رہے ہیں
ہوتا ہے ناچ گھر گھر گھنگرو جھنک رہے ہیں
مے کی گلابی آگے پیالے چھلک رہے ہیں
پڑتا ہے مینھ جھڑ جھڑ طبلے کھڑک رہے ہیں

[1] یعنی برسات کی تمام بہاریں اس پر بھیٹ پڑی ہیں ۱۲ آسی مرحوم

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہیں جن کے تن ملائم میدے کی جیسے لوئی
اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی
وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھرے ہیں لوئی
ہے ان کے سر پہ سرکی یا بوریے کی کھوئی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سرخ ٹیٹو
کتنوں کی گاڑی رتھ ہیں کتنوں کے گھوڑے ٹٹو
جو دیکھ سرخ بدلی ہوتی ہے ان پہ لٹو
جس پاس کچھ نہیں ہے وہ ہم سا ہے نکھٹو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں
ہم سے غریب مُغبا کیچڑ میں گر پڑے ہیں
ہے ان کے سر پہ چھتری ہاتھی پہ جو چڑھے ہیں
ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن گنے مُہیا پکا پکایا کھانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں لون تیل لانا
ان کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اڑانا
ہے سر پہ ان کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے خوشی سے بیٹھے کھاتے ہیں خوش محل میں
کاندھے پہ دال آٹا ہلدی گرہ سنے مل میں
کتنے چلے ہیں لینے بنیے سے قرض پل میں
ہاتھوں میں گھی کی پیالی اور لکڑیاں بغل میں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو ++ جو انیں حسنوں میں پُٹ تیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دل میں بھی مُرتیاں ہیں
سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
اک اک نگہ میں کا فر بجلی کی پھرتیاں ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجواں ہیں ان کی تیاریاں بڑی ہیں
اور وہ جو ++ سے جھگڑی ہیں یا لڑی ہیں
ہاتھوں میں لال چھڑیاں کو ٹھوں پہ گھڑی ہیں
منھ کو چھپا پلنگ پہ مچلی ہوئی پڑی ہیں

۱۔ سرکی۔ بان ۱۲
۲۔ کھوئی گپڑے یا بوریے کی وہ خاص شکل جو بارش سے بچنے کے لیے سر پر رکھنے سے پیدا ہوتی ہے مفلسوں کی بارانی ۱۲
۳۔ شہباز
۴۔ ٹیٹو۔ اونی موٹا کپڑا ۱۲
۵۔ پرتیاں یعنی پوری ۱۲
۶۔ سرتی ـــ ہوشیاری ۱۲
آسی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کرنا ہے کا جھپٹا
تم سے تو دل ہمارا اب ہو گیا ہے کھٹا
کہتی ہے ہنس کے کافر چٹکی سے یا نہٹا
تم آج بھی نہ لائے رنگوا مرادو پٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتی ہے کوئی مجکو جوڑا سوہا بنا دو
کوئی کہے ہے میری کرتی ابھی رنگا دو
یا ٹاٹ بافی جوتا یا کفش سرخ لا دو
یا گرم سے اندرسے اک سیر بھر منگا دو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اُن کے مبتلا ہیں سب چیز لا رہے ہیں
جو جو ہیں اُن کی باتیں سب کچھ اٹھا رہے ہیں
کرتی بنا رہے ہیں انگیا رنگا رہے ہیں
باہیں گلے میں ڈالے عشرت منا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا +++ کے دیکے پیسے
برسات بھر تو ایکی سنتے ہو جان پیارے
کہتے ہیں شاد ہو کر یوں اپنی +++ سے
احمق ہو جو پلنگ سے اب +++ کو اترے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہارین

یہ سُن کے اُن سے ہنس ہنس کہتی ہے شوخ +++
ہم پہنیں لال جوڑا تم پہنو خاصی بنڈی
+++ کو اب تو ہے کر بندی بھی ہے گھمنڈی
ٹھنڈی ہو جو تمھاری چھاتی کرے نہ ٹھنڈی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

زردار کی تو اُن میں کچھ رہی پلنگڑی
مفلس کی ٹوٹی پٹی یا ٹاٹ کی جھلنگڑی
+++ پری سی بیٹھی چھمکائے جوڑی نگڑی
+++ ملی تو کالی یا کنجی لولی لنگڑی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

+++ بھی اب تو سب بن رہی ہیں رنگیا
کہتی ہے +++ سے کیوں میرے یار بھنگیا
پہنے ہیں +++ اُن کے تنبان یا کہ جنگیا
تو آج بھی نہ لایا میری رنگا کے انگیا

لا نہٹا لینا۔
ناخن سے صدمہ
پہونچانا۔ ناخن
سے خراش دینا
ناخن سے زرد
سے چٹکی لینا۔
بنڈی۔
ایک مختصر پورا
جامہ ۲۱ شہبار

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کرتی گلابی جن میں گوٹے لگے ہوئے ہیں
کہتی ہیں اُن سے ہنس ہنس جو جو کٹے ہوئے ہیں
انگیا کے گرد جھوئے گوٹے ٹکے ہوئے ہیں
لا اب تو میرے تجھ پر بارہ ٹکے ہوئے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دوستوں کے دل میں لڑکا سما رہا ہے
ستھرا پلنگ بچھا ہے + + + بھی خوش ادا ہے
اُن کو بھی اس ہوا میں یہ عیش یہ مزا ہے
یہ پیار کر رہا ہے + + + مچل رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو بیگی ہے گھر میں آرام کر رہی ہے
چتون لگاوٹوں سے سودام کر رہی ہے
پردوں میں دوستوں سے پیغام کر رہی ہے
چپکے ہی چپکے اپنا سب کام کر رہی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی اپنے محبوب سیمبر سے
کوئی کہے ہے اپنے دلدار خوش نظر سے
وواس مینھ میں نہ جاؤ پیارے ہمارے برسے
ہاتھوں سے میرے جانی کھالے یہ دوا ندرسے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی پیاری جو کچھ کہو سو لادیں
پیڑا جلیبی لڈو جو کھاؤ سو منگا دیں
زردوزی ٹاٹ باقی جوتا کہو بنھا دیں
چیرا دوپٹہ جامہ جیسا کہو رنگا دیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دلبروں کے تن پر ہیں گرمی دانے آئے
کیا مینھ برس رہا ہے پیارے ذرا نہالے
کہتے ہیں اُن کو عاشق یوں پیار سے بلالے
چھاتی نہیں تو پیارے ٹک پیٹھ ہی ملالے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اس رت میں ہیں جہاں تک گلزار بھیگتے ہیں
صحرا و جھاڑ بوٹے کہسار بھیگتے ہیں
شہر و دیار کوچے بازار بھیگتے ہیں
عاشق تمہارے ہیں دلدار بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو دلبروں کی دہلی پہ بھیگتے ہیں / کتنے پریرخوں کی بولی پہ بھیگتے ہیں
اور کتنے +++ کی ڈیوڑھی پہ بھیگتے ہیں / کتنے طوائفوں کی موری پہ بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتی ہے جب وہ سنکر یہ بات بھیگ احمق / مارونگی تیرے آکر اک لات بھیگ احمق
مجکو بھی ضد چڑھی ہے دن رات بھیگ احمق / یونہیں تو ایکے ساری برسات بھیگ احمق

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

زردار کی تو سنکر آواز وہ پریرو / کہتی ہے لونڈیوں سے جلدی کواڑ کھولو
مفلس کوئی پکارے تو اس سے کہتی ہے وہ / ہرگز کوئی نہ بولو احمق کو بھیگنے دو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ سن کے گر وہ مفلس کچھ شور و غل مچاوے / بیٹھک میں اینٹ پھینکے یا کنڈی کھڑکھڑاوے
کھڑکی میں ڈال سر کو جب نائکہ سناوے / کیا غل مچا رہا ہے سن بیٹھے مالزادے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی یار سے کہے ہے اے دلستاں آؤ / بدلی بڑی اٹھی ہے کہنے کو مان آؤ
کیا مینھ برس رہا ہے ہر اک مکان آؤ / راتیں اندھیریاں ہیں اے میری جان آؤ

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی رات کو پکارے پیارے میں بھیگتی ہوں / کیا تیری الفتوں کے مارے میں بھیگتی ہوں
آئی ہوں تیری خاطر آ زے میں بھیگتی ہوں / کچھ تو ترس تو میر اکھارے میں بھیگتی ہوں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے دل سخت بھیگتی ہوں / کانپے ہے میری چھاتی یکلخت بھیگتی ہوں
کپڑے بھی تر بتر ہیں اور سخت بھیگتی ہوں / جلدی بلالے مجکو کمبخت بھیگتی ہوں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

آباد ہیں چھپر کھٹ ماچے پلنگ کھٹولے
چولوں کی چرچراہٹ بوچھار کے جھکولے
دلبر کہیں بغل میں امرد کہیں ہیولے
+++ کہیں دھڑا کے چلتے کہیں +++

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

شیشہ کہیں گلابی بوتل جھمک رہی ہے
چھاتی سے چھاتی لگ کر عشرت چھلک رہی ہے
راببیل موتیا کی خوشبو مہک رہی ہے
پائے کھٹک رہے ہیں پٹی چٹک رہی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے کیا کیا مجھے بھگویا
ناحق قرار کرکے جھوٹا مجھے بھگویا
کوئی پکارتی ہے کیسا مجھے بھگویا
یوں دور سے بلا کر اچھا مجھے بھگویا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دلبروں کی خاطر بھیگے ہیں جن کے جوڑے
لے اُن کے بھیگے کپڑے ہاتھوں میں دھر نچوڑے
وہ دیکھ اُن کی اُلفت ہوتے ہیں تھوڑے تھوڑے
چیرا کوئی سکھاوے جامہ کوئی نچوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی
مشکل ہوئی ہر واں سے ہر اک کو راہ چلنی
جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں
کتنے اُٹھے ہیں مر مر کتنے اُکس رہے ہیں
کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی گر کر یہ اے خدا اے لیجو
کوئی ہاتھ اُٹھا پکارے مجھکو بھی ہائے لیجو
کوئی ڈگمگا کے ہر دم کہتا ہے وائے لیجو
کوئی شور کر پکارے گرنے نہ پائے لیجو

+++ کہیں کہیں +++ کہیں ہیولے

سلہ ایک بڑا مچان نما اونچا پلنگ ۲ شہبازہ

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اکثر جو مرد عورت پھسلے ہیں ناگہانی
یا اُس کا ہاتھ اُن کے پاجامے کی میانی
تو اُن کی یہ ہوئی ہے گرنے کی واں نشانی
یا اُن کا منھ ہوا ہے اور اُسکی وہ میانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطّر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اُس میں آن اکثر
پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منھ گیا بھر
ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رُت وہ ہے کہ جس میں خرد و کبیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرّم عاشق اسیر خوش ہیں
ادنےٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
جتنے ہیں اب جہاں میں سب اے نظیر خوش ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(۷۸)

برسات اور پھسلن

برسات کا جہاں میں لشکر پھسل پڑا
جھڑیوں کا منھ بھی آکے سراسر پھسل پڑا
بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
چھتّا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا

کوٹھا[1] جھکا اٹاری گری در پھسل پڑا

جن کے نئے نئے تھے مکاں اور محل سرا
دیواریں بیٹھتی ہیں جھلّوں[2] کا ہے غل مچا
اُن کی چھتیں ٹپکتی ہیں چھلنی ہو جا بجا
لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں ہی کھڑا تو کیا

چھتّا گرا منڈیری کا پتھر پھسل پڑا

جھڑیوں نے اس طرح کا دیا آکے جھڑ لگا
کوئی پکارے ہے مرا دروازہ گر چلا
سنیئے جدھر اُدھر کو دھڑاکے کی ہے صدا
کوئی کہے ہے ہائے کہوں تم سے اب میں کیا

[1] اٹاری چھایا ہوا اوپر کا کمرہ۔ کوٹھا۔ بالا خانہ۔ چھت کے اوپر کا مکان ۱۲
[2] جھلّا بتشدید لام گھر کی وہ دیوار جو ایک رخ سے پختہ اور دوسری جانب سے کچی ہو۔ امداد علی بحر کا ایک شعر ہے ؎ خرابی لائے گا اک دن فراق اُس یار جانی کا + ہمارے قصر تن میں چاہیے جھلا نشانی کا + جھل۔ دیوار کا کوئی ٹکڑا جو گر پڑا ہو۔ دیوار کی چند گری ہوئی اینٹیں ۱۲ [3] جھڑ یعنی اتر بارش۔ جھڑی ۱۲ شہباز

تم در کو جھینکتے ہو مرا گھر پھسل پڑا

باران جب آکے پختہ مکاں کے تئیں ہلائے
ہر جھونپڑے میں شور ہے ہر گھر میں ڈس آئے وائے
کچا مکاں پھر اُس کی بھلا کیونکہ تاب لائے
کہتے ہیں یارو دوڑیو جلدی ہے ہائے ہائے
ناگہ[1]
پاکھے پچھیت سوگئے چھپّر پھسل پڑا

آکر گرا جو ہے کسی . . . . کا اب مکاں
کہتا ہے ٹھٹھے باز ہر اک اُن سے آکے واں
اور اُسکے آشنا کی بھی چھت گرتی ہے جہاں
کیا بیٹھے چھت کو روتے ہو تم اے میاں یہاں
واں چھت سے لگن کا آپ کے سب گھر پھسل پڑا

یاں تک ہر اک مکاں کی پھسلنے کی ہے زمیں
مفلس غریب پہ ہی یہ موقوف کچھ نہیں
نکلے جو گھر سے اُسکو پھسلنے کا ہے یقیں
کیا فیل کا سوار ہے کیا پالکی نشیں
آیا جو اس زمین کے اوپر پھسل پڑا

دیکھو جدھر تدھر کو یہی غل پکار ہے
پیادہ اُٹھا جو مر کے تو چھکڑ اسوار ہے
کوئی پھنسا ہے اور کوئی کیچڑ میں خوار ہے
گرنے کی دھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہے
جو ہاتھی رہ پٹا اونٹ گرا خر پھسل پڑا

چکنی زمیں پہ یاں تئیں کیچڑ ہے بے شمار
نوکر کا بس کچھ اُس میں نہ آقا کا اختیار
کیسا ہی ہوشیار ہو پھسلے ہے ایک بار
کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنے بار
آقا جو ڈگمگائے تو نوکر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا
کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

دلدل جو ہو رہی ہے ہر اک جا پہ رسمسی
کیا سخت مشکلات ہے کیا سخت بیکسی
مر مر اُٹھا ہے مرد تو عورت رہی پھنسی
اُس کی بڑی خرابی ہوئی اور بڑی ہنسی

[1] پچھیت — مکان کے پیچھے کی دیوار دالان کی پشت کی دیوار پچھواڑا جعفر خانہ ۱۲ اسد
لفظ اصل میں چیت لگن ہے مگر ٹھٹھے باز صاحب چونکہ چکت باز بھی ہیں چھت کی رعایت سے چھت لگن فرماتے ہیں ۱۲ اشہباز

جو اپنے جا ضرور کے اندر پھسل پڑا

+ + + جو ناچنے کو چلی کوئی خوش جمال
+ + + بھی ساتھ اُس کے چلا ساز کو سنبھال
آیا قدم تلے جو پھسلنی زمیں کا ڈھال
+ + + ادھر کو اوہی رے کرکر گری نڈھال
+ + + ادھر کو آہ رے کرکر پھسل پڑا

ایسی ہوس میں + + + جو کوئی نکتہ چین ہی
کہتا ہی اُس سے + + + جو صحبت قرین ہی
اکڑ بی یہ + + + یا کہ پھسلنی زمیں ہے
تم کو + + + کے جانے کا اندر یقین ہے
پر میں تو جانتا ہوں کہ باہر پھسل پڑا

عاقل جو + + + باز کہاتا ہے اب بڑا
+ + + جہاں گری تو وہیں آپ بھی گرا
جو تاڑ باز تھے سو پکارے یہ جا بجا
یارو یہ جائے غور ہے ٹک دیکھیو ذرا
بنیے کا بیٹا کچھ تو سمجھ کر پھسل پڑا

اور جب کسی کے دل کو ہی لڑکوں کے تن کی چاہ
نکلا وہ ساتھ لڑکے کے کیچڑ میں ہو تباہ
الفت کی اپنی چاہ جتانے کو خواہ مخواہ
لونڈا گرا جو آگے تو پیچھے سے یہ بھی آہ
بے اختیار اُس کے برابر پھسل پڑا

گرتی ہے گرچہ سب کو پھسلنی زمین خوار
عاشق کو پر دکھائی ہے کچھ اور ہی بہار
آیا جو سامنے کوئی محبوب گل عذار
گرنے کا مکر کر کے اُچھل کود ایک بار
اُس شوخ گلبدن سے لپٹ کر پھسل پڑا

کیچڑ سے ہر مکاں کی تو بچتا بہت پھرا
پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حسن کی مینھ برسا ناز کا
پھسلن جب ایسی آئی تو پھر کچھ نہ بس چلا
آخر کو واں نظیرؔ بھی آکر پھسل پڑا

———•———

(٧٩)

برسات کی اُمس[۱]

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اُمس
پانی سے پسینوں کی بڑی نہر ہے اُمس
گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اُمس
ہر باغ میں ہر دشت میں ہر شہر ہے اُمس
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

کہتے تو اس اُمس کے تئیں ہیں گرماؤ
اُس وقت تو پڑتا ہے غضب جان میں گھبراؤ
یعنی کہ گھرا ابر ہوا اور آ کے رُکے باؤ
دل سینے میں بیکل ہو یہی کہتا ہی کھاتاؤ
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند
پنکھے کوئی پکڑے کوئی کھولے ہی کھڑا بند
پھر بندسی گرمی وہ غضب پڑتی ہی یک چند
دم رک کے گھلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

ایدھر تو پسینوں سے بڑی بھیگے ہیں کھاٹیں
کپڑا جو پہنیے تو پسینے اُسے آٹیں[۲]
گرمی سے اُدھر میل کی کچھ چیونٹیاں کاٹیں
ننگا جو بدن رکھیے تو پھر مکھیاں چاٹیں
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

رکنے سے ہوا کے جو برا ہوتا ہے احوال
دم دھونکنی لگتا ہے لہاروں کی گویا کھال
پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
کچھ روح کو بیتابیاں کچھ جان کو جنجال

[۱] اُمس برسات کی گرمی ۱۲
[۲] آٹھنا یا آنٹنا کنوئیں یا تالاب کو بھر دینا ۱۲ شہباز

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُومس

گھبرا کے دم آتا ہے کبھی جاتا ہے بھولا
آرام جو دل کا ہے سبھی جاتا ہے بھولا
آتا ہے کبھی ہوش کبھی جاتا ہے بھولا
کپڑے بھی بُرے لگتے ہیں جی جاتا ہے بھولا

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُومس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آکر
گر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرّر
ایدھر تو ہوا بند اُدھر پسّو و مچھّر
پانی کوئی پیوے تو ادھن[5] سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُومس

جس وقت ہوا بند ہو اور آکے گھٹا چھائے
پھر کہیئے دل اُس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
اوڑھو تو پسینا جو نہ اوڑھو تو غضب آئے
پسّو کبھی مچھّر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُومس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی
تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اُومس کی چڑھائی
تو پھر وہی رونا وہی غسل شور دُہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھّی ہے پر اک قہر ہے اُومس

اُومس میں تو لازم ہے نہ پنکھا نہ ہوا ہو
اک کوٹھری ہو جس میں دھواں آکے بھرا ہو
اور مکھیوں کے واسطے گڑ تن سے ملا ہو
اُس وقت مزا دیکھیے اُومس کا کہ کیا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس

[5] ادھن۔ کھولتا ہوا پانی جس میں چاول یا سوتیاں یا اور کوئی چیز پکاتے ہیں ۱۲ شہبانہ

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

اُس رُت میں تو واللہ عجب عیش ہیں دل خواہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبز چراگاہ
مینھ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
اُوس بھی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُوس

(۸۰)

برسات کا لطف

ساقیا موسم برسات ہے کیا روح فزا
دیکھ کچھ تازگیٔ صنعت بے چون و چرا

جا بجا نکلے ہیں اس لطف سے طفلان نبات
اپنے ہاتھوں سے کھلائی ہے جنھیں نشو و نما

کھل رہے ہیں در و دیوار پہ ابواب بہشت
آ رہی ہے چمن خلد کی ہر گھر میں ہوا

دیکھ سبزوں کی طراوٹ کو زمیں پڑھتی ہے
دم بدم انبتہ اللہ نباتاً حسنا

برگ اشجار وہ سرسبز ہیں اور نرم و لطیف
فی المثل حلۂ جنت انھیں کہیئے تو بجا

کوہ و صحرا میں وہ سبزی ہے کہوں کیا گویا
مخمل تازہ کسی نے ابھی یاں دی ہے بچھا

الغرض دشت تو ہیں کارگۂ مخمل سبز
اور جو ہیں کوہ تو اُن پر بھی زمرد ہے فدا

جان سے کرتی ہے اب نزہت و خضرت یہ سلوک
جیسے غنچوں سے نسیم سحر اور گل سے صبا

ق
ہے زمین چمن و باغ جو پانی سی سفید
اس میں اب عکس ہر اک گل کا ہے یوں جلوہ نما

عقل کہتی ہے تامّل سے جسے دیکھ کہ یہ
طشت بلّور ہے اقسام جواہر سے بھرا

شاخ پر گل سے یہ عالم ہے کہ جیسے محبوب
سرخ دستار بسر رکھتا ہے اور سبز قبا

ہلتے اس لطف سے ہیں بھیگے ہوئے تازہ نہال
جیسی ہو نازنیں دلبر کے نہانے کی ادا

غلغل رعد خوش آتا ہے ہر ایک گوش کو یوں
جیسے شادی میں پسند آتی ہے نوبت کی صدا

برق بھی چمکے ہے اور رعد گجے ہے ایسی بہردم
جس سے کیا کیا اُمنڈ اور جھوم کے آئے ہے گھٹا

اس سیہ ابر میں یوں اُڑتے ہیں بگلے جیسے
لب مالیدہ مسی میں دُرِ دنداں کی صفا

بدلیاں بدلے ہیں وہ رنگ نئے ہر ساعت
جن کے ہر رنگ پہ ہو مانی کے ارژنگ فدا

اس طرح برسے ہے جھڑیوں کو لگا کر باراں
منسلک جیسے ہو سلکِ گہر بیش بہا

ہے اسی کے سبب عالم میں حیاتِ ہر شے
شاہد اس بات کی ہے حیّ من الما کی ندا

اب میں ساون کی اندھیری کی کہوں کیا تعریف
جعد شیریں کہوں یا زلف سیاہ لیلا

جگنو اس طرح چمکتے ہیں کہ جوں وقت سنگار
ماتھے پہ ہاتھی کے شنگرف ہو گویا چھڑکا

کہیں رقاص کا رقص اور کہیں مطرب کا سرود
کہیں ساقی مے و ساغر طرب و برگ و نوا

زہرہ واں ہو کے خوشی گاتی ہے وہ میگھ ملہار
جس کو سن سن کے فلک ناچے ہے بر رقص ہوا

مور کا شور و فغاں غوک کی جھینگر کی جھنکار
پی پی ہر آن پپیہے کے ہے کوئل کی صدا

اہل ظاہر تو ہیں سب مست مے عیش و سرور
اہل باطن بھی اُچھلتے ہیں پڑے وجد میں آ

شہر اور دشت میں یاں چار مہینے تو نظیر
ہر برس ہوتے ہیں گل حسن طراوٹ ہر جا

(۸۱)

جاڑے کی بہاریں

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلّا[1] خم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور پھپھو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلّے پہ کلّہ لگ کر چلتی ہو منھ میں چسکی سی

[1] چلّا۔ سخت جاڑے کے چالیس مخصوص دن ۱۲ آسی

ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لیکر
سناٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر جا بطرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جب ایسی سردی ہو اے دل تب یہ دو مزے کی گھاتیں ہوں
کچھ نرم بچھونے مخمل کے کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں
محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی، چٹکی، لاتیں ہوں
کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں
دل عیش و طرب میں پلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہو فرش بچھا غالیچوں کا اور پردے چھوٹے ہوں آکر
اک گرم انگیٹھی جلتی ہو اور شمع ہو روشن تس پر
وہ دلبر شوخ، پری چنچل، ہے دھوم مچی جس کی گھر گھر
ریشم کی نرم نہالی پر سو ناز و ادا سے ہنس ہنس کر
پہلو کے بیچ مچلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی اور کافر ناچنے والے ہوں
منہ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں تن اُنکے روئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالے پر پیالہ چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں ہو خلوت کا اور عیش کی سب تیاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیر اُس کی چھب کو ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مہیا ہو آ کر جس جس ارمان کی باری ہو
جب سب ارمان نکلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

———— ⁖ ————

مہاوٹ — ماگھ کے مہینے کی بارش ۱۲ منہ

(۸۲)
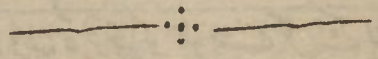
تل کے لڈّو

جاڑے میں پھر خدا نے کھلوائے تل کے لڈّو
کوچے گلی میں ہر جا بکوائے تل کے لڈّو
ہر ایک خوانچے میں دکھلائے تل کے لڈّو
ہم کو بھی ہیں گے دل سے خوش آئے تل کے لڈّو
جیتے رہے تو یارو پھر کھائے تل کے لڈّو

عمدوں نے سو طرح کی یاقوتیاں بنائیں
سردی میں دولتوں کی سو گرم چیزیں کھائیں
لونگوں میں دار چینی شکر میں لے ملائیں
اوروں نے ڈال مصری گر پینڈیاں بنائیں
ہم نے بھی گر ملنگا کر بندھوائے تل کے لڈّو

رکھ خوانچے کو سر پہ پیکار یوں پکارا
جاڑا لگے تو اُس کا کرتا ہوں میں اجارا
بادام بھونا چابو اور گڑ کرا چھوہارا
جس کا کلیجہ یارو سردی نے ہووے مارا
نو دام کے وہ مجھ سے لے جائے تل کے لڈّو

جاڑا تو اپنے دل میں تھا پہلوان جھجھاڑا
جس دم دل و جگر کو سردی نے آلتاڑا
ہر ایک تل نے اُسکو رگ رگ سے ہی اُکھاڑا
خم ٹھوک وو ہیں ہم نے جاڑے کو دھر پچھاڑا
تن پھیر ایسا بھیگا جب کھائے تل کے لڈّو

کل یار سے جو اپنے ملنے کے تئیں گئے ہم
محبوب ہنس کے بولا حیرت میں ہو رہے ہم
کچھ پیڑے اُس کی خاطر کھانے کو لے گئے ہم
پیڑوں کو دیکھ دل میں ایسے خوشی ہوے ہم
جب خوش ہوا وہ اُس سے جب پائے تل کے لڈّو

جو ++ اس ہوا میں مفلس ہے تھوڑی تھوڑی
کہتی ہے ++ سے ++ بھی میں نے چھوڑی
بجتے ہیں دانت اُسکے اور کانپتی ہے ٹھوڑی
جاڑے کے مارے اب تو مرتی ہوں میں نگوڑی
جی جاؤں تو جو مجھ کو کھلوائے تل کے لڈّو

پیکار اُردو میں پھیری پھر کر سودا بیچنے والے کو کہتے ہیں ۱۲ آسی
جھجھ بڑی لمبی گھنی داڑھی۔ جھجھاڑا بڑی لمبی گھنی داڑھی والا ۱۲ داڑھی سے چونکہ چہرے پر ایک خاص قسم کی شوکت اور رعب آجاتا ہے لہذا پُر شوکت پُر رعب زبردست نیز بھی پہلوان کُشتی لڑنے اور بدمعاشی کرنے والا ۱۲ شہباز

یہ بات +++ سن کے اُس کا لگا سُنانے
کچھ میرا تن بھی اب تو لگا ہی تھرتھرانے
جاؤں تو جاڑا مجھ کو بھریاں نہ دیگا آنے
سو سو کیئے بہانے پر آہ کب وہ مانے
آخر کو اُس نے اُس سے منگوائے تل کے لڈّو

جب ہاتھ آئی اُس کی انگیا کی نرم بٹّی
جب گلبدن سے ہنس کر بولا کہوں میں کیا جی
لگتے ہی ہاتھ نکلی رگ رگ کی ساری سردی
کچھ ان کچوں سے ایسی سینے میں آگ بھڑکی
گویا کہیں سے میرے ہاتھ آئے تل کے لڈّو

وہ + + + کہ جن کا ٹوٹا سا جھونپڑا ہے
ہر ایک جھونپڑے سے نکلے یہی صدا ہے
یوں کانپتی ہیں اُن پر جاڑا اگو یا چڑھا ہے
پیڑا جلیبی برفی لایا تو آہ کیا ہے
+ + + وہی بڑا ہے جو لائے تل کے لڈّو

جاڑے میں جس کو ہر دم پیشاب ہے ستاتا
اُس کی دوا بھی کوئی پوچھو حکیم سے جا
اُٹھیں تو جاڑا لپٹے نہیں + + + نکلا جاتا
تبلائے کتنے نسخے پر ایک بن نہ آیا
آخر علاج اُس کا ٹھہرائے تل کے لڈّو

جاڑے میں اب جو یارو یہ تل گئے ہیں بھونے
دل لے لیا ہمارا تل شکریوں کے رونے
محبوبوں کے بھی تل سے انکے مزے ہیں دونے
یہ بھی نظیرؔ لڈّو ایسے بنائے تو نے
جو سن کے اس کی لذت گھبرائے تل کے لڈّو

(۸۳)

نارنگی

اب تو ہر باغ میں آئی ہے بھلی نارنگی
حسن والوں کے بھی سینے کی بھلی نارنگی
ہے ہر اک پیڑ کی مصری کی ڈلی نارنگی
دیکھ کر اُس کی وہ انگیا کی پلی نارنگی
ہم نے تو آج یہ جانا کہ چلی نارنگی

سیر کو باغ کی جاتی ہے وہ چنچل جو ذرا
سامنے اپنے وہ بازار سا کونوں کا لگا
کھا کے نارنگیاں پھینکے ہے وہ ہم پر چھلکا
دم بدم چھیڑ سے کہتی ہے یہ انگیا کو دکھا

تم نے پیسے کی کبھی ہم سے نہ لی نارنگی

جب نظر آئی مجھے شوخ کے سینے کی بہار
جا پڑا ہاتھ جو سینے کی طرف کھو کے قرار
کھٹا میٹھا سا لگا ہونے مرا دل اک بار
اس قدر تھیں وہ کچیں شوخ ستمگر کی تیار

جس قدر سیب ہو یا جیسے بھلی نارنگی

مل گیا ہم کو جو کل ایک مکاں خلوت کا
کیا کہیں شب تو عجب عیش کا لوٹا وہ مزا
باغباں کی نہ اٹک اور نہ کسی کا خطرا
ہر گھڑی اُس شجرِ حسن کو جھائی سے لگا

کیا ہی بوسے لیے اور کیا ہی + + + نارنگی

جن دنوں شوخ کے عالم کا نیا موسم تھا
اب جو وہ وقت گیا تو ہے یہی حیف آتا
جب ہی مل لیتے تو دل کیا ہی سدا پھل پاتا
آہ اس ہاتھ سے اس حسن کی ڈالی کو جھکا

ہم نے افسوس کبھی توڑ نہ لی نارنگی

جب سے آئی ہے نظر شوخ کچوں کی تصویر
دل بھی سینے میں تڑپتا ہے نظر ہے گی اسیر
جب سے لگتے ہیں وہ لوگوں کے جگر میں سو تیر
سنگتروں کی نہ ہوس ہے نہ ہے کوبوں کی نظیر

اب تو سب سے ہمیں لگتی ہے بھلی نارنگی

(۸۴۲)

پنکھا

کیا موسم گرمی میں نمودار ہے پنکھا
گل رو کا ہر اک جا پہ طلبگار ہے پنکھا
خوبوں کے پسینوں کا خریدار ہے پنکھا
اب پاس مرے یار کے ہر بار ہے پنکھا

گرمی سے محبت کی بڑا یار ہے پنکھا

ل کولا - ایک قسم کی نارنگی ۱۲ ے کھٹا میٹھا ہونا شاید بے چین ہونے کے معنی میں ہو یعنی جیسے ایک حالت پر قرار نہ ہو۔ مؤلف نور اللغات نے دل کھٹا میٹھا ہونے کے معنی کمال خفیت کے لکھے ہیں اور نظیر کا یہی شعر سند میں پیش کیا ہے ۱۲ آسی ے تیار ہیں یا مستعد ہونا چاہئے نظیر کے زور میں اس طرح لکھتے ہوں اب جائز نہیں ۱۲ آسی

کیونکر نہ اُٹھے دل سے مرے شعلۂ جانکاہ
جل جاوے جگر کیوں نہ بھلا رشک سے اب آہ
جب شوخ کی پنکھے کے تئیں جی سے ہوئی چاہ
آگے دل صد چاک ہمارا تھا ہوا خواہ
اور اب تو دل و جاں سے ہوا دار ہے پنکھا

کیا کیا ب تجھے اُلفت کی جتاتا ہے وفائیں
بیتاب ہو کر کرکے خوشامد کی ہوائیں
دھوپ آوے تو کرتا ہے بڑا ہاتھ سے چھائیں[۱]
لیتا ہے ہر اک دم ترے مکھڑے کی بلائیں
ایسا تری اُلفت میں گرفتار ہے پنکھا

یہ اُنگلیاں نازک جو تمھاری ہیں نمایاں
ان نرم سے ہاتھوں کا ترس چاہیئے ہر آں
ڈرتا ہوں کہیں پھانس[۲] سے ہو دیں نہ یہ حیراں
پنکھے کو کھجوری کے نہ لو ہاتھ میں ایجاں
تم کو تو مرے دل کا سزاوار ہے پنکھا

چھیڑا جو مرے دل کی محبت کے اثر نے
رنگ چشم کے ڈوروں کے تئیں خون جگر نے
گرمی میں کہیں بیٹھ کے پنکھا تجھے کرنے
سیجوں سے مژہ کی مری گوندھا ہے نظر نے
پنکھے تو بہت ہیں یہ یہ نور کا رہے پنکھا

دل باغ ہوا جاتا ہے پھولوں کی بھبک[۳] سے
کچھ خس سے کچھ اُس پانی کی بوندوں کی ٹپک سے
اور روح بسی جاتی ہے خوشبو کی مہک سے
نیند آتی ہے آنکھوں میں چلی جن کی جھپک سے
کیا یار کے جھلنے کا مزیدار ہے پنکھا

جاڑے میں جو رہتے تھے ہم اُس گل کے کنے تو
حسرت سے بھلا پھوٹئے کیونکر نہ جگر کو
گرمی نے جدا کر دیا گرمی کا برا ہو
کیا گردش ایام ہے دیکھو تو عزیزو
جب یار کے ہم یار تھے اب یار ہے پنکھا

نرمی سے صفائی سے نزاکت سے پھڑک سے
مقیش کے جھڑتے ہیں پڑے تار جھپک سے
گوٹوں کی لگاوٹ سے اور ابرک کی چمک سے
دریائی و گوٹے و کناری کی جھمک سے
کیا ہاتھ میں کافر کے جھمک دار ہے پنکھا

۱؎ چھاؤں کی جگہ
۲؎ باریک ریشہ بانس یا کسی اور شے کا جو کانٹے کی طرح بدن میں چبھ جاتا ہے پھانس کی تیزی نوک سے زیادہ دھار میں ہوتی ہے ۱۲ شہباز
۳؎ بھبک - خوشبو - تیز خوشبو مہک بسی ہوئی اور رچی ہوئی ہلکی ہلکی خوشبو آتی

اک دم تو مری جاں ترے پنکھے کی ہوا لوں
آنکھوں سے ملوں پیار کروں چھاتی لگا لوں
گرمی سی پنکھے کی ہے ٹک اس کو نکالوں
گر حکم کرے تو تو مری جان اٹھا لوں
اک چار گھڑی کو مجھے درکار ہے پنکھا

اس دھوپ میں اے جاں کہیں مت پاؤں نکالے
گرمی ہے ذرا تن کے پسینے کو سکھا لے
جلتی ہے زمیں آگ سی پڑ جائیں گے چھالے
آنکھوں میں مری بیٹھ کے ٹک سرد ہوا لے
دیدار کا تیرے ہی طلبگار[1] ہے پنکھا

رکھتی ہے ترے حسن سے سامانِ چمن چشم
سو رخ سے ہر چال سے ہر ادا سے بن چشم
صورت سے تری رکھتی ہیں نت اسکی لگن چشم
دیکھے ہے ترے منھ کو یہ ہو کر ہمہ تن چشم
یاں تک تو ترا طالب دیدار ہے پنکھا

ہے یہ وہ ہوادار جہاں اس کا گزر ہو
کرتا ہے خوشی روح کو دیتا ہے عرق کھو
پھر گرمی تو واں اپنے پسینے میں چلے رو
رکھتا ہے سدا اپنے وہ قبضے میں ہوا کو
سچ پوچھو تو کچھ صاحب اسرار ہے پنکھا

لے شام سے گرمی میں سدا تا بہ سحر گاہ
عاشق کے تئیں اسکی بھلا کیونکہ نہ ہو چاہ
رہتا ہے ہر اک وقت پری زادوں کے ہمراہ
پھولوں کی گندھاوٹ سے اب اس گل کا نظیر آہ
رشک چمن و حسرتِ گلزار ہے پنکھا

(۸۵)

گورا برتن

گرہ بند

گورے برتن ہیں کیاری گلشن کی | جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی

۱؎ توقع۔ امید ۲؎ پنکھے کی ۱۲ شہباز

بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی
کیا وہ پیاری صدا ہے ٹن ٹن کی

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آپ اب بڑی ہے ذات
کورے برتن میں جب کہ آیا ہات
قطرہ قطرہ ہے جس کا آبِ حیات
پھر تو آبِ حیات بھی ہے مات

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی گوری گولی[۱] ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے
دہی آنے کے مول گولی ہے
کیا کہوں[۲] گولی گولی گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو کولی کی بولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی ٹھٹھولیاں باندھیں
ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
دل نے بھولوں کی جھولیاں باندھیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا
لے گیا جان پانوؤں کا کھٹکا
اُس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا
دل گھڑے کی طرح سے دے ٹپکا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیا یہ دیکھ کر لوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا
دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا[۳]
جس نے دیکھا اُسی کا دل لوٹا

۱؎ گولی ایک خاص قسم کا مٹکا جو دور میں کم، بلندی میں زیادہ۔ گولی چھوٹا گول (گول کی تصغیر) ۱۲

۲؎ کیا کہوں۔ اگرچہ میں نے لینے کو تو لے لی ہے مگر اُس کی حقیقت اور پوری صفت بیان کرنی مشکل ہے۔ ایک معنی تو یہ ہوئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک گولی (گولی گولی) ٹھنڈی دوا کی گولی ہے تیسرے معنی یہ - کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ صاف تو بات ہے کہ گولی بے گولی ہے ایک نہیں ہزار بار گولی ہے ۱۲

۳؎ دل کھرا کھوٹا ہونے لگا یعنی دل میں خیالات فاسد پیدا ہونے لگے ۱۲ شہانہ

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں
کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجّر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے
جس کی جاگیر ملکِ جھجّر ہے
تاش کمخواب یا مشجّر ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے
موتی کی آب پانی پانی ہے
دوستو یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں
جب کہ لا پھول پان دھرتے ہیں
اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ اُن کو گڑھتے ہیں
کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں
بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پر جو نظیر جوبن ہے
جس گھڑونچی پر کورا باسن ہے
جو جر شے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
وہ گھڑونچی نہیں گلے شن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

(۸۶)

آگرے کی ککڑی

گرہ بند

پہونچے نہ اُس کو ہرگز کابل ہرے کی ککڑی
نے چین کے پرے کی اور نے دَرے کی ککڑی
نے پورب اور پچھم خوبی بھرے کی ککڑی
نے دکھن اور نہ ہرگز اس پرے کی ککڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں
گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زردی مائل کوئی ہری بھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو جوڑی وہ ہیر کی ہری ہے
پکھراج منفعل ہے پتے کو تھرتھری ہے
سیدھی ہے سو وہ یار و رانجھا کی بانسری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

ے ا جو جرا استعمل برتن ٹوٹا ہوا برتن میر کا شعر ہے سہ وہ دن کہاں کہ مست انداز خم میں بھتے ہے سب اب تو جو جرا ہے شکستہ سبو کی طرح ۱۲
ے ۲ کابل درہ یعنی درۂ کابل ۱۲
ے ۳ تکلی۔ ریشم کی ریل۔ لکڑی جس پر ریشم چڑھاتے ہیں ۱۲
ے ۵ ہیر رانجھا پنجاب کی لیلے مجنوں ہیں ۱۲ شہباز

اور جس میں خاص کافراسکندرے کی ککڑی

میٹھی ہے جس کو برفی کہیئے گلابی کہیئے
مِل شکریوں کی بھانجیں اب یا امرتی کہیئے
یا حلقے دیکھ اُس کو تازی جلیبی کہیئے
سچ پوچھیئے تو اس کو دندان مصری کہیئے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافراسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگ گل ہے کھانے میں کرکری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے
گرمی کے مارنے کو ایک تیر کی سری ہے
ککڑی نہ کہیئے اسکو ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافراسکندرے کی ککڑی

بیل اُسکی ایسی نازک جوں زلف پیچ کھائی
دیکھو اُسکی ایسی نرمی باریکی اور گلائی
بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافراسکندرے کی ککڑی

لیتے ہیں مول اسکو گُل کی طرح سے کھل کے
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے
معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دونوں مل کے
معشوق ہیں لگاتے ماتھے پہ اپنے چھلکے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافراسکندرے کی ککڑی

مشہور جیسے ہرجا یاں کی جبالیاں[1] ہیں
میٹھی ہیں سو تو گویا شکر کی بھتالیاں ہیں
ویسی ہی ککڑی نے بھی دھومیں ڈالیاں ہیں
کڑوی ہیں سو بھی گویا خوباں کی گالیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافراسکندرے کی ککڑی

[1] جبالی: ایک خاص قسم کا خربوزہ جس کا گودا سرخ ہوتا ہے۔ آگرے کے خربزے بہت عمدہ ہوتے ہیں خصوصاً وہ جن کا گودا سبز ہوتا ہے مصری کی کرکراہٹ اور مصری ہی کا مزہ ۱۲ شہباز

جو ایک بار یارو اس جا کی کھائے ککڑی
پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی

دل تو نظیر عش ہے یعنی منگائے ککڑی
ککڑی ہے یا قیامت کیا کہیے ہائے ککڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

(۸۷)

تربوز

کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز
کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز

دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز
جس طرف دیکھیے بہتر سے ہی بہتر تربوز

اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

کتنے ہیں کھاتے نزاکت سے تراش[1] ڈش میں دھر
تا کہ سینہ ہو خنک سردی سے ٹھنڈا ہو جگر

کتنے شربت ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر
کتنے بیجوں کو کھٹکتے ہیں خوشی ہو ہو کر

کتنے کھاتے ہیں کفایت سے منگا کر تربوز

میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لیے
ہونٹھ چپکے ہیں جدا دانت ہیں کر کر بجتے

شب کو دو چار منگا کر جو تراشے ہیں نے
کیا کہوں میں وہ مٹھائی میں کہ کیسے نکلے

کوئی اولا کوئی مصری کوئی شکر تربوز

مجھ سے کل یار نے منگوایا جو دے کر پیسا
اس میں ٹانکی جو لگائی تو وہ کچا نکلا

دیکھ تیوری کو چڑھا ہو کے غضب طیش میں آ
کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا

کیوں یہ لایا ہے اٹھا کر یہ سراسر تربوز

جب کہا میں نے میاں یہ تو نہیں ہے کچا
اور کچا ہے تو میں پیٹ میں بیٹھا تو نہ تھا

اس کے سنتے ہی غضب ہو کے وہ لال انگارا
لاٹھی پائی جو نہ پائی تو پھر آخر جھنجھلا

[1] اُوس (یعنی) شبنم میں رکھ کر ۱۲ اشتہبانہ

کھینچ مارا مرے سینے پہ اُٹھا کر تربوز

کیوں میاں ہم کو جو تم کرتے ہو گگرڈی کھیرا ۔ گو سنا ہر گھڑی ہر آن کا ہوتا ہے بُرا
تم کو کیا پڑ گیا ملنے کا رقیبوں سے مزا ۔ جھوٹی قسمیں یہ مرے سر کی جو کھاتے ہو بھلا
کیا مرے سر کو کیا تم نے مقرر تربوز

پیار سے جب ہے وہ تربوز کبھی منگواتا ۔ چھلکا اُس کا مجھے ٹوپی کی طرح دے ہی پنھا
اور یہ کہتا ہے کہ پھینکا تو چکھاؤں گا مزا ۔ کیا کہوں یارو میں اُس شوخ کے ڈر کا مارا
دو دو دن رکھے ہوئے پھرتا ہوں سر پر تربوز

ایک بیدرد ستمگر ہے وہ کافر خونخوار ۔ قتل کرتا ہے عزیزوں کے تئیں لیل و نہار
کل مرا اُس کی گلی میں جو ہوا آکے گذار ۔ اس طرح سر کا شہیدوں کے پڑا تھا انبار
جیسے بازار میں تربوز کے اوپر تربوز

تھی جنھیں آگے ترے قند سے ہونٹوں پہ نگاہ ۔ آرزو ہی میں وہ سب مر کے ہوئے خاک سیاہ
اُن شہیدوں کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے واللہ ۔ بوسے لینے کی تمنا میں نہ خاک سیاہ
وہی حسرت زدہ اب نکلے ہیں بنکر تربوز

رات اُس شوخ سے میں نے یہ پہیلی میں کہا ۔ بھیگی بکری کسے کہتے ہیں بتاؤ تو بھلا
اس پہیلی کے تئیں سن کے پڑے سوچ میں آ ۔ جب نہ سمجھا تو کہا ہار کے اب تو ہی بتا
سن کے جب میں نے کہا اے مرے دلبر تربوز

اب تو اُس شوخ کا تربوز ہی لوٹے ہے مزا ۔ وہ تو ٹھنڈا ہے دلے میرا جگر ہے ٹھنڈا
رونا کس طور نظیر اب نہ تجھے آوے بھلا ۔ بھانک بیجوں کی بھری لے ہی وہ جب منھ سے لگا
تب لپٹ جاتا ہے کیا پیار سے ہنس کر تربوز

لہ اس سے پیشتر کے بعض بند چھوٹ ہوئے ہیں ۱۲
؎ گگرڈی کھیرا سمجھنا - بیقدر جاننا ۱۲ آسی

(۸۸)

مکھیاں

یارو میں چپ رہوں بھلا تا کے
چلے آتے ہیں غول پے درپے

مکھیاں تو بہت ہوئیں درپے
شور ہے غل ہے بھنبھناہٹ ہے

کوئی تھوکے کوئی کرے ہے قے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

پہلے مذکور کیا ہے کھانے کا
کوئی پینے کا اور نہ کھانے کا

کھا کے پھر ذکر کیا پچانے کا
یہ بڑا حال ہے زمانے کا

سخت مشکل بڑی خرابی ہے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دو چنوں سے جو منھ چلاتا ہے
دال روٹی پہ قہر آتا ہے

اُس میں سو مکھیاں وہ کھاتا ہے
اور جو میٹھی چیز کھاتا ہے

اُس نے اللہ جانے کھائیں کے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کپڑے اُجلے ہیں یا کہ میلے ہیں
سر سے تا پا سڑے کچیلے ہیں

سب یہ گو مکھیوں کے پھیلے ہیں
آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے[1] ہیں

لد گئے تار تار سب رگ و پے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دلبروں کی یہ شامت آئی ہے
ٹھوڑی بھوں آنکھ سب سُجائی ہے

آنکھ مکھی نے کاٹ کھائی ہے
حسن کی بھی یہ بدنمائی ہے

[1] بھیلا۔ گڑ کی بڑی بھیلی جو وزن میں پانچ چھ سیر سے زیادہ ہو۔ گرد کی جٹان بالفتح پراتا تلفظ ہے اور غیر فصیح ۱۲ شہباز

رہ گئی رنگ روپ کی سب ریلے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

رنڈیاں کسبی اب جو گاتی ہیں
دم بہ دم تھو کنے کو جاتی ہیں
مکھیاں منھ میں بیٹھ جاتی ہیں
کھانس کھنکھار سر ہلاتی ہیں

تو بھی بندھتی نہیں ہو انکی لے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

طبلے والے تو کچھ اُڑاتے ہیں
ڈھول والے بھی کچھ ہلاتے ہیں
تال والے بھی کھٹکھٹاتے ہیں
اُن کی کم بختی جو بجاتے ہیں

بھونیو نرسنگا اور تری قرنے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(حاشیہ: زور نے)

کپڑا جن کا پھٹا پُرانا ہے
پائجامہ تمام چھانا ہے
وہ تو کل مکھیوں تے سانا ہے
باقی اندر کا بیٹھ جانا ہے

وہ بھی منزل وہ اب کریں گی طے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دودھ میں مکھیاں ہی دابی ہیں
پانی میں تو یہ مُرغ آبی ہیں
کھانے میں مکھیاں ہی جابی ہیں
الغرض جو بڑے شرابی ہیں

وہ بھی سب اوکتے ہیں پیکر مے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کوئی اوکے ہے روٹیاں کھا کر
کوئی کھانسے ہے خالی اُبکا کر
کوئی ڈالے ہے پانی متلا کر
حد تو یہ ہے کہ سخت گھبرا کر

+++ میں بھی کرے ہی +++ قے

(حاشیہ: لہ ۔ تر ۔ رونق بہار ۔ کیفیت ۔ سے اد کنا ۔ قے کرنا ۔ شہباز)

اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

ہے نظیر اب تو شان میں مکھی — گھر کے ہر اک مکان میں مکھی
شہر کی ہر دکان میں مکھی — بھر گئی سب جہان میں مکھی
کوئی خالی نہیں غرض اب شے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۸۹)

آندھی

نہ ہو کیونکر جہاں یار وزیر اور زبر آندھی میں — کہ ہو کر باؤلے پھرتے ہیں بن کے تیر آندھی میں
لگا لیتے جو کل دامن ہوا کا گھیر آندھی میں — بگولے اٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے آہو گئی مٹ بھیر آندھی میں

کہا میں نے اجی کچھ خیر ہے جاتے ہو تم کیدھر — ہوا پر بھی تمہیں کچھ ہے نظر اے نازنیں دلبر
چلو بھاگو شتابی ورنہ آندھی آگئی سر پر — جتا کر خاک کا اوڑنا دکھا کر گرد کا چکر
وہیں ہم لے چلے اس گلبدن کو گھیر آندھی میں

یہ سنتے ہی پھری ڈر کر وہ چنچل نازنیں گھر کو — چلی اس حال سے اس دم کہ میرا جی گیا غش ہو
کہ اس میں آکے اک جھونکا اندھیرا کر گیا یارو — رقیبوں نے جو نہ دیکھا یہ اڑا کر لے چلا اس کو
پکارے ہائے یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں

یہ کہکر کھڑ کھڑا ئے پیچ و سپر اور مل کے سب دوڑے — پکارے لے چلو جانے نہ پاوے اسکو جلدی سے
کہاں کا وہ بھلا اور کس کا لینا ہم جدھر بھاگے — وہ دوڑے تو بہت لیکن انھیں آندھی میں کیا سوجھے
زبس ہم اس پری کو لائے گھر میں گھیر آندھی میں

چلے اس میں ہوا کے پھر تو آکر اور سناٹے — اندھیرا ہو گیا یکسر منوں خاکیں لگیں اڑنے

ك شان شہد کی مکھیوں کے چھتے کو کہتے ہیں ۱۲
ت یعنی کل کے روز جب ہوا کا دامن آندھی کے سبب اس قدر وسیع ہوا کہ ہم اس میں گھر گئے اور نکلنا دشوار ہوا یعنی آندھی عالمگیر ہو گئی اور ہم آندھی میں بالکل غرق گئے ۱۲۔ شہباز

انھیں جھوکوں میں ہم نے اس پری چنچل کو جلدی سے
چڑھا کوٹھے پہ دروازے کو موند اور کھول کر پردے
لگا چھاتی سے لئے بوسے کیا ہت پھیر آندھی میں

ادھر تو آکے آندھی سے اندھیرا ہو گیا ہر سو
خبر کس کو کسی کی میں کہاں ہوں اور کہاں ہے تو
اہا ہا ہا عجب عشرت کی اس دم ہو گئی اک جو
وہ کوٹھے کا مکاں ٭ وہ کالی آندھی وہ صنم گلرو
عجب رنگوں کی ٹھہری آکے ہیرا پھیر آندھی میں

اسی آندھی نے گلشن کر دیا یارو مرے گھر کو
بچھایا شاد ہو میں نے پلنگ پر جھاڑ بستر کو
صراحی کی خبر لی اور سنبھالا جا کے ساغر کو
اٹھا کر طاق سے شیشہ لگا چھاتی سے دلبر کو
نشوں میں عیش کے کیا کیا گیا دل سیر آندھی میں

چمن سا کھل گیا یارو مرے کوٹھے کے زینے پر
ہوئی پنکھوں کی مارا مار گرمی کے پسینے پر
لگے پھر عیش و عشرت جب تو ہونے اس قرینے پر
کبھی بوسہ کبھی انگیا پہ ہاتھ اور گاہ سینے پر
لگے لٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں

یہ ٹھہرا جب تو پھر واں عیش کے بادل لگے گھرنے
جو ڈوبی حسرتیں تھیں دل میں سب اس دم لگیں ترنے
پلٹ کی ٹھہری اور بھی ہاتھ سینے پر لگے پھرنے
مزے عیش و طرب لذت لگے یوں ٹوٹ کر گرنے
کہ جیسے ٹوٹ کر میووں کے ہوویں ڈھیر آندھی میں

اس آندھی میں اہا ہا ہا عجب ہم نے مزے مارے
فلک پر عیش و عشرت کے دکھائی دے گئے تارے
رقیبوں کی میں اب خواری خرابی کیا لکھوں بارے
تلے کوٹھے کے بیٹھے اٹ گئے سب گرد کے مارے
بھری نتھنوں میں ان کے خاک دس دس سیر آندھی میں

کسی نے بھاگ کر جلدی سے جا گھر کا لیا آنگن
گرا کوئی گڑھے میں اور کوئی بھاگا کہیں دشمن
کسی کے چھن گئے کپڑے اچکوں کی گئی ناں بن
کسی کی اڑ گئی پگڑی کسی کا پھٹ گیا دامن
گئی ڈھال اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

یہ دن آندھی کے یارو یوں تو سب کے ہوش کھوتے ہیں
جنھیں ہے عیش وہ آندھی میں موتی سے پروتے ہیں

مزا ہی جن کو ہنستے ہیں جنھیں غم ہی سو روتے ہیں
نظیرؔ آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں ہم کو تو سے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

(۹۰)

عاشقوں کی بھنگ[1]

دنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا
برباد ہوئے لشکر فوجوں کا تھکا ڈنکا
عاشق تو یہ سمجھے ہیں اب دل میں بنا ڈنکا
جو بھنگ پیئیں اُن کا بجتا ہے سدا ڈنکا
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

الفت کے زمرّد کے یہ کھیت کی بوٹی ہے
پتّوں کی چمک اُس کے کمخواب کی بوٹی ہے
منھ جس کے لگی اُس سے پھر کا ہے کو چھوٹی ہے
یہ تان ٹکورے[2] کی اس بات یہ ٹوٹی ہے
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

ہر آن کھڑا کے سے اس ڈھب کا لگا رگڑا
جو سُن کے کھڑک اس کی ہو بند سبھی دگڑا[3]
چکان[4] چڑھا گھر اور باندھ ہرا پگڑا[5]
کیا سیر کی ٹھہرے گی ٹک چھوڑ کے یہ جھگڑا
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

اک پیالے کی پیتے ہی ہو جاوے گا متوالا
آنکھوں میں تری آ کر کھل جائے گا گل لالا
کیا کیا نظر آوے گی ہریالی[6] و ہریالا
آمان کہا میرا اے شوخ نئے لالا
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

---

[1] اس نظم میں آزادوں کی زبان میں عشق حقیقی کا بیان ہے ۱۲
[2] ٹکورا ذہب کی آواز ۱۲
[3] دگڑا ـ بڑی راہ ـ بڑی سڑک ـ شاہ راہ ـ شارع عام ۱۲
[4] چکان گاڑھی گھٹی ہوئی بھنگ چھان چھان رے چکان ـ سو جھے بار (دروازہ) نہ کھان (مکان) (دھینگڑوں کا مشہور فقرہ) ۱۲
[5] بڑی پگڑی آزادوں کا لہجہ ہے ۱۲
[6] سبزی دُوب ۱۲ ہریالا سبزہ ـ ہرا ـ وہ مقام جہاں ہری گھانس لہلہاتی ہو ـ ایک چڑیا کا نام ۱۲ شہباز

ہیں مست وہی پورے جو کونڈی کے اندر رہیں
بیٹھے ہیں صنم بت ہو اور جھومتے مست رہیں
دل اُن کے بڑے دریا جی اُن کے سمندر رہیں
کہتے ہیں یہی ہنس ہنس عاشق جو قلندر رہیں

کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

سب چھوڑ نشہ پیارے پیوے تو اگر سبزی
ہر باغ میں ہر جا میں آجاوے نظر سبزی
گر جاوے وہیں تیری خاطر میں اثر سبزی
تیری بھی نظیر اب تو سبزی میں ہو سر سبزی

کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(۹۱)

عاشقوں کی بنگ

کیوں عبث بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال بنیلے کا پھلیل[۲]
خلق میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
پھر چڑھاوے آسمان عیش پر عشرت کی بیل

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بنگ پی اور ڈنڈ پیل

صدق سے لے نام پہلے لعل اور شہباز[۳] کا
اور نشے کی جھانجھ[۴] میں جو ہاتھ لگ جاوے سو کھا
ہانگ پھر چڑھنے کو گھوڑا بازہا ھا اوپر اٹھا
بھنگیا[۵]ں در باغ رفتہ بیر گٹھلی سب روا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

جس نے اس دنیا میں آکر ایک دن بھی پی نہ بھنگ
گر تجھے کچھ دیکھتے ہیں زندگی کے رنگ ڈھنگ
اُس نے سچ پوچھو تو کیا دیکھا جہاں کا آب و رنگ
تو منگا سبزی کو اور سب دوستوں کو لے کے سنگ

[۱] رنگ کسم کو کپڑے میں رکھ کر پانی کے ذریعہ سے رنگ چوانے کو رینی کہتے ہیں مگر یہاں سبزی کی رینی مراد ہے ۱۲
[۲] پھلیل خوشبودار تیل جسے کسی چیز کے پھولوں میں بسا کر خوشبودار کیا ہو ۱۲ آسی
[۳] سبزی رگڑنے پینے سے پیشتر لعل اور شہباز کا نام لے لیتے ہیں جو انکے عقیدے میں دو بڑے بزرگ گذرے ہیں یہ مضمون غیاث اللغات سے مستفاد ہوتا ہے ۱۲
[۴] جھانجھ، تیزی ترنگ ۱۲
[۵] بھنگی۔ بنگ نوش یہ مصرعہ بطور ضرب المثل مستعمل ہے ۱۲ شہباز

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

کل مجھے دریا پر خواجہ خضر جو مل گئے
کم خوراک اور ناتوانی کے گلے میں جب گئے
سبز پیراہن گلے میں ہاتھ میں اعصا[1] لئے
تب تو وہ منھ دیکھ میرا ہنس کے یوں کہنے لگے

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

پھر کہا میں اُن سے یوں ای میرے ہادی رہ نما
جی بھی رہتا ہے اُداس اور دل بھی رہتا ہے خفا
میں نے کچھ دیکھا نہیں دنیا میں آنے کا مزا
سوچ سوچ آخر انھوں نے پھر یہی مجھ سے کہا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد و مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن
سن کے بولے وہ بتا دیں ہم تجھے اسکا جتن
میری کچھ لگتی نہیں اللہ سے دل کی لگن
جا شتاب اور جلد سبزی لے کے اک دو چار من

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

زر ہے تیرے پاس تو سبزی کا تو بیوپار کر
ٹاٹ کے بورے سلا کھتے کھدا کوئیں بھی بھر
کوٹھیاں مٹکے گھڑے کوزے صراحی بھر کے دھر
بیٹھ گھر میں چین سے دن رات اور شام و سحر

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اور تجھے کھیتی کی قدرت ہے تو سبزی کو بُوا
گھونٹ سبزی چھان سبزی اور سبزی میں نہا
باغ میں گھر میں صحن میں پیڑ سبزی کے لگا
دیکھ بھی سبزی کو اور سبزی ہی پی سبزی ہی کھا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل

[1] اعصا عصا کا مزید علیہ جیسے شتر سے اشتر ۱۲
[2] خوراک میں واو کو دبنا اگر نہ جانا متقدمین ایسا سمجھ جاتے تھے اب کہ زبان ترقی کر چکی ہے ایسا نہ چاہیئے
[3] آتی ہے بند ۸ کو خضر کا قول بھی سمجھ سکتے ہیں اور نظیر کا بھی ۱۲
[4] شہبانہ
[5] صحن بفتح اول و سکون دوم درست ہے ۱۲ آسی

چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

یہ سخن تو سب نشے بازوں میں اب ہے گا مچا
جو کوئی سلطان بھنگڑ سے تو پوچھے گا بچا
یعنی سبزی کا نشہ اب سب نشوں کا ہے چچا
وہ یہی تجکو کہے گا خوب شور و غل مچا

گونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

یہ وہ سبزی ہے جسے پیتے ہیں یاں آکر فقیر
گر تو چاہے اب سخن سرسبز ہو اور دل پذیر
طفل اور بوڑھے کو یا قوتی[1] جواں کے حق میں کھیر
تو کوئی دو چار من سبزی منگا کر اے نظیر

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

(۹۲)

عاشقوں کی سبزی

جتنے ہیں اس جہاں میں سبزی کے عشق والے
پیتے ہیں سبز ٹرے کھاتے ہیں تر نوالے
دل شاد سرخ آنکھیں سرسبز منھ اُجالے[2]
کیا دیکھتا ہے بیٹھا او یار حسن والے

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیر اگھر گھوے چھبر[3] ہا لے

غیروں کی تو نے اکثر معجون تو ہے کھائی
گر دیکھنی ہے تجھکو کچھ عیش کی چڑھائی
سرخی ذرا ابھی تیری آنکھوں تلک نہ آئی
اُچھلیں دوالن پا کھے اور بچھا ندیں چارپائی

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھوے چھبر ہا لے

گھوٹے ہے پوست[4] تیری خاطر رقیب جھڑ دا[5]
اب پوستی کرے گا تجھکو وہ چور بھڑ دا

---

[1] یاقوتی ایک مرکب دوا جو مفرح اور مقوی قلب ہوتی ہے
[2] آسی کے منھ اجالے نشے سے چہرے پر دمک آجاتی ہے اسی کی طرف اشارہ ہے
[3] شہباز کے بہت
[4] افیم کا پوستی افیمی
[5] جھڑ دا یعنے صاف کرکے شہبا...

سلہ کھڑوا ایک زیور جو کلائی پر پہنا جاتا ہے ۱۲ سلہ گڑوا ایک قسم کا پانی رکھنے کا گھڑا۔ ایک قسم کا گلدان جو گویے اور کنچنیاں بسنت پنچمی کی تقریب میں امیر ہندوؤں کے یہاں پیش کرتی ہیں اور کچھ بطور انعام و بخشش پاتی ہیں ۱۲ سلہ بھنبھنا۔ ناک سے بولنے والا۔ غنغنا کر بولنے والا۔ وہ شخص جس کی آواز میں غنغناہٹ ہو۔ وہ شخص جس کی آواز کو غنہ لازم ہو ۱۲ سلہ جھنجھنا بالفتح جڑجڑا نرد و دریج بالضم ایک کھلونے کا نام جس سے آواز جھن جھن کی آتی ہے ۱۲ سلہ سیندھی کھجور کی تاڑی ۱۲ سلہ بوزہ ایک قسم کی جو اور چانول وغیرہ کی شراب جسے انگریزی میں بیر کہتے ہیں ۱۲ سلہ ہرا فوج یا کسی جماعت کا منتشر ہو جانا۔ تتر بتر ہو جانا کل قیدیوں کا محبس سے آزاد ہو جانا شعور ہرا ہو گا یعنی تتر بتر ہو جائیگا منتشر ہو جائیگا کافور ہو جائیگا باقی نہ رہیگا ۱۲ سلہ دھڑاکے دھڑا میں اصل میں دھڑا کا زور کی آواز کو کہتے ہیں جو دھڑ سے کان میں آوے جیسے بندوق کی آواز توپ کی آواز بم گولے کی آواز اور چونکہ دھوم کی تقریبات میں اس قسم کی آوازیں اکثر سنائی دیتی ہیں لہذا دھڑاکے کے معنی دھوم کے ہو گئے۔ دھوم کے ساتھ جب بولتے ہیں تو دھڑکا بسقوط الف و تشدید کاف کہتے ہیں ۱۲ سلہ جھڑاکا۔ بوچھار۔ سخت جھڑی۔ زور کی جھڑی ۱۲ سلہ جھڑجھڑانا۔ زور سے جنبش دینی۔ زور سے جھاڑنا۔ کان پھٹپھٹانا ۱۲ شہباز۔

دیکھے گا جب توے گا تیرا اُتار کھڑوا
اگر سیر دیکھنی ہے تو کر کے دل کو کڑوا

پی عاشقوں میں آ کر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

کھا کر افیم ظالم مست ہو جیو افیمی
کیوں بھنبھنا بنا ہے اے گُل عذار سیمی
تن سوکھ کر کھجاوے آواز ہو گی دھیمی
عاشق تو آپ ہی کے من مست ہیں قدیمی

کیوں جھنجھنا بنے ہے اے گلعذار سیمی ؟

پی عاشقوں میں آ کر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

تاڑی و سیندھی بوزہ ظالم اگر پیے گا
پی کر شراب ناحق کیچڑ میں گر پڑے گا
پھولے گا پیٹ تیرا یا پیٹھ سے قے کرے گا
اور یہ نشہ تو کوٹھے پیچھے پہ سے اُڑے گا

پی عاشقوں میں آ کر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

گانجا پیے سے ہو گا تیرا شعور ہرّا
چاہے اگر اُڑانا عشرت کا باز جرّا
اور چرس کے پیے سے تجکو لگے گا گھرّا
تو ہن ہار بڑھی اور سر پہ رکھ کے طرّا

پی عاشقوں میں آ کر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑاکے
گر دیکھنے ہیں تجکو کچھ عیش کے جھڑاکے
کونڈی کی ڈگمگاہٹ سونٹے کے سو کھڑاکے
تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑجھڑا کے

پی عاشقوں میں آ کر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

سبزی کا وہ نشہ ہے اُڑ غم کی دھول جاوے
آنکھوں کے آگے آ کر سرسوں سی پھول جاوے
تیار تن بدن ہو اور دل کبھی بھول جاوے
عشرت کی لہریں آویں دکھ درد بھول جاوے

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپّر ہالے

پیسا ہو پاس یار و یا مفلسی سہیں گے
گوندی کے اُس طرف کو یا اس طرف ہیں گے
پر سبزیوں کے یاں تو دریا وہی بہیں گے
اب تو نظیر پیارے ہر دم یہی کہیں گے

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپّر ہالے

(۹۳)

مستی عشق

ہیں عاشق اور معشوق جہاں وہاں شاہ وزیری ہے بابا
دن رات بہاریں چہلیں ہیں اور عیش صغیری ہے بابا
نہ رونا ہے نہ دھونا ہے نہ درد اسیری ہے بابا
جو عاشق ہوئے سو جانے ہیں یہ بھید فقیری ہے بابا

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

سب چاہ فقط اک دلبر کی پھر اور کسی کی چاہ نہیں
یاں جتنا رنج و تردّد[1] ہے ہم ایک سے بھی آگاہ نہیں
اک راہ اسی سے رکھتے ہیں پھر اور کسی سے راہ نہیں
کچھ مرنے کا سندیہ[1] نہیں کچھ جینے کی پرواہ نہیں

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

کچھ ظلم نہیں کچھ زور نہیں کچھ داد نہیں فریاد نہیں
شاگرد نہیں استاد نہیں ویران نہیں آباد نہیں
کچھ قید نہیں کچھ بند نہیں کچھ جبر نہیں آزاد نہیں
ہیں جتنی باتیں دنیا کی سب بھول گئے کچھ یاد نہیں

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

[1] سندیہ - خوف ڈر - تردد دھکدھکا ۱۲ مستہبانہ

جس سمت نظر بھر دیکھے ہیں اُس دلبر کی پھلواری ہے
دن رات مگن خوش بیٹھے ہیں اور آس اُسی کی بھاری ہے
کہیں سبزی کی ہریالی ہے کہیں پھولوں کی گلکاری ہے
سب آپ ہی وہ داتاری ہے اور آپ ہی وہ بھنڈاری ہے

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

نت عشرت ہے نت فرحت ہے نت راحت ہے نت شادی ہے
جب اُمڈا دریا اُلفت کا ہر چار طرف آبادی ہے
نت مہر و کرم ہے دلبر کا نت خوبی خوب مرادی ہے
ہر رات نئی اک شادی ہے ہر روز مبارکبادی ہے

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہے تن تو گل کے رنگ بنا اور منھ پر ہر دم لالی ہے
ہونٹوں میں اگ تماشے کا اور گت پر بجتی تالی ہے
جز عیش و طرب کچھ اور نہیں جس دن سے سُرت سنبھالی ہے
ہر روز بسنت اور ہولی ہے اور ہر اک رات دوالی ہے

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہم چاکر جس کے حسن کے ہیں وہ دلبر سب سے اعلا ہے
دل اپنا بھولا بھالا ہے اور عشق بڑا متوالا ہے
اُس نے ہی ہم کو جی بخشا اُس نے ہی ہم کو پالا ہے
کیا کہیے اور نظیر آگے اب کون سمجھنے والا ہے

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ا؎ داتا و داتار و داتاری
داتا یہ تینوں ایک
معنی رکھتے ہیں
دینے والا معطی
رزاق۔ جواد۔
کریم ۱۲ ؎۲
بھنڈاری خزانچی
میر سامان ۱۲
؎۳ سرت ہوش ۱۲
شہباز

اخلاقیات

مذمّتِ دُنیا

(۹۴)

اے دل[1] نہ رہ تو عالمِ ہستی میں بے خبر
اوقاتِ زیست لہو و لعب میں نہ کر بسر
غفلت میں اپنی عمر نہ کھو شام اور سحر
دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر
الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر

دل کے فریب دینے کو کر مہر و التفات
بدلے ہے رنگ و روپ ہزاروں ہی دن اور رات
ناز و ادا میں رکھتی ہے کیا کیا تنوعات
آج اس پہ تھی کمیں تو لگائی کل اس پہ گھات
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر

وہ نازو حسن رکھتی ہے اے دل یہ پیر زال
پہلے نشاط و عیش و طرب پھر غم و وبال
جو اک نگہ میں ڈالے ہے گردن میں لاکھ جال
ہوتا ہے آخر اُس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر

جاتی ہے مثلِ گل چمنِ ناز میں جو کھل
عیارگی و عشوہ گری کر کے متصل
بلبل منش سے اپنے وہیں بیٹھی ہو گی مل
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے پُر فریبِ دل
حیراں ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر

[1] اس نظم کی بندش میں فارسیت ہے اور عبارت میں رزانت۔ طرزِ ادا میں متانت شاعرانہ سنجیدگی اور نکتہ سنجانہ سخن سنجی شروع سے اخیر تک قائم ہے۔ شہباز

جس دل کو اس نگار کی آئی ادا پسند
رکھتی ہے اپنے دوش پہ ہر دم نئی کمند
اک دم وہ شاد ہو گے رہا پھر الم میں بند
لینے کو نقد عمر کے شیریں ہے مثل قند
جب سے چکھے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر

تو اس نگار عہد شکن سے لگا نہ دل
زنہار اس کے بیٹھیو جا کر نہ متّصل
حاصل نہیں کچھ اس سے بجز رنج جاں گسل
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دستِ تاسّف بہ یک دگر

آگے بھی میں نے تجھکو جتایا ہے کتنی بار
ہیں کید و مکر عذر اسے یاد بے شمار
یعنی تو اُس کا کیجیو ہرگز نہ اعتبار
تو بھی جو اُس کے پاس لگاوے گا دل تو یار
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر

اک دن بھی تو کرے گا جو اس بے وفا کی چاہ
ہرگز کسی کے ساتھ یہ کرتی نہیں نباہ
برسوں تلک کرے گی یہ پرفن تجھے تباہ
میں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ
لیکن کروں میں کیا تجھے درپیش ہے سفر

جو گل کہ رنگ و بوئے وفا کے نہ ہو قریں
اٹکے اگر تو یاں تو مناسب تجھے نہیں
دل اُس سے باندھنے میں اذیت ہی بالیقیں
تو اس مثل کو سوچ ذرا گر سفر گزیں[ئ]
کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر

کرتا ہے فکر دل میں کہ منزل کو جا کے لے
ٹھہرے ذرا تو وہ ہیں دم لے کے اُٹھ چلے
تو جلد رہ روی کے غم و رنج سے چھٹے
گر درمیان رہ کوئی مل جاوے باغ اُسے
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر

اس گلستاں کو گر وہ اقامت کا دیوے خط
جاتا ہی کر کے ایک نگہ سرسری فقط
دو دن میں پھر تو وہ رہِ منزل کرے غلط
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط
سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گذر

[ئ] سفر گزیں - مسافر ۱۲

جاتا ہو عزم کرکے مسافر کے تئیں جہاں
اٹکے کہیں تو پہونچے وہ پھر کس طرح سے ہاں
توبھی جو اپنا فائدہ چاہے تو مہرباں
اس حرف کو نظیرؔ نے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۹۵)

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

مکافات عمل[ا]

ہے دنیا جس کا ناؤں میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
گر مست کرے تو مستی ہے اور پست کرے تو پستی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے تو اُس کو بھی ارمان ملے
جو پان کھلاوے پان ملے جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے
جو جیسا جسکے ساتھ کرے پھر ویسا اُسکو آن ملے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جاں بخشے تو حق اُسکی بھی جاں رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے تو اُسکی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے یہ دل میں اپنے جان رکھے
یہ ترت پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو پار اُتارے اوروں کو اُسکی بھی ناؤ اترتی ہے
جو غرق کرے پھر اُسکو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے

ا؎ اس نظم کا عنوان متداول نسخوں میں دنیا کی نیکی بدی ہے لیکن اس سے پوری طرح نظم کا مقصد ادا نہیں ہوتا۔ اگر اسی عنوان کے لفظوں کو قائم رکھا جائے تو مقصد نظم اس عبارت میں ادا کیا جا سکتا ہے "دنیا کی نیکی بدی دنیا ہی میں آگے آتی ہے"۔ یعنے دنیا دار المکافات ہے ہوشیار نہ

شمشیر تبر بندوق سناں اور نشتر تیر نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کا اونچا بول کرے تو اُس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اُس کو بھی کوئی اوپٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اُس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو مصری اور کے منہ میں دے پھر وہ بھی شکر کھاتا ہے
جو اور کے تئیں اب ٹکر دے پھر وہ بھی ٹکر کھاتا ہے
جو اور کو ڈالے چکر میں پھر وہ بھی چکر کھاتا ہے
جو اور کو ٹھوکر مار چلے پھر وہ بھی ٹھوکر کھاتا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کو ناحق میں یہ جھوٹی بات لگاتا ہے
اور کوئی غریب بچارا ہے حق ناحق میں لٹ جاتا ہے
وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاٹھی پاٹھی کھاتا ہے
وہ جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کی پگڑی لے بھاگے اُس کا بھی اور اُچکا ہے
جو اور پہ چوکی بٹھلا دے اُس پر بھی دھونس دھڑکا ہے
یاں پشتی میں تو پشتی ہے اور دھکے میں یاں دھکا ہے
کیا زور مزے کا جھمگھٹ ہے کیا زور یہ بھیڑ بھڑکا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہے کھٹکا اُسکے ساتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے ٹپکے کے بیچ جو ہے ٹپکا
کیا کہیے اور نظیر آگے ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اُس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

(۹۶)

دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے

یہ پیٹھ عجب ہے دنیا کی اور کیا کیا جنس اکٹھی ہے
کچھ پکتا ہے کچھ بھنتا ہے پکوان مٹھائی پٹی[۱] ہے
یاں مال کسی کا میٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ چولھا بھاڑ نہ بھٹی ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی تاج خریدے ہنس ہنس کر کوئی تخت کھڑا بنواتا ہے
کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی ناتی پوت کہاتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی گدڑی اوڑھے جاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ رشتا ہے نہ ناتا ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی سیٹھ مہاجن لاکھ پتی بزاز کوئی پنساری ہے
کیا جانے کون خریدیگا اور کس نے جنس اُتاری ہے
یاں بوجھ کسی کا ہلکا ہے اور کھیپ کسی کی بھاری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو دلال نہ کوئی بیوپاری ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی پھول کی میٹھے مسند پر کوئی رو دے اپنی ذلت کو
کوئی لڑتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑے حق ناحق کو
کوئی بولے اپنا مجھ سے ہو اور میرا ہو سو مجکو دو
جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ دینا ایک نہ لینا دو

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

[۱] پٹی ایک قسم کی مٹھائی ۱۲ شہباز

رمّال نجومی عامل ہو اور فاضل ملّا سیانا ہو
تعویذ فلیتا فال فسوں اور جادو منتر لاتا ہو
کوئی عاقل کامل دانا ہو کوئی مست پڑا دیوانہ ہو
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب حیلہ مکر بہانا ہو

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی لوٹے کوچے گلیوں میں تیّار کسی کا ڈیرا ہو
نت قصّے جھگڑے کرتے ہیں یہ تیرا ہو یہ میرا ہو
کوئی باغ کنواں بنواتا ہو اور گھیر کسی کا گھیرا ہو
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ میرا ہو نہ تیرا ہو

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کہیں دھوم مچی ہو قرضوں کی کہیں قرضوں کا دکھ کھینا ہو
ہر روز تقاضا دھرنا ہو دکھ دینا پیسا لینا ہے
کوئی ہیر اپنا پر کھاوے اور بیچے کوئی چینا ہو
جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ لینا ہو نہ دینا ہو

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی بنیا ہو کوئی تیلی ہو کوئی بیچے پان تنبولی ہو
کہیں گون ڈھلی ہو ناجوں کی کہیں تھیلا تھیلی کھولی ہو
کوئی سر پر رکھ کر کھینچے ہو کوئی باندھے پھرتا جھولی ہو
جب دیکھا خوب تو آخر کو اک دم کی بولا ٹھولی ہو

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی ٹوپی پہنے جاتا ہو کوئی باندھ پھرا عمامہ ہو
کمخواب گزی اور گاڑھے کا نت قضیہ ہی ہنگامہ ہو
کوئی صاف برہنہ پھرتا ہو نہ پگڑی ہو نہ جامہ ہو
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ پگڑی ہو نہ جامہ ہو

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی بال بڑھائے پھرتا ہو کوئی سر کو گھونٹ منڈاتا ہو
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہو کوئی ننگے منگے آتا ہو

سلہ چینا بیاسے مجہول ایک غلہ کا نام ہے و اشباز

کوئی پوجا کتھا کھانے ہے کوئی چھاپا تلک لگاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھوڑ اکیلا جاتا ہے

غل شور ہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی روتا ہے کوئی ہنستا ہے کوئی ناچے ہے کوئی گاتا ہے
کوئی چھینے جھپٹے بھاگے ہے کوئی دھونس دھڑکا لاتا ہے
کوئی مال اکٹھا کرتا ہے کوئی کنجی قفل لگاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب جھگڑا رگڑا جاتا ہے

غل شور ہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بیچے بھنگ شراب افیون کہیں دودھ دہی کی بھیری ہے
کوئی پلا سر پہ لاتا ہے کوئی لادے بیل کیری ہے
کوئی جھگڑے اپنی جاگہ پر یہ میری ہے یہ تیری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ تیری ہے نہ میری ہے

غل شور ہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں بلی ٹٹو کی تھونی ہے کہیں گھاس کربی پولی ہے
کہیں چھلنی چھاج پٹارے ہیں کہیں چولھا چکی چوکی ہے
ترکاری سگین ساگ بڑا اگڑ گانڈا گاجر مولی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب جھوٹھ یہ دیکھت بھولی ہے

غل شور ہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں بان ایڑی ٹاٹ گڑی کہیں دمڑکھ چرخ تکلا ہے
کہیں دک روپیا خوردہ ہے کہیں کوڑی پیسا دھیلا ہے
کہیں ڈھانچ پلنگ کا بکتا ہے کہیں جھینکا رسی رستا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ پیڑھی کھاٹ نہ چرخا ہے

غل شور ہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی شکر ابا نہ اُڑاتا ہے کوئی ہاتھ پہ رکھے تیلی ہے
شاباش کوئی لے بیٹھا ہے اور دوڑ کسی نے دت لی ہے
ہے تار کسی کے ہاتھوں میں اور ناچتی پھرتی پتلی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ ریشم سوت نہ سُتلی ہے

لے فارسی نے کیری کے معنی میدے کے سوداگر کے لکھے ہیں اور اس کو دکھنی زبان کا لفظ بتایا ہے۔ غالباً اسی لفظ کی ہندوستانی شکل کیری ہے۔ کیری کوئی چھوٹے درجہ کے پیشہ ور ہیں جیسے جلاہے دھنیے بقال ۱۲ سے ٹٹو کی ستون تھونی ۱۲ سے چولی چولھے کی تصغیر ہے ۱۲ سے گنڈا۔ گنا ۱۲ شہ تتلی بالکسر کو یہاں بالضم باندھا ہے غالباً قدیم محاورہ میں اس کا تلفظ یوں ہی ہوگا ۱۲۔ سے اس مصرع میں قافیے کو بہ تکلف باندھا ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ کسی نے تو کارنمایاں کرکے شاباش حاصل کی ہے۔ ہر طرف سے تعریف ہو رہی ہے۔ اور کوئی ایسے بدنصیب ہیں کہ دوڑ کر گئے تھے کسی اور مطلب کے لیے مگر وہاں دھتکارے گئے اور شاباش کی جگہ دودت دیکت بتائی گئی دُت ایک کلمہ ہے برملامت اور نفرت کی جگہ بولتے ہیں ۱۲ شہباز۔

غل شور بہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

اب کس کا رنگ برا کہیئے اور کس کا روپ بھلا کہیئے
یہ سیر تماشا دیکھ نظیرؔ اب جا کہیئے بیجا کہیئے
اک دم کی بیٹھ لگی ہے یہ انبوہ مزا چرچا کہیئے
کچھ بات نہیں بن آتی ہے چپ چاپ پہیلی کیا کہیئے

غل شور بہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

(۹۷)

دُنیا دار المکافاۃ ہے

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی سات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

کانٹا کسی کے مت لگا گو مثل گل پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو یہ گھاس کا پولا ہے تو
وہ تیرے حق میں تیر ہے کس بات پر بھولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

شوخی شرارت مکر و فن سب کا بسیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہے تس کا پرکھا ہے یہاں
جو جو دکھایا اور کو وہ خود بھی دیکھا ہے یہاں
جو جو پڑا تلتا ہے دل تل تل کا لیکھا ہے یہاں

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

۱؎ اس نظم کا دوسرا عنوان ہے "کلجگ کا بیان" ۱۲ ۲؎ بسکھ یا بسیکھا بمعنی مثل۔ ان تینوں کا بھی بسیکھ۔ یہ بھی دیکھا وہ بھی دیکھ ۱۲ شہباز

جو اور کی بستی رکھے اُس کا بھی بستا ہے پُرا
جو اور کی توڑے دُھری اُسکا بھی ٹوٹے ہے دُھرا
جو اور کے مارے چھُری اُس کے بھی لگتا ہی چھُرا
جو اور کی چیتے بدی اُس کا بھی ہوتا ہے بُرا

کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس بات دے اُس ہات لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا ہی وہ کل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جَو سے جَو چانول سے چانول پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا کلپاوے گا کل پاوے گا

کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

جو چاہے لیچل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہی
دُنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہی
آرام میں آرام ہی آزار میں آزار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے
کر مشکل آسان اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے

کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

جو گُل کھلاوے اور کا اُسکا ہی گُل کھلتا بھی ہی
جو اور کا چھیلے جگر اُس کا جگر چھلتا بھی ہی
جو اور کا کیلے ہی مُنھ اُس کا ہی مُنھ کِلتا بھی ہے
جو اور کو دیوے کپٹ[1] اُسکو کپٹ مِلتا بھی ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

کرجک جو کچھ کرنا ہو اب یہ دم تو کوئی آن ہی
نقصان میں نقصان ہی احسان میں احسان ہے

[1] کپٹ۔ دھوکا دغا۔ کپٹ کے معنی منافقت کے بھی ہیں جو ایک اعلیٰ درجہ کا دھوکا ہے۔ کپٹ دے یعنی منافقت کا برتاؤ کرے۔ وفاداری کے بجائے بے وفائی کرے۔ ۱۲ شہباز

تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی دیے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصان ہوویگا اس بات اوپر دھیان کر
کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیے تو چھان کر
یاں پانوں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گذران کر
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

غفلت کی یہ جا گہ نہیں یاں صاحبِ ادراک رہ
دل شاد رکھ دلشاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیرؔ اب ہر قدم کی خاک رہ
یہ وہ مکاں ہے او میاں یاں پاک رہ بے باک رہ
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

(۹۸)

دنیا[۱]

یہ جتنا خلق میں اب جابجا تماشا ہے
جو غور کی تو یہ سب ایک کا تماشا ہے
نہ جانو کم اسے یارو بڑا تماشا ہے
جدھر کو دیکھو اُدھر اک نیا تماشا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

[۱] اس نظم کا عنوان تھا دنیا کے دو دن کے تماشے۔ مگر یہ شعر نظیر ہی کا فقرہ بیکر مذاق جدید کے موافق عنوان کر دیا۔ اس نظم کا مطلع غالباً کبیر داس کے اس قول سے اخذ کیا گیا ہے۔ کبیر داس کی الٹی بانی + برسے کمل بھیگے پانی + کبیر داس کی الٹوانیاں مشہور ہیں۔ اس نظم کے مناسب مضمون میر کا بھی ایک مطلع ہم سے ہوتا ہے یاد جہاں میں ہر روز نقش بستہ نیا دیکھا جو خوب تو ہے دنیا عجب تماشا ہے

مرے یہ دیکھ تماشے نہیں ہیں ہوش بجا
جو ہے طلسم حقیقی وہ جاوے کب سمجھا
کسے بتاؤں میں سیدھا کسے کہوں اُلٹا
عجب بہار کی ایک سیر ہے اہا ہا ہا
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

نہیں ہیں زور جنھوں میں وہ کشتی لڑتے ہیں
جھپٹ کے اندھے بھی بیروں کے تئیں پکڑتے ہیں
جو زور والے ہیں وہ آپ سے بچھڑتے ہیں
نکالے چھاتیاں کیڑے اکڑتے پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے پر ہیں وہ پانوؤں سے چلتے پھرتے ہیں
مثال روح کے لنجے بھی چلتے[1] پھرتے ہیں
جو بن پروں کے ہیں وہ پنکھے جھلتے پھرتے ہیں
ہرن کی طرح سے لنگڑے اُچھلتے پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

بنا کے نیاریا زر کی دُکان بیٹھا ہے
جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے
جو ہنڈی وال تھا وہ خاک چھان بیٹھا ہے
زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چکوریں گھستی ہیں اور گدھ گھگو بڑھتے ہیں
کتابیں کھول چغد میٹھے سانیہ کرتے ہیں
پتنگے بوند ہیں مچھر فلک پہ چڑھتے ہیں
تماز بلبلیں طوطے قرآن پڑھتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عراقی بھوس ٹھٹیرے گھرٹے چباتے ہیں
جو شیر ہیں اُنھیں گیدڑ رکھڑے چڑاتے ہیں
گدھے پلا دُ تئیں لات مار جاتے ہیں
پڑھن[2] تو ناچے ہیں مینڈک ملار گاتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

بطوں کی لمبی دُمیں مور سب لنڈورے ہیں
جو سادھ سنت ہیں پورے سو وہ ادھورے ہیں
سفید کوّے ہیں چیلوں کے رنگ بھورے ہیں
کیٹ کی ندی پہ بگلے بھگت کے پورے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

[1] چھلنا دھوکا دینا۔ فریب دینا۔ مطلب مصرع کا یہ ہے کہ لنجے چھلاوا ہو رہے ہیں۔ ابھی یہاں ہیں ابھی وہاں ابھی مخفی ہیں ابھی عیاں ۱۲
[2] پڑھن مچھلی کی ایک قسم ۱۲ فرہنگ بہار

زباں ہے جس کی اشارت سے وہ پکارے ہے
کلاہ ہنس کی کوّا کھڑا اُتارے ہے
جو گونگا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
اُچھل کے مینڈک کی ہاتھی کے لات مارے ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ہیں نجیب نسب کے وہ بندے چیلے ہیں
جو باز شکرے ہیں بازے کھڑے وہ بیلے ہیں
کمینے اپنی بڑی ذات کے نویلے ہیں
لگھڑ تو مر گئے اُتو شکار کھیلے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمن ہیں خشک بنوں بیچ آب جاری ہے
سیاہ گوش کو بدری نے لات ماری ہے
خراب پھول ہیں کانٹوں کی گلعذاری ہے
دبکتے پھرتے ہیں چیتے ہرن شکاری ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کی ڈاڑھی ہے اُن کی تو بات واہی ہے
سیاہی روشنی اور روشنی سیاہی ہے
جو ڈاڑھی منڈے ہیں اُن کی سند گواہی ہے
اُجاڑ شہر ہیں مُردوں کی بادشاہی ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں میں عقل نہیں وہ بڑے سیانے ہیں
زنانے شوق سے مردوں کے پہنے بانے ہیں
جو عقل رکھتے ہیں وہ باؤلے دوانے ہیں
جو مرد ہیں وہ بڑے ہیجڑے زنانے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے کان نہیں دور کی وہ سنتے ہیں
برستے دھوئیں ہیں اور ابر تنکے چنتے ہیں
جو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دُھنتے ہیں
کباب بھونتے ہیں اور کبابی بھنتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمگادڑ[1] دن کے تئیں رت جگا مناتی ہے
جو چُہیا ڈھول بجاتی ہے گھونس گاتی ہے
چھچھوندر اور کبھی گھی کے دیے جلاتی ہے
گلہری بیٹھی ہوئی گلگلے پکاتی ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

[1] چمگادڑ وزن میں نہیں آتا شاید چگدڑ باسقاط میم والعف لکھا ہو لیکن وہ مسموع نہیں۔ بہر حال مصرع نقص سے خالی نہیں اسی واسطے اس بند کو بعض نسخوں سے خارج کر دیا ہے لیکن نقص وزن کے سوا مضامین بہت خاصے ہیں اس طرح کا نقص نظیر کے بعض اور کلام میں بھی ہے مطالب کے بیان کے شوق میں وہ بعض وقت بالکل ضرورت وزن سے قطع نظر کر جاتا ہے ممکن ہے کہ بعض حرفوں کا دبا دینا اس زمانہ میں جائز سمجھا جاتا ہو ۱۲ شہبانہ

جو نوجواں ہیں طرالُف وہ بوڑھی بھبلا ہے
بجے ہیں چھاج پڑے چھلنیوں کا ڈھیلا ہے
جو بوڑھی پھوس ہے بارہ برس کی ابلا ہے
نقارے پھٹ گئے مرِدنگ ہے نہ طبلا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

پہن کے ریشمی پوشاک جب دکھاتی ہے
پری تو کوڑی کی مستی کو داغ کھاتی ہے
گدھوں سے ہنستی ہے کتوں سے مُسکراتی ہے
چڑیل پان کے بیڑے کھڑی چباتی ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

خبیث دیو پلید آ ہر اک سے لڑتے ہیں
بلائیں لپٹی ہیں اور بھوت جن جھگڑتے ہیں
جو آدمی ہیں وہ ان سب کے پاؤں پڑتے ہیں
یہ قہر دیکھو کہ زندوں سے مردے لڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

گدھا لڑائی میں ہاتھی کے تئیں لتاڑے ہے
ہُما کو بوم ہر ایک قت مارے دھاڑے ہے
شتر کے گھر کے تئیں لومڑی اُجاڑے ہے
غضب ہے بودنا سارس کا پر اُکھاڑے ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

کھلے ہیں آک کے پھول اور گلاب جھڑتے ہیں
سخی کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں
بنولے پکتے ہیں انگور آنب سڑتے ہیں
بخیل موتیوں کو موسلوں سے چھڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

شکر کے غم میں شکر خوری خاک اُڑاتی ہے
اُڑیں ہیں مچھلیاں مرغی کھڑی نہاتی ہے
جلیبی پیڑوں اوپر مکھی بھن بھناتی ہے
جنگل کی ریت میں مرغابی غوطہ کھاتی ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ٹھگ تھے اپنی وہ ٹھگ بدیا سے چھوٹے ہیں
اندھیری رات میں گھر جوتوں کے پھوٹے ہیں
مسافر اُن کے گلے پھانسی ڈال گھوٹے ہیں
سبھوں کو دن کے تئیں ساہوکار لوٹے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

۱؎ بھبلا بھبل کا مخفف ہے بھبل موٹی جسیم عورت کو کہتے ہیں ۲؎ ابلا نازنین نازک اندام ۳؎ چھان پھانٹ کر دھان سے چھلکا جدا کرلینا پھانٹ کر دھان سے چاول نکالنا مقصد

تدرو روتے ہیں اور زاغ کھلکھلاتے ہیں
چڑے اٹاریاں اور بدے بنگلے چھاتے ہیں
خموش بلبلیں اور بھنگے چھچاتے ہیں
بلوں کو چھوڑ کے چوہے محل اٹھاتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چرند جتنے ہیں پر جھاڑ جھاڑ اُڑتے ہیں
پڑیں ہیں بستیاں ویران اُجاڑ اُڑتے ہیں
پرند گرتے ہیں اور بوٹی جھاڑ اٹتے ہیں
اٹل ہو بیٹھے ہیں روڑے پہاڑ اُڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

سلیماں بھوکے ہیں چیونٹی کے پاس ٹھیری ہے
عجب اندھیرے اُجالے کی پھیر اپھیری ہے
کلنگ بزّے کی چڑیا نے راہ گھیری ہے
گھڑی میں چاندنی ہے اور گھڑی اندھیری ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عزیز تھے سو ہوئے چشم میں سبھوں کی حقیر
عجب طرح کی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر
حقیر تھے سو ہوئے سب ہیں صاحب توقیر
اب جیسے خلق کے کیا کیا بیاں کروں میں نظیر

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

(۹۹)

دنیا میں سب دم کا تماشا ہے

جہاں میں جب تلک یارو ہمارے جسم میں دم ہے
کہیں کس کس سے کیا کیا ایک دم کے ساتھ عالم ہے
کبھی ہنسنا کبھی رونا کبھی شادی کبھی غم ہے
مگر جو صاحب دم ہے وہ اس نکتے سے محرم ہے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

مشقت محنتوں سے جمع کرنا دام درہم کا
کبھی سامان عشرت کا کبھی اسباب ماتم کا
تعلق رنج راحت کا تفکر بیش اور کم کا
کہوں کیا کیا غرض یارو یہ جھگڑا ہے سب اس دم کا

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جا دم ہے

اسی دم کے کھوں میں سیم اور زر میں جھیڑے ہیں
جلیبی امرتی برفی گلابی لڈو پیڑے ہیں
اسی کے واسطے عطر اور گلابوں کے تڑیڑے ہیں
غرض میں کیا کہوں یارو یہ سب دم کے بکھیڑے ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے کیا محل یہ سنگیں تراشے ہیں
بہار و باغ و صحرا صید اور شکرے و باشے ہیں
اسی کے واسطے زر سیم کے تولے و ماشے ہیں
فقط دم کے ہی آنے کے یہ سب ٹھاٹ و تماشے ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کی ہیں پوشاکیں یہ رنگیں عطر میں ڈوبی
گدائی بادشاہی عاشقی رندی و محبوبی
اسی کے واسطے ہی سب طرحداری و مرغوبی
اسی دم کے ہی آنے کی ہے اے یارو یہ سب خوبی

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے افیون شراب پوست بھنگیں ہیں
محبت دوستی اخلاص الفت صلح جنگیں ہیں
نشے مستی ترانے عیش و عشرت کی ترنگیں ہیں
اسی دم کے ہی آنے کی یہ سب یارو امنگیں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

یہی دم پالکی گھوڑے پالکی ہودج پہ چڑھتا ہی
کوئی مفلس ہو گھٹتا ہی کوئی عمدہ ہو بڑھتا ہی
یہی دم بیکسی میں ننگے پاؤں سے کھدرتا ہی
جو کچھ ہی اونچ نیچ اے یارو سب دم ہی گڑھتا ہی

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے یہ سب بنے ہیں سکھ زمانے کے
جہاں تک شادی و غم ہیں جہاں کے کارخانے کے
مزے عیش و طرب کے اور تحمل دکھ اٹھانے کے
یہ سب دکھ سکھ ہیں اے یارو اسی اک دم کے آنے کے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے بدلی میں بگلوں کی قطاریں ہیں
چمن گلزار بوٹا پھول پھل اور آبشاریں ہیں
اسی کے واسطے ابر و ہوا اور مینھ کی دھاریں ہیں
نظیر اب کیا کہے یارو یہ سب دم کی بہاریں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

(۱۰۰)

مذمت اہل دنیا

کیا کیا فریب کہیے دنیا کی فطرتوں کا
جب دوست مل کے لوٹیں اسباب مشفقوں کا
مکر و دغا و دزدی ہے کام اکثروں کا
پھر کس زباں سے شکوہ اب کیجے دشمنوں کا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

گردن کو ہے اچکا تو چور رات میں ہے
اس کی بغل میں کتی تیغ اس کے ہات میں ہے[1]
نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو ہر بات بات میں ہے
وہ اس کی فکر میں ہے یہ اس کی گھات میں ہے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

دیکھے کوئی ہر جن کا ہے گٹھ کٹی و تیرا
جامے یہ کھا رہا ہے بچے کا دل حریرا

---

[1] اس بند میں قافیہ شائگاں کا عیب ہے لیکن متقدمین شعرائے اردو اس عیب کو جائز رکھتے تھے چنانچہ استاد مسلم الثبوت سراج الدین علی خاں آرزو کا ایک مشہور اور مقبول مطلع ہے ؎
رکھے سیپارہ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے۔ شہبارہ

لٹھ مارتا کتا ہے ہر آن سر کا چیرا
جوتی کو تک رہا ہے ہر دم اُٹھائی گیرا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

عیّار اور چھچھورانت اپنے کار میں ہے
قزّاق جس مکاں پر فکر سوار میں ہے
اور صبح خیز یا بھی اپنی بہار میں ہے
پیادہ غریب اُس جا پھر کس شمار میں ہے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

اس راہ میں جو آیا اسوار گہہ[1] کے گھوڑا
سو یا سرا میں جاکے تو چور نے جھنجھوڑا
ٹھگ سے بچا تو آگے قزاق نے نہ چھوڑا
تیغہ رہا نہ بھالا گھوڑا رہا نہ کوڑا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نادان کو پلا کر اک بھنگ کا پیالا
دانا ملا تو اُس میں گھولا دھتورا کالا
کپڑے بغل میں مارے اور لے لیا دوشالا
ہوتے ہی غافل اُسکو پھانسی میں کھینچ ڈالا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

پیسے روپے اشرفی یا سیم زر کا پترا
میدان چوک نکھائی یہ فن ہے وہ دھنترا[2]
پھر جیت گھر نہیں لاوے ہے کون ایسا چترا
کترے ہی جیب چڑھ کر ہاتھی پہ جیب کترا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

چڑیا نے دیکھ غافل کپڑا ادھر گھسیٹا
چیلوں نے مار پنجے کوّے کا سر گھسیٹا
کوّے نے وقت پاکر چڑیا کا گھر گھسیٹا
جو جس کے ہاتھ آیا وہ اُس نے دھر گھسیٹا

[1] گہہ کے یعنی اُن چالاک کے قابو میں کر سکے
[2] دھنتر یا (دھنترا) دھن دولت والا آدمی زبردست طاقتور شہباز

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

صیاد چاہتا ہے ہو صید کا گذارا
اور صید چاہے دانا کھا کر کرے کنارا
قابو چڑھا تو اُس کا دانہ وہ کھا سدھارا
اور کچھ بھی چال چوکا تو وہیں جال مارا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نکلا ہی شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے
گیدڑ کی دھن لگا دے خود شیر کو ٹھکانے
کیا کیا کریں ہیں باہم مکر و دغا بہانے
یاں وہ بچا نظیر اب جس کو رکھا خدا نے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۱۰۱)

دُنیا

دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر
اُلفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
آج اُس پہ تھی کمیں تو لگی کل اس پہ گھات
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر
ہوتا ہے آخر اُس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہر فریب دل
حیراں ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر
لینے کو نقدِ عمر کے شیریں ہے مثلِ قند
جب رے چکھے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اُس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دستِ تاسف بیک دگر
تو بھی جو اُس کے پاس لگا دے گا دل تو یار
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
میں تجھ کو اُس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ
لیکن کروں میں کیا تجھے درپیش ہے سفر

تو اس مثل کو سوچ ذرا اگر سفر گزیں
گر درمیان رہ کوئی مل جاوے باغ اُسے
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط

کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گزر

اس حرف کو نظیرؔ کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۱۰۲)

مذمّت بخل

صدائے درویش

زر کی جو محبت تجھے پڑ جاوے گی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترساوے گی بابا

دُکھ اُس میں تری روح بہت پاوے گی بابا
دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آوے گی بابا

پھر کیا تجھے اللہ سے ملواوے گی بابا

دولت جو ترے پاس ہو رکھ یاد تو یہ بات
دینے سے رہے اُس کے ترا اونچا سدا ہات

کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
اور یاں بھی تری گذرے گی سو عیش سے دن رات

اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

دولت کی یہی خوبی ہے سو نعمتیں کھا ڈال
باغ و چمن و حوض و عمارات بنا ڈال

کمخواب پہن بادلہ اوڑھ اور بنا ڈال
اک دم تو بھلا خلق میں دریا سا بہا ڈال

پھر ورنہ تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اُسے کی

چڑھتی ہو پہاڑوں کے اُپر نا و سخی کی
تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی

ملہ فی زماننا یوں کہنا چاہیئے اگر تو نے بخیلی سے یہ جمع کی یا تو نے بخیلی سے جمع کیا ۱۲ آسی

خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبواوے گی بابا

دولت جو ترے گھر میں یہ اب پھولے ہی جوں پھول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول
مردہ دکھی یہ کرتی ہے اور کرتی ہی مقبول
زنہار خبر دار ہو اس بات پہ مت بھول

یہ خنذی ترے ساتھ نہیں جاوے گی بابا

یہ + + + پرانی ہی نہ آ اس کے تو چھل میں
ٹھنڈک نہیں پڑنے کی کبھی اس کے تو جھل میں
آج اس کی بغل میں ہی تو کل اسکی بغل میں
جب تن سے تری جان نکل جاویگی پل میں

تو جاوے گا اور یہ یہیں رہ جاوے گی بابا

گر نیک کہاتا ہی کر اس جا سے کچھ احسان
کھا تو بھی اسے شوق سے او عیش پہ رکھ دھیان
ہندو کو کھلا پوری مسلمان کو کھلا نان
تو اس کو نہ کھاوے گا تو یہ بات یقیں جان

اک روز یہ خنذی تجھے کھا جاوے گی بابا

اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا جا
سب روبرو اپنے اسے عشرت میں اڑا جا
بیٹوں کو رفیقوں کو عزیزوں کو کھلا جا
پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا

ورنہ تجھے پھر دکھ میں یہ پھنسواوے گی بابا

گر آوے گا حاکم کوئی ظالم تو مری جاں
جب کھینچ بلاوے گا نگر کوئی طوفان
اور تیری سنے گا وہ تجلی کی سی گذران
تو جی سے جسے دوست سمجھتا ہی یہ ہر آن

یہ دوست ہی دشمن تیری ہو جاوے گی بابا

کھوے گا کوئی اس کے تئیں باندھ کے لٹکا
کھوے گا کوئی کپڑے بھی سب اسکے اتروا
کھوے گا کوئی تو بڑا منھ اس کے میں چڑھوا
سو ذلت و خواری سے تجھے دیکھ کے پھرتا

بندھواوے گی اور مار بھی کھلواوے گی بابا

اور جو کبھی حاکم نے نہ پوچھا ترا احوال
گاڑے گا زمیں بیچ تو پھر ہووے گا یہ حال
تو چور چرالیوے گا یا ڈاکا کوئی ڈال
قسمت سے تری جب کبھی آجاوے گا بھونچال

لہ خنذی منسوڑ بدچلن عورت ۱۲
۲ہ جہل شہوت نفسانی ۱۲ آسی
۳ہ یعنی بے تقصیر کامل ۱۲ شہباز

پھر نیچے ہی نیچے یہ سرک جاوے گی بابا

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہے سو گھٹے گی
جو اور سے کرتی رہی وہ تجھ سے کرے گی
جب تک تو جیے گا یہ تجھے چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پھر یہ غضب لاوے گی بابا

جب موت کا ہووے گا تجھے آن کے دھڑکا
جب اس میں تو اٹکے گا نہ دم نکلے گا پھڑکا
اور نزع تری آن کے دم دیوے گی بھڑکا
کپتوں میں روپے ڈال کے جب دیویں گے کھڑکا
تب تن سے تری جان نکل جاوے گی بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا
ہے یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرے گا
وہ ناچ مزہ دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں گھبراوے گی بابا

اس کے تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی
وہ کھاوے گا اور تیرے تئیں آگ لگے گی
اور روح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا ہی تجھے گور میں تڑپاوے گی بابا

جوں جوں وہ ترے مال سے عشرت میں پٹے گا
جو چاہے کوئی ہووے تو پھر بس نہ چلے گا
تو قبر میں رہ رہ کف افسوس ملے گا
بے بس تو پڑا قبر میں حسرت سے جلے گا
دن رات تری چھاتی کو کڑھواوے گی بابا

جاوے گا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ
ساقی و صراحی دپری زاد کے ہمراہ
جب دیکھے گا سو عیش میں تو اسکے تئیں آہ
کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہراوے گی بابا

تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا
شیشے میں اتروا کے تجھے دیویں گے گڑوا
تو واں کبھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
یا خوب سا سلگا کے کوئی ہار فلیتا

دھوتی بھی تری ناک میں دلوا دے گی بابا

گر ہوش ہے تجھ میں تو تجیلی کا نہ کر کام
ٹھوکے گا کوئی کہہ کے کوئی دیوے گا دشنام
اس کام کا آخر کو بُرا ہوتا ہے انجام
زنہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام

پیزاریں ترے نام پہ لگوا دے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن
ٹک غور سے کر گنج یہ قارون کے ذرا دھیان
گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
جیسا ہی اُسے اُس نے کیا خوب پریشان

ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلا دے گی بابا

(۱۰۳)

تن کا جھونپڑا

یہ تن جو ہے ہر اک کے اُتارے کا جھونپڑا
اس سے ہے بادشہ کے نظارے کا جھونپڑا
اس سے ہوا ابھی سب کے سہارے کا جھونپڑا
اس میں ہی ہے فقیر بچارے کا جھونپڑا

اپنا نہ مول کا نہ اجاڑے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی بھولے بھالے اسی میں سیانے ہیں
اس میں ہی دشمن اس میں ہی اپنے بگانے ہیں
اس میں ہی ہوشیار اسی میں دوانے ہیں
شاہ جھونپڑا[له] بھی اپنے اسی میں تماشے[عه] ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی لوگ عشق و محبت کے مارے ہیں
اس میں ہی یار دوست اسی میں پیارے ہیں
اس میں ہی شوخ حسن کے چاند اور ستارے ہیں
شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں بچارے ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا

له اکبر آباد میں کوئی بزرگ شاہ جھونپڑا تھے جن کی زبان پر یہ کا شعر ہر وقت جاری رہتا تھا۔ نظیر کو پسند آیا اُس کی تضمین کر دی اس تضمین میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کا جسم گویا جھونپڑا ہے جس میں وہ آن کر ٹھہر گیا ہے ایک دن اُس کو اس جھونپڑے سے کوچ کرنا پڑیگا ۱۲

عه شہباز سے تماشا وہ جیسے کوئی تازا و رخ و رنہ ہو ۱۲ اُسی

بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی اہل دولت و منعم امیر ہیں | اس میں ہی رہتے سارے جہاں کے فقیر ہیں
اس میں ہی شاہ اور اسی میں وزیر ہیں | اس میں ہی ہیں صغیر اسی میں کبیر ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی چور ٹھگ ہیں اسی میں اٹول ہیں | اس میں ہی رونی شکل اسی میں ٹھٹھول ہیں
اس میں ہی باجے اور نقارے و ڈھول ہیں | شا جھونپڑا ابھی اس میں ہی کرتے کلول ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی پارسا ہیں اسی میں لوند ہیں | بیدرد بھی اسی میں ہیں اور دردمند ہیں
اس میں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں | شا جھونپڑا ابھی اب اسی ڈربے میں بند ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس جھونپڑے میں رہتے ہیں سب شاہ اور وزیر | اس میں وکیل بخشی و متصدی اور امیر
اس میں ہی سب غریب ہیں اس میں ہی سب فقیر | شا جھونپڑا جو کہتے ہیں سچ ہو میاں نظیر

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

(۱۰۴)

توکل و ترک تجرید

جتنے تو دیکھتا ہے یہ پھل پھول پات بیل ٹہ | سب اپنے اپنے کام کے ہیں کر رہے جھمیل

ناتا ہے یاں سو ناتھ جو رشتہ ہے سو نکیل
جو غم پڑے سو اُس کو تو اپنے ہی تن پہ جھیل

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ صورتیں جو دیکھے ہے مست ان سے دل لگا
شجرہ کلاہ پھینک اُڑا دے جھگا تگا
بڑ بین یہ سوتیاں انھیں اے یار مست جگا
آگے کو چھوڑ ناتھ نہ پیچھے کو رکھ پگا

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جب تو ہوا فقیر تو ناتا کسی سے کیا
مطلب بھلا فقیر کو بابا کسی سے کیا
چھوڑا کٹم تو پھر یہ رہا رشتا کسی سے کیا
دلبر کو اپنے چھوڑ کے ملنا کسی سے کیا

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

تیری نہ یہ زمین ہے نے تیرا آسماں
اُس کے سوا کہ جب یہ ہوا تو فقیر یاں
تیرا نہ گھر نہ بار نہ تیرا یہ جسم و جاں
کوئی ترا رفیق نہ ساتھی نہ مہرباں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دیتا ہے دل کو اپنے تو دے اُس کسی کو ہاتھ
اور یہ جو تجھ سے کرتے ہیں مل مل کے میٹھی بات
جس یار سے کہ ہو ترے جیتے موے کا سات
مارا پڑے گا دیکھ نہ کھا ان کی آت گھات

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ الفتیں کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ہیں
جتنے یہ شہر دیکھے ہیں جادو کے شہر ہیں
یہ الفتیں نہیں ہیں مری جان قہر ہیں
جتنی مٹھائیاں ہیں مری جان زہر ہیں

سلہ تونبڑی جو ایک طرح کا ہے۔ بیل ایک قسم کا باجا۔ عموماً اس کو بیلا کہتے ہیں اور یہ کسی قدر سارنگی سے مشابہ ہوتا ہے ۱۲
سلہ برہ = زنبورہ جسکو اب عموماً بھڑ کہتے ہیں ۱۲
سلہ اسی کو عوام اپنے محاورے میں شجرہ گنڈہ یا شجرہ تاگہ کہتے ہیں ۱۲
سلہ جھگا۔ لباس اوپر پہننے کا کپڑا پیراہن کفنی تگا یہاں بطور تابع بھی ہے مستعمل ہوا ہے لیکن اصل میں یہ تاگا ہے اور اس سے مراد سیلی جو فقرا گلے میں پہنتے ہیں جھگا تگا۔ لباس درویشی مع کفنی و سیلی ۱۲
سلہ پگا جس کو عموماً پگھا بھی کہتے ہیں وہ مضبوط رسا جو کہ بیل کے گلے میں باندھا جاتا۔ یہ مصرعہ ایک مشہور مثل سے ماخوذ ہے ۱۲
سلہ کٹم خاندان اہل قرابت رشتہ دار ۱۲
سلہ آت گھات کا تابع مہمل مقام ۱۲
شہباز

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

خوباں کے یہ جو چاند سے منھ پر کھلے ہیں بال
یہ بال بال اب ہے تری جان کا وبال
مارا ہے تیرے واسطے صیاد نے یہ جال
پھنسیو خدا کے واسطے اس میں نہ دیکھ بھال

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جس کا تو ہے فقیر اسی کو سمجھ تو یار
دیوے تو لے وہی جو نہ دیوے تو دم نہ مار
مانگے تو مانگ اس سے ہی کیا نقد کیا ادھار
اس کے سوا کسی سے نہ رکھ اپنا کار و بار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا اسے نہ جان یہ دریا ہے تہر وار
جب تو بہا تو پھر نہ ملے گا تجھے کنار
لاکھوں میں اس سے کوئی اتر کر ہوا نہ پار
ملاح یاں نہ ناؤ نہ بلی[لہ] ہے میرے یار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا نہ کہہ اسے یہ طلسمات ہے میاں
شکلیں جو دیکھتا ہے یہ جادو کی ہیں عیاں
یہ جانور یہ باغ یہ گلزار یہ مکاں
سب کچھ ترے تئیں ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

کیا فائدہ اگر تو ہوا نام کا فقیر
ایسا ہی تھا تو فقر میں ناحق کیا اسیر
ہو کر فقیر تو بھی رہا جال میں اسیر
ہم تو اسی سخن کے ہیں قائل میاں نظیر

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

لہ بلی چپو کو کہتے ہیں یا جس کی مدد سے ملاح ناؤ کھیتے ہیں ۱۲ شہبار

یاں تو بڑی نہ بیل پڑا اہے سر پہ کھیل

(۱۵)

توکل[۱]

نہ کس امید ہا ندنہ کس امید ہد + خدا امید ہا ند خدا امید ہد

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے — اور درد دل کا اپنے کسی کو تو مت سنائے
مانگ اُس سے جسکے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے — مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

قادر قدیر خالق و حاکم حکیم ہے — مالک ملیک حی توانا قدیم ہے
دونوں جہاں میں ذات اسی کی کریم ہے — یعنے اُسی کا نام غفور و رحیم ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ستار ذو الجلال خداوند کردگار — رزاق کارساز مددگار دوستدار
انسان جنّ و دیو و پری فیل و مور و مار — جاری اُسی کے ہاتھ سے ہیں سب کے کاروبار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

کہنے کے تئیں اگرچہ وہ اب بے نیاز ہے — پر سب نیازمندوں کا اُس پر ہی ناز ہے
جتنے ہیں بندے سب کا وہ بندہ نواز ہے — جتنی ہے خلق سب کا وہی کارساز ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے

[۱] اس نظم کا قدیم عنوان یہ ہے "خدا کے زمین و آسمان کے انعام" دوسرا عنوان یہ بھی ہو سکتا ہے "و معطی حقیقی خدا ہے" لیکن پوری نظم سے جو تعلیم نکلتی ہے وہ توکل کی ہے۔ لہذا دونوں عنوان پر توکل کو ترجیح دی گئی ۱۲ شہباز

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اہل جہاں ہیں جتنے تو ان سب کا چھوڑ ساتھ
نے پاؤں پڑ کسی کے تو اے دل نہ جوڑ ہاتھ
دو ہاتھ والے جتنے ہیں ان سب سے موڑ ہاتھ
اُس سے ہی مانگ جسکے ہیں اب سو کروڑ ہاتھ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اُس کے سوا کسی کے کنے گر تو جائے گا
اس آبرو کو اپنی تو ناحق گنوائے گا
شرمندہ ہو کے یوں ہی تو خالی پھر آئے گا
بن حکم اُس کے یار تو اک حبہ نہ پائے گا

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زر ریسم لعل دُر گو تو بارے اسی سے مانگ
صندوق مال دھن کے پٹارے اُسی سے مانگ
پیسا بھی مانگنا ہو تو جا رے اُسی سے مانگ
کوڑی بھی مانگنی ہے تو پیارے اُسی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

نعمت مٹھائی شیر و شکر نان اُسی سے مانگ
کوڑی کی ہلدی مرچ بھی ہر آن اُسی سے مانگ
کمخاب تاش گاڑھا گزی ہاں اُسی سے مانگ
جو تجکو چاہیئے سو مری جان اُسی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گر وہ دلایا چاہے تو دشمن سے لا دلائے
اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا منھ چھپائے
بن حکم اُس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے
گر چلو پانی مانگو تو ہرگز نہ کوئی پلائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار جس کو سمجھا ہے تو سیٹھ ساہوکار
ہرگز کسی کے سامنے مت ہاتھ کو پسار

یہ سب اُسی سے مانگیں ہیں دن رات بار بار
پوری تری اُسی کے دیے سے پڑے گی یار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو آس پاس
ماں باپ یار دوست جگر سب ہیں بے اُداس

محتاجگی سے آپ وہ بیٹھا ہے جی اُداس
ہر دم اُسی کریم کی رکھ دل میں اپنے آس

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

عدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر
کیا گنج و ملک و مال و مکاں تاج کیا سریر

اللہ ہی ہے غنی[۵] میاں اور ہیں یہ سب فقیر
جو مانگنا ہے اُس سے ہی مانگو میاں نظیر

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے دلائے

(۱۰۶)

ترک و تجرید

بھرے ہیں کیا کیا اُلٹ پلٹ کر کسی میں آ کر یہ دم کسی کے
کسی پہ لطف و کرم کسی کے کسی پہ ظلم و ستم کسی کے

کوئی کرے ہے کسی کی منت کوئی ہے چومے قدم کسی کے
کسے پڑی ہے میاں غرض اب جو کوئی کھوئے بھرم کسی کے

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

نہ کوئی طالب ہوا ہمارا نہ ہم نے دل سے کسی کو چاہا
نہ ہم نے بویا نہ ہم نے کاٹا نہ ہم نے جوتا نہ ہم نے گاہا

نہ ہم نے دیکھی خوشی کی لہریں نہ درد غم سے کبھی کراہا
اُٹھا جو دل سے بھرم کا پردہ تو اُسکے اُٹھتے ہی بھر اہاہا

۵ اشارہ ہے اس آیت کی طرف اللہ غنی و انتم الفقراء ۱۲ شہباز

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

یہ بات کل کی ہے جو ہمارا کوئی تھا اپنا کوئی یگانا
کسی نے پھٹکا کسی پہ کوٹا کسی پہ پیسا کسی پہ چھانا
کہیں تھے ناتی کہیں تھے پوتے کہیں تھے دادا کہیں تھے نانا
اُٹھا جو دل سے بھرم کا تھانا تو پھر جبھی سے یہ ہم نے جانا

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

یہ سیر دیکھو ابھی ہیں تھے کسی کے آقا کسی کے نوکر
کہیں تھے ملا کہیں سپاہی کہیں بٹیرے کہیں کمانگر
کسی کے بندے کسی کے چیلے کسی کے خادم کسی کے چاکر
کھلی جو آ کر بھرم کی گٹھری تو سب وہ قضیے ہوئے برابر

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہماری بڑی تو کاں تھی ابھی ہمارا بڑا کسب تھا
بڑی بھی تھی ذات اور بڑی صفات اور بڑا حسب اور بڑا نسب تھا
کہیں خوشامد کہیں درآمد کہیں تواضع کہیں ادب تھا
خودی کے مٹتے ہی پھر جو دیکھا تو کچھ حسب تھا نہ کچھ نسب تھا

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہمارے تھے یار کتنے ہمیں بھی اُن سے تھی اک محبت
کسی سے مہر اور کسی سے کینہ کسی سے ناتا کہیں قرابت
کہیں مروت کہیں فتوت کہیں خصومت کہیں عداوت
اُٹھی جو دل سے بھرم کی ٹٹی تو پھر یہ دیکھی خدا کی قدرت

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

نہ ہم نے کی یاں فقیری اب تک نہ ہم نے کی یاں جہاں پناہی
نہ ہم نے اپنا بناؤ دیکھا نہ ہم نے دیکھی کبھی تباہی
نہ فوجداری نہ ملک گیری نہ کچھ وزیری نہ بادشاہی
یہ سب بھرم کا بنا تھا نقشہ بھرم کی ٹٹی ہو یا الٰہی

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے

عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

پہاڑ صحرا و جھاڑ بوٹے کھڑے ہیں ارض و سما ہوئے سب
بھرم کے اُٹھتے ہی چھوڑ بھاگے جو بھوت جن تھے ہوا ہوئے سب
ستارے لاکھوں چمک رہے ہیں تجلی نور و ضیا ہوئے سب
کسی کا نام و نشاں نہ باقی ہی یا الٰہی یہ کیا ہوئے سب

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی یہ ڈھب تھا کسی سے گڑ رہے کسی کے پاؤں پہ جا کے پڑ رہے
ابھی یہ دُھن تھی نظیرؔ ملیں کہیں بگڑ رہے کہیں جھگڑ رہے
کسی سے حق پر فساد کیجیے کسی سے ناحق پہ جا کے لڑ لیے
دوئی کے اُٹھتے ہی پھر یہ دیکھا کہ اب جو لڑ لیے تو کس سے لڑ لیے

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

(۱۰۷)

تلقین توحید

خدا کی خدائی تمام خدائی سے ظاہر ہے

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان
بے رنگ میں، ہر رنگ میں، نیرنگ میں پہچان
ہر باغ میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان
منزل میں مقامات میں فرسنگ میں پہچان

نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان
ہر عزم ارادے میں ہر آہنگ میں پہچان
ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
ہر دھوم میں ہر صلح میں ہر جنگ میں پہچان

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل
نرگس کہیں سوسن کہیں بیلا کہیں رابیل[2]

[1] یہ نظم نظیر کی لاجواب نظموں میں ہے۔ اعلیٰ درجے کی شاعری اعلیٰ درجے کے خیالات تصوف سے نہایت عمدگی کے ساتھ شیر و شکر ہیں کلام میں کہیں پست و بلند نہیں ٹیپ کچھ ہیقماں کی ٹیپ سے ملتی ہوئی ہے ۱۲ شہباز

[2] رائے بیل کو بفرض شعری رابیل کر لیا ہے اور وہ بیلے کی ایک قسم ہے ۱۲ شہباز

آزاد کوئی سب سے کسی کا ہے کہیں میل
کرتا ہے کوئی ظلم کو لیتا ہے کوئی جھیل
ادنیٰ کوئی اعلیٰ کوئی سوکھا کوئی ڈنڈبیل
ملتا ہے کوئی راکھ چنبیلی کا کوئی تیل
باندھے کہیں تلوار اُٹھاتا ہے کہیں سیل
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب کھیل

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہے کوئی شوق میں کرتا ہے کوئی حال
ہنستا ہے کوئی شاد کسی کا ہے بُرا حال
ناچے ہے کوئی شوخ بجاتا ہے کوئی تال
کرتا ہے کوئی ناز دکھاتا ہے کوئی بال
پھانکے ہے کوئی خاک اُڑاتا ہے کوئی مال
روتا ہے کوئی ہو کے غم و درد میں پامال
پہنے ہے کوئی چیتھڑے اوڑھے ہے کوئی شال
جب غور سے دیکھا تو اُسی کی ہے یہ سب چال

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار
پہونچا ہے کوئی یار پٹکتا ہے کوئی دار
عاجز کوئی بیکس کوئی ظالم کوئی لٹھ مار
زخمی کوئی ماندا کوئی اچھا کوئی بدکار
کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار[1]
بیٹھا ہے کوئی عیش میں پھرتا ہے کوئی زار
مفلس کوئی ناچار تونگر کوئی زردار
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب اسرار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی کوئی دوست کوئی جان کا دشمن
مالا کوئی جپتا ہے کوئی شوق میں سُمرن
نکلے ہے جو اُبھر کے کوئی پہن کے ابرن
جوگی کوئی بھوگی کوئی سوگی کوئی سوگن
بیٹھا ہے پہاڑوں میں کوئی پھرتا ہے بن بن
چھوڑے ہے کوئی مال سمیٹے ہے کوئی دھن
لوٹے ہے کوئی خاک میں رو رو کے ملاتن
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب فن

[1] سماچار حالات روایات مضامین ۱۲ [2] بھوگی متمتع مال و متاع دنیا سے حصہ کافی رکھنے والا وہ جو دن رات عیش و عشرت میں پڑا رہے عیاش یہ لفظ جوگی کا مقابل ہے جس کے معنی ہیں زاہد متورع دیر پرستو کے ممکن ہے کہ بھوگی فقرا کا بھی کوئی گروہ ہو جو زہد کے خلاف عیش و عشرت کو حاصل زندگی سمجھتا ہو جس طرح یورپ میں ایپکیورس کے پیرو ۱۲ امتیاز

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی کہیں گرمی کہیں جاڑا کہیں برسات
حوریں کہیں غلماں کہیں پریاں کہیں جنات
سختی کہیں راحت کہیں گردش کہیں سکنات
تارے کہیں سورج کہیں برج اور کہیں ذرات

دوزخ کہیں بیکنٹھ کہیں ارض و سموات
اوجڑ کہیں بستی کہیں جنگل کہیں دیہات[1]
شادی کہیں ماتم کہیں نور اور کہیں ظلمات
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

بیچے ہے جواہر کوئی زر سیم طلا رانگ
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے لیتا ہے کوئی مانگ
ٹھہرا ہے کوئی چور لگاتا ہے کوئی تھانگ[3]
گھنٹا ہے کہیں جھانجھ کہیں سنکھ کہیں بانگ

مارے کوئی یارے کو بنا دے کوئی مرگانگ[2]
محتاج کوئی قوت کا رکھتا ہے کوئی دانگ
ملتا ہے کوئی پوست[4] کو چھانے ہے کوئی بھانگ
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب انگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری کوئی بادی کوئی خاکی کوئی آبی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی
مارے ہے ڈھل کوئی کہیں جیب[5] ہے دابی
کالا کوئی گورا کوئی پیلا کوئی آبی

صوفی کوئی زاہد کوئی بدمست شرابی
پیتا ہے کوئی کیف کوئی مے کی گلابی
سچا کوئی جھوٹا ہے کوئی رند خرابی
ہیں اُس کی ہی قدرت کے یہ سب لال گلابی

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حسن کہیں پایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا عشق کہیں چھایا ہے اللہ ہی اللہ

[1] جتنے نسخے نظر سے گذرے سب میں دیوات لکھا ہوا ہے مگر میرے خیال میں یہ دیوات کی تصحیف ہے دیوات جمع ہے دیوہ کی جسکے معنی بلندی اور ٹیلے کے ہیں یہ تفسیر شہبازہ ١٢ میرے نزدیک شاید صحیح دیہات ہو ١٢
[2] آتشی مرگانگ ہندی میں کشتہ کو کہتے ہیں ١٢
[3] تھانگ چوروں کا نشیمن تھانگ لگانا چوروں کو پناہ دینی اور اُن سے بطلا پناہ دہی دیدہ و دانستہ چوری کا مال لینا ١٢
[4] پوست ملنا افیون کی جسکی تیار کرنا پوست افیون۔ لال افیون یقیع افیون افیون کی جسکی ١٢
[5] جیب زبان جیب ہے دابی کنایت کرنا ہے ١٢ شہبازہ

کیا رنگ یہ رنگوایا ہے اللہ ہی اللہ | کیا نور یہ جھمکایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا دھوپ ہے کیا سایا ہے اللہ ہی اللہ | کیا مہر ہے کیا مایا[1] ہے اللہ ہی اللہ
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہے اللہ ہی اللہ | کیا بھید نظر آیا ہے اللہ ہی اللہ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

(۱۰۸)

تسلیم و رضا[2]

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں | ہر کام میں ہر دام میں ہر حال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں | بے زر جو کیا تو اسی احوال میں خوش ہیں

افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

ہے رے یہ ملالت نہ جگر میں اثر غم | ماتھے پہ کہیں چین نہ ابرو میں کہیں خم
شکوہ نہ زباں پر نہ کبھی چشم ہوئی نم | غم میں بھی وہی عیش الم میں بھی وہی دم

ہر بات ہر اوقات ہر افعال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر یار کی مرضی ہوئی سر جوڑ کے بیٹھے | گھر بار چھڑایا تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
موڑا انھیں جید ھر وہیں منھ جوڑ کے بیٹھے | گدڑی جو سلائی تو وہی اوڑھ کے بیٹھے

اور شال اڑھائی تو اسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے دیا غم تو اسی غم میں رہے خوش | اور اس نے جو ماتم دیا ماتم میں رہے خوش

---

[1] مایا بہر شفقت لیکن یہ معمولی معنی ہیں اصطلاحی معنی تصوف ہنود میں اس کے بہت گہرے ہیں مایا اس میں ایک خاص قسم کے مغالطے اور دھوکے کا نام ہے جس کو طلسم خیالی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے وہ دھوکا جو انسان کو خداوند قادر مطلق کی نیرنگی قدرت سے پیدا ہوتا ہے یعنی وہ سمجھتا ہے کہ عالم خارج میں اشیا وجود رکھتی ہیں حالانکہ غیر از خیال اُن کا کوئی وجود فی الخارج نہیں اور یہ حالت خدا نے براہ شفقت انسان کی دل بستگی کے لیے پیدا کر رکھی ہے ۱۲

[2] اس نظم کا مشہور نام خوشحال نامہ ہے عبد الرحمن خان شاکر نے اسی نام سے اسکو شائع کیا تھا مسودہ اول نسخہ میں اسکے صرف آٹھ بند ہیں ۱۲ شہباز

کھانے کو ملا کم تو اسی کم میں رہے خوش　　جس طور کہا اُس نے اُسی عالم میں رہے خوش

دکھ درد میں آفات میں جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم　　یک ساں ہے انھیں زندگی اور موت کا عالم
واقف نہ برس سے نہ مہینے سے وہ اک دم　　نہ شب کی مصیبت نہ کبھی روز کا ماتم

دن رات گھڑی پہر مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے اُڑھایا تو لیا اوڑھ دو شالا　　کمل جو دیا تو وہی کاندھے پہ سنبھالا
چادر جو اُڑھائی تو وہی ہو گئی بالا　　بند ھوائی لنگوٹی تو وہی ہنس کے کہا لا

پوشاک میں دستار میں رومال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر کھاٹ بچھانے کو ملی کھاٹ میں سوئے　　دوکاں میں سُلایا تو وہ جا ہاٹ میں سوئے
رستے میں کہا سو تو وہ جا باٹ میں سوئے　　گر ٹاٹ بچھانے کو دیا ٹاٹ میں سوئے

اور کھال بچھا دی تو اسی کھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

پیادے کو دیا ہاتھ تو ہو نکلے بھکاری　　بٹھلا کے کھلایا تو وہیں عمر گذاری
میانے پہ چڑھایا تو لگے کرنے سواری　　اور پاؤں چلایا تو وہی بات سنواری

جس چال میں رکھا وہ اسی چال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر موٹھ منگا دی تو وہی چاب لی خوش ہو　　اور جوار بھنا دی تو وہی چاب لی خوش ہو
سوکھی جو دلا دی تو وہی چاب لی خوش ہو　　روکھی جو اُٹھا دی تو وہی چاب لی خوش ہو

اور دال کھلائی تو اسی دال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

پانی جو ملا پی لیا جس طرح کا پایا
دی بھوک اگر یار نے تو بھوک کو مارا
روٹی جو ملی تو کیا روٹی میں گذارا
دل شاد رہے کر کے کڑاکے پہ کڑاکا
اور چھال چبائی تو اسی چھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے کہا سیر کرو جا کے جہاں کی
کچھ دشت و بیاباں میں خبر تن کی نہ جاں کی
تو پھرنے لگے جنگل و بر مار کے جھانکی[۱]
اور پھر جو کہا سیر کرو حُسن بتاں کی
تو چشم و رخ و زلف و خط و خال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

قشقے کا ہوا حکم تو قشقہ وہیں کھینچا
آزاد کہا ہو تو وہیں سر کو منڈایا
جُبّے کی رضا دیکھی تو جبّہ وہیں پہنا
جو رنگ کہا اُس نے وہی رنگ رنگایا
کیا زرد میں کیا سبز میں کیا لال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

چادر جو اڑھائی تو جتی[۲] ہو گئے یک بار
منھ باندھ کے نکلو تو وہیں ہو گئے تیار
باہر کو چلے فقر کی جھولی کو بغل مار
سر گھونٹ منڈاؤ تو کیا پھر وہی بستار[۳]
سب تکیہ میں سب چال میں سب ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

کچھ اُن کو طلب گھر کی نہ باہر سے انھیں کام
آستل[۴] کی ہوس دل میں نہ مندر سے انھیں کام
تکیے کی نہ خواہش ہے نہ بستر سے انھیں کام
مفلس سے نہ مطلب تو اونگر سے انھیں کام
میدان میں بازار میں چوپال[۵] میں خوش ہیں

۱ جھانکی مارنا نظارہ کرنا۔ دید حاصل کرنا ۱۲
۲ اسی سے جتی یا پارسا نفس کش فقیر۔ فقیروں کی ایک قسم ہے ۱۲
۳ بستار کے معنی افراط۔ فراوانی۔ بہتایت لکھے ہیں۔ وہی بستار کیا یعنی اسی کی کثرت کر دی سر سے پاؤں تک منڈوا ہی ڈالا۔ کہیں ایک بال نام کو بھی جسم پر نہ رکھا ۱۲
۴ استھل فقرا کے رہنے کی جگہ۔ ایک قسم کی خانقاہ جس میں فقرا آباد رہتے ہیں اور کچھ انھیں دنیا نہیں پڑتا ہندو فقیروں کی خانقاہ ۱۲
۵ چوپال (چوپاڑ) گاؤں میں لوگوں کے جمع ہونے کی عام جگہ۔ بستی میں کوئی مکان جس میں سب لوگ کسی مقصد عمومی کے لیے جمع ہوں۔ جماعت خانہ۔ بڑے بڑے مانچے جس میں رکھے ہوتے ہیں پرانی دنیا کا ٹون ہال دیہات میں کبھی کبھی اس مکان سے پاٹ شالے اور مکتب خانے کا کام بھی لیا جاتا ہے ۱۲ شہباز۔

پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

ان کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں نظیر آہ
کیا جانے فرشتے ہیں کہ آدم ہیں نظیر آہ
اب ایسے تو دنیا میں دلی کم ہیں نظیر آہ
ہر وقت میں ہر آن میں خرّم ہیں نظیر آہ
جس ڈھال میں رکھا وہ اسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

(۱۰۹)

دم غنیمت ہے

دیکھ ٹک غافل چمن کو گلفشانی پھر کہاں
ساقی و مطرب شراب ارغوانی پھر کہاں
یہ بہار عشق یہ شور جوانی پھر کہاں
عیش کر خوباں میں اے دل شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں

یہ جو یاں کے گل بدن ملتے ہیں سو سوگھات سے
ایک دم ہرگز جدا مت ہو تو ان کے سات سے
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ ان گلرخوں کی ذات سے
جس قدر پینا ہو پانی پی لے ان کے ہات سے
اب جنت تو بہت ہوگا یہ پانی پھر کہاں

یہ جو کڑوے ہو کے ہم کو اب جھڑکتے ہیں یہاں
اٹھ سکے جب تک اٹھا اے دل تو ان کی سختیاں
ان کی تلخی میں ہزاروں ہیں بھری شیرینیاں
لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہونگی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں

یہ جو پھرتے ہیں سنہری سبز پوشاکیں کیے
ان کی پوشاکوں کی رنگت کو غنیمت جان لے
خاک ہو تو بھی لگا رہ ان کے تو دامان سے
واں تو چھٹے ہیں وہ یہ جوڑے رنگا رنگ کے
سوسنی سوہی گلابی زعفرانی پھر کہاں

رہ وہیں اے دل سدا محبوب رہتے ہیں جہاں
کر لے ان کی خدمتیں ہر دم دل و جاں سے میاں

۵ یہ بند اور بند دوسرے متداول نسخوں میں نہیں ہیں ۱۲ شہباز

ناتمام

جو تجھے دیویں سو لے اور غنیمت اس کو جان[۱]
واں تو ہاں جوروں کے گِننے کے بہت ہونگے نشاں
ان پری زادوں کے چھلّوں کی نشانی پھر کہاں

منھ جو دکھلاتے ہیں خوباں دم بدم اب توڑ جوڑ
جس گھڑی آکر فنا اپنی دکھاوے گی مروڑ
دیکھ غافل ان کے تو جور و جفا سے منھ نہ موڑ
پھر تو اک دم میں چلا جاوے گا تو ان سب کو چھوڑ
یہ ہٹیلے دل رُبا محبوب جانی پھر کہاں

حسن خوباں کی جہاں کچھ ہو رہی ہو داستاں
ان کی اک اک بات کا سننا تجھے لازم ہی جاں
کان رکھ کر سن اُسے اور یاد رکھ ہر دم میاں
واں تو قصّے حور و غلماں کے بہت ہونگے بیاں
ان کی پر زلف و کمر کی یہ کہانی پھر کہاں

ہو سکے جس طور سن لے دوستوں کی وارداتِ
جس گھڑی آئی فنا کوئی نہ پھر پوچھے گا بات
اور بیاں گر آگے آنکلے ہوں جو تجھ پر مشکلات
الفت و مہر و محبّت سب ہے جیتے جی کے سات
مہرباں ہی اُٹھ گئے پھر مہربانی پھر کہاں

اب جو آغازِ جوانی کی بہاریں ہیں نیاں
پی نشے دھوم مچا کر سیر باغ و بوستاں
عیش و عشرت میں اُڑا لے زندگی کی خوبیاں
واعظ و ناصح بکیں تو اُن کے کہنے کو نہ ماں
دم غنیمت ہی میاں یہ نوجوانی پھر کہاں

ہو کے ہر دم خوبرویوں کی محبّت میں اسیر
وصف اب ان کا جو کرنا ہی سو کر لے دل پذیر
کھا نگاہِ سرمہ سا گے نازکوں کے دل میں تیر
جا پڑے چپ ہو کے جب شہرِ خموشاں میں نظیرؔ
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر خوانی پھر کہاں

[۱] ...نی زمانا جاں ...یعنی سمجھ میں نون غنہ ...درست نہیں بلکہ نون کا اعلان ضروری ہے۔ اسی لیے ...در حاضرہ کے فصحا ...یہاں ۔ اور میاں ...کے ساتھ جن میں نون کا اعلان نہیں قافیہ نہیں کرتے ۱۲ آسی

(۱۱۰)

تلقین ریاضت
لہجۂ فقیرانہ

دلا تو کہنے کو میرے یقین جان میاں
نہ کھو تو عمر کو غفلت میں ہر زمان میاں
جو بات تجھ سے کہوں میں اُسے تو مان میاں
دہن میں پھرتی ہے جب تک ترے زبان میاں
خدا کا نام لیا کر تو آن آن میاں

ملی جہاں میں تجھے یہ جو زندگانی ہے
عبادت اُس کی یہاں دل میں جس نے ٹھانی ہے
یہ چند روزہ ہے اے جاں نہ جاودانی ہے
اُسی کو دونوں جہاں بیچ شادمانی ہے
وہی تو کر جو رہے تو بھی شادمان میاں

جو ہر طرح تو عبادت میں دل لگاوے گا
ہزاروں فائدے دل خواہ اس میں پاویگا
تو یاں بھی خوش رہے گا واں بھی خوش تو جاویگا
اور اپنی عمر جو غفلت میں تو گنواوے گا
تو اس میں ہوگا نہایت ترا زیان میاں

نماز پڑھ کے ذرا صنع کے چمن کو دیکھ
ریاض روح کو اور گلستان تن کو دیکھ
بہار باغ عنایات ذوالمنن کو دیکھ
نعیم و راحت و آرام و پیرہن کو دیکھ
کہ ہیں خدا کے یہ الطاف بیکران میاں

لبوں کو زیب دے قرآن کی تلاوت سے
خوشی ہو دل کو ترے خلد کی طہارت سے
خبر جو ہو تجھے افضال کی بشارت سے
بدن کا حسن بڑھا طاعت و عبادت سے
اسی میں خوبی ہے تیری ہر مکان میاں

کئے گناہ جو رنج و عذاب دیکھے گا
بروز حشر بہت پیچ و تاب دیکھے گا

وگر صواب کرے گا ثواب دیکھے گا | خوشی سے اپنے تئیں کامیاب دیکھے گا
ہمیشہ حسنِ عمل سے لگا تو دھیان میاں

یہ زندگی ہے غنیمت اسے تو مفت نہ کھو | خدا کا شکر بجا لا ہر اک طرح خوش ہو
یہ دنیا مزرعِ عقبیٰ ہے اس میں نیکی بو | کہا نظیرؔ نے جو کچھ تو یاد رکھ اس کو
اسی میں تیری سعادت کا ہے نشان میاں

(۱۱۱)

وجد و حال

کیا علم انھوں نے سیکھ لیے جو بن لکھے کو بانچے ہیں | اور بات نہیں منھ سے نکلے بن ہونٹھ ہلائے جانچے ہیں
دل اُن کے تار ستاروں کے تن اُن کے طبل طمانچے ہیں | منھ چنگ زباں دل سارنگی پا گھنگرو ہاتھ کمانچے ہیں
ہیں راگ اُنھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ اُنھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

کل باجے بجکر ٹوٹ گئے آواز لگی جب لہرانے | اور چھم چھم گھنگرو بند ہوئے تب گت کا انت لگے پانے
سنگیت نہیں یہ سنگت ہے نٹوے بھی جس سے نٹ مانے | یہ ناچ کوئی کیا پہچانے اس ناچ کو ناچے سو جانے
ہیں راگ اُنھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ اُنھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

جب ہاتھ کو دھویا ہاتھوں سے جب ہاتھ لگے تھرکانے کو | اور پاؤں کو کھینچا پاؤں سے جب ترپٹ دُوں لگے گت پانے کو
جب آنکھ اُٹھائی ہستی سے جب نین لگے مٹکانے کو | سب کاچھ کچھے سب ناچ نچے اس رسیا چھیل رجھانے کو
ہیں راگ اُنھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ اُنھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب گھٹنا بڑھنا پھینک اُدھر اور دھیان ادھر مُدھر کرتے ہیں | بن رُوں تار ملاتے ہیں جب نرت نرالا کرتے ہیں

له اشارہ ہے اس حدیث کی طرف الدنیا مزرعۃ الآخرۃ ۱۲ ـ سله بانچنا پڑھنا ۱۲ ـ سله انجام حال خبر سراغ ۱۲ ـ سله گانے اور ناچنے کا فن ۱۲ ـ شه فارسی میں نے نٹوے کے معنی بازیگر اور نٹ کے لکھے ہیں لیکن حقیقت میں یہ ایک قوم جداگانہ ہے جو جامہ در برکر کی پہنکر ناچتی پھرتی ہیں نہایت ہی پیچ در پیچ کے ناچنے والے لونڈے ۱۲ ـ ه نٹ ماننا انکار کرنا نرٹ ماننا ہار ماننا ـ دعویٰ موسیقی دانی سے انکار کرنا ـ شه کاچھ سیکھا ہے بدلنا کسی تماشے میں بعض ... کو کوئی عمل کرنا مثل جیسے کاچھ کاچھے جیسے ناچ نچے کا چھپے کر بظر وحدت شہوری سمجھ کر لیا ہے جیسے ناچ کو ... ۱۲ ـ شه نوتہ ناچ ۱۲ پروفیسر شہباز

بن گہنے جھمکٗ کھلاتے ہیں بن جوڑے من کو ہرتے ہیں
بن ہاتھوں بھاؤ بتاتے ہیں بن پاؤں کھڑے گت بھرتے ہیں

ہیں اگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

تھا جن کی خاطر ناچ کیا جب مورت اُن کی آئے گئی
کہیں آپ کہا کہیں ناچ کہا اور تان کہیں لہرائے گئی
جب چھیل چھبیلی سندر کی چھب نینوں اندر چھائے گئی
اک مورچھا گت سے آئے گئی اور جوت میں جوت سمائے گئی

ہیں اگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب ہوش بدن کا دور ہوا جب گت پر آ مردنگ بجی
تن بھنگ ہوا دل دنگ ہوا سب آن گئی بے آن سجی
یہ ناچ کوئی نظیر اب یاں اور کس نے دیکھا ناچ اجی
جب بوند ملی جا دریا میں اس تان کا آخر نکلا جی

ہیں اگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

(۱۱۲)

ترغیب سخاوت و آزادگی

زردار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو
تن زیب تن سکھوں سے ترسا نہ اپنے تن کو
جو زر چلن چلیں ہیں چل تو بھی اُس چلن کو
مرشد کا ہے یہ نکتہ رکھ یاد اس سخن کو

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جا بیٹھ میکدوں میں سب درد و غم سے ہٹ کر
جھمکا گلابی مے کی پیالی اُلٹ پلٹ کر
محبوب دلبروں سے خوش ہو لپیٹ لپٹ کر
پی دودھ اور بتاسے میوہ مٹھائی چٹ کر

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو

لہ ہرنا۔ لبھانا۔ موہ لینا ۱۲ سٰہ مورچھا غشی۔ بیہوشی۔ مورچھا آنا یا کھانا۔ غش کھانا ۱۲ ع سرت کی بگڑی ہوئی صورت۔ خیال۔ یاد ۱۲ سٰہ نزاری کے ساتھ آتا ہی ہندی میں اسکے معنی مزے کے ہیں ۱۲ اشہیانہ

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

کمخواب[1] کیا دوشالہ کیا ریشمی دوسوتی
گر شال کا لنگوٹا مت رکھ قبا اچھوتی
بولے جو شوم بھڑوا مارا اس کے سر پہ جوتی
دو دن تو دوستوں میں بلوا لے اپنی طوطی

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملے سو کھا جا
تا اش اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
یا پی بخیل مت بن داتا سخی کہا جا
اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یاں کا یہی مزا ہے کھانا و یا کھلانا
بھوکے کو ڈال روٹی ننگے کو کچھ اڑھانا
سب اس گھڑی اڑا لے جو تجھ کو ہو اڑانا
غافل پھر اس گلی میں تجھ کو نہیں ہے آنا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو گل بدن ہیں روٹھے زر دے انھیں منالے
بوسہ انھوں کا لے کر سینے سے پھر لگالے
ہنس لے ہنسالے ہر دم دے لے دلالے کھالے
جو بن سکے سو اپنے جی کے مزے اڑالے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو پاس ہے ذخیرہ مت رکھ وہ کونے اندر
مسجد کنوئیں بنادے تالاب باغ مندر
دریا کہیں بہادے بن جا کہیں سمندر
سب کچھ اڑا الٹا کر ہو رہ سدا قلندر

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

[1] یہ بند اور بند ۵-۶-۷-۸-۱۲ متداول نسخوں میں نہیں ہیں ۱۲

باغوں کی دیکھ سیریں بھر جام کے چھلکے
آدے جو شوم بھڑوا کاڑھ اسکو دیکے دھکے
اور جہاں میلے ٹھیلے کر دھوم اور دھڑکے
تو شوق سے اُڑا اے عیش و مزے جھمکے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

صندوق میں جو زر ہے اسکو بھی لے گنوا دے
کوٹھی مکاں حویلی سب کھود کر کھلا دے
مے کے بہا کے نالے طبلوں کو کھڑکھڑا دے
گڑیوں تلک جلا دے اینٹوں تلک اُڑا دے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو بخیل کٹن[1] زر چھوڑ کر مرے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ راہِ خدا میں دے گا
یا کھائے گا جنوائی یا خالصے لگے گا
کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی سدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آپڑے گا تجھ پر کچھ حادثہ خلل کا
آگے سے دے دلا کے ہو رہ تو اس سے ہلکا
مالک پھر اور کوئی ٹھہرے گا تیرے ڈل[2] کا
کر سوچ اپنے دل میں کچھ آج کا نہ کل کا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

زر جوڑ جوڑ اپنے تو پاس گر رکھے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ اب عیش کر چکے گا
یا چھین لے گا حاکم یا چور لے مرے گا
جب وقت آپکا را تب کچھ نہ بن سکے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہے پھر وہی دھن بھی دیگا
مال و مکاں حویلی باغ و چمن بھی دے گا

---

[1] کٹن قرمساق دیوث پاجی۔ بدذات حرام زادہ۔ شریر کینفس مفسد
جنوائی۔ داماد۔
خالصے لگنا یعنی شہنشاہ ضبط ہونا ۱۲

[2] بعض نسخوں میں دل لکھا ہے اور بعض میں ڈل ڈلی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ عرف عام میں ڈل نقدی کو کہتے ہیں درحالیکہ وہ رقم معتدبہ ہو۔ ڈل بڑی فوج کو کہتے ہیں اور اس کے معنی انبار اور مقدار کے بھی لکھے ہیں ۱۲ شہبازہ

جیتا رہے گا جب تک کھانے کو اُن بھی دیگا | مرجائے گا تو وہی تجھ کو کفن بھی دے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے گڑے دبے ہیں سب کھائے اور کھلائے | رکھ دھن اسی کی دل میں اب کھائے اور کھلائے
اپنا سمجھ اُسی کو جب کھائے اور کھلائے | اب تو نظیر تو بھی سب کھائے اور کھلائے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

(۱۱۳)

آئینہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

لے آئینے کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ | صورت میں اپنی قدرت پروردگار دیکھ
خال سیاہ اور خط مشک بار دیکھ | زلف دراز و طرۂ عنبر نثار دیکھ

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے جان ترا ایک صاف دل | اور خال کیا ہیں تیرے سویدا کے رخ کے تل
زلف دراز نسیم رسا سے رہی ہے مل | لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں تجھی میں کھل

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

مشک تتار و مشک ختن بھی تجھی میں ہے | یاقوت سرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے

نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے
القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

سورج مکھی کے گل کی اگر دل میں تاب ہو
تو اپنے منہ کو دیکھ کہ خود آفتاب ہے
گل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے
رخسار تیرا گل ہے پسینہ گلاب ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس کے پھول پر تو نہ اپنا گمان کر
اور سرو سے بھی دل نہ لگا اپنا جان کر
اپنے سوا کسی پہ نہ ہرگز تو دھیان کر
یہ سب سما رہے ہیں تجھی میں تو آن کر

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس وہ کیا ہے جان تری چشم خوش نگاہ
اور سرو کیا ہے یہ ترا قدّ دراز آہ
گر سیر باغ چاہے تو اپنی ہی کر تو چاہ
حق نے تجھی کو باغ بنایا ہے واہ واہ

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

گر دل میں تیرے قمری و بلبل کا دھیان ہو
تو ہونٹھ تیرے قمری ہیں بلبل زبان ہے
ہے تو ہی باغ اور تو ہی باغبان ہے
باغ و چمن ہیں جتنے تو اُن سب کی جان ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بیلا گلاب سیوتی نسرین و نسترن
داؤدی جوہی لالۂ دراسیل و یاسمن
جتنی جہاں میں پھولی ہے پھولوں کی انجمن
یہ سب تجھی میں پھول رہے ہیں چمن چمن

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچہ و گل میں نہ ہو اسیر
اپنے تئیں تو دیکھ کہ کیا ہے ارے نظیر
قمری کی سُن صفیر، نہ بلبل کی سن صفیر
ہیں حرفِ مَنْ عَرَفْ کے یہی معنی اے نظیر

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

(۱۱۴)

گلدستہ قدرت

دنیا کا چمن یارو ہے خوب یہ آراستہ[1]
ہر پھول کے آنے کا جاری ہی سدا رستہ
سرسبز ہے اُس کا ہر سبزہ یہ پیوستہ
ہر شاخ مقطّع ہے ہر برگ ہے برجستہ

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہی یہ گلدستہ

یاں ارض و سما تارے جو اُن کے جھوٹے ہیں
سب وحشی و طائر ہیں یا گھاس کے بوٹے ہیں
جن دیو پری آدم یا باد بگولے[2] ہیں
کچھ اور نہیں یارو یہ گل ہی پھولے ہیں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہی یہ گلدستہ

ہر شہر و دِہ و قصبہ سب پھولوں کی ڈلیاں ہیں
دیوار و در و حجرے سب کیاریاں ڈھلیاں[3] ہیں
کوچے ہیں سو تختے ہیں گلیاں ہیں سو کلیاں ہیں
اینٹ اینٹ میں ہر گھر کے کیا رنگ ہیں رلیاں ہیں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

۱؎ آرستہ آراستہ کا مخفف ہے۔ ایک نسخہ اس کا آراستہ بھی ہے ۱۲ ۲؎ عموماً فصیح شعرا کی زبان پر بگولا ہے مگر نظیر نے اکثر بگولا ہی لکھا ہے اور شاید باعتبار ماخذ یہی اصح اور باعتبار استعمال یہی اقدم ہے ۱۲ ۳؎ سانچے کی ڈھلی کیاریاں۔ شہباز

انبوہ ہے غنچوں کا اور گل کی قطاریں ہیں
جو اپنی کھڑے ہو کر خوبی کو سنواریں ہیں

شاخوں کے تراکم ہیں برگوں کی بہاریں ہیں
سب اپنے ہی عالم میں دم حسن کا ماریں ہیں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

کہتا ہے گلاب ہر دم میں عطر سراسر ہوں
بیلا یہ پکارے ہے میں چاند کا پیکر ہوں

اور سیوتی کہتی ہے میں اس سے معطر ہوں
گل اشرفی کہتی ہے وہ کیا ہے میں بہتر ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

لالہ یہ سناتا ہے میں لعل کا پیالا ہوں
صد برگ یہ کہتا ہے سو درجہ میں بالا ہوں

سورج مکھی کہتی ہے میں اسکی بھی خالا ہوں
گل جعفری کہتی ہے میں اس سے بھی اعلا ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

نسرین و سمن سنبو گچھا ہے ثریا کا
رابیل چنبیلی بھی جلوہ ہے ڈلیا[1] کا

نیلوفر و نافرماں ہے روپ کنھیا کا
دم بھرتا ہے جنت سے ہر پھول کیٹھا کا

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

کہتا ہے کنول ہر دم میں پاک نمازی ہوں
سوسن کی زباں بولی میں ترکی و تازی ہوں

اور موگرا کہتا ہے میں مرد ہوں غازی ہوں
گل باسی[2] یہ کہتی ہے میں سب سے تازی ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

مدھو مالتی ناگیسر اور مول سری کرنا
دوپہریا داؤدی گل چین کٹھل برنا[3]

---

[1] ڈلیا۔ غالباً یہ وہی پھول ہے جس کو انگریزی میں ڈہلیا کہتے ہیں پھول پیالے کی طرح بڑا بڑا زرد سرخ ہر قسم کا ہوتا ہے جو زرد ہوتا ہے اُس کا کنارہ سرخ ہوتا ہے اور جو سرخ ہوتا ہے اُس کا کنارہ زرد۔ دیتی و حاشیہ کا یہ اختلاف اسے نہایت خوشنما کر کے دکھاتا ہے ۱۲

[2] گل باسی۔ گل عباسی مشہور ہے لفظ کو یہاں بدل دیا ہے اور لبیبل تقابل باسی سے ایک تازہ لطف پیدا کیا ہے ۱۲

[3] برنا۔ ایک درخت اور اس کے پھل کا نام جو گوبر سے مشابہ اور مزے میں تلخ ہے۔ یہاں اس کا پھول مراد ہے ۱۲ شبانہ

نرگس بھی پکارے ہی مجھ پر یہ نظر کرنا — پھیچے کو سہاگن کے سو عشق کے دم بھرنا

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہی یہ گلدستہ

گل کیوڑا کہتا ہے کیا مجکو تراشا ہے — اور کیتکی کہتی ہے صندل کا تراشا ہے
اور موتیا شفتالو زر سیم کا ماشا ہے — اور رنگ حنا مخمل جو ہے سو تماشا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہی یہ گلدستہ

ڈیلے وکنیروں کی کیا پنکھڑی ڈھالی ہے — چنبا و بھچنبا ہے یا موتی کی بالی ہے
بگلے و مدن بان کی کچھ بات نرالی ہے — گل چاندنی کہتی ہے میری ہی اُجالی ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

دستار پہ گل طرہ کیا شان جماتا ہے — کلگا بھی اُدھر اپنی کلگی کو ہلاتا ہے
اور پھول تواڑے کا بجرے کو بڑھاتا ہے — جو گل ہے سو اپنے ہی جوبن کو دکھاتا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

بن[۱] آگ[۲] ترئی[۳] ٹیسو[۴] کیا پھول رہے بن بن — سرسوں ہرا اڑوشا ہے پھر اور رہی ہی سن بن
کہتا ہے پیا بانسا ہے حسن مرا سوسن — ورسن یہ پکارے ہی آ دیکھ لے سُکھ درسن

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

قدرت کہ بنا جس نے اس باغ کی ڈالی ہے — کیا بولیں نظیر آگے کیا خوب وہ مالی ہے
کیا نخل کا ڈالا ہے کیا پھول کی ڈالی ہے — سب کا وہی وارث ہی سب کا وہی والی ہے

---

[۱] باشا ایک چھوٹا سا وزن آٹھ رتی کا جس سے چاندی تولتے ہیں۔ اور رتی کو سرخ بھی کہتے ہیں اور حبہ بھی۔ ہندی نام اس کا گھنگچی ہے عربی میں عین الدیک اور فارسی میں چشم خروس کہتے ہیں ۱۲ [۲] بن روئی کا کھیت روئی کے درخت [۳] آک ایک قسم کا درخت ہے جو کھرسا میں سرسبز رہتا ہے اور برسات میں اکثر اُس کے پتے گل جاتے ہیں اُس کا دودھ نری رنگنے اور دوا پھول میں ڈالنے کے کام آتا ہی۔ آک کی بڑھیا آک کے پھول کی زری جو نہایت ملائم اور چکدار ہوتی ہی ۱۲ [۴] ٹیسو۔ پلاس ڈھاک کا پھول جس میں سے زرد رنگ نکلتا ہی ۱۲ [۵] اڑوسا ایک درخت ہی جو دوا کے کام آتا ہے ۱۲ شہبانہ۔

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دستِ قدرت نے باندھا ہے یہ گلدستہ

(۱۱۵)

اسرارِ قدرت

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنی ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی رمّال کہانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا کہانے
جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ہوا کے اوپر یہ آسماں کا بچھا یہ خیمہ جو تن رہا ہے
ادھر ہے چاند اور اُدھر ہے سورج ادھر ستارہ اُدھر ہوا ہے
نہ اسکی میخیں ہیں نہ طنابیں نہ اسکی چوبیں ادھر کھڑا ہے
کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا ہے اور کاہے کا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہے گا زمیں کا اب جو یہ بسترا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر فلک سے سر جس کا جا لگا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

زمیں سے لیکر جو آسماں تک بھری ہے لاکھوں طرح کی خلقت
یہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی صنعت خدا کی حکمت
کہیں ہے ہاتھی کہیں ہے چیونٹی کہیں ہے راجا کہیں ہے رعیت
جو چاہے کھولے یہ بھید اسکے کسی کو اتنی نہیں ہے قدرت

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی جو پوچھے کسی سے جا کر یہ ملک کیا ہے اور کب بنا ہے
ارسطو لقمان اور فلاطوں ہر ایک سر کو ٹپک گیا ہے
جو جانتا ہو تو کچھ بتاوے نجانے سو کیا کہے کہ کیا ہے
یہ وہ طلسمات ہے کہ جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی ہے ہنستا کوئی ہے روتا کہیں ہے شادی غمی کہیں ہے
کوئی گھسٹتا زمیں کے اوپر کوئی خوشی سے فلک نشیں ہے
کہیں ترقی کہیں تنزل کہیں گماں اور کہیں یقیں ہے
یہ بھید اپنا وہ آپ جانے کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کی یہ رنگین چوپڑ غرض بچھائی ہے اب خدا نے
جو پانسا پھینکے بنا بنا کر ہزاروں کتنے ہی دل میں ٹھانے
کوئی ہے ٹھیکل کسی کا جگ ہے بھرے ہیں دیں بھی خانے خانے
جو چاہتا ہو اٹھارہ آویں تو اسکو پڑتے ہیں تین کانے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب یہ شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن اور رات اس جا
ہزاروں منصوبے اندھے لیکن نہ شہ ہے چالوں کی گھات اس جا
جو مات چاہے کرے کسیکو نہ آ شہ پر اس کو ہات اس جا
نہیں ہے اک چار چوک قائم سبھوں کی بازی ہے مات اس جا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کے ورق بنے ہیں کوئی مکدر کوئی صفا ہے
کوئی امیر اور کوئی وزیر ہے کوئی فقیری میں دل خفا ہے
کسی کے سر پر ہے تاج شاہی کسی پہ شمشیر پر جفا ہے
سبھوں کو اس جا خیال آیا یہ حق کی قدرت کا گنجفا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے لنڈھاوے کسے بھریگا

کسی کے گھر کون ہووے پید اکسی کے گھر کون سامر یگا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہی کہ کیا کیا ہی اور کیا کرے گا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کا یہ جال ہی گا کمند کہیئے و یا کمندا
سبھوں کی گردن پھنسی ہی اسمیں کسی کا ٹوٹا نہ ایک پھندا
نہ چھوٹے چیونٹی نہ چھوٹے ہاتھی کوئی وحشی نہ کوئی پرندا
نظیر اتنی مجال کسکی کہاں خدا اور کہاں ہے بندا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

(۱۱۶)

خواب غفلت

جب یار نے اُٹھائی چھری تب خبر پڑی
الفت کی آگ دل میں پڑی تب خبر پڑی
اور دوں ہیں اک بدن پہ جڑی تب خبر پڑی
جب آنکھ اُس صنم سے لڑی تب خبر پڑی
غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی

جب تک چڑھی جوانی تھی اور بال تھے سیاہ
آئی شراب اس میں بڑھاپے کی خواہمخواہ
اُلفت کسی سے پیار محبت کسی سے چاہ
پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ
دلبر نے دی پھر اُس سے کڑی تب خبر پڑی

تھے جب تلک ادھیڑ رہے تو بھی وہ لوے
یاروں سے جب تو بولے کہ لو یار وہم چلے
اور جب سفید ہو گئے ہوے برف کے ڈلے
لائے تھے ہم تو عمر ٹپا یاں لکھا دے
جب سیاہی پہ سفیدی جڑی تب خبر پڑی

ڈاڑھی کی جب کہ رات گئی اور صبح ہوئی
دلبر کھڑا بجاوے تھا گھڑیال عمر کی
تو بھی یہ دل میں خوش تھے کہ مرنا نہیں ابھی
سُن سُن کے سن تو ہوتے تھے پر کچھ خبر نہ تھی

باجی جب آگجر کی گھڑی تب خبر پڑی

اُس حال پر بھی کچھ نہ ہوئی دید اور شنید
منشی قضا کا لکھنے لگا جنس کی رسید
دانتوں پر اس میں آن کے ہل چل پڑی شدید
ڈاڑھیں لگیں اُکھڑنے کو دنداں ہوئے شہید

مجلس میں چل بچل یہ پڑی تب خبر پڑی

اس پوپلے ہی منھ سے لگے کرنے پھر نباہ
گردن پھر اس میں ہلنے لگی کم ہوئی نگاہ
کانوں کے اس میں آن کے پردے ہوئے تباہ
بن دانت بھی ہنسے پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ

جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی

ڈھاتے تھے واں مزدور تو تن کی محل سرا
اس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آچڑھا
یہ گھر بنا رہے تھے دوالیں اُٹھا اُٹھا
شہتیر سا جو قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا

گرنے لگی کڑی یہ کڑی تب خبر پڑی

کبڑے ہوئے تو جب بھی نہ سمجھے یہ ہوشیار
پھر اس میں آکے سر نے لیا پاؤں پر قرار
یعنے کہ اب تو باندھیئے گھوڑے پہ بوجھ بھار
چوگان سے کمر کے بنا سر کی گیند مار

کھیلا جب آکے گیند تڑی[۱] تب خبر پڑی

یہ تو لگائے بیٹھے تھے اپنی بڑی دکان
لیکھا جب اس میں عمر کا ڈیوڑھا ہوا جب آن
۱/۱۰
تھے غرق لین دین میں اور کچھ نہ تھا دھیان
گیا جو لنڈھ چلا تو ہوا تب بھی کچھ گیان

جب کٹ گئی دھڑی کی دھڑی تب خبر پڑی

بستر پہ جب تو آن پڑے لوٹ کر نڈھال
ہونے لگی فرشتوں سے نظروں میں قیل و قال
اُٹھنے دے کون آہ جو کروٹ ہوئی محال
جی غش میں ڈوبا تو بھی نہ تھا کوچ کا خیال

جب سانس آگلے میں اڑی تب خبر پڑی

چھاتی پہ چڑھ قضا نے لیا جب گلے کو گھونٹ
اُکھڑی بدن سے جان بھی رگ رگ سے چھوٹ چھوٹ
پانی کا پھر تو آہ نہ اُترا گلے سے گھونٹ
پنجہ دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ

۱؎ گیند تڑی ایک کھیل کا نام ہے جس میں گیند کو جب اُچکتا ہے تو ہاتھ سے یا چوگان سے مارتے ہیں اور اسی طرح گھڑی سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ جب تڑی کھیلنے میں چور کسی لڑکے کی کمر پر مار دیتا ہے تو اس وقت پکار کر کہدیتا ہے کہ تڑی ہے یعنی اب یہ چور ہو گیا۔ شہبازؔ

جب چاپ لی گلے کی بڑی تب خبر پڑی

کاندھے پہ رکھ کے پالکی لے آئے جب کہار
اس میں نہا کے آپ بھی جلدی ہوئے تیار
اور غل مچا کے بولے کہ جلدی سے ہو سوار
کپڑے بدل کے عطر لگا پہن پھول ہار
نکلی سواری دھوم پڑی تب خبر پڑی

جب پالکی میں چڑھ کے چلا آپ کا بدن
تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا کون بے وطن
کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ کر پھبن
جب آئے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار من
اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر پڑی

(۱۱۷)

خدا کی دی ہوئی نعمتیں

یہ نعمتیں عیاں ہیں جو عالم کے واسطے
کچھ تن کے واسطے ہیں کچھ اشکم کے واسطے
ہیں گی یہ سب میاں اسی آدم کے واسطے
ہیں بیش بیش کے لیے کم کم کے واسطے
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

محبوب گل عذار پری زاد سرخ فام
ناز و ادا و چوچلے دولت کی دھوم دھام
مطرب شراب ساقی و مینا صراحی جام
ہستی نشاط و عشرت و عیش و طرب مدام
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

اسباب عشرتوں کے ہیں جتنے جہاں تہاں
حقے بھرے چمکتے ہیں اور نیچے پیچوان
گل دان پاندان عطر دان زرفشاں
مشک و گلاب و عطر و چمن باغ و بوستاں
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے

اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

جتنے جواہرات ہیں سُرخ و سفید لال
نیروزہ مونگا موتی و پکھراج خوش خصال
یاقوت لعل یمنی و نیلم فلک مثال
زر سیم فوج حشمت واملاک گنج و مال

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

میوے ہیں جتنے خشک تر اس باغ میں لگے
خربوزے آم جامن و لیموں چکوترے
بادام پستے داکھ چھہارے دکھو پرے
نارنگی و انار بہی کوے سنگترے

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

دنیا میں جتنے لوگ ہیں کیا شاہ کیا فقیر
کیا عشرتیں بہار کی کیا عیش دل پذیر
سب سکھ میں ہیں پر ایک اک دکھ میں ہے اسیر
جن جن کا تم نے نام لیا اب میاں نظیر

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

فلسفیانہ نظمیں

حکمت

(۱۱۸)

کوڑی کی فلاسفی

کوڑی ہے جن کے پاس وہ اہل یقین ہیں
کپڑے بھی اُن کے تن میں نہایت مہین ہیں
کھانے کو اُن کے نعمتیں سو بہترین ہیں
سمجھیں ہیں اُس کو وہ جو بڑے نکتہ چین ہیں
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی بغیر سوتے تھے خالی زمین پر
پٹکے سنہرے بندھ گئے جاموں کی چین پر
کوڑی ہوئی تو رہنے لگے شہ نشین پر
موتی کے گچھے لگ گئے گھوڑوں کی زین پر
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی ہی چاہتی ہے سدا بادشاہ کو
لے کر چھڑی رومال گدا بھی بناہ کو
کوڑی ہی تھام لیتی ہے فوج و سپاہ کو
پھرتا ہے ہر دکان پہ کوڑی کی چاہ کو

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی نہ ہو تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو
منڈوا کے سر فقیر کا چیلا کہاں سے ہو
رتھ خانہ فیل خانہ طویلا کہاں سے ہو
کوڑی نہ ہو تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں کوڑی کے واسطے
یاں تک تو لوگ مرتے ہیں کوڑی کے واسطے
آپس میں خون کرتے ہیں کوڑی کے واسطے
جو جان دے گذرتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

گالی و مار کھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
سو ملک چھان آتے ہیں کوڑی کے واسطے
شرم و حیا اٹھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
مسجد کو دم میں ڈھاتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کتنے تو ہم میں ایسے ہیں کوڑی کے مبتلا
خست نہیں، ہے ایسا ہی کوڑی کا مرتبا
کوڑی ہو گندگی میں تو لیں دانت سے اٹھا
کوئی دانت سے اٹھاوے ہم آنکھوں سے لیں اٹھا

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی ہی ڈالتی ہو ---- کے تئیں لتاڑ
کوڑی ہی اُس کی لیتی ہے انگیا نہ کرتی پھاڑ

کوڑی ہی ۔ ۔ ۔ ۔ کی کرتی ہے چھیڑ چھاڑ
لڑکا بھی دم میں آتا ہے سُن کوڑیوں کا جھاڑ

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگیں ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی خورد ہے کے برابر بھی پت نہ تھی
آکے گماشتوں کی کھلی ہر طرف بہی
کوڑی جب آئی پاس تو بن بیٹھے سیٹھ جی
پھر وہ جو کچھ کہیں تو وہی بات ہی سہی

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی تھیں نہ تیل کی باسی سنکوڑیاں
یوں خلق دوڑے مکھیاں جوں گڑ پہ دوڑیاں
کوڑی ہوئی تو چھٹنے لگیں لبنی چوڑیاں
خالق نے کیا ہی چیز بنائی ہیں کوڑیاں

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

خاصے محل اُٹھاتے ہیں کوڑی کے زور سے
پُل اور سرا بناتے ہیں کوڑی کے زور سے
پکّے کوئیں کھُداتے ہیں کوڑی کے زور سے
باغ و چمن لگاتے ہیں کوڑی کے زور سے

کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

لے مفلس اور فقیر سے تا شاہ او روزیر
دیتے ہیں جان کوڑی پہ طفل و جوان و پیر
کوڑی وہ دل رُبا ہے کہ ہے سب کی دلپذیر
کوڑی عجب ہی چیز ہے میں کیا کہوں نظیرؔ

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

(۱۱۹)

پیسے کی فلاسفی

نقش یاں جس کے میاں ہاتھ لگا پیسے کا — اُس نے تیار ہر اک ٹھاٹھ کیا پیسے کا
گھر بھی پاکیزہ عمارت سے بنا پیسے کا — کھانا آرام سے کھانے کو ملا پیسے کا
کپڑا تن کو بھی ملا زیب فزا پیسے کا

جب ہوا پیسے کا اے دوستو آکر سنجوگ — عشرتیں پاس ہوئیں دور ہوئے تن کے روگ
کھائے جب مال پوے دودھ دہی موہن بھوگ — دل کو آنند ہوئی بھاگ گئے رد گ او ر دھوگ
ایسی خوبی ہے جہاں نام ہوا پیسے کا

ساتھ اک دوست کے اکدن جو میں گلشن میں گیا — واں کے سرو و سمن و لالۂ و گل کو دیکھا
پوچھا اس سے کہ یہ ہے باغ بتاؤ کس کا — اُس نے جب گُل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا
مہرباں مجھ سے یہ تم پوچھو ہو کیا پیسے کا

یہ تو کیا اور بڑے ایسے ہیں جو باغ و چمن — ہیں کھلے کیاریوں میں نرگس و نسرین و سمن
حوض فوارے ہیں بنگلوں میں بھی پڑے چلون — جا بجا قمری و بلبل کی صدا شور افگن
واں بھی دیکھا تو فقط گل ہے کھلا پیسے کا

واں کوئی آیا لیے ایک مرصع پنجرا — لال و ستار و بیٹر بھی ہرا جوں طوطا
اُس میں اک بیٹھی ہے مینا کہ ہو بلبل بھی فدا — میں نے پوچھا یہ تمھارا ہے رہا وہ چپکا
نکلی منقار سے مینا کے صدا پیسے کا

واں سے نکلا تو مکاں اک نظر آیا ایسا — در و دیواروں سے چمکے تھا پڑا آب طلا
سیم چونے کی جگہ اُس کی تھا اینٹوں سے لگا — واہ وا کر کے کہا میں نے یہ ہوگا کس کا
عقل نے جب مجھے چپکے سے کہا پیسے کا

ؔ اس نظم کا عنوان قدیم نسخوں میں "پیسے کی عزت" تھا بعد میں یہ پیسے نامہ سے ملقب ہوئی ہیں نئے زمانۂ حال کے لحاظ سے پیسے کی فلاسفی کر دیا ہے۔ اس لیے اس میں پیسے کے متعلق حکیمانہ تجربے بند ہیں عنوان میں اس قسم کا تصرف میں نے اکثر نظموں میں کیا ہے اور یقیناً خوش نما ہے ۱۲ شہبانہ

روٹھا عاشق سے جو معشوق کوئی ہٹ کا بھرا — اور وہ منّت سے کسی طور نہیں ہے منتا
خوبیاں پیسے کی اے یارو کہوں میں کیا کیا — دل اگر سنگ سے بھی اُس کا زیادہ تھا کڑا
موم سا ہو گیا جب نام سُنا پیسے کا

جس گھڑی ہوتی ہے اے دوستو پیسے کی نمود — ہر طرح ہوتی ہے خوش وقتی و خوبی بہبود
خوشدلی تازگی اور خرّمی کرتی ہے ورود — جو خوشی چاہیئے ہوتی ہے وہیں آ موجود
دیکھا یارو تو یہ ہے عیش و مزا پیسے کا

پیسے والے نے اگر بیٹھ کے لوگوں میں کہا — جیسا چاہوں تو مکاں ویسا ہی ڈالوں بنوا
حرف تکرار کسی کی جو زباں پر آیا — اُس نے بنوا کے دیا جلدی سے ویسا ہی کھڑا
اُس کا یہ کام ہے اے دوستو یا پیسے کا

ناچ اور راگ کی بھی خوب سی تیّاری ہے — حسن ہے ناز ہے خوبی ہے طرح داری ہے
ربط ہے پیار ہے اور دوستی ہے یاری ہے — غور سے دیکھا تو سب عیش کی بسیاری ہے
روپ جس وقت ہوا جلوہ نما پیسے کا

دام میں دام[1] کے یارو جو مرا دل ہے اسیر — اس لیے ہوتی ہے یہ میری زباں سے تقریر
جی بھی خوش رہتا ہے اور دل بھی بہت عیش پذیر — جس قدر ہو سکا میں نے کیا تحریر نظیرؔ
وصف آگے میں لکھوں تا بہ کجا پیسے کا

(۱۲۰)

پیسے کی فلاسفی

پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے — پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا سوال ہے
پیسا ہی فوج پیسا ہی جاہ و جلال ہے — پیسے ہی کا تمام یہ تنگ و دوال ہے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے

[1] روپے کا چالیسواں حصہ پیسا۔ دام سلاطین ہند کے مناصب و خراج ملک میں روپے کے چالیسویں حصے سے مراد ہوا کرتی تھی اور نیز پیسے کے پچیسویں حصے کو دام کہتے ہیں ۔ شہباز

پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے کے ڈھیر ہونے سے سب سیٹھ ساٹھ ہیں
پیسے کے زور شور ہیں پیسے کے ٹھاٹھ ہیں
پیسے کے کوٹھے کوٹھیاں چھ سات آٹھ ہیں
پیسا نہ ہو تو پیسے کے پھر ساٹھ ساٹھ ہیں
پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسہ نہ ہو تو ہاتھی بھی دمڑی کا دستہ ہے
پیسے سے اونٹ لاکھ اشرفی کو سستا ہے
ہر وقت جس کے سامنے پیسا برستا ہے
لادے ہی اونٹ کو کوئی ہاتھی کو کستا ہے
پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا جو ہووے پاس تو کندن کے ہیں ڈلے
پیسے بغیر مٹی کے اُس سے ڈلے بھلے
پیسے سے چُنّی لاکھ کی اک لعل دے کے لے
پیسا نہ ہو تو کوڑی کو موتی کوئی نہ لے
پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے سے چہرے تاش کے طرّے سنہرے ہیں
سیر و طرب کے عیش و مزے گھر سے گھر ہیں
ہر لحظہ ماہ عید نما شکل و چہرے ہیں
ہر دم بسنت ہولی دوالی دسہرے ہیں
پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا نہ ہو تو باغ کنوئیں پھر کہاں سے ہوں
کھانے کو پوری اور پوے پھر کہاں سے ہوں
عیش و طرب کے نکی دوسے پھر کہاں سے ہوں
حلوا کچوری مال پوے پھر کہاں سے ہوں
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

له وہ سیاہ ٹٹا ہوا دھاگا جو چرخے کو تکلے سے ملاتا ہے اور چرخے کی گردش کے ساتھ تکلے کو پھراتا ہے یہاں بے حقیقت شے سے مراد ہے ۱۲
سه: ستارہ کھائی دینا معلوم ہوتا شاعر نے معلوم ہوتا ہے اس لفظ کو یہاں بالفتح استعمال کیا ہے۔ یا ممکن ہے کہ دستہ فارسی لفظ ہو قبضے کا مترادف ۱۲ شہباز

پیسا جو ہو تو دیو کی گردن کو باندھ لائے
پیسے سے لالہ بھیا جی اور چودھری کہائے
پیسا نہ ہو تو مکڑی کے جالے سے خوف کھائے
بن پیسے ساہوکار بھی اک چوبر سا دکھائے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

چہرہ بھی لعل درب[1] کے درپن کے بیچ ہے
پوری بھگت[2] بھی پیسے کی سمرن کے بیچ ہے
گر درب ہو تو سیر بھی گلشن کے بیچ ہے
درشن بھی خوب روپ کا سب دھن کے بیچ ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

جوڑے سے چمن بہار ہیں پیسے کے واسطے
خوشبو کے پھول ہار ہیں پیسے کے واسطے
گہنے مرصع کار ہیں پیسے کے واسطے
سب نقش اور نگار ہیں پیسے کے واسطے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

رونق بہار ہوتی ہے پیسے سے سب حصول
پیسا ہی ساری چیز ہے پیسا ہی مرد شول
اور جو نہ ہووے چہرے پہ اڑتی ہے خاک دھول
پیسے سے آدمی ہے جہاں بیچ نا قبول

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے سے موٹی چونی کا عز و وقار ہے
پیسے میں گر غمی ہو تو نہ بھی بہار ہے
پیسے سے اعتبار ہے اور افتخار ہے
پیسے بغیر شادی بھی ہووے تو خوار ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا ہی حسن دلاتا ہے انساں کے ہات کو
پیسا ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور برات کو

[1] درب بمعنا چاندی۔ درپن آئینہ فارسی نے درب کے معنی کامیابی و دولت و فراغ بالی و خوشحالی بھی لکھے ہیں مگر غالباً یہ معنی اصطلاحی ہیں نہ لغوی ۱۲
[2] بھگت زہد و تقوی ۱۲ شہباز

بھائی سگا بھی آن کے پوچھے نہ بات کو ۔ بن پیسے یار و دولہ بنے آدھی رات کو

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے نے جس مکاں میں بچھایا ہے اپنا جال ۔ پھنستے ہیں اُس مکاں میں فرشتوں کے پر و بال
پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوب خوش جمال ۔ پیسا پری کو لائے پرستان سے نکال

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

تیغ اور سپر اُٹھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر ۔ تیر و سناں لگاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
میدان میں زخم کھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر ۔ یاں تک کہ سر کٹاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

عالم میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے ۔ بنیاد دیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
دوزخ میں فیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے ۔ جنت کی سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

دنیا میں دین دار کہاتا بھی نام ہے ۔ پیسا جہاں کے بیچ نہ قائم مقام ہے
پیسا ہی جسم و جان ہے پیسا ہی کام ہے ۔ پیسے ہی کا نظیر یہ آدم غلام ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

(۱۲۱)
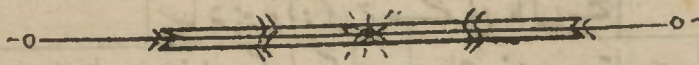
روپے کی فلاسفی

نقشا ہے عیاں سو طرب و رقص کی رتے کا
جھنکار مجیروں کی ہے اور شور ہے رے کا
ہے ربط بہم طبلہ و سارنگی و نے کا
مینا کی جھلک جام اُدھر چھلکے ہے مے کا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ہر آن جہاں روپ روپے کے ہیں جھلکتے
موتی بھی جھلکتے ہیں جواہر بھی جھمکتے
کیا کیا زر و زیور کے ہیں واں رنگ دمکتے
سب ٹھاٹھ اسی چلکی سے دیکھیں ہیں چلکتے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

بن ٹھن کے ہر اک بزم میں آتے ہیں اسی سے
شیرینیاں میوے بھی منگاتے ہیں اسی سے
میلوں میں تماشوں میں بھی جاتے ہیں اسی سے
کھاتے ہیں اور اوروں کو کھلاتے ہیں اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پوشاک جھمک دار بناتے ہیں اسی سے
محلات نمودار بناتے ہیں اسی سے
حشمت کے چمن کار بناتے ہیں اسی سے
باغات چمن زار بناتے ہیں اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے ہے حسن فسوں کا رکھیتا
گجرے سے لگا طرۂ زرتار کھیتا
اس روپ سے فرحت کے ہیں آثار کھیتا
کیا موتیا ہے موتیوں کے ہار کھیتا

سلہ رے یہ رونق کیفیت ۱۲ سلہ چلکی اشرفی - سونے چاندی کا سکہ ۱۲ سلہ چلکنا - چمکنا - جگمگانا ۱۲ سلہ چمن کار وہ کپڑا جس میں اعلیٰ درجہ کی صنعت کی گلکاری کی ہو معلوم ہو کہ چمن زار کھلا ہوا ہے ۱۲ سلہ روپ چاندی روپے کو بھی کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے ۱۲ شہباز

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے گرمی کے بھی ساماں عیاں ہیں
دن کو بھی جدھر دیکھیے ٹھنڈک کے نشاں ہیں
خس خانے ہیں چھڑکے ہوئے اور عطر فشاں ہیں
اور شب کے بھی سونے کو ہوا دار مکاں ہیں

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے بارش کی بھی چیزیں ہیں میسر
باہر بھی وہ دیکھیں ہیں بہاروں کو نظر بھر
رتھ چھتریاں بارانیاں اور موم کی چادر
گھر میں بھی خوشی بیٹھے ہیں سامان بنا کر

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

یہ روپ جہاں ہیں کوئی واں دل نہیں میلا
دیکھو جدھر اسباب ہے خوش وقتی کا پھیلا
اُجلے ہیں بچھے فرش نہیں کچھ بھی کچیلا
بھرتا ہے اسی تھیلی سے ہر جنس کا تھیلا

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ظاہر میں تو اے دوست راحت ہے اسی سے
ہر بات کی خوبی و فراغت ہے اسی سے
ہر آن دل و جاں کو مسرت ہے اسی سے
عالم میں نظیرؔ عشرت و فرحت ہے اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

(۱۲۲)

زر کی فلاسفی[1]

دنیا میں کون ہے جو نہیں ہے فدائے زر — جتنے ہیں سب کے دل میں بھری ہے ہوائے زر
آنکھوں میں دل میں جان میں سینے میں جائے زر — ہم کو بھی کچھ تلاش نہیں اب سوائے زر

جو ہے سو ہو رہا ہے مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں — اور کتنے زر کو کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں — کتنے اسی کو قاضی[2] حاجات کہتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

یہ پانی اب جو زیست کی سب کی نشانی ہے — زر کی جھمک کو دیکھ کے اب یہ بھی پانی ہے
یارو ہماری جس کے سبب زندگانی ہے — یہ پانی یہ نہیں ہے وہ سونے کا پانی ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

آب طلا کی بوند بھی اب جس کے ہات ہے — وہ بوند کیا ہے چشمۂ آب حیات ہے
دنیا میں عیش دین بھی عشرت کے سات ہے — زر وہ ہے جس سے دونوں جہاں میں نجات ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سرمے کی جس کے پاس طلا کی سلائی ہے — آنکھوں میں اس کی آب بڑی روشنائی ہے
لے عرش فرش سب اسے دیتا دکھائی ہے — خالق نے دیکھ نور کی پتلی بنائی ہے

[1] اس نظم کا ایک عنوان "تلاش زر" بھی ہے ۱۲
[2] اشارہ ہے اس مشہور شعر کی طرف ہے اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا ستار عیوب و قاضی الحاجاتی ۱۲ شہباز

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلاے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہاے زر

زر کھان میں گڑا ہے تو واں بھی بہار ہے
دیوار میں لگا ہے تو واں بھی بہار ہے
شمشیر پر چڑھا ہے تو واں بھی بہار ہے
گر خاک میں گرا ہے تو واں بھی بہار ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلاے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہاے زر

زر کے دیے سے پیر اور استاد نرم ہو
جو شوخ سنگدل ہے پری زاد نرم ہو
زر کے سبب سے دشمن بنیاد نرم ہو
زر وہ ہے[۱] جس کو دیکھ کے فولاد نرم ہو

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلاے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہاے زر

کپڑے پہ گر لگا ہے طلائی کلابتوں
ہو دست رس تو جو نہ اچکے کو کیا کہوں
میں اُس کے تار تار کی تعریف کیا کہوں
میرے ہی دل میں ہے کہ میں ہی اُس کو چھین لوں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلاے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہاے زر

جا لوگ روم و شام میں زر کو کماتے ہیں
دکھن سے زر کے واسطے سب یاں کو آتے ہیں
اور چین سے زر کے جہاز آتے جاتے ہیں
اور یاں کے زر کے واسطے دکھن کو جاتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلاے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہاے زر

سونے کی جدولیں جو کتابوں پہ عام ہیں
جن کے ورق ورق بھی سنہرے تمام ہیں
وہ جدولیں وہ رنگ وہ سونے کے کام ہیں
سب میں زیادہ اُن کے ہی قیمت میں نام ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلاے زر

[۱] اشارہ ہے اس مشہور مثل کی طرف کہ زر بر سر فولاد نہی نرم شود ۱۲ شہباز

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

اب جن کے گھر میں ڈھیر ہیں سونے کے دام کے
سب مل کے پاؤں چومے ہیں ان کے غلام کے
ہر ایک امیدوار ہیں اُن کے سلام کے
کیا رتبے ہیں طلائے علیہ السّلام کے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کتنوں کے دل میں دُھن ہے کہ زر ہی کمائیے
کہتا ہے کوئی ہائے کہاں زر کو پائیے
کچھ کھائیے کھلائیے اور کچھ بنائیے
کیا کیجے زہر کھائیے اور مر ہی جائیے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونا اگرچہ زرد ہے یا سرخ فام ہے
سب میں زیادہ حسن کی الفت کا دام ہے
لیکن تمام خلق کو اُس سے ہی کام ہے
زر وہ ہے جس کا حسن بھی ادنیٰ غلام ہے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

+++ جو +++ پہنے ہے سونے کی بالیاں
یار اُس کے سب سمجھتے ہیں پھولوں کی ڈالیاں
کیا اُس کے منہ پہ حسن کی چمکے ہیں لالیاں
سب اُس کو چھیڑ چھیڑ کے کھاتے ہیں گالیاں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سر پاؤں سے جو سونے کے گہنے کے ذیل ہے
یہ چاہ یہ ملاپ تو زر کے طفیل ہے
جو دیکھتا ہے اُس کے وہی دل کو میل ہے
نہ پوچھتے ہیں بھوت ہے وہ یا چڑیل ہے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں | کٹتے ہیں ہاتھ پاؤں گلے اور کلائیاں
بندوقیں اور ہیں کہیں توپیں لگائیاں | کل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

لڑکا سلام کرتا ہے جھک کے رشک ماہ | بوڑھے بڑے سب اسکی طرف پیار کرکے واہ
دیتے ہیں یہ دعا اُسے تب دل سے خواہ مخواہ | اے میرے لعل ہو ترا سونے کے سہرے بیاہ

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جتنی جہاں میں خلق ہے کیا شاہ کیا وزیر | پیر و مرید و مفلس و محتاج او رفقیر
سب ہیں گے زر کے جال میں جی جان سے اسیر | کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی میاں نظیر

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

اسی زر کے جال کو نظیر نے ایک مطلع میں نہایت خوبی سے باندھا ہے ؎ جال میں زر کے اگر موتی کا دانا ہوگا + وہ نہیں دام میں آئے گا جو دانا ہوگا ۱۲ شہباز

(۱۲۳)

مفلسی کی فلاسفی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی | کس کس طرح سے اُس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی | بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی

یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہیئے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شاں | تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خاں
مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہیں یاں | عیسےٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں

حکمت حکیم کی بھی ڈبو باتی ہے مفلسی

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک[1] بھول جاتے ہیں
وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کرے جو آن کے مجلس کے بیچ حال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اُسے سنبھال
سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اُس نے جال
مفلس میں ہو دیں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آکے ملاتی ہے مفلسی

جب روٹیوں کے بٹنے کا آکر پڑے شمار
گر مانگے اور وہ تو اُسے جھڑکیں بار بار
مفلس کو دیویں ایک تو نگر کو چار چار
اُس مفلسی کا آہ بیاں کیا کروں میں یار
مفلس کو اُس جگہ بھی چپاتی[2] ہے مفلسی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر
دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مُفلسوں کو لڑاتی ہے مُفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ
مفلس کرے ہے اُس کے تئیں انصرام آہ
کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اُٹھاتی ہے مفلسی

یہ مفلسی وہ شے ہے کہ جس گھر میں بھر گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گذر گئی
پھر جتنی گھر میں ست[3] تھی اُسی گھر کے در گئی
ہمسائے پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی
بن مردہ گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور و غل مچائے
مرجاوے گر کوئی تو کہاں سے اُسے اٹھائے
مفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
اس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

[1] یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کم بخت کو کلمہ تک تو درست آتا نہیں ۱۲ حاشیہ
[2] چپانا شرمندہ کرنا شرمانا شرم دلانا۔ لجانا۔ پانی پانی کرنا۔ آفت کی مثنوی سراپا بیدو کا مطلع ہے سه
وہ سب بھیں گل اندام اور مہ جبیں پری
جن کو بچھ اپنے جی میں چپیں ۱۲
[3] ست۔ طاقت زور۔ جان۔ دم خیر و برکت ۱۲ پروفیسر عبدالغفور شہباز

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں
جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں[۱]
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپر میں مکڑیاں
پیدا نہ ہو دیں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں اُن کے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی نتھ نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے
کپڑے میاں کے بنیے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں اڑے رہے
زنجیر نہ کواڑ نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھداتی ہے مفلسی

نقاش پر بھی زور جب آ مفلسی کرے
سب رنگ دم میں کر دے مصور کے کرکرے
صورت ہی اُس کی دیکھ کے منہ کھینچ رہے پرے
تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے
اُس کے تو منہ کا رنگ اُڑاتی ہے مفلسی

جب خوبرو پہ آن کے پڑتا ہے دن سیاہ
پھرتا ہے بوسے دیتا ہر اک کو وہ خوامخواہ
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اُس کی چاہ
گر حسن ہو ہزار روپے کا تو اُس کو آہ
کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مفلسی

اُس خوبرو کو کون دے اب دام اور درم
جو کوڑی کوڑی بوسے کو راضی ہو دم بدم
ٹوپی پرانی دو تو وہ جانے کلاہ جم
کیونکر نہ جی کو اُس چمن حسن کے ہو غم
جس کی بہار مفت لٹاتی ہے مفلسی

عاشق کے حال پر بھی جب آ مفلسی پڑے
معشوق اپنے پاس نہ دے اُس کو بیٹھنے
آ دے جو رات کو تو نکالے وہیں اُسے
اس ڈر سے یعنی رات کو ایذا کہیں نہ دے
تہمت یہ عاشقوں کو لگاتی ہے مفلسی

کیسی ہی دھوم دھام کی +ٹ+ ہو خوش جمال
جب مفلسی کا آن پڑے سر پہ اُس کے جال
دیتے ہیں اُس کے ناچ کو ٹھٹھے کے بیچ ڈال
ناچے ہے وہ تو فرش کے اوپر قدم سنبھال
اور اُس کو انگلیوں[۳] پہ نچاتی ہے مفلسی

۱ جھکڑی جھانکڑ کی تصغیر۔ جھاڑی ۲ خار دار درخت ۱۲
۳ انگلیوں پر نچانا ہنسی اُڑوانا ذلیل کرنا۔ حیران کرنا۔ ستانا ۱۲

اُس کا تو دل ٹھکانے نہیں بھاؤ کیا بتائے
وہ شام سے لے صبح تلک گو کہ ناچے گائے
جب ہو پھٹا دوپٹا تو کاہے سے منہ چھپائے
اوروں کو آٹھ سات تو وہ دو ٹکے ہی پائے
اس لاج سے اُسے بھی لجاتی ہے مفلسی

جس + + + کا ہو فلاکت سے دل حزیں
اک پون پیسے تک بھی وہ کرتی نہیں نہیں
رکھتا ہے اُس کو جب کوئی آکر + + +
یہ دکھ اُسی سے پوچھیے اب آہ جس کے تئیں
+ + + میں ساری رات جگاتی ہے مفلسی

وہ تو یہ سمجھی دل میں کہ دھیلا جو پاؤں گی
باقی رہے چھ دام سو پانی بھراؤں گی
دمڑی کے پان دمڑی کی مسّی منگاؤں گی
پھر دل میں سوچتی ہے کہ کیا خاک کھاؤں گی
آخر چبینا اُس کو چباتی ہے مفلسی ہا

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اُداس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس
پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
گوڑی کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھبھاس
یاں تک حواس اُس کے اُڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول
جورو کا وہ گلا ہے کہ ہو جیسے پھٹا ڈھول
پیسا کہاں جو جا کے وہ لاوے جہیز مول
گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اُس کی اُٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بیاہی نہ ساتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے
نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
بیٹا بنا ہے دولہ تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

گر بیاہ کر چلا ہے سحر کو تو یہ بلا
گھیرے ہوئے اُسے چلے جاتے ہیں جابجا
شہدا زنانہ ہیجڑا اور بھاٹ منڈچرا
وہ آگے آگے لڑتا ہوا جاتا ہے چلا
اور پیچھے تھپڑیوں کو بجاتی ہے مفلسی

دمڑی - پیسے کا چوتھا حصہ - چھ دام پورے ہیں ادھی یعنی پیسے کے آٹھویں حصے کو کہتے ہیں ۱۲ -

بول بولنا - نیلام کی آواز لگانا دام لگانا منت ماننا کسی دیوی دیوتا کے نام کا کچھ اُٹھانا ۱۲

چدر - چادر کا مخفف ۱۲

منڈچرا - یہ اصل میں منڈت چرا تھا جس کے معنی ہیں منڈی ہوئی کھوپڑی والا - گنجی چاندوالا - یا ممکن ہے کہ منڈچرا منڈا اور چیرا سے مرکب ہو یعنی وہ شخص جو منڈ کر کسی بزرگ کا چیلا ہوا ہو - آزاد فقیر - بینوا ۱۲ شہباز

دروازے پہ زنانے بجاتے ہیں تالیاں
اور گھر میں بیٹھی ڈومنی دیتی ہے گالیاں
مالن گلے کی ہار ہو دوڑے ہے ڈالیاں
سقا کھڑا سناتا ہے باتیں رذالیاں

یہ خواری یہ خرابی دکھاتی ہے مفلسی

کوئی شوم بے حیا کوئی بولا نکھٹو ہے
بیٹے نے جانا باپ تو میرا نکھٹو ہے
بیٹی پکارتی ہے کہ بابا نکھٹو ہے
بی بی یہ دل میں کہتی ہے کہ بھڑوا نکھٹو ہے

آخر نکھٹو نام دھراتی ہے مفلسی

مفلس کا درد دل میں کوئی ٹھانتا نہیں
مفلس کی بات کو بھی کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں
صورت بھی اُس کی پھر کوئی پہچانتا نہیں

یاں تک نظر سے اُس کو گراتی ہے مفلسی

جس وقت مفلسی سے یہ آکر ہوا تباہ
پھر کوئی اُس کے حال پہ کرتا نہیں نگاہ
والیدڑی[1] کہے کوئی ٹھہراوے روسیاہ
جو باتیں عمر بھر نہ سنی ہو دیں اُس نے آہ

وہ باتیں اُس کو آکے سناتی ہے مفلسی

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی[2] ہے
پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے
مفلس کی جورو سچ ہے کہ ہاں سب کی بھابی ہے

عزت سب اُس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل
کوئی گدھا کہے اُسے ٹھہراوے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل
منھ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل

سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے
جو آشنا ہیں اُن کی تو الفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے
شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے

ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

[1] والیدری - ولیدری کی قدیم شکل مفلس غریب آدمی منحوس آدمی اُلجھوری آدمی - میلا کچیلا آدمی - میلا کچیلی ہوا
[2] آبی یعنی اب ہی تخفیف (ہ) تلفظ میں گرادی گئی ہے۔ شہباز

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی
وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی

مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

مفلس کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اُٹھا
کہتا ہے کوئی جوتی نہ لیوے کہیں چُرا
باپ اُس کا دیکھے ہاتھ کا اور پانوں کا کڑا
نٹ کھٹ اُچکا چور دغا باز گٹھ کٹا

سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو
سو محنتوں میں اُس کی کھپاتی ہے جان کو
سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو

آخر ندانؔ بھیکھ منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یار تا فقیر
اشراف کو بناتی ہے ایک آن میں حقیر
خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیرؔ

وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

(۱۲۴)

افلاس کا فوٹو

رکھ بوجھ سر پہ نکلا اشترؔ ملا تو ایسا
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا
گھیرا اخرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا
مفلس کا زرد چہرہ جو زر ملا تو ایسا

آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

جب مفلسی کا آکر سر پر پڑے ہے سایا
بنتا ہے مفلسی میں مفلس کا آیہ نقشا
پھرتا ہے مرد کیا کیا در در خراب رسوا
پورا ہنر جو سیکھا تو بھیک مانگنے کا

یہ بد نصیبی دیکھو جوہر ملا تو ایسا

لفظ ندان دیوانا متروک محاورہ ہے آخرکار ۱۲

سلفظ اشتر تے کے ضمہ کے ساتھ صحیح ہے مگر یہاں غالباً تلفظ اُردو فتح کے ساتھ بندھ گیا ہے۔ اس مصرع میں اُس مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے جس کا مضحک خاتمہ اس جملے پر ہے کہ اے میری الٹی کے سننے والے انگا نیچے دیا اور یہ حکایت سے قطع نظر ایک مطلب سیدھا سادا بھی ہے یعنی مفلس اپنا اونٹ آپ ہی ہے ۱۲ تنہیا نہ

مفلس نے گرچہ مر کر کی نوکری کسی کی
کیسی ہی محنتیں کیں لیکن طلب نہ پائی
جیب دھر کو ہاتھ ڈالا پائی نہ پھوٹی کوڑی
کی عاشقی تو سر پہ اک سڑی سی لوٹی
سو وہ بھی اُس نے لے لی دلبر ملا تو ایسا
نہ اس نے

آخر کو تنگ ہو کر جب مفلسی کے مارے
چیلا ہوا کسی کا اور پہنے سیلی تاگے
واں سے سوا لنگوٹی ہرگز نہ پائی اُس نے
دن کو دلائی جھاڑ و شب کو منگائے ٹکڑے
مفلس کو پیر و مرشد رہبر ملا تو ایسا

آٹا ملا تو ایندھن چولھا توا ندارد
روٹی پکا دے کس پہ گھر میں توا ندارد
گر ٹھیکرے پہ تھوپے تو پھر مزا ندارد
تو چھید پیندی غائب جس پہ گلا ندارد
پانی کا گرمیوں میں جھجّر ملا تو ایسا

قلیے پلاؤ زردے دودھ اور ملائی کھوئے
پوری کچوری لڈو سب مفلسی نے کھوئے
جب کچھ ہوا میسر دن رات رو دے دھوئے
یا خشک ٹکڑے چابے پانی کے یا بھگوئے
سوکھا ملا تو ایسا اور تر ملا تو ایسا

کمخاب تاش مشروع تن زیب خاصہ ململ
سب مفلسی کے ہاتھوں گئے اپنے ہاتھ مل مل
پگڑی رہی نہ جامہ پٹکا رہا نہ آنچل
لے ٹاٹ کی قبا پر جوڑا پڑا نہ کمبل
ابرا ملا تو ایسا استر ملا تو ایسا

نہ جھاڑ و جھاڑنے کی پیوند کی نہ سوئی
دالان نہ صحنچی نہ طاق نہ بخاری[1]
اُپلا نہ آگ پانی چولھا توا نہ چکی
ٹوٹا سا اک اُسارا دیوار جھانکڑوں[2] کی
قسمت کی بات دیکھو جو گھر ملا تو ایسا

پر مہ پائی بیچ کھائی ادوان کو جلا کر
روٹی پکائی رو رو اور کھائی آہ بھر بھر
سونے کے وقت جھلنگا گدڑا رہا نہ چادر
کُہنی پہ سر کو رکھ کر سوئے فقط زمیں پر
تکیہ ملا تو ایسا بستر ملا تو ایسا

[1] بخاری یا دیچخانہ یا دالان کے اندر کی وہ کوٹھری جو غلہ وغیرہ رکھنے کے واسطے دیوار میں بنا دیتے ہیں اصل میں بخاری کے معنی آتش دان کے ہیں جو دالان یا کمرے کی دیوار میں ایام سرما میں مکان گرم رکھنے کے واسطے بنا دیتے ہیں چنانچہ کسی کا شعر ہے ؎
خوش است بادہ گلرنگ با کباب بخاری
بدست یار پری چہرہ در کنار بخاری
چونکہ عوام لوگ اسکی اصل سے واقف نہ تھے اس سبب سے وہ اس کوٹھی کو کہنے لگے جو دالان کے اندر دیوار میں کوٹھی کے بجائے غلہ رکھنے کے واسطے بنا دیتے ہیں ۔ پس رفتہ رفتہ بخاری ایک عام لفظ ہوگیا اور سب اسی معنی میں استعمال کرنے لگے ۔

[2] جھانکڑ جھاڑی خار دار درخت

پروفیسر شہباز

ہو صبح اور سورج جب آکے مُنھ دکھاوے
آندھی چلے تو گھر میں سب خاک دھول جاوے
لے شام تک اُسی کے گھر بیچ دھوپ جاوے
برسے جو مینھ تو باہر اک بوند بھر نہ جاوے
پھوٹے نصیب دیکھو چھپر ملا تو ایسا

جس دل جلے کے اوپر دن مفلسی کے آئے
آخر کو مفلسی نے یہ دکھ اُسے دکھائے
پھر دور بھاگے اُس سے سب اپنے اور پرائے
کھانا جہاں تھا بٹتا واں جاکے دھکّے کھائے
کمبخت کو جو کھانا اکثر ملا تو ایسا

تعظیم تھی ہر اک جا تھا پاس جب تلک زر
کپڑے پھٹوں سے بیٹھا جس بزم میں وہ جاکر
مفلس ہوا تو کوئی دیکھے نہ پھر نظر بھر
سب فرش سے اُٹھاکر بٹھلایا جوتیوں پر
مفلس کو ہر مکاں میں آدر[1] ملا تو ایسا

گر مفلسی میں اُس نے دو تین لڑکے پائے
دیکھ اُن کے گہنے پاتے آنکھوں میں آنسو لائے
اور کنبے والے لڑکے واں کھیلنے کو آئے
سرکی کو چھیل سیّنتے نتھ اور کڑے بنائے
بدبخت کے بچّوں کو زیور ملا تو ایسا

اسباب تھا تو کیا کیا رکھتے تھے لوگ رشتا
نہ بھائی بھائی کہتا نہ بیٹا کہتا بابا
مفلس ہوئے تو ہرگز رشتہ رہا نہ ناتا
اس پر نظیر مجھ کو رونا بہت ہے آتا
اس مفلسی زدے کو ٹبّر[2] ملا تو ایسا

(۱۲۵)

آٹے دال کی فلاسفی

کیا کہوں نقشہ میں یارو خلق کے احوال کا
یہ بیاں تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا
اہل دولت کا چلن یا مفلس و کنگال کا
کیا تونگر کیا غنی کیا پیر اور کیا بالکا
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

[1] آدر۔ عزّت ۱۲
[2] ٹبّر بتاد سے بگڑ کر بنا ہے خویش و تبار۔ خویش و اقربا۔ خاندان۔ قبیلہ۔ کنبا۔ کنبے کا خرچ۔ جان صاحب ۔ پنج تن پاک کی ہے آس مجھے اے باجی جن کے صدقے میں مرا سارا ہے ٹبّر چلتا ۱۲ شہبانہ

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدّ راہ
ساتھ آٹے دال کے ہے حشمت و فوج و سپاہ
تو
پھر نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
جا بجا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں
جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات ال
منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب و خاں
کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کیجے بیاں

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا یاں کھٹکا ہوتا بار بار
اور جتنے ہیں جہاں میں پیشہ ور اور پیشہ دار
دوڑتے کاہے کو پھرتے دھوپ میں پیادے سوار
ایک بھی جی پر نہیں ہے اس سوا صبر و قرار

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منھ زرد ہے
حسن کی آن و ادا سب اسکے آگے گرد ہے
اتا کجا کہیے کہ کیا وہ مرد کیسا نامرد ہے

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

دلبروں کی چشم ابرو زلف کیا خط و خال ہے
کیا کمر پتلی ہے کافر کیا ٹھمکتی چال ہے
نازکی شوخی ادائیں حسن لالوں لال ہے
غور کر دیکھا ہے جو کچھ ہے سو آٹا دال ہے

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اب جنھیں اللہ نے یاں کر دیا کامل فقیر
اور جتنے ہیں وہ سب ہیں دال آٹے کے اسیر
وہ تو بے پروا سخی داتا ہیں آ بھی دلپذیر
ان غریبوں کی بھی اب مشکل ہے گی اے نظیر

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

(١٢٦)

آٹے دال کی فلاسفی (٢)

آٹے کے واسطے ہے ہوس ملک و مال کی
آٹے ہی دال سے ہے درستی یہ حال کی
آٹا جو پالکی ہے تو ہے دال نالکی
اس سے ہی سب کی خوبی ہے جو حال قال کی

سب چھوڑو بات طوطی و بدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

اس آٹے دال ہی کا جو عالم میں ہے ظہور
اس سے ہی آکے چڑھتا ہی چہرے پہ سب کے نور
اس سے ہی منھ پہ نور ہے اور پیٹ کو سرور
شاہ و گدا امیر اسی کے ہیں سب مزدور

سب چھوڑو بات طوطی و بدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

قمری نے کیا ہوا جو کہا حق سرّہٗ
وہ کھیل کھیلو جس سے ہو تم جگ میں سرخرو
اور فاختہ بھی بیٹھ کے کہتی ہے تھقھو
سنتے ہو اے عزیز دا اسی سے ہے آبرو

سب چھوڑو بات طوطی و بدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

مینا کے پالنے کی اگر دل میں میل ہے
سب عشق بازی روزی کے ہوتی طفیل ہے
سچ پوچھیے تو یہ بھی خرابی کے ذیل ہے
روزی نہ ہو تو مینا بھی پھر کیا چڑیل ہے

سب چھوڑو بات طوطی و بدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

آٹا ہے جس کا نام وہی خاص نور ہے
اس کا بھی کھیل کھیلنا سب کو ضرور ہے
اور دال بھی پری ہے کوئی یا کہ حور ہے
سمجھے جو اس سخن کو وہ صاحب شعور ہے

سلہ اسی نظم میں ان نوجوانوں کو نصیحت ہے جو بے فکرے پن سے شب و روز شوق کے جانوروں میں مشغول رہتے ہیں اور تلاش معاش کا خیال بھی نہیں کرتے ۱۲ شہباز

سب چھوڑو بات طوطی و بدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

بلبل کے پالنے میں کہو کیا ہے فائدا
کوئی دم میں پیٹ مانگے گا کچھ مجھکو لا کھلا
اور جو بیا بھی پالا تو پھر ہاتھ کیا لگا
پھر دال اور آٹا ہی کام آتا ہے دلا

سب چھوڑو بات طوطی و بدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

کچھ پیسوں کے جو عشق میں دل کو لگاؤ گے
طوطے کو پال کر کے حق اللہ پڑھاؤ گے
تو پیٹ بھر کے کھاؤ گے کپڑے بناؤ گے
تا حق کو سر کھپاؤ گے کوڑی نہ پاؤ گے

سب چھوڑو بات طوطی و بدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

جن پر ہیں چار پیسے وہی ہیں یہاں امیر
اور جن کے پاس کچھ نہیں وہ ہیں نرے فقیر
اور جتنے پیسہ ور ہیں وہ گنا خرد کیا کبیر
روٹی کا سلسلہ ہے بڑا کیا کہوں نظیر

سب چھوڑو بات طوطی و بدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

(۱۲۷)

روٹی کی فلاسفی

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
سینے اوپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں

جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا
کرتا پھرے ہے کیا وہ اچھل کود جابجا

دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اُچھل گیا
ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساقی اس سوا

سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولھا توا اور تنور ہے
خالق کی قدرتوں کا اُسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے
جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے

اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام
یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یاں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام
اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام

پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور
نور پور
آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور
ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور

اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے

بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

پھر پوچھا اُس نے کہیئے یہ ہے دل کا نور کیا
اُس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا
وہ بولا سن کے تیرا گیا ہے شعور کیا
کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا

جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی جب آئی پیٹ میں سو قند گھل گئے
گلزار پھولے آنکھوں میں اور عیش تل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آکے ڈھل گئے
چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید کھل گئے

یہ کشف یہ کمال دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو
میلے کی سیر خواہش باغ و چمن نہ ہو

بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو — سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب جن کے آگے مال پوے بھر کے تھال ہیں — پوری بھگت اُنھیں کی وہ صاحب کے لال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیرمال ہیں — عارف وہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں

پکّی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے — لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے — سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے

جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ قواعد دکھا دکھا — اسوار ناچے گھوڑے کو کاوا لگا لگا
گھنگرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے جابجا — اور اس سوا جو غور سے دیکھا تو جابجا

سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی کے ناچ تو ہیں سبھی خلق میں پڑے — کچھ بھانڈ بھگتیے یہ نہیں پھرتے ناچتے
یہ + + + جو ناچیں ہیں گھونگھٹ کو منہ پہ لے — گھونگھٹ نہ جانو دوستو تم زینہار اسے

اس پردے میں یہ اپنی کماتی ہیں روٹیاں

اور وہ جو ناچنے میں بتاتی ہیں بھاؤ تاؤ — چتون اشارتوں سے کہیں ہیں کہ روٹی لاؤ
روٹی کے سب سنگار ہیں روٹی کے راؤ چاؤ[1] — + + + کی تاب کیا جو کرے اس قدر بناؤ

یہ آن یہ جھمک تو دکھاتی ہیں روٹیاں

اشرافوں نے جو اپنی یہ ذاتیں چھپائی ہیں — سچ پوچھیے تو اپنی یہ شانیں بڑھائی ہیں
کہیئے اُنھوں کی روٹیاں کس کس نے کھائی ہیں — اشراف سب میں کہیئے تو اب نان بائی ہیں

جن کی دکاں سے ہر کہیں جاتی ہیں روٹیاں

بھٹیاریاں کہاویں نہ اب کیونکہ رانیاں — نہتر خصم ہیں اُن کے وہ ہیں نہترانیاں

[1] راؤ چاؤ۔ ہنسی خوشی۔ چہل پہل پیار محبت۔ ؎ شہباز

ذاتوں میں جتنے اور ہیں قصے کہانیاں
سب میں انھیں کی ذات کی اونچی ہیں بانیاں
کس واسطے کہ سب یہ پکاتی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے
نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہے
سب کوئی ہے اسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر[1]
روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
گیہوں کی جوار باجرے کی جیسی ہو نظیر
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

(۱۲۸)

چپاتی کی فلاسفی

جب ملی روٹی ہمیں سب نور حق روشن ہوے
زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق روشن ہوے
رات دن شمس و قمر شام و شفق روشن ہوے
اپنے بیگانوں کے لازم تھے جو حق روشن ہوے
دو چپاتی کے ورق میں سب رق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

وہ جو اب کھاتے ہیں باقر خانی کلچہ شیرمال
یہ جو روٹی دال کا رکھتے ہیں ہم گردن میں جال
ہیں وہ خاص الخاص درگاہ کریم ذوالجلال
جب ملی روٹی وہیں ہم ہو گئے صاحب کمال
دو چپاتی کے ورق میں سب رق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

وہ تو اب مرد خدا ہیں قوت جن کا نور ہے
دل ہمارا تو فقط روٹی کا اب رنجور ہے
وہ ملائک ہیں وہاں روٹی کا کیا مذکور ہے
ہم شکم بندوں کا تو یار یہی دستور ہے

[1] اس لفظ کو بعض نسخوں میں پتیر لکھا ہے اور بعض میں پنیر صرف مطبع نظامی کے نسخے میں فطیر ہے اور یہی صحیح ہے۔ فطیر اس روٹی کو کہتے ہیں جس میں خمیر نہ ہو چپاتی

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

پیٹ میں روٹی پڑی جب تک تو یارو خیر ہے
کھاتے ہی دو تر نوالے آسماں پر پیر ہے
گر نہ ہو پھر غیر کیا اپنے ہی جی سے بیر ہے
آسماں کیا پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہے

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

جب تلک روٹی کا ٹکڑا ہو نہ دسترخوان پر
رات دن روٹی چڑھی رہتی ہے سب کے دھیان پر
نے نمازوں میں لگے دل اور نہ کچھ قرآن پر
کیا خدا کا نور برسے ہے پڑا ہر نان پر

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

گر نہ ہوں دو روٹیاں اور اک پیالہ دال کا
گر نہ ہو روٹی تو کس کا پیر کس کا بالکا
کھیل پھر بگڑا پھرے یاں حال کا اور قال کا
وصف کس منھ سے کروں میں ان کے احوال کا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

پیٹ میں روٹی نہ تھی جب تک تو عالم تھا سیاہ
کھل گئے پردے تھے جتنے ماہی سے تا بہ ماہ
جب پڑی روٹی تو پہونچی عرش کے اوپر نگاہ
کیا کرامت ہے فقط روٹی میں یارو واہ واہ

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

یوں چمکتا ہے پڑا ہر آن گردہ نان کا
چاند کا ٹکڑا آنکھوں میں یا کہ ٹکڑا جان کا
جان آتی ہے لیے سے نام دسترخوان کا
روح ناچے ہے بدن میں نام سن کر خوان کا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

حسن جتنے ہیں جہاں میں سب بھرے ہیں نان میں
عاشق و معشوق بھی ٹکیا کے ہیں درمیان میں
خوبیاں جتنی ہیں آکر سب بھری ہیں خوان میں
پھنس رہے ہیں سب کے دل روٹی کے دسترخوان میں
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جو مرید اپنا کسی درویش کو کرتا ہے پیر
کھاتے ہی دو روٹیاں دل ہو گیا بدر منیر
یعنی کچھ دیکھے تجلی کی کرامت دل پذیر
کوئی روٹی سا نہیں اب پیر و مرشد اے نظیرؔ
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۱۲۹)

پیٹ کی فلاسفی

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کے لیے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کے لیے
سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لیے
پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کے لیے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لیے

عاجز ہیں اس کے واسطے کیا شاہ کیا وزیر
منشی وکیل ایلچی متصدی و مشیر
محتاج ہیں اسی کے لیے بخشی و امیر
چاکر نفر غلام تونگر غنی فقیر
سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کے لیے

صراف خورد پے سے لگا سیٹھ ساہوکار
پنساری و بزاز اناجوں کے کاروبار
دلال جوہری اور زرکاری کے پیشہ وار
بیوپار لین دین بنج قرض اور اُدھار
ہے سب نے ڈھکڈھکا یہ کیا پیٹ کے لیے

اب خلق میں ہیں چھوٹے بڑے جتنے پیشہ ور — سیکھے اسی کے واسطے سب کسب اور ہنر
صحاف جلد ساز ملمچی و کماں گر — زیں دوز گل فروش بساطی سفال گر
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلّے بچھا بچھا — جتنے ہیں ان کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدعا — عابد بھی دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لیے

کیا سینے ساز کام کے اور کیا مرصع کار — حکاک کیا مصور و نقاش زر نگار
دیکھا تو نہ سنار کوئی اور نہ اب لہار — سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
پیشہ ہر اک نے سیکھ لیا پیٹ کے لیے

گندھی کے مغز میں بھی یہی رچ رہی ہے بو — کھینچے ہے جب گلاب نکالے ہے عطر و و
شیشی کسی کو سینک کی بھوے کسی کو دو — ہر دم چھڑک گلاب لگا تن سے عطر کو
لپٹیں ہر ایک ہی کو سنگھا پیٹ کے لیے

رنگریز بیٹھے رنگتے ہیں رنگت ہزاریا — سرخ و گلابی زرد سیہ سبز دھاریا
مخمل ہے کوئی کوئی ہے شروع کٹاریا — جنگل میں جا کے دیکھا تو اس جا بھی تیاریا
نت خاک چھانتا ہے پڑا پیٹ کے لیے

بدنام ہے اسی کے لیے خلق میں کلال — ذباح بھی کرے ہے اسی کے لیے حلال
صیاد بھی اسی کے لیے ہے چلا ہے جال — ٹھگ بھی اسی کے واسطے پھانسی گلے میں ڈال
ہر وقت گھونٹتا ہے گلا پیٹ کے لیے

نٹ کھٹ اچکے چور دغا باز راہ مار — عیار جیب کترے نظر باز ہوشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار — کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلی بھی مارتی ہے چوہا پیٹ کے لیے

لٹ مچھی - ملمع والا ... ہر قسم کا کام کرتا ہے - دکن میں لفظ آج تک رائج ہے چنانچہ اورنگ آباد میں ایک مچھی بازار بھی ہے (اشتیاق)

بانکا سپاہی خوب شجاعت میں بے جگر
لڑتا ہے توپ تیر تفنگوں میں آن کر
وہ بھی اسی کے واسطے بے تیغ اور بتر
کھاتا ہے زخم خون میں ہوتا ہے تربتر
آخر کو سر بھی دے ہے کٹا پیٹ کے لیے

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہے التجا
مُلّا سبھی دن گذارے ہے لڑکے پڑھا پڑھا
عابد نجومی کا بھی اسی پر ہے مدعا
شاعر بھی دیکھیے تو قصیدے بنا بنا
کیا کیا کرے ہے وصف و ثنا پیٹ کے لیے

قاضی کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
بید اور حکیم کی بھی اسی پر ہے اب نگاہ
مفتی کے قصد کی بھی یہ شاہد ہے خوامخواہ
عطّار کے بھی درد کو دیکھا تو وہ بھی آہ
دن رات کوٹتا ہے دوا پیٹ کے لیے

پڑھتے ہیں اب قرآن جو مُردوں کا ہے کے نام
دوزخ میں یا بہشت میں مُردے کا ہو مقام
پھولوں میں بیٹھ کرتے ہیں پنج آیتیں تمام
کچھ ہو پر اُن کو حلوے مانڈے سے اپنے کام
خوش ہو گئے جب اُن کو ملا پیٹ کے لیے

اُلفت کسی کے دل میں کسی میں پڑا ہے بیرا
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری سیرا
مانے کوئی حرم کو کوئی پوجتا ہے دیر
کہتا ہے اب فقیر بھی دے کر دعائے خیر
بابا کچھ آج مجکو دلا پیٹ کے لیے

عاشق کے تئیں جو دیکھیں ہیں سو نعمتوں کی جیٹ[1]
گودی میں بیٹھ جاتے ہیں ہر دم بغل میں لیٹ
لڑکے بھی اپنی کھول کے چھاتی دکھا کے پیٹ
کھانے کی دیکھ چاٹ لگا وٹ کی کر لپیٹ
کیا کیا کریں ہیں ناز و ادا پیٹ کے لیے

ہیں جن کے پاس منصب و جاگیر و مال و جاہ
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری چاہ
خوباں بھی اُن کے ساتھ کریں ہیں سدا نباہ
دیکھا جو خوب غور سے ہم نے تو واہ واہ
معشوق بھی کریں ہیں وفا پیٹ کے لیے

[1] بیاے مجہول وجیم عربی۔ ڈھیر انبار۔ روٹیوں کی تھئی ۱۲ پروفیسر شہباز

+ + + جو ناچتی ہے پری زاد پھلجھڑی — سر پاؤں سے تمام جواہر میں ہے جڑی
چتون لگاوٹوں کی جتا کر گھڑی گھڑی — لے شام سے سحر تئیں ہے ناچتی کھڑی
سو سو طرح کے بھاؤ بتا پیٹ کے لیے

+ + + کے گھر میں دیکھا تو واں بھی یہی پکار — + + + کے دوڑ ہوتی ہے ہر دم گلے کا ہار
کُرتی کبھی دکھا کبھی انگیا اڑا اُتے دار — جاتی ہے جھٹ پلنگ اُپر لیٹ ایک بار
سب کھو کے اپنی شرم و حیا پیٹ کے لیے

لاکھوں میں کوئی ایسے ہے محبت سے حق کا نام — ورنہ سب اپنے پیٹ کے ہیں کلمے اور کلام
نہ عاقبت کی فکر نہ راہِ خدا سے کام — سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانا کہ کچھ حرام
جو جس سے ہو سکا سو کیا پیٹ کے لیے

جتنے ہیں اب جہان میں کم ذات یا اصیل — سب اپنے اپنے پیٹ کی کرتے ہیں قال و قیل
شیر و پلنگ گرگ و ہرن چیونٹی و فیل — کوا بٹیر ہنس لگڑ باز گدھ و چیل
سب ڈھونڈھتے پھریں ہیں غذا پیٹ کے لیے

جس کا شکم بھرا ہے وہ ہنستا ہے مثل پھول — خالی ہے جس کا پیٹ وہ روتا ہے ہو ملول
جب تک نہ اس گڑھے میں پڑے آ کے خاک دھول — سوجھے دھرم نہ دین نہ اللہ نہ رسول
جو جو کوئی کرے سو بجا پیٹ کے لیے

زردار مال دار گدا شاہ کیا وزیر — سردار کیا غریب تونگر ہو یا فقیر
ہر دم سبھوں کو دیکھا اسی حال میں اسیر — اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیر
دے شرم و آبرو سے خدا پیٹ کے لیے

———— ⁝ ————

(۱۳۰)

تندرستی کی فلاسفی

بشمول حرمت

ہیں مرد اب وہی کہ جنھوں کا ہر فن درست
رہتا نہیں کسی کا سدا مال و حسن درست
حرمت[1] انھوں کے واسطے جن کا چلن[2] درست
دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دنیا میں اب انھوں کے تئیں[4] کہیئے بادشاہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ
جن کے بدن درست ہیں دن رات سال و ماہ
ایسی پھر اور کون سی دولت ہے واہ واہ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری[5] و حشمت پناہی ہے
یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہے
بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
سچ پوچھیے تو عین[6] یہ فضل الٰہی ہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اس کا بھرا ہے تمام گھر
ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہے سر بسر[7]
بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
پھر نہ کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

[1] حرمت۔ عزت ۱۲
[2] چال چلن ۱۲
[3] سدا۔ ہمیشہ ۱۲
[4] تئیں۔ واسطے
[5] میری۔ سرداری ۱۲
[6] عین۔ مخصوص ۱۲
[7] سر بسر۔ بالکل
۱۲ ابوالخیر محمد اشرف علی

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو — بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو — مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں — ہو تندرستی اور ملے حُرمت سے آب و ناں
قسمت سے جب یہ دونوں میسّر ہوں پھر تو ہاں — پھر ایسی اور کون سی نعمت ہی میری جاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پروا نہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو — محتاج حق سوا یہ کسی اور کا نہ ہو
حسن و جمال و علم و ہنر گو ملا نہ ہو — اک تندرستی چاہیئے کچھ ہووے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار اگرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ — تو اُس کو جانیے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
ہم تو اُسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ — اب جس کا تن درست ہو حُرمت سے ہو نباہ[1]

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے — اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے[2] ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے — جو تندرست ہیں وہی دولہ ہیں اور بنے[3]

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں — پھر سو طرح کے عیش ہیں اور سے پرستیاں

[1] نباہ، بسر اوقات ۱۲
[2] بنے ٹھنے۔ خوبصورت۔ سجے ہوئے ۱۲
[3] بنے: دولھا ۱۲
محمد اشرف علی

کھانے کو نعمتیں ہوں و یا فاقہ مستیاں
سب عیش اور مزے ہیں جو ہوں تندرستیاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

چاہا جو دل نشے کو تو وہ نہیں منگالیا
آیا جو عیش دل میں خوشی سے اُڑا لیا
محبوب دل بروں کو گلے سے لگا لیا
جو مل گیا سو پی لیا چاہا سو کھا لیا

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

آیا جو دل میں سیر چمن کو چلے گئے
بیٹھے اُٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے
بازار چوک سیر تماشے میں خوش ہوئے
جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہی ہر ایک کل
گر ہو خدانخواستہ اک کل بھی چل بچل
جب تک یہ کل بنی ہے تو ہی آدمی کو کل
پھر نہ خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ادنیٰ ہو یا غریب تونگر ہو یا فقیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دلپذیر
یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا وزیر
جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیرؔ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

۱ے دوڑیں - فوراً اُسی دم ۱۲
۲ے سو - وہ ۱۲
۳ے تن - بدن
۴ے کل - مشین ۱۲
۵ے کل - آرام ۱۲
۶ے چل بچل - بیکار - اشرف علی

(۱۳۱)

تندرستی اور آبرو

دکھ کی دولت۵ ہو تو اُس کو بھی تباہی بُوجھیے — سُکھ سے رہنا خلق میں خوش دست گاہی بُوجھیے

روشنی کو غم کی ہر جاگہ سیاہی بُوجھیے — صحت و حرمت کو نت۵۲ حشمت پناہی بُوجھیے

تندرستی کو نپٹ۵۳ فضل الٰہی بُوجھیے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بُوجھیے

صحت و حرمت سے گر اللہ یاں کر دے نباہ — اس برابر کون سا ہے پھر جہاں میں عزّ و جاہ

اب جو ہم اس بات کے رتبے کو کرتے ہیں نگاہ — کیا کسی عاقل نے یہ نکتہ کہا ہے واہ واہ

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بُوجھیے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بُوجھیے

اس کے سب محتاج ہیں اب شاہ سے لے تا گدا — جس سے تن سالم رہے اور پیٹ حرمت سے بھرا

آبرو اور تندرستی جس کو حق نے کی عطا — پھر جہاں میں اُس سا یارو کون سا ہے بادشاہ

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بُوجھیے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بُوجھیے

دولتیں جتنی ہیں سب ان دولتوں سے ہیں تلے — آبرو اللہ رکھے اور عمر حرمت سے کٹے

عزت و حرمت بڑی دولت ہے اللہ سب کو دے — ہر گھڑی ہر آن ہر دم خلق میں پیارے مرے

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بُوجھیے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بُوجھیے

آبرو دنیا میں یارو موتی کی سی آب ہے — تندرستی اور بھی پھر عیش کا اسباب ہے

جس کنے ہیں یہ اُسی کا سب ادب آداب ہے — یہ نہیں اور زندگی تو پھر خیال و خواب ہے

۵ یعنی دولت جو ذلت کے ساتھ ہو ۱۲ ۵۲ زینت ہمیشہ ۱۲ ۵۳ نپٹ یعنی سراسر ۱۲ شاہانہ

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

ہیں جہاں تک خلق میں پیر و جواں خرد و کبیر
کیا تونگر کیا غنی کیا بے نوا اور کیا فقیر

عالم و فاضل گدا و بادشہ میر و وزیر
سب جہاں میں ہیں اسی نکتے کے قائل اے نظیر

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

(۱۳۲)

خوشامد[له] کی فلاسفی

دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے

آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے
شاہ مسرور غنی شاد گدا راضی ہے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

حق

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجیے
انبیا اولیا اور رب کی خوشامد کیجیے

اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجیے
اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام

وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام
خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

[له] اس نظم کے [illegible] خوشامد میں بہت مشہور ہیں [illegible] خوشامد کے [illegible] بند بعض جگہ تکرار [illegible] ایک آدھ بند [illegible] ساقط کر دیے گئے ہیں ۱۲ شہباز

مفلس ادنی و غنی کی بھی خوشامد کیجے
اور جو شیطاں ہو تو اُس کی بھی خوشامد کیجے
اور بخیل اور سخی کی بھی خوشامد کیجے
گر ولی ہو تو ولی کی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیار سے جوڑ دیے ہاتھ طرف جس کے آہ
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ
وہیں خوش ہو گیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ نگاہ
کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پینے اور پہننے کھانے کی خوشامد کیجے
مست و ہشیار دوانے کی خوشامد کیجے
ہیجڑے بھانڈ زنانے کی خوشامد کیجے
بھولے نادان سیانے کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جن کا خوشامد کا مزاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں ملک و راج
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
کیا ہی تاثیر کی اس نسخہ نے پائی ہے رواج

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجے
پاک ناپاک سڑے کی بھی خوشامد کیجے
اور بُرا ہو تو بُرے کی بھی خوشامد کیجے
کُتے بلّی و گدھے کی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے
غیر کیا اپنے ہی گھر بیچ یہ سُکھ دیتی ہے

ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ہے | نانی دادی بھی خوشامد سے بلا لیتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بی بی کہتی ہے میاں آ ترے صدقے جاؤں | ساس بولے کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
خالا کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں | سالی کہتی ہے کہ بھیا ترے صدقے جاؤں

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

آپڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے | ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اُلفت کے خریدار اُسے
آشنا ملتے ہیں اور جانتے ہیں سب یار اُسے | اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

روکھی اور روغنی آبی کی خوشامد کیجے | نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجے
ساقی و جام شرابی کی خوشامد کیجے | پارسا زند خرابی کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

جو کہ کرتے ہیں خوشامد وہ بڑے ہیں انساں | جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ حیراں
ہاتھ آتے ہیں خوشامد سے ہزاروں ساماں | جس نے یہ بات نکالی ہے میں اُسکے قرباں

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

کوڑی پیسے و ٹکے زر کی خوشامد کیجے | لعل و نیلم در و گوہر کی خوشامد کیجے
اور جو پتھر ہو تو پتھر کی خوشامد کیجے | نیک و بد جتنے ہیں یکسر کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی

ہم نے ہر دل میں خوشامد کی محبت دیکھی
پیار اخلاص و کرم مہر و محبت دیکھی
دل بروں میں بھی خوشامد ہی کی اُلفت دیکھی
عاشقوں میں بھی خوشامد ہی کی چاہت دیکھی

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی

پارسا پیر ہے زاہد ہے مناجاتی ہی
جُوار یا چور دغاباز خراباتی ہے
ماہ سے ماہی تلک چیونٹی ہی یا ہاتی ہی
یہ خوشامد تو میاں سب کے تئیں بھاتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی

گر نہ میٹھی ہو تو کڑوی بھی خوشامد کیجے
کچھ نہ ہو پاس تو خالی بھی خوشامد کیجے
جانی دشمن ہو تو اُس کی بھی خوشامد کیجے
سچ اگر پوچھو تو جھوٹی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی

مرد و زن طفل و جواں خرد و کلاں پیر فقیر
جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر
تو بھی واللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیر

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہی
سچ تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی

(۱۳۳)

آدمی کی فلاسفی

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بینوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے

منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
حتیٰ کہ اپنے زور و ریاضت کے زور سے

خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا

شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا

یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور

یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور

اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں

بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں

جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی

اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی

اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ﷲ میرے خیال میں جُگکار رہا ہے اصح ہے، جو کھا رہا ہے اسی کی تصحیف ہے جو بعض قدیم نسخوں میں پایا جاتا ہے جگانے کے معنی ہیں جمع کر کر کے رکھنا حفاظت سے رکھنا۔ ٹکڑے جگا رہا ہے یعنے حفاظت سے رکھتا جاتا ہے تاکہ آئندہ کام آئیں چبانے سے جگانے میں زیادہ بلاغت ہے ۱۲ عبدالغفور شہباز
سلہ بینوا محتاج ۱۲
سٹہ کہاتا یعنی مشہور ۱۲
سہ برملا یعنی کھلا ۱۲ اشرف علی

ناچے ہے آدمی ہی بجا تالیوں کو یار
اور آدمی ہی ڈالے ہے اپنی ازار اُتار
ننگا کھڑا اُچھلتا ہے ہو کر ذلیل و خوار
سب آدمی ہی ہنستے ہیں دیکھ اُس کو بار بار
اور وہ جو مسخرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹھ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی ہی بیاہ
قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خوامخواہ
دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں[1] جلا کے واہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں آدمی کہار
اور اُس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور
اور آدمی ہی دیکھ انھیں بھاگتے ہیں دور
چاکر غلام آدمی اور آدمی مزدور
یاں تک کہ آدمی ہی اٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

طبلے منجیرے دائرے سارنگیاں بجا
گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
+ + + بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا
وہ آدمی ہی ناچیں ہیں اور دیکھو یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

[1] اس لفظ کو چونکہ نظیر نے مطابق تلفظ باندھا ہے لہذا اکثر مصححین نے اس کی تصحیح میں اپنے منصب سے تجاوز کر کے خوامخواہ بعض لفظ کم و بیش کر دیے ہیں۔ مشعل کو مفعل کے وزن پر ہے لیکن اردو کا تلفظ ہے مشال بروزن نقال۔ جمع کی صورت میں تین طرح سے اس کو لکھ سکتے ہیں (۱) مشعلیں (۲) مشعالیں (۳) مشالیں۔ نظیر نے غالباً صورت ثانی کو ترجیح دی ہے۔ شہباز

یاں آدمی ہی لعل جواہر ہے بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہی ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے اور اُلٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بد نما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں
روپے کے اُن کے پانوں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک ایسے ہیں کہ جن کے بچھے ہیں نئے پلنگ
پھولوں کی سیج اُن پہ جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوق شوخ و شنگ[1]
سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حیران ہوں یارو دیکھو تو کیا یہ سوانگ ہے
اور آدمی ہی چور ہے اور آپ ہی تھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی اور کہیں مانگ تانگ ہے
دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثل رانگ ہے
فولاد سے گڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ[2] بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید[3] ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

[1] شنگ طرحدار ۱۲
[2] کلمہ۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ مسلمانوں کے اعتقاد کا پہلا سبق اور جزو اعظم ہے ۱۲
[3] مرید شاگرد ۱۲ اشرف علی لکھنوی

ظرافت

(۱۳۴)

ہولی پییر

+++ جو +++ کوئی ہو جاتی ہے بڑھیا
ہر کام میں ہر بات میں شرماتی ہے بڑھیا

پھر جان کھپانے سے وہ شرماتی ہے بڑھیا
دن رات اسی سوچ میں غم کھاتی ہے بڑھیا

سر دھنتی ہے اکتاتی ہے گھبراتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

جب پیٹ ملائی سا وہ دیتا تھا دکھائی
اور آ کے بڑھاپے کی ہوئی جبکہ چڑھائی

کھانے کو چلی آتی تھی مصری و ملائی
سب اڑ گئی کافور وہ ملائی و مٹھائی

اس غم سے نہ کچھ پیتی ہے نہ کھاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

وہ حسن کہاں جس سے کوئی پاس بٹھائے
جب سوکھ گیا منھ تو جھمک خاک دکھائے

چھاتی وہ کہاں جس پہ کوئی ہاتھ چلائے
عاشق تو جواں کا ہے کو پھر ناز اٹھائے

بوڑھے کو بھی ہرگز نہیں خوش آتی ہی بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہی بُڑھیا

جب منھ میں نہ ہوں دانت تو مسّی ملے کیا خاک
پلکوں میں سفیدی ہو تو کاجل لگے کیا خاک
اور سر کے جھڑے بال تو کنگھی کرے کیا خاک
جب ناک ہی سوکھی ہو تو پھر نتھ کھلے کیا خاک

اس خواری خرابی میں پھر آجاتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

جب تک کہ نئی عمر تھی چڑھتی تھی جوانی
جب بوڑھی ہوئیں پھر لگیں کہلانے پُرانی
ہر کوئی یہ کہتا تھا کہاں جاتی ہو جانی
ٹھہریں کہیں خالہ کہیں دادی کہیں نانی

ہیں نام تو اچھے یہ کہ شرماتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

بُڑھیا کو بڑھاپے میں یہ دکھ ہوتا ہے لینا
منھ پیٹ وہ ہمسائے سے کہتی ہی کہ بھینا
نوجی کو کسی ڈھب کی نصیحت ہو جو دینا
ناحق کی لڑائی ہے نہ لینا ہے نہ دینا

اک چار گھڑی سے مجھے ٹُنو[1] آتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

ٹک دیکھیو یارو یہ بڑھاپے کی ہی خواری
نوجی کی طرف دار ہو گھر میں سے پکاری
ہمسائے کے سنتے ہی لگی دل میں کٹاری
کیا بات ہوئی تجھ سے وہ کچھ مجھ کو بتاری

جس بات پہ دو پہر سے ٹرّاتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

وہ کہتی ہے بھینا یہ گزرتی نہیں ڈھڈّھو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈّھو
اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈّھو
کیا سخت خرابی ہی کہ یہ مرتی نہیں ڈھڈّھو

اس حال کو آخر کو پہونچ جاتی ہے بُڑھیا

[1] پنپوانا۔ گالیاں سُنوانا فضیحتی کرانا ۱۲ شہباز

یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

ایسا جو مرے پاس لگے جاے گی جھانپو
سب کھا چکی مجھ کو بھی یہ اب کھاے گی جھانپو
اک روز مجھے گھر سے نکلواے گی جھانپو
وہ کون سا دن ہوگا جو مر جاے گی جھانپو

اب تو مجھے ڈائن سی نظر آتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

نوچی جو وفادار کوئی پاس رہی آ
جب کبڑی کمر ہو گئی اور سر ہوا گالا
تو روٹی ملی ورنہ لگی کاتنے چرخا
منھ سوکھ کے چمرخ ہوا اور تن ہوا تکلا

پھر روٹی کو چرخے سے کما کھاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

کیا وقت بڑھاپے کا برا ہوتا ہے واللہ
اس خوار خرابی سے بھی سہ کر غم جانکاہ
بیگانے تو کیا اپنے کو بھی ہوتی نہیں چاہ
رک رک کے جوانی کی مصیبت میں نظر آہ

آخر کو اسی سوچ میں مر جاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

(۱۳۵)

سچے نفس کش

بیٹا ہوا کسی کے جو سن پاویں ہیجڑے
ناچیں بجا کے تالیاں اور گاویں ہیجڑے
سنتے ہی اُس کے گھر میں پھر آ جاویں ہیجڑے
لے لے کے بیل[۱] بھاؤ بھی تبلاویں ہیجڑے

اُس کے بڑے نصیب جہاں جاویں ہیجڑے

ظاہر میں گرچہ بیٹا کے اپنے مزورے ہیں
+ + + نہ ان کے پاس نہ دونوں + + + ہیں
پر دل میں اپنے فقر کے گہنے کو گھورے ہیں
خاصے لنگوٹا بند خدا کے یہ پورے ہیں

[۱] روپیے جو بطور انعام دیئے جاتے ہیں ۱۲ شہباز

بیٹا دعا سے بانجھ کے جنوا دیں ہیجڑے

پورے فقیر نفس کشی کا کریں ہیں شغل
جو نفس مارتے ہیں وہ کرتے ہیں اُنکی نقل
ان میں بھی بعضے رکھتے ہیں کتنے خدا سے وصل
سچ پوچھیے تو نفس اُنھوں نے کیا ہے قتل

کیا مرد ہیں کہ مرد ہیں کہلا دیں ہیجڑے

یوں دیکھنے میں گرچہ یہ ہلکے سے مال ہیں
ہم کو تو پر اُنھوں سے ادب کے خیال ہیں
ناچیں ہیں نیگ جوگ کا کرتے سوال ہیں
اکثر اُنھوں کے بھیس میں صاحب کمال ہیں

جو کچھ مراد مانگو وہ بر لادیں ہیجڑے

باتیں بھی ان کی صاف ہیں ملنا بھی صاف ہے
ظاہر بھی ان کا صاف ہی جوڑا بھی صاف ہے
سینہ بھی ان کا آئینہ گھر ڑا بھی صاف ہے
آگا بھی ان کا صاف ہی پیچھا بھی صاف ہے

جب ایسے زندہ دل ہوں تو کہلا دیں ہیجڑے

چلتے ہیں اپنے حال میں کیا کیا مٹکتی چال
آتا ہی اُن کو دیکھ مجرّد کے دل کو حال
کچھ اونچی اونچی چولیاں کچھ لمبے لمبے بال
+ + + کو لات مار کے اکدم میں دے نکال

وہ مرد وا کہ جس کے تئیں بھا دیں ہیجڑے

یہ جان پھلے اب جو کہاتے ہیں خوش صفیر
مدّت سے ہو رہا ہے ارادہ یہ دل پذیر
ہے دل ہمارا ان کی محبت میں اب اسیر
اللہ ہمیں بھی دیوے جو بیٹا تو اے نظیر

ہم بھی بُلا کے خوب سے نچوا دیں ہیجڑے

(۳۶۶)

حُسنِ طلب

کیوں جان کبھی ہم سے اشارات کی ٹھہرے
خلوت میں ذرا لطف و عنایات کی ٹھہرے
جس گھات کا ارمان ہو اُس گھات کی ٹھہرے
یا دن کی مقرر ہو و یا رات کی ٹھہرے

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

اب دل نے ہمارے جو اُسی بات کو چاہا
کیا وقت ہی کیا آن ہی دیکھو تو اہا ہا!
پھولوں کا اسی واسطے گہنا ہے بنایا
بوندیں بھی پڑی برسیں ہیں بادل بھی گھر آیا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

یہ تم نے جو انگیا پہ لپیٹا ہے ڈوپٹا
لو دل کو ہمارے نہ کرو اس گھڑی کھٹا
جی ہم سے یہ کہتا ہے کہ مار اس پہ چھپٹا
دیں گے وہ روپیہ جس میں نہ ہو کوڑی کا بٹا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

اب رنگ جو یہ پان مسی کا ہے جھمکتا
یہ پیٹ یہ سینہ ہے جو کرتی میں جھلکتا
تو ڑا ابھی پڑا چمکے ہے جگنو بھی دمکتا
دیکھ اب تو اسے ہائے یہ دل رہ نہیں سکتا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

فرمائش اگر ہو کوئی تو ہم سے وہ فرماؤ
دیکھو تو ہمیں اس گھڑی ہی جوش بڑا تاؤ
ہم سب طرح حاضر ہیں ذرا ہم سے نہ شرماؤ
اب دیر بھلا کرتی ہو کس بات کو لو آؤ

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

کیا جانے یہ دن کون سا لایا تھا ہمیں گھیر
جو چاہیئے حاضر ہیں وہ سب عیش کے آ ڈھیر
خالی نہ ہمیں چھوڑیو مت کیجیو اندھیر
اب کام میں نیکی کے بھلا کرتے ہو کیوں دیر

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے

جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

جو غنچہ دہن عقل میں اب رکھتے ہیں کچھ راہ — وہ اپنے خریدار سے ہوتے نہیں گمراہ
دیکھو تو بھلا کتنی تمھاری ہمیں ہے چاہ — کیا منت و زاری سے یہ کہتا ہے نظیرؔ آہ

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

(۱۳۷)

مزے کی باتیں

+++ کی ترے آن کو پہچان گئی میں — +++ کی ادا بھی تری پہچان گئی میں
لذت میں بھری ہوں نہیں اوسان گئی میں — مت ڈر مرے +++ سے کہ ای جان گئی میں

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

کیا باندھا ہے +++ میں تجھ +++ کے صدقے — کیا پیار سے منہ چومے ہے اس پیار کے صدقے
کیا تار بندھا ہے میں ترے تار کے صدقے — +++ کی +++ اور ترے +++ کے صدقے

ہوئی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

جوں جوں کہ لگاتا ہے تو اب تیر یہ کاری — لگتی ہے جگر میں مرے لذت کی کٹاری
بھاتی ہے مجھے دل سے تری جان +++ — ہر جھوک کے صدقے ترے ہر وار کے واری

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

ہر آن یہ ملنے کی مری جان سے لے جا — مجھ کو بھی کھلا عیش میں اور تو بھی کھلے جا

ہر وقت یہی میں بھی +++ تو بھی +++ جا
جس ڈھب سے ملا ہو تو اُسی ڈھب سے ملے جا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

راضی ہوں اس دم مجھے +++ میں کچل ڈال
جس چیز کے +++ کی خوشی ہو سو وہ +++ ڈال
بیکل ہوں مری جان مری جان میں کل ڈال
+++ بھی +++ اور مری +++ بھی +++ ڈال

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اُگتا ہو مرے دل میں ترے پیار کا پودا
کر ڈال تو +++ سے مری +++ کو +++
مت چھوڑ قلم جان لکھے جا تو مُسوَدا
اب کیسے ہی ترے وار میں سب پارہ ہو سودا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب آگے گو پیارے تری اُنگلی مرا چھلّا
واں آن رہوں گی جہاں تیرا ہو محلّا
خاطر میں نہ لا کچھ مرے +++ کا تو کلّا
ہوتی ہو گر ھی فتح کیے جائیو ہلّا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

جو مجھ کو نشا ہو وہی اب تجھ کو نشا ہے
میری بھی نئی عمر ہو اور تو بھی نیا ہے
کیا جوڑ برابر کا یہ اس وقت لگا ہے
ہنس ہنس کے +++ جا یہی +++ کا مزا ہے

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

کرتی ہوں ترے +++ جو اس دم میں +++
مت اس سے ڈرا ای جاں میں بڑھاتی ہوں تری +++
+++ ہی تو جا دیکھ نہ کچھ راہ نہ بے راہ
ہو عین یہی وقت ترے سر کی قسم آہ!

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

یہ تار جو باندھا ہے تو بڑھ اس میں نہ گھٹ جا
ہر وقت یہی اب مری ۔۔۔۔ سے ۔۔۔۔ جا
اک دم تو اسی تار کے بندھنے میں سمٹ جا
میں تجھ سے +++ جاتی ہوں تو مجھ سے +++ جا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب تجھ سے میں اک کوڑی بھی +++ نہیں لوں گی
جاوے گا جہاں تو میں ترے ساتھ چلوں گی
ہاں کھول تجھے اپنی میں چنپا کلی دوں گی
خدمت سے تری ٹک نہ ٹلی ہوں نہ ٹلوں گی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

+++ ہی جو ہر دم مرے سینے سے تو سینہ
ڈوبا ہے پسینے میں ترے تن کا نگینہ
کیا خوب تجھے آوے ہے +++ کا قرینہ
لا اپنے دوپٹے سے ترا پونچھوں پسینہ

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

میری تو +++ ہٹ گئی اور +++ بھی سرکی
قربان ترے یہ تو مہم تو نے ہی سر کی
پر تو نے تو اب شام سے +++ میں سحر کی
آ لے لوں بلائیں میں ذرا تیری +++ کی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب غم میں بہاوے گا تو میں غم میں بہوں گی
سن یار نظیر اب تو یہی تجھ سے کہوں گی
دکھ درد دکھاوے گا تو دکھ درد سہوں گی
جب تک کہ جیوں گی تری لونڈی ہی رہوں گی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں

اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

(۱۳۸)

برہ کی کوک

بن دلبر کیونکر بھوپے اب میرے دل کی کلی کلی
گشت نگا کتوال کا پھرنے جو کی مینڈھی گلی گلی
قول بچن کر کر جھوٹا مجھ سے پھر چھوٹی خبر نہ لی
اُس بن جی گھبراتا ہی اور لگتی نہیں کچھ بات بھلی

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

اب میرا تو وہ حال ہوا ہی جیسے ہوویں قلم دوات
نیند اُچاٹ گئی کروٹ جل گئی کاٹے نہیں کٹتی ہی رات
میاں کہیں تلوار کہیں ہو عیش مزے کی کیوں کر بات
خالی خولی کیا میٹھیں ٹک جی بہلاویں مل کر سات

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

اُس جھوٹے کی راہ کو تکتے تکتے آنکھیں گئیں پتھرا
کاجل ڈھلکا سرمہ بگڑا منھ میں پان ہوا پھیکا
پھول پلنگ پر سیج کے میرے غم سے سوکھ گئے مُرجھا
جی اُکتاوے دل گھبراوے آہ بھلا اب کیجیے کیا

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

جس کا جھوٹا وعدہ ہو پھر ویسے کی کیا کیجے چاہ
آنا تو اب تک آجاتا اب کیا دیکھیں ہم اُسکی راہ
جو نہ نباہی اپنے سے تو اُس سے کیجے کیا نرباہ
کیونکر جی کو چین پڑے اور کیونکر دل سمجھاویں آہ

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

کیا دکھ روؤں رات کی میری مفت گئی سب تیاری
کاجل مسی پھیکی پڑ گئی اور سنگار ہوا بھاری

انگیا میں کچھ پھڑک پھڑک کے سُست ہوئیں پیاری پیاری
سینہ دھڑکے +++ پھڑکے جاؤں میں کیدھر ماری

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

آج نہ اُس کے آنے میں کیا کیا نہ میری موج بہی
درد و الم جو گزرے ہیں کچھ جاتی نہیں اب بات کہی
کس کس دُکھ کی سختی دیکھی کس کس دُکھ کی بات سہی
کیا کیجے اور کیا کہیے سب جی کی جی کے بیچ رہی

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

رات کہا میں یار کا اپنے نام بتا کچھ اُسے تصویر
پھر ہمسائی سے یوں بولی بھر کر آہ اور ہو دلگیر
۱۶
سنکر غصہ ہو کر بولی اُس جھوٹے کا نام نظیر
رات پہاڑ اور دل نہیں لگتا آہ کریں اب کیا تدبیر

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

(۱۳۹)

تجرّد کے مزے

نہ شوخ پری زاد کے بولوں میں مزا ہے
اکڑوں نہ صفا بیٹھ کے +++ میں مزا ہے
نے نازنیں پریوں کے ٹھٹھولوں میں مزا ہے
آوازۂ پلنگ میں نہ کھٹولوں میں مزا ہے

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہے
جو مرد تجرّد کے +++ میں مزا ہے

ہر +++ کی گرمی میں جو ازبس کہ بھرا رس
سو عیش کے لیتے ہیں مزے +++ کو کس کس
کہتے ہیں اسی واسطے اس کام کو ہتھ رس
لذت جو ہے اس کام کی کیا کیا میں کہوں بس

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہے

جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

پیا جو ہوا پاس تو +++ کو بلایا +	+++ نہ ملی تو کسی +++ کے چلایا
اور جو نہیں سوراخ پلنگ میں ہی +++	یا اپنے +++ میں ہی کام اپنا چلایا

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

+++ کے اگر +++ کو جی سننے کو چاہا	تو آپ لگے کہنے میاں چھوڑ دے آہا
چوڑی کو بجا دل کا مزا اپنے نبا ہا	کیا عیش +++ کے بھی ہوتے ہیں اہاہا

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

+++ کے لیے خوار نہ +++ سے ہیں نام	نے چاہیئے کوڑی نہ یہ +++ پڑے اک دام
جی چاہا جسے لینے لگے اُس کا وہیں نام	سچ ہی کہ +++ میں ہی سب چیز کا آرام

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

گر ہوتی نہ عالم میں +++ کے لیے راہ	تو عابد و زاہد کا نہ ہوتا کبھی نرباہ
+++ کی نہ در کار نہ +++ کی رہی چاہ	اس عیش کی لذت کہوں کیا تجھ سے نظیر آہ

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

(۱۴۰)

چوہوں کا اچار

پھر گرم ہوا آن کے بازار چوہوں کا	ہم نے بھی کیا خوانچہ تیار چوہوں کا

سر پاؤں کچل کوٹ کے دو چار چھوں کا — جلدی سے کچومر سا کیا مار چھوں کا

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

آگے تھے کئی اب تو ہیں اک ہی پچھے مار — مدت سے ہمارا ہی اس آچار کا بیوپار

گلیوں میں ہیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں خریدار — برسے ہی پڑی کوڑی روپے پیسوں کی بوچھار

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا !

سوکھے جیسے ترکاری سے تلنے کے ہوں درکار — تو سوکھے بھی کھونٹی پہ لٹکتے ہیں کئی ہار

کچھ تیل کے کچھ پانی کے کچھ چٹنی ہے تیار — کس طرح کی لذت ہی تو چکھ دیکھ مرے یار

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

دیمک کی مرچ لال سڑی لیکوں کی رائی — دم ٹانگ تلی کھوپری نس نس ہی سڑائی

اور جس پہ سڑی موری کی کیچڑ ہے ملائی — جب ایسی بنی زور مزے دار کھٹائی

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

کچھ کینچوے کچھ بچھو ہیں کچھ ناگ ہیں کالے — بھونے ہوئے چیونٹے بھی کئی سیر ہیں ڈالے

کچھ مکڑیاں کچھ مکھیاں کچھ مکڑی کے جالے — اور اُن کے سوا کتنے مصالح ہیں جو ڈالے

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

کچھ اس میں اکیلے نہ چھچھے سیر پڑے ہیں — گھونس اور چھچھوندر کے کئی ڈھیر پڑے ہیں

جوں پستو مچھر اور کئی سیر پڑے ہیں — اور کھاٹ کے کھٹمل بھی سوا سیر پڑے ہیں

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

اول تو چھچھے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں — اور سیر سوا سیر کے مینڈک بھی پڑے ہیں

چکھ دیکھ مرے یار یہ اب کیسے کڑے ہیں — چالیس برس گزرے ہیں جب ایسے سڑے ہیں

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

چمگادڑ ابابیل کی ٹانگیں بھی پڑی ہیں — اُلو کے پر اور گدھ کی ... بھی پڑی ہیں

گوبر کی ڈلی بیٹ کی کھاتیں بھی پڑی ہیں | سرکوتوں کے اور چیل کی آنتیں بھی پڑی ہیں

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

چوہوں کا جدا چوہوں کی موچھوں کا جدا ہے | دُم کا وہ جدا کان کا آنکھوں کا جدا ہے
لوٹے میں سڑی کھال کا بالوں کا جدا ہے | پیالی میں نری سوت سی آنتوں کا جدا ہے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

گر پانچ روپے ہو دیں تو اک چھپکلی سے لو | اور ایک اشرفی کو چھچھوندر سڑی سے لو
مت گھونس کے تئیں دیکھ کے ترساؤ جی سے لو | لے لو اجی لے لو اجی لو اجی لے لو

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

کھاوے جو اس اچار کی اک موچھ کی جھنڈی | کھلجائے سب اُس کے وہ دل و جان کی گھنڈی
آتی ہے چلی ملکوں سے ہنڈی پہ جو ہنڈی | جو سر ہے چھچھے کا سو مزے میں ہے وہ منڈی

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

جب دانت تلے کھوپری بھرتی ہے چرا کے | کھل جاتے ہیں لذت کے زبوں بیچ بھنبا کے
چکھتے ہی زباں بھرتی ہے اس ڈھب سے تڑا کے | شبرات میں جس طرح سے چھٹتے ہیں پٹاکے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

لاتا ہے کوئی چکنے گھڑے اور کوئی کورے | پیالا کوئی تھالی کوئی بیتل کے کٹورے
کیا لیں گے اب اسکو کہ جو مفلس ہیں چھچھورے | کھاویں گے وہی جو کہ ہیں دولت کے چٹورے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

پاچن کے اُپراب تو یہ چورن کا چچا ہے | جو کھاوے تو پھر پیٹ کا پتھر بھی پچا ہے
ترشی میں کھٹائی میں یہ اب ایسا رچا ہے | جو آنب کا بابا ہے تو لیموں کا چچا ہے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

آگے جو بنا یا تو بکا تیس روپے سیر | اور گھی گئے لے اسے پچیس روپے سیر

۱؎ کھات سڑی ہوئی غلاظت جو کھیتوں میں تقویت زمین کے لیے ڈالی جاتی ہے۔ اسی کو پانس بھی کہتے ہیں ۱۲ ۲؎ جھنڈی وہ کھونٹی جو جوار کے کاٹ لینے کے بعد کھیتوں میں کھڑی رہ جاتی ہے۔ گنّے کی جڑ یا جوار وغیرہ کے درخت کی جڑ یہاں موچھوں کا گچھا مراد ہے ۱۲ ۳؎ بھبا تا۔ جنبا ۴؎ بڑا سوراخ جو آر پار ہو جائے بڑا چھید ۱۲ شہباز

۵؎ برسات میں بکتا ہے یہ

پہاڑوں میں یہ بکتا رہا بتیس روپے سیر — اور ہولیوں میں بکتا ہے چالیس روپے سیر

کیا زور مزے دار ہے اَچار چھوں کا ؎

روزی تو ہماری یہ اُتاری ہے خدا نے — دن رات پڑے ہم کو یہ اَچار بنانے
اور پیٹ کے بھی واسطے دو پیسے کمانے — لذّت کو نظیرؔ اس کی جو کھاوے وہی جانے

کیا زور مزے دار ہے اَچار چھوں کا!

قصص و حکایات

(۱۴۱)

لیلیٰ مجنوں

مُعَشَّرْ

پہلے تو حمد خالق ارض و سما لکھوں
گر عمر بھر میں اس کو لکھوں تو بھی کیا لکھوں
لازم ہے اس میں طبع کو عجز انتہا لکھوں
کچھ ناز کچھ نیاز لبھنکر رسا لکھوں

بعد اُس کے پھر میں نعتِ شہِ انبیا لکھوں
بے انتہا ہر وہ تو غرض تا کجا لکھوں
کچھ وصف حسن کا لکھوں کچھ عشق کا لکھوں
ہر جی میں لیلی مجنوں کا کچھ ماجرا لکھوں

سچ پوچھیے تو دونوں عجب کام کر گئے
معشوقی عاشقی میں غرض نام کر گئے

پیدا ہوا تھا قیس جب اپنے پدر کے گھر
کنبے کے لوگ بیٹھے تھے باہم سب آن کر

ماں باپ کو ہوئی تھی خوشی سب سے بیشتر
اک دھوم مچ رہی تھی خوشی کی ادھر اُدھر

چومے تھا باپ قیس کے ہر لحظہ چشم و سر
ماں بھی لیے پھرے تھی اُسے اپنے دوش پر
رکھتے تھے ہاتھوں چھاؤں اُسے گرچہ بے خطر
فرزند کی خوشی میں لٹاتی تھی سیم و زر

لیکن وہ ماں کی گود میں اگر نہ سوتا تھا
ہر وقت شور کرتا تھا ہر لحظہ روتا تھا

مادر تھپک تھپک کے سلاتی تھی کر کے پیار
تعویذ ڈالتا تھا گلے بیچ بے شمار
رہتا تھا اک فقیر کوئی واں بزرگوار
سنتے ہی اُس نے آہ کی اور ہو کے اشک بار
پھرتا تھا باپ فال دکھاتا بہ چشم زار
لیکن اُسے قرار نہ آتا تھا زینہار
جس دم وہ حال اُس پہ کیا جا کے آشکار
مجنوں کے باپ سے یہ کہا اُس گھڑی پکار

دکھ پانے والے لڑکے جو دنیا میں آتے ہیں
لچھن سب اُن کے پہلے ہی پہچانے جاتے ہیں

لڑکا ترا بہ عاشق سرشار ہووے گا
زلفوں میں نازنیں کی گرفتار ہووے گا
ناز و ادا کا دل سے خریدار ہووے گا
رمزوں سے عاشقی کی خبردار ہووے گا
محفل میں عاشقوں کی نمودار ہووے گا
چشم کرشمہ ساز کا بیمار ہووے گا
دیدار خوبرو کا طلب گار ہووے گا
رسوائے شہر و کوچہ و بازار ہووے گا

تدبیر یہ نہ رونے کی اس کے کیا کرو
تم گل رخوں کی گود میں اس کو دیا کرو

مجنوں کا باپ سنتے ہی گھر کی طرف پھرا
جب اُن پری رخوں نے اُسے پیار ٹک کیا
ماں باپ کا دل اُس کے تئیں دیکھ خوش ہوا
مکتب میں اُس کے باپ نے لاکر بٹھا دیا
آیا تو گل رخوں کی اُسے گود میں دیا
تھا وہ جو رونا دھونا سو موقوف ہو گیا
بارے اسی طرح سے ہوا جب وہ کچھ بڑا
اک قاعدہ بھی سامنے اُس طفل کے رکھا

مکتب کو دیکھ قیس نے ہوش اپنا کھو دیا

دیکھا جو قاعدے کو بھی یارہ و نورہ و دیا

استاد ایسے بیٹھے کہ پوجیں وہ عشق کو
جو کچھ پڑھے تو یوں کہیں غم کے گھر پہ رو
معنی جو پوچھے تو کہیں صبر و قرار کھو
دل دے کے خوبرو کی محبت میں خوب رو
روے سخن میں ان کے مے عاشقی کی بو
تختی لکھے تو بولیں اسے آنسوؤں سے دھو
تقریر پوچھے تو یہ کہیں اس کے روبرو
باعث جو عشق کے تھے وہ حاضر تھے دوستو

چاہت کی پاک بازی کا ہر دم رواج تھا
لڑکا بھی ابتدا ہی سے عاشق مزاج تھا

اس کے سواے اور یہ جادو بھر کنار
صورت کو جن کی دیکھ کے بلبل ہو بیقرار
باہر پڑے تڑپتے تھے مشتاق دل فگار
جو ان میں لڑکیاں بھی کئی تھیں حیا نگار
لڑکے جو اس میں بیٹھے سو ایسے وہ گلعذار
اندر تو قاتلوں کا وہ مجمع ستم شعار
ان کے سوا یہ اور قیامت تھی آشکار
جادو پہ جادو جب یہ ہوا آن کر دو چار

دیوانگی کے بڑھنے کا دیوان ہو گیا
مکتب وہ اس کے حق میں پرستان ہو گیا

حسن و ادا کا نازکا دیکھا جو التیام
تھی شرمگیں وہ نازنیں لیلی تھا اس کا نام
بن دام اس نے کر لیا مجنوں کے تئیں غلام
ایسا ہوا کہ بڑھنے لگا جی میں صبح و شام
ان لڑکیوں میں ایک جو لڑکی تھی خوش خرام
زلف اس صنم کی ہو گئی مجنوں کے دل کی دام
اس کے بھی دل میں الفت مجنوں کا اژدحام
چاہت کی مے کے پی لیے آپس میں بھر کے جام

تقدیر سے جو چاہ کا روشن قلم ہوا
دونوں دلوں پہ حرف محبت رقم ہوا

یہ چاہتا تھا اس کو اسے وہ لبھاتی تھی
سنکھ نگہ نگہ سے نہ ہرگز لڑاتی تھی
چاہت جو یہ جتاتا تھا وہ بھی جتاتی تھی
پر نیچی نیچی نظروں سے کچھ مسکراتی تھی

ظاہر میں تو ہر اک سے وہ چاہت چھپاتی تھی
مکتب سے جب وہ نازنیں ٹک گھر کو جاتی تھی
لیکن وہ دل ہی دل میں محبت بڑھاتی تھی
مجنوں کے دل پہ تب تو قیامت سی آتی تھی

ہوتا ہجوم جی میں جو تھا اضطراب کا
اک اک ورق بکھرتا تھا دل کی کتاب کا

تختی کو لے کے جب وہ قلم کو اُٹھاتا تھا
بے کی کشش میں طول طپش کو جتاتا تھا
لکھنے میں میم کے جو قلم کو ہلاتا تھا
جب وقت عین لکھنے میں دل کو لگاتا تھا
مشق الف میں آہ کی مدیں دکھاتا تھا
نقطے کی جاے قطرۂ آنسو بہاتا تھا
نقش دہن صنم کا اُسے یاد آتا تھا
دیکھ اُس کو چشم یار تصور میں لاتا تھا

تختی وہ کیا تھی دفتر رنج و ملال تھا
لکھنے کی بات پوچھو تو اس کا یہ حال تھا

جاتی تھی جب وہ گھر میں تو اُس کا بھی تھا یہ حال
ہوتی تھی چپکے رونے سے آنکھیں جب اسکی لال
کہتی تھی آنکھ میں جو پلک کا گیا ہے بال
مجنوں سے ملنے کا جو اُسے شوق تھا کمال
مکتب میں جلد جانے کا تھا دم بہ دم خیال
جو پوچھتا تھا اُس سے کوئی موجب ملال
ہوتا ہے اس سبب مرے اشکوں کا اتصال
اک دم کے دور رہنے میں ہوتا تھا جی نڈھال

جاتی تھی جلد پھر اُسی عنوان آتی تھی
مجنوں کے تن میں دیکھ کے پھر جان آتی تھی

کتنے دنوں تو روز ہی ہمرازیاں ہوئیں
چاہت کی ہر کسی سے نہاں سازیاں ہوئیں
نہ افترا ہوا نہ در اندازیاں ہوئیں
چھپ چھپ کے ہم دگر کی نظر بازیاں ہوئیں
اُلفت کی تازہ تازہ ترانداز یاں ہوئیں
ہرگز نہ اتہام نہ غمازیاں ہوئیں
شوقِ درون آئینہ پردازیاں ہوئیں
یکتا دلی میں طبع کی انبازیاں ہوئیں

مکتب کے بیچ گل کی طرح سے کھلے رہے

نازو نیاز کیا ہی کُھلے اور ملے رہے

اُس گل بدن کے دل میں چُبھا ہجر کا جو خار
مجنوں کو تھا جو لیلی کے آنے کا انتظار
اب کوئی دم میں دیکھیں گے پھر وصل کی بہار
آگے تو اتنی دیر نہ لگتی تھی زینہار

مکتب میں جاتی وہ جو کچھ ہوتا تھا اختیار
کہتا تھا آتی ہو گی وہ محبوب گل عذار
پھر تا کبھی یہ کہتا وہ گھبرا کے بے شمار:
ہرگز نہ جی کو چین نہ خاطر کو تھا قرار

کثرت سے طبع پر جو چڑھی دل کی چاہ تھی
در کی طرف نگاہ تھی اور آہ آہ تھی

جب شام تک نہ آئی وہ مجنوں کی مہ جبیں
بیم پدر کبھی کبھی مادر سے سہمگیں
بے کل تمام رات رہا خستۂ و حزیں
جو ہجر نے دکھائیں جفائیں وہ سب سہیں

چھپ چھپ کے سب سے روئی رہی گھر میں نازنیں
بیتابی جب تو ایسی ہوئی قیس کے تئیں
اشکوں سے آنکھیں اُس کی بھری صبح تک رہیں
کہتا رہا یہ دل سے کہ اے دل یہ ہی یقیں

لیلی کا میرے پاس جو آنا نہ ہووے گا
تو میری زندگی کا ٹھکانا نہ ہووے گا

مجنوں کے دل پہ جب یہ ستمگاریاں ہوئیں
ہر آن بے بسی کی مددگاریاں ہوئیں
اُٹھنے کی ننگ و نام کے تیاریاں ہوئیں
جتنی کہ اُس کو ملنے کی دشواریاں ہوئیں

فرقت کے درد و غم کی گرفتاریاں ہوئیں
ہر دم ادھر اُدھر کی دل آزاریاں ہوئیں
ہجراں کی لحظہ لحظہ جفاکاریاں ہوئیں
اتنی ہی اُس صنم کو بھی ناچاریاں ہوئیں

جیسا کہ اُس کے دل کے تئیں پیچ و تاب تھا
ویسا ہی نازنیں کے تئیں اضطراب تھا

کتنے دنوں تو قیس رہا دل سنبھالتا
جو فکر وصل ہوتی ہی جاہت ہیں جا بجا

ہر لحظہ رنج و درد و سہا انتظار کا
اُس بیقرار نے بھی کیا سب وہ ٹھک ٹھکا

لیلیٰ کا جب گذر نہ اُدھر مطلقاً ہوا
ماں باپ سے بھی رہنے لگا ہر گھڑی خفا
پھر تو گھر اپنا بھی اُسے لگنے لگا بُرا
سمجھاتے تھے جو اُس کے تئیں خویش و اقربا

آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور لب خموش تھا
ہرگز کسی کی بات یہ رکھتا نہ گوش تھا

گھبرا کے تھا کبھی جو سرِ بام بیٹھتا
کہیو میری طرف سے کہ اے شوخ دلربا
کیوں مجھ سے روٹھ بیٹھی ہے خاطر میں ہو خفا
لازم ہے ایک بار تو میرے کنے پھر آ
کہتا ہوا سے اس گھڑی لیلیٰ کے پاس جا
تیغ نگہ سے تو نے جو بسمل مجھے کیا
اے نازنیں بتا ہوئی تقصیر مجھ سے کیا
آ کر کسی بہانے سے پھر منہ مجھے دکھا

پہروں تلک یہ حال ہوا کو سناتا تھا
باتیں یہ اُس سے کہتا تھا اور روتا جاتا تھا

جاتا کبھی چمن میں تو ہوتا وہاں یہ حال
مل بیٹھنے کا لیلیٰ کے تھا باندھتا خیال
نرگس سے چشم لیلیٰ کو دیتا کبھی مثال
ہر سرو کو سمجھ قدِ لیلائے خوش جمال
بلبل کو وصل گل میں جو تھا دیکھتا نہال
رو رو کے آنکھیں کرتا تھا گل کی طرح سے لال
سنبل سے یاد آتے تھے لیلیٰ کے اُسکو بال
ہر دم گلے لگاتا تھا بیتاب ہو کمال

دل سختی فراق سے جوں غنچہ تنگ تھا
گھر میں تو وہ طرح تھی چمن میں یہ رنگ تھا

چھٹی جو ملتی اور تو سب لڑکے لڑکیاں
لیلیٰ کے آنسو ہوتے تھے رخسار پر رواں
تو جا کے دیکھوں مجنوں کو مکتب کے درمیاں
جاتا تھا دیکھنے اُسے رہ رہ کے دوستاں
ہنستے اُچھلتے کودتے کر کر کے بازیاں
کہتی تھی ہو جو رات کی جلدی سحر عیاں
مجنوں بھی ہر بہانے سے تا شام اُسکے ہاں
جب ہوتی رات گھر میں پھر آتا تھا نیم جاں

لیلیٰ کی یاد دل کو جو ہر دم ستاتی تھی

آنکھوں میں نیند اس کے سحر تک نہ آتی تھی

ہوتی تھی جب سحر تو وہ مکتب میں آتا تھا — لیلیٰ کو پہلے آنے سے اپنے وہ پاتا تھا
اس غنچہ لب کے منھ سے جو وہ منھ ملاتا تھا — گل کی طرح سے دل میں نہ پھولا سماتا تھا
ملنے کا اشتیاق ہر اک دم سناتا تھا — دل کی طلب کو اپنی نگہ سے جتاتا تھا
جب حرف شوق لیلیٰ کے لب سے بر آتا تھا — اس نازنیں کی چاہ پہ قربان جاتا تھا

کہتا تھا میں غلام ترا بے تمیز ہوں
کہتی تھی ہنس کے وہ بھی میں تیری کنیز ہوں

پھر گھر میں اپنے جاتی جو محبوب دل ربا — مجنوں جو کچھ صنم سے نشانی تھا مانگتا
دیتی وہ کچھ تو مجنوں سے کہتی تھی تو بھی لا — مجنوں بھی دیتا اسکو تو لے کر وہ مہ لقا
چومے تھی اس نشانی کو سب سے چھپا چھپا — مجنوں بھی ہر گھڑی اسے آنکھوں پہ رکھتا تھا
رہتے تمام رات اسی دھن میں مبتلا — اس میں وہ صبح جب اٹھیں دیتی تھی منھ دکھا

مکتب میں پھر تو آنے کی تشیید[۱] ہوتی تھی
دونوں کو وہ سحر سحر عید ہوتی تھی

جب تک یہ خرد سال تھی چاہت نہاں رہی — سیانی ہوئی تو تاڑنے والوں پہ کچھ کھلی
لوگوں میں چرچے ہونے لگے اسکے ہر گھڑی — چاہت کے گل کی بو نہ رہی آخرش چھپی
جانا کسی کسی نے ملامت کسی نے کی — پھر تو وہ پھیلی ایسی کہ پہونچی گلی گلی
کچھ بن سکا نہ جب تو ہوئی انکو بے بسی — چھٹ پن کی تھی جو چاہ تو ہرگز نہ چھٹ سکی

آساں نہیں ہے رشتۂ الفت کو توڑنا
مشکل ہے بالے پن کی محبت کو چھوڑنا

پہونچی یہ بات خانۂ لیلیٰ میں جس گھڑی — ماں باپ کے دلوں میں پڑی غم کی گلجھڑی
لیلیٰ جب ان کے روبرو آکر ہوئی کھڑی — دونوں کی طبیع کثرت تنبیہ پر اڑی

[۱] تشیید کے معنی ہے عمارت بلند کرنا یہاں تمہید مراد ہے۔ شہباز

کچھ جھڑکیاں دیں باپ نے کچھ ماں ہوئی کڑی
ہیبت دکھائی اور تنقید بھی کی بڑی
تدبیر اور اس کے سوا کچھ نہ بن پڑی
مکتب سے اس کو منع کیا مار کر چھڑی
مجبور کر دیا وہیں فرحت کے ساتھ سے
تختی کتاب چھین لی لیلیٰ کے ہاتھ سے

بے بس ہو گھر میں بیٹھ رہی جب تو وہ صنم
ہوش و حواس کر گئے خاطر سے اس کی رم
مجنوں کی یاد صفحۂ دل پر جو تھی رقم
مجنوں ہی مجنوں کہتی تھی دل میں بدرد و غم
لیلیٰ کی یاد مجنوں پہ کرتی تھی یاں ستم
تختی کہیں پڑی تھی پڑے تھے کہیں قلم
لیلیٰ کی شکل پھرتی تھی آنکھوں میں ہر قدم
واں ایک پل قرار نہ یاں چین ایک دم
دونوں کے صحن دل میں جو بیتابی ہوتی تھی
واں مجنوں مجنوں ہوتا تھا یاں لیلی لیلی تھی

لاتا تھا باپ کھینچ کے اُس کو گھڑی گھڑی
چین اُس کے دل کو گھر میں ہوتا تھا اک ذری
ناچار اُس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی
زنجیر کی صدا سے بھی دیوانگی بڑھی
تدبیر اور جنوں کی جو ہوتی ہے وہ بھی کی
آخر گھر اپنا چھوڑ کے صحرا کی راہ لی
کہتا تھا باپ جا کے جو اُس سے کبھی کبھی
بیٹا میں تیرا باپ ہوں مل مجھ سے اس گھڑی
کہتا تھا رو کے میں تو تجھے جانتا نہیں
لیلےٰ سوا کسی کو میں پہچانتا نہیں

آتا تھا دیکھنے کو جو لیلےٰ کے وہ کبھی
تھا چومتا بہانے سے چوکھٹ جو گھر کی تھی
کھڑکی کو دیکھتا تھا کہ ہے بند یا کھلی
کرتا نگاہ تھا کبھی جالی پہ ہر گھڑی
لیلیٰ کو اُس کے آنے سے ہوتی تھی آگہی
پھرتی ادھر اُدھر تھی وہ حیلے کو ڈھونڈتی
مادر پدر کے خوف سے تھی گرچہ بے بسی
تو بھی ہر ایک طرح سے صورت دکھاتی تھی
کچھ کہنے پاتی کیوں کہ حذر ہوش کھوتا تھا

باتوں کے بدلے واں اسے رو دینا ہوتا تھا

جاتی تھی سیرِ باغ کو جس دم وہ دل رُبا — مجنوں کے دیکھنے کا وہ رکھتی تھی مُدّعا
دیدار کے لیے وہ بہانہ تھا باغ کا — لڑکے جب آکے مجنوں کو دیتے تھے یہ سُنا
سنتے ہی دوڑتا تھا خوشی سے وہ مبتلا — لیلےٰ بھی اُس کے سنتی تھی جب شور کی صدا
محمل کے پردے کو وہیں دیتی تھی پھر اُٹھا — جلدی سے اُسکو دیتی تھی منھ اک نظر دکھا

دونوں طرف سے شوق جو نشتر چبھوتا تھا
واں دیکھنا دکھانا اسی ڈھب سے ہوتا تھا

مجنوں کا مدتوں تلک ایسا ہی حال تھا — آیا کبھی تو ٹھہرنے اُس کو نہ واں دیا
گر بن گیا بہانہ تو ٹک منھ کو تک لیا — ورنہ وہ اپنے پھر اُسی وادی میں جا پڑا
سر کی خبر نہ اپنے اُسے تھی نہ ہوش پا — لیلیٰ ہی لیلیٰ اُس کی زباں پر تھی جا بہ جا
رہتا تھا رات دن غمِ فرقت میں دل پھنسا — تن کا بیاں میں یار و کہوں اُس کے اور کیا

غالب جو اُس کے جی پہ وہ دیوانہ پن ہوا
لیلیٰ کی جو کمر تھی وہ اُس کا بدن[1] ہوا

کہتا تھا دمبدم مری دلدار لیلی ہے — اس خستہ دل کی مونس و غمخوار لیلی ہے
محفل میں دلبروں کے نمودار لیلی ہے — خوبی و دلبری میں چمن زار لیلی ہے
نازو ادا کی گرمیِ بازار لیلی ہے — خوبانِ نازنیں میں فسوں کار لیلی ہے
محبوبِ گُل رخوں کی وفادار لیلی ہے — مجنوں کی عاشقی کے سزاوار لیلی ہے

لیلی ہی کی ادا پہ مرا دل نثار ہے
لیلی ہی کی نگہ مرے سینے سے پار ہے

ماں باپ نے جب اس کی یہ کچھ دیکھی بیکلی — مشاطہ ایک خانۂ لیلی میں بھیج دی
مادر پدر نے لیلی کے بات اُس سے یہ کہی — لڑکے کی اُن کے تو ہے جنوں سے لگن لگی

[1] بعض نسخوں میں اس بند کے بعد وہ بند لکھا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے "ماں باپ کے تھی دل کو ادھر لگ رہی خوشی" (بند ۳۵) ۱۲ شہبانہ

سنتے ہیں وہ تو رہتا ہے وحشی سا ہر گھڑی
اُن سے کہا تو باں سے یہ کہہ بھیجا ہر گھڑی
مشاطہ جب یہ سن کے اِدھر سے اُدھر بھری
سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں اس کی دِوانگی

کچھ خوف مت کرو اُسے ہر دم پہ دیکھ لو
باور نہ ہو تو اپنی تم آنکھوں سے دیکھ لو

کہکر یہ قیس کو وہ ارادہ جتا دیا
زلفیں سنوار آنکھوں میں سُرمہ لگا دیا
پٹکا سنہرا اُس کی کمر میں بندھا دیا
رومال اک زری کا بھی ہاتھوں میں لا دیا
زرّیں لباس اُس کے بدن میں پنھا دیا
دستارِ زرفشاں کو بہ سر جگمگا دیا
بُرد یمن کو دوش کے اوپر اُڑھا دیا
بوڑھے بڑوں کے ساتھ اُسے واں بھجا دیا

جتنے بزرگ تھے اُسے سب لیکے واں گئے
مل کر جو بیٹھے یہ بھی خوش اور وہ بھی خوش ہوے

کہتے ہیں قیس لڑکوں میں صاحب جمال تھا
واں جس نے دیکھا اسکو بہت جی کو خوش لگا
کہتی تھیں یہ تو لڑکا نہایت ہے خوش ادا
کتنے تھے اُن کے پاس جو لیلیٰ کے اقربا
پوشاک جب وہ پہنی تو حسن اور بھی بڑھا
تھیں بیبیاں بھی جھانکتیں غرفوں سے جابجا
دیوانگی کا اس کی عبث شور تھا مچا
لڑکے کا حسن سب کی نگاہوں میں تھا کھبا

سب دل میں اپنے تخم محبّت کو بوتے تھے
الفت کی باتیں کرتے تھے اور شاد ہوتے تھے

کہتے ہیں ایک سگ کہیں لیلیٰ نے پالا تھا
مجنوں نے سر کو پاؤں پہ اُس سگ کے رکھ دیا
رومال وہ زری کا اُسی کو اُڑھا دیا
ہاتھ اپنا اُس کے سر پہ کبھی پیٹھ پر رکھا
ناگاہ جب وہ قیس کی اُس جا نظر پڑا
کر پیار اُس کو اپنے گلے سے لگا لیا
گودی میں اپنے پیار سے جلدی بٹھا لیا
بے اختیار ہو کے اُسے جب تو یہ کہا

تو جس کے پاس ہے مجھے اُس سے جدائی ہے

مدت میں تیری شکل نظر مجکو آئی ہے

اُس سگ کو دیکھ قیس کا جب ہو گیا یہ حال ۔ جو ہاتھ پیار سے دیئے گردن میں اُسکی ڈال
سب کے تئیں یہ دیکھ کے حیرت ہوئی کمال ۔ تھے جیسے خوش وہ دیکھ کے واں قیس کا جمال
ویسا ہی اُن کے دل کو ہوا رنج اور ملال ۔ آپس میں جب تو کرنے لگے سب یہ قیل و قال
جو ہوش میں ہو اُس سے تو یہ بات ہے محال ۔ ہوتی مگر ہو ایسی دوانوں کی چال ڈھال
یہ ڈھنگ قیس کے جو نمودار ہو گئے
جتنے گئے تھے ساتھ وہ ناچار ہو گئے

ماں باپ کے بھی دل کو ادھر لگ رہی خوشی ۔ یعنی پسند ہو گی اُنھیں طرز قیس کی
اتنے میں آئے پھر کے اُدھر سے جو وہ بھی ۔ جو واردات گذری تھی آکر وہ سب کہی
اور یوں کہا بہت ہمیں شرمندگی ہوئی ۔ اس سے تو ہم نہ جاتے تو بہتر وہ بات تھی
خاطر میں پھر تو قیس کی دیوانگی بڑھی ۔ شرم و حیا و صبر نے جب دل سے راہ لی
پھر تو ہمیشہ کوچۂ لیلیٰ میں جاتا تھا
بیتابیاں جتاتا تھا اور غل مچاتا تھا

آخر یہ قیس کی ہوئی حالت پھر آشکار ۔ کر ڈالا اپنا غم سے گریبان تار تار
گھر کو بھی اپنے چھوڑ دیا ہو کے بیقرار ۔ لیلیٰ کے در پہ آپڑا بس ہو کے بے وقار
واں سے بھی جب اُٹھا دیا اُس کو بحال زار ۔ گلیوں میں جب تو پھرنے لگا ہو کے دلفگار
لڑکوں کا تھا ہجوم لگا ساتھ بے شمار ۔ آنکھیں بھی سرخ نالوں کے غل شور بار بار
کثرت میں عشق تھا جو بتِ گلعذار کا
اک جوش تھا جنوں کے چمن کی بہار کا

لیلیٰ بھی اُس کی چاہ میں بے اختیار تھی ۔ منہ کو لپیٹے رہتی تھی مسند پہ وہ پڑی
ملنے کو اس کے آتی تھیں جب لڑکیاں کبھی ۔ وہ غمزدہ کسی سے بھی ہرگز نہ بولتی

آنکھوں میں اشک آہ بلب اور اُداس جی ۔ ہٹ کر میں وہ تو اُن کو سناتی تھی اُس گھڑی
زنہار میرے پاس نہ آیا کرو کبھی ۔ صحبت مجھے کسی کی نہیں لگتی ہے بھلی

مجنوں کے دیکھنے کی تمنا مدام تھی
لیتی سحر سے شام تلک اُس کا نام تھی

اس حد پہ جا پہونچی تھی جو دونوں کی دوستاں ۔ جو اُس پہ گذرا حال وہ اس پر ہوا عیاں
گر اس کے ایک پھانس لگی تن کے درمیاں ۔ اُس کے جگر سے اُٹھنے لگا نالۂ و فغاں
ہوتی تھی اس کی چشم ادھر جب گہر فشاں ۔ آنکھوں سے اشک اُسکی بھی ہوتے تھے تب رواں
جو اس کی شکل یاں تھی وہی اُسکی شکل واں ۔ الفت کا اُن کی آہ میں کیا کیا کروں بیاں

چاہت کے گل کچھ ایسی طرح جی میں کھل گئے
جو دل بھی اُن کے مل گئے اور تن بھی مل گئے

سچ پوچھیے تو رکھتی ہے چاہت بھی کیا مزا ۔ جو فرق کی نہ عاشق و معشوق میں ہو جا
یک رنگ دوستی میں رہے دونوں برملا ۔ جو اُس پہ ہو گیا وہی اس پر گذر گیا
جو اُس کے پا میں پھرتے ہوئے آبلہ پڑا ۔ گھر بیٹھے اُس کے پاؤں میں کانٹا وہیں چبھا
مجنوں کے رؤیں[له] رؤیں میں لیلیٰ گئی سما ۔ لیلیٰ کے بند بند میں مجنوں ہی بھر گیا

چاہت کے اُن سے کام بہت نیک ہو گئے
دونوں میں کچھ دوئی نہ رہی ایک ہو گئے

اس کی مثل میں کرتا ہوں یارو میں اب بیاں ۔ پنہاں نہیں غرض ہے یہ مشہور در جہاں
یہ رمز عشق ہے اسے جانے ہیں عاشقاں ۔ عشاق کے یہ دل پہ نہیں مطلقاً نہاں
لیلیٰ نے ایک روز کھلائی تھی فصد واں ۔ وادی میں ہو گیا رگ مجنوں سے خوں رواں
حیرت ہوئی ہر ایک کو جب یہ ہوا عیاں ۔ حیرت نہیں یہ چاہ کی ہیں پختہ کاریاں

جب پختگی میں چاہ کا ہوتا کمال ہے

له روم پرانا لفظ ہے روئیں کا مرادف ۱۲

وہاں ہوتا پھر تو دوستو ایسا ہی حال ہے

قصہ تو لیلیٰ مجنوں کا ہے دوستو بڑا
اتنے سخن میں رکھتا تھا کب طبع کو رسا
سچ پوچھو تو زمانے کا ہے اعتبار کیا
لیلیٰ تو اُٹھ گئی وہیں مجنوں بھی چل بسا
تھوڑا سا اُس کتاب سے میں نے بھی یہ لکھا
کچھ بیٹھے بیٹھے یہ بھی مرے جی میں آگیا
ہے راحتِ بہار سے رنجِ خزاں لگا
آگے نظیرؔ اس کا بیاں اب کروں میں کیا

کاغذ میں نام ان کا بارقام رہ گیا
آخر کو دونوں جاتے رہے نام رہ گیا

(۱۴۲)

ہنس نامہ

دنیا کی جو الفت کا ہوا مجھ کو سہارا
دیکھی جو یہ غفلت تو مرا دل یہ پکارا
اور اُس نے خوشی کو مری خاطر میں اُتارا
آیا تھا کسی شہر سے ایک ہنس بچارا

اک پیڑ پہ جنگل کے ہوا اُس کا گذارا

چنڈول اگن[۱] ابلقے چھیان بنے دھیڑ
طوطے بھی کئی طور کے ٹوئیاں کوئی لہبر
مینا وُ بئے کلکلے بگلے بھی سمنبر[۲]
رہتے تھے بہت جانور اُس پیڑ کے اوپر

اُس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا

بلبل نے کیا اُس کی محبت میں خوش آہنگ
کھنجن میں کلنگوں میں بھی چاہت کی مچی جنگ
اور کوکلے کوئل نے بھی اُلفت کو لیا سنگ
دیکھا جو طیوروں نے اسے حسن میں خوش رنگ

وہ ہنس لگا سب کی نگاہوں میں پیارا

سیمرغ[۳] بھی سو دل سے ہوئے ملنے کے شائق
سارس بھی جو اصل بھی ہوئے اُسکے موافق
گرگدھ بنکھ بھی پنکھوں کے ہوئے جھلنے کے لائق
باز و لگڑ و جرہ و شاہیں ہوئے عاشق

۱؎ اتنی سخن میں طبع کو رکھتا تھا کب رسا

۱؎ اس مصرع کے مطلب میں کسی قدر رعایت لفظی کی وجہ سے اشکال ہے۔ چنڈول: ایک جانور کا بھی نام ہے اور ایک سواری کا بھی۔ شاعر اگن کو چنڈول قرار دیتا ہے اور ابلقے کو چھیان اور دہیڑ کو نوشتہ شہبانہ

۲؎ سمنبر۔ سفید رنگ ۱۲

۳؎ سیمرغ۔ رخ، ہما، عنقا، موسیقار، ققنس کی طرح رومانی کا پرند ہے ۱۲ ابو الخیر

شکروں نے بھی شکرے سے کیا اُس کا مُدارا

کچھ سبزک و بٹیر نکلے وکچھ ٹنٹن و بُزّے
پنڈخی سے لگا ٹوٹر و قمری و ہریوے

عوغائی بگیری ولٹورے و پپیہے
کچھ لال چڑے پودنے پدّے ہی نہ غش تھے

پدڑی بھی سمجھتی تھی اُسے آنکھ کا تارا

چاہت کے گرفتار بٹیریں ہوے تیتر
کبکوں کے تدرووں کے بھی چاہت میں جھکے پر

ہُدہُد بھی ہوے ہٹ کے بدھیا ادھر اُدھر
زاغ و زغن و طوطی و طاؤس کبوتر

سب کرنے لگے اُس کی محبت کا اشارا

شکل اُس کی وہیں جی میں کبھی شام چڑے کے
دی چاہ جتا پھر اُسے جھانپو نے بھی جھپ سے

ہریل بھی ہوے اُسکے بڑے چاہنے والے
جتنے غرض اُس پیڑ پہ رہتے تھے پرندے

اُس ہنس پہ اُن سب نے دل و جان کو وارا

خواہش یہ ہوئی سب کی کہ ہردم اُسے دیکھیں
اور اُس کی محبت سے ذرا منھ کو نہ پھیریں

دن رات اُسے خوش رکھیں نت سکھ اُسے دیویں
صحبت جو ہوئی ہنس کی اُن جانوروں میں

اِک چندرہا خوب محبت کا گذارا

سب ہوکے خوش اُس کی موالفت لگے پینے
اور پیت سے ہر اک نے وہاں بھر لیے سینے

ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے
اُس ہنس کو جب ہوگئے دو چار مہینے

اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا

یاں لطف و کرم تم نے کیے ہم پہ ہیں جو جو
تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو

تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو
لو یارو ہم اب جاوینگے کل اپنے وطن کو

اب تم کو مبارک رہے یہ پیڑ تمھارا

اب تک تو بہت ہم رہے فرصت سے ہم آغوش
اب یاد وطن دل کی ہمارے ہوئی ہمدوش

جب حرف جدائی کا پرندوں نے کیا گوش
اس بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اُڑے ہوش

سلہ بڑنکے - بڑی
اک کا ایک پرندہ ۱۲
سلہ غش بیہوش ۱۲
سلہ کبھی پسند آئی ۱۲
سلہ چھپا پیو پیڑ میں
ایک پرند کا نام
ہے ۱۲ سلہ جھپ
فوراً ۱۲ سلہ
وارا نثار کیا ۱۲
سلہ پیت —
محبت ۱۲ اختر علی

سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

بن دیکھے تمھارے ہمیں کب چین پڑیں گے
گر تم نے یہ ٹھہرائی تو کیا سکھ سے رہیں گے
اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھریں گے
ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمھارے ہی چلیں گے
یہ درد تو اب ہم سے نہ جاوے گا سہارا[1]

پھر ہنس نے یہ بات کہی اُن سے کئی بار
آنکھیں ہوئیں اشکوں سے پرندوں کے گہربار
کچھ بس نہیں اب چلنے کی ساعت سے ہیں ناچار
اُس میں جو شب کوچ کی ہوئی صبح نمودار
پر اپنا ہوا پر وہیں اُس ہنس نے مارا

وہ ہنس جب اُس پیڑ سے واں کو چلا ناگاہ
دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے واں سے تو کر آہ
منھ پھیر گے ایدھر سے وطن کی جو ہیں لی راہ
سب ساتھ چلے اُس کے وہ ہمراہ و ہوا خواہ
ہر ایک نے اُڑنے کے لیے پنکھ[2] پسارا[3]

اور ہنس کی اُن سب کو رفاقت ہوئی غالب
کلفت تھی جو فرقت کی وہ سب پر ہوئی غالب
جب واں سے چلا وہ تو ہوئی بے بسی غالب
دو کوس اُڑے تھے جو ہوئی ماندگی غالب
پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوت و یارا

پر اُن کے ہوئے تر جو ہیں دوری کی پڑی اوس
تھک تھک کے لگے گرنے تو کرنے لگے افسوس
روئے کہ رفاقت کی کریں کیونکہ قدمبوس
کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اُڑا کوس
کوئی آٹھ کوئی تو کوئی دس کوس میں ہارا

کچھ بن نہ سکے اُن سے رفیقی کے جو واں کار
جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر کے تئیں ہار
اور اتنے اُڑے ساتھ کہ کچھ ہووے نہ اظہار
کوئی یاں رہا کوئی واں رہا کوئی ہو گیا ناچار
کوئی اور اُڑا آگے جو تھا سب میں کرارا[4]

تھی اُس کی محبت کی جو ہر ایک نے پی مے
جب ہو گئے بے بس تو پھر آخر یہ ہوئی رسٹے[5]
سمجھے تھے بہت دل میں وہ الفت کو بڑی شے
چیلیں رہیں کوّے گرے اور باز بھی تھک کر

[1] سہارا - برداشت کیا
[2] پنکھ - پَر
[3] پسارا - پھیلایا
[4] کرارا - مضبوط
[5] کیفیت حالت

اشرف علی لکھنوی

اُس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کنارا

دنیا کی جو الفت ہے تو اس کی ہی یہ کچھ راہ
جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو نرباہ
ناچاری ہو جس جا میں تو واں کیجیے کیا چاہ
سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظر آہ
آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

(۱۴۳)

پودنے اور گرڑھ پنکھ کی لڑائی

ایک پودنے کا حال عجب سننے میں آیا
تھا گھونسلا اک پیڑ اُپر اُس نے بنایا
اور پودنی اور بچّوں کو تھا اُس میں بٹھایا
قد میں تو وہ تھا پودنا چھوٹا سا کہایا
پر دل میں وہ گرڑھ پنکھ سے ٹھہرا تھا سوایا

کوّے کو سمجھتا تھا وہ اک مکھی کا بچّا
اور چیل کو گنتا تھا وہ ناچیز پتنگا
بگلے کو بچا کیڑے کا اور بزّے کو بھنگا
لگھڑ کو سمجھتا کہ تو ہے کیا اری چل جا
ہم نے ترے لگھڑ کو ہی چٹکی میں اُڑایا

اک روز وہ سارس سے لگا کہنے اُچھل کر
جس پیڑ پہ ہم بیٹھے ہیں ہلتا ہے سراسر
سارس نے یہ سُن پودنے سے یوں کہا ہنسکر
کیا بات تم ایسے ہی ہو بھاری و تناور
ہر پیڑ کو ہے بوجھ تمھارے نے ہلایا

رہتا تھا وہ جس پیڑ پہ وہ پیڑ تھا برنا[1]
آگے کہیں اُس دشت میں اک ارنی وارنا
خوش آیا اُنھیں واں جو ہری گھاس کا چرنا
ٹھہرایا اُنھوں نے اُسی جنگل میں اُترنا
رہنے لگے وہ بھی اُنھیں صحرا جو وہ بھایا

واں پودنی اور ارنی میں بہنا پا جو ٹھہرا
دن کو وہ لگی رہنے خوشی ہو کے اُسی جا

[1] برنا لفظ ہی معنی میں بناہ کے ۱۲ سے برنا ایک میوہ دار درخت کا نام ۱۲ شہباز

اور رات کو رہنے لگی وہ ارنے کنے جا | خوش ہو کے لگی رہنے ہوا پیار جو گہرا
دونوں نے غرض خوب محبت کو بڑھایا

اک روز وہ ارنی کہیں چرتی ہوئی آئی | اور آتے ہی اُس پیڑ سے بیٹھ اپنی کھجائی
وہ پیڑ ہلا پودنے نے دھوم مچائی | ہو جاوے گی اس بات سے مردوں میں لڑائی
اس تیرے کھجانے نے بہت ہم کو ستایا

ارنی یہ ہنسی سن کے اور ارنے سے کہا جا | ارنا بھی ہنسا اور کہا جا پھر تو کھجا آ
اور آئی کھجانے کو تو یوں پودنا بولا | بدذات یہ تیری نہیں تقصیر میں سمجھا
شاید ترے ارنے نے تجھے ہے یہ سکھایا

کل اُس کی سزا پاوے گا ارنا ترا بدخو | جو صبح لگی ہونے تو وہ پودنا دلجو
آیا جہاں سوتا تھا وہ ارنا بڑا خوش ہو | دھر بیٹھ گیا کان میں باندھ اپنے پروں کو
پھُر پھُر کیا اور پردے میں پنجوں کو گڑایا

ارنا لگا ٹکرانے سر شور مچا کر | ارنی گری اُس پودنی کے پاؤں پہ جا کر
جب پودنی نے اُسکے ترس حال پہ کھا کر | جلدی سے نکالا اُسے آواز سُنا کر
ارنے کو سوا بھاگنے کے کچھ نہ بن آیا

بھاگا غرض ایسا کہ نہ پھر پیچھے کو دیکھا | ارنی بھی گئی بھاگتی ساتھ ارنے کے گھبرا
اُس بھاگنے میں دونوں نے پھر منھ کو نہ پھیرا | ارنا تو نظیر اپنے اُدھر خوف سے بھاگا
یاں گھونسلے میں پودنا پھولا نہ سمایا

(۱۴۴)

کوّے اور ہرن کی دوستی

اک دشت میں سُنا ہے کہ اک خوب تھا ہرن | بچّا ہی تھا ابھی نہ ہوا تھا بڑا ہرن

پھرتا تھا جو کڑی کا دکھاتا مزا ہرن ۔۔۔ دیکھا جو ایک کوّے نے وہ خوشنما ہرن

دل کو نہایت اس کے وہ اچھا لگا ہرن

دو باتیں کرکے کوّے نے اس کو لگا لیا ۔۔۔ دم میں ہرن بھی کوّے کی اُلفت میں آگیا

کوّے ہرن میں ٹھہری جو گہری محبّت آ ۔۔۔ کوّا جدھر جدھر کو خوشی ہو کے جاتا تھا

پھرتا تھا اُس کے ساتھ لگا جا بجا ہرن

اک گیدڑ اُس ہرن کے کنے آکے نابکار ۔۔۔ بولا ہزار جان سے میں تم پہ ہوں نثار

مجھ کو بھی اپنا جان غلام اور دوستدار ۔۔۔ اور دل میں یہ کہ کیجے کسی طور سے شکار

اُس کی دغا و مکر سے واقف نہ تھا ہرن

گیدڑ یہ کہہ کے مکر سے جس دم گیا اُدھر ۔۔۔ کوّا ہرن سے کہنے لگا کرکے شور و شر

یہ سخت مکر باز ہے کر اس سے تو حذر[۵۲] ۔۔۔ اک دن دغا سے تجھ کو یہ پکڑے گا فتنہ گر

سن کر یہ بات کوّے کی چپ ہو رہا ہرن

دن دوسرے ہرن کنے گیدڑ پھر آگیا ۔۔۔ کوّے کو سوتا دیکھ یہ بولا وہ پُر دغا

میں آج دیکھ آیا ہوں کیا کھیت اک ہرا ۔۔۔ تم کھاؤ اُسکو چل کے تو ہو شاد دل مرا

سنتے ہی اُس کے ساتھ اُچھلتا چلا ہرن

جس کھیت پہ یہ لے کے گیا اُسکو بدسگال[۵۳] ۔۔۔ دہاں پہلے دیکھ آیا تھا وہ اک ہرن کا جال

لے پہونچا جب ہرن کے تئیں کھیت پہ شغال ۔۔۔ جاتے ہی واں ہرن نے دیا منھ کو اُسمیں ڈال

منھ ڈالتے ہی جال میں واں پھنس گیا ہرن

وہاں پھڑپھڑاتا آگیا کوّا بھی ناگہاں ۔۔۔ گیدڑ کو دے کے گالی ہرن سے کہا کہ ہاں

تڑپے مت اس میں ورنہ تو ہوویگا ناتواں ۔۔۔ کوّے کی بات سنتے ہی ہمّت کو باندھ واں

جیسے گرا پڑا تھا وہیں پھر اُٹھا ہرن

گیدڑ لگا جب آنے ہرن کی طرف جھپٹ ۔۔۔ کوّا پکارا مار تو سینگ اک جو جاوے ہٹ

۵۱ بھلا پھسلا ۔ ۵۲ ڈر، پرہیز ۔ ۵۳ بدمعاش ۔ بدوضع ۱۲ ۔ اشرف علی لکھنوی

یااک کھُری توایسی لگا پاؤں کی لپیٹ[1] — جاوے جو اُسکے لگتے ہی گیدڑ کا پیٹ پھٹ

سن کرکھڑکنے ہو سینگ ہلانے لگا ہرن

گیدڑنے خوب کوّے کو دیں جل کے گالیاں — صیاد واں ہوا تھا کسی کام کو رواں

اس میں شکاری آکے ہوا دور سے عیاں — کوّا پکارا لیٹ جا دم بند کرکے ہاں

دم بند کرکے اپنا وہیں گر پڑا ہرن

گیدڑنے اُسکو دیکھ کے اک جاکے جھاڑی لی — صیاد اُس ہرن کو پڑا دیکھ اُس گھڑی

افسوس کرکے دام کی رسّی وہ کھول دی — کوّا پکارا بھاگ ارے وقت ہے یہی

سنتے ہی واں سے چوکڑی بھر کر اُڑا ہرن

صیاد نے جو دیکھا ہرن اُٹھ چلا جھپاک[2] — جلدی سے دوڑا پیچھے ہرن کے وہ سینہ چاک

سونٹے کو پھینک مارا جو پھرتی سے اُس نے تاک — بھاگا ہرن لگا وہیں گیدڑ کے آکھٹاک

سر اُس کا پھوٹا اور وہ سلامت گیا ہرن

گیدڑ نے اُس ہرن کا جو چیتیا[3] تھا واں بُرا — پائی اُسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا

تھا یہ تو نثر میں نے اُسے نظم میں کیا — پہونچا نظیر جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا

کوّے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش رہا ہرن

(۱۴۵)

جوگی کا سچّا روپ

میاں میں کیا کہوں احوال کی اپنے پریشانی — لگا ڈھلنے مری آنکھوں سے اکدن خود بخود پانی

یکایک آپڑی اُس دم مرے دل پر یہ حیرانی — کہ جس کی ہو رہی ہر یہ جو ہر اک جا ثنا خوانی

کسی صورت سے اُسکو دیکھیے کیسا ہے وہ جانی

[1] زمین سے ملا کر ۱۲ [2] فوراً۔ جلدی سے ۱۲ [3] چیتا چاہا یا ۱۲ اشرف علی

چڑھا اس فکر کا دریا بھرا اس جوش میں آ کر
کہ اک اک لہر اُس کی نے اُڑایا لا ہوا او پر
قرار و ہوش و عقل و صبر و دانش بہ گئے یکسر
اکیلا رہ گیا عاجز غریب و بیکس و بے پر
لگا رونے کہ اس مشکل کی ہو اب کیسے آسانی

یہ صورت تھی اسی میں دل میں دھن اک اور لا ڈالی
منگا تھوڑا سا گیروا اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
بنا مُندرے گلے میں ڈال سیلی برملا ڈالی
لگا منھ پر بھبوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا اودھوت[1] جوگیوں میں آپ گر گیانی

پھر اس سامان میں یا رو یکایک کچھ جو جوش آیا
بٹارے درد کے تھے سو تو کاندھے پر لیے لٹکا
اُٹھا کر بھاوڑی[2] اور دھیان میں منکا پھر امن کا
لیا سیندورا اور ماتھے پہ کھینچا اس قدر قشقا
کہ جس کے نور سے جلنے لگی جوں شمع پیشانی

اُٹھائی چاہ کی جھولی پیالا چشم کا کھپر[3]
بنا کر عشق کا کنٹھا طلب کا سر پہ رکھ چکر
مُنڈا سا گیروا باندھا رکھا ترسول کاندھے پر
لگا جوگی ہو پھرنے ڈھونڈھتا اُس یار کو گھر گھر
دکاں بازار و کوچہ ڈھونڈھنے کی دل میں پھر ٹھانی

یہ سادھا جوگ میں نے پھر کہو کیسا ہوا جوگی
کوئی دنیا میں کاہے کو غرض ایسا ہوا جوگی
کہوں کیا واہ وا اُس وقت میں کیسا ہوا جوگی
محبّت میں سراسر ڈوب کر ایسا ہوا جوگی
کہ میری شکل بھی ہرگز کسی نے پھر نہ پہچانی

لگی تھی دل میں اک آتش دھواں اُٹھتا تھا آہوں کا
تماشے کے لیے حلقہ بندھا تھا ساتھ لوگوں کا
طلب تھی یار کی اور گرم تھا بازار باتوں کا
نہ کچھ سر کی خبر تھی اور نہ تھا کچھ ہوش پاؤں کا
نہ کچھ بھوجن کا اندیشہ نہ کچھ فکر امل[4] پانی

تو پھر اس جوگ کا ٹھہرا عجب کچھ آن کر نقشا
جو آیا سامنے میرے تو کہنا اُس سے سنتا جا
کہو پیارے ہمارے یار کو تم نے کہیں دیکھا
جو کچھ مطلب کی وہ بولا تو اُس سے اور کچھ پوچھا
دگر یوں ہی لگا کہنے تو پھر دینا[5] انا کانی

[1] اودھوت یا اَبدھوت (ہندو فقیروں کا ایک گروہ جو واجب الوجود کے سوا دوسرے کو نہیں مانتا اور نہ کسی دیوتا پر خدا کی پرستش ہی کرتا ہے ۱۲ ش
[2] بھاوڑی بیاکھی برا اگن ظفر تکیہ۔ جوگیوں کی لاٹھی ۱۲
[3] کھپر۔ مٹی کا پیالا جوگیوں کے استعمال کا ۱۲ ش
[4] امل پانی کرنا بھنگ پینا (شراب کے علاوہ سب نشوں کی نسبت بولتے ہیں) امل شراب کے علاوہ ہر قسم کا نشہ ۱۲ ش
[5] انا کانی دینا طرح دینا۔ ٹالنا۔ سنی ان سنی کرنا۔ کان میں بول مارنا۔ شنیدہ ناشنیدہ کرنا۔ درگزر کرنا ۱۲ شہباز

کبھی مالا سے کہتا تھا لگا کر جیب سے ای مالا — ہوا ہوں جب سے میں جوگی تو ہی اُس یار کو بتلا
کبھی گھبرا کے ہنستا تھا کبھی لے سانس روتا تھا — لبوں سے آہ آنکھوں سے بہا پڑتا تھا دریا سا

عجب جنجال میں چکر کے ڈالے ہے تنے پریشانی

کوئی کہتا تھا باباجی ادھر آؤ ادھر بیٹھو — پڑے پھرتے ہو ایسے رات دن ٹک بیٹھ سستاؤ
جو کچھ درکار ہو میوہ مٹھائی حکم فرماؤ — نہ کہنا اُس سے لے آؤ نہ کہنا اس سے مت لاؤ

خبر ہرگز نہ تھی کچھ اس گھڑی اپنی نہ بیگانی

بڑی بدھا میں تھا اس دم کہاں جاؤں کہاں دیکھوں — کسے دیکھوں کسے پوچھوں کدھر جاؤں کہاں ڈھونڈھوں
کروں تدبیر کیا جس سے میں اُس دلدار کو پاؤں — نشاں ہرگز نہ ملتا تھا پڑا پھرتا تھا جوں مجنوں

عجب دریائے حیرت کی ہوئی تھی آ کے طغیانی

اُسی کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوا مسجد میں جا پہونچا — جو دیکھا واں بھی ہر روزے نمازوں کا ہی اک چرچا
کوئی جبے میں اٹکا ہے کوئی ڈاڑھی میں ہے اُلجھا — تسلی کچھ نہ پائی جب تو آخر واں سے گھبرایا

چلا روتا ہوا باہر با حوال پریشانی

یہی دل میں کہا ٹک مدرسے کو جھانکیے چل کر — بھلا شاید اُسی میں ہو نظر آجائے وہ دلبر
گیا جب واں تو دیکھی واہ وا کچھ واں سے بھی بدتر — کتابیں کھل رہی ہیں مچ رہی ہے شور و غل یکسر

ہر اک مسئلے پہ فاضل کر رہے ہیں بحث نفسانی

چلا جب واں سے گھبرا کر تو پھر یہ آگئی جی میں — کہ یہ جاگہ تو دیکھی اب چلو ٹک دیر بھی دیکھیں
گیا جب واں تو دیکھا مورت اور گھنٹوں کی جھنکاریں — پکارا جب تو رو کر آہ کس پتھر سے سر ماریں

کہیں ملتا نہیں وہ شوخ کافر دشمن جانی

کہا دل نے کہ اب ٹک تیرتھوں کی سیر بھی کیجے — بھلا وہ دلربا شاید اسی جاگہ پہ مل جاوے
بہت تیرتھ منائے اور کیے درشن بھی بہتیرے — تسلی کچھ نہ پائی تب تو ہو لاچار پھر واں سے

محبت چھوڑ کر بستی کی لی راہ بیابانی

گیا جب دشت و صحرا میں تو رویا آہ کیا کریے
کدھر کو جائیے اور کس کے اوپر آسرا دھریے
کہاں تک ہجر میں اُس شوخ کے رو رو کے دن بھریے
یہی بہتر ہے اب تو ڈوبیے یا زہر کھا مریے
بھلا جی جان کے جانے میں شاید آ ملے جانی

رہا کتنے دنوں روتا پھرا ہر دشت میں نالاں
پہاڑوں سے بھی سر ٹپکا پھرا شہروں میں ہو گریاں
غریب و بیکس و تنہا مسافر بے وطن حیراں
پھرا بھوکا پیاسا ڈھونڈھتا دلبر کو سرگرداں
نہ کھانے کو ملا دانہ نہ پینے کو ملا پانی ہے

پڑا تھا ریت میں اور دھوپ میں سورج سے جلتا تھا
اُسی کے دیکھنے کے دھیان میں ہر دم نکلتا تھا
لگی تھیں دل کی آنکھیں یار سے اور جی نکلتا تھا
وے محبوب سے کچھ ہائے میرا بس نہ چلتا تھا
پڑے بہتے تھے آنسو لالہ گوں لعل بدخشانی

جب اس احوال کو پہنچا تو وہ محبوب بے پروا
اُٹھا کر سر مرا زانو پہ اپنے رکھ کے فرمایا
وہیں سو بیقراری سے مری بالیں پہ آپہونچا
کہا اے دیکھ لے جو دیکھتا ہے اب مجھے اس جا
عیاں ہیں اس گھڑی کرنے ترے پہ بھید پنہانی

یہ سن رکھ پہلے ہم عاشق کو اپنے آزماتے ہیں
ہر اک احوال میں جب خوب ثابت اُسکو پاتے ہیں
جلاتے ہیں ستاتے ہیں رُلاتے ہیں بُلاتے ہیں
اُسی سے آکے ملتے ہیں اُسی کو منھ دکھاتے ہیں
اُسے پورا سمجھتے ہیں ہم اپنے دھیان کا دھیانی

صدا محبوب کی آئی جو نہیں کانوں میں واں میرے
پھر آنکھیں کھول کر دلبر کے منھ پر ٹک نظر کر کے
بدن میں آگیا جی اور وہیں دکھ درد سب بھولے
زمین و آسماں چودہ طبق کے کھل گئے پردے
مٹی اک آن میں سب کچھ خرابی اور پریشانی

ہوئی جب آکے یکتائی دوئی کا اُٹھ گیا پردا
نظیرؔ اُس دن سے ہم نے پھر جو دیکھا خوب ہر اک جا
جو کچھ وہم و دغا تھے اُڑ گئے اک دم میں ہو پارا
وہی دیکھا وہی سمجھا وہی جانا وہی پایا
برابر ہو گئے ہندو مسلماں گبر نصرانی ہے

(۱۴۶)

جوگی

صفحۂ رخ پہ ترے خوبیٔ خط کی ہے پھبن
رشکِ گل دستِ حنائی کو کیے دیکھ چمن
ہر سویدا ترے عاشق کا ترا خالِ ذقن
ہو رقم کس قلمِ شوق سے اے غنچہ دہن
اشتیاقے کہ بہ دیدار تو دارد دلِ من

اب جو مل جائے کہیں وہ تو یہ ہم اُس سے کہیں
اتنا بھی بس نہیں ای یار کہ ہم مر ہی رہیں
کب تلک دردِ جدائی کو بھلا تیرے سہیں
دُور جس دن سے ہوا تجھ چمنِ حسن سے ہیں[1]
نہ مجھے باغ خوش آتا ہے نہ گلشن نہ چمن

بید مجنوں ہیں کہ ہیں تاک پریشاں خاطر
ہم غرض ایسے ہیں غمناک پریشاں خاطر
یا ہیں خاکسترِ خاشاک پریشاں خاطر
چشم نمناک جگر چاک پریشاں خاطر
چاک پر چاک گریباں سے لگا تا دامن

جور اور ظلم سے اُس کے نہ کبھی گھبرانا
کام ہرگز نہ کسی سے نہیں آنا جانا
نہ کبھی شکوۂ بیداد زباں پر لانا
کوئی کچھ پوچھے تو منہ دیکھ کے چپ رہ جانا
نہ تکلم نہ اشارت نہ حکایت نہ سخن

یاد اُس شوخ کی کیا کیا ہی ستم لائی ہے
آہ کرتا ہوں تو بجلی سی نکل آئی ہے
جان بے چینی سے تن میں مرے گھبراتی ہے
جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بھرن

دشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں
میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں
برق کی طرح سے بے تاب سدا پھرتا ہوں
رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بے قراری سے ترے نام کی جپتا سُمرن

[1] ان میں کا قافیہ کہیں سہیں کے ساتھ کسی قدر رکیک ہے اور قدیم تلفظ کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ ہر قافیے میں میں کا التزام ہے عجب نہیں کہ نظیر نے یوں لکھا ہو "دور جس دن سے ہوئے تجھ چمنِ حسن سے ہیں؛ نہیں باغ الخ" اس طور پر اختلاف ضمیر کا عیب بھی مٹ جاتا ہے۔ شہباز

جور اور ظلم مرے دل نے ہزاروں ہی سہے
اب تو یہ حال ہوا ہجر میں اے یار مرے
شکوۂ جور بھلا تیرا کہاں تک نہ کرے
دو شب بر بار الم کانوں میں غم کے مندرے
اشکوں کے تار گلے میں پڑے سیلی کے تن[1]

عشق میں جوگی ہوے جب سے ہمیں بھائی بھبوت
دیکھ ٹک آن کے کس روپ میں رنگ لائی بھبوت
بیٹھے در پر ترے اور گرد ہے پھیلائی بھبوت
پیرہن گیروا اور تن کے اُپر چھائی بھبوت
سر سے لے پاؤں تلک خاک ملی سو سو من

گہ درِ کعبہ پہ پیشانی کو اپنی گھسنا
انکساری سے کبھی دیر میں ہر دم جانا
گاہ مسجد میں میاں مانگنا جا جا کے دُعا
دم بہ دم آہ کی پونگی[3] سے بجانا یہ صدا
دیکھیے کون سے دن ہر ہمیں دیں گے درشن

دیکھا میرے تئیں جو تن کے اُپر گل کھائے
دیکھ یہ حال تعجب سے بشر گھبرائے
اور کپڑے بھی رنگے گیرُوے تن پر پائے
کوئی کہتا ہے کہ جوگی جی کدھر کو آئے
سچ کہو کون سی نگری میں تمھارا ہے وطن

یاد کرتے ہو اُسے نام اُسی کا لے لے
واہ جوگی بھی بنے خوب ہو تم البیلے
اور زیبا ہیں بہت آپ کے تن پر سیلے[4]
کون سے پنتھ میں ہو کون گرو کے چیلے
کون سے روپ میں ہو کون سا رکھتے ہو برن

ہم کو جوگی جی بتا دیجیے یہ حال اپنا
اور مرشد سے تمھارے ہی تمھیں کیا پہونچا
تم جو بیراگی بنے اس میں نفع کیا ہے بھلا
نام کیا جوگ میں ہے تم کو گرو نے بخشا
دھیان کیا رکھتے ہو کس گیان کا رکھتے ہو چلن

در شہوار جلا کر جو بنائی ہے بھبوت
عشق میں کس کے یہ اب تن پہ رمائی ہے بھبوت
اور کیوں تم کو بتاؤ یہ خوش آئی ہے بھبوت
کس لیے منھ کے اُپر تم نے لگائی ہے بھبوت
کس کی الفت میں یہ بیراگ کا پہنا ابرن[5]

[1] مقنعہ ۱۲
[2] مثل۔ مانند ۱۲
[3] ایک تونبے کا باجا جسے منھ سے اکثر سپیرے بجاتے پھرا کرتے ہیں ۱۲
[4] ایک قسم کی چادر یا دوپٹا جو جوگیا رنگ ہے اور خاص کر دکن میں پہنا جاتا ہے اور بطور خلعت دیا جاتا ہے ۱۲
[5] ابرن یا ابھرن زیور۔ گہنا ۱۲ شہباز

کس لیے جوگ لیا اور رنگا کپڑوں کو
کیونکر اوقات بسر ہوتی ہے یہ ہم سے کہو

کس پہ عاشق ہو دیا رنج یہ کس نے تم کو
کیا الم کھاتے ہو اور کس کی طلب رکھتے ہو

دھونی جل پان بھی یا یوں ہی کروگے لنگھن[1]

نام پیغمبروں کے کفنی پہ لکھے سارے
تم تو کامل سے نظر آتے ہو اپنے لیکھے

اور گریبان میں ہیں نام خدا کے لکھے
ہم نے جوگی تو بہت یوں ہیں ہزاروں دیکھے

پر تمہارا تو زمانے سے نرالا ہے چلن

ہم نے دنیا میں اجی سیکڑوں دیکھے جوگی
پر غرض تم سے نہیں دیکھے ہیں ہم نے جوگی

دیکھے ہر رنگ کے ہر ایک برن کے جوگی
تم تو آتے ہو نظر ہم کو نئے سے جوگی

سچ کہو جوگ لیا تم نے یہ کس کے کارن

کیا ہوا جوگی جی تم کو بھلا ہم سے تو کہو
کس لیے وحشی سے پھرتے ہو بتاؤ ہم کو

کیوں خجل خوار پڑے پھرتے ہو منھ سے بولو
کس کی ہے یاد تمھیں کس کے لیے پھرتے ہو

اب کہیں بیٹھوگے یا یوں ہی پھروگے بن بن

کس لیے گھر سے تم آئے ہو بھلا اپنے نکل
تم سے اک بات کہوں اس پہ اگر کیجے عمل

پھرتے مانند صبا کیوں ہو بدشت و جنگل
گر کرو حکم تو بنوادیں تمھارا استھل[2]

شہر میں باغ میں یا پر لب دریا سے جمن

یا کہیں اور بتاؤ کہ جہاں آپ رہیں
یا کہ استھل کے بنا دینے کی تجویز کریں

یا تو جنگل میں اگر دل لگے یہ آپ کہیں
یا کہ متھرا جو پسند آوے تو واں جا کہ لیں

یا کہ نرسن[3] میں ہو یا مات مہابندرابن

اور اگر یوں ہی پھروگے تو یہ ہے مشکل سخت
اس میں اچھا سا بچھادویں تمھارے لیے تخت

استھل اک ہم جو بنادیں تو رہے اپنے بخت
خاصے پھولوں کے لگادویں اس استھل میں درخت

جس سے آنکھوں کو طراوت رہے اور دل ہو مگن

ناف دین اسی

[Margin notes, handwritten:]
[1] روزہ۔ فاقہ
کسی کا شعر ہے
گفتن ... ... [illegible]
... سیر خوردن ... [illegible]
... لنگھن ...
[2] استھل فقیر کے رہنے کی جگہ ... خانقاہ ... [illegible]
[3] متھرا کے نزدیک ایک مشہور پرستش گاہ اور تیرتھ کا مقام
اشرف علی

اب تو جوگی جی کہا مان لو یہ تم میرا
مت پھرو یوں خجل و خوار بدشت و صحرا
ایک جا بیٹھ رہو اور کرو ہم پہ دیا
جب تو سُن سُن کے یہ ہم نے کہا اُس سے بابا
تجھ کو کیا کام فقیروں سے یہ کرنا ان بن

کیا غرض تجھ کو جو پوچھے ہے تو احوال مرا
اور اُس کی ہی جدائی میں پھرے ہیں ہر جا
جوگ کی پوچھے تو بس عشق میں یہ جوگ لیا
اور وطن پوچھے ہمارا تو یہ سُن رکھ بابا
یا گلی دوست کی یا یار کے گھر کا آنگن

مثل صرصر اُسی کوچے میں پھرا کرتے ہیں
خون دل جام سے مزناب پیا کرتے ہیں
دیکھ دروازے کو بس شاد ہوا کرتے ہیں
اُس کے کوچے میں سدا مست رہا کرتے ہیں
نہ ہی بستی وہی نگری وہی جنگل وہی بن

گاتے پھرتے ہیں سدا اپنے لیے کاندھے گیت
محو پیتم کے ہیں جب سے کہ لگی اُس کی پیت
جو اتیتوں کی ہے مدت سے وہی اپنی ریت
پنتھ کی پوچھے تو جوگی نہ جنم کے نہ اتیت
عشق کے میل میں ہم پیم کا رکھتے ہیں برن

آبلے دل میں جو اُلفت کے تھے سو پھوٹ گئے
اقربا دوست تھے جتنے وہ سبھی چھوٹ گئے
جتنا تھا مال مراتب اُسے لے لوٹ گئے
جب سے اُس شوخ کے پھندے میں پھنسے ٹوٹ گئے
جتنے تھے مذہب و ملت کے جہاں میں بندھن

عشق میں چھوڑ کے ہم دنیا و دیں بیٹھے ہیں
چھوڑ سب عیش جہاں گوشہ گزیں بیٹھے ہیں
خاطر آشفتہ و دل گیر و حزیں بیٹھے ہیں
اُس کے ہم در پہ منڈا سر کے تئیں بیٹھے ہیں
رات دن بیٹھے ہیں دھو دھو کے اُسی گھر کے چرن

خنجر عشق سے بس اپنا کلیجا ہے شق
خوں بھرے آلودہ ہیں زخمی ہیں کہ جوں رنگ شفق
یہ تو ظاہر ہے نشاں منھ کا بھی جو رنگ ہے فق
نام کو پوچھے تو ہے نام ہمارا عاشق
سب سے آزاد ہوئے یار کا لے کر دامن

۱؎ ان بن جھگڑا، اُلجھن ۱۲ ۲؎ معشوق ۱۲ ۳؎ اتیت — جوگیوں کی ایک قسم ہے ۱۲ ۴؎ تھسیا ۱۲ ۵؎ رشتہ تعلق ۱۲ ۶؎ جسم۔ بدن ۱۲
اشرف علی لکھنوی

حال بے باکی کا کیا اپنی بھلا تجھ سے کہیں ۔ گر رہیں بھوکے تو ہرگز بھی کبھی غم نہ کریں
اور کھانے کو ملے تو بھی نہ کچھ شاد رہیں ۔ گر رہیں جیتے تو جینے کی نہیں فکر ہمیں
اور مر جائیں تو ہرگز نہیں پروائے کفن

دیکھ نیرنگی زمانے کی ہوئے گل در گل ۔ اور مل تن کو بھبوت اپنے گئے خاک میں مل
کپڑے رنگنے کو تو آسان نہ جان او غافل ۔ رنگ وہ رنگتے ہیں جس رنگ کا رنگنا مشکل
روپ وہ بھرتے ہیں جس روپ کا بھرنا ہے کٹھن[۱]

چھوڑا جنت کو جو آدم نے اُسی کی خاطر ۔ اور ہر ایک کے کی دم نے اُسی کی خاطر
جی میں کی اپنے خوشی غم نے اُسی کی خاطر ۔ جوگ بیراگ لیا ہم نے اُسی کی خاطر
سب کے تئیں چھوڑا اسی کی ہے محبت کی لگن[۲]

رنگے کپڑوں سے نہ کر ہم پہ تو جوگی کا گمان ۔ ہم نے کیا جانے کیا کس لیے ایسا سامان
گر تو عاقل ہے تو پھر دل ہی میں اپنے پہچان ۔ ہم میں اور جوگی کی صورت میں بڑا فرق ہے جان
کہاں جوگی کی ادا اور کہاں عاشق کی پھبن[۳]

آتش غم سے جلا جب سے جلایا دل و جان ۔ تب یہ اکسیر[۴] ملی ہم کو تو شک اس میں نہ جان
تو تو عاقل ہے بس اب عقل سے اپنی پہچان ۔ خاک ہے یار کے کوچے کی بھبوت اب ہر آن
ہم نے بھی یہ اکھ بنائی ہے جلا کر تن من

سُرخ آنکھوں کا جو پوچھے ہے کہ باعث ہے کیا ۔ شوق مے کا نہیں کچھ ذوق نہیں افیون کا
قدح[۵] بنگ سے نہ عشق کبھی ہم کو ہوا ۔ ہے محبت کے دھتورے کا جو آنکھوں میں نشا
اُس کی گرمی ہی سے رہتے ہیں سدا سرخ نین[۶]

کوئی مونس ہے نہ غمخوار نہ ہے سنگ نہ سات ۔ رہتا ہوں رنج میں مشغول سدا دن اور رات
اب خدا جانے کہ کس طرح کٹے گی اوقات ۔ اور استھل[۷] کے بنانے کی کہی تو نے جو بات
یہ بکھیڑا وہ کرے جس کے لگنے ہو کچھ دھن[۱]

---

[۱] کٹھن۔ مشکل ۱۲
[۲] لگن۔ دھن ۱۲
[۳] پھبن۔ زینت ۱۲
[۴] اکسیر امرت ۱۲
[۵] قدح۔ پیالہ ۱۲
[۶] نین۔ آنکھیں ۱۲
[۷] استھل۔ خانقاہ۔ اڈہ
اشرف علی لکھنوی

عشق جب سے کہ ہوا ہے ہمیں اُس اچپل[1] سے
ہم سے بیکل بھی نہیں بیٹھے ہیں اک جا کل سے
جب سے بیتاب پھرا کرتے ہیں اور بیکل سے
ہم فقیروں کو بھلا کام ہی کیا استھل سے
وہی استھل ہی جہاں مار کے بیٹھے آسن[2]

خواہش زر نہ کریں اور نہ کسی سے مانگیں
گوکل اور متھرا کے رہنے کی نہیں حرص کریں
تخت اور چتر[3] کی بھی کچھ نہیں پروا ہی ہمیں
جا پڑیں یاد میں اُس شوخ کی جس بستی میں
وہی گوکل ہی ہمیں اور وہی ہے بندرا بن

جب سے جوگی ہوے دی اُسکو متاع دل و جاں
حاجت تکیہ ہی نے خواہش بستر نہ مکاں
چھوڑ بیٹھے سبھی آرام کا جو تھا ساماں
جا پڑے خاک پہ رکھ سر کے تلے ہاتھ جہاں
ہی وہی فرش وہی تخت وہی سنگھاسن[4]

ہے خیال اُس گل رخسار کا ہر شام و پگاہ
چاہ ہی چاہ ذقن کی نہیں درکار ہی چاہ
باغ باغیچے کی ہرگز ہی نہیں ہم کو چاہ
پھول پھلواری کی بھی جب سے نہیں کچھ پرواہ
جب سے گل کھا کے محبت میں جلایا ہی بدن

رہتا ہوں مضطر و مغموم میں ہر دم ہر آن
باز آ ظلم سے اور جور سے تو حق کو مان
ہوش گم کردہ پھرا کرتا ہوں اور بے سامان
اب تو اس حال کو پہونچا ہوں ترے ہجر میں جان
ای گل باغ وفا دل کے چمن کے گلشن

کہیں کہتا ہی جو احوال مرا کوئی ذرا
گھر میں رہتا ہوں تو روتا ہی ہر اک خویش اپنا
سر کو دھنتا ہی ہر اک پیر و جواں اور لڑکا
گھر سے باہر جو نکلتا ہوں تو منھ دیکھ مرا
مرے احوال پہ بھی روتے ہیں جنگل میں ہرن

خاطر آشفتہ میں پھرتا ہوں حزین و دلگیر
پھرتا ہوں گلیوں میں دیوانہ سا ہر روز ضریر
عشق میں اُس کے سبھی کھو چکا عزت و توقیر
کیا لکھوں اب تو گزرتی ہی جو کچھ مجھ پہ نظیر
دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

[1] اچپل - شوخ ۱۲
[2] آسن نشست ۱۲
[3] چتر شامیانہ
[4] سنگھاسن - چوکی - ایک قسم سواری کا نام ۱۲
اشرف علی

۱۴۷

جوگن

ہائے اُس اُلفتِ ظالم کا بُرا ہی یہ چلن ہے
چھوٹتی ہی نہیں لگ جاتی ہی جس وقت لگن

چار ناچار اُٹھانے ہی پڑے رنج و محن
در فراق رخِ پُر نورِ تو اے غنچہ دہن

دیدہ باید کہ چگونہ شود احوال من

ہجر نے اب تو نہایت کیا بے دم مجھ کو
پھرتی ہوں شکل بگوے کے میں ویران ہر سو

اے مرے ماہ جبیں اے مرے ہمدم گل رو
کون سے شہر میں ہی کون سی جا پر ہے تو

اے مرے ہمدم جان اے مرے جان و تن من

دلِ صد چاک مرا چاک گریبان میرا
مثل دریا کے رواں دیدۂ گریاں میرا

برق کی طرح تپاں یہ دلِ سوزاں میرا
دیکھ ٹک آن کے یہ حال پریشاں میرا

کہ ترے ہجر میں کیا کیا نہ سہا رنج و محن

میری جیسی ہی کرے حق نہ کسی کی اوقات
جو سنی بھی نہ تھی گاہے وہ وہ دیکھی آفات

ہائے افسوس صد افسوس ہی حسرت ہیہات
زار زار اب تو پڑا ہجر میں رونا دن رات

زندگی ہو گئی دو بھر مجھے اور جان کٹھن

خانمان و طرب و عیش و زر و مال و خوشی
اک تجھے یاد رکھا سب کے تئیں بھول گئی

ہائے جس وقت لگی آنکھ وہ کیسی تھی گھڑی
شہر بھی چھوڑ دیا دیس سے پردیس ہوئی

ہجر نے کر دیا آخر ترے مجھ کو جوگن ہے

سرخ آنکھیں ہوئیں اُلفت کے نشے سے رنگین
پہن کر حلقہ بگوشی کے بھی مُندرے دو تین

تونبہ[1] کر دستِ دعا کا پڑی پھرتی ہوں حزین
پیرہن گیروا رکھے ہوے کاندھے پر بین

من کے منکوں[2] کی بنا ہات میں پہنی سُمرن

[1] تونبہ "کشکول"
[2] منکوں تسبیح کے دانے ۱۲ اشرف علی

کھوے پھرتی ہوں سب آرام کو ہر جائی میں
گاتی پھرتی ہوں اسی کام کو ہر جائی میں
ڈھونڈھتی ہوں تجھے گل فام کو ہر جائی میں
جپتی پھرتی ہوں ترے نام کو ہر جائی میں
آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہوں اور ترہیں نین

ناتواں ہوگئی اور جسم میں باقی نہیں دم
ہوگئیں خشک رگیں سیلیوں سے میں نہیں کم
رکھو ٹک آکے کبھی اس دل مضطر پہ قدم
گیروا ساری ہی اور جاسے بھبوت اک ہمدم
خاک اڑ اڑ کے پڑی تن کے اوپر سو سو من

یہی دل ہی کہ ہوا تھا نہ کبھی بھی غمناک
آگ لگ جائیو اس پیت میں جلیو[۱] یہ تپاک
وہی دل ہی کہ ہوا تیغ جفا سے صد چاک
سیس کے بال تھے سنبل سے جمی جب میں خاک
خاک میں مل گیا تھا یہ جو چندر[۲] ماسا بدن

پھوڑ کر پتھروں سے کر دیے سر کے ٹکڑے
آ ادھر دیکھ مری ٹوٹی کمر کے ٹکڑے
ہائے تو ہی کہاں اے میرے قمر کے ٹکڑے
جیب کے بدلے میں کرتی ہوں جگر کے ٹکڑے
نہ تو بستی ہی خوش آتی ہے نہ کہسار نہ بن

میں نے کیا کیا نہ سہا آہ تری الفت میں
ناگہاں آگئی اک مفت کی میں آفت میں
ایک دیوانی پڑی پھرتی ہوں میں وحشت میں
سیس کے بال گھسوٹوں ہوں گھڑی فرقت میں
خاک اڑاتی پڑی پھرتی ہوں بصد رنج و محن

ساری بپتا میری گئی اے مرے ساجن تجھ پہ
ایک حیران پڑی پھرتی ہوں برہ گن تجھ پہ
مال و زر وار دیا اور تن و من تجھ پر
چھوڑ کر ماتا پتا کو ہوئی جوگن تجھ پر
لیک تو ہی نہ ملا اے مرے جوگی ساجن[۳]

اپنے بیگانوں نے کر ڈالا ہی مجھ کو پامال
خاک کا بھی نہیں وہ حال جو ہی میرا حال
اور ادھر تیری جدائی میں ہوئی جان بال
اقربا کی بھی نظر سے گرے اشکوں کی مثال
باپ اور ماں کا ترے واسطے چھوڑا دامن

[۱] جلیو — جل جائے ۱۲
[۲] چندر ماں — چاند سا ۱۲
[۳] ساجن معشوق ۱۲
اشرف علی

نہ تو کچھ دیں کی خبر اور نہ دنیا کا کام
دل گیا جان گئی اور گیا عیش و آرام

سارے کاموں کے تئیں بھول گئی اے گلفام
گھر گیا دیس گیا ہو گئی جگ میں بدنام

اک سہیلی ہے مری آہ بس اور سب دشمن

یاد میں بیٹھ گئی جس جگہ میں آسن مار
نالۂ سوزدں کے بس کر کے سروں کو تیار

دل کی کھونٹی کو مرُوڑ اتری جانب کو سدھار
جگر و تن کی بنا تونبی بس اور آہ کے تار

بین کو غم میں بجاتی پھری بن بن بن بن

کون سی بات تھی جو واسطے تیرے نہ کری
دیس پردیس پھری جرنوں میں لوگوں کے پڑی

چلّے بھی باندھے بہت پوجا بھی درگاہ میں کی
پوچھا ایک ایک سے تجھ کو میں بصد حیرانی

لیک تیرے ہی کسی طرح نہ پایے درشن

جا کے متھرا میں رہی اور بڑا پوجا تجھ کو
گنگا او رجمنا کے تیرتھ پہ بھی مانگا تجھ کو

کاشیؔ[1] میں بیٹھ رہی لیک نہ پایا تجھ کو
کون سی جا تھی کہ جس جا پہ نہ ڈھونڈا تجھ کو

پورب اور پچھم و اُتر سے لگا تا بہ دکنؔ[2]

اب تو لاچار ہوئی اور بڑی بے چین ہوئی
تا کہ اب ڈھونڈھنے سے کوئی بھی جاگہ نہ رہی

ہجر کے درد و الم میں چلا جاتا ہے جی
اب فقط ملک عدم مجھ کو رہا ہے باقی

سو بھی کچھ دور نہیں اور نہیں راہ کٹھن

ہو گئی جان کی لیوا تری الفت تیری
کوئی دن میں تو یہ سن لیجو نکل جائے گا جی

مرگ کے کرتی ہے ساماں محبت یہ سبھی
رحم کر مجھ پہ کہاں تک سہوں فرقت تیری

دیکھ اس جان پہ کیا کیا سہا تیرے کارن

روح ہونٹوں تلک آجاتی ہے گھبراتی ہے
غم پہ چھٹتی مرے ہر ایک کی اب چھاتی ہے

لیک اُمید ملاقات میں پھر آتی ہے
آہ کے ساتھ مری جان چلی جاتی ہے

اب اُٹھا سکتا نہیں بارِ مصیبت یہ بدن

[1] کاشی - بنارس کا قدیم نام ہے یہ ہندوؤں کا بڑا مقدس شہر - پرستش گاہ اور تیرتھ ہے، یہ زمانہ قدیم میں بہت بڑا دار العلوم تھا۔ اب بھی سنسکرت کے بڑے بڑے علما اور جوتشی وہاں رہتے ہیں۔ اسی مقام پر شیخ علی حزیں کی قبر ہے ۱۲

[2] دکن شاہی زمانہ میں دکن نہایت دور دراز جگہ سمجھی جاتی تھی ۱۲ اشرف علی

یاد کر کر کے تجھے دیدہ تر رو دیتا ہے
دیکھ ہر ایک مرے سمت کو رو دیتا ہے
جو مجھے دیکھتا ہے روتا وہ رو دیتا ہے
جو مرے حال کو دیکھے ہی سو رو دیتا ہے
ہوش لوگوں کے اڑے جاتے ہیں سن میرا سخن

سر کو کہسار سے ٹکراتی ہے بادِ صرصر
در و دیوار مرے حالِ بتر پر ششدر
جانور دیکھیں ہیں حیرانی سے با دیدہ تر
سر کو دھنتا ہی مرے حال پہ ہر ایک شجر
میری بیچینی سے بیچین ہیں شیر اور ہرن

جب کہ تجھ بن یہ ہوا میرے اگر رنج و تعب
اڑتے اڑتے مری خبروں کا فسانہ ہوا جب
ہر کوئی کہنے لگا ہائے غضب ہائے غضب
اک دل آباد ہے بستی وہیں جاتے ہیں سب
اس میں اک راجہ مہاراجہ کا ہے سنگاسن [illegible]

نامی و نامور اور خلق میں عزت والا
ہی حقیقت میں جہاں مرضی پہ اس کی سارا
جس کے تابع ہیں ہر اک شاہ سے لے تا گدا
عقلِ کل نام کہا کرتے ہیں اس راجہ کا
دیکھ کر مجھ کو وہ کرنے لگا اس طرح سخن

واہ وا بھاگ مرے میں نے جو دیکھا تم کو
میں تو یہ چاہتا ہی تھا کہ کہیں مجھ سے ملو
تم سے الفت ہی ہمیشہ سے ہمارے دل کو
آؤ جی بیٹھو مرے گھر میں قدم رنجہ کرو
گرد روشن مرے کاشانے کو ٹک رکھ کے چرن[۱]

ہم تمھیں جانتے ہیں اور بزرگوں کو سب
ہم کو بھی لوگوں سے ہی ربط محبت کے سبب
سب بزرگ آپ کے رکھتے ہیں ہماری ہی طلب
ہم کو معلوم ہوا آپ کا سب حسب نسب
عشق نے تم کو بنایا ہے بہ شکل جوگن

ہی عزیز آپ کی خاطر بڑی ہم کو دل میں
کیوں اٹھا رکھا ہی اس جور و ستم کو دل میں
اس سے سمجھاتے ہیں اب مت رکھو غم کو دل میں
جانے دو راہ نہ دو رنج و الم کو دل میں
باغ کی سیر کرو اور ہو محوِ گلشن

۱؎ چرن - قدم - پاؤں ۱۲ اشرف علی

محفل عیش بنا کر رہو آنکھوں کے حضور
باغ دنیا کی کرو سیر جو ہو دل کو سرور

کیسے کیسے ہیں گل نداموں کا دیکھو تو ظہور
یا نہ کو اُس رخ تاباں کی کرو دل سے دور

کون سی بات کی کمتی[1] ہے تمھیں صاحب من[2]

تم کبھی سردار ہو نہ ہوش ہوٹک غور کرو
ایک ہی شخص پہ مرجاتے نہیں جان کو کھو

سیکڑوں ماہ جبیناں ہیں ہزاروں خوش خو
تن سے بس گیروی کفنی کے تئیں دور کرو

پہنو پوشاک شہانہ[3] نہ کھو خوش دل اور من

شانہ[4] لو ہاتھ میں اور اپنے یہ سلجھاؤ بال
سرمہ دو آنکھوں میں اور دیکھو یہ قدرت کا خیال

دل کو بہلا کے بھلا دو یہ سبھی رنج و ملال
تم پہ نسبت اس طرح کا ہی تمام خدا حسن و جمال

کہ نہیں خلق کے دلبر سبھی دھو دھو کے چرن

دل کو مسرور رکھو اور رہو شاد اور خوش
شیریں باتیں کرو اور شکل بناؤ دل کش

کہ ہر ایک شخص کو آجائے تمھیں دیکھ کے غش
نہ کہ تم اوروں پہ اس طرح پھرو وحشی وش

جانے دو دور کرو دل سے یہ اُلفت کی لگن

آدمی رنج سہا کرتا ہے ان باتوں میں
جان کو کھو تا پھرا کرتا ہے ان باتوں میں

سب کی نظروں سے گرا کرتا ہے ان باتوں میں
نام بدنام ہوا کرتا ہے ان باتوں میں

خوب ہم دیکھ چکے ہیں کہ بڑا ہے یہ فن

خوب سُن سُن کے میں حیران رہی منھ کو تک
اور مایوسی و مظلومی سے دیکھا بہ فلک

گفتگو حد سے زیادہ ہوئی بس اور بک بک
تب تو وہ حال ہوا جیسے جراحت پہ نمک

وعظ کے تیروں سے پھلکو ہوا چلنی چھن چھن

سب کو ردشن ہے بُری ہوتی ہے یہ بیت لگی
میں بھی کہنے ہی سے آخر کے تئیں رہ نہ سکی

دل میں غصہ تو بہت آیا پہ روک گئی
زار زار آنکھوں سے روتے لگی اور کہنے لگی

ہے بعید ایسے خردمندوں سے یعنی یہ سخن

[1] کمتی - کمی ۱۲
[2] من - میرے
[3] شہانا - شاہانہ ۱۲
[4] شانہ - کنگھی
اشرف علی

آپ تو جانتے ہیں بہت بلا ہوتی ہے
رہے خاموش طبیعت یہ خفا ہوتی ہے
خوب معلوم ہے تم کو کہ یہ کیا ہوتی ہے
واہ جی یوں بھی لگی دل سے جدا ہوتی ہے
عشق میں کس کے تئیں بھاتی ہے سیر گلشن؟

عیش کب بھاتا ہے جب تک کہ نہ ہو یار حضور
اس سوا کون ہے بہتر کہ وہ میں دیکھوں ظہور
گل رخسار بجز باغ سے کب ہووے سرور
اپنے کیا بس میں ہے جو دل سے کروں رنج کو دور
اپنے قابو میں ہے جو دور کروں رنج و محن

بال خاص اس لئے ہیں مجھ کو یہ منظور نظر
یہ تمنا ہے یہ آنکھیں گریں اُن قدموں پر
کہ بُہاریں[1] کبھی راہ اُس کی جو وہ آئے ادھر
بات کے کرنے سے ہے آہ کا کرنا بہتر
جلیو[2] یہ تن جو خوش آئے اسے خوش پیراہن

میرا وہ رشک قمر کون ملا دے مجھ سے
میرا متوالا[3] مگر کون ملا دے مجھ سے
میرا وہ تیر نظر کون ملا دے مجھ سے
یا خدا میرا جگر کون ملا دے مجھ سے
کون جا کر کہے میں پھرتی ہوں بے شہر و وطن

خوش ہوں اس غم سے کہ یار کے باعث ہے ہوا
سر ہتیلی پہ دھرا عشق میں جب پاؤں رکھا
ننگ و ناموس بھی سب اُس پہ سے ہے وار دیا
جان کا بھی نہیں جب پاس تو پھر پاس ہے کیا
جو کہ سمجھائے مجھے اُس کا ہے دیوانہ پن

نام پر تیرے میں اس جان کے تئیں کھوتی ہوں
خون دل روتی ہوں عارض کے تئیں دھوتی ہوں
تری صورت پہ میں قربان کھڑی ہوتی ہوں
تھام تھام اپنے کلیجے کے تئیں روتی ہوں
دیکھو رہتی ہوں ہر اک شخص کو حیران بن بن

جو نہ سہنا تھا سہا رنج بہت کھایا ہائے
یعنی تو نے ہی نہ دیکھا یہ مرا جلنا ہائے
لیک ارمان رہا دل کو بہت سارا ہائے
اب تو بے تابی سے گھبرا گیا دل میرا ہائے
ڈوب کر مر ہی رہوں بر لب گنگ[4] اور جمن[5]

[1] بہاریں — جھاڑیں — صاف کریں ۱۲
[2] جلیو — جل جائے ۱۲
[3] متوالا — سرشار دیوانہ ۱۲
[4] گنگ گنگا
[5] جمن جمنا
اشرف علی

کس کو دکھلاؤں جو گزرے ہی تری الفت میں ۔۔۔ کچھ مرے بس کی نہیں پھنس گئی اک دقت میں
نام بدنام ہوا فرق پڑا عزّت میں ۔۔۔ ایک دیوانی سی پھرتی ہوں تری فرقت میں
عرش سے فرش تلک حال ہی میرا روشن

کس سے میں جاکے کہوں کون سی جا ہی تیری ۔۔۔ کبھی بیتابی سے بیٹھوں کبھی ہوتی ہوں کھڑی
کبھی ہو محوِ تصور یہی کہتی ہوں اجی ۔۔۔ سیس کے بالوں سے میں راہ بہاروں[٥] تیری
جو قدم رنجہ کرو اور مجھے دو درشن

کبھی رو دیتی ہوں آنکھوں سے بہ شکل دریا ۔۔۔ کبھی گاتی ہوں ترے نام کو لے لیکے پیا[٦]
کبھی منھ پیٹ لیا جیب کبھی چاک کیا ۔۔۔ آرزو ہی کہ میں سو جان سے ہوں تجھ پہ فدا
دیکھے ٹک آن کے تو بھی تو مرا جوگن پن

تو کہیں اور میں کہیں اس سے تو مر ہی جاؤں ۔۔۔ اے مرے ماہ جبیں اس سے تو مر ہی جاؤں
تجھ کو بھی ہووے یقین اس سے تو مر ہی جاؤں ۔۔۔ تاب جینے کی نہیں اس سے تو مر ہی جاؤں
ہے جدائی کی نپٹ مجھ پہ مصیبت یہ کٹھن

یا الٰہی کوئی مجھ سا بھی نہ ہووے دلگیر ۔۔۔ خجل و خوار پریشان و ذلیل اور حقیر
طور بے طور نظر آتے ہیں ہوں بس کہ نظیر ۔۔۔ حسرتا آہ چہ بیغم بغم یار شریر
من حزیں در غم او خلق حزیں در غم من

(١٤٨)

جوگی کا روپ

میاں میں کیا کہوں اک روز اپنے دل کی حیرانی ۔۔۔ پڑی جب ہجر کی آکر مرے دل پر پریشانی
نہ خوش آیا مجھے گلشن نہ آبادی نہ ویرانی ۔۔۔ اُٹھا کر ہاتھ جی سے اور یہ دل میں مصلحت ٹھانی
کسی صورت سے چل کر دیکھیے کیسا ہے وہ جانی

٥ بہاروں ۔ جھاڑوں ۔ صاف کروں ١١
٦ پیا ۔ پیارے عاشق ١٢ ۔ اشرف علی

پھر آیا سوچ یہ دل میں اگر یوں ہی چلے چلیے
مگر ایسا کوئی بہروپیے کا سوانگ اب کیجیے
جو وہ پہچان جاوے واں تو ناحق مفت میں مریے
کہ اُس کو دیکھیے بھی خوب اور جی کو بھی رکھ لیجے
جہاں میں زندگانی بھی میاں مشکل ہے پھر پانی

یہ کہتا تھا میں جی میں عشق نے یہ بات لا ڈالی
اُٹھا مُندرے گلے کے بیچ سیلی بر ملا ڈالی
منگا تھوڑا سا گیرو اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
لگا منھ سے بھبوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا سر پاؤں سے اودھوت جوگی جوگ کا گیانی

بنا بالوں کا انڈا کھول بال اور ہو کے متوالا
اُٹھا تونبی کو اور کاندھے کے اوپر رکھ مرگ چھالا
چبا آکھ اور دھتورا کر دیا آنکھوں کو گل لالا
پھرا ہاتھوں میں سُمرن اور گلے میں ڈالکر مالا
چلا پڑھتا ہوا اگر کا سبد اور ناتھ کی بانی

جب آمیا یار کے در پر تو واں سنکھ آن کر پھونکا
ولیکن دیکھتے ہی مجھ کو اُس عیّار نے تاڑا
صدا سنتے ہی وہ محبوب گھبرا کر نکل آیا
پکارا آؤ جوگی جی بڑی کی آج تو کرپا
جو کچھ درکار ہو لیجے منگا دھونی امل پانی

مرا دل خوش ہوا یعنی مجھے اُس نے نہیں جانا
کہا جوگی جی کس نگری میں ہے اب آپ کو جانا
اور اُس عیّار نے پہلے ہی یار و مجھ کو پہچانا
کبھی آگے تھے آئے یا ابھی اس جا ہوا آنا
لگا عیارگی سے جان کر دینے انا کانی

پھر اُس میں کھلکھلا کر ہنس دیا اور دیکھ کر مجھ کو
ذرا گیرے اُتار و جوگ کے اور منھ کو دھو ڈالو
کہا جوگی جی اب تم ٹک ہمارے پاس آ بیٹھو
بھبوت ایسی ہی ملنی ہے تو پھر منھ سے لگا لیجو
یہ کہہ کر اور وہیں لا رکھ دیا آگے مرے پانی

جو ہیں پانی وہ منھ دھونیکو اُس کافر نے رکھوایا
کہاں کا ہو کے جوگی تو نے پیچھے جھاڑ لگوایا
وہیں دھڑ کا مرا دل اور پکارا او غضب آیا
مجھے آتے ہی کھویا سر بھی اپنا مفت کٹوایا
بھلا کب مجھ کو چھوڑے گا وہ قاتل دشمن جانی

یہ کہتا تھا میں جی میں اس پر قاتل کھینچ کر تیغا
نہ تھا میرے تو دم میں دم و لیکن ہوش جب آیا
پکارا کیوں بے جوگی تو نے اب تک منھ نہیں دھویا
زمیں پر پوٹ سب کچھ پھینک ایسا داں سے دھر بھاگی
کہ جیسے چھوٹ کر بھاگے کوئی وحشی بیابانی

پکارا دیکھیو جانے نہ پاوے دوڑیو لیجو
لگا کہنے کبھی آنا ادھر کو پھر بھی جوگی ہو
ولیکن میں جو بھاگا پھر کہاں پاوے کوئی مجھ کو
سمجھنا ہی کسی دن سوانگ تو نے ہیں کیئے جو جو
بھلا اب سب تری شوخی شرارت ہم نے پہچانی

نظیر اُس دم مجھے جب بھاگنے کی گھات یاد آئی
جہاں لیجا کے میرے بھی خبر جس جس نے پہونچائی
چھٹا ظالم کے پھندے سے دوبارہ زندگی پائی
ہر اک غمخوار نے مجھ سے کہا آکر کے او بھائی
خدا کے واسطے ایسی نہ کیجو پھر تو نادانی

ﮯ ریت - رسم و رواج ۱۲ ﮯ جنم - زمانہ ۱۲ ﮯ بالا بچہ - طفل ۱۲ ﮯ منڈل - مکان ۱۲ ﮯ بھا - رنج و غم ۱۲ ﮯ نچھتر ساعت ۱۲ ﮯ اوتار - پیغمبر ۱۲ ﮯ سبھ - نیک - سعد ۱۲ ﮯ گربھ - حمل ۱۲ ﮯ نارومن - روشن ضمیر ۱۲

معتقدات مذہب ہنود

(۱۴۹)

جنم کنھیا جی

ہے ریت جنم کی یوں ہوتی جس گھر میں بالا ہوتا ہے
سب بات بپتھا کی بھولے ہے جب بھولا بھالا ہوتا ہے

اُس منڈل میں ہر من بھیتر سکھ چین دوبالا ہوتا ہے
آنند مندیلے باجت ہیں نت بھون اُجالا ہوتا ہے

یوں نیک نچھتر لیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم
پر اُنکے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم

نظیر اکبرآبادی

سُبھ ساعت سے یوں دنیا میں اوتار گربھ میں آتے ہیں
وہ نیک مہورت سے جدم اس سِشٹ میں جنمے جاتے ہیں

جو نار و من ہر دھیان بھلی سب اُنکا بھید بتاتے ہیں
جو لیلا رچنی ہوتی ہے وہ روپ یہ جا دکھلاتے ہیں

یوں دیکھنے میں اور کہنے میں وہ روپ تو بالے ہوتے ہیں
پر بالے ہی پن میں اُنکے اُپکار نرالے ہوتے ہیں

یہ بات کہی جو میں نے اب یوں اسکو تو اب دھیان لگا
دھن دھیر بہت کل بیچ بنٹ سامان انیک اور ڈیل بڑا

ہے پنڈت پستک بیچ لکھا تھا کنس جو راجہ متھرا کا
گج اور ترنگ اچھے نیکے انبار ہی ہدے زین سجا

محمد اشرف علی ﮯ شسٹ سے مراد شسٹاچار یعنی مہذب الطوار ﮯ شہباز ﮯ ابکار - حرکات افعال ۱۲ ﮯ بل - زور ۱۲ ﮯ تیج - رعب ﮯ انیک - انواع - اقسام ﮯ ڈیل - جسم ۱۲ ﮯ گج - ہاتھی ۱۲ ﮯ ترنگ - گھوڑے ۱۲ ﮯ نیکے - عمدہ - اعلیٰ ۱۲ ﮯ کنس متھرا کا راجہ اور نہایت ظالم و بدکردار شخص تھا اس کے اطوار راون کے سے تھے - یہ کرشن جی کا ماموں تھا - آخرکار کرشن جی کے ہاتھ سے مارا گیا - کنس اور کرشن کا قصہ بالکل فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا ہے - ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں اور تاریخ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ مشابہت نہایت پرلطف اور بارآور نکتہ ہے ۱۲ ابو الخیر محمد اشرف علی عفی عنہ مہتمم دار الارقام لکھنؤ -

جب بن ٹھن دپنچھے ہستی پر وہ پاپی آن نکلتا تھا
سب سازجھلا جھل کرتا تھا اور سنگ کٹک چل جاتا تھا

اک روز جو اپنے بھج بل پر وہ کنس بہت مغرور ہوا
اور ہنس کر بولا دنیا میں ہے دوجا کون بلی مجھ سا

اک بان لگا کر پربت کو چاہوں تو ابھی دو پل میں گرا
ان بیس کے بڑھ بل جتنے ہیں ہے کون جو مجھ سے ہوئے سوا

جو دشٹ کوئی آ جدھ کرے کب موش پر وا کا جور چلے
وہ سامنے میرے ایسا ہے جوں چینٹی ہاتھی پاؤں تلے

وہ ایسے ایسے کتنے ہی جو بول گربھ کے کہتا تھا
سب لوگ سبھا کے سنتے تھے کیا تاب جو بولے کوئی ذرا

تھا ایک پرکھ وہ یوں بولا تو بھولا اپنے بل پر کیا
جو تیرا مارن ہارا ہے سو وہ بھی جنم اب لیوے گا

تو اپنے بل پر ہائے مورکھ اس آن عبث ہنکار لیا
وہ تجھ کو مار گرا دے گا یوں جیسے بھنگا مار لیا

یہ بات سنی جب کنس نے واں تب سنکر اسکے ہوش اڑے
بھو من کے بھیتر آن بھرا اور بول گربھ سگرے بسرے

یوں پوچھا وہ کس بس میں ہے اور کون بنوں آکر جنمے
کون اسکے مات پتا ہوویں جو پالیں اسکو چاہت سے

وہ بولا متھرا نگری میں اک روز جنم وہ پاوے گا
جب سیانا ہوگا تب تجھکو اک پل میں مار گرا دے گا

یہ بات سنائی کنس کو پھر پھر آٹھ لکیریں واں کھینچیں
بسدیو پتا کا نانو کہا اور دیوکی ماتا ٹھہرائیں

ان آٹھ لکیروں کی باتیں پھر کنس کو اس نے سمجھائیں
سب چھوڑا چھوڑی دیوکی کے ہیں جگ میں ہوتے آٹھ یہ ہیں

بل تیج گرب ہیں تو نے تو سب کا بج گیان بسارا ہے
جو پاچھے ریکھا کھینچی ہے وہ تیرا مارن ہارا ہے

اس بات کو سنکر کنس بہت تب من میں اپنے گھبرایا
جب بار دوجن اس پاس گئے تب ان سے اسنے بھید کہا

تب نارد من نے اسکو بھی کچھ اور طرح سے سمجھایا
پھر کنس کو واں من بات سوا کچھ اور نہ مارگ بن آیا

جو اپنی جان بچانے کا کر سوچ یہ اس نے پھند کیا

---

۱ پاپی۔ گنہگار ۱۲ ۲ کٹک وں میں یار فوج ۱۲ ۳ بھج۔ شکل وجاہت ۱۲ ۴ دوجا۔ دوسرا ۱۲ ۵ بلی۔ قوی طاقتور ۱۲ ۶ بان۔ تیر ۱۲ ۷ بڑھ بل۔ مشہور طاقتور ۱۲ ۸ دشٹ۔ بدذات شیطان۔ ظالم ۱۲ ۹ جدھ۔ تعلی ۱۲ ۱۰ موش۔ مجھ پر ۱۲ ۱۱ وا۔ اس ۱۲ ۱۲ بول۔ باتیں ۱۲ ۱۳ گربھ۔ غرور ۱۲ ۱۴ سبھا۔ انجمن ۱۲ ۱۵ پرکھ۔ عاقل دانا ۱۲ ۱۶ مارن ہارا۔ مارنے والا۔ قاتل ۱۲ ۱۷ مورکھ۔ شیطان گنہگار ۱۲ ابو الخیر محمد اشرف علی ۱۸ ہنکار۔ تعلی کی لینا غرور کرنا ۱۲ اشہباز ۱۹ بھو۔ ڈر۔ خوف ۱۲ ۲۰ سگرے۔ سارے ۱۲ ۲۱ بسرے۔ ذائل ہوئے ۱۲ ۲۲ مات پتا۔ ماں باپ ۲۳ نانو۔ نام ۱۲ ۲۴ ریکھا۔ لکیر ۱۲ اشرف علی

بلوا بسدیو اور دیوکی کو اک مندر بھیتر بند کیا

جب قید کیا اُن دونوں کو تب چوکیدار دیے بٹھلا
سامان رسوئی کا جو تھا سب اُنکے پاس دیا رکھوا
اک آن نہ نکسن پاویں یہ پھر اُن سب کو یہ حکم دیا
اور دوار دیے اُس مندر کے تب بھاری تالے بھی جڑوا

ہشیار لگے یوں رہنے واں نت چوکی کے دینے ہارے
کیا تاب جو کوٹھے پچھے پر اک آن پرندا پر مارے

بھو بیٹھا تھا جو کنس کے من وہ بھر کر نیند نہ سوتا تھا
اُس مندر میں اُن دونوں کے جب کوئی بالک ہوتا تھا
کچھ بات سہاتی نا اُسکو نت اپنی پلک بھگوتا تھا
کنس آن اُسے جھپٹا لے تھا من بات بتا کا ڈھوتا تھا

اک مدت تک اُن دونوں کا اُس مندر میں یہ حال رہا
جو بالک اُن کے گھر جنما سو مارتا وہ چنڈال رہا

پھر آیا واں اک وقت ایسا جو آئے گربھ میں من موہن
گھنشیام مراری بنواری گردھاری سندر سیام برن
گوپال منوہر مرلی دھر سکھیشن کشور ان کنول نین
پربھو ناتھ بہاری کان للا سکھدائی جگ کے دکھ بھنجن

جب ساعت پرگھٹ ہونیکی واں آئی گٹ دھر تا کی
اب آگے بات جنم کی ہر جے بولو کشن کنھیا کی

تھا اینک مہینا بھادوں کا اور ان بدھ گنتی آٹھن کی
سب ساعت نیک مہورت سے واں جنمے آکر کشن جبھی
پھر آدھی رات ہوئی جس دم اور رہا نچھتر روہنی بھی
اُس مندر کے اندھیالے میں جو اوجالی آن بھری

بسدیو سے بولیں دیوکی جی مت ڈر بھو من میں گھیر کرو
اس بالک کو تم گوکل میں لے پہونچو اور مت دیر کرو

جو اُسکے تم لیجانے میں یاں ٹک بھی دیر لگاؤ گے
اس آن سنبھلکر تم اس کو جو گوکل میں پہونچاؤ گے
وہ دشٹ اسے بھی ماریگا پچتاتے ہی رہجاؤ گے
اس بات میں یہ پھل پاؤ گے جو اس کی جان بچاؤ گے

واں گوکل باشی جو اس کو لے اپنی گود سنبھالے گا
کچھ نام وہ اُسکا رکھ لیگا اور مہر و دیا سے پالے گا

ڈھیر

۱ بسدیو - کرشن جی کے باپ کا نام ہے ۱۲ ۲ دیوکی - کرشن جی کی ماں کا نام ہے ۱۲ ۳ نکسن - نکلنے ۱۲ ۴ رسوئی - طعام - کھانا پکانے کا مکان ۱۲ ۵ دوار - دروازہ ۱۲ ۶ ہارے - والے ۱۲ ۷ چنڈال - بدذات شیطان ۱۲ ۸ پرگھٹ - پیدایش ۱۲ ۹ روہنی ایک نچھتر کا نام ہے یعنی یہ اس ساعت سعد و نیک کا نام ہے جس میں کرشن جی پیدا ہوے ۱۲ ۱۰ گھیر - جمع کرنا ۱۲ ۱۱ گوکل ہندوں کا ایک مقدس مقام ہے جو متھرا کے نزدیک ہے - یہ بہت تیرتھ کی جگہ ہے - کرشن جی کا بچپن اسی مقام پر گذرا ۱۲ ۱۲ باشی - باشندے ۱۲ ۱۳ دیا - عنایت - مہربانی ۱۲ - اشرف علی

جو حال[1] یہ واں جا پہونچے گا تو اس کا جی بچ جاویگا
جس گھر کے بیچ پلے گا یہ وہ گھر ہم کو بتلاویگا

جو کرم[2] لکھی ہی تو پھر بھی مُکھ[3] ہم کو آن دکھاویگا
ہم اس سے ملنے جاوینگے یہ ہم سے ملنے آویگا

نہ کام ہیں کچھ دعوی سے نہ جھگڑا اور بکھیڑے سے
جب دیکھنے کو من بھٹکیگا سکھ پاوینگے اُسکے دیکھے سے

ہی آدھی رات ابھی تو یاں لیجاؤ اسے تم حال اُدھر
من بیچ اُنھوں کے تھا یہ ڈر دن ہو ویگا تو کنس آکر

بیٹا لو اپنی چھاتی سے دے آؤ جا کے اور کے گھر
اک آن میں اُسکو ماریگا رہجاوینگے ہم آنسو بھر

یہ بات نہ تھی معلوم اُنھیں یہ بالک جگ نستارےگا
کب مار سکیگا کنس اسے یہ کنس کو بھی آپی مار ےگا

جب جسودا نے بسدیو سے ان دونوں کر تب بات کہی
در دوار لگے ہیں تالے کل کچھ بات نہیں میرے بس کی

وہ بولے کیونکر لیجاؤں ہے باہر تو جو کی بیٹھی
تب جسودا بولیں لیجاؤ من الیشر[4] کی رکھو آس ابھی

وہ بالک کو جب لے نکلے سب سانکر[5] پٹ پٹ چھوٹ گئے
تھے تالے جتنے دوار لگے اُس آن جھڑا جھڑ ٹوٹ گئے

جب آئے جو کیدار وں میں تب ان بھی یہ صورت دیکھی
جب سوتا دیکھا اُن سبکو ہو نربھو[6] نکلے واں سے بھی

سب سوتے پائے اُس ساعت ہر آن جو تے تھے چوکی
پھر آئے جمنا پہ جو ہیں پھر جمنا دیکھی بہت چڑھی

یہ سوچ ہوا من بیچ اُنھیں پر اس جل میں کیسے دھریے
ہی رین اندھیری سنگ بالک اس بپتا[7] میں اب کیا کیجیے

یوں من میں ٹھہرا پھر چلیے پھر آپ ہی من مضبوط ہوا
یہ جوں جوں پاؤں بڑھاتے تھے وہ پانی چڑھتا آتا تھا

بھگوان نے پایا پر آس لگا واں جمنا جی پر دھیان دھرا
یہ بات لگی جب ہونے واں بسدیو کے من میں گھبرا

تب پاؤں بڑھائے بالک نے جو آپ سے اور بھیگے جل میں
جب جمنا نے پگ[8] چوم لیے جا پہونچے پار وہ اک پل میں

جب آن برج[9] گوکل میں سب پھاٹک ان بھی پائے کھلے
تب وہ اُنسے چلتے چلتے وہ پھر نند[10] کے دوارے آ پہونچے

[1] حال - فوراً ۱۲
[2] کرم - قسمت ۱۲
[3] مکھ - منھ ۱۲
[4] الیشر - خدا ۱۲
[5] سانکر سانکل زنجیر در - کنڈی ۱۲
[6] نربھو - بیخوف ۱۲
[7] بپتا - اضطراب مصیبت ۱۲
[8] پگ - پاؤں ۱۲
[9] برا جے - پہونچے رونق افروز ہوے ۱۲
[10] نند - اُس شخص کا نام جس نے کرشن جی کی بطور باپ کے پرورش کی اسلیے اس کو رضاعی باپ سمجھنا چاہیے ۱۲ شرافت علی

وان نند محل کے دوالے بھی سب دیکھے پٹ پٹ واکُھلے ۔ جو چوکی والے سوتے تھے اب کون اُٹھیں وہ کے ٹوکے

جب بیچ محل کے جا پہونچے سب سوتے وان گھر والے تھی
ہر جا یہ طرف اُجیالی تھی جوں سانجھ مین دیوٹے بالے تھے

اک اور اچنبھا یہ دیکھو جو رات جنم کی کشن کی تھی ۔ اس رات جسودا کے گھر میں تھی جنمی یارو اک لڑکی
وان سوتے دیکھ جسودا کو اور بدلی کر اس بالک کی ۔ اُس لڑکی کو وہ آپ اُٹھائے نکلے آئے متھرا جی

جب لڑکی لائے مندر میں سب تالے مندر لاگ اُٹھے
جو چوکی دینے والے تھے پھر وہ بھی اُس دم جاگ اُٹھے

جب بھور ہوئی تب گھبرا کر سُدھ کنس نے لی اُس مندر کی ۔ جب تالے کھلوا بیچ گیا تب لڑکی جنمی اک دیکھی
لے ہاتھ پھرایا چکر دے تو پٹکے وہ بن پٹکے ہی ۔ یوں جیسے بجلی کوندے ہے جب چھوٹ ہوا پر جا پہونچی

یہ کہتی نکلی اے مورکھ کیا تو نے سوچ بچارا ہے
وہ جیتا اب تو سیس مکٹ جو تیرا مارن ہارا ہے

جب کنس نے واں یہ بات سُنی من بیچ بہت سا لجیایا ۔ جو کارج ہونے والا ہے وہ ٹالے سے کب ہے ٹلتا
سو فکر کرو سو بیچ کرو سو بات سناؤ حاصل کیا ۔ ہر آن وہی یاں ہونا ہے جو ماتھے کے ہے بیچ لکھا

ہیں کہتے بُدھ جسے اب یاں وہ سوچ بڑے ٹھہرائی ہے
تقدیر کے آگے پر یارو تدبیر نہیں کام آتی ہے

اب نند کے گھر کی بات سنو واں ایک اچنبھا یہ ٹھہرا ۔ جو رات کو جنمی تھی لڑکی اور بھور کو دیکھا تو لڑکا
گھڑ نالیں چھوٹیں ناچ ہوا اور نوبت کا غل شور مچا ۔ پھر کشن گرب نے نام رکھا سب کنبے کے مل بیٹھے آ

انند اور جسودا اور گوات کرنے واں ہیر اپھیر لگے
پکوان مٹھائی میوے کے ہر ناری آگے ڈھیر لگے

سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس بڑے درسن آ بیٹھیں ۔ کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گیت جچا کے گاتی تھیں
یہ کچھ ہر دم کہہ اس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں ۔ کچھ تھال بنجیری کے رکھتیں کچھ سونٹھ سنٹھورا کرتی تھیں

لے دیوے ۔ چراغ ۱۲
ع اچنبھا ۔ عجیب بات ۱۲
ع جسودا ۔ نند کی زوجہ کا نام ہے یہ کرشن جی کی رضاعی ماں تھی ۱۲
ع بھور ۔ صبح ۱۲
ع لجیایا ۔ شرمایا ۱۲
ع کارج ۔ کام ۱۲
ع ناری ۔ عورت ۱۲
ع بیجا ۔ زچہ ۱۲
ع بلہاری ۔ تصدق نثار ۱۲
اشرف علی

کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو

کوئی گھٹی میٹھی گرم کرے کوئی ڈالے اسپند اور بھوسی
کوئی دیکھے روپ اُس بالک کا کوئی ماتھا چومے مہر بھری
کوئی لائے ہنسلی اور کھڑوے کوئی کرتا ٹوپی میوہ گھی
کوئی بھوؤں کی تعریف کرے کوئی آنکھ نکی کوئی پلکہ نکی

کوئی کہتی عمر بڑی ہووے اری بیر تمہارے بالک کی
کوئی کہتی بیاہ بھولاؤ اس آس مرادوں والے کی

کوئی کہتی بالک خوب ہوا اری بھینا تیری نیک رتی
اس کنبے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑے اس گھر کے بھی
یہ بالے انکو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑھ بھاگی
یہ باتیں سکی سُن سن کر یہ بات جسودا کہتی تھی

اری بیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جنما ہے
کچھ اور کہوں میں کیا تم سے بھگوان کی مہر کرپا ہے

تھی کونے کونے خوشوقتی اور طبلے تال کھٹکتے تھے
ہر چار طرف آنندیں تھیں ان گھر میں نند جسودا کے
کوئی ناچ رہی کوئی کود رہی کوئی ہنس ہنس کے کچھ روپ سجے
کچھ آنگن بیچ براجے تھیں کوئی بیٹھی کوٹھے اور چھجے

سو خوبی اور خوشحالی سے دکھلاتی تھی سامان کھڑی
سچ بات ہے بالک ہونیکی ہے دنیا میں آنند بڑی

پھر اور خوشی کی بات ہوئی جب بیت ہوئی دو کا ندونکی
یہ اُس پر بھینکیے بھر بھر کر وہ اُس پر ڈالے گھڑی گھڑی
رکھوائی دودھ کی مٹکی بھر اور ڈالی ہلدی بہتیری
کوئی پونچھے مکھ اور باہن کو کوئی سکھڑ[ملہ] پھینکیے اور مٹھری[ملہ]

اُس دودھ کی بھی تک لیہوں میں روپ دہا ہر ناری کا
اور تن کے ابرن یوں بھیگے جوں رنگ ہو کیسر کیاری کا

سکھ منڈل میں یہ دھوم مچی اور باہر نکلی جو گی بھی
آنند بدھاوے باج رہے نرسنگے سُرنا اور ترئی
کچھ ناچیں بھانڈ بھگتیے بھی کچھ ہیجڑے پاویں بیل بڑی
رنگین سنہرے پالنے بھی نے ہاتھ کھڑے کتنے برتی

ہر آن اُٹھاتی تھیں مانگ کیا گنتی روپے سونے کی

ملہ سکھری جزیرے کیلے اور دہی کا ہوتا ہے شکر اور بعض مسالے کے ساتھ ۱۲ ملہ ایک قسم کی مٹھائی ۱۲ شہباز

نند اور جسودا نے ایسی کی شادی بالک ہونیکی

جو ننگی جوگی تھے اُنکو اُس آن نپٹ خوشحال کیا
اور جتنے ناچنے والے تھے اسباب اُنھیں بھی خوب دیا
پہرائے باگے ریشم کے اور زر بھی بخشا بہتیرا
مہمان جو گھر میں آئے تھے سب اُنکا بھی ارمان رکھا

دن رات چھٹی کے ہونے تک من خوش کیا لوگ لگائی کا
بھر تھال روپے اور مُہریں دیں جب نیگ چکایا دائی کا

نند اور جسودا بالک کو واں تھوں چھاؤں میں تھے رکھتے
جی بہلاتے من پرچاتے اور خوب کھلونے منگواتے
نت پیار کریں تن من وارے ستھری ابرن گہنے بنکے
ہر آن جھلاتے پالنے میں وہ ادھر اور ادھر بٹھاتے

گر یاد نظیر اب ہر ساعت اُس پالنے اور اُس جھولے کی
آنند سے میٹھو چین کرو جے بولو کانھ جھنڈولے کی

(۱۵۰)

بالپن بانسری بجیا

یارو سنو یہ دودھ کے لٹیا کا بالپن
موہن سروپ نرت کریا کا بالپن
اور بدھ پوری نگر کے بسیا کا بالپن
بن بن کے گوال گوئیں چریا کا بالپن

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ظاہر میں سُت وہ نند جسودا کے آپ تھے
پردے میں بالپن کے یہ اُنکے ملاپ تھے
ورنہ وہ آپ ہی مائی تھے اور آپی باپ تھے
جوتی سروپ کہیے جنھیں سو وہ آپ تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اُنکو تو بالپن سے نہ تھا کام کچھ ذرا
سنسار کی جو ریت تھی اُسکو رکھا بجا

ملہ سُت = فرزند۔ بیٹا ۱۲۔ ملہ ذات نعانی یعنی خدا ۱۲۔ شہباز

مالک تھے وہ تو آپی اُنھیں بالپن سے کیا
واں بالپن جوانی بڑھاپا سب ایک تھا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

مالک جو ہووے اُسکو سبھی ٹھاٹھ یاں سرے
چاہے وہ ننگے پاؤں پھرے یا مکٹ دھرے
سب روپ ہیں اُسی کے وہ جو چاہے سو کرے
چاہے جواں ہو چاہے لڑکپن سے من بھرے

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

بالے ہو برج راج جو دُنیا میں آگئے
لیلا کے لاکھ رنگ تماشے دکھا گئے
اس بالپن کے روپ میں کتنوں کو بھا گئے
اک یہ بھی لہر تھی کہ جہاں کو جتا گئے

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

یوں بالپن تو ہوتا ہے ہر طفل کا بھلا
پر اُن کے بالپن میں تو کچھ اور ہی بھید تھا
اس بھید کی بھلا جی کسی کو خبر ہے کیا
کیا جانے اپنے کھیلنے آئے تھے کیا کلا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

رو ہاروں تو یارو عجب جائے غور تھے
لڑکوں میں وہ کہاں ہیں جو کچھ اُنہیں طور تھے
آپ ہی وہ پربھو ناتھ تھے آپ ہی وہ دور تھے
اُنکے تو بالپن ہی میں تیور کچھ اور تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

وہ بالپن میں دیکھتے جیدھر نظر اُٹھا
پتھر بھی ایک بار تو بن جاتا موم سا
اُس روپ کو گیانی کوئی دیکھتا جو آ
ڈنڈوت ہی وہ کرتا تھا ماتھا جھکا جھکا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پر دا وہ بالپن کا نہ کرتے اگر ذرا
جھاڑ اور پہاڑ دیتے سبھی اپنا سر جھکا
کیا تاب تھی جو کوئی نظر بھر کے دیکھتا
پر کون جانتا تھا جو کچھ اُن کا بھید تھا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

موہن مدن گوپال ہری بنس من ہرن
گردھاری نند لال ہری ناتھ گوردھن
بلہاری اُن کے نام پہ میرا یہ تن بدن
لاکھوں کیے بناؤ ہزاروں کیے جتن

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پیدا تو مدھ پُر میں ہوئے شیام جی مُرار
نند اُن کو دیکھ ہووے تھا جی جان سے نثار
گوکل میں آکے نند کے گھر میں لیا قرار
مائی جسودا ایتی تھی پانی کو وار وار

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

جب تک کہ دودھ پیتے رہے گوال براج راج
سندر جو ناریاں تھیں وہ کرتی تھیں کام کاج
سب کے گلے کے کٹھلے تھے اور سب کے سر کے تاج
رسیا کا اُن دنوں تو عجب رس کا تھا مزاج

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

بد شکل سے تو رو کے سدا دور ہٹتے تھے
جن ناریوں سے اُنکے غم و درد بٹتے تھے
اور خوبرو کو دیکھ کے ہنس ہنس چمٹتے تھے
اُن کے تو دوڑ دوڑ گلے سے لپٹتے تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن

کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

اب گھٹنیوں کا اُنکے میں چلنا بیاں کروں | یا میٹھی باتیں منھ سے نکلنا بیاں کروں
یا بالکوں کی طرح سے پلنا بیاں کروں | یا گودیوں میں اُن کا مچلنا بیاں کروں

اچھلنا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

پاٹی پکڑ کے چلنے لگے جب مدن گوپال | دھرتی تمام ہو گئی اک آن میں نہال
باسک چران چھونے کو چلے چھوڑ کر نہال | آکاس پر بھی دھوم مچی دیکھ اُن کے حال

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھی ان کی چال کی تو عجب یارو چال ڈھال | پاؤں میں گھنگرو باجتے سر پر جھنڈولے بال
چلتے ہمک ہمک کے جو وہ ڈگمگاتی چال | تھا نہیں کبھی جسودا کبھی نند لیں سنبھال

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پہنے جھگا گلے میں جو وہ دکھنی چیر کا | گہنے میں بھر رہا گویا لڑکا امیر کا
جاتا تھا ہوش دیکھ کے شاہ و وزیر کا | میں کس طرح کہوں اسے چھورا اسیر کا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

جب پاؤں چلنے لاگے بہاری نولکشور | ماکھن اُچکّے ٹھہرے ملائی دہی کے چور
منھ ہاتھ دودھ سے بھرے کپڑے بھی شور بور | ڈالا تمام برج کی گلیوں میں اپنا شور

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

کرنے لگے یہ دھوم جو گردھاری نندلال | اک آپ اور دوسرے ساتھ اُنکے گوال بال
ماکھن دہی چرانے لگے سب کے دیکھ بھال | دی اپنے دودھ کی چوری کی گھر گھر میں دھوم ڈال

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھے گھر جو گوالنوں کے لگے گھر سے جا بجا | جس گھر کو خالی دیکھا اُسی گھر میں جا پھرا
ماکھن ملائی دودھ جو پایا سو کھا لیا | کچھ کھایا کچھ خراب کیا کچھ گرا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

کوٹھی میں ہووے پھر تو اُسی کو ڈھنڈورنا | گولی میں ہو تو اس میں بھی جا منھ کو بورنا
اونچا ہو تو بھی کاندھے پہ چڑھ کر نہ چھوڑنا | پہونچا نہ ہاتھ تو اُسے مرلی سے پھوڑنا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

گر چوری کرتے آگئی گوالن کوئی وہاں | اور اُس نے آ پکڑ لیا تو اُس سے بولے ہاں
میں تو ترے دہی کی اُڑاتا تھا مکھیاں | کھاتا نہیں میں اُسکی نکالے تھا چونٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

گر مارنے کو ہاتھ اُٹھاتی کوئی ذرا | تو اُس کی انگیا پھاڑتے گھونسے لگا لگا
چلاتے گالی دیتے مچل جاتے جا بجا | ہر طرح واں سے بھاگ نکلتے اُڑا چھڑا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

غصّے میں کوئی ہاتھ پکڑتی جو آن کر | تو اُس کو وہ سروپ دکھاتے تھے مرلی دھر

جو آپی لا کے دھرتی وہ ماکھن کٹوری بھر — غصہ وہ اُن کا آن میں جاتا وہیں اُتر

ایسا تھا بانسری کے بجیتا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اُن کو تو دیکھ گوالنیں جی جان پاتی تھیں — گھر میں اسی بہانے سے اُن کو بلاتی تھیں
ظاہر میں اُنکے ہاتھ سے وہ غل مچاتی تھیں — پردے میں سب وہ کشن کے بلہاری جاتی تھیں

ایسا تھا بانسری کے بجیتا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

کہتی تھیں دل میں دودھ جواب ہم چھپائینگے — سکیشن اسی بہانے ہمیں منھ دکھائیں گے
اور جو ہمارے گھر میں یہ ماکھن نہ پائینگے — تو اُن کو کیا غرض ہی یہ کاہے کو آئینگے

ایسا تھا بانسری کے بجیتا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

سب مل جسودا پاس یہ کہتی تھیں آکے بیر — اب تو تمھارا کانھ ہوا ہے بڑا شریر
دیتا ہے ہم کو گالیاں پھر پھاڑتا ہے چیر — چھوڑے دہی نہ دودھ نہ ماکھن مہی نہ کھیر

ایسا تھا بانسری کے بجیتا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ماتا جسودا اُن کی بہت کرتی منتیاں — اور کانھ کو ڈرائی اُٹھا بن کی سانٹیاں
جب کانھ جی جسودا سے کرتے یہی بیاں — تم سچ نہ جانو ماتا یہ ساری ہیں جھوٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیتا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ماتا کبھی یہ مجھ کو پکڑ کر لے جاتی ہیں — گانے میں اپنے ساتھ مجھے بھی گواتی ہیں
سب ناچتی ہیں آپ مجھے بھی نچاتی ہیں — آپ ہی تمھارے پاس یہ فریادی آتی ہیں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ماتا کبھی یہ میری چھنگلیا چھپاتی ہیں
جاتا ہوں راہ میں تو مجھے چھیڑ جاتی ہیں
آپ ہی مجھے رٹھاتی ہیں آپی مناتی ہیں
مارو انھیں یہ مجھ کو بہت ستاتی ہیں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اک روز منھ میں کانھ نے ماکھن جھکا دیا
پوچھا جسودا نے تو وہیں منھ بنا دیا
منھ کھول تین لوک کا عالم دکھا دیا
اک آن میں دکھا دیا اور پھر بھلا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھے کانھ جی تو نند جسودا کے گھر کے ماہ
موہن نولکشور کی تھی سب کے دل میں چاہ
اُن کو جو دیکھتا تھا سو کہتا تھا واہ واہ
ایسا تو بالپن نہ ہوا ہے کسی کا آہ

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

سب مل کے یارو کشن مُراری کی بولو جے
گو بند چھیل کنج بہاری کی بولو جے
دودھ چور گردھاری نسی ناتھ بہاری کی بولو جے
تم بھی نظیر کشن بہاری کی بولو جے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

(۱۵۱)

بانسری

جب مُرلیؔ دھر نے مرلی کو اپنی ادھر دھری
کیا کیا پریم پیتؔ بھری اُس میں دُھن بھری
لی اُسمیں رادھےؔ رادھے کی ہر دم بھری کھری
لہرائی دھن جو اُس کی ادھر اور اُدھر ذری

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیاؔ نے بانسری

کتنے تو اُس کی سننے سے دُھن ہو گئے دھنی
کتنوں کی سُدھ بسر گئی جس دم وہ دُھن سُنی
کتنوں کی من سے کل گئی اور بیاؔ کلی چینی
گیا نر سے لے کے ناریاں کیا کوڑھ کیا گُنی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

جس آن کانھ جیؔ کو وہ بنسی بجاؤنی
جس کان میں وہ آؤنی واں سدھ بھلاؤنی
ہر من کی ہو کے موہنی اور چت لبھاؤنی
نکلی جہاں دُھن اُس کی وہ میٹھی سُہاؤنی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیاؔ نے بانسری

جس دن سے اپنی بنسی وہ سیکشن نے سجی
اس سانورے بدن پہ پنیٹ آن کر سجی
مڑنے بھلایا آپ کو ناری نے سدھ تجی
اُن کی اُدھر سے آ کے وہ بنسی جدھر بجی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیاؔ نے بانسری

گوالوںؔ میں نند لال بجاتے وہ جس گھڑی
گو پیشؔ دھن اُسکی سننے کو رہجاتیں سب کھڑی
گلیوں میں جب بجاتے تو وہ اسکی دھن بڑی
لے لے کے اتنی لہر جہاں کان میں پڑی

ؔ۱ مرلی۔ بانسری ۱۲
ؔ۲ پیت محبت ۱۲
ؔ۳ بیاکلی مضطراب بے چینی ۱۲
ؔ۴ کوڑھ۔ کند ذہن ۱۲
ؔ۵ گنی عاقل ۱۲
ؔ۶ کانھ جی۔ کنھیا جی ۱۲
ؔ۸ گوالوں چرواہوں ۱۲
ؔ۹ گوپیں۔ گائیں ۱۲
ؔ۷ رادھا کرشن جی کی معشوقہ کا نام ہے ۱۲
اشرف علی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

بنسی[1] کو مُرلی دھر جی بجاتے گئے جدھر
پھیلی دھن اُس کی روز ہر اک دل میں کر اثر
سنتے ہی اُس کی دھن کی حلاوت اودھر اُدھر
منھ چنگ اور نے کی دھنیں دل سے بھولکر

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

بن میں اگر بجاتے تو واں بھی یہ اُسکی چاہ
کرتی دُھن اُسکی پنچھی[2] بٹوہی کے دلمیں راہ
بستی میں جو بجاتے تو کیا شام کیا پگاہ
پڑتے ہی دُھن وہ کان میں لہاری ہوکے واہ

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

کتنے تو اُس کی دُھن کے لیے رہتے بیقرار
کتنے لگائے کان اُدھر رکھتے بار بار
کتنے کھڑے ہر راہ میں کر رہتے انتظار
آئے جدھر بجاتے ہوے شیام[3] جی مُرار[4]

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

موہن[5] کی بانسری کے میں کیا کیا کہوں جتن[6]
لے اُس کی من کی موہنی دُھن اُکی جیت ہرن
اُس بانسری کا آن کے جس جا ہوا بجن[7]
کیا چل[8] پون نظیر پکھیرو و کیا ہرن

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

[1] بنسی۔ بانسری ۱۲
[2] پنچھی بٹوہی۔ چڑیوں کے نام ہیں ۱۲
[3] شیام جی۔ کرشن جی ۱۲
[4] مرار۔ بانسری ۱۲
[5] موہن۔ پیارے ۱۲
[6] جتن۔ طریقے ڈھب ۱۲
[7] بجن۔ ورد ۱۲
[8] چل پون۔ پاؤں چلنے والا ۱۲
اشرف علی

(۱۵۲)

لہو و لعب کنھیّا

تعریف کروں میں اب کیا کیا اُس مرلی دھر بجیّا کی
گوپال بہاری بنواری دُکھ بھرنا ہر کرتیّا کی
نت سیوا گنج بھریا کی اور بن بن گو وُ چرتیّا کی
گر دھاری سندر شیام برن اور پنڈر جوگی بھیّا کی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیّا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیّا کی

ایک روز خوشی سے گیند تڑی کی موہن جمنا تیر گئے
جو گیند تری جا جمنا میں پھر جا کر لاوے جو پھینکے
واں کھیلن لاگے ہنس ہنس کے یہ کہکر گوال اور بالن سے
وہ آپی انتر جامی تھے کیا اُنکا بھید کوئی پاوے

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیّا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیّا کی

واں کشن بدن من موہن نے سب گوالن سے یہ بات کہی
پھر آپی جھپ سے کود پڑے اور جمنا جی میں ڈبکی لی
اور آپی سے جھپ گیند اُٹھا اُس کالی دہ میں ڈالدی
سب گوال سکھا حیران رہے پھر بھید نہ سمجھے اک رتی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیّا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیّا کی

یہ بات سنی برج ناری نے تب گھر گھر اُسکی دھوم مچی
آ جمنا پر غل شور ہوا اور ٹھٹھ بندھے اور بھیڑ لگی
نند اور جسودا آ پہونچی سُدھ بُدھ بھول کے اپنے تن من کی
کوئی آنسو ڈالے ہاتھ ملے پر بھید نہ جانے کوئی بھی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیّا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیّا کی

جس دہ میں کود سے من موہن ان آن چھپا تھا اک کالی
پھن مارے پھونکا زور کیے اور پھیریں تکتا ں گشتی کی
سر پاؤں سے اُنکے آلپٹا اُس دہ کے بھیتر دیکھتے ہی
پھنکاریں لیں بل پیچ کیے پر کشن رہے ان ہنستے ہی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سُنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

جب کالی نے سو پیچ کیے پھر ایک کلا واں شیام نے کی
پھر ناتھ لیا اُس کالی کو اک پل بھر بھی نا دیر لگی
اس طور بڑھایا تن اپنا جو اُس کا نکسن لاگا جی
دہ وار کیا اور استت کی ہر ناگن بھی پھر پاؤں پڑی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

اُس دہ میں سندر شیام برن اُس کالی کو جب ناتھ چکے
کر اپنے بس میں کالی کو سکھیا نے مرلی ادھر دھرے
لے ناتھ کو اُسکے ہاتھ اپنے ہر پھن کے اوپر برت گئے
جب باہر آئے من موہن سب خوش ہو جے جے بول اُٹھے

یہ لیلا ہو اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

تھے جمنا پر اُس وقت کھڑے واں جتنے آکر نر ناری
دکھ چنتا من سے دور ہوئے آنند کی آئی پھر باری
دیکھ اُنکو سب خوشحال ہوئے جب باہر نکلے بنواری
سب درشن پا کر شاد ہوئے اور بولے جے جے بلہاری

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

نند اور جسودا کے من میں سُدھ بھولی بسری پھر آئی
سب برج باسن کے ہردے میں آنند خوشی اُس دم چھائی
سکھ چین ہوئے دکھ بھول گئی کچھ دان اور پن کی ٹھہرائی
اُس روز اُنھوں نے یہ بھی نظیر اک لیلا اپنی دکھلائی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

(۱۵۳)

کنھیّا جی کی شادی

جہاں میں جسوقت کشن جی کی اوستا سدھ بدھ کی یار و آئی
سنبھالا ہوش اور ہوے سیانے وہ بالپن کی ادا اٹھلائی

ہوا قد اُن کا کچھ اس طرح سے کہ قمری جس کی غذا کھائی
نکالیں طرزیں پھر اور ہی کچھ بدن کی سج دھج نئی بنائی

ہوے خوشی نند اپنے من میں بہت ہوئیں خوش جسودا مائی

جو سدھ سنبھالی تو کشن کیا کیا لگے پھر اپنی چھبین دکھانے
جگہ جگہ پر لگے ٹھٹکنے ادا سے بنسی لگے بجانے

وہ بچھڑی گوؤں کو ساتھ لے کر لگے خوشی سے بنوں میں جانے
جو دیکھا نند اور جسودا نے یہ کہ شیام اب تو ہوے سیانے

یہ ٹھہری دونوں کے من میں آکر کریں اب ان کی کہیں سگائی

پھر آپ ہی وہ یہ من میں سوچے کہ ان کی اب ایسی جا ہو نسبت
بڑا ہو گھر در بڑے ہوں ساماں بہت ہو دولت بہت ہو حشمت

ہمارے گوکل میں ہے جو خوبی اسی طرح کی ہو اُن کی حرمت
وہ لڑکی جس سے کہ ہو سگائی سو وہ بھی ایسی ہو خوبصورت

ہیں جیسے ہی نند کشور موہن نول دلارے کنور کنھائی

گئی جو ناری وہ بوڑھیاں تھیں جسودا جی نے اُنھیں بلایا
کسی کو ادھر کسی کو اودھر سگائی ڈھونڈھن کہیں بھجایا

جو بھید تھا اپنے من کے بھیتر سو اُن سبھوں کے تئیں جتایا

پھریں بہت ڈھونڈھتی وہ ناریں یہ تھا جسودا نے جو سنایا
نہ دیکھا ویسا گھر اک اُنھوں نے نہ ویسی کوئی دلاری پائی

وہ ناریاں جب یونہیں پھر آئیں تو بولی یوں اور ایک ناری
ہے یہ جو برسانا اس میں ہے گی برکھ بھان کی بزل دُلاری

ہیں رادھکا نام اُس کا کہتے بہت ہے سُندر ہے پٹ پیاری
کہی یہ میں نے تو بات اُن سے اب آگے مرضی جو ہو تمھاری

کرو سگائی لگن کی اُس جا کہ اس میں ہے گی بہت بھلائی

یہ سن جسودا نے جی میں چپ ہو اُدھر کو ناری کئی بھجائیں
چلیں وہ گوکل سے دل میں خوش ہو وہیں وہ برسانے بیچ آئیں

جہاں وہ گھر کہ بیاں کیا تھا وہ ناریاں سب اُدھر کو دھائیں
اُنھوں نے آدر بہت سا کر کے مُندر کے بھیتر وہ سب بٹھائیں

جو بیٹھیں یہ تو لگیں سنانے اِدھر اُدھر کی بہت بڑائی

جو کہہ چکیں یہ اِدھر اُدھر کی تو پھر سگائی کی بات کھولی
بڑے ہو تم بھی بڑے ہیں وہ بھی یہ بات ہووے تو خوب ہو گی

ہے جیسا سندر اُنھوں کا لڑکا تمھاری سندر ہے ویسی لڑکی
اِدھر بھی دولت اُدھر بھی حشمت خوشی و خوبی طرح طرح کی

اُنھوں نے اپنی بہت جتائی پر اُن کے دل میں نہ کچھ سمائی

جو رادھکا کی وہ ماں تھی کیرت یہ سن کے باتیں وہ بولی ہنسکر
وہ ایسے کیا ہیں جواب ہمارے حسب اور دولت کے ہوں برابر

ہیں جیسے وہ تو سو ایسے ہیں گے ہمارے گھر کے تو کتنے چاکر
ہم اپنی لڑکی اُنھیں نہ دیں گے وہ ایسا کیا گھر وہ ایسا کیا بر

کرو ہمارے نہ گھر میں تم یاں اب اُس سگائی کی تب کہا ئی

سُنا جب اُن ناریوں نے یہ تو چلیں ادھر سے وہ شرم کھائیں
بہت ہی من میں ہو سست اپنے وہ پھر کے گوکل کے بیچ آئیں

سنی جو باتیں تھیں واں اُنھوں نے وہ سب جسودا کو آ سُنائیں
یہ باتیں سُن کر جسودا من میں بہت خفا ہو بہت لجائیں

سوائے خفگی کے آگے کچھ واں جسودا مائی سے بن نہ آئی

جب اُس سگائی نہ ہونے سے واں بُرا جسودا نے من میں مانا
تو بھید اُن کا کلا سے اپنے یہ بن جتائے ہے ہر نے جانا

کہا یہ من میں کہ کوئی لیلا کو چاہیے اب اُدھر دکھانا
بنا کے موہن سروپ نت پر سے خوب برسانے بیچ جانا

گئے وہیں ہر پھر اُس مکان میں اور اپنی بنسی وہ جا بجائی

بجی جو موہن کی بانسری واں تو دھن کچھ اُس کی عجب ہی نکلی
پڑی وہ جس جس کے کان میں آ اُسے سدھ اپنے بدن کی بسری

بھلائی بنسی نے کچھ تو سُدھ بُدھ ادھر جھلک جو سروپ کی تھی
ہر اک طرف کو ہر اک مکاں پر جھلک وہ ہر کی کچھ ایسی جھمکی

کہ جس کی ہر اک جھلک کے دیکھے تمام بستی وہ جگمگائی

سہیلیوں سنگ رادھکا جی کہیں اُدھر کو جو آن نکلی
سروپ دیکھا وہ کشن جی کا اُدھر سے اُن کی سُنی وہ مُرلی

جو ہیں وہاں رادھکا جی آئیں تو ایسی موہن نے موہنی کی
دکھایا اپنا سروپ ایسا کہ اُن کی صورت کو دیکھتے ہی

ادھر تو رادھا کے ہوش کھوئے ہر اک سہیلی کی سُدھ بھلائی

دکھا کے روپ اور سجا کے مرلی پھر آئے گوکل میں نند لالا
پھر اک کلا کی وہ کتنے دن میں کہ رادھا گوری کو ماندا ڈالا

بہت دوائیں اُنھوں نے کیں واں پہ فائدے نے نہ سر نکالا
پھر آپ موہن نے بید بن کر دوا کی تھیلی کو واں سنبھالا
پکارے برسانے بیچ جا کر کہ اچھی کرتے ہیں ہم دوائی

ادھر تھے ہارے دوائیں کر کے سنی اُنھوں نے جو بات اُنکی
بلا کے جلدی مندر کے بھیتر دکھائی رادھا جو وہ دُکھی تھی

اُنھوں نے کچھ واں دوا بھی دی اور دکھائے کچھ جھوٹ منتر بھی
پڑھنت کیا تھی وہ اک کلا تھی ہوئیں وہیں اچھی رادھکا جی
ہر اک نے کی واہ واہ ہر دم اور اپنی گردن بہت جھکائی

ہوئیں جو چنگی وہ رادھکا جی تو سب مندر میں خوشی کے باجے
وہ برکھ بھان اور سبھی کٹم کے یہ بات من بیچ آ کے ٹھہری

کہ رادھکا کی سگائی ان سے کریں تو ہے گی یہ بات اچھی
جو رسم ہوتی سگائی کی ہے وہ سب اُنھوں نے خوشی سے کر دی
نظیر کہتے تھے اس طرح سے ہوئی ہے سیکشن کی سگائی

(۱۵۴)

دسم کتھا

اے دوستو یہ حال سنو دھیان رکھ ذرا
اور ہر طرف سے دھیان کے تئیں ٹک ادھر کو لا
یہ چرچا ہے اسکا واسطے سب کے بہت بھلا
کہتا ہوں میں یہ اگلے زمانے کا ماجرا
ہے نام اس بیان کا یارو دسم کتھا

سکھدیو نے کھا یہ پریچھت سے ہے کہی — اُس نے سُنی تو اُس کا ہوا دل بہت خوشی
پھر بھیکم ایک راجہ مندر کی جو مندری تھی — تھے پانچ بیٹے اُسکے بہت سُندر اور بلی
گھربار اُس کا دولت و حشمت سے بھر رہا

بیٹا بڑا تھا اُس کا سو اُس کا رکم تھا نام — اور رکمنی تھی بیٹی بہت خوب خوش خرام
روپ اور سروپ اُسمیں تھے سرپاؤں سے تمام — سکھیوں سہیلیوں میں وہ رہتی تھی خوشخرام
گہنا لباس تن پہ دہا تھا جھمک رہا

نارد من اک دن آئے جہاں پر تھی رکمنی — اور اُس سے بات اُنھوں نے وہ سیکشن کی کہی
لیلا سنائیں وہ سبھی روپ اور سروپ کی — جب رکمنی نے خوبی وہ سیکشن کی سُنی
سنتے ہی اُن کی ہوگئی جی جان سے فدا

ٹھہری یہ رکمنی کے وہیں دل میں آن کر — رہتی جبھی میں جاؤں ملے جب وہ مجھکو بر
دن رات دھیان اپنا لگی رکھنے وہ اُدھر — آنکھوں کو اپنی کرنے لگی آنسوؤں سے تر
بیچین دل میں رہنے لگی سب سے ہو خفا

چھپتی نہیں چھپائے سے صورت جو چاہ کی — سکھیاں سہیلیاں جو تھیں اور لڑکیاں سبھی
دیکھی جو رکمنی کی اُنھوں نے یہ بےکلی — جانا کہ رکمنی کا لگا ساتھ ہر کے جی
کہنے لگیں انھوں کی وہ باتیں بنا بنا

بولیں وہ سب کرشن تو اوتار ہیں بڑے — جو خوبیاں ہیں اُن میں کہاں تک کوئی کہے
روپ اور سروپ اُنکے کی کیا کیا صفت کرے — لیلا ہوئیں ہیں اُن سے جو ہوں کب وہ اور سے
مادیو کی ہے اُن کی وہ بسدیو جی پتا

جنمے وہ بدھ پور میں تو جب آدھی رات تھی — بسدیو اُن کو لے چلے گوکل اُسی گھڑی
جمنا نے اُنکے چھو کے چرن جلد راہ لی — پہونچے جو گھر میں نند جسودا کے کانھ جی
سب نیگیوں نے نیگ بدھائی کا واں لیا

بسدیو جی نے بھیجا گرگ پنڈتا کو واں
سُبھ نام جو کہ ہووے بیاں کر اسے عیاں
تو نام اُن کا جا کے وہاں کر بہت دھیاں
گوکل میں آ مصر نے بہت ہو کے شادماں
اُن کا کرشن نام بہت سودھ کر رکھا

تھے بالپن میں جھولتے ہر دم کرشن جی
اُس نے جو چھاتی زہر بھری اُنکے منھ میں دی
جب کنس نے وہ پوتنا بھیجی کہ لیوے جی
منھ لگتے ہی اُنھوں نے وہ جان اُسکی کھینچ لی
اُسکے پران کڑھ گئے اور کچھ نہ بس چلا

کاگا سر آیا دُشٹ لیا اُس کو مار بھی
سکٹا سُر آیا اُسکی بھی گاڑی اُلٹ ہی دی
پھر ترناونت کی بھی ہوا دُور کے سبھی
آیا سری دھر اُسکی بھی مٹّی خراب کی
جتنے وہ دُشٹ آئے سبھوں کو اُلٹ دیا

پھر پاؤں چلنے لاگے جو دھرتی پہ نندلال
سیانے ہوے تو ساتھ لیے اپنے گوال بال
آئے وہ جنکی گود میں اُن کو کیا نہال
مرلی کی دھن سُنا کے کیا سب کا جی نڈھال
گوئیں چرائیں بن میں وہ بنسی بجا بجا

دھمکا کے گوالنوں سے لیے دودھ اور دہی
جب گوالنوں نے آ کے جسودا سے یہ کہی
کھانے کھلائے اُن کو جو تھے ساتھ میں سبھی
جھڑکا اُنھوں نے سانٹے اُٹھا کر جو اُس گھڑی
ترلوک کھول منھ اُنھیں ہرنے دکھا دیا

جملا و ارجن اور وہ دو دیوتا جو تھے
مدت تلک وہ بن میں یونہیں تھے کھڑے ہوے
دو تاڑ بن گئے تھے کسی کے سراپ سے
لیلا سے اپنی کشن نے اُس بن میں آن کے
ویسا ہی دیوتا اُنھیں اک پل میں کر دیا

راچھس بہت جو کشن پہ آنے لگے وہاں
نے کر کٹم سب اپنا جو تھے خرد اور کلاں
نندا ور جسودا کی لگی دیکھ اُنسے جا تے جان
آکر وہ بندرابن کے لگے رہنے درمیاں
گوکل کا باس سب نے اُسی دن سے پھر تجا

لے گوال بال جانے لگے شیام من ہرن ۔ گوئیں لگے چرانے جہاں ہے یہ گوردھن
واں بھی بتا سر آیا بکا سُر بھی نکلا بن ۔ مارا اور اُسکی چونچ کو چیرا سمیت تن

آیا لکھا سُر اُس کے بھی سر کو اُڑا دیا

دکھلائی اپنی ہر نے جو لیلا وہ بچھ ہرن ۔ دیکھ اُس کو سب نے چوم لیے کشن کے چرن
ڈھنگ را چھس آیا پھر جو بنا کر وہ مکر و فن ۔ مارا اُسے بھی ہر نے جہاں ہے یہ تال بن

کالی کو دہ میں ناتھ کیا نیسر نرملا

گوئیں کھڑے چراتے تھے بن ہیں جو شیام جی ۔ اُس بن میں ایک دن جو ہیں آگ آن کر لگی
سب گوال بال چھکری گوئیں کھڑی سبھی ۔ لیلا سے واں بھی ہر نے وہ دیکھ اُنکی بے بسی

اُس آگ سے سبھوں کو لیا آن میں بچا

پھر کی جو لیلا چیر ہرن ہر نے خوب تر ۔ سر پت نے پھر وہ کوپ کیا اُن پر آن کر
سر پت کو واں اُٹھا لیا بنسی اُپر ادھر ۔ پھر سرد سمیں شیام نے لی ناریاں سندر

مرلی بجا کے رت کیا راس کو بنا

مارا وہ سانپ پاؤں پہ لپٹا جو نند کے ۔ لیں گوپیاں چھوڑا وہیں پھر سنگھ چور سے
سر کا سُر اور کیسی و بھوماسر آ گئے ۔ اپنے سے مکر ہر سے اُنھوں نے بہت کیے

ہر نے اُنھیں بھی مار کے بھوں پر دیا گرا

اک روز بندرابن سے لے آئے اُنھیں جو واں ۔ چلنے کو ساتھ اُنکے ہٹیں سب وہ گوپیاں
جمنا میں پھر نہائے جو اک روز شادماں ۔ ہر نے دکھائے واں اُنھیں لیلا سے پد نشاں

جو ہر ہی ہر دکھائی دیے اُن کو جابجا

جب بندرابن میں آئے تو دھوبی کو کنس کے ۔ مارا وہیں اور اُسکے لیے چیر جتنے تھے
سوجی سے لے لباس دیے پھر بہت اُسے ۔ چندن جو کبجا لائی تو خوش ہو کے شیام نے

سب کھو دیا جہاں تئیں کُبڑا پن اُس کا تھا

ڈیوڑھی پہ آئے جب تو وہ توڑا دھنک کے تئیں
درشن دیے وہ راجہ جو قیدی تھے سہمگئیں
رنگ بھوم میں گرا دیا پر بل کو بر زمیں
پھر کنس کے بھی کیس پکڑ کھینچ کر وہیں
سر اُسکا اک اشارے میں تن سے جدا کیا

پھر آئے واں جہاں تھے وہ بسدیو دیو کی
یہ باتیں ہر کی سن کے وہاں رُکمنی نے بھی
چرنوں پہ سیس رکھ کے بہت سی اسیس لی
چاہا یہی کہ دیکھوں میں صورت کرشن کی
بے تاب و بے قرار لگی رہنے سُکھ گنوا

اُسکو یہ باتیں کشن کی خوش آئی تھیں سبھی
ماں باپ رُکمنی کے بھی اور چاروں بھائی بھی
سنتی وہ ساتھیوں سے اُنھیں کو گھڑی گھڑی
بر رُکمنی کے ہوں وہی تھے چاہتے یہی
پر وہ رُکم جو تھا سو پسند اُسکو یہ نہ تھا

رکھتا تھا نام اُس کا تو جد بنس ہے جنم
گوئیں چراتا پھرتا ہے بن بن میں رکھ قدم
کاندھے پہ اُسکے کامری رہتی ہے دمبدم
دولت میں اور ذات میں اُس سے بڑے ہیں ہم
سسپال چندیری کا جو بر ہو تو ہے بھلا

یہ باتیں واں رکم سے جو سنتی تھی رُکمنی
جب بیکلی بہت ہوئی اور رہ سکا نہ جی
بیکل وہ بہت ہوتی تھی اور دل میں کڑھتی تھی
اک چھٹی اپنے حال کی ہر کے تئیں لکھی
بامن کے ہاتھ دوارکا میں دی وہیں بھجا

بامن جو ہر کی ڈیوڑھی پہ آ پہونچا راہ سے
جانے میں تھے مندر کے جو دربان روکتے
دیکھا تو واں ہیں چیری و چاکر بہت کھڑے
سنکر خبر یہ ہر نے بلایا وہیں اُسے
پرنام کر کے اونچے مکان پہ بٹھا دیا
نہ دیا بٹھا

بامن کی منتی کر کے لگے کہنے کشن جی
تم نے ہمارے حال پہ کر یا بڑی یہ کی
اُس نے زبانی کہہ کے جو احوال تھا سبھی
پھر رُکمنی کی چھٹی جو لایا سو ہر کو دی
ہر نے پڑھا اُسے تو یہ احوال تھا لکھا

اے برج راج کشن منوہر مدن گوپال
دن رات تم سے ملنے کو رہتی ہوں میں نڈھال
میں درشنوں کی آپ کے مشتاق ہوں کمال
درشن سے اپنے مجھ کو بھی آکر کرو نہال
سب دھیان میں تمہارے ہی رہتا ہے من لگا

سسپال بیاہنے کو مرے اب تو آتا ہے
یہ غم تو میرے دل کو نہایت ستاتا ہے
سب راجے اور ساتھ جراسند لاتا ہے
اس اپنی بے بسی پہ مجھے رونا آتا ہے
تم ہر ہو میرے من کی کرو دور سب بتھا

اے کشن جی تم آؤ کہ اب وقت ہے یہی
ہرنے وہ چھٹی پڑھ کے منگا رتھ وہ جگمگی
اپنے چرن سے لاج رکھو میری اس گھڑی
ہو کر سوار جلد چلے واں سے کشن جی
بامن بھی اپنے ساتھ وہ رتھ میں لیا بٹھا

سسپال اسمیں آن کے پہونچا شتاب واں
باجے منڈیلے گھر میں لگیں گانے ناریاں
اگوانی کے لینے کو بھیکم گیا دُواں
آنکھوں سے رُکمنی کے وہ آنسو ہوئے رواں
سُندر کا منھ وہ آنسو کے بہنے سے بھر گیا

جوں جوں وہ ہر کے آنے میں دیر ہوتی تھی
تکتی تھی ہر کی راہ نہ کھاتی نہ سوتی تھی
کوٹھے پہ اپنے رُکمنی واں چڑھ کے روتی تھی
بیکل کی طرح پھرتی تھی اور ہوش کھوتی تھی
کچھ رُکمنی سے رونے سوا بن نہ آتا تھا

کہتی تھی کیوں یہ کشن مراری نے دیر کی
برجراج روپ مکٹ سنواری نے دیر کی
موہن نول کشور بہاری نے دیر کی
یا چاہ بے اثر یہ ہماری نے دیر کی
بامن جو میں نے بھیجا تھا وہ بھی نہیں پھرا

اس میں مکند پُرکے جو ہر آئے عنقریب
خوش رُکمنی کا جی ہوا جوں گل سے عندلیب
جھلکے کلس وہ رتھ کے ہوئی روشنی عجیب
بولی خوشی ہو من میں کہ جاگے مرے نصیب
بامن نے بھی وہ آنے کو ہر کے دیا سُنا

بن ٹھن کے جب خوشی سے وہ پوجا کے تئیں چلی
سُندر کی جاتی پانوُں کی پائل جو باجتی
ساتھ اُس کے ناریاں چلیں گاتی بہت خوشی
روپ اور سروپ اُسکا بیاں کیا کرے کوئی
پہونچی خوشی سے واں جہاں تھی پوجنے کی جا

جس جس کو پوجا واں یہی اُس نے کیا بیاں
لینے کو درشن اُسکے ہوئی ہوں میں نیم جاں
کرپا کرو جو مجھ کو ملیں برج راج یاں
جلدی ملاؤ تم جو رہے لاج میری ہاں
ہر دیوتا سے وہ یہی کرتی تھی التجا

جب دیوی دیوتا کی وہ پرنام کر چکی
اس واسطے کہیں مجھے درشن دیں کشن جی
سُندر دلاری آگے کو چل کر ٹھٹک رہی
تو دیکھ وہ سروپ مری ہووے زندگی
بچ جاوے جی پہ لاج بھی میری رہے بچا

سندر نویلے روپ کا میں کیا کروں بیاں
پوشاک بھی بدن پہ چمکتی تھی زرفشاں
مکھ یوں جھمک رہا تھا کہ جوں ماہ آسماں
سرپاؤں سے بھرے تھے وہ گہنے کے دریاں
کیا وصف اُس کا ہو سکے زیب و نگار کا

دیکھا مکند پر سے جو لوگوں نے ہر کو واں
آپس میں سب وہ کہتے تھے نر اور ناریاں
سب درشن اُنکے پاکے ہوے جی میں شادماں
بر رُکمنی کے یہ ہوں تو ہر من کو سکھ ہو یاں
ہر دم اسی مراد کی مانگیں تھے سب دعا نے تھیں

بھیکم جو ہر کے لینے کو آیا بہت خوشی
اتنے میں رکمنی جو تھی ہر کے لیے کھڑی
درشن جو ہر کے پائے تو منتی بہت سی کی
درشن جو پائے آگیا واں اُسکے جی میں جی
ہر نے پکڑ کے ہاتھ لیا رتھ میں واں بٹھا

سسپال اپنے لے کے کٹک آگیا وہاں
آیا رکم جو بان دھنک لے کے اور سناں
بان اُسکی ہر نے کاٹ بھگایا اُسے ندان
اُسکو بھی ہر نے باندھ لیا کاٹ اُس کی بان
منتی سے رکمنی نے دیا اُس کا جی چھٹا

سسپال کا بھی ہر نے دیا پل میں گربھ کھو
آیا رکم بلی جو بہت کر کے گربھ کو
جو تھا غرور اُسکا سو سب ڈالا دم میں دھو
بالوں سے اُسکے ہاتھ بندھے اور رہا وہ رو
سچ کہتے ہیں کہ گربھ ہے جگ میں بہت بڑا

جب رُکمنی سے کہنے لگے ہنس کے واں یہ ہر
کھویا رُکم کو اور رجرا سندھ کو اُدھر
سسپال کو گربھ نے کیا سب میں خوار تر
آئے تھے جس گربھ سے وہ لڑنے کو اب اِدھر
آخر اُسی گربھ نے دیا اُن کا سر جھکا

سسپال اور رُکم کا ہوا جب یہ حال واں
لے رکمنی کو ہر ہوئے پھر دوارکا رواں
بلدیو جی نے اُنکے کٹک سب بھگائے واں
جب آن پہونچے خوش ہوئے سب نر و ناریاں
دیکھا جمال اُن کا تو پایا بہت بھلا

پھر دیوکی جو آئیں بہت ہو کے خوش ادھر
سب ناریاں بھی آن کے بیٹھیں ادھر اُدھر
پانی پیا اُنھوں نے وہیں ہر پہ وار کر
جتنا صحن تھا گھر کا رہا سب وہ اُن سے بھر
شادی کے باجے بجنے لگے شور غل مچا

سب دوارکا میں دھوم یہ شادی کی مچ گئی
در پر براتیوں کی بہت بھیڑ آ لگی
باجے مجیرے طبلے دمامے بھی اور تُرئی
سو بھا سے دوار پر وہ بندھن وار بھی بندھی
پنڈت بلا سگن سے وہ پھیرے دیے پھرا

بیٹھے تھے دوارکا کے وہاں خرد اور کبیر
سامان تھے ہزاروں ہی شادی کے دلپذیر
ہوتے تھے راگ رنگ خوشی تھے جوان و پیر
جو خوبیاں ہوئیں سو وہ کیا کیا کہے نظیر
اس ٹھاٹھ سے وہ بیاہ عجب کشن کا ہوا
ختم بیاہ ہلا ہر

ہر کی تعریف میں

میں کیا کیا وصف کہوں یارو اُس شیام برن اوتاری کے
گوپال منوہر سانولیا گھنشام اٹل بنواری کے
کر دھوم لُٹیا دودھ ماکھن اجھوا رنول گردھاری کے
ہر آن دکھیا روپ نئے ہر لیلا نیاری نیاری کے

سیکشن کنھیا مرلی دھر من موہن کنج بہاری کے
نندلال دُلارے سُندر چھپ بج چند مکٹ جھلکاری کے
بن کنج پھر یا راس رچن سُکھ دائی کاٹھ مراری کے
پت لاج رکھیا دُکھ بھنجن ہر بھگتی بھگت دھاری کے

نت ہر بھج ہر بھج رے بابا جو ہر سے دھیان لگاتے ہیں
وہ ہر کی آسا رکھتے ہیں ہر اُن کی آس پجاتے ہیں

جو بھگتی ہیں سو اُن کو تو نت ہر کا نانوٗ سہاتا ہے
نت من میں ہر ہر بھجتے ہیں ہر بھجنا اُنکو بھاتا ہے
من اُنکا اپنے سینے میں دن رات بھجن ٹھہراتا ہے
جو دھیان بندھا ہی چاہت کا وہ اُنکا من بہلاتا ہی

جس گیان میں ہر سے نیہ بڑھے وہ گیان اُنھیں خوش آتا ہی
سُکھ من میں اُنکے لاتا ہی دُکھ اُنکے جی سے جاتا ہے
ہر نام کی سمرن کرتے ہیں مکھ چین اُنھیں دکھلاتا ہے
دل اُنکا ہر ہر کہنے سے ہر آن نیا سُکھ پاتا ہے

ہر نام کے جپنے سے من کو خوش نیم جتن سے رکھتے ہیں
نت بھگتا جتن میں رہتے ہیں اور کام بھجن سے رکھتے ہیں

جو من میں اپنے نسچہ کر ہیں دوالے ہر کے آن پڑے
ہر نام بھجن کی پروا ہی اور کام اُسی سے ہیں رکھتے
کچھ دھیان نہ ادھر ادھر کا ہر آسا پر ہیں من دھرتے
کچھ آن اٹک جب پڑتی ہی من بیچ نہیں چنتا کرتے

ہر وقت مگن ہر آن خوشی کچھ نہیں من میں چنتا لاتے
ہر من میں ہر کی یاد لگی ہر سمرن میں خوش ہیں رہتے
جس کام سے ہر کا دھیان رہے ہر کام وہی ہر دم کرتے
نت آس لگائے رہتے ہیں من بھیتر ہر کی کرپا سے

ہر کارج میں ہر کرپا سے وہ من میں بات نہارتے ہیں
من موہن اپنی کرپا سے نت اُنکے کاج سنوارتے ہیں

سی کشن کی جو جو کرپا ہیں کب مجھ سے اُنکی ہو گنتی
مذکور کروں جس کرپا کا وہ بنتی ہے اس بھانت سُنی
تھی نرسی کی اُس نگری میں دکان بڑی صرافی کی
تھا روپ گھنا اور فرش بچھا پرتیت بہت اور ساکھ بڑی

ہیں جتنی اُنکی کرپائیں اک یہ بھی کرپا ہے اُنکی
جو اک بستی ہر جونا گڑھ واں رہتے تھے مہتا نرسی
بیوپار بڑا صرافی کا تھا بستا لیکھن اور بہی
تھے ملتے جلتے ہر اک سے اور لوگ تھے اُنسے بہت خوشی

کچھ لیتے تھے کچھ دیتے تھے اور بہیاں دیکھا کرتے تھے
جو لین دین کی باتیں تھیں پھر اُنکا لیکھا کرتے تھے

دن کتنے میں پھر نرسی کا سری کشن چرن سے دھیان لگا
سب کاج بسارے کام تجے ہر نام بھجن سے من لاگا
تھا جو کچھ دکاں بیچ رکھا وہ درب جمع اور پونجی کا
ہو بیٹھے ہر کے دوارے پر سب میت کٹم سے ہاتھ اُٹھا

جب بھگتی ہر کے کہلائے سب لیکھا جوکھا بھول گیا
جا بیٹھے سادھ اور سنتوں میں نت سنتے رہتے کشن کتھا
مدھ پریم کے ہو کر متوالے سب سادھوں کو ہر نانوں دیا
سب چھوڑ بکھیڑے دنیا کے نت ہر سمرن کا دھیان لگا

ہر سمرن سے جب دھیان لگا پھر اور کسی کا دھیان کہاں
جب چاہت کی دوکان ہوئی پھر پہلی وہ دوکان کہاں

کیا کام کسی سے اُس من کو جس من کو ہر کی آس لگی
سکھ چین سے ہر کے دوارے پر سنتوکھ ملا آنند ہوئی
نے کپڑے لتے کی پروا نہ جیتا لٹیا تھالی کی
دھن جتنی لین اور دین کی تھی سب من کو بھولی اور بسری

پھر یاد کسی کی کیا اُسکو جس من نے ہر کی سمرن کی
بیوپار رہا جب چاہت کا پھر کیسی لیکھن اور بہی
جب من کو ہر کی پیت ہوئی پھر اور رہی کچھ ترتیب بھی
نت دھیان لگا ہر کرپا سے ہر آن خوشی اور خوشوقتی

تھی من میں ہر کی پیت بھری اور جھیلے کر تو ریتے تھے
کچھ فکر نہ تھا سندیھ نہ تھا ہر نام بھروسے جیتے تھے

نت من میں ہر کی آس دھرے خوش رہتے تھے واں یوں نرسی
اور بیٹی کے گھر جب شادی واں ٹھہری بالک ہونے کی
مل بیٹھیں گھر میں ڈھول بجا آنند خوشی کی دھوم مچی

اک بیٹی آ لکھ جنمی تھی سو اور کہیں وہ بیاہی تھی
تب آئیں ادھر اُدھر سے سب نائیاں اُسکے کنبے کی
سب ناچیں گائیں رسمیں ہر ریت جو شادی کی ہوتی

کچھ شادی کی خوش شوقی تھی کچھ سونٹھ سنٹھورے کی ٹھہری
کچھ چٹک چھمک تھی ابرن کی کچھ خوبی کاجل مہندی کی

ہے رسم یہی گھر بیٹی کے جب بالک منہ دکھلاتا ہے
تب بالک اسکی چھوچھک کا ننھیال سے بھی کچھ جاتا ہے

واں ناریاں جتنی بیٹھی تھیں سمدھیانے میں نرسی کے
کچھ ریت نہیں آئی ابتک اے لال تمہارے میکے سے
تب بولی بیٹی نرسی کی اُن ناریوں کے آکر آگے
وہ بولیں کچھ تو لکھ بھیجو یہ بولی کیا اُن کو لکھیے

جب نرسی کی واں بیٹی سے یہ بولیں ہنسکر طعنہ دے
اور دلمیں تھیں یہ جانتی سب وہ کیا ہیں اور کیا بھیجیں گے
وہ بھگتی ہیں بیراگی ہیں جو گھر میں تھا سو کھو بیٹھے
کچھ اُن کے پاس دھرا ہوتا تو آپ ہی وہ بھجوا دیتے

جو چٹھی میں لکھ بھیجوں گی وہ بانچ اُسے پچھتاویں گے
اک دمڑی اُنکے پاس نہیں وہ چھوچھک کیا بھجوا دینگے

اُن ناریوں کو تو کرنی تھی اُسوقت ہنسی واں نرسی کی
سامان ہیں جتنے چھوچھک کے سب بھیجو چٹھی پڑھتے ہی
کچھ جیٹھ جٹھانی کا کہنا کچھ باتیں ساس اور نندوں کی
تھی ایک ٹھٹھولنی گھر کی جو سب بولیں "تو بھی کچھ کہتی"

بلوا کے لکھیا جلدی سے یہ بات اُنھوں نے لکھوا دی
وہ چیزیں اتنی لکھوائیں بن آئیں اُنسے ایک کبھی
کچھ دیورانی کی بات لکھی کچھ اُنکے جو جو جی میں تھی
وہ بولی اُن سے ہنسکر واں منگواؤں کیا میں پتھر جی

وہ لکھنا کیا تھا واں لوگو من چہل ہنسی پر دھرنا تھا
ان چیزوں کے لکھ بھیجنے سے شرمندہ اُنکو کرنا تھا

جب چٹھی نرسی پاس گئی تب بانچتے ہی گھبرا گئے
یہ ایک نہیں بن آتا ہے ہیں جو جو چٹھی بیچ لکھے
وہ بھیجے اتنی چیزوں کو یاں کچھ بھی ہو مقدور جسے
اسوقت بڑی لاچاری ہے کچھ بن نہیں آتا کیا کیجے

بچیاسے من میں اور کہا یہ ہو سکتا ہے کیا مجھ سے
ہے یہ تو کام کٹھن اس دم واں کیونکر میری لاج رہے
کچھ چھوٹی سی یہ بات نہیں اس آن بھلا کس سے کہیے
پھر دھیان لگا ہر آسا پر اور من کو دھیرج اپنے دے

وہ ٹوٹی سی اک گاڑی تھی چڑھ اُسپر بے دسواس چلے
سامان کچھ اُنکے پاس نہ تھا رگھو شیام کی من میں آس چلے

ہر نام بھروسا رکھ من میں چل نکلے واں سے جب نرسی
تھی سر پہ پھٹی سی پگڑی اور پھٹی جامے کی مسکی
تھے جاتے رستے بیچ چلے تھی آس لگی ہر کرپا کی
واں اتنا کچھ ہر لکھ بھیجا میں ذکر کروں اب کس کس کی

گو پتے میں کچھ چیز نہ تھی پر من میں ہر کی آسا تھی
کچھ ظاہر میں اسباب تھا کچھ صورت بھی بچیائی سی
کچھ اسدم میرے پاس نہیں ہاں چاہئیں چیزیں بہتیری
جو دھیان میں اپنے لاتے تھے کچھ بات نہیں بن آتی تھی

جب اُس نگری میں جا پہونچے سب بولے نرسی آتے ہیں
اور لانے کی جو بات کہو اک ٹوٹی گاڑی لاتے ہیں

کوئی بات نہ آیا پوچھنے کو جب جا کے دیکھا نرسی کو
جب بیٹی نے یہ بات سنی کہہ بھیجا کیا کیا لائے ہو
وہ ہنس ہنس اپنے ہاتھوں سے یاں دینا ہے اب جس جسکو
تھا پاس ہمارے کیا بیٹی اب لانے کی کچھ مت پوچھو

اور جتنا جتنا دھیان کیا کچھ پاس نہ دیکھا اُنکے تو
جو چھوچھک کے سامان کیے سب گھر میں جلدی بھجوا دو
یہ بولے تب اُس بیٹی سے ہر کرپا اوپر دھیان دھرو
کچھ دھیان جو لانے کا ہووے سکیشن کہو سکیشن کہو

اس آن جو ہر نے چاہا ہے اک پل میں ٹھاٹھ بناوینگے
ہے جو جو یاں سے لکھ بھیجا اک آن میں سب بھجواوینگے

سکیشن بھروسے جب نرسی یہ بات جو من سے کہہ بیٹھے
کچھ چھکڑوں پر اسباب کسے کچھ بھینسوں پر کچھ اونٹ لدے
کل کپڑوں پر انبار ہوئے اور ڈھیر کناری گوٹوں کے
تھا ینگ میں دنیا ایک جسے سو اسکو بس انمیں دیکھے

کیا دیکھتے ہیں وہ ان آتے ہی سب ٹھاٹھ وہ اُسجا آ پہونچے
تھے ہنسلی کھڑوے سونے کے اور تاش کی ٹوپی اور کرتے
کچھ گہنے جھمکے چار طرف کچھ چمکی چیر جھلا جھل کے
اب واہ واہ کی اک دھوم مچی اور شور ہا ہا کے ٹھہرے

تھی وہ جو ننلنی اُسکی ماں وہ بھولی جسدم دھیان پڑی
سو اُسکے لیے پھر اوپر سے اک سونے کی سل آن پڑی

واں جسدم ہر کی کرپا نے یوں نرسی کی تب لاج رکھی
بہتیرے آدر مان ہوئے اور نام بڑائی کی ٹھہری
سب لوگ کٹم کے شاد ہوئے خوش وقت ہوئی پھر بیٹی بھی

اُس نگری بھیتر گھر گھر میں تب نرسی کی تعریف ہوئی
جو لکھ بھیجی تھی طعنے سے ہر مایا سے وہ سانچ ہوئی
وہ ننگی بھی خوشحال ہوئے تعریفیں کر کر نرسی کی

واں لوگ سب آئے دیکھنے کو اور دوانے دیکھ بھیڑ لگی
یہ ٹھاٹھ جو دیکھے چھو چھک کے سب بستی بھیتر دھوم پڑی

جو ہر سے کام رکھیں انکا پھر پورا کیونکر کام نہ ہو
جو ہر دم ہر کا نام بھجیں پھر کیونکر ہر کا نام نہ ہو

سیکشن نے واں جب پوری کی سب نرسی کے من کی آشا
یہ ایسی چھو چھک لیجاتے سو انمیں تھا مقدور یہ کیا
جو ہر کرپا نے ٹھاٹھ کیا وہ ایک آن سے بن آتا
یہ کرپا اُن پر ہوتی ہے جو رکھتے ہیں ہر کی آسا

اک پل میں کردی دور سبھی جو انکے من کی تھی چنتا
یہ آدر مان وہاں پاتے یہ لسے کب ہو سکتا تھا
یہ اتنی جسکی دھوم مچی سو ٹھاٹھ وہ تھا ہر کرپا کا
ہر کرپا کا جو وصف کہوں وہ باتیں ہیں سب ٹھیک بجا

ہیں شاد نظیر اب ہر دم وہ جو ہر کے نت بلہاری ہیں
سیکشن کہو سیکشن کہو سیکشن بڑے اوتاری ہیں

(۱۵۶)

بیان سیکشن و نرسی اوتار

دنیا کے شہروں میں میاں جس جس جگہ بازار ہیں
کتنے اسی بازار میں زر کے ہی پیشہ دار ہیں

کس کس طرح کے ہیں ہنر کس کس طرح کے کار ہیں
بیٹھے ہیں کر کر کوٹھیاں زر کے لگے انبار ہیں

سب لوگ کہتے ہیں انھیں یہ سیٹھ ساہو کار ہیں

ہیں فرش کوٹھی میں بچھے تکیے لگے ہیں زر فشاں
کچھ بیٹھ کی کچھ پرت کی آتی ہیں باتیں درمیاں

بہیاں کھلی ہیں سامنے لکھتے ہیں لکھی کار واں
لاکھوں کی لکھتے درشنی سو سیکڑوں کی ہنڈیاں

کیا کیا منتی اور سود کی کرتے سدا تکرار ہیں

کچھ مول کا مذکور ہے کچھ بیاج کا ہے ٹھک ٹھکا
دلال ہنڈی پیٹھ کے بامن پر کھے شد ھ سوا

پھیلاؤ ہیں گھر بیچ کے بیجک کا چرچا ہو رہا
آڑت بٹھاتے ہر جگہ چٹھی لکھاتے جا بجا

کچھ رکھنے والے کے پتے کچھ جوگ کے اقرار ہیں

تھوڑی سی پونجی جنکی ہے بیٹھیں ہیں وہ بھی مل کے یاں
ایدھر ٹکے دس بیس کے اُدھر دھری ہیں کوڑیاں
اور جو ہیں حد ٹٹ پونجیے وہ کوڑیوں کی تھیلیاں
کاندھوں پہ رکھ جاتے ہیں واں لگتی جہاں ہیں گدڑیاں
دیکھا تو یہ سب پیٹ کے دھندے ہیں ادر بستار ہیں

ہے یہ جو صرافہ میاں ہیں ان میں کتنے اور بھی
ہت کے پرکھے کا درب چاہت کی چوکھی اشرفی
جو گیانی دھیانی ہیں بڑے کہتے انھیں کو سیٹھ جی
دھن دھیان کے کل ڈھیر میں کوٹھی بھی ہے کوٹھی بڑی
من کی پریم اور پیت کا کرتے سدا بیوپار ہیں

ہیں روپ درشن اُس کے چلکے روپے من میں بھرے
ہنڈی لکھیں اُس ساہ کو جاتے ہی جو پل میں سٹے
لیکھن سے لیکھا چاہ کا چت کی سرت سے لکھ رہے
جس لوک میں ہے من لگا اُس باس کی بسنی بجھے
نت پیم کی ہول بیچ میں بہیاں دھریں دو چار ہیں

بیجک لگاتے ہیں جہاں دھوکا نہیں پڑتا ذرا
جس بات کی دیں لکھیں وہ ٹھیک پڑتی ہیں سدا
ہے جمع دل ہر بات سے من اصل مطلب سے لگا
حاجت تقاضے کی نہیں لینا سب آتا ہی چلا
جو بات کرنی جوگ ہے اُس میں بڑے ہشیار ہیں

رہتے ہیں خوش جی میں سدا فکر کچھ رہتے نہیں
بیوپار کرتے ہیں بڑے ہر آن رہتے ہیں وہیں
جھگڑا نہیں کرتے ذرا غصہ نہیں ہوتے کہیں
ست کی اُنّتی سے من لگا سکھ چین ہے جی کے تئیں
کھوٹے ملت سے کام کیا اُنکے کھرے ہتکار ہیں

کرتے ہیں نت اُس کام کو جو ہے سمایا گیان میں
جو دھیان ہے من میں بندھا رہتے ہیں خوش اُس دھیان میں
سندیہ کا بیپا تکار رکھتے نہیں دوکان میں
نت من کی سمرن سادھ کر ہر وقت ہیں ہر آن میں
جس نار کا آدھار ہے اُس سے لگائے تار ہیں

جس من ہرن محبوب سے من کی لگائی چاہ ہے
سب لین کی اور دین کی اُس کو اُسی سے راہ ہے
جو دل کی لیکھن سے لکھا اُس سے وہی آگاہ ہے
اُنکو اُسی سے ساکھ ہے اُنکی وہی اک راہ ہے
کوڑی سے لیکر لاکھ تک اُنکے وہی بیوپار ہیں

اس بھید کا اے دوستو اس بات میں دیکھو پتا | تھے نرسی مہتا ایک جو صرافی کرتے تھے سدا
محفوظ تھے خوشحال تھے دوکان میں زر تھا بھرا | سکشن جی کے دھیان میں رہتا تھا اُن کا من لگا
سُمن تو یہ اُنکی پیت اور پرتیت کے اپکار ہیں

جوں جوں بڑھا ہردے میں نت مدھ پریم کا پیالا پیا | پیسا ٹکا جو پاس تھا سب سادھ سنتوں کو دیا
سب کچھ تجا ہر دھیان میں اور نام ہر کا لے لیا | نت داس متوالے بنے ہر کا بھجن ہر دم کیا
پر گھٹ گئے سب دیکھ پر جو نیہ کے آثار ہیں

سب تج دیا ہر دھیان میں یہ بیت کا ٹھہرا جتن | کرتے بھجن سکشن کا ہر حال میں رہتے مگن
نرسی کی یہ پریت ہو گئی دے کر بدن موہن کو من | چاہت میں ساونل ساہ کی اپناہ بھلایا تن بدن
سب بھگت باتیں ساتھ لیں جو اشٹ میں رکار ہیں

دن رات کی مالا پھری سکشن جی سکشن جی | ٹھہرا زباں پر ہر گھڑی سکشن جی سکشن جی
کہتا سدا سینے میں جی سکشن جی سکشن جی | جاتے جہاں کہتے یہی سکشن جی سکشن جی
جو پریم کے پورے ہوئے اُنکے یہی اطوار ہیں

کہتے ہیں یوں اک دیس میں رہتے جو کتنے سادھ تھے | وہ درسنوں کے واسطے جب دوارکا جی کو چلے
آپہونچے اس نگری میں جب نرسی جہاں تھے بہت بھرے | اُترے خوشی سے آن کر اور واں کئی دن تک رہے
پوجا بھجن کرنے لگے سادھواں کے جو اطوار ہیں

وہ سادھ جو اُترے تھے واں کچھ تھے روپے اُنکے کنے | چاہا اُنھوں نے ورشتی ہنڈی لکھا لیں سیٹھ سے
لیویں روپے ہنڈی لکھا جب دوارکا میں جا نکلے | کارج سنواریں دھرم کے جو نیکنامی واں ملے
کرتے ہیں کارج پریم کے جا کے جو اُس دربار ہیں

لوگوں سے جب اس بات کا سادھوں نے واں چرچا کیا | اور ہر کسی سے اُس گھڑی گھر پوچھا ساہوکار کا
اُس چھوٹی نگری میں بڑا نرسی کا یہ بیوپار تھا | سکشن جی کی چاہ میں بیٹھے تھے سب اپنا گنوا
مفلس سے کب وہ کام ہوں کرتے جو اب سردار ہیں

کتنے جو ٹھٹے باز تھے جس دم اُنھوں نے یہ سنا
تو لمیں ہنسی کی راہ سے سادھواں سے یوں جاکر کہا
اک نرسی مہتا ہیں بڑے صراف یاں کے واہ وا
تم درشنی ہنڈی جو ہو ہاتھ سے اُن کے لکھا
ہو ساکھ اُنکی یاں بڑی جتنے یہ ساہوکار ہیں

وہ سادھ کیا جانے کہ یاں یہ کرتے ہیں ہم سے ہنسی
لے کر روپے اور پوچھنے آئے بہت ہو کر خوشی
نرسی کے آئے پاس جب دل کی وہ بات اپنے کہی
لکھ دو ہمیں کر پا سے تم اسوقت ہنڈی درشنی
ہم دوارکا کو آجکل جلدی سے چلنے ہار ہیں

نرسی نے یوں سنکر کہا میں تو غریب ادنیٰ ہوں جی
سادھو مری دوکان تو مدت سے ہے خالی پڑی
نے ہے مری آڑت کہیں نے سیت میرا ہے کوئی
ہے پاس میرے لکھنی نے ایک ٹوٹی سی بہی
یہ بات واں کیجئے جہاں نت ہنڈیاں ہر یار ہیں

جاکر لکھاؤ اور سے پر تیت سادھو کیا مری
ہے میرے پڑ رہنے کو یاں ٹوٹی سی اک جھونپڑی
تن پر مرے کپڑا نہیں نے گھر میں تھالی کرچھلی
میں تو سڑی خبطی سا ہوں کیا ساکھ میری بات کی
سب ناؤں دھرتے ہیں مجھے جو میرے ناتے دار ہیں

یہ بات سنکر سادھ واں نرسی سے بولے اُس گھڑی
لکھ دو اُنھیں کے جوگ تم ہم کو یہ ہنڈی درشنی
گر یاد سانول ساہ کی نرسی نے واں ہنڈی لکھی
سادھوں نے ہنڈی لیکے واں سے دوارکا کی راہ لی
کہتے چلے لینے روپے اب واں تو بے تکرار ہیں

لوگوں نے جانا اب بہت نرسی کی خواری ہو ویگی
لکھ دی اُنھوں نے اب جو یاں کاہے کو یہ ہنڈی بھی
یہ دوارکا سے سادھ یاں آ دینگے پھر کر جس گھڑی
پکڑینگے اُن کو آن کر لوگوں میں ہو دیگی ہنسی
کھوئے ہیں بہت انسان کی جھوٹے جو کاروبار ہیں

نرسی نے وہ لیکر روپے رکھ دھیان ہر کی آس کا
تھے جتنے سادھ و سنت سب کو واں لیا اُس دم بلا
پوری کچوری اور دہی شکر مٹھائی بھی منگا
سب کو کھلایا کتنے دن اور سب غریبوں سے کہا
من مانتا کھاؤ پیو یہ جو لگے انبار ہیں

برفی جلیبی اور لڈو سب کو وہاں برتا دیے
وہ سادھ ہنڈی درشنی لے دوارکا میں جب گئے
جب سوچ آیا من میں یوں ہوتا ہے کیا اب دیکھیے
کوٹھی کو سانول شاہ کی واں ڈھونڈھتے ہر جا پھرے

ہم جن کو ہیں یاں ڈھونڈھتے یاں وہ نہیں تہار ہیں

بے آس ہو کر جس گھڑی وہ سادھ بیٹھے سر جھکا
اتنے میں دیکھا دور سے اک رتھ ہے واں آتا چلا
کلسی جھمکتی جگمگا چھتری سنہری خوشنما
اک شخص بیٹھا اُسمیں ہے سانول برن ہے من ہرا

رتھ کی جھلک سے اُسکی واں روشن عجب انوار ہیں

وہ سادھ دیکھ اُس ٹھاٹھ کو کچھ من میں گھبرا سے گئے
جلدی اُٹھے اور سامنے رتھ کے ہوئے آ کر کھڑے
پوچھا اُنھوں نے کون ہو تب سادھ یوں کہنے لگے
نرسی کی ہنڈی درشنی ہے جوگ سانول ساہ کے

سو ہم کو وہ ملتے نہیں اب ہم بہت ناچار ہیں

یہ کہہ کے ہنڈی درشنی جس دم اُنھوں نے دی دکھا
سنکر کشن جی نے پیار سے ہر حرف ہنڈی کا پڑھا
جتنے روپے تھے واں لکھے وہ سب دیے اُنکو دلا
وہ خوش ہوئے جب کشن نے یوں ہنسکے سادھوں سے کہا

یہ اب جنھوں نے ہے لکھی ہم اُنسے رکھتے پیار ہیں

اب جو ملو گے اُن سے تم کہیو ہماری اور سے
جو تھے روپے تم نے لکھے وہ ہم نے سب اُنکو دیے
یہ کام کیا تم نے کیا تھوڑے روپے جو اب لکھے
آگے کو اب سمجھو یہی اتنے روپے کیا چیز تھے

لاکھوں لکھو گے تم اگر دینے کو ہم تیار ہیں

وہ سادھ اپنے لے روپے پھر شہر کے بھیتر گئے
کارج جو کرنے تھے اُنھیں من مانتے وہ سب کیے
پھر دوارکا سے چل کے وہ نرسی کی نگری میں گئے
نرسی سے لوگوں نے کہا نرسی بہت دل ہیں ڈرے

دو نگا کہاں سے میں روپے یہ تو بہت کی بھار ہیں

جب سادھ ملنے کو گئے نرسی وہیں پا چھینے لگے
وہ منتیاں کرنے لگے اور پاؤں نرسی کے چھوئے
پرشاد لائے اور روپے کچھ روبرو اُنکے دھرے
اور جو سندیسا تھا دیا سب وہ بچن اُن سے کہے

نرسی نے جانا کشن کی کرپا کے یہ اسرار ہیں

من میں جو نرسی خوش ہوئے سب سادھو یوں کہنے لگے
سب ہم نے بھر پائے روپے اور ہر کے درشن بھی کیے

ہنڈی بڑی لکھتے رہو ہر نے کہا ہی آپ سے
نرسی یہ بولے اُن سوا اب کس سے ہو کر پا سکے

جو جو کہا سب ٹھیک ہے وہ تو مہا اوتار ہیں

نرسی کی سانول سیاہ نے جب اس طرح کی پت رکھی
اور یوں کہا آگے کو تم لکھتے رہو ہنڈی بڑی

بلہاری نرسی ہو گئے سیکشن نے کر یا یہ کی
جسکا نظر ایسوں کی ہر جی جان سے چاہت لگی

وہ سب طرح ہر حال میں اُسکے نباہن ہار ہیں

(۱۵۷)

درگا جی کے درشن

من ہاس نہ کیئے کیونکر جی ہی کاشی نگری برسن کی
ہی تیر گیانی دھیانی کا ہر نیڈت اور دھن برسن کی

جو بسنے ہارے دور کے ہیں یہ بھوم ہی اُن من ترسن کی
اُس پوی یونی نٹ کھٹ کے ہی چاہ چرن کے پرسن کی

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہی ہرسن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

اُس منڈل اونچے گمٹ میں جو دیبی آپ براجت ہیں
اُن برن ایسے جھلکت ہیں جو دیکھ چندرماں لاجت ہیں

دھن پوجا کھن ٹھن کی ایسی نت نوبت نوباجت ہیں
اُس سندر مورت دیبی کا جو برنن ہو سب چھاجت ہیں

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہرسن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو ہر سے اُس دیبی کی وہ دو دُرسا سے دھاوت ہی
جو دھیان لگا کر دھاوت ہی سب واکی آس پُجاوت ہی

جب کر یاد اکی ہووت ہی تب وہ اسکے درشن پاوت ہی
نکھ دیکھت ہے داموت کا من تن میں سیس نواوت ہی

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہرسن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو نیمی ہیں وہ امورت کے وہ اُن کی بات سُدھارن ہیں
ہر گیانی واکے سرن ہیں ہر دھیانی سادھ اُدھارن ہیں
سکھ چین جو وہ تیں مانگت ہیں وہ اُنکی چنتا ہارن ہیں
جو سیوک ہیں وہ امورت کے وہ اُنکے کاج سنوارن ہیں

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جب ہر لی پاپ چھپے اُس جاگہ دن آکر منگل ہوتا ہے
ٹک دیکھو جیدھر آنکھ اُٹھا ہر ناری کا دل ہوتا ہے
ہر چار طرف اُس دیول میں انبوہ کمگل ہوتا ہے
ہر من میں منگل ہوتا ہے آنند پرچھپل ہوتا ہے

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو باغ لگے ہیں مندر تک وہ لوگوں سے سب بھرتے ہیں
کچھ بیٹھے ہیں خوشوقتی سے دل عیش و طرب پر دھرتے ہیں
وہ چہلیں ہوتی ہیں جتنی سب من کے لیچ لبرتے ہیں
کچھ دیکھ بہاریں خوباں کی ساتھ اُنکے سیریں کرتے ہیں

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو چیزیں میلوں بکتی ہیں سب اُس جا آن جھمکتی ہیں
محبوبوں سے بھی حسینوں کی ہر آن نگاہیں بکتی ہیں
پوشاکیں جنکی زریں ہیں وہ تن پر خوب جھلکتی ہیں
یوں نام نظیر اب کس کس کا جو خوبیاں آن جھمکتی ہیں

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

(۱۵۸)

بھیروں کی تعریف

دیکھا ہے جب سے میں نے تیرا جمال بھیروں
دن رات ہے یہ میرا تجھ سے سوال بھیروں
رکھتا ہوں تب سے دل میں تیرا خیال بھیروں
اب درد و غم سے آکر مجھ کو سنبھال بھیروں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

آنکھوں میں چھا رہا ہے تیرا سروپ کالا
آنکھیں دیا سی روشن ہاتھوں میں مے کا پیالا
تن میں بھبوت مل کر گل بیچ منڈ مالا
ہوں دل سے داس تیرا سن اے مرے دیالا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

کیا کیا مچی ہیں تیرے دربار کی بہاریں
سب اپنا اپنا کارج من مانتا سنواریں
بھگتی کلا پہ تیری جی جان اپنا واریں
سیوک چرن کو چھوئیں اشٹی کھڑے پکاریں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ماتھے پہ تیرے ٹیکا سیندور کا براجے
ترسول کاندھے اوپر ڈھورو کی گت بھی باجے
مدھ پیوے ماس کھاوے جو تو کرے سو چھاجے
سب تج کے میں نے اب تو تیری دیا کے کاجے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

تو راچھسوں کے تن سے ہر آن سر اُکھاڑے
جو تجھ سے دو بدو ہو اک آن میں لتاڑے
چاہے جسے بسا دے چاہے جسے اُجاڑے
دانوں کو چیر ڈالے دشمن کو پچھاڑے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

غصے میں تو جو آ کر اپنی جٹا ہلاوے
سر کاٹ راچھسوں کے جھونٹے پکڑ ہلاوے
دھرتی اکاس پربت پاتال دہل جاوے
جھلکے کلال خانہ کتنوں کو خوں چٹاوے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں

اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

جوگی ایت جنگم تیرے چرن سے لاگیں
جب نام لے کے تیرا الھرڑکا دیں تپ کی آگیں
سیویں جو تجھ کو اُن کے سوتے نصیب جاگیں
جن دیو ہاتھ جوڑیں بھوت اور پلید بھاگیں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ہے کون اب جو نکلے تجھ مست سے اکڑ کر
کرپا ہے تیری میرے حق میں تو قند و شکر
ڈشٹوں کو لات تگی موذی کے سر کو ٹکر
اب سب طرح سے میں نے تیری دیا کو تک کر

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

میرا تو کوئی اس جا اپنا ہے نے بگانا
اے بیکسوں کے والی میری مدد کو آنا
بیکس ہوں بے ہنر ہوں اور ہے بُرا زمانا
تیرے سوا کسی جا میرا نہیں ٹھکانا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

پوجا کتھا میں تیرے میں گن بکھانتا ہوں
دھول اب تیرے چرن کی ماتھے پہ سانتا ہوں
تجھ کو ہی پوجتا ہوں تجھ کو ہی مانتا ہوں
تیرا ہی ہو رہا ہوں تجھ کو ہی جانتا ہوں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

تو شاہ میں بھکاری میں کیا کہوں کہ کیا دے
مجھ سے بگڑ چلے کو اب مہر کر بنا دے
جو دل میں تیرے آوے داتا مجھے دلا دے
اب جس طرح سے چاہے چنتا مری ہٹا دے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

اب غم مرے جگر کو تیروں سے چھانتا ہے — اور گرد و بیکسی کی نت سر پہ چھانتا ہے
کس سے کہوں میں جا کر کون آہ مانتا ہے — جو دکھ ہے میرے جی پہ سو تو ہی جانتا ہے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

جو دکھ ہے میرے جی پر اب کس کو جا سناؤں — کس سے پناہ مانگوں یہ دکھ کسے دکھاؤں
اب بیکسی میں اپنی جا کر کسے سناؤں — تیرا کہا کے اب میں کس کا بھلا کہاؤں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

اب کس طرح جتاؤں میں اپنی بے کلی کو — نے سکھ ہے میرے دل کو نہ چین میرے جی کو
پوچھے جو میرے دکھ کو اب کیا پڑی کسی کو — مجھ سے بھلے برے کی اب لاج ہے تجھی کو

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ہے جس کا اب جہاں میں تجھ اشٹ کا سہارا — دن رات باجتا ہے اُن کا سدا نقارا
ہے بے نظیر تیری کرپا کا ٹھاٹھ سارا — ہانک جتی بجے ہی بھیروں سرن تمہارا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

۱۵۹

مہادیو کا بیاہ

پہلے ناؤں گنیش کا لیجے سیس نوائے — جا سے کارج سدھ ہوں سدا مہورت لائے
بول بچن آنند کے پریم پیت انور چاہ — سن لو یارو دھیان دھر مہادیو کا بیاہ

جوگی جنگی سے سُنا وہ بھی کیا بیان
اور کتھا ہیں جو سُنا اُس کا بھی پرمان

سننے والے بھی رہیں ہنسی خوشی دن رین
اور پڑھیں جو یاد کر اُن کو بھی سُکھ چین

اور جس نے اُس بیاہ کی بہاں کہی بنلے
اُسکے بھی ہر حال میں شیو جی رہیں سہاے

خوشی رہے دن رات وہ کبھی نہ ہو دلگیر
یہاں اُس کی بھی رہے جس کا نام نظیر

آغازِ قصّہ

یوں کہتے ہیں اس دنیا میں اک راجہ پتی ہماچل تھا
وہ دھرمی عدلی نیک جیو کچھ چندلا ور بچھ بل تھا

گڑھ کوٹ بڑے گر پربت سے اور فوج سپہ کا دنگل تھا
گج ہستی اونچے جھول زری انباری ہودے کنجل تھا

ہتھ بہلیں میانہ لال رتھیں جنڈول پہ اطلس مخمل تھا
خوش رنگ ترنگاں تیز قدم ہر زین جھلکتا ہر پل تھا

سب ساز جڑاؤ گج گاہیں کوئی چنچل تھا کوئی کوتل تھا
ہر بستر چیر جھلا جھل کا دھن دولت پیو آنچل تھا

بھراج زمرد لعل منوں من کتا بھی بے اٹکل تھا
محلات سُنہرے رنگ بھرے پر باری اور سکھ منڈل تھا

کل برتن سونے روپے کے اور چیرا چیری کا دل تھا
باغات بڑی تیاری کے ہر ڈالی پر گل اور پھل تھا

زر زیور ٹھاٹھ اسباب بہت اور عیش خوشی کا پھل تھا
گھر جگمگ جگمگ کرتا تھا سکھ چین آنند اور منگل تھا

ہر آن طرب ہر دم چہلیں جی جان ہر اک اوقات خوشی
وہ راجہ بھی ہر وقت خوشی اور پرجا بھی دن رات خوشی
اب یاں سے آگے سُنو خوبی سے رکھ دھیان
پاربتی کے وصف کا جتنا ہوا بیان

اس راجہ ہماچل کے گھر اک بانی سندر بیٹی تھی
مکھ اُس کا چندللن کا تھا نام اُسکا گوری پاربتی

لب لعل یمن اور غنچہ دہن تن برگ سمن قد سرو سہی
پوشاک جھلکتی تاش زری ان گنتی پہنے من بھاتی

وہ کٹھلے کنگن کندن کے وہ بازو چھلے اور مُندری
وہ جھانجھن بجتی چاندی کی اور چوڑی گھنگرو جڑاسی

ماں باپ کی پیاری ناز بھری آنکھوں آگے نس دن پھرتی
نت رہتی ہاتھوں چھاؤں میں اور ہانی اُس مرادوں کی

سکھ بھوجن نورس اور میوے پکوان مٹھائی دودھ دہی — سو ساٹھ سہیلی ساتھ پھریں ہم عمریں بھی بالی بھولی
سب پیار کریں تن من واریں سنگ کھیلیں جسمیں بہلے جی — سب گہنے میں سر پاؤں لدیں تن سوہا سالو اور چُنری
کوئی اُچھلے کودے سوانگ کرے کوئی ہنس ہنس کرتی اٹھکیلی — دن رات ہنسیں اور چین کریں ہر آن کی خوبی خوش وقتی

تھی رہتی گورا پاربتی ان روپ سرو یوں ابرن میں
سب طور خوشی سے پھرتی تھی نت اپنے گھر اور آنگن میں
اب یاں سے آگے بسُنو اس کی یہ تقریر
جیسے گورا کی نسبت کی ہوئی تدبیر

اک رات وہ راجہ رانی تھے سکھ بیٹھے اپنے منڈل سے — لکھ پاپن بر آپس دونوں کے اور ہنس ہنس باتیں کرتے تھے
وہ بالی سندر پاربتی خوش بیٹھی آگے دونوں کے — ہر چیری باندھے ہاتھ کھڑی پوشاکیں پہنے اور گہنے
لکھ دیکھ دُلاری کنیا کا یوں بولے راجہ رانی سے — اب اپنی گورا پیاری کی کچھ فکر سگائی کی کریے
تب بولی رانی راجہ سے کر جوڑ بہت منتی کر کے — جو آپ کے من میں سوچ ہوا ہے سوچ وہی من میں میرے
تم صاحب ہو تم مالک ہو ہے دوبھا سب کی اب تم سے — دو حکم پروہت کو اپنے رکھ دھیان سگائی کا اُسکے
ہو راج پتی گھر اونچا ہو ہر شہر نگر میں جا ڈھونڈھے — وہ بر بھی ایسا سندر ہو جو میری گورا کو سوہے
ہاں جیسی گورا سندر ہے ویسا ہی بر اسکا ہووے — یہ بات جو ٹھہری دونوں میں رکھ من میں اُسکو سوئے ہے

جب صبح ہوئی تو راجہ کے من میں تھا وہی دھیان بھرا
دربار میں آئے خوش ہوتے سنگاسن اوپر پاؤں دھرا
اب یاں سے آگے سُنو اور بچن اس آن
نسبت گورا کی ہوئی جگ میں جس عنوان

جب راجہ اپنے محلوں سے سنگاسن پر بیٹھے آ کر — دربار ہوا گل لالہ سا سب حاضر چاکر اور نوکر
یہ بات کہی جب راجہ نے لے آؤ پروہت کو جا کر — اُس وقت پروہت آ پہونچے آخیر بچن رستا لا کر
سر پاگ بڑائی کی سوہے اور چندن رنگے ماتھے پر — تن جامہ خاصہ ململ کا انگلائی رنگیں اچیمبر

لکھ پان گلے موتی مالا اور مونگا سونا بھی اکثر
لکھ دیکھ پروہت کا اپنے یوں راجہ بولے خوش ہوکر
ہیں جتنے شہر بھرو انمیں اور سیر کرو ملک اور نگر
ٹھہراؤ سگائی گوراکی شبھ ساعت سے تم اسکے گھر

خوش صورت سیرت نیک بچن قابل عاقل اور دانشور
تم جاؤ سگائی گوراکی اب ڈھونڈھو اچھی ساعت دھر
جس دیس میں دیکھو راج بڑی ہو اونچا گھر اور دو سندر
جب ٹھہر چکے واں خوبی سے دو اسکی ہمکو آن خبر

جسوقت پروہت سے اپنے یہ راجہ نے فرمان کیا
خوشحال پروہت نے ہوکر واں ڈھونڈھنے کا سامان کیا
اب یاں سے آگے سنو بات پروہت مان
چلے سگائی ڈھونڈھنے گوراکی رکھ دھیان

ہو شاد پروہت چلنے کو اس شہر سے جب تیار ہوئے
ہر دیپ گئے ہر نگر گئے ہر شہر بسے ہر دیس پھرے
مقدور تلک تو دیکھ پھرے اور اپنے بس تک ڈھونڈھ چکے
جو بات لکھی ہو کرموں میں ہر طور وہی آکر ہووے
جب کھینچی باگ نصیبوں نے پھر اسکے آگے ہار گئے
کیا دیکھیں واں کیلاس اوپر شیو آپ اکیلے ہیں بیٹھے
جب من کو سکھ آنند ہوئی پھر تھوڑی سی واں کی سیر سے

یوں جلد چلے اس نگری سے جوں پون سحر کے وقت چلے
پر ایک نہ پایا پر ایسا جو راجہ کے پسند پڑے
تدبیر بہت سی کی لیکن جو چاہے سو تقدیر کرے
جو چاہے پھیرے کوئی اسے کیا تاب جو تل بھر پھیر سکے
واں پھرتے پھرتے آخر کو کیلاس کے اوپر جا پہونچے
کی استت اور خوشوقت ہوئے سکھ پائے انکے درشن سے
کر ٹیکا اسکا جلد بہت خوش ہوکر ماتھے پر شیو کے

جس آن پروہت کھینچ چکے وہ کیسر ٹیکا شادی کا
پھر واں سے اپنے دیس پھرے کر کاج مبارکبادی کا
واں گئے میں واں راجہ سے اس ٹیکے کی آ بات کہی
سن نانوں نند اشیو شنکر کا ہوئی راجہ کے گھر بہت خوشی

سب خویش کٹم دلشاد ہوئے اور پرجا کو ہوئی خوشوقتی
کوئی بولی ہر دم خوش ہوکر ہو آئی سگائی گوراکی

گھر بار منڈلی ڈھول بجا آنند خوشی کی دھوم مچی
کوئی گود چڑھاکر کہتی تھی آ میری گورا پاربتی

کوئی آنکھیں چومے پیار کرے کوئی دوڑ بلائیں لیتی تھی
تب راجہ نے ہر پنڈت سے واں لگن مہورت کی پوچھی
دن ٹھہرا بیاہنے آنے کا شبھ ساعت شادی لگن گھڑی
وہ پتری شیو کے پاس گئی لے ہاتھ انھوں نے سب باچی

جب گھر گھر میں مشہور ہوئی یہ بات خوشی آنند بھری
سب بولے ماہ مہینے کی شبھ ساعت ہے اور نیک گھڑی
تب راجہ نے شیو شنکر کو اس بات کی پتری لکھ بھیجی
ہو نندیا پر اسوار چلے اور آئے نگری راجہ کی ہے

واں آ کے اُترے بیاہنے کو تھا اُس جا اک میدان بڑا
خوش شوقت نویلے چاؤ بھرے کر جوگی کا سامان بڑا
اب یاں سے آگے سنو یہ برن اس آن
جب واں سے شیو نے کیا جوگی کا سامان

واں جانے بوجھے کون انھیں تھے یہ تو اترے جوگی بن
اک میلی گدڑی پیٹھ پڑی اور راکھ دھتورے کا بھوجن
جل پان کریں واں شیو جس سے وہ تو تھا تونبی کا برتن
مکھ راکھ بھرا اور لال آنکھیں کن مندرے کر میں اک سمرن
وہ راکھ ملی جو تن پر وہ راکھ نہ تھی وہ تھا ابٹن
وہ سمرن تھی یوں پہنچے پر جوں باندھے دولہا ہاتھ کنگن
وہ مندرے کانوں بیچ پڑے یوں جیسے موتی ہوں کانن

ترسول چکر تھا کاندھے پر اور راکھ بھرا سب مکھ اور تن
وہ سنکھ پدم تھا مال متاع وہ گھنٹا کھپر جھولی دھن
اور سیس لٹائیں بکھر رہیں مرگ چھالا کا ڈالے آسن
اُس جوگی پن میں شیو جی کا تھا دولہا کا یہی زر برن
اور لال شہانا باگا تھا وہ گیروا رنگا پیراہن
وہ سیس لٹائیں یوں بکھریں جوں باندھے سہرا ایک پھبن
وہ لڑیاں سیلی کی ایسی جوں زیور ہووے زیب بدن

کچھ ٹھاٹھ نہ باجا گاجا تھا اور کوئی سنگ نہ ساتھی تھا
وہ آپ سدا شیو دولہا تھے اور نادیا بیل براتی تھا
اب یاں سے آگے سنو اُس جوگی کی بات
لوگوں نے جس دم سُنی ملے ہر اک نے ہات

واں لوگ برات آنے کے تھے دن رات سبھی مشتاق بڑے
ہر چار طرف خوش شوقی سے کچھ بیٹھے تھے کچھ پھرتے تھے

معلوم نہ تھا یہ دولہا ہیں تھے راہ خوشی کی سب تکتے
واں سب نے جوگی جان انھیں پردیس نگر پھرتے رہتے

یوں آن کے پوچھا جوگی جی کوئی دیکھی رات برات آئے
یہ بات سنی جب لوگوں نے تب سن کر سب بے ہوش گئے
یہ بات کہی اُس جوگی کی تب راجہ بھی حیران ہوئے
سب محلوں اندر شور مچے یہ بھاگ تھے کیسے گورا کے
کوئی دیکھ کے صورت گورا کی رو رو کے ٹھنڈی سانس بھرے

اُس وقت سدا شیو منس ہوئے ہیں بیاہنے ہم ہی تو آئے
دل سست ہوئے اور من کھٹکے پھر جا کر آگے راجہ کے
تحقیق کیا تو ٹھیک وہی تقدیر سے رو دے ہاتھ ملے
کوئی ماتھا کوٹے سیس دھنے کوئی آنسو نیر دم بھر لائے
کوئی بولے کرموں لکھیا نے جو کرم لکھی ہو سو ہووے

واں جن جن نے یہ بات سنی افسوس اُسے فی الفور ہوا
جو چاہا تھا تو کچھ اور ہی تھا اور پرگھٹ یاں کچھ اور ہوا
اب یاں سے آگے سنو دھیان ادھر کو لائے
آزردہ جیسی ہوئی پاربتی کی ماں

رو جھینک ادھر ماں گورا کی سن جوگی پر یوں اُٹھ بولی
یہ میری گورا پاربتی بالی نیکی سندر بھولی
مکھ جس کا چمکے چاند میں اور مصری ہونٹوں میں گھولی
ہر کنگن جس کا بیش بہا ہر پہونچی جس کی انمولی
تن پر اکھوٹے گدڑی اوڑھے کہا آگھ دھتورے کی گولی
نے محل مکان نے زر زیور نے بہل میانہ رتھ ڈولی
اب لاج گئی کل میں موری سب دشمن بولیں کل بولی

یہ کیسی بپتا آن بنی کس مشکل نے صورت گھولی
یہ مالی دھن اور دولت کی یہ پھول ترازو کی تولی
وہ الگن مکھ پر چھوٹ رہیں کستوری نے جس سے بو لی
سو پلّے باندھی ایسے کے جو پہنے کنٹھا اور جھولی
سر کیس بکھیرے لال میں جوں لال بہادری گولی
چڑھ بیل بجاتا سنکھ پھرے بن پربت کھاتا جھجھولی
تدبیر نہیں کچھ بن آتی تقدیر جو ہونی تھی ہو لی

تھی میری گورا پیاری کی یہ بات چھٹی کی رات لکھی
کچھ اور نہ ہو ہونا تھی جو ماتھے میں ہو بات لکھی
اب یاں سے آگے سنو شیو نے جب اُس آن
اپنی مایا سے کیسے کیا کیا واں سامان

تب راجہ نے بھی ترش ہو کر دربار پروہت بلوائے
جب آئے تو یہ بات کہی یہ کیسا ٹیکا کر آئے

سب لوگوں نے بھی ناؤں دھرے تب جب ہی شیو کے پاس آئے
جو بادنے جھاڑی خار و خسک اور بادل پانی چھڑکائے
نگیرے جھالر موتی کے کمخواب مشجر جھلکائے
مقیش زری کے لچھے بھی پھر جاگہ جاگہ لٹکائے
پھر بقال الائچی لونگوں کے پھر خوب طرح سے چنوائے
ہر چار طرف تیاری کی اسباب طرب کے ٹھہرائے

لچیا نا دیکھ پروہت کو واں ٹھاٹھ یہ شیو نے دکھلائے
بانات قنائیں شمیانے دل بادل تنبو تنوائے
کل فرش حریر اور دیبا کے خوش رنگ چمکتے بچھوائے
گل عطر و گلاب اور پان دھرے کستوری عنبر رکھوائے
چنگیر دھریں سوزیب بھریں اور طرہ ہار بھی گندھوائے
جو ٹھاٹھ پڑے ہیں شادی کے اک پل بھر میں سب جھمکائے

آکاس کے دیوت جتنے ہیں بن خوب برائی آن بھرے
وہ پہلا بھی میدان بھرا اور دیسے دس میدان بھرے
اب یاں سے آگے سُنو خوش ہو کر ہر آن
جیسے شیو دولھا بنے اُس کا کیا بیان

جب بیٹھے شیو کی شادی میں کل تینتس کوٹھ جو ہیں دیوتا
اور سکر اور برہسپت بھی اور ناؤں سنیچر بھی جن کا
اُس وقت خوشی سے مسند پر شیو بیٹھے بنکر یوں دولھا
ہر تار چمکتا چیرے کا اور تاش سنہرے کا باگا
ہر کان مرصع کندن تھے اور مکھ پر سونے کا سہرا
وہ موتی مالے گلے جھلکیں اور اُن میں لعلوں کی مالا
جب بیٹھے شیو یوں دولھا بن تب پر یونکا واں ناچ ہوا

بشن آپ تھے آئے اور برہما اور اندر نار دمن اُس جا
وہ روپ سروپ پریو شاکیں وہ اونچی شانیں زیب فزا
مکھ پان کی لالی کر مہندی اور آنکھوں بیچ لگا کجرا
اُس تار زری کے چیرے پر جوں مہر چمکتا کمٹ دھرا
وہ سہرا مکھ پر یوں چمکے جوں سورج ہووے کرن بھرا
وہ بانک جڑاؤ بازو پر اور کنگنا پہنچے جھمک رہا
اور کرناسر ناجھانجھ بجے نقارے گونجے شور مچا

یہ ٹھاٹھ بنا کر دکھلایا جب شیو نے مایا اپنی کا
ہر چار طرف آنند ہوئی غل شور رہا خوش وقتی کا
اب یاں سے آگے سُنو اس شادی کے طور
دیکھ اُسے جی سے خوشی لوگ ہوئے ہر ٹھور

یہ دھوم مچی واں آپسمیں کیوں لوگو کیسا یہ جوگی
ہر ناری نکلی چھوڑ مندر رکھ من میں چاؤ تماشے کی
سب دیکھنے کو واں آن بھرے سو ٹھٹھ ہوئے اور بھیڑ لگی
جب دیکھا تو واں کوسوں تک ہی زور برات آکر اُتری
ہوئی محلوں مندر بیچ خوشی اور عیش و طرب کی دھوم مچی
منھ دیکھ کے خوش ہو بیٹی کا اور ماتھا چومے گھڑی گھڑی
کوئی دھن دھن بھاگ کہے رہ رہ کوئی واری ہو سو بار

ہم سمجھے اسکو جوگی تھے اور نکلا یہ تو راج پتی
اور بوڑھیاں بوڑھے طفل جواں اور کبڑے لنگڑے بہرے بھی
یہ بات سنی جب راجہ نے تب چڑھکر کوٹھے پر جلدی
خوش شوقت ہوئے خوشحال ہوئے بر آئی سب منتا من کی
دل شاد ہوئے سب کنبے کے ماں گورا کی بھی شاد ہوئی
کوئی پاربتی کے پاؤں چھوے کوئی ہووے ہر دم بلہاری
اب چاؤ یہی اور چاہ یہی جو دیکھیں صورت دولھا کی

تھے جیسے جوگی دیکھ اُنھیں واں غم سے دل پامال ہوئے
جب ٹھاٹھ یہ دیکھے شادی کے سب شاد ہوئے خوشحال ہوئے
اب یاں سے آگے سُنو بھوجن کے سامان
جس کی ہے تعریف سے میٹھا ہوا بیان

جب راجہ نے یہ حکم کیا تیاری ہو اب بھوجن کی
حلوائی ہزاروں آبیٹھے کر گرم کڑھاؤ رکھ تھال نئی
پھر ڈالا خوب گلاب اُسمیں اور ڈالیں ڈلیاں مصری کی
پھر لڈو بھی تیار کیے دے قند بہت بادام گری
وہ خوب جلیبی اور کھجلے وہ گھیور بالو سائی بھی
کی عرض یہ جاکر راجہ سے سب جنس وہ اب تیار ہوئی
جو حکم ہوا تھا اتنی تو سو خوبی سے بنوا ڈالی

منگوا کے میدا لاکھوں من اور ہوئے مصری شکر کھی
کر کھوئے ستھرے دودھ منگا اور ڈالی چینی شکر تری
انبار لگائے پیڑوں کے اور ڈھیر گلابی اور برفی
براق جگر اور خرمے بھی خوشرنگ امرتی بیر بلی
سب اتنے واں تیار ہوئے جو ٹھور نہ رکھنے کو پائی
ٹک دیکھو تم بھی آن اُسے جو ہے کتنی اور رہی کیسی
جب راجہ نے بھی آنکھ اُٹھا ہر جنس بہت ستھری دیکھی

مسرور ہوئے یہ کہہ من میں جس آن براتی آویں گے
سب اپنے من بھر کھاوینگے اور ڈھیر پڑے رہ جاوینگے
اب یاں سے آگے سُنو عیش خوشی کی بات

جیسے جیسے ٹھاٹھ سے شیو کی چڑھی برات

جب رات ہوئی تب شیو شنکر خوشوقتی سے اسوار ہوئے
فانوسیں رنگیں جھلمیاں اور جھاڑ بڑی گلکاری کے
وہ پریاں ناچیں تختوں پر پوشاکیں گہنے جھمک رہے
ہر سُر نا میں دھن میں کی اور کرناتری جھانجھ بڑے
مردنگ مندیلے تال بجیں اور سارے گھنگرو بھی جھنکے
وہ ہاتھی کنجل در کتے انباری ہودے اور بنگلے
وہ جھاڑ مشعلیں ہنجتا نے سب روشن اونچے شعلوں کے

سب آگے پیچھے دولہا کے دلشاد براتی ساتھ چلے
ہر آن جڑاؤ چنور ڈھلیں اور سیس کے اوپر چھتر پھرے
نقارے نوبت طبل نشان الغوزے بجتے اور ڈفلے
کردھینسے ھوں ھوں باج رہے اور تاشے بجتے کڑ کڑ سے
وہ ڈھول دھمادھم شور کریں اور جھپتے بھی جھم جھم کرتے
وہ جھومتے چلتے قدم قدم اور بجتے جاتے گھنٹالے
وہ صحرا جھمکا کوسوں تک اور ابر اجالی جا پہونچے

وہ گھوڑے میانے گھوڑ بہنیں رتھ اونچے پہیے ڈھلتے تھے
سب باجے بجتے جاتے تھے اور ہولے ہولے چلتے تھے
اب یاں سے آگے سنو چلے جو بھولا ناتھ
اور براتی بھی ہوئے ایسے اُن کے ساتھ

پھر اور ہزاروں ساتھ چلے جو بھوت پری اور اچھس تھے
ہر بگڑا اُنکا صورت کا اور موٹے رستوں کے پٹکے
کوئی ننگے سر وہ بال اُسکے جوں بانس بڑے دس دس گز کے
کوئی ہاتھی رکھے کاندھے پر کوئی اونٹ بغل میں دبکائے
کوئی سانپ گلے میں لپٹائے پھن اُنکے دم پر دم جھومے
کوئی گاوے پھاڑ گلا اپنا کوئی نرت کرے چکھ پھیری لے
کوئی ہاتھ نچاوے رہ رہ کر کوئی نین خوشی سے مٹکاوے

ڈیل اونچے اُنکے برج سمن اور سیس بھی اُنکے گمٹ سے
اور بگڑوں پر طرّوں کی طرح تھے ساکھو بر کے برکھے
کوئی منڈ کوئی رنڈ اور کوئی بن پاؤں ناچے اور کودے
کوئی ارنا بھینسا گود لیے کوئی گینڈا سر پر بٹھلائے
کچھ لمبے سونٹے لوہے کے کچھ ہاتھ لیے بھاری لکڑے
کوئی شور کرے خوشحالی سے یوں جیسے ہاتھی چنگھاڑے
کوئی لمبے لمبے ڈگ رکھے کوئی دس دس گز کی جست کرے

کچھ رنگ عجب کچھ ڈھنگ نئے سب ہنس ہنس دھج دکھلاتے تھے
تھے دھوم مچاتے رستے میں ہر آن اُچھلتے جاتے تھے

اب یاں سے آگے سُنو شادی کے اطوار
چلے سداشیو جس طرح پاربتی کے دُوار

جب دیکھا واں کے لوگوں نے وہ کوسوں تک کا جیالا
سب بولے برات اب آتی ہی یہ شور اُجالا ہی اُس کا
وہ آتے جاتے جلد بہت جو دیکھتے واں سو کہتے آ
کوئی کہتا بہت براتی ہیں اور ساتھ لیے ہیں ٹھاٹھ بڑا
کوئی کہتا گھوڑے ہاتھی ہیں انبوہ رتھوں کا ہی آتا
یاں لوگ بہت سے آتے ہیں جتنا سے بیچ کہاں یہ جا
پر دھان کھڑے تھے جو آگے جب اُن سے اپنا بھید کہا

وہ سرنا کی آواز سنی اور نقاروں کا شور سُنا
تب راجہ نے بھی بھیجدیا ہرکارے پروان ہرکارا
کوئی کہتا اب واں آ پہونچے کوئی کہتا آئے اب اس جا
کوئی کہتا اننے ہاتھی ہیں کچھ جھور نہیں جن کا ملتا
یہ باتیں سنکر راجہ نے گھبرا کے من کے بیچ کہا
یہ بھیڑ کب اسمیں مل بیٹھے کچھ بن نہیں آتا کریے کیا
یہ ٹھاٹھ جو اب یاں آتا ہے کچھ تم نے اسکا فکر کیا

وہ بولے کیا تدبیر کریں اور کیا کیا اسکا دھیان کریں
آجاوے اتنا ٹھاٹھ جہاں واں کس کس کا سامان کریں
اب یاں سے آگے سُنو باتیں ہیں یہ ٹھیک ٹھیک
آئے شیو جس طرح واں دوارے کے نزدیک

جس آن برات آئی در پر یہ خوبی ٹھہری زیب بھری
وہ ڈنکے لگتے دھونسے پر دُھن کرنا سُرنا کی اونچی
کل زیب براتی چار طرف اور بیچ سواری دولہا کی
سب واہ کریں او رچاہ کریں اور ٹھاٹھ کو دیکھیں گھڑی گھڑی
وہ آئی تھی جو ساتھ لدی اور آتشبازی تھی چھٹتی
اک پہر تلک دروانے پر واں پھول رہی پھلواری سی
وہ طبل بجیں اور ڈفلے بھی نقارے تاشے اور تُرئی

وہ پریاں ناچیں تختوں پر جھنکاریں مار مجیروں کی
دروازے کوٹھے گونج رہے آواز سُہانی انکی تھی
سب پیچھے پیچھے کوٹھوں پر واں دیکھیں زینت اور خوبی
ہوں دیکھ کے صورت دولہا کی واں سو سو دل سے بلہاری
مہتاب انار اور پھلجھڑیاں بہت پھول ہوائی خوب کڑی
سب ہاتھی گھوڑے بیل اُچھلیں غل شور ہوا اور دھوم مچی
وہ ڈہل جھلبی کے باج رہے اور گھر گھر میں آواز گئی

سب شاد ہوئے خوش وقت ہوئے یہ دیکھ تماشے خوبی کے

کر وصف بہت بلہار ہوئے اُس دولہا کی محبوبی کے
اب یاں سے آگے سنو شادی کے رسم اور
جس کی ہر اک رسم سے جی خوش ہووے الغفور

جب راجہ کے دروازے پر ہوئی آن برات اِسطرہ کھڑی
جب سمدھی آئے ملنے کو اور سمدھ ملاوے کی ٹھہری
جب دولہا ڈیوڑھی بیچ گئے تب نکلیں سندر سوچیری
وہ چاند سا مکھ وہ سر سہرا وہ پہنچے کنگنا تار زری
کوئی بولا دولہا خوب بلا اس دولہا کے میں بلہاری
کوئی دیکھ کے ہوتی شاد بہت کوئی وار کے پانی پیتی تھی
اسطور کہی چھبن خوبی سے جو ہر اک منہ کو دیکھ رہی

سب باجے باجے دیر تلک اور چھوٹی آتشبازی بھی
اُس وقت بلایا دولہا کو تو ہووے زیب مندر کی بھی
لے آئیں مندر میں دولہا کو تو ہووے زینت مندر کی بھی
وہ روپ سہانا جب دیکھا ہوئی سب کے من بیچ خوشی
کوئی بولی میں اس دولہا پر اب وار دوں من من بھر موتی
چھبن کہکر اُس جا دولہا نے لی نیک اشرفی بہتیری
سب محلوں مندر بیچ ہوئی آنند خوشی اور خوشوقتی

جب بیٹھے دولہا مندر میں من بیچ خوشی کی بات لیے
جنماسے بیچ برات اُتری وہ ٹھاٹھ خوشی کا سات لیے
اب یاں سے آگے سنو اُس صورت کی بات
جنماسے میں جس طرح بیٹھی آن برات

کچھ جنماسے کے بیچ گئے کچھ بیٹھے جا دالانوں میں
کچھ آن براجے ڈیوڑھی میں مشغول خوشی کی باتوں میں
ہر طور بجیں کرنا سرنا اور ترئی طبل بھی محلوں میں
اور باجیں نوبت جھانجھ بڑی اُس شادی کے رنگ رلیوں میں
کچھ میانے رتھ اور گھوڑ بہلیں لا آن کھڑی کیں راہوں میں
تھے جتنے واں بازار بنے کچھ اُترے اُن بازاروں میں
جب جگہ بنا ئی بستی میں کچھ اترے شہر سوادوں میں

کچھ آنگن میں کچھ بیٹھک میں کچھ بیٹھے بالاخانوں میں
کچھ باہر آکر بیٹھ رہے کچھ بیٹھے رتھ اور میانوں میں
ہر جانب دھونسے باج رہے نقارے بجتے کوچوں میں
کچھ بات نہ سمجھے کان دھری اُن ناچوں میں اُن دھوموں میں
کچھ گھوڑے اُچھلے بیل لڑے کچھ ہاتھی جھومے گلیوں میں
اور جتنے واں تھے باغ لگے کچھ اترے جا اُن باغوں میں
واں ڈیرے تنبو تان لیے اور بیٹھے خوش اُن ڈیروں میں

وہ بھئے واں جس جس طور اور پر کل فرحت کے آہنگ ہوئے
غل شور ہوئے اور ناچ ہوئے اور راگ ہوئے اور رنگ ہوئے
اب یاں سے آگے سنو اُس کا بھی بستار
جس جس طور سے آن کر ٹھہری واں جیونار

جس وقت براتی بیٹھ چکے تب راجہ نے واں لوگوں کو
جب چاکر نوکر جلد چلے اور جنماسے میں آکر دو
تم اب بھی جیمو اور انکو دلواؤ جنھیں دلوانے ہوں
اس بات کو سنکر ہنس بولے ہی خوب پر اتنی بات سنو
وہ گود اُٹھا کر خوش ہوتے جیونار میں لائے دونوں کو
اک ڈیڑھ نوالا کر بیٹھے پھر چلے اب کچھ اور نہ کھو
یہ بات کہی جب راجہ سے تو وہ بھی اپنی سدھ بدھ کھو

یہ حکم کیا اب خوبی سے ان سب کو جا کر بھوجن دو
یوں بولے اب سب کر پا کر جیونار مندر کے بیچ چلو
ہیں کتنے ڈھیر مٹھائی کے درکار ہوں جتنے اتنے لو
یہ دو بالک جو بیٹھے ہیں تم پہلے ان کو جموا دو
تھے جتنے واں انبار لگے اور ڈھیر مٹھائی کے تھے جو
اُن لوگوں کے تب ہوش گئے اور بھاگے واں سے گر پڑ کے جو
حیران ہوئے اور چُپ ہو گئے من بیچ بہت شرمندہ ہو

مغرور ہوئے تھے کہہ کر یوں جا بھوجن کے انبار کریں
سو اُس کی تو یہ شکل ہوئی اب کاہے کو جیونار کریں
اب یاں سے آگے سنو خوش ہو کر یہ شان
جیسے دولھا کے ہوئے پھیروں کے سامان

جب ساعت آئی پھیروں کی تب ٹھہری اُس جا یہ خوبی
کچھ بیٹھے لوگ اِدھر اُدھر سب اپنے من کے بیچ خوشی
جب دولھا دولھن مل بیٹھے تب ریت ہوئی گٹھ جوڑے کی
سب پنڈت بیٹھے بید پڑھیں کوئی پٹھا ڈالے شنکر گھی
بھر تھال جواہر نگ ملیں لیں جلد سوا اسی اور نسگی
سُبھ ساعت نیک مہورت سے وہ دولھا دولھن روپ بھری

گھر بیچ بلایا دولھا کو اور پھیروں کی تیاری کی
جو فرش مقرر ہی اُس پر آ بیٹھے دولھا دولھن بھی
وہ پنڈت آئے ہوم کیا سب لا کر اُسکی چیز رکھی
گنیش کی پوجا کر کے واں پھر پوجا کی نوگرہوں کی
اور رسم لے نیگ عائیں دیں سب دولھا دولھن کو بیگی
اسطور پھرے مل آپس میں یاں ریت جو ہوتی پھیروں کی

جب پھیرے چار ہوئے آکر کل عیش و طرب کی دھوم مچی
ہر چار طرف چمکی جھمکی خوشحالی خوبی خوش وقتی

ہر من میں سو سو عیش بھرے اور فرحت سے پہچان ہوئی
ہر جگ میں جو آنند خوشی وہ ظاہر سب اُس آن ہوئی
اب یاں سے آگے سنو اور بچن دو چار
آئے باہر شاد ہو دولھا جس اطوار

وہ پھیرے بھی جس وقت ہوئے اُس خوبی اور خوش وقتی سے
دس روز ہوئے ہر ٹہلے میں اور چاؤ بڑ آئے سب دل کے
وہ چیرا سر پر چمک رہا وہ مکٹ جڑاؤ بھی دمکے
کچھ کانوں موتی چمک رہے کچھ بانک جھمکتے بازو کے
وہ خوبی سو بھا دولھا کی سب دیکھیں واں کے لوگ کھڑے
وہ دیکھیں اپنی آنکھوں سے ہوں جگ میں بھاگ بڑے جن کے
وہ چیرا چیری بھی خوش دل اور نوکر چاکر خوش پھرتے

جو ہمیں اور معین وہاں تھیں اُن سے بھی سب شاد ہوئے
شیو باہر آئے منڈل سے جوں سورج وقت سحر نکلے
تن باگا جھلکے ہر ساعت اور لعلوں کی مالا چمکے
سو زیب جھمک سے خوش ہوتے آ مسند پر اپنے بیٹھے
سب ہو کر خوش یہ بات کہیں یہ دولھا اور یہ ٹھاٹھ بڑے
وہ راجہ رانی شاد بہت اور لوگ خوشی سب کہنے کے
اُس نگری کے طالع چمکے اُن لوگوں کے بھی بخت کھلے

جس طور ہوئی وہ خوشحالی کب اُس کی حالت جائے کہی
ہر چار طرف خوش وقتی کے سو شور ہوئے اور دھوم ہوئی
اب یاں سے آگے سنو بات خوشی آمیز
جو جو راجہ نے دیا اُس جا دان دہیز

جس آن ہوئے شیو چلنے کو تب لا کر یہ اسباب دھرے
زر زیور کے واں ڈھیر لگے جو باہر ہووے گنتی سے
وہ کلسے نئے نئے چاندی کے وہ تھال کٹورے سونے کے
وہ چیرے خوب لباسوں کے اور گنتی میں بھی بہتیرے
وہ کمخل جھول جھلکتی کے انباری جنبر اور ہودے

پوشاکیں رنگیں زیب بھریں ہر تار پڑا جن کا جھمکے
وہ موتی ہیرے انمولے وہ لعل زمرد کے ڈبے
وہ فرش سنہرے نقش بھرے جو بچھتے محلوں بیچ بڑے
وہ چیریاں اچھی صورت کی سر پانوں تلک زیور پہرے
وہ گھوڑے گلگوں شل ہوا زردوزی جن پر زین بندھے

چنڈول جھلکتے وہ جن پر بانات زری کے تھے پردے
وہ رنگیں جھالردار رتھیں وہ بیل بہت جنکے اونچے
رتھ بہلیں اور گھڑبہلیں وہ سب ٹھاٹھ چمکتے جنکے تھے
یہ ٹھاٹھ رکھا دروازے پر اور نغدی بوجھ اٹھانیکے

تھے جتنے شادی بیاہ نمت ساماں جو واں تیار ہوے
ہر ٹھاٹھ کے واں دروازے پر ہر جانب سوانبار ہوے
اب یاں سے آگے سُنو راجہ نے اُس آن
جو باتیں شیو سے کہیں اُن کا کیا بیان

یہ ٹھاٹھ کیے دھن دولت کے تب راجہ شیو سے یوں بولے
کس لائق ہیں جو دیتے ہم اسباب تمھارے لائق کے
ہیں بھاگ ہمارے بہت بڑے جو چرن تمھارے ہم دیکھے
تم تھام نہ لیتے جو ہم کو پھر کہیے کیونکر ہم تھمتے
ہم چیز نہیں کچھ گنتی کی اور تم ہو لاکھوں خوبی کے
ہر وقت ہماری بانہہ رہو کرپا سے اپنی گہنے
تم لاج ہماری رکھنے کو ہر آن رہو کرپا کرتے
کچھ بن نہیں آیا جو ہم سے من بیچ ہوے ہم شرمندے
تم اچھے جگ میں ایسے ہو جو پائے ہو لاکھوں ہم سے
اس نگری میں اس منڈل میں تم آئے اپنی کرپا سے
جو کرپا تم نے ہم پر کی کب استت اُس کی ہو ہم سے
اس آن دیا جو آپنے کی وہ دیکھی کاہے کو ہم نے
من بیچ ہوے ہم بہت خوشی اور بھاگ ہمارے جاگ اُٹھے
جو من میں تھی سو بات کہی اب اور کہیں کیا ہم آگے

جب راجہ نے یہ بات کہی اور ہر دم ادھک ادھینی کی
تب شیو نے ہنسکر راجہ کے واں من کی بہت تسلّی کی
اب یاں سے آگے سنو من ایدھر کو لاے
پاربتی واں جس طرح گھر سے ہوئی بداے

جب شیو نے واں یہ حکم کیا تیاری ہو اب چلنے کی
یہ بات بدا کی سنتے ہی واں گورا کی ماں یوں بولی
من اسکا بہت ہی کھیو خوشی مت میلا کیجو اس کا جی
یوں کہکر بولی گورا سے مل مجھ سے میری پاربتی
جب گورا پیاری دوڑ گلے واں اپنی ماں کے آ لپٹی
اور آپ مندر کے بیچ گئے تو ہوے بداوا دُلھن کی
سب طور تم اسکے مالک ہو یہ چیری میں نے تم کو دی
یہ پیاری ہے من کی میرے اور روشنی میری آنکھوں کی

وہ ماں بھی رونی دیکھ اُسے اور رو دیں جتنی تھیں گھر کی
تو آنکھیں ور رو لال نہ کر میں تیرے مکھ کی بلہاری
پھر آخر واں اُس رونی کو کر پیار بہت سا گھڑی گھڑی
ماں دیکھ کے روتی گورا کو کر پیار بہت یوں کہتی تھی
کچھ اپنے من کے بیچ نہ لا میں تجکو جلد بلاؤں گی
چنڈول منگا کر ڈیوڑھی پر واں سب نے روتی بٹھلائی

سچ پوچھو تو ماں باپ کے تئیں ہی بیٹی سے یاں پیار بہت
جس وقت وہ بیاہی جاتی ہے جب ہوتے ہیں لاچار بہت
اب یاں سے آگے سنو اتنی یہ بھی بات
جیسے واں اُس دیس سے شیو کی چلی برات

جب ڈیوڑھی سے چنڈول اُٹھا در وازے پر سو خوبی سے
اُس وقت بہت خوشوقتی سے شیو شنکر بھی اسوار ہوئے
اسواری دولھا کی آگے چنڈول دُلھن کا تھا پیچھے
اسباب دیے جو راجہ نے تھے اُس کے جاتے اونٹ لدے
وہ ہاتھی گھوڑے ہر جانب انباری زین جھمکتے تھے
ہر کوٹھے کوٹھے بھیڑ لگی اور رستے رستے لوگ بھرے
جس طور خوشی سے بیاہنے کو شیو آئے گھر میں راجہ کے
نوچھاور اتنی کی اُس پر کل موتی پھول زری بکھرے
وہ خوبی حشمت چار طرف سب ساتھ براتی زیب بھرے
وہ باجے لائے ساتھ جو تھے سب ہر دم بجتے ساتھ چلے
وہ جتنے جیرا جیری تھے سب تھے اور بیانوں میں بیٹھے
اُس دیس کے رہنے والے بھی سب دیکھنے نکلے گھر گھر سے
غل شور خوشی کے چار طرف سب دیکھیں واں وہ ٹھاٹھ بڑے
پھر ویسی ہی خوشوقتی سے کیلاس کے اوپر جا پہونچے

یوں ٹھاٹھ ہوا یوں بیاہ ہوا بس اور نہ آگے بولو
ڈنڈوت کرو ہر آن نظیرؔ اور ہر دم شیو کی جے بولو

(۱۶۰)

مسدس

اے صبر قناعت ساتھ میاں سب چھوڑ یہ باتیں لوبھ بھری
سنتو کھ توکل ہرنوں نے جب حرص کی کھیتی آن چری
جو لوبھ کرے اُس لوبھی کی نہیں کھیتی ہوتی جان ہری
پھر دیکھ تماشے قدرت کے اور لوٹ بہاریں ہری بھری

جب آسا نستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

تک اپنی ہمت دیکھ میاں تو آپ بڑا اوتاری ہے
ہر آن مرے ہی لالچ پر ہر ساعت لوبھ ادھاری ہے
پر حرص طمع کے کرنے سے اب تیرا نام بھکاری ہے
اس لالچ مارے لوبھ بھرے سب حرص ہوا کی خواری ہے

جب آسا نستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

گر حرص ہوا اور لالچ کی ہے دولت تیرے پاس دھری
ہاتھ آیا جب سنتوکھ درب تب دولت پر دھول پڑی
تو خاک سمجھ اس دولت کو کیا سونا روپا لال زری
کر عیش مزے سنتوکھ بن جے بول مرلیا والے کی

جب آسا نستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

اس حرص ہوا کے بیجوں کو جو لوبھی دل میں بوتے ہیں
جو ہاتھ پسارے لالچ کر وہ ماتھا کوٹ کے روتے ہیں
وہ چنتا مارے لوبھ بھرے نت خوار ہمیشہ ہوتے ہیں
اور ہاتھ جنھوں نے کھینچ لیا وہ پاؤں پسار سوتے ہیں

جب آسا نستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

اس لوبھ بھرے کی گلیوں کی جب منھ پر تیرے دھول پڑی
چل لوبھ کے سر پر جوتی مار اور لوبھی تن پر مار چھڑی
بے چین رہیگا ہر ساعت آرام نہ ہوگا ایک گھڑی
کر سمرن کنج بہاری کی جے بول مکٹ کی گھڑی گھڑی

جب آسا نستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

یہ شہد بڑا ہی لالچ کا اس میٹھے کو مت کھا پیارے
جو مکھی اسمیں آن پھنسی پھر نکلے رہے لپٹا پیارے
یہ شہد نہیں یہ زہر بڑا اس زہر اپر مت جا پیارے
سر پٹکے روئے ہاتھ ملے ہے لالچ بڑی بلا پیارے

جب آسا نستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری

سب چین ہوے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

یہ لوبھ نری بپت کھوتا ہی اِس کو بھی لالچ مارے کی
تو ایک پتنگ کر لالچ پر بن صورت لال انگارے کی
یہ لوبھ چمک کھو دیتا ہی ہر آن چمکتے تارے کی
کر یاد مدن متوارے کی جی بول کنہیّا پیارے کی

جب آس انسا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

گر حرص و ہوا کے پھندے میں تو اپنی عمر گنوا دیگا
اک دو گز کپڑے تار سوا کچھ ساتھ نہ تیرے جاویگا
نہ کھانے کا پھل دیکھیگا نے پانی کا سکھ پاویگا
ای لوبھی بندہ لوبھ بھرے تو مر کر بھی پچھتاویگا

جب آس انسا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

اس حرص و ہوا کی جھولی سے ہی تیری شکل بھکاری کی
سنتو کھی سادھ سروپ تج منت نر اور ناری کی
پر تجھ کو ابتک خبر نہیں ای لوبھی اپنی خواری کی
لے نام کشن من موہن کا جے بول اٹل بنواری کی

جب آس انسا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

ہی جبتک تجھ میں لوبھ بھرا تو جو رہ اُچکا لنگڑا ہے
ہر آن کسی سے قصہ ہی ہر وقت کسی سے جھگڑا ہے
ہر پیچ پرانی پگڑی سے جو سر پر تیرے پگڑا ہے
کچھ من نہیں کچھ میکھ نہیں سب حرص و ہوا کا جھگڑا ہے

جب آس انسا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

اب دنیا میں کچھ خبر نہیں اُس لوبھی کے نستانے کی
کیا کہیئے واکی بات نظیرؔ اُس لوبھی لوبھ سنوارے کی
ہی کیچڑ اُس پر لپٹ رہی سب حرص و ہوا کے گارے کی
سب پاپ نروَل کر جی بولو اس بات کی نند لانے کی

جب آس انسا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

مسدس کریما

در مناجات باری تعالےٰ

سدا دل سے اے مومن پاکباز
بوقت مناجات باصد نیاز
وضو کر کے پڑھ پنج وقتی نماز
یہ کہہ اپنے ہاتھوں کو کر کے دراز

کریما ببخشائے بر حالِ ما
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

الٰہی تو ستار و غفار ہے
نہ حامی کوئی نے مددگار ہے
مرا یاں گناہوں کا انبار ہے
اب اس بے کسی میں توہی یار ہے

نداریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

ہوے جرم تجھ سے صغیر و کبیر
ذرا خواب غفلت سے چونک اے نظیر
پڑا ہے تو دام گنہ میں اسیر
دعا مانگ جلد اور کہہ اے خبیر

نگہدار ما را ز راہِ خطا
خطا در گذار و صوابم نما

در ثنائے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ترا دوست ہے وہ جو خیر الوریٰ
کہاں وصف ہو مجھ سے اُس کا ادا
محمد بنی مالک نہ وریٰ
ولیکن ہے میری یہی التجا

زباں تابود در جہاں جائے گیر
ثنائے محمدؐ بود دلپذیر

وہ شاہِ دو عالم امیرِ اُمم
سدا جس کے چومیں ملائک قدم
بنے واسطے جس کے لوح و قلم
کروں اُس کا رتبہ میں کیونکر رقم

حبیبِ خدا اشرفِ انبیا
کہ عرشِ مجید ش بود متکا

اگرچہ وہ پیدا ہوا خاک پر
مراجی فدا اُس تنِ پاک پر
گیا خاک سے پھر وہ افلاک پر
تصدّق ہوں میں اُس کے فتراک پر

سوارِ جہاں گیر یکراں بُراق
کہ بگذشت از قصرِ نیلی رواق

خطاب بہ نفس

سفیدی نے ڈالا سیاہی کو دھو
ذرا اب تو اے مست ہشیار ہو
گئی نہ لڑکپن کی تجھ میں سے بو
یہ کیا قہر ہے اے دلِ زشت خو

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت
مزاجِ تو از حالِ طفلی نہ گشت

کیا تو نے نامۂ عمل کا سیاہ
تجھے اپنی غفلت پہ کچھ ہے نگاہ
اُٹھایا نہ دُنیا سے کچھ زادِ راہ
غرض اور میں کیا کہوں تجھ سے آہ

ہمہ با ہوا و ہوس ساختی
دمے با مصالح نہ پرداختی

رہا عمر بھر تو گنہ میں اسیر
اگر اب کچھ رہائی کی فکر اے شریر

کمانِ اجل نت لگائے ہے تیر | اگر کچھ سمجھ ہے تو پھر کر نظیر

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائدار
مباش ایمن از بازیِ روزگار

در مدحِ کرم

کرم کی میں کیا کیا کہوں خوبیاں | کرم کے ہیں مدّاح اہلِ جہاں
کرم ہے نکو نامیِ جاودان | جو کچھ فہم ہے تو یہ تحقیق جاں

دلا ہر کہ بنہاد خوانِ کرم
بشد نامدارِ جہانِ کرم

کرم میں وہ خوبی ہے اے مہرباں | کہ ہوتا ہے جس کا ہر اک جا بیاں
زباں سے قلم سے قدم سے میاں | کیا کر کرم اور یقیں اُس کو جان

کرم نامدارِ جہانت کند
کرم کامگارِ امانت کند

کرم کی بہت خوب ہے رسم و راہ | کرم کی ہر اک وقت ہے واہ واہ
کرم سے ہے عیش و طرب عزّ و جاہ | کرم سے ہے سب رُتبۂ و دستگاہ

کرم مایۂ شادمانی بود
کرم حاصلِ زندگانی بود

کرم یاں جنھوں نے کیا ہے مدام | ہوے ہیں بزرگی سے وہ نیکنام
اُنھیں لوگ کرتے ہیں جھک کر سلام | کرم کا نہایت بڑا ہے مقام

ورائے کرم در جہاں کار نیست
وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست

کرم سب کو دنیا میں آیا پسند ہوئے ہیں جہاں میں وہی سربلند
کرم کا ہے رُتبہ بہت ارجمند کرم کر سدا گر ہے تو ہوشمند

دل عالمے از کرم تازہ دار
جہاں را ز بخشش پُرآوازہ دار

کرم میں جو رکھتے ہیں اپنا قیام تو اُن کا ہی رہتا ہے دنیا میں نام
نظیر اب تجھے ہے یہ لازم مدام گھڑی پہر دن رات اور صبح و شام

ہمہ وقت شو در کرم مستقیم
کہ ہست آفرینندۂ جان کریم

در صفت سخاوت

سخاوت کی دنیا میں ہے جس کو چاہ تو اُس پر نہایت ہے فضل الٰہ
ہو اوہ خلائق میں با عزّ و جاہ یہی بیت ہے اس سخن کی گواہ

سخاوت کند نیک بخت اختیار
کہ مرد از سخاوت شود بختیار

خدا نے اگر تجھ کو زر ہے دیا تو کھا تو بھی اور غیر کو بھی کھلا
جو چاہے کہ ہووے ز اہلِ عطا تو مقدور تک اپنے اے دلربا

بلطف و سخاوت جہانگیر باش
در اقلیم لطف و سخا میر باش

خدا کی عنایت ہے جس شخص پر سخاوت کا وہ سیکھتا ہے ہنر
بڑی قدر ہے اُس کی اے بہرہ ور سخاوت کرے جو ہے صاحب نظر

سخاوت بود کارِ صاحبدلاں

سخاوت بود پیشۂ مقبلاں

ہمیشہ سخاوت کر اے مہرباں ۔ تو سب عیب تیرے رہیں گے نہاں
ستاوے گا تجھ کو نہ کوئی بیاں ۔ نہیں کہہ گیا سعدیٔ خوش بیاں

سخاوت مِس عیب را کیمیاست
سخاوت ہمہ دردہا را دواست

سخاوت جو کرتے ہیں یاں اختیار ۔ وہی ہیں جہاں میں بڑے ہوشیار
نظیر اب ہو تو بھی سخاوت شعار ۔ کہ راضی سخی سے ہے پروردگار

مشو تا تواں از سخاوت بری
کہ گوے بہی از سخاوت بری

در مذمت بخیل

بخیلی کا پیشہ ہے جس نے کیا ۔ وہ ہوتا ہے یاں گنج کا اژدہا
نہیں اس کے ملنے میں کچھ فائدا ۔ کنارہ ہے سب صورتوں میں روا

اگر چرخ گردد بکام بخیل
ور اقبال باشد غلام بخیل

سوا اس کے یہ بھی کیا ہے رقم ۔ کہ نام اس کا لیتے نہیں صبحدم
نحس اس کو کہتے ہیں اہل کرم ۔ سمجھتے ہیں دریوزہ گر سے بھی کم

اگر در کفش گنج قارون بود
وگر تابعش ربع مسکوں بود

جو حشمت بڑی اس نے پائی ہو یاں ۔ ملی اس کو گر دولت جاوداں
تو اس میں بزرگوں کا ہے یہ بیاں ۔ اگر تجھ کو حاجت ہے تو بھی میاں

مکن التفاتے بمال بخیل
مبر نام مال و منال بخیل

وہ ہے گو جہاں میں بڑا مالدار
ذلیل اُس کو کہتے ہیں سب اور خوار

ولیکن وہ نظروں میں ہے بیوقار
کچھ اُس کی نہیں قدر اے ہوشیار

بخیل ار چہ باشد توانگر بمال
بخواری چہ مفلس خورد گوشمال

اگرچہ عبادت ہے اُس کا چلن
بڑے زہد کرتا ہے دل سے کٹھن

ریاضت میں کھینچے ہے رنج و محن
ولے شاہد اس کا یہی ہے سخن

بخیل ار بود زاہد بحر و بر
بہشتی نباشد بحکم خبر

جو زر ہے ترے پاس اے مہرباں
بخیلی میں ہووے گا تیرا زیاں

تو خرچ اُس کو کر راہ حق میں میاں
نظیر اُس سخن کو تو تحقیق جان

سخیاں ز اموال بر می خورند
بخیلاں غم سیم و زر می خورند

در صفت تواضع

تواضع کی خوبی ہو کیا کیا بیاں
جو کرتا ہے رسم تواضع عیاں

یہ پستی بلندی کی ہے نردباں
اُسے دوست رکھتے ہیں اہل جہاں

دلا گر تواضع کنی اختیار
شود خلق دنیا ترا دوستدار

جو چاہے ملیں تجکو اخلاص مند
تواضع کی کر اُن سے باتیں دو چند

که آویں ترے کام سب کو پسند — بزرگوں کا ہے یہ کلام بلند

تواضع بود مایۂ دوستی
که عالی بود پایۂ دوستی

اگر ہے ترے دل میں یہ مدعا
کیا کر تواضع یہی ہے بھلا
که عالم میں رتبہ ہو تیرا بڑا
ہر اک اہل معنی نے یوں ہی کہا

تواضع کند مرد را سرفراز
تواضع بود سروران را طراز

بدن تو نے پایا جو انسان کا
تکبّر تو ہے کام شیطان کا
تو ہرگز نہ کر کار حیوان کا
تواضع ہے باعث تری شان کا

تواضع کند ہر که ہست آدمی
نزیبد ز مردم بجز مردمی

بڑی یوں تو دولت کی ہیں خوبیاں
کہ یاں نام اور سیر فردوس واں
دے ہے تواضع کی وہ عزّ و شاں
کہا ہے بزرگوں نے اسے مہرباں

تواضع کلید در جنت است
سرافرازی و جاہ را زینت است

تواضع اگر ہوگا تیرا شعار
تواضع کو مت چھوڑ اے ہوشیار
بڑھے گا ترا سب میں عزّ و وقار
یہ معنی ہیں اس بیت کے آشکار

تواضع بود حرمت افزاے تو
کند در بہشت برین جاے تو

اگر ہے جہاں میں تجھے دستگاہ
تواضع سے بڑھتی ہی توقیر و جاہ
تواضع پہ لازم ہے ہر دم نگاہ
یقیں کر تو ہے قول سعدی گواہ

تواضع زیادت کند جاہ را
کہ از مہر پر تو بود ماہ را

اگر چاہیے تجکو یاں اعتبار
کرے تجکو دل سے ہر اک شخص پیار
بزرگی ملے اور بڑا ہو وقار
تو اس کو یقیں جان اے غمگسار

تواضع عزیزت کند در جہاں
گرامی شوی پیش دلہا چو جاں

دل اپنے میں تخم تواضع کو بو
تواضع بغیر ایک دم کو نہ ہو
عمل کا ترے کھیت تو سبز ہو
یہی یاد رکھ دل میں اے نیک خو

کسے راکہ عادت تواضع بود
ز جاہ و جلالش تمتّع بود

ملے تجھ سے جو اُس سے جھک کر تو مل
تواضع کو رکھ آپ سے متصل
کھلا غنچۂ دل کو اور تو بھی کھل
بلندی اسی میں ہے اے صاف دل

تواضع مدار از خلائق دریغ
کہ گردن ازاں برکشی ہمچو تیغ

ملی جن کو ہے عقل میں امتیاز
ثمر سے ہے ڈالی کو جھکنے میں ناز
وہی جھکتے ہیں سب سے باصد نیاز
اسی بات میں سب یہ کھلتا ہے راز

تواضع کند ہوشمند گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

تواضع جو کرتے ہیں اس جا امیر
وہ ہوتے ہیں سب کے بہت دلپذیر
وہ ہیں نیک پیش صغیر و کبیر
جو دیکھا تو سچ ہے یہ بات اے نظیر

تواضع ز گردن فرازاں نکوست

گدا اگر تواضع کند خوے اوست

نہیں پاس رکھتا جو یاں سیم و زر
اُسے لوگ کہتے ہیں نیکو سیر

اور اُس میں تواضع کا کچھ ہے اثر
وے قول سعدی ہوا ہے پر گہر

کسے را کہ گردن کشی در سر است
تواضع از و یافتن خوش تر است

در مذمت تکبّر

تکبر جو کرتا ہے یاں ہر گھڑی
تکبّر سے ہے ربط بیدانشی

وہ کھینچے ہے آخر کو شرمندگی
اگر ہے تو عاقل تو بھولے سے بھی

تکبّر مکن زینہار اے پسر
کہ روزے ز دستش در آئی بسر

تکبّر جو کرتا ہے یاں اختیار
حذر اُس سے رکھتے ہیں اہلِ وقار

وہ رہتا ہے لوگوں کی نظروں میں خوار
یہی یاد رکھ دل میں اے ہوشیار

کسے را کہ خصلت تکبّر بود
سرش پُر غرور از تصوّر بود

تکبّر سے ہوتا ہے جو آشنا
تکبّر سے کر خوف اے پارسا

وہ بیگانۂ عقل ہے دائما
تکبّر کی زشتی کہوں تا کجا

تکبّر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

بہت کھینچتا ہے جو اپنے تئیں
جو ناداں ہیں واقف وہ اس سے نہیں

وہ گرتا ہے آخر برُوئے زمیں
ولیکن یقیں جان اے ہمنشیں

تکبّر بود عادت جاہلاں
تکبّر نیاید ز صاحب دلاں

جنھیں عقل اور ہوش کا ہے خیال
نہیں چلتے ہرگز تکبّر کی چال
وہ رکھتے ہیں یاں عاجزی کے خصال
یہاں اس سخن کی یہی ہے مثال

تکبّر بود مایۂ بد بری
تکبّر بود اصل بدگوہری

تکبّر کی زشتی ہے سب پر عیاں
سمجھ بوجھ مت کر تو اپنا زیاں
سنا تو نے کچھ کچھ تو اُس کا بیاں
نظیر اب تعجب ہے یہ درمیاں

چہ دانی تکبّر چرا مے کنی
خطا مے کنی و خطا می کنی

در فضیلت علم

جسے دولتِ علم کہتے ہیں یاں
نہ کر جہل پڑھ دل سے ای مہرباں
وہی دولتِ بے خطر ہے میاں
کہ ہے علم ہی دولت جاودان

بنی آدم از علم یابد کمال
نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

فضائل کی تجھ کو اگر ہے ہوس
وگر معرفت چاہیے اے نکتہ رس
پڑھا کر تو اور علم سے کر نہ بس
تو ہر حال میں ہر گھڑی ہر نفس

چو شمع از پے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

تجھے علم تحصیل کرنا ہے یاں
تلاش اُس کی ہے فرض تجھ پر میاں

اسی کی تو خواہش میں رہ ہر زماں — یقین جان اے اس کو اے مہرباں

طلب کردن علم شد بر تو فرض
دگر واجبست از پیش قطع ارض

عجب دولت علم کا ہے اثر — کرے خرچ اس کو جو شام و سحر
بڑھے دمبدم اور رہے بے خطر — جو بے علم ہے کیا وہ سمجھے مگر

خردمند باشد طلبگار علم
کہ گرم است پیوستہ بازار علم

اسی فن کو کہتے ہیں کسب کمال — اسی کی کتابوں میں ہے قیل و قال
اسی سے دلائل اسی سے مثال — تو لازم ہے یوں اے ہمایوں خصال

برو دامن علم گیر استوار
کہ علمت رساند بہ دار القرار

اسی سے معارف کی تحریر ہے — اسی سے حقائق کی تقریر ہے
اسی سے معانی کی تفسیر ہے — یہی نیک بختی کی جاگیر ہے

کسے را کہ شد در ازل بختیار
طلب کردن علم کرد اختیار

فقیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ — امیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ
وزیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ — دبیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ

ترا علم در دین و دنیا تمام
کہ کار تو از علم گیرد نظام

یہی علم بس سب کی توقیر ہے — بزرگی کی چہرے پہ تنویر ہے
جو بے علم ہے اس کی تحقیر ہے — نظر اب یہی نیک تدبیر ہے

بیاموز جز علم گر عاقلی
کہ بے علم بودن بود غافلی

در امتناع از صحبت جاہلان

نہیں علم ہے یاں جنھوں نے پڑھا
اُنھیں لوگ کہتے ہیں جاہل سدا
نہیں بیٹھ تو پاس اُن کے ذرا
غرض اُن کے نزدیک ہرگز نہ جا

دلا گر خردمندی وہوشیار
مکن صحبت جاہلاں اختیار

جو ہے جاہل اُس کے نہ جا متصل
نہ اُس کے سخن سے تو جوں غنچہ کھل
سدا دور ہو اُس سے ہرگز نہ مل
جو چاہے بزرگی تو اے صاف دل

ز جاہل گریزندہ چوں تیر باش
نیامیختہ چوں شکر شیر باش

نہ کر ربط جاہل سے ہرگز بجاں
ترا اُس کے ملنے سے ہوگا زیاں
حذر دل میں کر اُس سے تو ہر زماں
کہا ہے بزرگوں نے یوں اے میاں

ز جاہل حذر کردن اولےٰ بود
کز و ننگ دنیا و عقبےٰ بود

جو کرتا ہے جاہل وہ بہتر نہیں
جو کہتا ہے جاہل وہ ہی بدتریں
سمجھ نیک اُس کو نہ اے خوش یقیں
کہ جاہل ہے بدعاقبت اور لعین

ز جاہل نیاید جز افعال بد
وز و نشنود کس جز اقوال بد

نہ کر جاہلوں کی محبت پسند
نہ ڈال اپنی گردن میں ہرگز کمند

نہ دے اُس کی اُلفت میں دل کو گزند
یہ قول بزرگاں ہے اے ہوشمند

ترا اژدہا گر بود یارِ غار
ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

جہالت میں رہتا ہے جو مبتلا
نہیں اُس کو عقبےٰ سے حاصل ذرا
ہے ادراک جن کا نہایت رسا
انھیں نے ہے تصدیق دل سے کیا

سرانجام جاہل جہنم بود
کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

تجھے عاقلوں سے جو صحبت ہو یاں
غنیمت سمجھ اُن سے ملنا میاں
عداوت سے اُن کی نہیں کچھ زیاں
یہ قول بزرگاں ہے اے مہرباں

اگر خصم جان تو عاقل بود
بہ از دوستدارے کہ جاہل بود

جنھوں نے جہالت کا شیوہ کیا
ہر اک اُن سے رہتا ہے دل میں خفا
کسی نے نہیں اُن کو رتبہ دیا
سبھوں نے یہی اُن کے حق میں کہا

سرِ جاہلاں بر سرِ دار بہ
کہ جاہل بخواری گرفتار بہ

جہالت کا جس شخص میں ہے خمیر
وہ رہتا ہے خفت میں ہر دم اسیر
ذلیل اُس کو کہتے ہیں برنا و پیر
جو دیکھا تو سچ بات ہے اے نظیر

چو جاہل کسے در جہاں خوار نیست
کہ ناداں تر از جاہلی کار نیست

در صفت عدل

ہوا ہے جو عالم میں تو بادشاہ
سبب عدل ہے اس عنایات کا
دیا ہے تجھے ملک و تاج و لوا
سمجھ یہ سخن اے شہ مہ لقا

چو ایزد ترا این ہمہ کام داد
چرا بر نیاری سر انجام داد

کرے گا جو تو عدل کا کار و بار
عدالت سے ہے رتبۂ شہریار
بڑھے گا ترا جاہ اور اقتدار
تو رکھ یاد اے خسروِ کامگار

چو عدل است پیرایۂ خسروی
چرا عدل را دل نداری قوی

جو کرتے ہیں یاں عدل کا انتظام
صفت اُن کی ہوتی ہے ہر صبح و شام
وہ رہتے ہیں عالم میں نت نیک نام
سمجھ اس کو اے شاہِ عالی مقام

چو نوشیروان عدل کرد اختیار
کنون نام نیک است ازو یادگار

رہے گی تری عدل پر جو نگاہ
اگر ہے تجھے مال و حشمت کی چاہ
تو دولت رہے گی تری دیرگاہ
تو اُس کو یقیں جان اے بادشاہ

ترا مملکت پائداری کند
اگر معدلت دستیاری کند

جو عادل رہے گا تو شام و سحر
رہے گی تری مملکت خوب تر
کہیں گے تجھے خسرو داد گر
یہ خوبی جو چاہے تو اے بہرہ ور

جہاں را بانصاف آباد دار
دل اہل انصاف را شاد دار

کرے گا جو تو معدلت روز و شب
تو ہوگا ترا سب میں عادل لقب

تری نیک نامی کا ہے یہ سبب
سمجھ اس کو اے شاہِ عالی نسب

ترا زیں بر آخر چہ حاصل بود
کہ نامت شہنشاہِ عادل بود

بڑھائے یہاں عدل عزّ و وقار
وہاں بھی ملے رتبہ و اعتبار
عدالت سے ہوتے ہیں سب کامگار
اسے گوش دل سے سن اے شہریار

جہاں را بہ از عدل معمار نیست
کہ بالا تر از معدلت کار نیست

ہوئی جس کو یاں معدلت دلپذیر
بڑا صاحب بخت ہے وہ امیر
بہت خوش ہیں اس سے صغیر و کبیر
جو کی غور دل میں تو سچ ہے نظیر

ز تاثیر عدل ست آرام ملک
کہ از عدل حاصل شود کام ملک

در مذمّت ظلم

سعادت سے ہوتے ہیں جو بہرہ ور
تعدی وہ کرتے نہیں اور پر
سعادت کا ہے کب ستم میں اثر
میاں اس سخن کو بدل غور کر

اگر خواہی از نیک بختی نشاں
در ظلم بندی بر اہل جہاں

ہر اک دل کو ہے خوف اس سے بڑا
کسی پر نہ رکھ ظلم کو تو روا
ستم کا ہے پیشہ نہایت بُرا
جو چاہے زمانے میں اپنا بھلا

مدہ رخصت ظلم در ہیچ حال
کہ خورشید ملکت نیابد زوال

گل حلم کی گر تو دیکھے بہار — تو کر ظلم کا دور خاطر سے خار
نہ بیداد سے رکھ کسی دل پہ بار — سمجھ لے یہی بات اے کامگار

خرابی ز بیداد بیند جہاں
چو بستان خرم ز باد خزاں

ترے گھر جو ہے سلطنت کا نشاں — تو کر ظلم کو شہر سے بے نشاں
اسی میں ہے بس راحت جاوداں — یہی تجھ کو لازم ہے اے مہرباں

رعایت دریغ از رعیت مدار
مرادِ دل دادخواہاں برآر

جو کرتا ہے یاں ظلم کو اختیار — وہ ہوتا ہے دنیا و عقبیٰ میں خوار
بُرا اس کو کہتے ہیں لیل و نہار — سمجھ رکھ یہی بات اے تاجدار

ستم بر ضعیفان مسکیں مکن
کہ ظالم بدوزخ رود بے سخن

ستم کی نہ چل ایک دم بھی تو راہ — ستانا دلوں کا بڑا ہے گناہ
نہ کر ظلم سے خلق کو تو تباہ — رکھ اے باہنر اس سخن پر نگاہ

ستم کش گر آہے برآرد ز دل
زند سوز او شعلہ در آب و گِل

سکھاوے تجھے ظلم کا جو شعار — ترا دشمن جاں ہے وہ نابکار
اُٹھا آہ کا مت دلوں سے شرار — اگر خیر چاہے تو اے کامگار

بآزارِ مظلوم مائل مباش
ز دور دل خلق غافل مباش

ستم کی روش جس نے دنیا میں کی — ہوئی اُس کو حاصل نہ کچھ بہتری

ملی عاقبت میں بھی شرمندگی | جو کچھ ہوش ہے تجھ میں تو اے قوی

مکن بر ضعیفان بیچارہ زور
بیندیش آخر ز تنگی گور

جو کرتا نہیں ظلم سے اجتناب | وہ ہوتا ہے آخر اسیر عقاب
سمجھتا نہیں ہے وہ خانہ خراب | ستانا دلوں کا بڑا ہے عذاب

مکن مردم آزاری اے تندرلے
کہ ناگہ رسد بر تو قہر خدائے

ستم کی جو رکھتا ہے یار و بنا | تو رہتے ہیں سب لوگ اُس سے خفا
نظیر اس سخن کو کہے تا کجا | یہ نکتہ ہے اہل خرد کا بجا

کسے کاتش ظلم زد در جہاں
بر آورد از اہل عالم فغاں

در صفت قناعت

خدا کا بڑا جس پہ احسان ہے | قناعت کے گھر کا وہ مہمان ہے
بڑی آبرو اُس کی اور شان ہے | خوشی خرمی اُس کو ہر آن ہے

دلا گر قناعت بدست آوری
در اقلیم راحت کنی سروری

قناعت کی دولت ہے جس پاس یاں | وہ رہتا ہے آرام سے ہر زماں
نہیں خطرہ آتا کوئی درمیاں | تو دنیا کی دولت سے اے مہرباں

غنی گر نباشی مکن اضطراب
کہ سلطاں نخواہد خراج از خراب

قناعت سے ہوتا ہے جو بہرہ ور — نہیں دیکھتا ہے کسی کا وہ در
بصد عیش رہتا ہے وہ اپنے گھر — اسے غور کر دل میں اے پُر ہنر

قناعت تونگر کند مرد را
خبر دہ حریص جہاں گرد را

فقیری کے رتبے پہ کی جب نگاہ — تو اس کا ہے کچھ اور ہی عزّ و جاہ
اگرچہ ہے سختی سے ہونا تباہ — ولے جان ہے اُسکو لطف اِلٰہ

نہ دارد خردمند از فقر عار
کہ باشد نبی را ز فقر افتخار

قناعت کی دولت ہے یاں اس قدر — نہ پہونچے جسے دولت سیم و زر
ہر اک وقت رہتی ہے حق پر نظر — جو دیکھا تو دنیا میں شام و سحر

غنی را زر و سیم آرایش است
ولیکن فقیر اندر آسایش است

قناعت ہے سرمایۂ افتخار — قناعت میں ہے خوبیِ اعتبار
تجھے جس طرح رکھے پروردگار — اُسی میں تو راضی رہ اے دوستدار

قناعت بہر حال اولیٰ تر است
قناعت کند ہر کہ نیک اختر است

قناعت سے ہوتا ہے جو آشنا — وہی کام کرتا ہے یاں عقل کا
اُسے دے ہے عشرت کا عسرت مزا — جفائے فلک سے تو اے باصفا

اگر تنگدستی ز سختی منال
کہ پیش خردمند ہیچ است مال

کرے دل جو مہر قناعت منیر — وہ ہے موردِ نورِ لطفِ قدیر

اُسے لوگ کہتے ہیں روشن ضمیر
تجھے بھی ہے لازم یہاں بے نظر

ز نورِ قناعت برافروز جاں
اگر داری از نیک بختی نشاں

در مذمّت حرص

تجھے ہے حرص کا جو نشا
اسی سے نہیں ہوش تیرا بجا
میاں یہ تقاضا نہیں عقل کا
سوا اس سخن کے کہوں تجھ سے کیا

ایا مبتلا گشتہ در دامِ حرص
شدہ مست و لایعقل از جامِ حرص

جو لالچ سے ہے جمع تو نے کیا
فراہم کرے گا گر اُس کے سوا
نہیں اُس سے مطلق تجھے فائدا
یہ ہمراہ تیرے نہیں جائے گا

گرفتم کہ اموالِ قاروں تراست
ہمہ دولتِ رُبعِ مسکوں تراست

یہ اسباب ہے جو ترے رُوبرو
سمجھیو نہ اپنا اسے تو کبھو
نہ کر اس کی تحصیل میں جستجو
نہیں حالِ قاروں سے آگاہ تو

بخواری شد آخر گرفتارِ خاک
چہ بیچارگاں بادلِ دردناک

جو لینا ہے کچھ زندگی کا مزا
تو خوش ہو اسی میں جو کچھ مل گیا
میاں حرص کی راہ ہرگز نہ جا
سمجھ اس سخن کو تو دل میں ذرا

ہر آنکس کہ در بندِ حرص اوفتاد
دہد خرمنِ زندگانی بباد

نہ رکھ حرص کا دوش پر اپنے بار ‌‌ ‌ نہیں زر کے رہنے کا کچھ اعتبار
یہ کرتا نہیں ایک جا پر قرار ‌ ‌ ‌ تو اس آتش غم میں لیل و نہار

چرا می گذاری ز سودائے زر
چرا می کشی بار محنت چو خر

نہیں حرص کی کچھ بھلی رسم و راہ ‌ ‌ ‌ تو اپنے تئیں اس میں مت کر تباہ
دکھاوے گی ذلت تجھے حب جاہ ‌ ‌ ‌ تو بیتاب ہو کر میاں خوانخواہ

چرا می کنی محنت از بہر مال
کہ خواہد شدن ناگہاں پائمال

اگرچہ رواں زر سے ہیں کار و بار ‌ ‌ ‌ پر اتنی بھی مت حرص کر اختیار
ذرا صبر کر اور نہ ہو بے قرار ‌ ‌ ‌ کہاں تک کہوں تجھسے اے میرے یار

چناں عاشق روئے زر گشتۂ
کہ شوریدہ احوال و سرگشتۂ

نہ ہو حرص کا اس قدر آشنا ‌ ‌ ‌ تجھے حرص کرنے میں خوبی ہے کیا
نہیں اس میں حاصل ندامت سوا ‌ ‌ ‌ کہوں کیا تجھے تو ہے زر پر فدا

چناں دادۂ دل بہ نقش درم
کہ ہستی نہ ذوقش ندیم تدم

تجھے حرص کرنے سے کچھ بھی ہے ڈر ‌ ‌ ‌ نہیں نفع اس میں تجھے جز ضرر
یہی دھیان ہے تجھ کو شام و سحر ‌ ‌ ‌ درندوں سے ہے نفس تیرا بتر

چنان گشتۂ صید بہر شکار
کہ یادت نیاید نہ روز شمار

اگر زندگی کا تو ہے قدرداں ‌ ‌ ‌ تو زر کی ہوس میں نہ کر رائگاں

بھلے اور بُرے میں تفاوت یہاں ۔۔۔ اگر جانتا ہے تو اے مہرباں

مکن عمر ضائع بہ تحصیل مال
کہ ہم زرخ گوہر نہ باشد سفال

جسے دولت دیں ہے یاں دلپذیر ۔۔۔ اُسی کو ہے واں شادمانی کثیر
نہ ہو فکر دنیا میں ہرگز اسیر ۔۔۔ کہا ہے بزرگوں نے یوں اے نظیر

مبادا دل آں فرومایہ شاد
کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

در صفت وفا

محبت میں ہیں وہ جو اہل وفا ۔۔۔ تو اُن کا ہے اُلفت میں رتبہ بڑا
بہت معتمد ہیں وفا آشنا ۔۔۔ اگر تجھ کو بھی چاہیے مرتبا

دلاور وفا باش ثابت قدم
کہ بے سکّہ رائج نہ باشد درم

جو ثابت قدم دوستی میں جیے ۔۔۔ دل اپنے وفا میں اُنھوں نے دیے
محبت کی تو بھی اگر مے پیے ۔۔۔ تو کیجو نہ ترکِ وفا کس لیے

بود بے وفائی سرشتِ زناں
میاموز کردار زشتِ زناں

جو چاہے کہ سب خلق ہو دوستدار ۔۔۔ تو کر دل سے مہر و وفا اختیار
اگر دوستی کے چمن کی بہار ۔۔۔ تجھے دیکھنی ہے تو اے گلعذار

مکن بے وفائی چو دورِ سپہر
متاب از رخ دوستاں روے مہر

جو ملتا رہے گا تو یاروں سے یاں　　تو پھر خوش رہے گا دل دوستاں
وگر اُن سے ہوگا جدا اک زماں　　تو پھر قول اُستاد کا ہے عیاں

جدائی ز احباب کردن خطاست
بُریدن ز یاراں خلاف وفاست

نہیں جن کے دل میں وفا کا نشاں　　وہ شرمندہ یاروں سے رہتے ہیں یاں
سبک ہیں وہ نزدیک پیر و جواں　　جو چاہے بزرگی تو اے مہرباں

اگرداں ز کوئے وفا روئے دل
کہ در روئے جاناں نباشی خجل

ترے دوست جتنے ہیں اور غمگسار　　تو آزردہ اُن کو نہ کر زینہار
مگر نہیں ہوتے الفت شعار　　جو کی ہے محبّت تو اے دوستدار

منہ پائے بیروں ز کوئے وفا
کہ از دوستاں می نیرزد جفا

اگر دام الفت میں تو ہے اسیر　　وگر دوستی ہے تجھے دلپذیر
تو کر دل میں حسن وفا جائے گیر　　اسی بات کو یاد رکھ اے نظیر

ز راہ وفا گر نہ پیچی عناں
شوی دوست اندر دل دشمناں

در صفت طاعت

جو رہتے ہیں طاعت میں شام و سحر　　اُنھیں کو ہے عز و شرف بیشتر
کہاتے ہیں عالم میں روشن گہر　　بہت سچ ہے جو کہہ گیا نکتہ ور

کسے را کہ اقبال باشد غلام

بود میلِ خاطر بطاعت مدام

جو مشغول طاعت ہیں لیل و نہار
بزرگی میں نام اُن کا ہے یادگار

بڑی اُن کی عزت ہے اور اعتبار
یقین ہے یہی بات اے باوقار

اگر بندی بہر طاعت میاں
کشاید در دولتِ جاودان

جو رکھتے ہیں طاعت کا چہرے پہ نور
جو چاہے کہ ہو تیرگی دل سے دور

خجل مہر ہوتا ہے اُن کے حضور
تو اُس کو سمجھ رکھ تو اے پُر شعور

ز طاعت بود در روشنائی جاں
کہ روشن ز خورشید باشد جہاں

جو رکھتے ہیں طاعت سے آرام جاں
ملے گا اُنھیں کو جہاں میں مکاں

وہی لوگ عقبےٰ میں ہوں شادماں
تجھے ہے اگر ترس دوزخ میاں

بہ آب عبادت وضو تازہ دار
کہ فردا ز آتش شوی رستگار

جنھیں ہے شب روز طاعت سے کام
بھلا اُن کو کہتے ہیں سب خاص و عام

مطیع اُن کا رہتا ہے عالم مدام
یہ خوبی عیاں ہے تو بہرِ صبح و شام

نشاید سر از بندگی تافتن
کہ دولت بطاعت تواں یافتن

جو طاعت سے دل کو لگاتے ہیں یاں
اُنھیں میں تو روشن دلی کی ہے شاں

سعید اُن کو کہتے ہیں اہل جہاں
جو دیکھا تو عالم میں اے مہرباں

سعادت ز طاعت میسر شود
دل از نور طاعت منور شود

جو کرتے ہیں طاعت کو یاں اختیار
وہی ہیں ہنرمند اور بختیار
شب و روز رکھتے ہیں طاعت سے کار
اسی پر نظر کر لے اے ہوشیار

ز طاعت نہ پیچد خردمند سر
کہ بالاے طاعت نباشد ہنر

ہوے ہیں جو طاعت سے روشن ضمیر
جو چاہے کہ دل ہو تجلی پذیر
اُنھیں خلق کہتی ہے پیر اور فقیر
تو لازم ہے تجکو بھی پھر اے نظیر

پرستندۂ آفرینندہ باش
در ایوان طاعت نشینندہ باش

در صفت عبادت

جنھیں حق پرستی ہے یاں بیشتر
صفت اُن کی ہوتی ہے شام و سحر
بڑے وہ توانگر ہیں اور بختور
دلا تو بھی اس کو یقیں جان کر

اگر حق پرستی کنی اختیار
شود دولتت ہمدم و بختیار

جو رکھتے ہیں یاں دولت اتقا
ملے ہے سعادت اُنھیں برملا
دل اُن کا ہے پاکیزگی سے بھرا
بھلا اپنا چاہے تو اے باصفا

ز تقوے چراغ رواں بر فروز
کہ چوں نیک بختاں شوی نیکروز

جو پڑھتے ہیں خالق کی دل سے نماز
جو چاہے کہ ہو جاے تو سرفراز
ملے ہے اُنھیں عزت و امتیاز
تو دائم جہاں میں بہ عجز و نیاز

نماز از سر صدق برپاے دار

که حاصل کنی دولت پایدار

نہیں فسق سے کام کوئی بتر — تو دامن کو اُس سے نہ آلودہ کر
تجھے اُس سے لازم ہے کرنا حذر — اُسی کو یقیں جان اے بہرہ ور

اگر دور باشی ز فسق و فجور
بناشی ز گلزار فردوس دور

جو سمجھے شریعت کی باتیں بجا — کرے پیروی اُن کی دل سے سدا
نظیر اُس کو محشر میں خطرہ ہے کیا — سخن ہے یہ اہل خرد نے کہا

کسے را که از شرع باشد شعار
نترسد ز آشوب روز شمار

در مذمت عصیاں

بُرائی ہے عصیاں میں بالکل میاں — نہیں کچھ بھلائی کا اُس میں نشاں
جو خوشنودیِ خالق دوجہاں — تجھے چاہیئے ہے یہاں اور وہاں

ولا عزم عصیاں مکن زینہار
که فردا نه باشی ز حق شرمسار

جو ہوتے ہیں دنیا میں عصیاں شعار — وہی کھینچتے ہیں ندامت کے بار
اگر ہے تو کچھ عاقل و ہوشیار — تو اُس کو یقیں جان اے غمگسار

ز عصیاں کند ہوشمند احتراز
که از آب باشد شکر را گداز

کرے گا گنہ تو جو یاں روز و شب — تو ہوگا ترا سب میں عاصی لقب
ترا نور دانش چھپے گا یہ سب — سمجھ رکھ یہی دل میں اے باادب

کند نیکبخت از گنہ اجتناب
کہ پنہاں شود نورِ مہر از سحاب

در تعریف شکر

تجھے شکر کرنے سے ہے افتخار
کہ شکر آب ہے تو شجر میوہ دار
تجھے شکر کرنے سے ہے اعتبار
تامل کر اور غور اے ہوشیار

زشکرِ جہاں آفریں سر متاب
کہ در باغ دیں شکر او ہست آب

جو کرتے ہیں یاں شکر شام و سحر
اگر دولت و بخت کا کچھ اثر
فزوں نعمت اُنکی ہے اور سیم و زر
تجھے دیکھنا ہے تو اے بہرہ ور

زیادت کند شکر جاہ و جلال
زیادت کند شکر مال و منال

جو ہیں رتبۂ شکر کے قدرداں
کیا کرتے ہیں دمبدم شکر یاں
نہیں شکر سے چپ وہ رکھتے زباں
تجھے بھی یہ لازم ہے اے مہرباں

نفس جز بہ شکرِ خدا بر میار
کہ واجب بود شکر پروردگار

جو کچھ نعمتیں تجھ کو بخشی ہیں یاں
کرے گا تو کس کس کا شکر اے میاں
وہ ہیں بے زباں اور تری کُند زباں
جو شاکر ہے تو اس کو تحقیق جاں

اگر شکر حق تا بروز شمار
گزاری نباشد یکے از ہزار

نہ دے شکر سے تو بھی لب کو قرار
زباں کو ہلا شکر میں بار بار

نظیر اس سخن کو تو کر اعتبار ۔ ادا گرچہ تجھ سے نہ ہو زینہار

وے گفتنِ شکر اولیٰ تر است
کہ اسلام را شکر او زیور است

در صفتِ صبر

صبوری کی دولت بڑی ہے میاں ۔ یقین ہے وہ رکھتے ہیں آرام جاں
ہر اک اس سے خوش دل ہے اور شادماں ۔ صبوری کی کیا کیا کہوں خوبیاں

دلا گر صبوری کنی اختیار
بدست آوری دولتِ پایدار

صبوری میں ہے اس قدر مرتبا ۔ کہ ہے صابروں کے دلوں پر لکھا
نہیں لکھی جاتی ہے اُس کی ثنا ۔ غرض یہ سخن سن تو اے پارسا

صبوری بود کار پیغمبراں
نہ پیچید زیں روے دیں پروراں

صبوری کی راہ میں تو رکھ کر قدم ۔ نہ مقصد کے ملنے سے ہو پُر الم
نہ آنے دے خاطر میں کچھ درد و غم ۔ یقیں کر اسی بات پر دم بدم

صبوری ترا کامگاری دہد
ز رنج و بلا رستگاری دہد

صبوری جو کرتے ہیں یاں صبح و شام ۔ تو اُن کے صبوری سے جاری ہیں کام
ملے ہے اُنھیں رتبۂ و احترام ۔ یقیں کر یہی بات اے نیکنام

صبوری کشاید در کامِ جاں
کہ جز صابری نیست مفتاحِ آں

صبوری کہے گا جو دل سے بیاں
نہ گھبرا کسی کام میں میری جاں

تو ہو گی تری اس میں خوبی عیاں
نصیحت پہ سعدی کی رہ جا وداں

صبوری کنی گر ترا دیں بود
کہ تعجیل کار شیاطیں بود

جو کچھ ہے ترا مقصد و مدّعا
بر آنے میں اس کے یہاں غم نہ کھا

نہیں گر وہ جلدی سے ہوتا روا
یقیں اس کو تو جان اے دل ربا

صبوری کلید در آرزوست
کشایندۂ کشورِ آرزوست

جو کچھ آرزو جی میں ہے تیری یاں
جو چاہے ملے تجکو اُس کا نشاں

نہ ملنے کا ہے رنج دل میں نہاں
اسی کو یقیں دل میں رکھ جاوداں

صبوری بر آرد مراد دلت
کہ از عالماں حل شود مشکلت

اگر ہے تو دام بلا میں اسیر
نہ لا رنج دل میں قلیل و کثیر

وگر ہے تری طبع کلفت پذیر
کہا ہے بزرگوں نے یوں ای نظیر

صبوری بہر حال اولےٰ بود
کہ در ضمنِ آں چند معنیٰ بود

در صفت شراب عشق گوید

مے عشق ہے وہ نشاط الیتام
اُنھیں کو ہے دن رات عیش مدام

کہ اُس کا نشا ہے جنھیں صبح و شام
تو بس جلد لے کر صُراحی و جام

بدہ ساقی آں آبِ آتش لباس

کہ مستی کند اہل دل التماس

وہ مے جس سے ہے چشم دل کو نگاہ
نہ کیونکر ہو سو جان سے اُس کی چاہ

وہ ہے جان عشّاق بے اشتباہ
بہار اُس کی کیا کیا کہوں واہ واہ

مے لعل در ساغر زر نگار
بود روح پرور چو لعل نگار

جنھیں شوق ہے یاں مے عشق کا
عجب اُن کے دل کو ہی ملتا مزا

چڑھا ہے جو اُس مے کا اُن کو نشا
تو کیفیت اُس کی کہوں اب میں کیا

خوشا لذّت شوق ارباب عشق
خوشا لذّت ذوق اصحاب عشق

جو عشّاق ہیں اُن سے مت کر حجاب
اُنھیں لطف سے اپنے کر کامیاب

دل اُن کا جو کرتا ہے مست و خراب
تو لا ساقیا بھر کے جام شراب

شرابے چو لعلِ رواں بخش یار
شرابے مصفّا چو روے نگار

جو ہے عاشقوں کو غم جاں گزا
تجھے اُس کی لازم ہے کرنی دوا

جو چاہے خمار اُن سے ہوئے جدا
تو جلدی سے اے ساقی دلربا

بیار آں شرابے چو آب حیات
کہ یابد ز نوشش دل از غم نجات

وہ سرخی نہیں آنکھوں میں بھر رہی
عجب مشغل عشق روشن ہوئی

کبھی سرخوشی اور کبھی بے بسی
کہوں کیا میں اس کے سوا اس گھڑی

خوشا مے پرستی ز صاحبدلاں
خوشا ذوق مستی ز اہل دلاں

کیا جس نے دل دوستی پر فدا | قدم راہ اُلفت میں اپنا رکھا
رہا ملتجی جلوۂ یار کا | صفت اُس کی یارو کہوں اور کیا

خوشا دل کہ دارد تمنائے دوست
خوشا دل کہ در بند سودائے اوست

جو مشتاق نظارۂ یار ہے | اُسی کو محبت سزاوار ہے
اسے کب کسی سے یہاں کار ہے | نظیر اُس کے لب پر یہ ہر بار ہے

خوشا دل کہ شیدا است بر روئے دوست
خوشا دل کہ شد منزلش کوئے دوست

در صفت راستی

جو رکھتے ہیں یاں راستی میں کمال | وہی فی الحقیقۃ ہیں فرخندہ حال
دل اُن کا چمکتا ہے اختر مثال | انھیں نیک باتوں پہ کر کے خیال

دلا گر کنی راستی اختیار
شود دولتت ہمدم و بختیار

جو رکھتے ہیں یاں راستی کا اثر | بزرگی میں ہوتے ہیں وہ نامور
اسی حسن و خوبی پہ کر کے نظر | کہا شیخ سعدی نے اے پُر ہنر

نہ پیچد سر از راستی ہوشمند
کہ از راستی نام گردد بلند

جو ہیں راستی میں یہاں کامیاب | نہیں اُن کے دل کو ذرا رنج و تاب
دہن کی ہے بو اُن کے مثلِ گلاب | جو پوچھے تو سن اے فراست مآب

بہ از راستی در جہاں کار نیست

که در گلبن راستی خار نیست

جو رکھتے ہیں یاں راستی کا شعار — انھیں کا ہے عالم میں عزّ و وقار
وہ ہوتے ہیں مقبول پروردگار — سمجھ کر یہی بات اے کامگار

دم از راستی گر زنی صبح وار
ز تاریکی جہل گیری کنار

جنھیں راستی کی خوش آئی ہے طیب — وہ ہیں گلشن صدق کے عندلیب
جو ناراستی کے ہوا عنقریب — سمجھ اُس کا انجام اے خوش نصیب

کسے را که ناراستی گشت کار
کجا روز محشر شود رستگار

جو رکھتے ہیں یاں راستی پر نگاہ — انھیں کی بہت لوگ کرتے ہیں چاہ
بزرگی سے ہوتا ہے اُن کا نباہ — جو ہے تو عقیل اور دانش پناہ

مزن دم بجز راستی زینهار
که دارد فضیلت بسی بر یسار

رہے گا تو ناراستی میں اسیر — تو سب کی نگاہوں میں ہوگا حقیر
یہاں اور وہاں ہوگی ذلت کثیر — اسی کو یقیں دل میں کر اے نظیر

ز ناراستی نیست کارے بتر
کزو گم شود نام نیک اے پسر

در مذمّتِ دروغ

جسے جھوٹ کہتے ہیں اہل جہاں — وہ سینے کی ہے تیرگی کا نشاں
خرد کی ضیا کو ہے کرتا نہاں — نہیں یاد کیا قول دانشوراں

کسے را کہ گردد زبانِ دروغ
چراغ دلش را نباشد فروغ

کرے گا جو تو جھوٹ کو اختیار — طبیعت رہے گی الم سے فگار
کرے گا نہ کوئی ترا اعتبار — یقین جان لے اسکو اے ہوشیار

ترا شرمساری نماید دروغ
بکاذب در غم کشاید دروغ

اگر جھوٹ بولے گا تو ہر زماں — تو ہوگا خجل سب میں تو اے میاں
کریں گے حذر تجھ سے اہل جہاں — ہمیشہ یقیں کر اسے میری جاں

ز کذاب گیرد خردمند عار
کہ اورا نیارد کسے در شمار

جسے جھوٹ رکھتا ہے کچھ شادماں — اُسے خوار کرتا ہے پھر ہر زماں
سراسر بدی اس کے ہے درمیاں — اگر اعتبار اپنا چاہے تو یاں

دروغ اے برادر مگو زینہار
کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار

جسے جھوٹ ہوتا ہے یاں دلپذیر — وہ ہوتا ہے یاں منفعل اور حقیر
نہیں اُس کی توقیر کرتے کبیر — جو دیکھا تو سچ ہے یہی اے نظیر

دروغ آدمی را کند شرمسار
دروغ آدمی را کند بے وقار

در صنعتِ حق تعالیٰ شانہ

جہاں میں نئے رنگ کے ہیں چلن — عیاں ہے عجب طرز کی انجمن

تجھے دیکھتے ہیں جو طور زمن — تو چشم تامل سے اے یار من

نگہ کن دریں گنبد زرنگار
کہ سقفش بود بے ستون استوار

کہیں باغ و بستاں کہیں نیستاں — کہیں کوہ و صحرا کہیں بحر و کاں
کہیں ہے بہار اور کہیں ہے خزاں — انھیں دیکھ کر پھر تو اے مہرباں

سراپردۂ چرخ گردندہ بیں
درو شمعہاے فروزندہ بیں

تامل ذرا کر تو پھر اور میں — ہر اک وضع میں اور ہر اک طور میں
جو دیکھا تو ٹھہرا یہی غور میں — کہ کیا کیا ہیں نقشے عیاں دور میں

یکے پاسبان و یکے پادشاہ
یکے دادخواہ و یکے تاج خواہ

کہیں دعوتوں کی ہیں تیاریاں — نشاط و طرب کی ہواداریاں
کہیں رنج و غم کی گرفتاریاں — غرض ہیں عجب کچھ نموداریاں

یکے شادمان و یکے دردمند
یکے کامران و یکے مستمند

کہیں بے کسی اور کہیں دستگاہ — کہیں بے وقاری کہیں عز و جاہ
پڑے کیوں نہ حیرت میں جا کر نگاہ — غرض کچھ عجب یاں کی ہے رسم و راہ

یکے بر حصیر و یکے بر سریر
یکے در پلاس و یکے در حریر

کہیں سختی و رنج سے ہائے ہے — کہیں درد و اندوہ سے وائے ہے
کہیں محفل عیش پیرائے ہے — عجائب تماشے کی یہ جائے ہے

یکے راعنا و یکے راغنا
یکے رابقا و یکے رافنا

کہیں بے زری اور کہیں گنج زر
کہیں غمزدہ اور کہیں شاد تر

کہیں خامشی اور کہیں شور و شر
نئی طرح کا یاں کا دیکھا اثر

یکے بینوا و یکے مال دار
یکے نامراد و یکے کامگار

کہیں صبح عشرت کہیں شام غم
کہیں مہربانی کہیں ہے ستم

کہیں خرمی اور کہیں ہے الم
جہاں میں جہاں دیکھو یہ ہے بہم

یکے در تبسم یکے در عذاب
یکے در مشقت یکے کامیاب

کہیں شادمانی کہیں غم کشی
کہیں دل کی قوت کہیں سست جی

کہیں کہنگی اور کہیں تازگی
غرض کچھ عجب طرح ہی یاں کی بھی

یکے تندرست و یکے ناتواں
یکے سال خورد و یکے نوجواں

کہیں نرم وضعی کی چلتے ہیں راہ
کہیں لطف ہے اور کہیں ظلم و آہ

کہیں سخت گوئی کہیں مہر و چاہ
عجب ڈھب کی دیکھی ہے یہ بزم گاہ

یکے نیک خلق و یکے تندخوے
یکے بردبار و یکے جنگ جوے

کہیں ہے ہدایت کہیں گمرہی
کہیں پارسائی کہیں مے کشی

کہیں راستی اور کہیں کجروی
جہاں میں عجب دھوم ہے مچ رہی

یکے در صواب و یکے در خطا

یکے در دُعا و یکے در دغا

کہیں ہے نشاط و طرب ہر زماں
کہیں کلفت دل ہر رخ پر عیاں

بہار ہے چمن نغمۂ بلبلاں
کہاں تک کہوں یاں کی نیرنگیاں

یکے در گلستان راحت مقیم
یکے با غم و رنج و محنت ندیم

کہیں بادۂ عیش سے موج زن
کہیں رنج و غم سے لگی ہے لگن

پری زاد بیٹھے ہیں نازک بدن
غرض کچھ عجب ڈھب کی ہو انجمن

یکے را فروزند شمع طرب
یکے راز غم روز روشن چو شب

کہیں شادکامی کے ہیں کاروبار
کہیں درد و غم سے ہے خاطر فگار

عیاں سیم و زر کے ہیں نقش و نگار
عجب طرز کے ہیں چلن آشکار

یکے را برون رفتہ ز اندازہ مال
یکے در غم نان و خرچ عیال

کہیں ہیں تر و تازگی کے نشاں
کہیں رنج و افسردگی ہے عیاں

خوشی خرمی قہقہے خوبیاں
عجب ڈھب کا ہے آج رنگ جہاں

یکے چوں گل از خرمی خندہ زن
یکے را دل آزردہ خاطر حزن

کہیں عزت و اجلال ہے بیشمار
کہیں قید غم سے ہے دل داغدار

نمایاں ہے باغ چمن کی بہار
جہاں میں عجب رنگ ہے آشکار

یکے در جہاں جلالت امیر
یکے در کمند حوادث اسیر

کہیں پارسائی کا اقبال ہے — عبادت سے ہر ایک خوشحال ہے
کہیں طبع عصیاں کے دنبال ہے — غرض کچھ عجب یاں کا احوال ہے

یکے بستہ از بہر طاعت کمر
یکے در گنہ بُرد عمرے بسر

کہیں راہ و رسم مناجات ہے — تلاوت ہے تقویٰ ہے طاعات ہیں
کہیں بادہ و بنگ دن رات ہے — عجب آئینہ یاں طلسمات ہے

یکے را شب و روز مصحف بدست
یکے خفتہ در کنج میخانہ مست

کہیں علم کا ہو رہا ہے کمال — معانی کی ہے بحث اور قیل و قال
کہیں ہیں جہالت کے دلمیں خیال — عجب رنگ کی ہیں یہاں چال ڈھال

یکے عالم و مقبل و ہوشیار
یکے جاہل و مدبر و شرمسار

کہیں تو شریعت کے اقرار ہیں — مسائل کی بحثیں ہیں تکرار ہیں
کہیں منکری میں گرفتار ہیں — عجب رنگ پر یاں کے اطوار ہیں

یکے بر در شرع سمار وار
یکے در رہ کفر زُنّار دار

کہیں خواہش مرشد رہنما — کہ ارشاد لاویں سب اُس کے بجا
کہیں فاجری مرتدی ہے بپا — غرض یاں عجب رنگ ہے مچ رہا

یکے نیک کردار نیک اعتقاد
یکے غرق در بحر فسق و فساد

کہیں زور و قوت میں ہیں استوار — جہاد اُن سے ہوتے ہیں نت آشکار

کہیں ضعف سے چھپتے پھرتے ہیں ال　　عجب طرح کا یاں کا ہے کاروبار

یکے غازی و چابک و پہلواں
یکے بزدل و سست ترسندہ جاں

کہیں دین و ایماں سے ہیں نیکنام　　حسابوں میں لکھتے ہیں دینار و دام
کہیں ہیں گرفتار کفر و ظلام　　عجب طور کا یاں کا ہے انتظام

یکے کاتب اہل دیانت ضمیر
یکے دزد باطن کہ نامش دبیر

زمانے میں ہیں یہ بھی نیرنگیاں　　کہیں کچھ ہے ظاہر کہیں کچھ عیاں
اُنھیں دیکھ کر ہو نہ غافل میاں　　جو بھولا تو بھولا مگر مہرباں

ازیں پس مکن تکیہ بر روزگار
کہ ناگہ ز جانت بر آرد دمار

جو حشمت ترے پاس ہے بیشمار　　تو اُس کا بھروسا نہ کر زنہار
نہیں اُس کے رہنے کا کچھ اعتبار　　اگر عقل ہے تجھ کو اے ہوشیار

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست بعد از تو ہم

اگر ہے جہاں میں تو دارا نشاں　　سپہ بھی بہت ہی ترے ہمعناں
اگر ہے تو دانشور و کامراں　　نہ ہو اُس پہ نازاں تو اے مہرباں

مکن تکیہ بر لشکر بیعدد
کہ شاید ز نصرت نیابی مدد

اگر حکم اور ملک ہے بیشتر　　تو ہرگز بھروسا تو اس کا نہ کر
یہ ہوتا ہے دم میں ادھر سے اُدھر　　عجب کہہ گیا سعد سے نکتہ ور

مکن تکیہ بر ملک و فرماندہی
کہ ناگہ چو فرماں رسد جاں دہی

اگر تجھ کو شوکت سے ہے احترام
جو کچھ عقل سے تجھ کو رہتا ہے کام
تو مغرور اس پر نہ ہو صبح و شام
تو زنہار اے صاحب احتشام

مکن شادمانی بجاہ و جلال
کہ بے خوف نقصاں نباشد کمال

جہاں میں اگر تو ہے کشورستاں
نہ ہو اس پہ مغرور ہرگز میاں
سب اسباب دولت کے ہیں تیرے یاں
اگر ہے تو دانشور و اہل شاں

مکن تکیہ بر ملک و تاج و لوا
کہ ناگہ در آید سپاہِ بلا

جو آگے تھے یاں صاحب زیب و فر
نہیں استقامت کا اس جا اثر
کہاں ہیں وہ اب دل میں ٹک غور کر
تھے اگلے زمانے میں بھی جلوہ گر

بسا بادشاہان سلطاں نشاں
بسا پہلوانان کشورستاں

جہاں کا یہی ہے چلن اے جواں
ہوئی ہے بہاروں کی آخر خزاں
کہ رہتا نہیں یاں کوئی جاوداں
سوا اس کے تھے زیب باغ جہاں

بسا ماہ رویان شمشاد قد
بسا نازنینان خورشید خد

عجب زیب و زینت سے تھے ہمقریں
کوئی مہروش اور کوئی مہ جبیں
کہاتے تھے محبوب اور نازنیں
اسی طرح تھے زیب روئے زمیں

بسا نوعروسان آراستہ

بسا خوب رویان نو خاستہ

ہیں اب جس طرح گلبدن نوجواں
یہی دل فریبی یہی شوخیاں
اسی طور آگے بھی تھے دلستاں
بصد ناز و انداز رہتے تھے یاں

بسا نامدار و بسا کامگار
بسا سرو قد و بسا گلعذار

وہ ایسا ہی رکھتے تھے حسن و جمال
بہت خوشنما اور شیریں مقال
کہ تھے گلشن ناز کے نونہال
کہوں کیا ہوا اُن کا انجام حال

کہ کردند پیراہن عمر چاک
کشیدند سر در گریبان خاک

غرض ہو گئے ہیں وہ زیبا صنم
عجب شوخیاں اور طرز ستم
کہ تھے دام دل جنکی زلفوں کے خم
کروں کیا بیاں اب میں باچشم نم

چناں خرمن عمر شاں شد بباد
کہ ہرگز کسے زاں نشانے نداد

جہاں میں عیاں ہیں یہی کاروبار
زمانے کا ہرگز نہیں اعتبار
تو غفلت میں رہ کر نہ ہو شرمسار
جو کچھ عقل ہے تجھ کو تو زنہار

منہ دل بریں منزل جانستاں
کہ دروے نہ بینی دلے شادماں

جو دل کو لگاوے گا غفلت سے یاں
اگرچہ دل آویز ہے یہ مکاں
رہے گا الم میں بشور و فغاں
نہیں ہے مگر یہ رہِ جاوداں

منہ دل بریں کاخ خرم ہوا
کہ می بارد از آسمانش بلا

رہے گا جو غفلت میں یاں مبتلا
ندامت بھی کھینچے گا اس کے سوا

وہ پائے گا ہر لحظہ رنج و عنا
اگر ہے تجھے عقل و فہمِ رسا

منہ دل بریں دیرِ کہنہ خراب
کہ خالی نہ باشد ز رنج و عذاب

جو غفلت ترے دل میں ہے جاگیر
لگیں گے طبیعت میں کلفت کے تیر

تو ہوگا کمندِ الم میں اسیر
جو آرام چاہے تو ہرگز نظیر

منہ دل بریں دیر ناپائدار
ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

ختم شد دیوانِ اُردو

ضمیمہ دیوان نظیر
(اُردو)

ہمیں افسوس ہے کہ مندرجۂ ذیل غزلیں اُسوقت دستیاب ہوئیں جبکہ اُردو کا دیوان مرتب ہو چکا تھا لہذا ترتیب خاص کا لحاظ کیے بغیر درج کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ ضمیمہ شامل کرنے کے بعد چند نقائص رہ جاتے ہیں جنکا ازالہ ضروری ہے نیز بعض جگہ بادنی تغیر کسی قدر تکرار لازم آتی ہے اور بعض غزلیں نامکمل رہ گئیں۔ اُن کا بقیہ حصہ حوالہ نمبر دیکر درج کیا جاتا ہے اور آخر کتاب میں بمجبوری غلط نامہ کا اضافہ کردیا تاکہ ناظرین تصحیح فرمالیں۔

محمد اشرف علی کاتب نولکشور پریس لکھنؤ

ردیف الف

دریا و کوہ و دشت و ہوا ارض اور سما
دیکھا تو ہر مکاں میں وہی ہے رہا سما

ہے کونسی وہ چشم نہیں جس میں اُس کا نور
ہے کونسا وہ دل کہ نہیں جس میں اُسکی جا

قمری اُسی کی یاد میں کوکو کرے ہے یار
بُلبل اُسی کے شوق میں کرتی ہے چہچہا

مفلس کہیں غریب تونگر کہیں غنی
عاجز کہیں نبل کہیں سلطاں کہیں گدا

بہروپ سا بنا کے ہر اک جا وہ آن آن
کس کس طرح کے روپ بدلتا ہے واہ وا

ملکِ رضا میں کے توکّل کی جنس کو
بیٹھیں ہیں سب اسی کی دکانیں لگا لگا

سب کا اُسی دکان سے جاری ہے کاروبار
لیتا ہے کوئی حسن کوئی دل ہے بیچتا

دیکھا جو خوب غور سے ہم نے تو یاں نظیر
بازار مصطفےٰ ہے خریدار ہے خدا

۲

لالے کو گو کہ لال کا پیالہ بنا دیا
پر ساتھ اس کے داغ بھی کیسا لگا دیا

گردوں نے ہم کو کیا نہ دیا اور کیا دیا
سب کچھ دیا اگر دل بے مدعا دیا

لے گل سے تا بہ خار مرے دل کے باغ کو
اس شعلہ رو نے ایک نظر میں جلا دیا

اے ابر تر ہمارے بھی ابر مژہ نے آج
پل مارنے میں اشک کا دریا بہا دیا

خواب عدم میں ہم تو فراغت سے اے نظیر
سوتے تھے لیکن عشق نے آکر جگا دیا

۳

الفت نے اس کی اوج پہ ہم کو دلا دیا
جو رفتہ رفتہ خاک میں آکر ملا دیا

شرمندۂ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب
کس باغباں نے گل کا گریباں سلا دیا

جیتے رہے نشانہ ہوئے پھر بھی اب تلک
قاتل نے ہم کو مار کے ایسا جلا دیا

ساقی نے سب کو بھر کے دیے جام بزم میں
ساغر جو ہم نے مانگا تو شیشہ ہلا دیا

چاہا کہ مجھ سے پھر وہ نہ بولے کبھی نظیر
لوگوں نے بارے منتیں کر کے ملا دیا

۴

ایک دن آپ نے اس کا نہ کبھی دھیان کیا
جس نے یہ حسن دیا اور تمھیں انسان کیا

طور کو پھونک دیا اس نے تمھاری خاطر
چشم کے واسطے جب سرمے کا سامان کیا

کٹھن تھا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر
کام مشکل تھا، پر اللہ نے آسان کیا

۵۰

بہار آئی کیا ہر شاخ پر گل نے مکاں اپنا
بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا

بڑے حظ لوٹتے ہم بھی لب جو میکشی کر کر
اگر آتا چمن میں آج وہ سرو رواں اپنا

مقابل اس کے منھ کے گل کو تو کس منھ سے کرتا ہے
کہاں گل اور کہاں وہ منھ تو دیکھ اے باغباں اپنا

عدم سے جو ہمیں اے ہمنشیں ہستی میں لایا ہے
وہی غمخوار اپنا، یار اپنا، مہرباں اپنا

اسی کی مہربانی سے سبھوں کی مہربانی ہے
ہوا جب وہ نظیر اپنا تو پھر ہے سب جہاں اپنا

۶

دیا قاتل نے پہلی ہی نظر میں جان کو دہلا
الٰہی شرم رکھ لیجو ابھی یہ وار ہے پہلا

بہ حق ذوالفقار حیدری ہم منھ نہ موڑیں گے
اگر زخموں سے بن جاوے گا، تن شمشیر کا دہلا

چمک جا پھر خدا کے واسطے اے طور کے شعلے
کہ مثل آتش افسردہ پھر کچھ دل چلا گھلا

جو شاعر ہے تو خالی ڈال مت اس یار کا کہنا
نظیر اب دیکھتا کیا ہے تو ہی یہ ریختہ کہہ لا

۷

جھمک دکھاتے ہی اس دلربا نے لوٹ لیا
ہمیں تو پہلے ہی اس کی ادا نے لوٹ لیا

نگہ کے ٹھگ کی لگاوٹ نے فن سے کر غافل
ہنسی نے ڈال دی پھانسی، دعا نے لوٹ لیا

وفاجفانے یہ کی جنگ زرگری ہم سے
وفا نے باتوں لگایا، جفا نے لوٹ لیا

لٹے ہم اُس کی گلی میں تو یوں پکارے لوگ
کہ ایک فقیر کو ایک بادشاہ نے لوٹ لیا

ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے
کہ ہم کو راہ میں ایک آشنا نے لوٹ لیا

ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیر کو بھی اُسی بے وفا نے لوٹ لیا

٨

دل یار کی گلی میں کر آرام رہ گیا
پایا جہاں فقیر نے بسرام رہ گیا

کس کس نے اس کے عشق میں مارا نہ دم ولے
سب چل بسے مگر وہ دل آرام رہ گیا

جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر
خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

٩

جو پوچھا میں نے یہاں آنا منظور رکھیے گا
تو سن کر یوں کہا یہ بات دل سے دور رکھیے گا

بہت روئیں یہ آنکھیں اور بڑی دل جلاتی ہیں
اب ان کو چشم بھی کیجیے گا یا ناسور رکھیے گا

جو پردہ بزم میں منہ سے اُٹھاتے ہو تو یہ کہہ دو
کہ پھر یاں شمع کے جلنے کا کیا مذکور رکھیے گا

دیا دل ہم نے تم کو اور تو اب کیا کہیں لیکن
یہ ویرانہ تمھارا ہے اسے معمور رکھیے گا

نظیر اب تو دل و جاں سے تمھارا ہو چکا بندہ
میاں اپنے غلاموں میں اسے مشہور رکھیے گا

١٠

ادھر مدت ہوئی وہ حسرت گلشن نہیں آتا
شکار دل تڑپتا ہے شکار افگن نہیں آتا

نزاکت اور خوش اندامی زیادہ اس سے کیا ہوگی
مہ کنعاں کا جس کے بر میں پیراہن نہیں آتا

لڑی منہ سے نہ بولی وہ میٹھی جھڑکیاں دے لیں
اسے سب کچھ نہ آتا ہے مجھے کچھ بن نہیں آتا

طرح دینا، اڑا دینا، لگا دینا، بجھا دینا
یہ ڈھب ہیں یاد تس پہ کچھ فریب و فن نہیں آتا

صریحاً یہ تو ضد ہے مجھ سے اس بیدرد ظالم کو
کہ ہر دم روٹھنا آتا ہے لیکن من نہیں آتا

نظیرؔ اُس شوخ نے سیکھی زباں فارسی جب سے
دلوں کے حق میں جز بشکن اُسے مشکن نہیں آتا

۱۱

زیر فلک وہ خلق ہوئے ماہ پارہ ہا
دیکھے ہے جن کو رشک سے چشم ستارہ ہا

ہر شب ترے فراق میں اے اختر مراد
اپنی ہر ایک آہ ہے گنج ستارہ ہا

ہے تو وہ مہر حسن کہ ہر دم تری طرف
گل اختر سپہر ہیں گرم نظارہ ہا

یوں سنگ ہجر توڑے ہے آئینہ ہائے دل
مینا کے ٹکڑے کرتے ہیں جوں سنگ خارہ ہا

کرتی ہے اک نگاہ کی گردش ہزار ناز
رکھتی ہے ایک جنبش ابرو اشارہ ہا

پیدا ہوئے وہ خلقت انساں میں دُر نظیرؔ
کرتا ہے عرش جن پہ فدا گوشوارہ ہا

۱۲

ہیں دم کے ساتھ عشرت و عسرت ہزار ہا
وابستہ ایک تار نفس سے ہیں تار ہا

کچھ صید زخم خوردۂ جاناں ہمیں نہیں
ہر صید گہ میں اس کی ہیں بسمل شکار ہا

آیا وہ جب تو ہم نہ رہے آپ میں غرض
دیکھا اسی طرح سے، اُسے ہم نے بار ہا

اُس گل کے چاک جیب کی حسرت سے باغ میں
ہر صبح چاک ہوتی ہیں جیب و کنار ہا

اس سوزن مژہ کے تصور میں شانہ ساں
ٹوٹے ہیں ایک خلق کے پہلو میں خار ہا

کس کس کی دیکھیے چمن صنع میں بہار
اپنی فقط نہ چشم ہیں اور یاں بہار ہا

تھے کل یہ خط عارض خوبان سبزہ رنگ
کہتے ہیں آج خلق جنھیں سبزہ زار ہا

تھے کل یہ شاہد ان سہی سرو و سیم تن
شاہد ہیں آج مرگ کے جن کے مزار ہا

سب کو نظیرؔ سونا ہے ایک دن بہ زیرِ خاک
سنگِ مزار اس کے ہیں آئینہ دار ہا

١٣

یار نے ہم کو اگر رسوا کہا اچھا کہا
ہم تو رسوا ہیں ہی کیا بے جا کہا اچھا کہا

وصف اس کے حسن کا کلی ہو اُس سے گر
جس کے جتنا فہم میں آیا کہا اچھا کہا

آپ سے جب آپ کو ہم نے ملایا خاک میں
پھر تو جس جس نے جو کچھ چاہا کہا اچھا کہا

یار کے آگے پڑھا یہ ریختہ جا کر نظیرؔ
سن کے بولا واہ واہ اچھا کہا اچھا کہا

١٤

دل فدا تجھ پہ جو اے سرو گل اندام ہوا
حلقۂ زلفِ بتاں پھر اُسے کب دام ہوا

ہو گیا دیکھتے ہی مشرق خورشید خجل
اس کفِ پا سے مشرف جو سرِ بام ہوا

آگیا اس میں وہ محبوب دل آرام نظیرؔ
جب اُسے دیکھ لیا تب ہمیں آرام ہوا

١٥

تختی کو لے کے جب وہ قلم کو اٹھاتا تھا
مشقِ الف میں آہ کی مدیں دکھاتا تھا

بے کی کشش میں طول طپش کا جتاتا تھا
نقطے کی جائے قطرۂ آنسو بہاتا تھا

لکھنے میں میم کے جو قلم کو ہلاتا تھا
نقشِ دہن صنم کا اُسے یاد آتا تھا

جس وقت عین لکھنے میں دل کو لگاتا تھا
دیکھ اس کو چشمِ یار تصور میں لاتا تھا

تختی وہ کیا تھی دفترِ رنج و ملال تھا
لکھنے کی بات پوچھو تو اس کا یہ حال تھا

۱۶

ترے رخسار رنگیں نے کیا دل زیر پھولوں کا
بدن گل، چہرہ گل، لب گل اور دہن ہے گل
یہ پربلبل کے اکھڑے مت سمجھ لے باغباں ہرگز

ترے حسنوں کی فوجوں نے دیا رخ پھیر پھولوں کا
سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہے ڈھیر پھولوں کا
ہوا ہے میکدہ میں ٹوٹ کر یہ ڈھیر پھولوں کا

گلے میں ہار اور ہاتھوں میں گجرے ہو گئے یوں لپٹے
خدا کے واسطے دیکھو ذرا اندھیر پھولوں کا

۱۷

نہ ٹوکو دوستو اس کی بہار نام خدا
یہ وہ صنم ہے پری رو کہ جس پہ ہوتی تھیں
اسی صنم کی نگاہوں کی برچھیاں یارو
اسی کے نشترِ مژگاں میں اب وہ تیزی ہے
اسی صنم کے رخ و زلف کے تصور میں
لگی میں کوچہ و بازار میں ہم اب دن رات
اسی کے سر کی قسم ہے کہ ہم تو مر جاتے
بنے ہیں یاں جو کئی دیر اور صنم خانے
اٹھا کے سینہ جھٹک بازو اور بنا کر دھج
قدم قدم پہ برہمن کہیں ہیں بسم اللہ
غرض جدھر کو نکلتا ہے یہ تو ہر اک کے

یہی اب ایک ہے یاں گلعذار نام خدا
ہزار جان سے پریاں نثار نام خدا
ہوئی ہیں میرے کلیجے کے پار نام خدا
کہ جس سے ہوتے ہیں ہم دل فگار نام خدا
ہماری گزرے ہے لیل و نہار نام خدا
اسی کے واسطے پھرتے ہیں خوار نام خدا
اگر نہ ہوتا یہ گل رو نگار نام خدا
ادھر جو ہوتا ہے اس کا گزار نام خدا
چلے ہے جس گھڑی ٹھوکر کو مار نام خدا
صنم بھی کہتے ہیں سب بار بار نام خدا
زباں سے نکلے ہے بے اختیار نام خدا

نظیر ایک غزل اور کہہ کہ تیرے سخن
ہیں اب تو سب گہر آبدار نام خدا

۱۸

نہ پہنے کیونکہ وہ پھولوں کے ہار نام خدا
ابھی تو اس کی نئی ہے بہار نام خدا

جو مجھ سے پوچھے ہی ہنس کر کہ میں پری ہوں کیا
تو میں یہ کہتا ہوں ہاں میرے یار نام خدا

نشے کی اب تلک آنکھوں میں کچھ نہ تھی مستی
پر اب کچھ آتا چلا ہے خمار نام خدا

وہ دو بدو کی نگاہیں لڑانا کیا جانے
حیا سے ہے وہ ابھی شرم دار نام خدا

ابھی تو اسکی بڑھائی ہیں ہنسلیاں یارو
ابھی یہ آیا ہے چوٹی اُتار نام خدا

مجھی سے لینے کی دل کے ہوئی ہے بسم اللہ
مجھی پہ اس کا یہ پہلا ہے وار نام خدا

ابھی تو آنکھ اُٹھا کر مجھی کو دیکھا ہے
ابھی تو مجھ سے ہی رکھتا ہے پیار نام خدا

میں اپنی دیکھ کے ایڑی یہ بات کہتا ہوں
نہ ہوگا ایسا کوئی وضع دار نام خدا

کمر کو باندھ کے اپنی، پری سے توسن پر
جدھر کو نکلے گا ہو کر سوار نام خدا

ادھر غرضکہ صفیں کی صفیں اُلٹ دیگا
کرے گا حشر سا ایک آشکار نام خدا

نظیر دیکھ اسے سب یہ مجھ سے کہتے ہیں
پری ہے یار تیرا، یہ تو یار، نام خدا

۱۹

وہ رشک حُور جو وقت سحر بے نقاب تھا
دیکھ اُس کے رُخ کو روبہ زمیں آفتاب تھا

ق

اک دن، دل اپنا، عیش گزشتہ کو یاد کر
رہ رہ کے ہم سے مانگتا اس کا جواب تھا

یعنی وہ کیا زمانہ عشرت تھا اے نظیر
جس میں ہزار عیش سے میں کامیاب تھا

اب زار و ناتوان و ضعیف و نحیف ہوں
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

اک جنبش مژہ میں وہ برہم ہوا طلسم
کیا کہیے اُس کو اور مگر یہ کہ خواب تھا

جب ہم نے دل سے بھر کے دم سرد یوں کہا
جس میں مئے طرب سے تو مست خراب تھا

بہارت کیا بتائیں ہم اُس عصر خوش کا نام
اے غفلت انتہا وہی عہد شباب تھا

تھی باغ زندگی کی اسی سے ہی آب ورنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام دل فروز
مجموعۂ حیات کا لب لباب تھا

۲۰

ادھر اس کی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا
ادھر مرنا تڑپنا غش میں آنا، دم الٹ جانا

کہوں کیا کیا میں نقشہ اس کی ناگن زلف کے یارو
لپٹنا، اڑ کے آنا، کاٹ کھانا پھر پلٹ جانا

اگر ملنے کی دھن رکھنا تو اس ترکیب سے ملنا
سرکنا، دور ہٹنا، بھاگنا اور پھر لپٹ جانا

نہ ملنے کا ارادہ ہو تو یہ عیاریاں دیکھو
ہمکنا، آگے بڑھنا، پاس آنا اور ہٹ جانا

یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی
بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا پھر سمٹ جانا

یہ یکتائی، یہ یکرنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے
نہ کم ہونا نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا

نظیر ایسا جو چنچل، دلربا بہروپیا ہووے
تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

۲۱

ہر ایک گھاٹ پہ ہے اب رواج پریوں کا
عجب نہان ہے دریا پہ آج پریوں کا

جو خوبرو ہیں ہم ان کے حکیم ہیں یارو
کیا ہے ہم نے ہمیشہ علاج پریوں کا

جدھر کو دیکھیے پریاں تمام پھرتی ہیں
ہوا جہان میں کیا یارو راج پریوں کا

نہ بیٹھے دل کا کبوتر کسی کے دانے پر
ہمیشہ اس نے تو کھایا ہے اناج پریوں کا

ملی کل ایک جو رنڈی سیاہ بدصورت ق
چمار دیکھ، کرے جس کو لاج پریوں کا

کہا نظیر تو ہم پاس کیوں نہیں آتا
کہ ہم نے حسن میں پایا ہے تاج پریوں کا

ہم آج وہ ہیں پری زاد گل بدن گل رو
کہ ہم کو حسن میں آیا خراج پریوں کا

؎ اس غزل کے تین شعر صفحہ ۴۰ نمبر ۹۵ میں گزر چکے ہیں۔ مکمل غزل یہاں درج کی جاتی ہے۔ اشرف علی

یہ سن کے میں نے کہا بی یہ وہ مثل ہے آج
کہ ہو چڑیل کی صورت مزاج پریوں کا

۲۲

قطعہ

ساقی بہار آئی اور جوش ہے گلوں کا | لا جام بھر کے سن لیں ٹک شور بلبلوں کا
دل لے کے تو بھی ظالم ملتا نہیں خوشی سے | شکوہ کروں میں کیا کیا اس کے تغافلوں کا
کل تو نظیر کیا کیا سیریں ہوئیں چمن میں | مدت کے بیچ نکلا ارمان دل جلوں کا
یاران میں مے کشی کی ٹھہریں عجب بہاریں | کچھ باغ کی ہوائیں کچھ رنگ بادلوں کا
اس میں وہ شوخ گلرو منھ پاس میرے لاکر | بولا کہ لے لے بوسہ ان حسن کے گلوں کا
منھ دیکھ دیکھ اُس کا میں نے کہا کہ پیاری | سمجھا ہوں میں تمھارے انداز چوچلوں کا
رخسار کا تو بوسہ زنہار میں نہ لوں گا | اس کا ادب نہ رکھنا ہے فہم جاہلوں کا
ایسا ہی گر ہے دینا تو دیجیے لبوں سے | بوسہ لبوں کا لینا ہے کام کاملوں کا

جب تو وہ شوخ ہنس کر بولا یہ وہ مثل ہے
یعنی کہ گڑ تو کھاویں پرہیز گلگلوں کا

۲۳

رتبہ کچھ عاشقی میں نہ کم ہے فقیر کا | ہیں جس کے سب صنم وہ صنم ہے فقیر کا
تکیہ اسے نہ بھول کے کہنا کبھی میاں | تکیہ نہیں یہ باغ ارم ہے فقیر کا
رہتا ہے پھر وہ پھولتا مثل سدا سہاگ | جس گلبدن پہ لطف و کرم ہے فقیر کا
گھٹ جائیں جس کو دیکھ کے لاکھوں تری گھٹا | اے ابر تر وہ دیدۂ نم ہے فقیر کا
لکھتا ہے بن تراشے ہی حرفوں کے جوڑ توڑ | اے خوشنویس یہ وہ قلم ہے فقیر کا
ظل ہما بھی ان سے سعادت کرے حصول | جس سرزمیں پہ نقش قدم ہے فقیر کا
ہیں زیر سایہ اس کے ہزاروں گدا و شاہ | بیرق اسے نہ کہہ یہ علم ہے فقیر کا

کیونکر لکھے نہ فقر کے شان و شکوہ کو
یار و نظیر پہ بھی کرم ہے فقیر کا

۲۴

لپٹ لپٹ کے میں اُس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منھ آنسوؤں سے دھوتا تھا

تمام رات تھی اور کہنیاں و لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا

جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا

مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا

غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم
وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا

لٹا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم
میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھوتا تھا

وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر
میں اس کے چھینٹوں سے تو بہ بہ بھگوتا تھا

نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے
وہ غوطے دیتا تھا اور میں اُسے ڈبوتا تھا

ہوا نہ مجھ کو خمار آخر اُن شرابوں کا
نظیر آہ اسی روز کو میں روتا تھا

۲۵

اک پینچ پر جو اُس نے طرہ رکھا زری کا
سورج کی بھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا

جس دن سے حسن چمکا اُس کا تو شہر دل میں
کیا کیا پڑا ہے یارو شور اُس کی دلبری کا

عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جس کو
دیکھے تو ہوش آوے پرواز میں پری کا

آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو
کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

کیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے
جس کو مزا نہ پہونچے ہرگز شکر تری کا

۲۶

کیا کیا نگہ لڑا کر اُس فتنہ گر کو دیکھا — مدت میں آج میں نے دل کے جگر کو دیکھا
شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں — اس نازکی سے ہم نے اسکی کمر کو دیکھا
اجلاپن اُسکے دیکھا دنداں میں ہم نے ایسا — جس کی جھلک سے میلا سلک گہر کو دیکھا
نوک مژہ نے اسکی لب چھیدے ہوکے شامل — دل کو پرو دیا جس دم ہم نے اُدھر کو دیکھا

پوچھا نظیر بھید اکیوب دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اس نے ادھر کو دیکھا

۲۷

مت مل پری رخوں سے اے دل دوانہ ہوگا — تیر نگہ پھینکیں گے ادہ تو نشانہ ہوگا
ایسا ہی حسن اُس کا بڑھتا رہا تو اک دن — محبوب دہر ہوگا شوخ زمانہ ہوگا
ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا — گر تکھ رکھو گے اسکو رنگین فسانہ ہوگا
بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کریگی — جب تیل پڑیگے اُس میں جس وقت شانہ ہوگا

جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم
دیکھیں نظیر اس کا اب کیا بہانہ ہوگا

۲۸

دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا — اس نے یہ ٹھایا اسے جو پھر نہ اچھالا
مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اُسے تھام — نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا
دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اُس کے — غمزے نے گرایا وہیں اک مار کے بھالا
زخمی اُسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے — تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اس کے
جا تو ہی نظیر اب اُدھر اور اُس کو اُٹھا لا

۲۹

ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا — یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا (لیلیٰ)
بہار گل کی تو آ پہونچی تو بھی اے ساقی — گلابی مے کی دکھا ساغر پیالے لا
دل اُس سے ملنے کو یوں چاہتا ہے جوں بلبل — چمن میں گل سے لپٹتی ہے بال و پر پھیلا
وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے — پکارتا ہے پڑا ہر گھڑی وہی مے لا

ہوس تو گرم ہے اب تک کیا ہوا جو کیا
میاں نظیر کو پیری نے برف کا تھیلا

۳۰

مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشک گل لالا — پھولے ہے پڑا دل میں ترا چاہنے والا
عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ — خوبی سے گلستاں میں عجب شان سے بالا
سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل — اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا
مہتاب بھی منھ رشک سے ہالے میں چھپاوے — دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اُجالا
دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں — وال بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا
دل طور تغافل سے جوں ہی گرنے پر آیا — جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا

مشتاق نظیر اک نگہ لطف کا ہے یاں
اس کو بھی پلا دے کبھی اس مے کا پیالا

۳۱

لا دے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا — جسکے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا
دل نیا ہم نے لگایا ہے بتا دو مہرباں — اسکی ہے رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا
یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں — اُسکے آگے مکر کیا، چھل کیا، فسوں کیا، زور کیا
یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو — بولا منھ کیا، دستگہ کیا، تاب کیا، مقدور کیا

ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پری رو سے نظیرؔ
روبرو کیا، در قفا کیا، متصل کیا دور کیا

۳۲

یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا ۔۔۔ اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہماں خانہ تھا
تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا یجاں ۔۔۔ اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا
لے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات ۔۔۔ غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا
کیا غم اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام ۔۔۔ چشم معنی بیں میں یکساں ہر اگر تھا یا نہ تھا
کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں ۔۔۔ قطعۂ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا
پر صفا و پر ضیا و پر نگار و پر بہار ۔۔۔ زیب سے سو سو طرح اس میں جو شاخ اور دانہ تھا
لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود ۔۔۔ گریۂ مینا و یکسر خندۂ پیمانہ تھا
مالک اس کا جب وہ پشت بام پر پھرتا تھا شاد ۔۔۔ کیا کہوں کیا کیا اُسے ناز سرافرازانہ تھا
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے ۔۔۔ یک مژہ برہم زدن میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا
واں طنین[1] یک مگس آئے نہ ہرگز گوش میں ۔۔۔ جس جگہ شور قیامت ساز نوبت خانہ تھا
واں نظر آیا نہ ہرگز پارۂ سنگ سیاہ ۔۔۔ جس جگہ لعل و گہر سے پر جواہر خانہ تھا

خوب جو دیکھا نظیرؔ ان رفتگاں کا ماجرا
بہر خوف و عبرت آیندگاں افسانہ تھا

[1] مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز ۱۲
[2] یہ غزل اگرچہ مدارج عمر کے تحت میں ہونا چاہیے تھی لیکن وہ حصہ طبع ہو گیا اس لیے بلحاظ ردیف اس جگہ درج کی گئی ۱۲ محمد اشرف علی

۳۳

جوانی[2]

بنا ہے اپنے عالم میں وہ کچھ عالم جوانی کا ۔۔۔ کہ عمر خضر سے بہتر ہے ایک ایک دم جوانی کا
نہیں بوڑھوں کی ڈاڑھی پر میاں یہ رنگ وسمے کا ۔۔۔ کیا ہے ان کے ایک ایک بال نے ماتم جوانی کا

یہ بوڑھے گو کہ اپنے منھ سے شیخی میں نہیں کہتے
یہ پیران جہاں اس واسطے روتے ہیں اب ہر دم
کسی کی پیٹھ کبڑی کو بھلا خاطر میں کیا لاوے
شراب و گلبدن ساقی مزے عیش و طرب ہر دم

بھرا ہے آہ پیران سب کے دل میں غم جوانی کا
کہ کیا کیا ان کا ہنگامہ ہوا برہم جوانی کا
اکڑ میں نوجوانی کے جو مارے دم جوانی کا
بہار زندگی کہیئے تو ہے موسم جوانی کا

نظیر اب ہم اُڑاتے ہیں مزے کیا کیا اہا ہا ہا!
بنایا ہے عجب اللہ نے عالم جوانی کا

۳۴

پنکھیا[۱]

کیوں نہ جھمک کر کرے جلوہ گری پنکھیا
دیکھ چمن میں سحر، اس کی جبیں پر عرق
شاخ نے گل کی ادھر برگ جو تھی سبز تر
گرمی میں ایک دن گئے اس سے جو ملنے کو ہم
ہم تھے پسینے میں تر، بیٹھتے ہی یک بیک
اس نے وہیں چھین لی اور یہ کہا واہ واہ

ق

کچھ کف نازک پری، کچھ وہ پری پنکھیا
لائی اُدھر سے نسیم، عطر بھری پنکھیا
اُن کی بنا کر جھلی اس کو ہری پنکھیا
چھوٹی سی آگے تھی ایک اسکے دھری پنکھیا
ہاتھ بڑھا کر جو لی، اس کی ذری پنکھیا
تو نے چھوئی کیوں مری، زیب بھری پنکھیا

کچھ تھی عرق کی تری، کچھ ہوئی خجلت نظیر
اور تری کے اوپر لائی تری پنکھیا

۳۵

پنکھا

برگ گل و لالہ کا نہ بنوائیے پنکھا
اس سے بھی سبک اور کوئی منگوائیے پنکھا

[۱] غزل نمبر سے نمبر تک مناظر کے تحت میں آنا چاہییں مگر بلحاظ ردیف یہاں درج کی جاتی ہیں۔ اشرف علی

ق

ہم تر ہیں پسینے میں تو کیا آپ کو صاحب
خوش بیٹھے ہوئے آپ تو جھمکائیے پنکھا

مدت کے بٹھائے ہیں ہوادار ہم اے جاں
اک چار گھڑی ہم سے بھی جھلوائیے پنکھا

سن کر یہ کہا خیر اگر ہے یوں ہی دل میں
تو جا کے شتابی ابھی لے آئیے پنکھا

جب ہم نے کہا یاں تو کھجوروں کے ہیں اکثر
مقیش کا لے آویں جو فرمائیے پنکھا

فرمایا کسی کا ہو یہ نازک ہو سبک ہو
ایسا نہ ہو جو پھر کے بدلوائیے پنکھا

بنوا کے بہ صد زیب کہا ہم نے یہ آ کر
ہم شرط بدیں ایسا جو دکھلائیے پنکھا

جب ہنس کے کہا چھیڑ تمہاری نہیں جاتی
اب جی میں یہ ہے منھ پہ کوئی لگوائیے پنکھا

القصہ جو ہیں جھلنے لگے ہم اسے خوش ہو
بولا وہیں بس بس ذرا ٹھہرائیے پنکھا

حلقے مری زلفوں کے کھلے جاتے ہیں ہل ہل
ایسا بھی تو لپٹا جب نہ جھمکائیے پنکھا

پنکھے کے بھی جھلنے کا نہیں تم کو شعور اب
معلوم ہوا بس جی ادھر لائیے پنکھا

اک دن عرق آلودہ ہو گھبرا کے کہا میں
اس وقت تو ہم کو کوئی دلوائیے پنکھا

بولا کہ چہ خوش فائدہ کیا اب جو بٹھا لے
ان کھر کھرے ہاتھوں سے پکڑوائیے پنکھا

اس چھوٹے سے پنکھے کی ہوا کب تمہیں آوے
بے فائدہ جاگہ سے نہ ہلوائیے پنکھا

ایسا ہی جو جھلنا ہے نظیر اب تمہیں تو آپ
گدھ پنکھ کے پر کا کوئی بنوائیے پنکھا

۳۶

بٹوا

دیکھ تیرا یہ جھمکتا ہوا اے جان بٹوا
صبح نے پھینک دیا مہر کا رخشاں بٹوا

چاندنی میں ترے بٹوے کے مقابل ہونے
بن کے نکلا ہے فلک پر مہ تاباں بٹوا

گر چمن میں تجھے بٹوے کی طلب ہو تو وہیں
زر بھرا غنچے کا لا دے گل خنداں بٹوا

ہاتھ نازک ہیں ترے اور وہ ہیں سنگیں ورنہ — بن کے آجاوے ابھی لعل بدخشاں بٹوا
یوں کہا میں کہ یہ بٹوا ذرا ہم کو دیجیے — ہم بھی بنوائیں گے ایسا ہی درخشاں بٹوا
سن کے بٹوے کو دکھا کر یہ کہا واہ رے شعور — ارے بن سکتا ہے ایسا کوئی اب یاں بٹوا
ق

جب کہا میں نے سبب کیا تو کہا ہنس کے نظیر
یہ تو لائیں ہیں مرے واسطے پریاں بٹوا

۳۷۰

ایضاً

تمھارے ہاتھ سے ہوتا نہیں اک دم جدا بٹوا — یہ کس الفت بھری نے سچ کہو تم کو دیا بٹوا
معطر ہو رہا ہے نکہت جوز و قرنفل سے — کہوں میں عطرداں، کیوں صاحب اس بٹوے کو یا بٹوا
گھڑی غنچہ، گھڑی گل، پھر گھڑی میں گل سے غنچہ ہو — تمھارے آگے کیا کیا رنگ بدلے ہے پڑا بٹوا
تمھیں ہم چاہیں تم بٹوے کو چاہو کیا تماشا ہے — ہمارے دلربا تم اور تمھارا دلربا بٹوا
جو تم نے بدلے ایک بٹوے کے ایک بوسہ ہی ٹھہرایا — تو صاحب یاد رکھیو یہ ہمارا ہے چھٹا بٹوا
نہایت پر تکلف اور بہت خوش قطعہ نازک سا — بہ صد تاکید بنوایا تھا ہم نے ایک نیا بٹوا
گئے ہم اتفاقاً اس پری رو سے جو ملنے کو — تو کیا کہیئے وہی اس دم ہمارے پاس تھا بٹوا
یکایک آ پڑی اس کی نظر اس پر تو لے ہم سے — کہا، یہ تو بنایا ہے کسی نے واہ کیا بٹوا
بہت تعریف کی اور ہنس دیا جب دل میں ہم سمجھے — کہ یہ تعریف کچھ خالی نہ جاوے گی چلا بٹوا
کبھی یوں اور کبھی یوں دیکھ آخر یوں کہا ہنس کر — یہ کس کا ہے قیامت پر نزاکت خوشنما بٹوا
کہا جب میں نے ہنس کر سو نیاز و عجز سے اے جاں — اسے میلا نہ کیجیے، ہے یہ ایک محبوب کا بٹوا
میں بھولے سے لے آیا تھا اگر درکار ہو تم کو — تو میں اس سے بھی بہتر اور دوں تم کو منگا بٹوا
کہا ہم تو یہی لیں گے تو میں نے پھر کہا صاحب — میں بیگانہ تمھیں اب کس طرح سے دوں بھلا بٹوا
ق

جو ہیں یہ بات نکلی میرے منھ سے پھر تو جھنجھلا کر
وہیں اُس شوخ نے مارا، میرے منھ پر اُٹھا بٹوا
کہا میں نے خفا ہوتے ہو کیوں چاہو تمھیں لے لو
یہ کہہ کر میں نے پھر اُس کی طرف ڈھلکا دیا بٹوا
چلا جب وہ ڈھلکتا اس کی جانب دیکھیے شامت
کہیں ناگہ سر زانو میں اس کے جا لگا بٹوا
تو لے بٹوے کو اور زانو پکڑ کر یوں کہا دشمن
یہ تو نے آپ سے مارا مرے، واڑتیرا بٹوا
جلا دوں ٹکڑے کر ڈالوں وے تجھ کو نہ دوں ہرگز
لگا میرے بہت، اب تو یہ میرا ہو چکا بٹوا

نہ بٹوا دوں نظیرؔ اور تجھ سے زانو کا بھی بدلہ لوں
یہی دھمکی دکھا کر آخر اس نے لے لیا بٹوا

٣٨

سنگترا

کیا کیا ہر ایک درخت پہ آیا ہے سنگترا
پھل زور ہی مزے کا کھایا ہے سنگترا
نارنگی اور انار کب اچھے لگیں اُسے
جس رس بھری کے دل میں سمایا ہے سنگترا
چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کہا میں نے اُس سے جان
مدت میں میرے ہاتھ یہ آیا ہے سنگترا
گر تم بُرا نہ مانو تو اک بات میں کہوں
یہ تو کسی کا تم نے چُرایا ہے سنگترا
تم توڑتی تھیں، آن پڑا اس میں باغباں
انگیا میں اس کے ڈر سے چھپایا ہے سنگترا
یہ سُن کے اُس نے ہنس دیا اور یوں کہا مجھے
اب ہم نے اس طرح سے یہ پایا ہے سنگترا
ایک باغ حُسن کا ہے جوانی ہے اس کا نام
واں سے ہمارے ہاتھ یہ آیا ہے سنگترا
جوبن کے باغبان نے، اُٹھتی بہار سے
تازہ ابھی یہ ہم کو بھجایا ہے سنگترا
کوے ہی لگ رہا ہے ہمارے تمام عمر
جس کو کبھی یہ ہم نے دکھایا ہے سنگترا

جب تو نظیرؔ میں نے یہ ہنس کر کہا اُسے
میوہ خدا نے خوب بنایا ہے سنگترا

۳۹

حنا

کچھ دلفریب ہاتھ وہ کچھ دل ربا حنا
لگتی ہے اُس پری کی عجب خوشنما حنا

دیکھے ہیں جب سے دل نے حنا بستہ اُسکے ہاتھ
راتوں کو چونک پڑتا ہے کہہ کر حنا حنا

ہے سرخ یاں تلک کہ جو چھلے ہیں نقرئی
کرتی ہے اُس کے ہاتھ میں انکو طلا حنا

یہ فتنہ قیس نہیں مرے قاتل کے ہاتھ میں
ہوتی ہے پور پور پہ اُس کے فدا حنا

خونِ شفق میں پنجۂ خورشید رشک سے
ڈوبا ہی تھا اگر وہ نہ لیتا چھپا حنا

غرفے سے ہاتھ کھول کے اور پھر لیا جو کھینچ
بجلی سی کچھ چمک گئی کافر بلا حنا

شب کے خلافِ وعدہ کا جب بن سکا نہ عذر
ناچار پھر تو ہنس دیا اور دی دکھا حنا

کل مجھ سے ہنس کے اُس گلِ خوبی نے یوں کہا
پاؤں میں تو ہی آج تو میرے رچا حنا

وہ چھوٹی پیاری انگلیاں وہ گورے گورے پاؤں
ہاتھوں میں اپنے لے، میں لگانے لگا حنا

اُس وقت جیسی نکلیں مری حسرتیں نظیرؔ
ان لذتوں کو دل ہی سمجھتا ہے یا حنا

۴۰

عید[۱]

شاد تھا جب دل وہ تھا اور ہی زمانا عید کا
اب تو یکساں ہے ہمیں آنا نہ آنا عید کا

دل کا خون ہوتا ہے جب آتا ہے اپنا ہم کو یاد
آدھی آدھی رات تک مہندی لگانا عید کا

آنسو آتے ہیں بھرے جب وہ سماں میں گزرے ہیں آہ
پچھلے پہر سے وہ اُٹھ اُٹھ کر نہانا عید کا

حشر تک جاتی نہیں خاطر سے اس حسرت کی بو
عطر بغلوں میں وہ بھر بھر کر لگانا عید کا

[۱] یہ غزل تقریبات اہل اسلام کے ذیل میں جانا چاہیئے تھی ۱۲ اشرف علی

ہونٹھ جب ہوتے تھے لال اب آنکھیں ہو جاتی ہیں سرخ
یاد آتا ہے جو ہم کو پان کھانا عید کا

دل کے ہو جاتے ہیں ٹکڑے جس گھڑی آتا ہے یاد
عید گہ تک دلبروں کے ساتھ جانا عید کا

گلعذاروں کے میاں ملنے کی خاطر جب تو ہم
ٹھان رکھتے تھے مہینوں سے بہانا عید کا

اب تو یوں چھپتے ہیں جیسے تیر سے بھاگے کوئی
یا بنے پھرتے تھے ہم آپ ہی نشانا عید کا

نیند آتی تھی نہ ہرگز بھوک لگتی تھی ذرا
یہ خوشی ہوتی تھی جب ہوتا تھا آنا عید کا

۱۸۱۰

ہولی

جب منہ پہ وہ پری رو مل کر گلال آیا
اک دم تو دیکھ اس کو ہولی کو حال آیا

کل وقت شام سورج ملنے کو منہ پر اسکے
رکھ کر شفق کے سر پر طشت گلال آیا

مدت سے آرزو تھی اک دم لگا چکا کر
اک دن صنم پہ جا کر میں رنگ ڈال آیا

دس بیس گلرخوں کو ہمراہ اپنے لیکر
یونہیں بھبگونے مجھ کو وہ خوش جمال آیا

کمروں میں جھولیوں میں سیروں گلال ٹھہرا
اور رنگ کی بھی بھر کر مشکیں پکھال آیا

اتنے میں گھیر مجھ کو اور شور و غل مچا کر
اس دم کمر کمر تک رنگ و گلال آیا

اس وقت میرے سر پر اک دھوم مچ رہی تھی
اس دھوم میں جو مجھ کو بھی کچھ خیال آیا

لاحول پڑھ کے شیطاں بولا نظیر تجھ کو
اب ہولی کھیلنے کا پورا کمال آیا

ملہ یہ غزل معتقدات اہل ہنود کے تحت میں ہونا چاہیے تھی ۱۲ اشرف علی

غزل نمبر ۱۲ صفحہ ۵ کے بقیہ اشعار

آخر کو جو دیکھا تو ہوئے خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف و کرامات تو پھر کیا

جب آئی اجل ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوشش و طاعات تو پھر کیا

جب آئی اجل آہ تو اک دم میں سگئے مر — گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا

غزل نمبر ۱۳ اص ۶ کے بقیہ اشعار

محلے میں پڑا غل دوڑیو، چلیو، غضب آیا — دوانہ ہو گیا ہے پہلواں، یار وُ جنوں مارا
گیا اک دیر میں اور واں جو لعبت گر اُٹھے ہاں ہاں — تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پشتارا
مصلا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اس جا — کئی زاہد کچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا
خم و قرابہ و مینا و ساغر توڑ کر یکسر — زمین میکدہ سب مے سے کردی خون کا گارا
جو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یکبارہ — بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا
تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں — کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا
جو لڑیاں ین کے کافر ہر سر مژگاں سے یوں اچھلا — گویا چھوٹا ہزارا ساون اور بھادوں کا فوارا
لگا یوں مینھ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا — پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا
نقیب آہ کہتا تھا بڑھے جانا ٹک اے یاراں — کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا
ہوا سناٹے لیتی تھی فلک کو آگیا چکر — تماشا دیکھیں تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا
کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں — جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا کیا سنگ کیا خارا
تو لے بھاگا جنوں واں سے گلے میں ڈال کر بانہیں — لے آیا واں کہ تھا جس جادہ برج حسن کا تارا

غزل نمبر ۱۴ اص ۷ کا بقیہ شعر

نصیحت کیمیا ہے جب تو گوش دل سے سنتے ہیں — جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

غزل نمبر ۱۵ اص ۷ کا بقیہ شعر

پنجۂ خورشید رنگیں خون حسرت کے سوا — برق ساں چمکا جو رنگ اُس کے حنائی دست کا

غزل نمبر ۳۸ ص ۱۶ کے بقیہ اشعار

لائق اس بالے کے گوہر یاں تو ناتھ آیا نہ ایک	دیکھتا ہم کو مگر اب عالم بالا پڑا
گوہرِ مقصود سمجھے ہم نہی اس راہ میں	پاشتہ سے تا سرِ انگشت جو چھالا پڑا

غزل نمبر ۴۷ ص ۳۲ کے بقیہ اشعار

اس بے وفا نے ہم کو اگر اپنے عشق میں		رسوا کیا، خراب کیا، پھر کسی کو کیا
دنیا میں آکے ہم سے بُرا یا بھلا نظیر	مقطع	جو کچھ کہ ہو سکا سو کیا پھر کسی کو کیا

غزل نمبر ۷۵ ص ۳۲ کے بقیہ اشعار

ملتی ہے پری آنکھیں اور حور جبیں سا ہے		ہے نقش جہاں یار داس پائے مقدس کا
تر رکھیو سدا یارب تو اس مژۂ تر کو		ہم عطر لگاتے ہیں گرمی میں اسی خس کا
اس گریۂ خونی کی دولت سے نظیر اپنی	مقطع	اب کلبۂ احزاں میں کل فرش ہے اطلس کا

غزل نمبر ۹۲ ص ۳۹ کا بقیہ شعر

خدا کے واسطے سمجھو نہ اس کو کوٹھے دال	فریب دیتا ہے تم کو یہ بوالہوس ٹلیا

غزل نمبر ۱۵۱ ص ۶۰ کا بقیہ شعر

ظاہر میں گرچہ وصل کی کہتا ہے مجھ سے بات	پر دل میں اور کرتا ہے تیار چٹکلا

غزل نمبر ۶۱ ص ۲۷ کا بقیہ شعر

بہار دیکھو اسے رشک سے یہ کہتی ہے	کہ تھا یہ حسن تو پھر مجھکو کیوں بہار کیا

غزل نمبر ۵۰ ص ۵۶۵ کے بقیہ اشعار

آتشِ[1] برق جو ہے مشتعل از بس ہر دم
ایسی آتش کے لیے چاہیئے ایسا ہی دھواں
بدلیاں بدلے ہیں کیا رنگ نئے زنگار رنگ
روحِ بہزاد کی کہتی ہے تصدق ہو کر
لوگ کہتے ہیں یہ ہیں آب کے قطرے لیکن
بلکہ موتی ہے فقط گوشِ بتاں کی زینت
جن کو ہجر وصل تو وہ خنداں ہیں جوں برق
اُس طرف ابرِ سیہ اِس طرف آہوں کے ہجوم
سُن پپیہے کی وہ پی پی کی صدا کہتے ہیں
قصہ کوتاہ یہ کچھ رکھتے ہیں اندوہ فراق
اب[3] میں ساون کے اندھیرے کی کروں کیا تعریف
ہے تجسس تو بہت لیک میں اب حیراں ہوں
سجدۂ شکر کہیں نغمۂ رقاص کہیں
ایک جہاں بھیگے ہے ایک خلق ہے سیرابِ نشاط

اُس سے کیا جھوم کے اڈی ہے دھواں دھار گھٹا
کیا تناسب ہیں یہ صفت کے اہل ہا ہا
جنگل ایک رنگ پہ سو مانیٔ اثر رنگ فدا
کس سے یہ رنگ ہوں یارب تری قدرت کے سوا
ہم تو جانیں ہیں کل برسے ہے مینھ موتی کا
یہ وہ قطرے ہیں کہ ہیں آبِ رخِ شاہ وگدا
اور ہیں مہجور تو وہ گریہ کناں ابر آسا
ہے اُدھر مینھ تو اِدھر آنسو کا ٹیکا ہے لگا
چپ بھی ہو رہ اے کمبخت نہ جلتوں[2] کو جلا
جن کے احوال پہ ہر ابر کو آتا ہے بکا
کوئی تشبیہ نہیں ملتی مسرت پیرا
جعدِ شیریں کہوں یا زلفِ سیاہ لیلا
بوس و آغوش کہیں ساغر و مینا کی ادا
ایک عالم کو ہے عیش و طرب و برگ و نوا

[1] یہ شعر کچھ بیجا دست اندازی کی نذر ہو گیا ہے ناظرین تصحیح فرمالیں
[2] فصحا کے نزدیک متروک الاستعمال ہے
[3] اسکی بھی تصحیح فرمالیں ۱۲ اشرف علی

ب

۵۲

پان سے سرخ ہوئے پھر بتِ عیار کے لب
منفعل ہو گئے کبھی دعویٔ سرخی نہ کرے

دیکھ اس وقت تو اے دل مرے خونخوار کے لب
دیکھے گر لعلِ بدخشاں مرے دلدار کے لب

خوف نرمی و نزاکت کا مجھے ہے ورنہ — چوم لوں میں ابھی اس شوخ پری وار کے لب

لذتِ زندگی اس دم مجھے ہووے گی نظیرؔ
جب ملے ہوں گے بہم میرے لب اور یار کے لب

۴۳

اس کی تجلی سے کب ہووے دوچار آفتاب — ایک تو کیا ہے اگر ہوویں ہزار آفتاب

پاس ادب ہے اُسے ورنہ ترے حسن پر — حکم جو ہو تو ابھی ہووے نثار آفتاب

خانۂ زیں میں تجھے دیکھے تو پھر رشک سے — توسن افلاک پر ہو نہ سوار آفتاب

ایک نظر گر تجھے دیکھیں تو شادی سے پھر — مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

جیسے یہ ہیں مہر و مہ ایسے تو اس کے نظیرؔ
چمکیں ہیں سو ماہتاب اور ہزار آفتاب

۴۴

ہو تیرے مہر حسن سے کب ہمسر آفتاب — ذرہ تری نگاہ سے ہو یکسر آفتاب

تو حسن میں وہ مہر سیپہر جمال ہے — ہر روز جبہہ سا ہے ترے در پر آفتاب

ہر لحظہ تیرے چہرۂ الوزر کے وصف میں — یہ بیت پڑھ رہا ہے فدا ہو کر آفتاب

از بہر دفع چشم بد از روئے خوب تو — سیارہ ہا سپند شود، مجمر آفتاب

اس مہر کبریا کی اشارت سے اے نظیرؔ
مغرب تلک پہونچ کے پھرا اکثر آفتاب

۴۵

ہوا جو ہم کو وہ کوچہ چمن سرشت نصیب — خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب

جدا جو اس سے ہوئے ہم تو اپنی قسمت سے — ہے وہ تو خوب پر اپنے ہی کچھ ہیں زشت نصیب

لکھیں نہ حرف وفا کیا کریں کہ اوّل سے — ہوئی قلم کو ہمارے یہی نوشت نصیب

زمینِ دل میں گرایا ہے تخم تو لیکن
کریں گے دیکھیے سرسبز کب یہ کشت نصیب

یہ کم نصیب ہوئے ہم کہ بعد مرگ نظیرؔ
ہوئی مزار کو اپنے نہ ایک خشت نصیب

٤٦

ساقی شراب ہے تو غنیمت ہے اب کی اب
پھر بزم ہو گی جب تو سمجھ لیجو جب کی جب

ساغر کے لب سے پوچھیے اس لب کی لذتیں
کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب

کم فرصتی سے عمر کی اپنی ہزار حیف
جتنی تھیں خواہشیں وہ رہیں دل میں سب کی سب

سن کر وہ کل کی، آج نہ ہو، کس طرح خفا
اے ناشناس طبع، کہی تو نے کب کی کب

پھولا ہوا بدن میں سماتا نہیں نظیرؔ
وہ گل بدن جو پاس رہا اس کے شب کی شب

٤٧

کچھ اور تو نہیں ہمیں اس کا عجب ہے اب
یعنی وہ شوخ ہم سے خفا بے سبب ہے اب

آہ و فغان و گریہ و اندوہ و درد و داغ
جو جنس عشق ہے وہ مرے پاس سب ہے اب

دیکھے سے جس کے غنچہ صفت گل ہو رشک سے
ایسا تو اس چمن میں وہی غنچہ لب ہے اب

صبح فلک بھی جس کی تجلی سے ہو خجل
اس رشک ماہتاب سے اپنی وہ شب ہے اب

آئینہ ایک دم نہیں رکھتا ہے ہاتھ سے
ایسا وہ اپنے رخ کا تماشا طلب ہے اب

اس گل بدن کے وصل سے ہر دم نظیرؔ کو
سب سے زیادہ خلق میں عیش و طرب ہے اب

٤٨

بوسہ اس دل سے نہ کر اے دل افگار طلب
نہ زیادہ طلبی ہے نہ ہو دشوار طلب

جلد آ یار کہ اب ہم کو ستاتے ہیں بہت
گوش گفتار طلب، دیدۂ دیدار طلب

ربط اس عربدہ جو سے ہمیں کس طور سے ہو — ہم تو ہیں صلح طلب اور وہ ہیں پیکار طلب
آرزو خوب ہے موقع سے اگر ہو ورنہ — اپنے مقصود کو کم پہونچے ہیں بسیار طلب

عذر عاصی کو نہیں چاہیے کچھ اس سے نظیرؔ
جس خطا پوش کی رحمت ہے گنہگار طلب

۴۹

کس کے لیے کیجیے جامۂ دیبا طلب — دل تو کرے ہے مدام دامن صحرا طلب
کام روا ہوں بھلا اس سے ہم اب کس طرح — اس کو تمنا نہیں، ہم ہیں تمنا طلب
کس سے کہیں کیا کریں ہے یہ تماشے کی بات — وہ تو ہے پردہ نشیں ہم ہیں تماشا طلب
کہیے تو کس کس کے اب غور کرے وہ طبیب — جس کے طلبگار ہوں لاکھ مداوا طلب

ایک تمنا ہو تو یار سے کہیے نظیرؔ
دل ہے پر از آرزو دیکھیے کیا کیا طلب

۵۰

ہے اب تو وہ نہیں اس سرو سیم بر کی طلب — کہ طائران ہوا سے ہے، بال و پر کی طلب
جو کہیے حسن کو خواہش نہیں یہ کیا امکاں — اُسے بھی اہل نظر سے ہے اک نظر کی طلب
کمال عشق بھی خالی نہیں تمنا سے — جو ہے ایک آہ تو اس کو بھی ہے اثر کی طلب
پری رخوں کو غرض کیا تھی زیب و زینت سے — نہ ہوتی گر انھیں اپنے نظارہ گر کی طلب
طلب سے کس کو رہائی ہے بحر ہستی میں — اگر صدف ہے تو اس کو بھی ہے گہر کی طلب
چمن میں بلبل و گل بھی ہیں اپنے مطلب کے — اسے ہے گل کی طلب، اس کو مشت زر کی طلب

جہاں وہ باغ تمنا ہے جس کے بیچ نظیرؔ
جو اک شجر ہے تو اس کو بھی ہے ثمر کی طلب

۵۱

ہو کس طرح نہ ہم کو ہر دم ہوائے مطلب
دیکھا جو خوب ہم نے دنیا ہی جائے مطلب

جو گلبدن کہ آیا آغوش میں ہمارے
کچھ اور بو نہ نکلی اس میں سوائے مطلب

عشاق کی بھی الفت خالی نہیں غرض سے
مرتے ہیں یہ بھی اس پر جس سے برائے مطلب

کوئی کسی کے اوپر ہم نے فدا نہ دیکھا
منھ پر فدا ہیں لیکن دل میں فدائے مطلب

مطلب کے آشنا کو ہو کس سے آشنائی
کب آشنا کسی کا ہو آشنائے مطلب

گر بزم رقص دیکھی تو وال بھی گوش دل میں
کوئی صدا نہ آئی غیر از صدائے مطلب

زیر فلک تو ہم سے جاتی نہیں تمنا
ہاں پھر فلک پہ جاویں جب ہم سے جائے مطلب

وہ آبرو کہ جس پر کرتے ہیں جاں تصدق
اسکو بھی دے چکے ہیں اکثر برائے مطلب

جب حرف آبرو تک پہونچا نظیر پھر تو
کیا کہئے ایسی جاگہ جز یہ کہ ہائے مطلب

۵۲

یوں جھمکتا ہے رخ اس محبوب کا زیر نقاب
ہو نمایاں جس طرح ابر تنک میں آفتاب

دیکھ اس مہ رو کے رخ کا رات چشم تر میں عکس
کیا ہی لوٹا رشک سے دریا میں عکس ماہتاب

کیا نزاکت ہے کہ اس نازک کمر کے روبرو
رشتہ ساں حسرت سے کھاتی ہے رگ گل پیچ و تاب

رنگ رخسار اس گل باغ حیا کا دیکھ کر
قطرۂ شبنم نہیں، ہے شرم سے گل آب آب

وہ عرق آلود رخ جس دن سے آیا ہے نظر
جب سے ہم واقف نہیں کیسا گل اور کیسا گلاب

جس کی ایک دم لڑ گئی اس چشم میگوں سے نگاہ
پھر اُسے یارو کہاں کا جام اور کیسی شراب

خواب کر جاتا ہے رم ایک لخت آنکھوں سے نظیر
یاد آجاتی ہے جب ساقی کی چشم نیم خواب

۵۳

جو کچھ ہے حسن میں ہر مہ لقا کو عیش و طرب — وہی ہے عشق میں ہر مبتلا کو عیش و طرب
اگرچہ اہل نوا خوش ہیں، ہر طرح لیکن — زیادہ اُن سے ہے ہر بینوا کو عیش و طرب
وہ میکدے میں حلاوت ہے رند میکش کو — جو خانقاہ میں ہے پارسا کو عیش و طرب
رکھے ہے ہر تن عریاں برہنہ پائے وہی — جو کچھ ہے صاحب اسپ و قبا کو عیش و طرب

کمال قدرت حق ہے نظیرؔ کیا کہیئے
جو شاہ کو ہے وہی ہے گدا کو عیش و طرب

۵۴

جو اس کی چشم گلابی کی دیکھ پائے شراب — تو اس کو حشر تلک ہو نہ پھر ہوائے شراب
ہماری بزم میں ہے مے فروش کا کیا کام — وہ اپنے واں کے ہی لوگوں میں بیچ کھائے شراب
ہم اس شراب کے خواہاں نہیں ہیں اے ساقی — پییں جو تو ہیں اس چشم کی پلائے شراب
نشہ جو اس کی نگہ میں ہے وہ نہ ہو ہرگز — اگر ہزار طرح کی کوئی بنائے شراب
جہاں میں موسم گل ہے میں کیا کروں ہیہات — مجھے تو آب میسر نہیں چہ جائے شراب

بہ قول حضرت صائبؔ ہزار حیف نظیرؔ
کہ در بہار ندارم بہ کف بہائے شراب

۵۵

ہو حسن اثر کیوں نہ مری آہ میں یارب — سب کچھ ہے مہیا تری درگاہ میں یارب
پہونچے ہے وہی منزل مقصود کو جو شخص — چلتا ہے فدا ہو کے تری راہ میں یارب
ہر جاہ میں ملتا ہے اسے یوسف اقبال — جو تشنہ و دلا ہے تری چاہ میں یارب
جو خانہ بدوشی میں ہے طالب کو ترے عیش — وہ عیش نہیں خیمہ و خرگاہ میں یارب

اپنا ہی طلبگار نظیر اپنے کو رکھیو
ہر طور میں، ہر رسم میں، ہر راہ میں یارب

۵۶

ترے مریض کو اے جان شفا سے کیا مطلب
وہ خوش ہے درد میں اس کو دوا سے کیا مطلب

فقط جو ذات کے ہیں دل سے چاہنے والے
انھیں کرشمہ و ناز و ادا سے کیا مطلب

نہال تازہ رہیں نامیہ کے منت کش
درخت خشک کو نشو و نما سے کیا مطلب

مراد و مقصد و مطلب ہیں سب ہوس کے ساتھ
ہوس ہی مر گئی پھر مدعا سے کیا مطلب

مجھے وہ پوچھے تو اس کا ہی لطف ہے ورنہ
وہ بادشاہ ہے اسے مجھ گدا سے کیا مطلب

جو اپنے یار کے جور و جفا میں ہیں مسرور
انھیں پھر اور کے مہر و وفا سے کیا مطلب

رضائے دوست جنھیں چاہیئے بہر صورت
نظیر پھر انھیں اپنی رضا سے کیا مطلب

۵۷

نہ دل میں صبر نہ اب دیدۂ پر آب میں خواب
شتاب آ کہ ہمیں آوے اس عذاب میں خواب

جہاں بھی خواب ہے اور ہم بھی خواب ہیں اے دل
عجب بہار کا دیکھا یہ ہم نے خواب میں خواب

ہماری چشم کا اے شہسوار توسن ناز
جو غور کی تو کیا ہے تری رکاب میں خواب

ہر ایک مکاں میں گزرگاہ خواب ہے لیکن
اگر نہیں تو نہیں عشق کے جناب میں خواب

ہجوم اشک میں لگتی ہے چشم تر اس طور
کہ جیسے ماہی کو آتا ہے اپنے آب میں خواب

روا روی میں لگے آنکھ کس طرح سے نظیر
مسافروں کو کہاں ایسے اضطراب میں خواب

۵۸

ہنسنا ہوا ازل سے کب اے یار کے نصیب
رونا ہماری دیدۂ خونبار کے نصیب

دل سادُرِ یتیم بکا اک نگہ کے مول — کیا کہیئے خیر یہ بھی خریدار کے نصیب
بیٹھے ہیں جام خور میں ہوا ہر سحر مسیح — اس درج پہ ہیں اب ترے بیمار کے نصیب
بازار یوسفی میں نہ دیکھی تھیں خواب میں — جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب
دیکھ اس کو آج باغ میں بولیں یہ بُلبلیں — بارے کھلے ہمارے بھی گلزار کے نصیب
غش تھے معانقے کی تمنا میں ہم وہ لے — وہ بھی سنا کہ اب کے ہوا ہار کے نصیب
کل ہم سے روٹھ کر وہ رقیبوں سے جا ملا — چمکے ہیں کیا ہی دیکھیے اغیار کے نصیب

جس گل کو اپنے سر پہ چڑھاتے تھے ہم نظیر
وہ گل ہوا رقیب کے دستار کے نصیب

۵۹

نامہ کو میرے دھو کے نہ اُس نے لکھا جواب — + + + + + + ہوا جواب
اتنا تو نامہ بر سے نہ ہوتا میں شرمسار ہ — اے کاش بھیجتا وہ بُرا یا بھلا جواب
پہروں تلک میں کہتا ہوں حال اپنا پر مجھے — وہ اپنی ایک بات میں کرتا ہے لا جواب
حاضر جوابی دیکھو کہ لب سے مرے ہنوز — نکلا نہیں سوال کہ واں ہو گیا جواب
کوچے سے اس کے آتا ہوں یوں ہو کے ناامید — نوکر شکستہ حال کو جیسے ملا جواب
کہتا ہے تو تو جیتا ہے اتنی خوشی سے اب — ورنہ میاں خدا تو تجھے دے چکا جواب

کھوئی تمام عمر بتوں کی جناب میں
دے گا نظیر کیا تو خدا کو بھلا جواب

۶۰

تمھاری آن عزیز اور ہر ایک ادا محبوب — تمھیں ہو حسن میں اب سر سے تا بہ پا محبوب
تمھیں وہ ہو کہ تمھیں دیکھنے ہم آتے ہیں — وگرنہ یوں تو ہزاروں ہیں جا بجا محبوب
کہیں جو ہم تمھیں محبوب مت بُرا مانو — بھلا ہم اور کہیں کیا تمھیں سوا محبوب

جو چاہے آپ سے محبوب بن سکے کیا ذکر
وہی بنے ہے کہ جسکو خدا کرے محبوب
تمہاری آج وہ محبوبیاں ہیں نام خدا
کہ تم کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں دلربا محبوب
کوئی کہے ہے یہ صد اشتیاق دل یاد دوست
کوئی پکارے ہے بیتاب ہو کے یا محبوب

نظیر بھی تمھیں اب دیکھ کر یہ کہتا ہے
الٰہی خلق ہو اور میں ہوں اور مرا محبوب

٦١

گزرے خوشی سے نہ دو دم کبھی اے وائے نصیب
تھے عجب کلک وہ جس سے مرے لکھوائے نصیب
قاصد اس دولت بیدار سے کہیو کہ کبھی
دو گھڑی آکے ہمارے بھی جگا جائے نصیب
آویں ہم بھی جو تری بزم میں جوں شمع اے جاں
ایسے ہم سوختہ بختوں نے کہاں پائے نصیب
یار دیکھ اس کو لگے رکھنے عداوت مجھ سے
دوست بھی ہو گئے دشمن مرے ای وائے نصیب
ایک دم نزع میں لا ٹلے نہ اسے بالیں پر
اپنے قسمت سے تو اتنے بھی نہ کام آئے نصیب

یاد آتا ہے ہمیں جب وطن اپنا تو نظیر
سر کو حسرت سے ٹپک کہتے ہیں ہم ہائے نصیب

٦٢

یہ گلہ دل سے تو ہر گز نہیں جانا صاحب
سب نے جانا ہمیں پر تم نے نہ جانا صاحب
ان بیانوں سے غرض ہم نے یہ جانا صاحب
آپ کو خون ہمارا ہے بہانا صاحب
چھوڑ کر آپ کے کوچے کو پھریں صحرا میں
سو تو مجنوں سا نہیں ہم میں دوانا صاحب
یاد ہے ہم کو جوانی میں تو سو مکر و فریب
ایک کرشمہ تھا تمھیں دام میں لانا صاحب

اب جو بوڑھے ہیں تو اب بھی ہمیں شیطان نظیر
ہنس کے کہتا ہے اجی آئیے نانا صاحب

٦٣

پوچھا اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب

کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے
یار مہ چہرہ اور شب مہتاب

زور کیفیتیں دکھاتے ہیں
ساقی گلعذار و بادۂ ناب

کرتے ہیں تار تار جیب الم
تار قانون و بین و چنگ و رباب

ق

وقت خلوت یہ ہم نے اس سے کہا
اب تو ٹک منھ سے دور کیجیے نقاب

بولے ہم تو ابھی اٹھا دیں گر
لائیں کب آپ دیکھنے کی تاب

اور جو آجاوے غش ہمیں تو نظیرؔ
پھر چھڑکنا پڑے گا ہم کو گلاب

٦٤

میں ہوں اور مہ رو ہے اور ساقی ہے اور بزم شراب
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

جوش عشرت دور ساغر رقص خوباں صحن باغ
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

قصر رنگیں فرش زریں وقت خلوت جائے عیش
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

بوسہ بازی ہمکناری بے حجابی سرخوشی
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

خوش لباسی خوش معاشی خوش مذاقی خوش رہا
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

گل فشانی شادمانی، کامرانی، خرمی
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

عشق بازی عیش سازی شہ خیالی بے غمی
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

دل کشائی بادہ نوشی، ذوق مستی خرمی
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

اس طرح کی عشرتوں میں اب تو بیٹھا ہے نظیرؔ
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

٦٥

بزمِ طرب، وقت عیش، ساقی و نقل و شراب
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

مجمعِ خوباں و لے، زمزمۂ چنگ و نے
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

صحنِ چمن، حسنِ گل، ابر و ہوا، شربِ مل
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

عشرتِ صبحِ بہار، سیرِ گل و لالہ زار
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

رقصِ بتِ غنچہ لب، کثرتِ عیش و طرب
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

عشق کے عجز و نیاز، حسن کے انداز و ناز
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

مستیٔ میخانہ ہا، گردشِ پیمانہ ہا
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

شادیٔ وصلِ بتاں، صحبتِ مہ طلعتاں
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

غلغلِ کوسِ نشاط، خوش دلی و انبساط
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

ثروتِ مال و منال، حشمت و جاہ و جلال
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

قصر و محل دل پذیر زینت و زیب اے نظیر
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

٦٦

کہا یہ آج ہمیں فہم نے سنو صاحب
یہ باغِ دہر غنیمت ہے دیکھ لو صاحب

جو رنگ و بو کے اٹھاتے ہیں حظ اٹھا لیجے
مبادا پھر کفِ افسوس کو ملو صاحب

یہ وہ چمن ہے نہیں ایک سے نہیں جس میں
تبدل اس کا ہر اک گل سے سمجھ لو صاحب

کہ تھا جو صبح شگفتہ نہ تھا وہ شام کے وقت
جو شام تھا سو نہ دیکھا وہ صبح کو صاحب

پس اس مثال سے ظاہر ہو یہ سخن یعنی
اسی طریق سے عالم میں تم بھی ہو صاحب

جو سرنوشت ہے ہوگا اسی طرح سے نظیر
قضا قضا نہیں ہونے کی کچھ کرو صاحب

۶۷

تمھارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب	جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب
غلام عاشق و چاکر مصاحب و ہمراز	غرض جو تھا ہمیں ہونا سو ہو لیے صاحب
قرار و صبر جو کرنے تھے کر چکے برباد	حواس و ہوش جو کھونے تھے کھو لیے صاحب
ہمارے وزن محبت میں کچھ ہو فرق تو اب	پھر امتحاں کی ترازو میں تو لیے صاحب
کچھ انتہائے بکا ہو تو اور بھی یک چند	سر شکِ چشم سے موتی کو رو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش	کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب

یہ سن کے میں نے نظیرؔ اس سے یوں کہا ہنس کر
جو کوئی بولے تو البتہ بولیے صاحب

غزل نمبر ۱۵۳ صفحہ ۶۲ کے بقیہ اشعار

لعل بھی ہو رشک سے یاقوت زرد	دیکھے اگر اس دُرِ یکتا کے لب
تھی وہ اسی لب کی شکر جس کو دیکھ	مصر میں چپکے تھے زلیخا کے لب

پ

۶۸

رکھتا ہے صدا ہونٹ کو جوں گل کی کلی چپ	وہ غنچہ دہن آہ یہ سیکھا ہے بھلی چپ
سوتا ہے تو لیتا ہوں میں یوں چوری سے بوسہ	جوں منھ میں کھلاوے کوئی مصری کی ڈلی چپ
منت سے کہا ہم نے تو تم آہ نہ بولے	جب غیر نے کی گدگدی پھر کچھ نہ چلی چپ
پروانے سے عاشق کے تئیں شمع جلا کر	پھر آپ بھی روتی ہے کھڑی بخت جلی چپ
سبزی بھی اُگی باغ میں غنچے بھی کھلے آہ	پر اس مری گونگی کے لبوں سے نہ ٹلی چپ

غصّے میں رقیب آتا ہے جب بھوت سا بنکر
مرجائیں پہ شکوے کی کبھی بات نہ نکلے
جس دم یہ خبر جا کے رقیبوں کو ہوئی پھر

پڑھتا ہوں میں جب دل میں کھڑا نادِ علی چُپ
یہ ہونٹھ وہ ہیں جن میں ازل سے ہے پلی چُپ
بس سنتے ہی سُن ہوگئے اور سانس نہ لی چُپ

اُلٹی ہی سمجھ یار کی سُنتا ہے نظیر آہ
زنہار نہ کچھ بولیو' یاں سب سے بھلی چُپ

ت

٦٩

نہ چین گھر میں نہ کل ہے باہر نہیں جو تم نے دکھائی صورت
تمھارے ناز و عتاب نے تو عجب ہماری بنائی صورت

وہ شکل دیکھی تو ہو کے بے حس رہے تحیّر میں اس طرح ہم
+ + + + + + + + جو آئی صورت

نظر میں آنکھوں میں اور جاں میں بھری اسی کی وجاہتیں ہیں
کچھ ایسے نقشے سے اپنے دل میں ہے اب کسی کی سمائی صورت

پری کی بیہودہ ہمسری نے کیا جو اُس کا مزاج برہم
تو آپ ہی ہو کر خجل وہ بولی کہ ایسی کب ہم نے پائی صورت

بیاں ہو کیا حسنِ صورت اس کا جو دیکھ آئینہ ہے یہ کہتا
ہو ایسی صورت تو پھر غرض کیا ہمیں جو دیکھیں پرائی صورت

الم میں چاہت کے اب ہماری بدل گئی ہے جو شکل ہمدم
کسی کو پھر یاد کیا رہے جب ہمیں نے اپنی بھلائی صورت

نظیر محفل میں گُل رخوں کی جو ہم نے دیکھا تو اُن سبھوں میں

فدا ہوا ہے دل اپنا جس پر، اُسی کی ہم کو خوش آئی صورت

۱۰

تری قدرت کی قدرت، کون پاسکتا ہے کیا قدرت ۔۔۔ ترے آگے کوئی قادر کہا سکتا ہے کیا قدرت
تو وہ یکتائے مطلق ہے کہ یکتائی میں اب تیری ۔۔۔ کوئی شرکِ دوئی کا حرف لا سکتا ہے کیا قدرت
زمیں سے آسماں تک تو نے جو جو رنگ رنگے ہیں ۔۔۔ یہ رنگ آمیزیاں کوئی دکھا سکتا ہے کیا قدرت
ہزاروں گل ہزاروں گلبدن تو نے بنا ڈالے ۔۔۔ کوئی مٹی سے ایسے گل کھلا سکتا ہے کیا قدرت
ہوئے ہیں نور سے جن کے زمین و آسماں پیدا ۔۔۔ کوئی یہ چاند، یہ سورج بنا سکتا ہے کیا قدرت
ہوا کے فرق پر کوئی بنا کر ابر کا خیمہ ۔۔۔ طنابیں تارِ باراں کی لگا سکتا ہے کیا قدرت
جم و اسکندر و دارا و کیکاؤس و کیخسرو ۔۔۔ کوئی اس ڈھب کے دل بادل بنا سکتا ہے، کیا قدرت
کیا نمرود نے گو کبر سے دعوئ خدائی کا ۔۔۔ کہیں اُس کا یہ دعویٰ پیش جا سکتا ہے کیا قدرت
نکالا تیرے اک پشّے نے کفشیں مار مغز اُس کا ۔۔۔ سوا تیرے خدا کوئی کہا سکتا ہے کیا قدرت
نکالے لکڑیوں سے تو نے جس جس لطف کے میوے ۔۔۔ کوئی پیڑوں میں یہ پیڑے لگا سکتا ہے کیا قدرت
ترے ہی خوانِ نعمت سے ہے سب کی پرورش، ورنہ ۔۔۔ کوئی چیونٹی سے ہاتھی تک کھلا سکتا ہے کیا قدرت
ہماری زندگانی کو بغیر از تیری قدرت کے ۔۔۔ کوئی پانی کو پانی کر بہا سکتا ہے کیا قدرت
ترے حسنِ تجلی کا، جہاں ذرّہ جھمک جاوے ۔۔۔ تو پھر موسیٰ کوئی وا تاب لا سکتا ہے کیا قدرت
دمِ عیسیٰ میں وہ تاثیر تھی تیری ہی قدرت کی ۔۔۔ دگرنہ کوئی مردے کو جلا سکتا ہے کیا قدرت
تو وہ محبوب چنچل ہے کہ بارِ ناز کو تیرے ۔۔۔ بغیر از مصطفےٰ کوئی اُٹھا سکتا ہے کیا قدرت

نظیر اب طبع پر جب تک نہ فیضانِ الٰہی ہو
کوئی یہ لفظ یہ مضموں بنا سکتا ہے کیا قدرت

۷۱

رات

کھینچ کر اس ماہ رو کو آج یاں لائی ہے رات
یہ خدا نے مدتوں میں ہم کو دکھلائی ہے رات

چاندنی ہے رات ہے خلوت ہے صحن باغ ہے
جام بھر ساقی کہ یہ قسمت سے ہاتھ آئی ہے رات

بے حجاب اور بے تکلف ہو کے ملنے کے لیے
وہ تو ٹھہراتے تھے دن پر ہم نے ٹھہرائی ہے رات

جب میں کہتا ہوں کسی شب کو تو کافر یاں بھی آ
ہنس کے کہتا ہے میاں ہاں وہ بھی بنوائی ہے رات

کیا مزہ ہو ہاتھ میں زلفیں ہوں اور یوں پوچھیے
اے مری جاں سچ کہو تو کتنی اب آئی ہے رات

جب نشے کی لہر میں بال اُس پری کے کھل گئے
صبح تک پھر تو چمن میں کیا ہی لہرائی ہے رات

دور میں حسن بیاں کے ہم نے دیکھا بارہا
رُخ سے گھبرایا ہے دن زلفوں سے گھبرائی ہے رات

ہے شب وصل آج تو دل بھر کے سو دے گا نظیر
اس نے یہ کتنے دنوں میں عیش کی پائی ہے رات

۷۲

شب برات

عالم کے بیچ جس گھڑی آتی ہے شب برات
کیا کیا ظہور نور دکھاتی ہے شب برات

دیکھے ہے بندگی میں جسے جاگتا تو پھر
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہے شب برات

روشن ہیں دل جنھوں کے عبادت کے نور سے
اُن کو تمام رات جگاتی ہے شب برات

بخشش خدا کی راہ میں کرتے ہیں جو محب
برکت ہمیشہ اُن کی بڑھاتی ہے شب برات

خالق کی بندگی کرو اور نیکیوں کے دم
یہ بات ہر کسی کو سناتی ہے شب برات

غافل نہ بندگی سے ہو اور خیر سے ذرا
ہر لحظہ یہ سبھوں کو جتاتی ہے شب برات

حُسن عمل کرد جو بھلا عاقبت میں ہو — سب کو یہ نیک راہ بتاتی ہے شب برات
لے کر امیر حمزہ کے ہر بار نام کو — خلقت کو ان کی یاد دلاتی ہے شب برات

کیا کیا میں شب برات کی خوبی کہوں نظیر
لاکھوں طرح کی خوبیاں لاتی ہے شب برات

غزل نمبر ۱۷ اجہ ۶۹ کے بقیہ اشعار

مطلع

اے چشم جو یہ اشک تو بھر لائی ہے کم بخت — اس میں تو سراسر مری رسوائی ہے کم بخت
الفت میں تو اے دل تری رسوائی ہے کم بخت — کمبخت تجھے کیا یہی اب بھائی ہے کم بخت
اس قد میں جو رعنائی و زیبائی ہے اے سرو — مت بھول کہ وہ تو نے نہیں پائی ہے کم بخت

مطلع[۱]

آگے ہی دل اپنا تو یہ سودائی ہے کم بخت — اور تس پہ سُنا یہ کہ بہار آئی ہے کم بخت

[۱] یہ مطلع کسی دوسری غزل کا ہے غزل دیتیاب نہیں ہوئی ۱۲ اشرف علی

د

۷۳

بر سر بام دل زلف نے ڈالی کمند — پھرنے کی ہرگز نہیں اب کے یہ خالی کمند
ہاتھ لگا زلف کو اس کا تری گھات میں — بھاگ رے دل ورنہ دیکھ اس نے سنبھالی کمند
مر کے بھی چھٹتا نہیں اس میں بندھا جو غرض — کاکل پر پیچ ہے سب سے نرالی کمند
جب وہ چلا صید کو ابرو نے لی کمان — گیسوئے بل دار نے جھپ سے اٹھالی کمند

شال کے جھرمٹ میں زلف ہے چھپا اسلیے — یعنی ملا جب کہ صید تو تو نکالی کمند

اور نہ چڑھا جو کوئی گھات سے اوپر نظیر
تو اسی جھرمٹ میں پھر اپنی چھپالی کمند

۷۴

کیا نہ جس نے ہمیں نامہ و پیام سے یاد — ستا رہی ہے ہمیں اس کی آج شام سے یاد
جگر میں جوش تپش اور بہ لب ہجوم فغاں — ہوئی ہے آج یہ کچھ اس کی اژدہام سے یاد
ہمارے آگے نہ لو نام گل کوئی ورنہ — وہ گلبدن ہمیں آوے گا گل کے نام سے یاد
دلایا نالہ ہمیں یاد بڑھ کے بلبل نے — یہ بات سچ ہے کہ آتا ہے کام، کام سے یاد

علیحدہ خط وہ لکھے گا نظیر کیا جس نے
کیا نہ غیر کے خط میں کبھی سلام سے یاد

ر

۷۵

اس کے بن دیکھے جو مر جاؤں میں آنکھیں پھیر کر — ڈر خدا سے اے فلک اتنا تو مت اندھیر کر
میں تو بے غیرت نہیں کیا جاؤں اس بدخو کے پاس — کون سا کم بخت پھر لاتا ہے مجھ کو گھیر کر

داغ مرنے کا نہیں محروم جانے جس کو آہ
موت آ پہونچی شتاب اور یار آیا دیر کر

۷۶

اے مری جان ہمیشہ ہو تری جان کی خیر — نازکی دور بلا، حسن کے سامان کی خیر
رات دن شام سحر پہر گھڑی پل ساعت — مانگتے جاتی ہے ہم کو تری آن کی خیر
مہندی چوٹی ہو سوائی ہو چمک پٹی کی — عمر چوٹی کی بڑی زلف پریشان کی خیر

سب طرح بوجھ سے جھمکوں کے مچھلے پڑتے ہیں
کیجو اللہ تو ان جھمکوں کی اور کان کی خیر

پان کھایا ہے تو اس وقت بھی لازم ہے یہی
ایک بوسہ ہمیں دیجیے لب و دندان کی خیر

آنکھ اُٹھا دیکھیے اور دیکھ کے ہنس بھی دیجیے
اپنے کاجل کی زکوٰۃ اور مسی و پان کی خیر

پہلے جس آن تمہاری نے لیا دل ہم سے
اب تلک مانگتے ہیں دل سے ہم اُس آن کی خیر

کیا غضب نکلے ہے بن ٹھن کے وہ کافر یارو
آج ہوتی نظر آتی نہیں ایمان کی خیر

جتنے محبوب پری زاد ہیں دنیا میں نظیرؔ
سب کے اللہ کرے حُسن کی اور جان کی خیر

۷۷

سحر ہم نے چمن اندر عجب دیکھا گل اک دلبر
سہی قامت پری پیکر مقطع وضع خوش منظر

سخن بر غنچہ لب گل رو جبین مہر اور کماں ابرو
دو چشم شوخ پر جادو نگہ تیرا اور مژہ نشتر

شمیم زلف مشک افشاں تغافل سو ستم ساماں
غرور اور ناز بے پایاں مزاج اور طبع نازک تر

ادائیں سب فسوں آئیں نہ چھوڑیں دل نہ چھوڑیں دیں
فریب و عشوہ صلح آگیں عتاب و غمزہ جنگ آور

یہ دیکھا ہم نے جب عالم تو رکھ دل ہاتھ پر ہمدم
کہا ہیں نذر کرتے ہم جو یہ لیجیے تو ہے بہتر

کہا سے جا تو اپنا دل کہ تو کیا اور تیرا دل
نہ لیویں ہم تو ایسا دل، کہا جب ہم نے یوں ہنس کر

ق

یہی ایک دل ہے بیچارہ بھلا ہے یا کہ ناکارہ
اگرچہ ہے یہ آوارہ و لیکن ہے وفا پرور

جو نامنظور کرتے ہو تو کر دو یہ کب اٹھتا ہے
ہے جب تک دم میں دم اسکے رہے گا یہ اسی در پر

نظیرؔ اس نے سنا یہ جب تو بولا یوں وہ شیریں لب
ہمارا ہو چکا یہ اب، بس اس قصّے کو کوتہ کر

۷۸

بہار

گلشن عالم میں جب تشریف لاتی ہے بہار
رنگ و بو کے حسن کیا کیا کچھ دکھاتی ہے بہار

صبح کو لاکر نسیم دل کشا ہر شاخ پر
تازہ تر کس کس طرح کے گل کھلاتی ہے بہار

نونہالوں کی دکھاکر دمبدم نشو ونما
جسم میں روح درواں کیا کیا بڑھاتی ہے بہار

بلبلیں چہکارتی ہیں شاخ گل پر جابجا
بلبلیں کیا فی الحقیقت چہچہاتی ہے بہار

حوض و فوّاروں کو دے کر آبرو پھر لطف سے
کیا مطرّا فرش سبزے کا بچھاتی ہے بہار

جنبش باد صبا سے ہو کے ہم دوش نشاط
ساتھ ہر سبزے کے کیا کیا لہلہاتی ہے بہار

خلق کو ہر لحظہ اپنے حسن کی رنگت دکھا
بے تکلف کیا ہی ہر دل میں سماتی ہے بہار

مجمعِ خوباں ہجوم عاشقاں اور جوشِ گُل
دیکھ ان رنگوں کو کیا کیا کھلکھلاتی ہے بہار

گل رخوں کی دیکھ کر گل بازیاں ہر دم نظیرؔ
گُل ادھر خنداں، ادھر دھومیں مچاتی ہے بہار

ز

٧٩

نہ ادا میں مزا نہ لذت ناز
آہ کا ہے کو خط ہوا آغاز

نام سنتے ہی اس پری رو کا
ہوش اپنے تو کر گئے پرواز

دیکھ تنہا نظیرؔ کو خاموش
بولا آپ ہی سے وہ بت طنّاز

مار ڈالا تری خموشی نے
کچھ تو پھر بیاں کر اپنا راز

جب تو لاچار ہو کے بھر کر آہ
اتنی اس نے کہا کہ بندہ نواز

عاشقاں کشتگان معشوق اند
بر نہ آید ز کشتگاں آواز

س

٨٠

انکار ہم سے غیر سے اقرار بس جی بس
دیکھے تمھارے ہم نے یہ اطوار بس جی بس

اتنا ہوں جائے رحم جو کرتا ہے وہ جفا
تو اس سے رو کے کہتے ہیں اغیار بس جی بس

ساقی ہمیں پلائیے یوں جام پے بہ پے
جو ہم نشین کہہ اٹھیں یک بار بس جی بس

ہوں نا امید وصل سے یوں جیسے وقت نزع
رو کر کہے طبیب سے بیمار بس جی بس

غش ہوں میں وقت بوسہ جو کہتا ہے ہنس کے وہ
منہ کو ہٹا ہٹا کے بہ تکرار بس جی بس

اس کا جو بس جی بس مجھے یاد آوے ہے تو آہ
پہروں تلک میں کہتا ہوں ہر بار بس جی بس

کل وہ جو بولا ٹک تو کہا ہم نے منہ پھرا
خیر اب نہ ہم سے بولیے زنہار بس جی بس

ق

ہم دل لگا کے تم سے ہوئے یاں تلک ہیں تنگ
جو اپنے جی سے کہتے ہیں لاچار بس جی بس

سن کر کہا کہ کیا میرے لگتی ہے دل میں آگ
شکوہ سے جب کرے ہے تو اظہار بس جی بس

ایسے طمانچے ماروں گا منہ میں ترے نظیر
گر تو نے مجھ سے پھر کہا ایک بار بس جی بس

ک

٨١

چتون درست سین بجا باتیں ٹھیک ٹھیک
ناز و ادا کی اس میں ہیں سب باتیں ٹھیک ٹھیک

کیا دل کو اچھی لگتی ہیں ان خوش قدوں کی آہ
یہ پیاری پیاری بولیاں یہ گاتیں ٹھیک ٹھیک

منہ میں طمانچے چھاتی میں گھونسا کمر میں لات
کیا کیا ہوئیں یہ مجھ پہ عنایاتیں ٹھیک ٹھیک

موقع سے بوسہ موقع سے گالی بھی ہم کو دی
کی شوخ نے یہ دونوں مداراتیں ٹھیک ٹھیک

جب دوستی میں قول کے پورے ہوں دونوں شخص
ہوتی ہیں پھر تو کیا ہی ملاقاتیں ٹھیک ٹھیک

جب بن پڑی تو شیخ جی شیخی نہ ماریں کیا
ہم سے بھی پھر تو ہو ویں کراماتیں ٹھیک ٹھیک

سچ ہے بقول حضرت سیّد نظیر آہ
بن آتی ہیں تو ہوتی ہیں سب باتیں ٹھیک ٹھیک

ل

۸۲

قصر رنگیں سے گزر باغ و گلستان سے نکل
ہے دفا پیشہ تو مست کوچۂ جاناں سے نکل

نکہت زلف یہ کس کی ہے کہ جس کے آگے
ہوئی خجلت زدہ بو سنبل و ریحاں سے نکل

گو بہار اب ہے و لے روز خزاں اے بلبل
یک قلم نرگس و گل جاویں گے بستاں سے نکل

امتحاں کرنے کو یوں دل سے کہا ہم نے رات
اے دل غمزدہ اس کاکل پیچاں سے نکل

کھا کے سو پیچ کہا میں تو نکلنے کا نہیں
مگر اے دشمن جاں چل تو مرے ہاں سے نکل

ہو پریشانی سے جس کی مجھے سو جمعیت
کس طرح جاؤں میں اس زلف پریشاں سے نکل

لاکھ زندان پر آفات میں ہوتا ہے وہ قید
جو کوئی جاتا ہے اس طور کے زنداں سے نکل

مجھ سے ممکن نہیں محبوب کی قطع الفت
گرچہ میں جاؤں گا اس عالم امکاں سے نکل

چاہ میں مجھ کو یہ مرشد کا ہے ارشاد نظیر
آبرو چاہے تو مت چاہ زنخداں سے نکل

ن

۸۳

نہ میں دل کو اب ہر مکاں بیچتا ہوں
کوئی خوب روئے تو ہاں بیچتا ہوں

وہ مے جس کو سب بیچتے ہیں چھپا کر	میں اُس مے کو یاروعیاں بیچتا ہوں
یہ دل جس کو کہتے ہیں عرش الٰہی	سو اس دل کو یارو میں یاں بیچتا ہوں
ذرا میری ہمت تو دیکھو عزیزو	کہاں کی ہے جنس اور کہاں بیچتا ہوں
لیے ہاتھ پر دل کو پھرتا ہوں یارو	کوئی مول لیوے تو ہاں بیچتا ہوں
وہ کہتا ہے جی کوئی بیچے تو ہم لیں	تو کہتا ہوں لو ہاں میاں بیچتا ہوں
ہیں ایک اپنے یوسف کی خاطر عزیزو	یہ ہستی کا سب کارواں بیچتا ہوں
جو پورا خریدار پاؤں تو یارو	میں یہ سب زمین و زماں بیچتا ہوں
زمیں آسماں عرش کرسی بھی کیا ہے	کوئی لے تو میں لامکاں بیچتا ہوں
جسے مول لینا ہو لے لے خوشی سے	میں اسوقت دونوں جہاں بیچتا ہوں
بکی جنس خالی دوکاں رہ گئی ہے	سو اب اس دکاں کو بھی ہاں بیچتا ہوں

محبت کے بازار میں اے نظیر اب
میں عاجز غریب اپنی جاں بیچتا ہوں

۸۴

جان کر ہم سے نہ پوچھو کہ تم عاشق ہو بجاں	ہم تو عاشق ہی تمھارے ہیں عیاں راچہ بیاں

۸۵

دو بدو اس بت سرکش سے نہ ہونا اے دل	مژہ اور ابرو کی تیار ہے واں تیر و کماں

جب یہ کہتے ہیں کہ ہم دل سے تمھیں چاہتے ہیں
دیکھ کر ہم کو تعجب سے یہ کہتا ہے کہ ہاں

۸۶

چاہت کے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں	کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں
رو آئینے کو دیتے ہو بر عکس ہمارے	آئینہ رُخو طالب دیدار تو ہم ہیں

گلشن میں عجب جاتے ہو کر حسن کی تزئین
کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
کی چشم سوئے نرگس بیمار تو پھر کیا
دل دے کے دل آزار کو کیا شکوہ بیداد

اس جنس دل آرا کے خریدار تو ہم ہیں
حسرت زدہ شوخیٔ رفتار تو ہم ہیں
اس عین عنایت کے سزاوار تو ہم ہیں
گر سوچیے اپنے لیے آزار تو ہم ہیں

جس دن سے پھنسے دیکھی نہ پھر شکل رہائی
کیا کہیئے نظیر ایسے گرفتار تو ہم ہیں

۸۷

عبث چمن میں نہیں گل عذار آتے ہیں
گھڑی گھڑی ہمیں دیکھ اپنے در پہ کہتا ہے
قرار لینے کو جاتے ہیں ہم جب اس کے پاس
جو سادی وضع میں کل رہ گئے تھے ہوش اڑا

گلوں کو اپنی دکھانے بہار آتے ہیں
یہ کون ہیں جو ادھر بار بار آتے ہیں
زیادہ اور بھی ہو بے قرار آتے ہیں
سنا ہے آج وہ کر کر سنگار آتے ہیں

گئے تھے ملنے کو شاید جھڑک دیا اس نے
میاں نظیر تو کچھ شرمسار آتے ہیں

۸۸

مجھ پہ ابرو کی تو نہ کھینچ کماں
داد تیرے بھی حسن کی دیتا
ٹھنڈی آہیں جگر سے نکلی ہیں
دم غنیمت ہے پھر کہاں اے دل
بوسہ لیجیے جو ہو کے دست و کمر

او میں تیری کمان کے قرباں
آج ہوتا اگر مہ کنعاں
اشک بھی متصل ہیں قطرہ زناں
یہ ہوا سرد اور یہ آب رواں
اتنی ہم میں کہاں ہے تاب و تواں

قطعہ

وہ دہن اور کہاں لب اپنے نظیر
وہ کمر اور کہاں یہ ہاتھ میاں

۸۹

تو کہتا ہے میں آؤں گا دو چار گھڑی میں
مر جائے گا ظالم ترا بیمار گھڑی میں

جس کام کو برسات میں لگتے ہیں مہینے
وہ کرتے ہیں یہ دیدۂ خونبار گھڑی میں

میں تجھ کو نہ کہتا تھا نظیرؔ اس سے نہ ملنا
اب دیکھیو حال اپنا تو ایک چار گھڑی میں

۹۰

مرتے ہیں ہم تو جان تو اب جان یا نہ جان
باقی ہے کوئی آن تو اب جان یا نہ جان

تیری تغافلوں کی جفا سے ترس ترس
جی دیں گے ہم ندان تو اب جان یا نہ جان

مجنوں کے جو نشان تھے سو اب تجھ میں اے نظیرؔ
ہیں سب وہی نشان تو اب جان یا نہ جان

۹۱

چھوٹا سا خال اس رخِ خورشید تاب میں
ذرہ سما گیا ہے دل آفتاب میں

مردے کو ٹھوکروں میں جلا دیتے ہوں جہاں
واں حضرت مسیح ہیں پھر کس حساب میں

ہر زخم پر ہے آہ کے بدلے صدائے واہ
کیا پُردلی ہے اس دل خانہ خراب میں

لگتے ہی آنکھ شب کو نظر آ گئی وہ شکل
پائی یہ ہم نے دولت دیدار خواب میں

آپ ہی تو دل کو لے گئے آپ ہی ہیں پوچھتے ق
کہیئے میاں نظیرؔ ہیں کس اضطراب میں

قدرت کہاں جو اس سے کہوں میں یہ بات آہ
صاحب تمھیں تو ڈال گئے ہو عذاب میں

۹۲

ہم میں بھی اور انھوں میں پہلے جو یاریاں تھیں
دونوں دلوں میں کیا کیا امیدواریاں تھیں

وہ منتظر کہ آویں ہم پُر تپش کہ جاویں
اس ڈھب کی ہر دو جانب بے اختیاریاں تھیں

نہ ضبط ہے نگہ کا نہ رک سکے نظارہ　　کیا شوق ورزیاں تھیں کیا بے قراریاں تھیں
اُٹھنے میں بیٹھنے میں، ہنسنے میں بولنے میں　　کچھ بے شعوریاں تھیں، کچھ ہوشیاریاں تھیں

جس جا نظیر آکر ہوتی ہیں الفتیں تو
واں ایسی ایسی کتنی عشرت شعاریاں تھیں

۹۳

لطف جو چاہت کے ہیں سو وہ جتانے نہیں　　چاہ چھپی کیجیے تا کوئی جانے نہیں
گنج محبت عبث کیجیے برباد کیوں　　یہ تو بڑا نقد ہے آنے دو آنے نہیں
نکلیں ہیں جو اشک و آہ دل میں وہیں رکھیے　　دیدہ و لب کو مزے اُن کے چکھانے نہیں
خواب میں آکر کوئی پوچھے کہ عاشق ہو تم　　واں بھی تعشق کے راز اس کو بتانے نہیں
تھا جو نظیر اس کو ایک شخص نے آکر کہا　　پڑھیے کچھ اپنا سخن کیجیے بہانے نہیں
جب نہ پڑھا کچھ تو پھر اس نے خفا ہو کہا　　کیا تمھیں شعر اپنے آہ ہم کو سنانے نہیں

سنتے ہی اس بات کے بھر کے دمِ سرد آہ
کہنے لگا کیا پڑھیں، دل تو ٹھکانے نہیں

۹۴

قتل پہ باندھ چکا وہ بت گمراہ میاں　　دیکھیں اب کس کی طرف ہوتے ہیں اللہ میاں
نزع میں چشم کو دیدار سے محروم نہ رکھ　　ورنہ تا حشر یہ دیکھیں گی تری راہ میاں
تو جدھر چاہے اُدھر جا کہ سحر سے تا شام　　میں بھی سائے کی طرح ہوں ترے ہمراہ میاں
ہم تری چاہ سے چاہیں گے اُسے بھی دل سے　　جس کو جی چاہے اُسے شوق سے تو چاہ میاں
لیکن اتنا ہے کہ اس چاہ میں دریا ہیں کئی　　ایسے ایسے کئی ہیں جن کی نہیں تھاہ میاں
آگے مختار ہو تم، ہم جو تمھیں چاہے ہیں　　اس سبب سے تمھیں ہم کرتے ہیں آگاہ میاں
جب دمِ نزع نہ آیا وہ ستمگر تو نظیر　　مر گیا کہہ کے یہ حسرت زدہ اے واہ میاں

۹۵

دل ٹھہرا ایک تبسم پر کچھ اور بہا لے جان نہیں
گر ہنس دیجیے اور لے لیجے تو فائدہ ہے نقصان نہیں
یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یا رنہ
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں
جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے
ہے کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں
کچھ بن نہیں آتا کیا کیجیے کس طور سے ملیے اے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو چین اک آن نہیں
تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
ہیں کہتے جسکو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں
دل پھنس کر اسکی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹے اُسکے دام سے تو وہ اتنا ہے نادان نہیں

زنہار نہ رکھیو دل میں نظیر اس لب سے توقع بوسے کی
گر جھڑکے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں

۹۶

کی طلب ایک شہ نے کچھ پند از حکیم نکتہ داں
اس نے سن کے یوں کہا اے صاحب اقبال و شاں
یاد رکھ اور پاس رکھ اور سخت رکھ اور جمع کر
کھا چھپا کاٹ اور اُٹھا دے بخوبی ہر زماں
اس نے اس مجمل کے تفصیلات جب پوچھے تو پھر
لطف سے اُس نکتہ رس نے یوں کہا اس کا بیاں
یاد رکھ ہر دم خدا کو پاس رکھ حسن وفا
سخت رکھ دین کو مدام اور جمع کر علم اے جواں
کھا غضب غصہ، چھپا عیب رفیق و آشنا
کاٹ ربط ہم نشین بد کہ ہے اس میں زیاں
اور اُٹھا ہر دم ضعیف و ناتواں سے ظلم و جور
داد مظلوموں کی دے اور لے بہشت جاوداں

نثر میں مجھ کو نظیر آئے تھے یہ نکتے نظر
میں نے نظم ان کو کیا تو دل ہو ہر دم شاداں

۹۷

جھکائے سر کو چپ بیٹھے ہیں یوں میں بحر غم کی لہروں میں
کوئی کھیلے ہے جیسے بازی شطرنج پہر دن میں
پچے ہیں جیسے مہرے خانے خانے میں بساط ادیم
رکھیں ہیں دل یوں ہی اس زلف کے حلقوں کی لہروں میں

ہمارے دل کے کیا کیا پیل بند صبر توڑے ہے
پڑی ہے یہ جو زنجیر طلا چھلّے سنہروں میں

رکھیں سرسبز کشت غم کو کیونکر اے شہ خوباں
نہیں یک قطرۂ آب اب تو ان آنکھوں کی نہروں میں

تدرو و کبک فرزیں بند غم سے رُخ ہیں اے مہ رُخ
تری ان چپلی چالوں کی سُن کر دھوم شہروں میں

دلا تو یا پیادہ، وہ سوار اسپ خوبی ہے
نہ کر ملنے کے منصوبے نہ پڑ ان سوچ گھروں میں

نظیرؔ اب دل تمھیں دیتا ہے لو، جُز دہی سمجھو
دگر نہ یار پھر ہوگی یہ بازی مات پہروں میں

۹۸

بسنت

اگر کے بسنتی لباس سب سے برس دن کے دن
یار ملا آن کر ہم سے برس دن کے دن

کھیت پہ سرسوں کے جا، جام صراحی منگا
دل کی نکالی میاں ہم نے ہوس دن کے دن

سب کی نگاہوں میں دی عیش کی سرسوں کھلا
ساقی نے کیا ہی لیا واہ یہ جس دن کے دن

خلق میں شور بسنت یوں تو بہت دن سے تھا
ہم نے تو لوٹی بہار عیش کی بس دن کے دن

آگے تو پھر تا رہا غیروں میں ہو زرد پوش
ہم سے ملا پر وہ شوخ کھا کے ترس دن کے دن

گرچہ یہ تہوار کی پہلی خوشی ہے زیاد
عین جو رس ہے سو وہ نکلے ہے رس دن کے دن

لُوٹے گا پھر سال بھر گلبدنوں کی بہار
یار سے مِل لے نظیرؔ، آج برس دن کے دن

۹۹

نہ لذتیں ہیں وہ ہنستے میں اور نہ رونے میں
جو کچھ مزا ہے ترے ساتھ مل کے سونے میں

پلنگ پہ سیج بچھاتا ہوں مدتوں سے جان
کبھی تو آن کے سو جا مرے بچھونے میں

مسک گئی ہے وہ انگیا جو تنگ بندھنے سے
تو کیا بہار ہے کافر کے چاک ہونے میں

کہا میں اُس سے کہ ایک بات مجھ کو کہنی ہے
یہ بات سنتے ہی جی میں سمجھ گئی کافر
یہ سن کے بولی کہ ہے ہے یہ کیا کہا تو نے
تو بوڑھا مردوا اور بارھواں برس مجھ کو

کہوں میں جب کہ چلو میرے ساتھ کونے میں
کہ تیرا دل ہے کچھ اب اور بات ہونے میں
پڑا ہے کیوں تجھے دنیا سے اب تو کھونے میں
میں کس طرح سے چلوں تیرے ساتھ کونے میں

نظیر ایک وہ عیارہ شرتی ہے کافر
کبھی نہ آوے گی وہ تیرے جادو ٹونے میں

۱۰۰

حال دل، ہم نے کہا زہرہ جبیں کہہ دیویں
اس پہ جو جو کہ گزرتا ہے تغافل کے سبب
چاہ میں اس نے جو کچھ دیکھیں ہیں رنج و کلفت
سن کے اس بات کو اور ہم کو سمجھ کر بیباک

پھر جو ہو حکم سو وہ دل کے تئیں کہہ دیویں
ہو اگر آپ کے خاطر کو یقیں کہہ دیویں
اور وہ جتنی کہ جفائیں ہیں ہمیں کہہ دیویں
دل میں سوچا کہ مبادا یہ کہیں کہہ دیویں

ہنس دیا اور یہ کہا اس پہ جو گزری ہے نظیر
ہم کو معلوم ہے، کہیے، تو ہمیں کہہ دیویں

۱۰۱

گر کسی صورت سے وہ صورت دکھا جاتے ہیں
وہ تو اپنا منھ دکھا کر چھپ گئے پر ہمنشیں
جیسے کل تم نے خفا ہو کر کہا تھا مر رہو
بہ یہ ڈر تھا پھر جو بلوا دیں سو بلوایا ہے آج
ہم تو یہ کرتے ہیں خاطر داریاں اور مہریاں
سن کے فرمایا جی خوش بس لگ نہ چلیے اس قدر
ہجر کی سختی نظیر ایک تو یہ ہے جو شام سے

تو غم و درد آج یہ صورت نہ دکھلاتے ہیں
دو پہر اب چاہییں پھر ہوش میں آتے ہیں
سچ اگر پوچھو تو کیا لگتا تھا مر جاتے ہیں
کیوں جی مر جاتے تو اب پھر تم کہاں پاتے ہیں
تو بھی تم واللہ خاطر میں نہیں لاتے ہیں
یہ تمھارے جو چلے ہی تو نہیں بھاتے ہیں
صبح ہو جاتی ہے اکثر سر کو ٹکراتے ہیں

۱۰۲

مقطع

مبتلا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیرؔ — بیقرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

غزل نمبر ۲۷۷ ص ۱۱۵ کا بقیہ شعر

وہ اُٹھتی چھاتیاں دیکھ اپنی کہتی ہے ہے ہے — یہ کیا بلا ہے کہ اُٹھتی ہے میرے سینے میں

غزل نمبر ۲۸۴ ص ۱۱۸ کے بقیہ اشعار

تمھارے خندۂ دنداں نما کی دولت سے — صدف تو کیا ہے کہ نیساں نے موتی رولے ہیں

غلط ہے یہ جو مرے گھر وہ بھول کر آویں — ادھر جو بھول پڑیں کیا وہ ایسے بھولے ہیں

غزل نمبر ۲۹۲ ص ۱۲۱ کے بقیہ اشعار

جنھیں ہے دل کے لینے کی خو وہ دل لے کر — اگر جفا نہ کریں تو کب ان کو ہو تسکیں

کہاں تلک نہ پھنسے آن کر وہ طائرِ دل — بچھا دے جس کے لیے دام کاکلِ مشکیں

غزل نمبر ۲۹۹ ص ۱۲۴ کے بقیہ اشعار

تمھارے ہم تو قدیمی غلام بندے ہیں — تمھیں نہ چاہیے ہم سے حجاب آنکھوں میں

قسم ہے چشمِ گلابی کی تیری اے گُل رو — کہ یاں کھینچے ہے پڑا نت گلاب آنکھوں میں

خدا کی شان جنھیں بات بھی نہ آتی تھی — وہ اب کریں ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

و

١٠٣

آ پڑے ہیں اب تو کوئے یار میں ہم شاد ہو
دیکھیں اس اُفتاد کی آگے کو کیا اُفتاد ہو

ہے چمن میں اپنی رعنائی سے پابند غرور
گر وہ قد دیکھے تو سرو اس قید سے آزاد ہو

ایک بت بیداد گر سے ہم نے باعجز و نیاز
یوں کہا کچھ ہم کہیں خدمت میں گر ارشاد ہو

سن کے فرمایا کہو جب ہم نے یوں اس سے کہا
دل کو ہم اس شرط سے دیں گر نہ کچھ بیداد ہو

سوچ کر اس نے کہا ہم عہد تو کر لیں و لے
اور جو وقتِ جور وہ پیماں نہ ہم کو یاد ہو

پھر یہ کہیئے کیا کرو گے جب تعدی و جفا
جو معین ہے وہ سب ہو بلکہ کچھ ایجاد ہو

عافیت کی گر ہوا خواہی تمھیں ہے تو نظیر
تم ہوا میں ہم سے بے دردوں کی مت برباد ہو

ہ

١٠٤

رکھتی ہے جیسے ناز میں اس کی جبین گرہ
اس لطف کی تو آہ نہ ہو گی کہیں گرہ

منہ دیکھتے ہی ورے تیوری چڑھاتی ہو
پھر کہیئے دل میں آپ کے کیونکر نہیں گرہ

غیروں کی تاب کیا جو رکھیں ہم نے کچھ مروڑ
بس جانا ہم نے رکھتے ہو ہم سے تمھیں گرہ

دل ہی چمن کے ہے تری حسرت کی گلجھڑی
باور نہیں تو دیکھ یہ غنچہ نہیں گرہ

ہم سے تو نزع میں بھی نہ بولا وہ غنچہ لب
اپنی کھلی نہ تا بہ دم واپسیں گرہ

چین جبیں عرق میں ہوئی اس صنم کی تر
اے دل بس اب تو چل کہ یہ کھلنی نہیں گرہ

کوتہ نہ ہووے رشتۂ عمر آہ کس طرح
جب غم میں اسکے آگے پڑے ہر کہیں گرہ

مرکر بھی اپنا عقدۂ مشکل ہوا نہ وا — سچ پوچھیے تو کہتے ہیں اس کے تئیں گرہ

الفت کا تار توڑ کے جوڑا تو کیا ہوا — خوبی جبھی تلک ہے کہ جبتک نہیں گرہ

کانوں کے موتیوں کو ترے دیکھ رشک سے — تنہا چمن میں دانۂ شبنم نہیں گرہ

وہ کیا، کلی کلی کے جگر میں ہے بے کلی — کلیاں بھی کیا کہ پہونچی ہے تاروں تئیں گرہ

اس بحر میں نظیر تو لکھ اور بھی غزل
زلف سخن میں چاہیئے ہو ہر کہیں گرہ

۱۰۵

یوں ہم سے اس کی رکھتی ہے زلف دو جبیں گرہ — پڑتی ہے جیسے پاس گرہ کے کہیں گرہ

ظاہر میں گو وہ تیوری چڑھاتا ہے ہم کو دیکھ — لیکن ہزار شکر کہ دل میں نہیں گرہ

ڈوری کی یہ گرہ نہیں جو لے تو اسکو کھول — ناصح ہے میرے اس کے تو اب آہنیں گرہ

بھر عمر میرے دل کا یہ غنچہ کھلا نہ آہ — ایسی فلک نے کس کے دی میرے تئیں گرہ

ملنے کے یاد رکھنے کو مدت کے بیچ آہ — دے کر گیا ہے بند میں وہ نازنیں گرہ

بندھتا ہے جیسا دل کا محبت کا وہ عقدہ — ایسی جہاں میں کوئی نہیں دل نشیں گرہ

تم اپنے دل میں چاہیئے جیسی رکھو مروڑ — ورنہ ہمارے دل میں تو ہرگز نہیں گرہ

نافے میں مشک، غم سے گرہ ہو کے مر گیا — دیکھ اس پری کی زلف کی وہ عنبریں گرہ

اے شوخ تیرے نیمے کے تکمے کے رشک سے — دریا میں سوکھ کر ہوا اُڈر تمیں گرہ

مدت میں کل تو زلف کے دل کی جبیں کی آہ — کھولی ہے ہم نے بیٹھ کے اے ہم نشیں گرہ

باقی رہی گرہ جو محبت کی عنبر کی
وہ بھی نظیر کھولیں گے آخر ہمیں گرہ

۱۰۶

رفتار سے دلوں کو کچلتے ہیں وہ جو آہ — اپنا یہ بد چلن دل انہیں کا ہے خاک راہ

سچ پوچھیے تو اس میں خطا دل کی کچھ نہیں — خوباں کی شوخیاں ہی بڑھاتی ہیں جی کی چاہ
دشنام میں یہ کچھ ہے حلاوت کہ دم بہ دم — ہوتے ہیں ہم اسی کے لیے مصدر گناہ
تیوری چڑھا کے دیکھیں ہیں جس دم عتاب سے — کس کس طرح کے لطف دکھاتی ہے وہ نگاہ
چٹکی میں دیر ہووے تو ہوتے ہیں ہم وہیں — بے رحمی و تغافل ناخن کے داد خواہ
کہنی کے التماس کا رہتا ہے جاں کو عزم — ٹھوکر کے اشتیاق میں پھرتا ہے دل تباہ
کہیے اگر کہ ہم ہیں تمھیں دل سے چاہتے — تو کہتے ہیں چہ خوش کوئی شاہد کوئی گواہ
گر چشم نم نے دی بھی گواہی تو کہتے ہیں — اے بے وقوف کس نے کہا تھا تو ہم کو چاہ

یہ کہہ کے جب جھڑکتے ہیں ہو کر خفا نظیر
وہ جھڑکیاں بھی ایسی ہی دل خواہ ہیں کہ واہ

۱۰۷

صحن گلشن میں چلی پھر کے ہوا بسم اللہ — چشم بد دور بہار آئی ہے کیا بسم اللہ
مصحف رخ پہ ترے ابروئے پیوستہ نہیں — مو قلم سے ید قدرت نے لکھا بسم اللہ
اس قدر تھا وہ نشہ میں کہ یکایک جو گرا — ہیں نہ بولا، یہ مرے دل نے کہا بسم اللہ
زلف اس عارض رنگیں پہ بکھرنے جو لگی — بول اٹھی منھ سے وہیں باد صبا بسم اللہ
آج گلشن میں ذرا پاؤں جو پھسلا اس کا — گل ہنسا، غنچے نے جلدی سے کہا بسم اللہ
یار قاتل میرے جو جو کہ لگاتا تھا وار — لب پہ ہر زخم کے نکلی تھی صدا بسم اللہ

شیشہ و ساقی و ساغر بھی حاضر ہیں نظیر
مے کشی کیجیے اب دیر ہے کیا بسم اللہ

شہر آگرہ

۱۰۸

رکھتا ہے گو قدیم سے بنیاد آگرہ — اکبر کے نام سے ہوا آباد آگرہ

یاں کے کھنڈر نہ اور جگہ کی عمارتیں
شدّادز رلگا نہ بناتا بہشت کو
توڑے کوئی قلعے کو کوئی لوٹے شہر کو
اب تو ذرا سا گاؤں ہے بیٹی نہ دے اسے
ایک یار گی تو اب مجھے یارب تو پھر بسا
ایک خوبرو نہیں ہے یہاں ورنہ ایک دن
ہرگز وطن کی یاد نہ آوے اُسے کبھی

یارو عجب مقام ہے دل شاد آگرہ
گر جانتا کہ ہووے گا آباد آگرہ
اب کس سے اپنی مانگے بھلا داد آگرہ
لگتا تھا ورنہ چین کا داماد آگرہ
کرتا ہے اب خدا سے یہ فریاد آگرہ
تھا رشک حسن بلخ و نوشاد آگرہ
جو کرکے اپنی جاں کو کرے شاد آگرہ

اس میں سدا خوشی سے رہا ہے ترا نظیر
یارب ہمیشہ رکھیو تو آباد آگرہ

ی

۱۰۹

تم سے ہم اے حسن کے سردار رخصت ہو چلے
چاہتا تھا دل تو یوں، رہتے تمھارے پاس ہم
آ گئے تھے سیر کرتے تم کو دیکھا خوش ہوئے
پھر بھی آجاویں گے ادھر کو اگر جیتے رہے
کیوں نہ لالے کی طرح دل ہو ہمارا داغدار

مدتوں میں دیکھ کر دیدار رخصت ہو چلے
پر فلک کے ہاتھ سے ناچار رخصت ہو چلے
اب خدا حافظ ہے ہم اے یار رخصت ہو چلے
اب تو رہنا ہے ہمیں دشوار رخصت ہو چلے
کس مزے میں چھوڑ کر گلزار رخصت ہو چلے

گل رخوں کی بزم میں کیا بیٹھتے ہو اے نظیر
تم بھی رخصت ہو کہ اب سب یار رخصت ہو چلے

۱۱۰

نہیں آئے کل سے جو تم ادھر اسے کیا خیال میں لائیے
جو کچھ عذر ہو تو بیان کرو ہمیں جیسے آئے تھے آئیے

کہا جبکہ ہم سے بھی بولیے تو بنا کے منھ کہا غیر سے
یہ سخن ہی سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منھ نہ لگائیے

لگے جب بچھانے بساط ہم گلی اسکی میں تو کہا میاں
یہ جو دام یہاں پہ بچھاتے ہو اسے جلد یاں سے اٹھائیے

وہ نگار گل رخ و غنچہ لب جو گلے سے آکے لگے تو پھر
یہ شگفتگی ہو بہ رنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمائیے

یہ وہ ہاتھ ہیں کہ ستم کریں یہ بہار ان کی عجب ہو جب
کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا انہیں خوب رچائیے

جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمھیں پاس اپنے بٹھائیں گے
نہیں لائق اسکے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

جو ہیں آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنے ہنس کے کہا کہ ہاں
تمھیں لائی اپنی کشش ادھر، اجی آئیے اجی آئیے

۱۱۱

دل اس کی زلف میں پھنس کر یہ خوش دلی تو رے
کہ جب صبا سے ہلے وہ تو اس میں تو جھولے

نشاں ہے اس کو بہت وقت ہے ابھی اے دل
میں اس کے چوم لوں منھ کو تو زلف کو چھو لے

جو دیدہ ہو دل اس کے تو کیونکہ ہو جاں بر
بچے جو تیر نگہ سے تو تیغ ابرو سے

ہے اس کی چشم سیہ وہ کہ دیکھ کر اس کو
مقام حلقۂ حیرت میں چشم آہو لے

ہنسی ہنسی میں دل اپنے کو مفت کھو بیٹھے
میاں نظیر بتوں کے تپاک پر بھولے

۱۱۲

نہ دیں گے ہم تو دل اور تم ہو کہتے دو زبردستی
نہ صاحب ہم نہیں راضی مگر لے لو زبردستی

جو تم زور آوری کرتے ہو ہم سے دل لگانے میں
کسی نے دل لگایا ہے کہیں لو گو زبردستی

ہمیں کچھ مدعا ہوتا تو آپ ہی بیٹھتے اس جا
تمھیں کچھ ہے غرض جب تو بٹھاتے ہو زبردستی

بتاں دست حنا بستہ پہ کرتے ہیں جسے مائل
وہ جانے ہے کریں ہیں اس پہ یہ جو جو زبردستی

کہاں تک لی نہ دیکھے وہ کہ ہر دم جس کے پاس اے جاں
بنا کر حسن تم ہنس ہنس کے آ بیٹھو زبردستی

نہ ہوتے ہم تو ول کر تم سے بے بس اس قدر لیکن
کریں کیا جب تمھیں آپ ہی سے آ لپٹو زبردستی

جو محبوبوں سے دل مانگیں تو جھڑکیں اور بٹھا رکھیں
کریں حجت تو کہتے ہیں خوشی سے کیا دیا تھا دل

نہ دل دیویں نہ گھر جانے دیں یہ دیکھو زبردستی
ارے ناداں لیا ہے گا وہ ہم نے تو زبردستی

نظیر اب تو تمھارے بس میں ہے کچھ کہہ نہیں سکتا
کرو جو ہو سکے تم سے زبردستو زبردستی

۱۱۳

جو تم نے پوچھا تو حرف الفت بر آیا صاحب ہمارے لب سے
سو اس کو سن کر ہوئے خفا تم نہ کہتے تھے ہم اسی سبب سے

نہ دیتے ہم تو کبھی دل اپنا نہ ہوتے ہرگز خراب و رسوا
وے کریں کیا کہ تم نے ہم کو دکھائیں جھمکیں عجب ہی چھب سے

وہ جعد مشکیں جو دن کو دیکھے تو یاد اس کی میں شام ہی سے
یہ پیچ و تاب آ کے دل سے اُلجھے کہ پھر سحر تک نہ سلجھے شب سے

لگائی فندق جو ہم نے اس کی کلائی پکڑی تو ہنس کے بولا
یہ انگلی پہنچے کی یاں نہ ٹھہری بس آپ رہیئے ذرا ادب سے

کہا تھا ہم کچھ کہیں گے تم سے کہا تو ایسا کہ ہم نہ سمجھے
سمجھتے کیونکر کہ اس نے لب سے سخن نکالا کچھ ایسے ڈھب سے

ہوس تو بوسے کی ہے نہایت پہ کیجیے کیا کہ بس نہیں ہے
جو دسترس ہو تو مثل ساغر لگا دیں لب کو ہم اُن کے لب سے

کسی نے پوچھا نظیر کو بھی تمھاری محفل میں بار ہوگا
کہا کہ ہوگا، وہ بولا، کب سے کہا کبھو کا کبھی، نہ اب سے

۱۱۴

قدم پہ تقدیر دل بنا رکھ دیں جو اس طرف بھی ہو جلوہ سازی
تمھیں تو پروا نہیں ولیکن ہماری اس میں ہے سرفرازی

مقابل اس حشم کے ہوں کیونکر کہ دیتی فرصت نہیں ہے پل بھر — ادھر نگاہوں کی ترکتازی ادھر کو مژگاں کی نیزہ بازی
جو حال دل کا کبھی ہیں کہتے تو وہی باتیں ہیں سن کے کہتا — یہ خوبی ہم تو سمجھتے اس کو جو تم نہ کہتے یہ این درازی
کہا یہ ایک شمع رو نے شب کو کہ ہم کو چاہو تو ہم یہ بولے — وہ دل کو تم سے لگاوے صاحب کہ جسکو لینی ہو دل گدازی

جو ایک لب سے دل چھڑایا تو دوسرے سے وہیں لگایا
نظیرؔ ہم تو ہیں خوشی سے جو چین لینے دے عشق بازی

۱۱۵

بوسۂ لب سے ہمیں ہم خوش کیجیے — پھر ہمیں دل چاہے سو کہہ لیجیے
ہے تمھیں اے جاں مرے سر کی قسم — آج تو ایک ساغر مے پیجیے
قابل محفل ہمیں سمجھو اگر — تو کبھی آتے ہمیں واں دیجیے
جیب[1] تو پھاڑا مرا دلدار نے — فائدہ کیا ہے اسے جو سیجیے

صلح کو تم پاس آیا ہے نظیرؔ
اور جو لڑتا ہے تو لڑ لیجیے

۱۱۶

جلد آؤ اگر تم کو مری خواہش خوں ہے — کچھ دیر نہیں لگنے کی یاں صید زبوں ہے
عشاق سے ملنے کی عبث پوچھو ہو ساعت — جب دل ادھر آجاوے وہی نیک شگوں ہے
جب میں نے کہا تم مجھے پہچانتے ہو بھی — میں وہ ہوں کہ مدت سے جسے شوق دروں ہے
یہ سن کے نظیرؔ اس نے کہا کہتا ہے کس سے — ہیں یہ بھی کوئی زور تماشے کا فسوں ہے

ہم تیری تو صورت سے بھی واقف نہیں ہرگز
اے شخص تو بے عقل ہے یا تجھ کو جنوں ہے

۱۱۷

بھولتی دل سے نہیں ہوش ربائی تیری — دلبری عشوہ گری، جلوہ نمائی تیری

[1] جیب نظیر کے زمانہ میں مذکر بولا جاتا تھا۔ اب متروک ہے بلکہ دہلی اور لکھنؤ کے فصحا مؤنث ہی بولتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کیوں نہ پھروں میں تکوں اب تیرے مکھڑے کی طرف — کیا کروں مجھ کو یہ صورت ہے، خوش آئی تیری
مہ کی صورت مجھے آگے تیرے کب خوب لگے — اُس کے چہرے سے تو صورت ہے سوائی تیری
آنکھ جوں آئینہ رہ جاتی ہے پریوں کی کھلی — جب نظر آتی ہے مکھڑے کی صفائی تیری
ہے تو مختار جو کچھ چاہے سو کرنا نہ غرور — کشورِ دل میں پھری اب تو دُہائی تیری
کل جو گلشن میں گیا میں کہ ذرا غم بھولے — واں بھی ہر گل نے مجھے یاد دلائی تیری
سونگھا ایک گل کو جو ہیں میں سے تو اس میں بھی ہائے — لے مرے غنچہ دہن بو مجھے آئی تیری

غم میں مرتا تھا نظیرؔ اس کو جلایا تو نے
جان کس منھ سے کہوں اب میں بُرائی تیری

۱۱۸

سب ٹھاٹھ یہ ایک بوند سے قدرت کی بنا ہے — یاں اور کسی کی نہ منی ہے نہ منا ہے
بالفرض اگر ہم ہوے حوّا کے شکم سے — آدم کے تئیں دیکھیے وہ کس کا جنا ہے
یاں ہوگئے دولھن دولھا کے قصّے میں پھنسے ہیں — واں اور زینت ہے نہ بنی ہے نہ بنا ہے
حکمت کا اُلٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں — وہ کہتے ہیں غافل یہ بقا ہے یہ فنا ہے
لے عرش سے تا فرش جو روشن ہے طلسمات — یہ نور سب اُس نور کی چھلنی سے چھنا ہے
ہم کچے سے کچا اُسے سمجھے ہیں دگر نہ — اس دیگ کے چاول میں کنی ہے نہ گنا ہے
ملنا بھی غرض کا ہے لڑائی بھی غرض کی — نہیں اور کسی سے کوئی روٹھا نہ منا ہے
حاجت نہ بر آئی تو وہیں کرنے لگے ہجو — اور ہو گیا مطلب تو وہیں وصفِ ثنا ہے
یابس کہیں مرطوب کہیں گرم کہیں سرد — مصری ہیں کہیں زہر، ہلاہل ہیں سنا ہے

ایک اس کی دوا مجھی نہیں جاتی نظیرؔ آہ
کچھ زور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

۱۱۹

سرسبز رکھیو کشت کو اے چشم تر مری
تیری ہی آب سے ہے بس اب آبرو مری

گو میں جفا سے مرگیا رُک رُک کے روسیاہ
پر شکر ہے وفا تو ہوئی سرخ رو مری

اس کی جبین پاک پر اس دم تک اے نسیم
کافر ہوں گر پڑی ہو نظر بے وضو مری

بل کھا کے زلف کان میں اس کان حسن کے
پھونکے ہے پردے پردے میں کچھ مو بہ مو مری

میں مرگیا تھا زہر جو کھا کر تو اس لیے
ق یعنی وہ شاد ہو کہ مٹی ہاؤ و ہو مری

سو تو نے میرے غم میں رلایا اسے فلک
اے روسیاہ یہ تو نہ تھی آرزو مری

پہروں تلک بکا میں پر اس شوخ نے نظیر
ایک چٹکی میں اُڑا دی وہ سب گفتگو مری

۱۲۰

تن دیکھ کے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے[ل]
وہ سیم تن اس تن سے کس طرح نہ تن نکلے

ہیں خال سر کاکل یا ڈالیاں سنبل کی
چرنے کے لیے شب کو آہوئے ختن نکلے

ہم درج گہر اپنے سینے میں سمجھتے تھے
جب روئے تو آنکھوں سے کل لعل یمن نکلے

آنے کی قسم کھا کر پھر منھ بھی نہ دکھلایا
سادہ جنھیں سمجھے تھے سو اُن میں یہ فن نکلے

اب روئیے الفت کو یا ٹھونکیے قسمت کو
جو قول کے پورے تھے وہ عہد شکن نکلے

تھا میں جو نظیر اس کے دنداں کے تصور میں
جب منھ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

۱۲۱

ہمیں اس غنچہ لب کی بات کیا دل سے لگی پیاری
کہ جس کو بے کلی لینی ہو وہ ہم سے کرے یاری

جو دل کے لینے والے ہیں وہ لے ہی جاتے ہیں آخر
دھری رہتی ہے سب اپنی نگہبانی و ہشیاری

کیا ہم نے یہ استفسار اس سے یعنی اب ہم پر
قطعہ کسی کے کہنے سننے سے یہ رہتی ہے ستمگاری

[ل] انہی مقطع و مطلع سے بادنیٰ تغیر ایک غزل نمبر ۲۳۴ صفحہ ۱۷۴ میں گزر چکی ہے غالباً نظیر نے اسی غزل کی نظر ثانی کی ہے یا ممکن ہے کہ دو غزلہ ہو۔ اشرف علی

اگر کہنے سے ہو تو کچھ کریں تدبیر ہم اس کی — وگر اپنی ہی مرضی ہے یونہی تو خیر لاچاری

مکدر ہو گیا لیتے ہی دل کے یک بہ یک ہم سے
نظیرؔ اُس آئینہ رو نے تو کی یہ صاف عیاری

۱۲۲

اظہار ہم بھی کرتے احوال دل فگاری — شرم وفا گر اک دم دیتی زباں کو یاری
جن میں فریب و فن کی سو پختہ کاریاں ہیں — ہم اُن کے مبتلا ہیں لے دے کے خام کاری
شکوہ فراموشی کا کیا اُن سے کیجیے جن کو — صورت ہی بھول جاوے پھر کیسی یادگاری
یک بار ملتے ملتے رُک جاؤ تم تو اے جاں — دل بستگاں کی پھر ہو کیونکر نہ اشک باری
وعدے پہ گل رخوں کے مست کھا فریب اے دل — ان کے قرار میں ہیں صد خار بے قراری
لیتی ہے ہم سے بدلہ اب صبح حشر اس کا — جو شام مُو میں ہم نے کی تھی سیاہ کاری

گر کر نظیرؔ ہم اس محبوب کی نظر سے
ایسے ہوئے ہیں ہلکے جو زندگی ہے بھاری

۱۲۳

جس وقت خواب ناز سے وہ چشم وا ہوئی — صد خستہ نہ خفتہ کی حاجت روا ہوئی
لا بوئے گل نہ کلبۂ احزاں میں اے نسیم — یہ کب ہماری روح کی راحت فزا ہوئی
یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد — آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیرؔ ایک نے کل شکل وصل یار — ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہئے کیا ہوئی

جو شکل دور باش تھی روز نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

۱۲۴

بنا کے منھ جو سراسر ہمیں بُرا کہئے — تمھارا ہم نے بگاڑا ہے کیا بھلا کہئے

غرض تھی چاہ سے ہم کو سو ہم نے کی آگے
گناہ اس کو سمجھ لیجیے خطا کہیے

وفا جو ہم میں ہے کم سیکڑوں میں نکلے گی
اگر ہزار طرح ہم کو بے وفا کہیے

صریح خوش تھے ہمیں دیکھ کر ہوئے ناخوش
یہ اختلاط میں ہے کون سی ادا کہیے

جو چاہے آپ کو دل سے اسے خفا کیجے
یہ ناروا ہے محبّت میں یا روا کہیے

رہو خوشی سے تم اپنی تو ہے مراد مری
تمھارے دل کا جو کچھ ہو وہ مدعا کہیے

ہم آ دیں جا دیں بھلا کیا خوشی سے آپ کے پاس
نہ جانکا لیے لب سے کبھی نہ آ کہیے

جو لے کے دل کو کریں رات دن ستم گاری
تو مصنفو انھیں پھر کچھ نہ کہیے کیا کہیے

گلے کی داد نزاکت سے دیتے ہم بھی نظیر
پر اس صنم کا ہے نازک مزاج کیا کہیے

۱۲۵

ہم اطوار تاسعت سے نہ کرتے آج جانکاہی
گر اس بے درد کے طرزوں سے ہوتی کچھ بھی آگاہی

خیال شوخیٔ چشم اُس کا اپنے دیدۂ تر میں
پھرے ہے یوں کہ جیسے ہو شناور بحر میں ماہی

ہم اس کو بادکش بھی جھل نہیں سکتے ہیں اس ڈر سے
کہ ہے وہ رمز فہم اور اس میں ہے طرز ہوا خواہی

نہ کر پہلو تہی اس کے جفا و جور سے اے دل
مزا کیا عشق کے آفات کا جب عافیت چاہی

بتوں کو دل دیا تھا تو نے اب دیں کو بھی دے بیٹھا
ارے کچھ تو خدا سے ڈر، نظیر اتنی بھی گمراہی

۱۲۶

غفلت میں جو رہا وہ نہ بھولے تو کیا کرے
فربہ جسے کیا وہ نہ پھولے تو کیا کرے

گل سے کوئی کہے کہ شگفتن سے باز آ
اس کو تو پھولنا ہے نہ پھولے تو کیا کرے

جو نا قبول شے کے بنا یا قبول کو
پھر اس کو وہ بھلا نہ قبولے تو کیا کرے

لڑکے کو دیں جو عہد میں مادر پدر سُلا
لاچار پھر وہ اس میں نہ جھولے تو کیا کرے

جس فیلباں کو حکم ہو سردار کا نظیر
پھر وہ غریب ہاتھی نہ ہولے تو کیا کرے

۱۲۷

اس رشک مہ کے منھ پہ وہ مشکیں جو خال ہے
ایسا تو خال خلق میں اب خال خال ہے

اے مردمانِ چشم بتاں یہ وہ خال ہے
تم سب کے آج خال کو یاں جائے حال ہے

کیا دام زلف چاہیئے جس جا پہ خال ہے
دانا کے واسطے تو یہ دانہ ہی جال ہے

اس مہ جبیں کے گوشۂ ابرو میں خال ہے
جیسا وہ نیمچہ ہے یہ ویسا ہی ڈھال ہے

مکھڑے پہ اس کے گرچہ بناوٹا کا خال ہے
اصلی کو پر یہ حسن بنانا محال ہے

جس منھ پہ جوشِ حسن سے تل بھر بھی جا نہ ہو
واں تل بھی آ پڑے تو یہ تل کا کمال ہے

اس خال کے فراق میں اپنے جگر کا آج
وہ حال ہے جو چاند کے سینے کا حال ہے

خوبی میں اس کی چشم سلیمانی کہیئے آہ
نیلم ہے یا کہ مردمِ چشمِ غزال ہے

اب کس سے اس کے خال کو تشبیہ دیں نظیر
کافر پہ رو سیہ تو کوئی بے مثال ہے

۱۲۸

اب تو ہر لحظہ وہ بے درد ستاتا ہے مجھے
بے نہایت ستم و ظلم دکھاتا ہے مجھے

جاگتا ہوں تو یہ کہتا ہے کہ جا سو بھی کہیں
اور جو سوتا ہوں تو ٹھوکر سے جگاتا ہے مجھے

جس طرح جلتی ہے فانوس میں شمع محفل
اس طرح پردے ہی پردے میں جلاتا ہے مجھے

خوش نصیبی مری الفت کی تو دیکھو یارو
یاد کرتا ہوں جسے میں وہ بھلاتا ہے مجھے

شوق دیدار ہے یا جذبۂ الفت ہے غرض
کوئی تو ہے کہ جو کھینچے لیے جاتا ہے مجھے

آج وہ خاک نشیں ہوں میں کہ جوں نقش قدم
ہر کوئی پاؤں کی ٹھوکر سے مٹاتا ہے مجھے

عشق میں اس کے نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں نظیر

ایسی مشکل ہے کہ کچھ بن نہیں آتا ہے مجھے

۱۲۹

یہ کس نے آج چمن میں قبا اُتاری ہے
کہ جس کی بو سے ہر اک گل کو بیقراری ہے

تو وہ ہے گل کہ ہمیشہ قدم قدم پہ ترے
چمن نے باغ میں سو سو بہار واری ہے

ترا میں حسن زلیخا سے پوچھ آتا جان
تو کیا کروں کہ وہ تشریف لے سدھاری ہے

نہ برق میں ہے نہ سیماب میں نہ شعلے میں
الٰہی دل کو کہاں کی یہ بیقراری ہے

نظیرؔ ابروئے مژگاں کو اپنا دل دے ڈال
نہیں تو دم میں میاں پھر چھُری کٹاری ہے

۱۳۰

لینے کو ہم آئے ہیں دلِ زار کسی سے
کچھ اور نہیں حجّت و تکرار کسی سے

اب خیر اسی میں ہے کہ دے ڈالیے دل کو
تا مفت نہ ہو قصۂ و بیکار کسی سے

ہم اپنی ہی خوبی سے نہیں بولے ہیں ورنہ
ہوتا خلش اب تک تو کئی بار کسی سے

اقرار جو کر کے کوئی مکرے تو وہ جانے
ہم نے تو کیا کچھ نہیں اقرار کسی سے

سب جانتے ہیں دل کے تئیں مفت لیا ہے
بوسے بھی نہیں پائے ہیں دو چار کسی سے

کیا وجہ نہ دینے کی کوئی منھ سے تو بولو
تو ہم بھی نہ ہوں دل کے طلبگار کسی سے

یہ سُن کے نظیرؔ اس نے کہا سنتے ہو یارو
ہم کو تو عداوت نہیں زنہار کسی سے

سو آپ میں اس مکر کو ہوں خوب سمجھتا
اس پر تو نہ بولے میری بیزار کسی سے

۱۳۱

جلد اتنا نہ چل او جلوہ دکھانے والے
ہیں نقاہت زدہ پیچھے ترے آنے والے

وائے غفلت جنھیں ہے فکر جراحت دلِ ریش
ہم انھیں سمجھے ہیں مرہم کے لگانے والے

جرم میں چاہ کے جو چاہو سو کہہ لو صاحب
شرم سے ہم نہیں اب سر کو اُٹھانے والے

یک سر مو نہ پریشان ہو تو اے کاکلِ یار
ہم ترے دام میں آکر نہیں جانے والے

ہم تو جا بیٹھیں ابھی یار کے کوچے میں مگر
چین دینے کے نہیں رشک کے کھانے والے

ل نہ بے دردِ بتوں سے ہمیں ہے خوف نظیرؔ
تو ہے کمزور وہ ہیں زور جتانے والے

۱۳۲

کہہ گئے اس قاتل نے آج اک بات میرے سامنے
دل کے دو ٹکڑے کیے ہیہات میرے سامنے

شعلہ دل سے مرے پروانہ کیا ہوگا دوچار
شمع نے رو رو دیا تھا رات میرے سامنے

کیا کوئی اُس شعلہ رو سے ہو مقابل حسن میں
ہوگئی برسوں پری بھی مات میرے سامنے

نقطۂ حسن اس کے رخ کا ایک کتاب حُسن ہے
ہو چکی اس کی بھی تحقیقات میرے سامنے

اس کی ابرو کی صفت میں جو کماں ابرو زرا تا
بزم میں کیا کیا پڑھیں ابیات میرے سامنے

ہیں تو اس غماز کو کیسا کیا سر ادیتا مگر
کیا کروں منکر ہوا بد ذات میرے سامنے

پھر چلا تو آج اس چنچل کے کوچے میں نظیرؔ
کل تو تو آیا تھا کھا کر لات میرے سامنے

۱۳۳

گئی فلک تئیں پر اس کے دل میں راہ نہ کی
ہماری آہ نے پیدا یہ دستگاہ نہ کی

جگر کو دیکھیے میرے کہ یوں ہوا ہوں قتل
سپر تو کیا ہے کہ ہاتھوں تلک پناہ نہ کی

زیادہ اس سے اب اخفائے درد کیا ہوگا
کہ جان آنکھوں میں آ گئی پر آہ نہ کی

کہا میں یار سے ایک دن کہ اے مہ تاباں
ہماری شام کبھی تم نے صبح گاہ نہ کی

نہ ہم سے پیار نہ الفت نہ مہر نہ اخلاص
جو سرسری سی نگہ گاہ کی تو گاہ نہ کی

یہ سُن کے مجھ سے کہا بیاں بھی کچھ اجارہ ہے
نہ کی تو چل بے نہ کی، واہ خواہ مخواہ نہ کی

میاں نظیر ہیں چاہتے رہے سب کو
ہزار حیف کسی نے ہماری چاہ نہ کی

۱۳۴

غنچہ لب، مہر جبیں، عارض گلفام پری
گلشن حسن ہے اب تو وہ گل اندام پری

کیوں نہ جھمکیں طرب و عیش کہ جس بزم میں ہوں
مے و مینا پری ساقی پری اور جام پری

وہ پری رو جہاں آوے تو ہو واں کی یارو
دن پری رات پری صبح پری شام پری

یوں مرے سینے پہ سوتا ہے شب وصل میں وہ
جس طرح اپنے پلنگ پر کرے آرام پری

اسکے مکھڑے کی جھمک بھی یہی کرتی ہے جو کچھ
کرتی ہے حسن کی دکھلا کے جھمک کام پری

میں نے پوچھا کہ ہے کیا نام تمہارا کہیے
بولی کیا تو نہیں واقف ہے مرا نام پری

جس گل اندام کو اپنا دیا دل تو نے نظیر
حسن میں نام خدا ہے وہ دل آرام پری

۱۳۵

ہو جو دوچار صبح اس عارض برق تاب سے
نکلیں ستارے رشک کے دیدۂ آفتاب سے

چھپتے ہیں یوں پری رخاں اس رخ مہر تاب سے
جیسے ستارے صبح کو چھپتے ہیں آفتاب سے

مکھڑے کی اس کے ہمسری کیونکہ ہو ماہتاب سے
باتیں کرے ہے اب تو صاف بڑھ کے وہ آفتاب سے

دل کو اسیر کر لیا زلف کے پیچ و تاب سے
آنکھوں کی نیند لے گیا نرگس نیم خواب سے

چہرے پر اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
یہ تو بھبھوکا اب نہیں وہ کہ چھپے نقاب سے

اس کا وہ روئے مہر وش چمکے ہے یوں نقاب سے
جیسے شعاع آفتاب پھوٹے تنک سحاب سے

سویا ہے وہ ابھی نسیم لگیو نہ اس کے تن سے تو
اور جو لگی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے

زلفیں جو کھولیں آپ نے سنبل تر کا جرم ہے
یا کہ ختن میں کچھ خطا ہو گئی مشک ناب سے

اس کا وہ قد ہے جلوہ گر دیدۂ تر سے یوں مری
جیسے عیاں ہو عکس سرو نہر چمن کے آب سے

اپنا کتابی رخ جو یوں پھیرو ہو ہم سے دم بدم — تم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی، اس کتاب سے

چھوڑ کے مجھ کو نیم جاں اب تو چلے ہو تم مگر — دیر نہ کیجیو مہرباں پھریو ذرا شتاب سے

سخت عذاب تھا ہمیں آہوں سے دل کی کیا کہیں — بارے وہ تم نے لے لیا، چھوٹے ہم اس عذاب سے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک حباب سے

۱۳۶

ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے — مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے

رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں — ہماری کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

مجھے ہے نزع وہ آتا ہے دیکھنے اب آہ — کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے

بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار — ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوک گیاہ — مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے — کہ کل یہ دیدۂ پر نم رہے رہے نہ رہے

تمہارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی — بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے

یہی سمجھ لو ہمیں تم کہ اک مسافر ہیں — جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

نظیر آج ہی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

۱۳۷

حقہ

جب سے حقہ تجھ لب جاں بخش کا ہم راز ہے — تب سے حق حق کیا کہ قہ قہ کی سی کچھ آواز ہے

یہ جو اڑتا ہے دھواں اب تیرے منھ سے اے پری — اس دھوئیں والا نسب کی عرش تک پرواز ہے

پیچوان پینے میں کس کس آن کا کھلتا ہے پیچ
پیچواں کو اپنے پیچوں پر نہیں اتنا غرور

. . . .

آب نے حقے تو بے نیچے کو یہ رتبہ کہاں
گر تجھے ہونا ہے گل لے دل تو جل اور دم نہ مار
گل کیا دم بھر میں تمباکو جلا کر آگ میں
ہے کہاں ٹک بول اٹھ جلدی خدا کے واسطے
کیوں نہ تجھ کو منھ لگادیں خلق میں شاہ و گدا
پیچوان پر پیچ کھاتی ہے پڑی حوروں کی زلف
آدم ایک دمڑی کی حقیا کو رہے عاجز سدا

گڑ گڑی پینے میں کافر اور ہی انداز ہے
جتنا تیری گڑ گڑی کو ڈیڑھ خم پر ناز ہے
دل جلانے کو تو ابھی عاشق جانباز ہے
منھ سے لگنے میں تو اب منہال بھی ممتاز ہے
دیکھ تمباکو کو کیا کیا سوز ہے اور ساز ہے
اے پری رو تیرے دم میں تو یہ کچھ غمّاز ہے
اور میاں حقے عجب پیاری تری آواز ہے
تو تو پریوں کے لبوں کا ہمدم و ہمراز ہے
گڑگڑی تیری بھی ساری، اے پری طنّاز ہے
ہم کو کیا کیا گڑی گڑی اور پیچواں پر ناز ہے

غور کر دیکھا تو اب یہ وہ مثل ہے اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

۱۳۸

انداز کچھ اور ناز و ادا اور ہی کچھ ہے
نہ برق نہ خورشید نہ شعلہ نہ بھبھوکا
بلور کی جھلکیں ہیں نہ الماس کی جھمکیں
پیچھے جو نظر کی تو وہ گدّی ہے قیامت
سینے پہ کہا میں نے یہ دسیب ہیں کیا ہیں
تم باتیں ہیں کہتے ہو اور سنتے ہیں ہم چپ
ہیں آپ کی باتیں تو شکر ریز پر اے جاں
پوچھی جو دوا ہم نے طبیبوں سے تو بولے

جو بات ہے وہ نام خدا اور ہی کچھ ہے
کیوں صاحبو یہ حسن ہے یا اور ہی کچھ ہے
اس گورے سے سینے کی صفا اور ہی کچھ ہے
آگے کو جو دیکھا تو گلا اور ہی کچھ ہے
شرما کے یہ چپکے سے کہا اور ہی کچھ ہے
اپنی بھی خموشی میں صدا اور ہی کچھ ہے
اس گو نگے کے گڑ میں بھی مزا اور ہی کچھ ہے
بیماری نہیں ہے یہ بلا اور ہی کچھ ہے

عناب نہ خطمی نہ بنفشہ نہ خیارین
اس ڈھب کے مریضوں کی دوا اور ہی کچھ ہے

ہم کو تو نظیر اُن سے شکایت ہے جفا کی
اور اُن کا جو سُنیے تو گلہ اور ہی کچھ ہے

۱۳۹

یہ جو اُٹھتی کونپل ہے جب اپنا برگ نکالے گی
ڈالی ڈالی جاوے گی اور پتا پتا کھالے گی

ہونہار برِوا کے پتے چکنے چکنے ہوتے ہیں
بہت نہیں کچھ تھوڑے ہی دن میں ہل پھنگ کو آرے گی

ابھی تو کیا ہے چھٹپن ہے نادانی ہے بھولپن ہے
قہر تو اس دن ہوویگا جب اپنا ہوش سنبھالے گی

ناز ادا اور غمزوں کے کچھ اور ہی کترے گی گل پھول
سین لگاوٹ جوبن کا بھی اور ہی عطر نکالے گی

کاجل مہندی پان مسی اور کنگھی چوٹی میں ہر آن
کیا کیا رنگ بناوے گی اور کیا کیا نقشے ڈھالے گی

جب یہ تن گدراوے گا اور بازو باہیں ہوں گے گول
اُس دم دیکھا چاہیے کیا کیا پیٹ کے پاؤں نکالے گی

کس کس کا دل دھڑکے گا اور کون ملے گا ہاتھوں کو
انگیں سے جب انگیا میں یہ کچے سیب اُچھالے گی

پان چبا اور آئینے میں دیکھ کے اپنے ہونٹوں کو
کیا کیا ہنس ہنس بولے گی اور کیا کیا دیکھے بھالے گی

خانہ جنگیاں ہوویں گی اور لوگ مریں گے کٹ کٹ کر
شہر کے کوچے گلیوں میں اک شور قیامت ڈالے گی

جب یہ میوہ حسن کا رس رس پک کر ہووے گا تیار
نانگہ اس کی قیمت کا جب دیکھا چاہیے کیا لے گی

سونا روپا سیم و جواہر صبر و دل و دیں ہوش و قرار
آنکھ اُٹھا کر دیکھتے ہی اک آن میں سب کچھ لے گی

اپنے وقت جوانی میں یہ شوخ خدا ہی جانے نظیر
کس کس کا زر لوٹے گی اور کس کس کا گھر گھالے گی

۱۴۰

جوبن میں شرارت ہے اور سین بھی چنچل ہے
کافر تری نظروں میں کچھ اور ہی چھل بل ہے

بالا بھی یہ چمکتا ہے جگنو بھی دمکتا ہے
بدھی کی لپٹ تس پر تعویذ کی ہیکل ہے

گورا وہ گلا نازک اور پیٹ ملائی سا
سینے کی صفائی بھی ایسی گویا مخمل ہے

وہ حسن کے گلشن میں مغرور نہ ہو کیونکر
انگیا وہ غضب جس کو بلبل ہی کرے دل بھی
یہ دو جو نئے پھل ہیں سینے پہ ترے ظالم
ابھرا ہوا وہ سینہ اور جوش بھرا جوبن
کیا کیجیے بیاں یارو چنچل کی رکھاوٹ کا
یہ وقت ہے خلوت کا اے جان نہ کر کلکل
کل میں نے کہا اس سے کیا دل میں یہ آیا جو
معلوم ہوا ہم سے روٹھے ہو تم اے جانی
یہ سن کے لگی کہنے روٹھی تو نہیں تجھ سے

بڑھتی ہوئی ڈالی ہے اٹھتی ہوئی کونپل ہے
کیا جانے کہ شبنم ہے نن سکھ ہے کہ ململ ہے
ٹک ہاتھ لگانے دے جینے کا یہی پھل ہے
ایک ناز کا دریا ہے ایک حسن کا بادل ہے
ہر بات میں ڈر ڈر ہے ہر آن میں چلبل ہے
کافر تری کلکل سے اب جی مرا بیکل ہے
کنگھی ہے نہ چوٹی ہے مستی ہے نہ کاجل ہے
الٹا ہی ڈوپٹے کا مکھڑے پہ یہ آنچل ہے
پر کیا کہوں دو دن سے کچھ دل مرا بیکل ہے

جس دن ہی نظیر آ کر وہ شوخ ملے ہم سے
ہتھ پھیریں ہیں بوسے ہیں، دن رات کی ہل ڈل ہے

۱۴۱

ترے رخ کی جھمکیں کیا کہوں جسے دیکھ رہیں مہ و مشتری
تری نظریں تیر، کمان بھویں، تری آنکھیں ترک سناں مژہ
تو نے پان سے منھ کو لال کیا کہوں کیا جو دل کا حال کیا
ترے تن کی نرمی کیا کہوں ترے چھو کے پاؤں کے تلوے کو

رہے ہوش گنوا پھرے باؤلی ہی تری ایک جھلک کو دیکھ پری
تری آن ہٹیلی چلبلی تری شوخ ادائیں فریب بھری
دیا سرمہ آنکھ میں وہ بلا جیسے اودی تیغ پہ باڑھ دھری
چھوئی مخمل ان کے جب گھڑی لگی ہاتھ کو میرے وہ کھُر کھری

زری پوش جو ہو کے نکلا ہے تو چمک جھمک سے او میاں
ہے نظیر بھی تیرا مبتلا بھلا اس کے پاس بھی بیٹھ ذری

۱۴۲

چتون کی کہوں یا کہ اشارات کی گرمی
ہے نام خدا اس میں ہر اک بات کی گرمی
رونے سے مرے اسکو عرق آگیا یارو
سچ ہے کہ بڑی ہوتی ہے برسات کی گرمی

ہاتھ

ٹک پھول چھوا تھا سو نرا انگلی سے کئی بار ——— رہ رہ کے دکھائی مجھے گل بات کی گرمی

کھلواتے ہی بندوں کے بدن گرم ہوا آیا ——— شاید کہ لگی اس کو مرے بات کی گرمی

جلتا ہوں میں اور شعلے نہیں دیتے دکھائی ——— ہے عشق میں یارو یہ طلسمات کی گرمی

رہنا ہے کوئی دن تو سمجھ جائیو اے دل ——— یاں پھر وہی ٹھہری ہے ملاقات کی گرمی

گرمی تھی کہیں آہ ہم افسردہ دلوں میں ——— ساقی کی فقط ہے یہ عنایات کی گرمی

آتے ہی جو تم میرے گلے لگ گئے واللہ ——— اس وقت تو اس گرمی نے سب مات کی گرمی

کہتا ہے وہ جس دم کہ چلو ہم سے نہ بولو ——— اس بات میں ہے اور ہی اک بات کی گرمی

سب پوچ ہے ظاہر کی یہ شوخی و شرارت ——— معشوق میں جب تک کہ نہ ہو ذات کی گرمی

تم غصہ ہو یا قہر ہو آتش ہو غضب ہو ——— اب ہم نے یہ سب دل یہ مساوات کی گرمی

یا حضرت دل تم تو بڑے صاحب دل تھے ——— رکھتے تھے بہت اپنے کمالات کی گرمی

ایک ہی نگہ گرم سے بس ہو گئے تم سرد ——— اب کہئے کہاں ہے وہ کرامات کی گرمی

یوں گرمی صحبت تو بہت ہوگی نظیرؔ آہ
پر یار نہ بھولے گی مجھے رات کی گرمی

۱۴۳

وہ صنم جو مہر غدار ہے اسے ہم سے ملنے میں عار ہے ——— لے اپنا جو دل نزار ہے وہ ہزار جان سے نثار ہے

ملے جب سے کوچے میں اسکے جا یہ سرور عیش ہے برملا ——— لب دل ہے اور رہ نقش پا بر جان ہے اور در یار ہے

وہ نگہ جو اسکی ہے فتنہ گر اسے مشق صید ہے پیشتر ——— ہے جو دل کا طائر تیز پر اُسی باز کا یہ شکار ہے

وہ مژہ لگا کے جو ایک سنان گئی پھر تو کر نہ دل اب فغاں ——— کئی ایسے ہوویں گے امتحاں یہ ابھی تو پہلا ہی وار ہے

جو بہار گل یہ ہی ہے تل ہیں کیا جو حسن کی یہی ہے عمل ——— جنھیں چاہیے ہے وہ رشک گل انھیں گل سے کیا سروکار ہے

جو تجھ کو دیویں دل اور دیں رکھیں اسکو یہ الم قشر میں ——— بھلا کہئے کیا اُسے ہمنشیں یہ عجب کچھ ان کا شعار ہے

کئی دن ہوئے ہیں نظیرؔ اب کہ خفا ہے ہم سے وہ غنچہ لب

اُسے کیا وے ہیں روز و شب نہ تو صبر ہے نہ قرار ہے

۱۴۴

یک بہ یک مو کی سیاہی اس قدر جاتی رہی
کیا کہیں گویا سیاہی یک سرِ مو بھی نہ تھی

گو سفیدی مُو کی یوں روشن ہے جوں آبِ حیات
لیکن اپنی تو اسی ظلمات سے تھی زندگی

دم بدم بزمِ سرور و ہر گھڑی سیرِ چمن
عشرت و عیش و نشاط و خرمی و تازگی

خندۂ شادی سے ہر گز لب ہٹتے تھے بہم
ساغر و مینا، سرود و رقص، خوش طبعی ہنسی

جام دیتا تھا ادھر ساقی بہ منت ہاتھ جوڑ
اس طرف کیا کیا لگاوٹ دلبروں کی تھی نئی

گلبدن کرتے تھے کس کس طور اظہارِ اشتیاق
غنچہ لب ملتے تھے سو سو دل میں رکھ کر بیکلی

کوئی دیتا تھا محبت سے گلے میں ہاتھ ڈال
کوئی دیتا تھا زبردستی سے بوسہ ہر گھڑی

جس طرف تھے دیکھتے عیش و طرب کا جوش تھا
مستی و رندی، ہوس بازی و بے اندیشگی

آن کر مُو کی سفیدی نے یہ کیں بربادیاں
کھول دیں جتنی بندھیں تھیں وہ ہوائیں عیش کی

قد میں خم، آنکھوں میں نم، چہرے پہ پھیری رنگ زرد
سر سے پا تک سخت ناخوش منظری بد ہیئتی

کیا تماشے انقلابِ چرخ کے دیکھئے نظیر
دم میں وہ رونق تھی اور اک دم میں یہ بے رونقی

۱۴۵

فرض ہے سب کو جنابِ کبریا کی دوستی
ہے وہی بندہ کہ جس کو ہے خدا کی دوستی

گر شفاعت کی تمنا ہے تو رکھو جی میں سدا
شافعِ محشر محمد مصطفیٰ کی دوستی

جامِ کوثر کا پیا چاہے تو اپنے دل میں رکھ
ساقیِ کوثر علیِ مرتضیٰ کی دوستی

حشر میں کھیتی ہری چاہے تو کر یاں اختیار
سبز پیراہن امام مجتبیٰ کی دوستی

سُرخ روئی دین، دنیا کی اگر درکار ہے
تو تو رکھ دل میں شہیدِ کربلا کی دوستی

زیب و زینت حشر کی چاہے تو سینے میں بڑھا
عابد و باقر شہِ ہر دو سرا کی دوستی

گر بہشتی جنتی ہونا ہو تو کر دل میں نقش
جعفرؑ و کاظمؑ علیؑ موسیٰ رضا کی دوستی

قبر کی سختی سے چھٹنا ہو تو اے مومن محب
رکھ تقیؑ حضرت نقیؑ سے پیشوا کی دوستی

راہ جنت کی اگر چاہے تو اپنے ساتھ لے
عسکریؑ مہدیؑ امام رہ نما کی دوستی

جس کو کہئے مذہب حق اور صراط المستقیم
ہے وہ بیشک اہل بیت مصطفےٰ کی دوستی

جنتی ہے جنتی ہے جنتی ہے وہ سعید
ان کی خدمت میں جو رکھتا ہے وفا کی دوستی

دوزخی ہے دوزخی ہے دوزخی ہے وہ شقی
اس طرف سے جو رکھے روے ریا کی دوستی

نوح کی کشتی انھیں کو ہے پیمبر نے کہا
چھوڑ مت اے دل تو ان بحر سخا کی دوستی

پل صراط حشر میں جس دم تو تھکے گا پاؤں
وہاں تھامے گی کسی یار آشنا کی دوستی

ہاں مگر جب تو کہے گا یا علیؑ مشکل کشا
جب سنبھالے گی تجھے مشکل کشا کی دوستی

دیکھیو کس کس طرح سے وہاں ترے آتی ہے کام
مرتضیٰؑ مشکل کشا شیر خدا کی دوستی

گر تو یہ چاہے خدا اور مصطفےٰ ہو تجھ سے شاد
تو علیؑ حیدر سے رکھ صدق و صفا کی دوستی

حیف اس کی بندگی اور خاک اس کی زندگی
شیر حق سے جو رکھے مکر و دغا کی دوستی

دین و دنیا میں وہی ہے جنتی بے شک نظیرؔ
جس کے دل میں ہے سدا آل عبا کی دوستی

۱۴۶

کل دیکھ کے اس کے عالم کو اک عالم کے ارمان گئے
واللہ عجب کچھ عالم تھا جو جان گئے سو جان گئے

کیا حسن کہوں اللہ رے حسن اس شکل پری کی صورت پر
انسان ہے کس گنتی میں جب حور و ملک قربان گئے

اس مکھڑے چاند کے ٹکڑے کو تر دیکھ عرق کے قطروں سے
کتنوں کے دین بگڑے بہتے اور کتنوں کے ایمان گئے

تھے چین جبیں پر ایسے ہی اس شکل بت چیں کے جس سے
جو کافر کتنے چین کے تھے وہ کافر بھی چیں مان گئے

وہ بوند سیاہی مژگاں کی جب تری تیر اندازی پر
دل چھید جگر سوراخ کیا اور سینہ تو سب چھان گئے

کچھ بھیس بدل کر شب کو ہم جو بہ پہنچے اس کی مجلس میں
وہ کافر وہیں بول اٹھا ہم جان گئے ہم جان گئے

وہ دیکھ کے خط آئینے میں کل بھر کر آہ لگا کہنے
اس سبز قدم کے آتے ہی سب خوبی کے سامان گئے

جب میں نے نظیر اُس سے یہ کہا، اب غم کھائے کیا ہوتا ہی
ان باتوں کو مت یاد کرو وہ پانی بہہ ملتان گئے

۱۴۷

یہ رنگِ پان سے جو دہن اس کا لال ہے
آج ان لبوں سے لعل کی پوری مثال ہے

استغفر اللہ لعل کہاں اور یہ لب کہاں
ہاے بے ز توبت کچھ بھی تجھے انفعال ہے

خورشید جس سے لعل کی ہوتی ہے تربیت
وہ اُن لبوں کے پان کا ادنیٰ اُگال ہے

یوں لعل گرچہ سُرخ ہے پر سنگِ سخت ہے
گو زم بھی ہوا تو یہ اُس کی مجال ہے

کہتے ہیں لعل ٹوٹ کے ہوتا نہیں درست
سچ ہے یہ اپنے دل میں تو اور ہی خیال ہے

ہر دم سخن میں ٹوٹ کے بنتا ہے لعلِ لب
یہ معجزہ ہے یا کوئی سحر حلال ہے

بس لعلِ لب سے لعل کو نسبت ہے کیا نظیر
یاں لعل کی بھی اب تو زباں منھ میں لال ہے

۱۴۸

یہ حسن ہے آہ یا قیامت کہ اک بھبھوکا بھبک رہا ہے۔
فلک پہ سورج بھی تھرتھرا کر، منھ اس کا حیرت سے تک رہا ہے

کچوری چوٹی ادا میں موٹی، جتائیں لمبی، دغائیں چھوٹی
ہے ایسی کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر ایک لٹ میں لٹک رہا ہے

وہ نیچی کافر سیاہ پٹی کہ دل کے زخموں پہ باندھتے پٹی
پڑھی ہے جس نے کہ اس کی پٹی، وہ پٹی سے سر ٹپک رہا ہے

وہ مانگ ایسا کہ چاند نکھرے پھر اس کے اوپر وہ بال بکھرے
دل اس کے دیکھے سے کیوں نہ نکھرے کہ مثل سورج چمک رہا ہے

وہ چین خودرو، کٹیلے ابرو، وہ چشم جادو، نگاہیں آہو
نہ پلکیں کج خو کہ جن کا ہر مو، جگر کے اندر کھٹک رہا ہے

غضب وہ چنچل کی شوخ بینی، پھر اس پہ نتھنوں کی نکتہ چینی
پھر اس پہ نتھ کی وہ ہمنشینی پھر اس پہ موتی پھڑک رہا ہے

لب و دہاں بھی وہ نرم و نازک، مسی و پان بھی وہ قہر آفت
سخن بھی کرنے کی وہ لطافت کہ گویا موتی ٹپک رہا ہے

وہ کان خوبی میں چھک رہے ہیں جواہروں میں جھمک رہے ہیں
ادھر کو جھمکے جھمک رہے ہیں ادھر کا بالا چمک رہا ہے

صراحی گردن وہ آبگینہ پھر آگے سینہ بھی جوں نگینہ
بھرا ہے جس میں تمام کینہ کہ جوں نگینہ دمک رہا ہے

کچیں وہ کچھ کچھ تمر درختی، کچھ ان کی سختی وہ کچھ کرختی
ہیں جس نے دیکھے وہ پھل درختی، کلیجہ اس کا دھڑک رہا ہے

وہ سرخ انگیا جو کس رہی ہے وہ چپ رہی ہے اُکس رہی ہے
کچھ ایسے ڈھب سے وہ کس رہی ہے کہ اس کا کسنا کسک رہا ہے

وہ پیٹ دل کو لپیٹ لیوے، وہ ناف جی کو سمیٹ لیوے
مزا رجی کا جھپیٹ لیوے، کچھ ایسا پیڑو پھڑک رہا ہے

وہ پیٹھ گوری، کمر وہ پتلی، غضب لگاوٹ وہ پھر سرین کی
اب آگے کہیئے تو کیا کہوں میں کہ ہوش اس جا ٹھٹک رہا ہے

فقط وہ چمپے کی اک کلی ہے کچھ اک منڈی ہر کچھ ایک کھلی ہے
سلاخ سونے کی ایک ڈلی ہے کہ گویا کندن دمک رہا ہے

وہ پیاری رانیں وہ گول ساقیں، وہ کف ملائم وہ نرم پہنچے

کڑی کڑی سے کھڑک رہی ہے، کڑا کڑے سے کھڑک رہا ہے

نظیر خوبی میں اُس پری کی کہوں کہاں تک ثنا بنا کر
صفت سراپا میں جس کے لکھے، دل اب اسی سے اٹک رہا ہے

۱۴۹

اولاً اس بے نشاں اور بانشاں کو عشق ہے
بعد ازاں سر حلقۂ پیغمبراں کو عشق ہے

لافتیٰ الّا علیؑ ہے شان میں جس کی نزول
دوستاں اس شاہ مرداں سے جواں کو عشق ہے

پھر جو ہے باغ نبوت اور امامت کی بہار
غنچہ و گل، سبزۂ عنبر فشاں کو عشق ہے

عرش و کرسی حور و غلماں اور ملائک خاص و عام
عالم بالا کے سب باشندگاں کو عشق ہے

جنت و عدن و بہشت و خلد و مینو اور ارم
ساتھ ان باغوں کے رضوان باغباں کو عشق ہے

ہیں جو سیّار و ثوابت آفتاب و ماہتاب
قائم و میل فلک، قطب زماں کو عشق ہے

ہیں جو یہ چودہ طبق متحرک و ساکن سدا
بے سخن ان سب زمین و آسماں کو عشق ہے

مختلف ہیں اور ملے رہتے ہیں باہم روز و شب
خاک باد و آتش و آب رواں کو عشق ہے

ہے جہاں میں جن سے روشن عدل کے گھر کا چراغ
دمبدم ان بادشاہانِ جہاں کو عشق ہے

اور خراساں صفہاں ایران اور توران کو
پھر ہمارے گلشن ہندوستاں کو عشق ہے

ہیں جہاں تک سلسلے فقرا کے از کہہ تا بہ مہ
عارفاں اور کاملاں اور عاشقاں کو عشق ہے

کوہ تھراتے ہیں لرزیں ہیں زمین و آسماں
عاشق مولا کی فریاد و فغاں کو عشق ہے

ہر طرف گلزار ہے سبزان اور آب رواں
اپنی نظروں میں بہار گلستاں کو عشق ہے

وہ جو ہیں اس گلشن ہستی میں اب محوِ فنا
ان کے آگے موسم باد خزاں کو عشق ہے

دل کو لے پامال کر دینا بہ صد جور و جفا
اس ، ، خوبان عالم دلستاں کو عشق ہے

گرد کے مانند پھرتی ہیں پڑی اڑتی خراب
لٹ گئی دست جنوں کی کارواں کو عشق ہے

لوٹتے ہیں مست میخانے کے در پر جابجا
جام و صہبا ساقی و پیر مغاں کو عشق ہے

کل ہی نقش ذائقہ سن کر بھی ہم غافل رہے — اے عزیزاں اس حیات رائگاں کو عشق ہے

خلقت کونین میں کیا جن و کیا انساں نظیر
وحشی و طائر زباں بے زباں کو عشق ہے

۱۵۰

خربوزے

اب تو بازار کے ہیں زیب فزا خربوزے — ہیں جدھر دیکھو اُدھر جلوہ نما خربوزے
قند و مصری کی حلاوت تو عیاں ہے لیکن — قند و مصری کے بھی ہیں ہوش ربا خربوزے
دلکش اتنے ہیں کہ بازار میں لینے تربوز — گر کوئی جاوے تو لاتا ہے تلا خربوزے
ناشپاتی کو لگا کر اگر امرود و انار — ہوں مقابل تو اُنھیں گنتے ہیں کیا خربوزے
سو بڑھل لے کے کٹھل بھی اگر آوے پل کر — اپنے ایک قاش سے دیں اس کو ہٹا خربوزے
یار آیا تو کہا ہم نے منگا دیں لڈو — ق — ہنس کے اس شوخ شکر لب نے کہا خربوزے
کھنّیاں فالسے منگوا دیں تو جھنجلا کے کہا — پوچھتے کیا ہو، تمھیں کہہ تو دیا خربوزے
ہم نے دیکھا کہ ادھر رغبت خاطر ہے بہت — حکم کرتے ہی دیئے ڈھیر لگا خربوزے
چھو لیا سیب ذقن کو تو کہا واہ یہ خوش — تم نے منگوائے اسی واسطے کیا خربوزے
اب کے شفتالوئے لب سے کوئی لو گے بوسہ — اچھی حرفت کو لیے تم نے منگا خربوزے

شکریں میوے ہوں اور سب کو بہم پہونچیں بہت
سو نظیر ایسے تو تربوز ہیں یا خربوزے

۱۵۱

سمدھن

کروں کس منھ سے اے یار بیاں میں شان سمدھن کی — لگی ہے اب تو میرے دل کو پیاری آن سمدھن کی

چمن میں حسن کے ہوں اس کے رُخ اور زلف پر قرباں
کمر نازک، مٹکتی چال، آنکھیں شوخ، تن گورا
سنہری تاش کا لہنگا، رو پہلی گوٹ کی انگیا
ملائی سا شکم، سینہ مصفّا، خوشنما ساقیں
کہوں کچھ اور بھی آگے جو سمدھن حکم فرماویں
بڑا احسان مانیں ہم تمھارا آج سمدھی جی
ہمیں ایک دو گھڑی کے واسطے دو لھا دلا دو تم

اگر دیکھیں ذرا صورت گل و ریحان سمدھن کی
نظر چنچل، ادا البیلی، یہ ہے پہچان سمدھن کی
چمکتا حسن جوبن کا جھمکتی آن سمدھن کی
صفا زانو کا آئینہ، ملائم ران سمدھن کی
صفت منظور ہے ہم کو تو اب ہر آن سمدھن کی
میسر ہو اگر صحبت ہمیں ایک آن سمدھن کی
جو کچھ لہنگے کے اندر چیز ہے پنہان سمدھن کی

نظیر اب آفریں ہے یار تیری طبع کو ہر دم
کہی تعریف تو نے خوب عالی شان سمدھن کی

۱۵۲

موتی

سلہ موتی نظیر کی معشوقہ کا نام ۱۲

پریزادوں میں ہے نام خدا جس شان پر موتی
جھمک جاوے نگاہوں میں جواہر خانۂ قدرت
رگِ گل اس کمر کے سامنے بھرتی پھرے پانی
ادھر ہر ایک مکاں پر موتیوں کے ڈھیر ہو جاویں
صدا اس کر ہر ایک کی چشم سے موتی ٹپکتے ہیں
عجب نقشہ عجب سج دھج عجب آنکھیں عجب نظریں
شرف پنے کو پنے پر، شرف ہیرے کو ہیرے پر
ہر ایک دندان موتی، حسن موتی، نام بھی موتی

کوئی ایسا نہیں موتی، مگر موتی، مگر موتی
جو کھا کر پان اور بل کر مسی ہنس دے اگر موتی
لچک میں اور نزاکت میں جو رکھتی ہے کمر موتی
ادا سے ناز سے ہنس کر قدم رکھے جدھر موتی
نقط بیٹھے ہی گانے میں یہ رکھتی ہے اثر موتی
بڑے طالع، بڑی قسمت ہو دیکھے اک نظر موتی
شرف شرفن کو نعلوں پڑ رہی ہے جس کے گھر موتی
سراپا چشم موتی، تس پہ پہنے سر بسر موتی

جو خوبان بے نظیر اس دور میں ہیں نازک و رنگیں

شرف رکھتی ہے یارو اب تو سب کے حسن پر موتی

۱۵۳

آرسی

قطعہ

بنوا کے ایک آرسی ہم نے کہا کہ لو — پکڑی کلائی اس کی جو وہ شاخسار سی
لے کر بڑے دماغ سے اور دیکھ یک بیک — تیوری چڑھا کے ناز میں کچھ کر کے عار سی
جھنجھلا کے دور پھینک دی اور یوں کہا خموش — ہم مارتے ہیں ایسی انگوٹھے پہ آرسی

غزل نمبر ۳۴۲ صفحہ ۱۳۹ کے بقیہ اشعار

ظاہر ہے اس لب میگوں کے ساتھ خال اے دل — نقطہ بھی نہیں افیون بھی اس شراب میں ہے
وہ جلوہ گر ہو تو رہتی ہے جان ورنہ آج — دل نظارہ طلب سخت اضطراب میں ہے

غزل نمبر ۳۸۰ ص ۱۵۶ کے بقیہ اشعار

مر بھی جاویں گے تو جز پیرہن عریانی — آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے
اب تو ہے ناز یہ ٹھکرا کے سر دوں کو چلنا — لیکن آخر نہیں اچھا یہ چلن یاد رہے

غزل نمبر ۳۸۰ ص ۱۵۶ کے بقیہ اشعار

اتنا بھی تو گھر میں ہے کہ آنا بار بار — یعنی کہ تجھ کو واں سے بلانا گھڑی گھڑی
اور آپ بھی جو چار گھڑی بیٹھنا تو پھر — کرنا ہر ایک طرح کا بہانا گھڑی گھڑی
گر وصل کی ہو شب تو انھیں ہونا مضطرب — کہتے جاؤں جاؤں مجھ کو کڑھانا گھڑی گھڑی

غزل نمبر ۳۸۲ صـ ۱۵۷ کے بقیہ اشعار

مطلع

گل رنگی و گل پیرہنی گل بدنی ہے
گلزار میں خوبی کے اب اس گل کے برابر
انداز بلا ناز ستم قہر تبسم

نہ نام خدا حسن میں ہیچ کی نبی ہے
بوٹا ہے نہ شمشاد نہ سرو چمنی ہے
اور تس پہ غضب کم نگہی کم سخنی ہے

غزل نمبر ۳۸۳ صـ ۱۵۸ کے بقیہ اشعار

پھرے ہے حرص سے بلبل چمن کے تختے تختے میں
جو کچھ بھی صبر ہو تو ایک گل کیا اُس کو تھوڑا ہے

کل اس نے نیلگوں ناخن سے ایسے میرے چٹکی لی
کہ جس کے نیل کا اب تک مرے تن میں دوڑا ہے

تپک ہے درد ہے کو تدن بڑی ہے ہول اُٹھتے ہیں
مرے پہلو میں کیوں یار و یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے

نشے میں پا کے اس کو کس طرح بوسہ نہ میں لیتا
بھلا یارو کسی نے بھی شکار اپنے کو چھوڑا ہے

عبث اس بے وفا کے تو جو نکتوڑے اٹھاتا ہے
ارے دل تجھ کو کیا دنیا میں مجنوں کا توڑا ہے

غزل نمبر ۴۴۶ صـ ۱۸۳ کے بقیہ اشعار

تو ہم مضطرب ہو دوڑتا ہے دمبدم کہکر
چلیں دیکھیں کوئی تو حلقۂ در کھٹکھٹاتا ہے

نگار خوشدلی کرتا ہے وا بند نقاب اپنا
طرب سے دست عشرت بھی تکدر کو ہٹاتا ہے

154

مہندی

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی مہندی
کہ باطن میں ہوئی ہے سرخ ظاہر میں ہری مہندی

گٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، اچھنی، بھیگی، پسی مہندی
جب اتنے دکھ سہے تب اُسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور انکا ہے جی مہندی

کف نازک پہ اس کے جو ہے اصلی رنگ کی سرخی
تمہاری ال یاں لگتی نہیں سنتی ہو بی مہندی

بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اُس کو دیکھ دیوانا
کہ ہو دیں جس پہ یہ دو کے پری ہاتھ اور پری مہندی

ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی
کہ دست و پا میں اُس کے دیر تک مسلی گئی مہندی

نظیر اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارکباد، اچھا، واہ وا خاصی رچی مہندی

تمام شد ضمیمہ

کلام نظیر
بزبان
فارسی
AMIR 50

دیوان نظیر فارسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

متفرقات ردیف الف

بالۂ گوشِ تو اے غنچہ دہن خوش بالا	۱	داشتم گوہرِ دل بُرد ز بالا بالا
چو بہ بستند ایں طلائی آرسی را	۲	بود خجلت گلِ سورج مکھی را
ردی خود می پوشی اے رنگیں ادا ہر دم زمن	۳	طالبِ دیدار را تابِ تحمّل تا بکے
گل چنپا پسندِ من ازاں است	۴	کہ روزے دیدہ ام چنپا کلی را
دو شالہ از تن خوباں چو گرم الفت شد	۵	باتصال دعا می دہد زمستاں را
شال رومال بر سر تو چنیں	۶	کہ صد احساں نہادہ بر سرِ ما
ازیں معنی بخند یداو بطرزے	۷	کزد گردد تجمل عقد ثریا
جز عنایاتِ نازنیں خوباں	۸	کہ فشاند نیاز مند اں را؟
گل در انگشتِ تو اے رنگیں ادا	۹	شاخ را بگذاشت در عشقِ حنا

۱ بغیر اضافت بھی پڑھ سکتے ہیں اور شاید زیادہ گرم دی ہے ۱۲ شہباز

متفرقات ردیف ب

بس کہ حسنِ گل دہد راحت بجانِ عندلیب	۱۰	بہر آں باشد بگلشن آشیانِ عندلیب
فی المثل صیّاد گر سازد اسیرش پیشِ گل	۱۱	از پرے تاہم تواں دیدن نشانِ عندلیب
جنبشِ جھمکۂ تو سے سازد	۱۲	خاطرِ آرمیدہ را بے تاب
مسی بر تبۂ والاے خویش می نازد	۱۳	ز لطفِ گہ ہر دندانِ توپسی دو زیب
عرقِ آں طور بر نازکِ تنِ تست	۱۴	کہ باشد در چمن نسرینِ سیراب
عجب دارم من از پازیبِ خوباں	۱۵	کہ زیب از پا بود گویند پازیب
اے گلِ اندام گلشنِ حسنت	۱۶	باد پیوستہ خرّم و سیراب

متفرقات ردیف ت

اے سرو قد، بیا کہ بہ اُمیدِ دیدنت	۱۷	مشتاقِ تو بہ زیرِ در رہتے فتادہ است
طرّۂ مقیّش بر دستار چوں گل ہمچناں	۱۸	تا تواں گفتن کہ ایں از بارِ نسرین برگ است
دو پٹۂ تو گلابی، و من بایں حیرت	۱۹	کہ برگِ گل بچنیں عرض و طول بس عجب است
غنچہ را حسنِ شگفتن ز نسیمِ سحر است	۲۰	بہر ایں غنچہ مگر وصلِ نسیمِ دگر است
جز تبسّم نتواں گفت تسیمش اصلا	۲۱	یا تکلّم کہ بہ از قند و نبات و شکر است
بود یک لعل در آغوشش حمرت	۲۲	کنا رنگ پاں خوش از دو لعل است
من آں نیم کہ بترسم زچینِ پیشانی	۲۳	چنیں معاملہ اکثر بہ پیشم آمدہ است
حنا گرفت سرِ انگشتِ او چو از فندق	۲۴	برائے آں کہ بگیرند ساعد از انگشت
بچشمت رشتۂ کاجل بفہمم	۲۵	یکے از رشتہ دارانِ فسوں است
نیکی بر جبین تو رخشاں تر آمدہ است	۲۶	ایں طرفہ اختر است کہ بر مہ بر آمدہ است

۲۷ تشبیہ خالِ زلفِ برو ایں کہ افعیے — گردک زندہ لبایۂ سنبل نشستہ است

۲۸ چیست تمثیل از برائے خال ایں چاہِ ذقن — قُرصِ عنبر بر سرِ چہ از گرہ اُفتادہ است

۲۹ آرسی دیدنِ خوباں زنزاکت سبب است — تا نزاکاں را طلبِ آئینہ تکلیفِ لب است

۳۰ قرار رفت ز لٹکن کہ تابش آمیز است — بحسنِ چنیں ہر دم عجب دل آویز است

۳۱ چھلّۂ چند ایں بانگشتانِ تو، اے نازنیں — در فریبِ ماہیِ دل قول باہم بستہ است

۳۲ جگنو اے گل در گلوے تو عجب تابندہ است — آں کہ جگنو نام دارد پیش ایں شرمندہ است

۳۳ قبائے چھینٹ در آغوشِ نازنیں خوباں — برائے زینتِ ملتان و خوبیِ چین است

۳۴ شال بر فرقِ تو چنیں زرد است — کہ بہم رنگِ جنسِ خود فرد است

۳۵ صندل ز جبہۂ تو بزینت رسیدہ است — یا از عتابِ چیں بہ جبینت رسیدہ است

۳۶ نسریں صفتِ نومۂ گوشِ تو شنیدہ است — در گوشِ تو اکنوں پے تحقیق رسیدہ است

۳۷ چہ جائے غیر، چنیں است ایں لباس بسنت — کہ دل بجلوہ رباید ز دستِ سادہ بسنت

۳۸ نوید اے دل کہ معشوقِ ستمگار — بعاشق پروری شاید کمر بست

۳۹ ایں حمائل کز گلِ صد برگ ہست اے نازنیں — پیشتر صد برگ نامش بود اکنوں صد گل است

۴۰ کرم کردن باحوالِ غریباں — زوالِ داراں ز دلداری تواں گفت

۴۱ ازیں کہ یافت تمنّایم آں گلِ خوبی — دلم چو لالہ و گلنار از سرور شگفت

۴۲ تبسم کرد و گفت آں شوخ از من: — ترا ایں ہم شکر باشد غنیمت،

۴۳ اندکے لطفِ ہم نشینیِ تو — بر من، اے گل عذار بسیار است

۴۴ صیّاد صید را بفریبے ربودہ است — از دام رفتہ است، چنیں نیز بودہ است

۴۵ گفتم: اے نازنیں نکو گفتی — سحرِ حُسنت فزوں تر از جادو است

۴۶ گفتم کہ "درست گفتی اے شوخ — پروانۂ حسنام بایدم گفت"

۴۷ در چمن اے نازنیں گل ز برائے بلبل است — گفت: "بے جا، نازِ بلبل نیز از بہرِ گل است"

شمار	مصراع اول	مصراع دوم
۴۸	گفتم "سرور یافت دلم از جمال تو"	فرمود "طبع من ز تو هم خرمی گرفت"
۴۹	گفتم "ای جان، چنین سخن گفتن	تا قناعت بهره وحشش خوب است"
۵۰	گر بتان مے کنند استهزا	بت پرستان هم این قدر طیبت
۵۱	ز راه منصفی لازم نه این است	تبسم کرد و گفت: "این جا همین است
۵۲	گفتم "اکنون توان بجا زه شتافت	گفت: "اگر دل قرار خواهد یافت
۵۳	گفتم "ای نازنین، شرم آگین	حسن را شرم خوبیِ دگر است
۵۴	گفتم "ای نازنینِ خوش رفتار	دلِ من شد نثار رفتارت"
۵۵	طبع خوبان بسے بود نازک	پاس آن لازم محبان است
۵۶	نازنینان لطف هم فرموده اند	گر چنین باشد، نهایت خوشتر است
۵۷	تبسم کرد و گفتا "طیبت است این"	بگفتم: "حرفِ من هم آن چنان است
۵۸	آرزو دیم همی[۵۷]، گر ای جان	این جسارت[۵۸] ز روی طیبت هست
۵۹	لباس دهانی از بهر آن است	که خود هم در نزاکت دهان پان است
۶۰	حسن را شعر نظیر کرد	جو هر و جو هری سزد بصفت

د

۱

غزل

مصراع اول	مصراع دوم
بود عهدے که ز من راز نهان نتوان کرد	این زمانے است کز آن هیچ عیان نتوان کرد
شکوه‌ها گر بنویسم عجبے نیست، که تو	لیکن آن کرده‌ای اے جان که بیان نتوان کرد
که چنین‌ها شود از تو بوفا اندیشان	خیر بفرما که شکایت پنهان نتوان کرد؟

۵۷ که نزد تو بیایم ۱۲
۵۸ اصرار بر نیایدت ۱۲ شهباز

کج روی خوب نباشد، وگرت خوش آید	تاہم اے غنچہ دہاں، سر در رداں نتواں کرد
از فریبت دلم آزردہ نباشد چہ حساب	نیش را از غلطی نوش گماں نتواں کرد
با من ایں طور سلوک از رہ عیاری ہا	می تواں کرد بگور شکِ بتاں نتواں کرد
ہر چہ رفت از تو بحالِ دل من سخت بدے	بعد ازیں یادِ تو باشد کہ چناں نتواں کرد
قوت نفع رسانی چو نداری بکسے	ایں ہم از سودِ شناسی کہ زیاں نتواں کرد
بر زباں حرف محبت، بدل انداز خلاف	ایں فسونہا بصداقت نشاں نتواں کرد
جاہلاتے کہ ترا طرزِ ریا یاد دہند	نظر لطف بآں بے خرداں نتواں کرد

گر نظیر از تو کند کرد فسوں ممکن نیست
نیک پندار کہ از تیر کماں نتواں کرد

متفرقاتِ ردیف دال[1]

برو دشتِ ختن صد رشک بر کفت	۶۱	اگر آں زلف در دستِ من آید
خرم آں بلبل کہ در صحن گلستاں پیش گل	۶۲	بر کشد آواز شوق و گوش او ساز دلپسند
کسے کہ مائلِ بستانِ حسن شد، او را	۶۳	بہم ششیہ نگہ نیز فرحت افزاید
حب سہی قامتانِ گلشنِ حسن	۶۴	دل قمری و شاں کہ شاد کند
آں را کہ بہرِ دید نش آید پری چوں عاشقاں	۶۵	اے دل چنیں رنگیں ادا از بہرِ دیدن می رود
زلف بر دوش بتانِ دل ستاں دانی کہ چیست	۶۶	دام را بر دوشِ خود صیاد اکثر می نہد
پہنچی بساعدِ تو عجب خوش نما رسید	۶۷	دانم کہ دست بستہ بایں مدعا رسید
ز انگشت تو خوبی ہا بجز انگشتری دارد	۶۸	بگرد حلقہ اش گردم، عجب زیبا دری دارد
زر دیک پیچہ با بروے تو الفت دارد	۶۹	گل صد برگ بایں برگ محبت دارد
حوض با سرو سہی در باغ زیب افزا بود	۷۰	مے پرستانِ چمن را ساغر و مینا بود

[1] گل وغیرہ ۱۲۵

۷۱	خیال بود ز مدت کہ مے پرست شوم	حنائے پائے تو اے گل حنا پرست نمود
۷۲	بجومر از الفتِ مو ناز تھیتا دارد	ایں شب تار ہمیں عقد ثریا دارد
۷۳	این کرن پھول بگوشِ تو شگفت است چنیں	کہ بحسرت گلِ خورشید نگہ مے دارد
۷۴	رحم کن بر نزاکتِ بازو	اند کے نرم بند بازوبند
۷۵	نورتن، اے نوگلِ پُرناز، بر بازوے تو	نہ چساں گفتن، بجا صد ناز بر خود مے کند
۷۶	دید آرام دلم نالہ بہ جنبش آمد	یافت بے تابی جاں، خالِ سیہ تسکین داد
۷۷	جز فسوں گر نتواں گفت کہ ایں مارِ سیہ	گیرد آں طرہ با فسوں کہ بہ پشت آویزد
۷۸	زینت ایں دُرِ دندانِ مسی مالیدہ	پیشِ چشم ہمہ جا صبح و مسا خواہد بود
۷۹	چناں فزود چنینِ تو شانِ افشاں را	کہ وصفِ رفعتِ او تا کجا بیاں گردد
۸۰	عرق آمد بجبینِ تو بایں آب، کزو	گر شود چہرہ کنوں آبِ گہر، آب شود
۸۱	عرق جبہئہ تابانِ بتاں آئنہ الیست	کہ درو شرم و حیا چہرۂ خود مے نگرد
۸۲	عرق بر عارضِ گل رنگِ خوباں ہے	بہار شبنم و گل مے نماید
۸۳	عرق آمد باں نکہتِ بجسم نازکت، اے گل	کزو گردد خجل بوے گلابی کز عراق آید
۸۴	راکھی اگرچہ باہمی ساز مے کند	لیکن بحُسن دستِ بتاں ناز مے کند
۸۵	غرورِ حسن دریں روزِ عید گر لطفے	کند بحالِ غریباں، کجا بعید بود
۸۶	پنبۂ عطر فشاں، کاکلِ مشکیں، دہول	بو کن اے شوخ بطرزے کہ زہم فرق بود
۸۷	دل فریبے در انجمن آمد	چہ کنم از فریب باید دید
۸۸	در آمد جامہ زیب ایں جا بایں عزم	کہ بزم از جلوۂ او زیب گیرد
۸۹	بمحفل ایں چنیں زیبا نگارِ نازنیں آمد	کہ از حسنِ رخ او شمع نُطفِ آستیں خواہد
۹۰	گر از پروانہ پرسد، مے دود زیں انجمن بیروں	بہ پیشِ روے تابانش دل او ہم چنیں خواہد
۹۱	چنیں معاملہ ہم سے شود کہ حیتا داں	نہند دام بشب صید را بروز کشند

مصرع اول	شماره	مصرع دوم
شبِ وصلِ چنیں، صنم، اے دل	۹۲	چہ عجب گر دراز تر گردد
ز تشریفِ تو اکنوں من بچنیں لطف می نازم	۹۳	کہ یار آمد، دل آمد، راحت آمد، انبساط آمد
تماشے کہ بوسۂ لبِ شیریں تو دگر رفت	۹۴	خواہم کہ بوسۂ لبِ او تا لبم رسد
بجنبید ز نگاہے جانبِ من	۹۵	نمود از لطف، و تسکینِ دلم کرد
من نہ خواہم رفت ہمراہِ تو، گفت: "اے حیلہ گر،	۹۶	صید از صیادِ خود رم تا کجا خواہد نمود"
اسیرِ شہد مگس مے شود زرد بے ہوس	۹۷	وگرنہ شہد مگس را بجز نمے خواہد
خاطرم زیں نویدِ مثلِ چمن	۹۸	در میانِ بہار خرّم شد
بتانِ نازنیں از بہرِ یاراں	۹۹	ہنگامِ کرم دریاے لطف اند
چو آں دل بر تبسم بر لب آورد	۱۰۰	دلِ من نیز فرحت یاب گردید
پرستندۂ حسن، اے نازنیں	۱۰۱	دلِ دلبراں رنجہ کے مے کند
چوں ز دست ناز ہم آمد بدست	۱۰۲	گفتم: "اکنوں خاطرِ من شاد شد"
ازیں جا من ہمیشہ آرزو بود	۱۰۳	ز لطفِ نازنیں خوباں برآمد
لذّتِ انبہ خوردنِ ایں طور	۱۰۴	پیشِ من بہ ازیں کہ مے باشد
صید رم دارد ز صیاد، فسوں مے خواند	۱۰۵	ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند
قدرِ دشنام از لبِ خوباں	۱۰۶	دلِ مشتاق بازمے داند
خوردنِ سیب از چنیں خوبی	۱۰۷	غیرِ لطفِ بتاں نمے باشد
شادم از دل کہ زمن رنجِ خود اظہار نکرد	۱۰۸	بنگر رفت ہماں طور کہ تکرار نکرد
خاطرم یافت از تبسّمِ او	۱۰۹	انبساطے کہ شرح نتواں کرد
گفتم کہ "عزمِ بوسہ دلم دارد از لبت"	۱۱۰	گفتا: "بگیر تا دلِ تو لذّتش برد"
در چمن چوں غنچہ خنداں مے شود	۱۱۱	خاطرِ بلبل گلستاں مے شود
گفتم: "اے نازنیں، چنیں ہستم"	۱۱۲	گفت: "آئینہ بگیر، و بیں لبِ خود"

تبسم کردم و گفتم بآں شوخ ۱۱۱۳ که "خوباں در سخن حاضر جواب اند"

دل دگاراں را بنازے تا دلِ خود خوش کنند ۱۱۱۴ نازنیناں را نگاہے تا دلِ ایشاں برند

طبعِ خوباں اگر نہ داد و ہر ۱۱۱۵ پیشِ ایشاں کسے چساں آید

رخ رنگیں ادایاں ہر کرا پیشِ نظر باشد ۱۱۱۶ بجا باشد که نقدِ دل بیک دیدن بجا ارزد

رخے کائینہ را حیرت فزاید ۱۱۷ چنیں تصویر پیشِ او چہ باشد

گفتمش: "طرفہ ایں سخن"، گفتا: ۱۱۸ "ہر سخن را جواب سے باید"

گفتم: "اے نازنینِ گل رخسار ۱۱۹ در بتاں لطف و ہم عتاب بود"

تا بود طرزِ دلبری اے جاں ۱۲۰ حسن و نازِ تو در ترقی باد

گفتم: "اے نو گلِ حدیقۂ حسن ۱۲۱ بلبلِ کہنہ ام، تواں فہمید"

در گلشنِ حسن اے گلِ نو ۱۲۲ سروِ تو ہمیشہ تازہ تر باد

بگفتم: "مانعِ ہمراہ بودن ۱۲۳ حیا باشد"، تبسم زیرِ لب کرد

چو بشنید ایں سخن آں سروِ سیمیں ۱۲۴ تبسم کرد و ہمراہِ خودم برد

چو گفت آں شرمگیں ایں حرف با من ۱۲۵ دل و دینم نثارِ شرمِ او شد

فریبِ ناز و ادائے بتاں که می داند ۱۲۶ گر کسے که بر ایشاں نثارے باشد

گفتم: "اے نازنیں، چنیں طیبت!" ۱۲۷ گفت: "مثلِ ظرافتت باید"

گر نمایند لطفِ محبوباں ۱۲۸ بر محبانِ خود عجیب نبود

گفتم: "اے جاں، قدومِ محبوباں ۱۲۹ ہمچنیں؟" گفت: "ہمچنیں باشد"

گفتم: "اے جاں، ز گفتنِ ایں حرف ۱۳۰ غرض آں است تا [illegible][1] بدہد

گفتم: "اے جاں، بامتحاں" فرمود: ۱۳۱ "از پسِ امتحاں چہ خواہد بود"

گفتم: "اے زیبِ دلبراں، دلِ من ۱۳۲ بر ہمیں آمدن فدائے تو شد"

گفتمش: "جز نگاہِ محبوباں ۱۳۳ بر دلم ایں چنیں که لطف کند"

[1] دل مقدر است ۱۲

۱۳۴ گفتم: "اے جاں، دریں چہ عرض کنم — خوب باشد اگر بہمؔ باشد"

۱۳۵ عجب نبود مرادِ من اگر اے جان چنیں باشد — تراہم از حنابستن چہ خواہش غیر ایں باشد

۱۳۶ ہر کرا امتحانِ ایں معنیٰؔ است — ہر چہ گوید ہماں بجا باشد

۱۳۷ دل فریبان چساں چنیں نہ کنند — حُسن از بہرِ دل بری باشد

۱۳۸ خرامِ نازِ بتاں گرچہ مے رُباید دل — قیام نیز تواں دید تا چہ مے سازد

۱۳۹ اے گل اندام، اے پری رخسار — اُلفتؔ دل ہمیں نشاں دارد

۱۴۰ در نزاکت دست خوباں دل فریب دل رباست — ہم بحُجرت پیشِ مشتاقاں بسے زیبا بود

۱۴۱ اے مہر فزا رُخِ تو در حُسن — تابندہ چو مہرِ خاوری باد

۱۴۲ از نسیمِ عنایت خوباں — غنچۂ دل شگفتہ مے گردد

۱۴۳ از چنیں دلبراں حذر خوب است — گفت: "خوب است، گر تواں گردید"

۱۴۴ گفتم کہ رسم ز دل فریباں — گفتا: "بر ہی، اگر گزارند"

۱۴۵ کسے را گر حسین مکسے دل رُباید — پری چیست، رشکِ پری مے نماید

۱۴۶ بچشمِ منصفی باید بریں حرفم نگہ کردن — کہ می آید پری پیشِ من لے جاں یانمی آید

۱۴۷ جمالِ روئے تو، اے زیبِ خوباں — اگر بیند پری دیوانہ گردد

۱۴۸ از چنیں دل براں ز راہ کرم — گر چنیں شد، کجا بعید بود

۱۴۹ از چنیں دلبراں چگونہ کسے — حیرت گوید، کہ دل بحرفت بزند

۱۵۰ اے بتِ نازنیں فدائے تو ام — گفت: "آںؔ شکوہ کے بجا باشد"،

۱۵۱ چشم گر کارِ او ہمیں باشد — سرِ ہم مہرباں نہ مے گردد

۱۵۲ تبسم کرد و گفت آں نازنیں زود — "در ہمیں کافی کہ خود را مے نمائید"،

۱۵۳ جمالِ روئے تو اے مجمع کرشمہ و ناز — بطبعِ اہلِ محبت سرور افزا باد

۱۵۴ مثلِؔ او عمرِ تو ہم اے گل رو — در ریاضِ جہاں دراز شواد

لہ رغبت مقدر ہے ۱۲ تہ یعنے دل ربائی ۱۲ بہ یعنی معشوق کے دل میں انتظار کی خلش پیدا ہو جاتی ہے ۱۲ لہ یعنی اس کا گل کر چلتے وقت یہ نہ پوچھنا کہ "آپ پھر کب تشریف لائیے گا؟" ۱۲ شہ دوسرا فرضی معشوق جس کو مزاح سے درازی عمر کی دعا دی تھی ۱۲ شہباز

لطفِ خوبانِ نازنیں، اے جاں	۱۵۵	نازِ اہلِ نیاز سے باشد
ظرافت از دل آرایانِ گل رو	۱۵۶	بہارِ شادمانی سے فزاید
چوں تبسم شد بقدرِ استعداد	۱۵۷	بہرِ ہر دل سرور افزا باد
مہرِ حسن از مطلعِ در شد پدید	۱۵۸	پیشِ مشتاقان سحر اکنوں دمید
بایں نازک میاں ربط کمر بند	۱۵۹	بعزمِ آں کہ دل ہا گیرد گروند
گر لطفِ پری زاداں نوازد	۱۶۰	چساں بر اوجِ بختِ خود ننازد
بہرِ فرحت در جہاں مشہور باد	۱۶۱	ہر کہ خواند طبعِ او مسرور باد
چو از من ایں سخن آں شوخ بشنید	۱۶۲	ز ابرو چیں بر آورد و بخندید
نظیر از لطفِ حسن است ایں کہ ہر دم	۱۶۳	دل از فرحت بہ پیراہن نگنجد
نظیر از رتبۂ حسن است ایں زینت کہ رنگ پاں	۱۶۴	بلطفِ لعلِ خوبانِ پری رو زیب می گیرد
نظیر از حسنِ وصفِ سبز رنگاں	۱۶۵	بسبزانِ مضامیں سے نماید

سا

۲

بسکہ تنشیطِ طرب گردید باخاطر دوچار
یک طرف گل کرد شاخِ خرمی، و زجانبے
ابتسامِ غنچۂ دل از نسیمِ انبساط ہے
ز استماعِ ایں نویدِ جاں فزا آمد پدید
باکمالِ شادمانی، در نگاہِ چشمِ دل

جلوہ گر شد در نظر صد خوشدلی ہر کنار
با ہزاراں تازگی نخلِ نشاط آمد بیار
شد چناں ظاہر کہ خندد غنچۂ گل در بہار
خیلِ راحت از یمیں، انبوہِ فرحت از یسار
از زمیں تا آسماں شد عیش و عشرت آشکار

لہ کتاب طرز تقریر ۱۲ سے کتاب بزم عیش ۱۲

متفرقات ردیف رائے مہملہ

زمیں سنہری دو پیشہ صدِ احساں	۱۶۶	بر طلائے شہاب، وہ ہارِ سنگار
در گلستاں آمدی، اے نازنین گل عذار	۱۶۷	صد درِ احساں کشادی بر رخِ باغ و بہار
سرو را باید کہ گردِ قامتت گردد بشوق	۱۶۸	کبک را باید کہ بر پایت شود از دل نثار
حسنِ گل ہم عشقِ بلبل ہر کسے را خوش کند	۱۶۹	خاطرِ خوباں و طبعِ عاشقاں را بیشتر
اے بُتِ مہ جبیں بہ ہی پیکر	۱۷۰	لمعۂ حسنِ تو بیشتر در بر
شبِ مہ گرچہ بہ بود، لیکن	۱۷۱	ہمرہِ مہ وجناں بود بہتر
ہوسے آمد دریں بزم از برائے آں کہ زد	۱۷۲	چشمِ مشتاقاں رہ از در دو رنجِ انتظار
پسندِ من چنیں شد ایں شمائل	۱۷۳	کہ سے واند دلم، دیگر چہ اظہار
گر تو باشی عاشقِ خوباں ترا از جاں چہ کار؟	۱۷۴	ور تو دل دادی بتاں را، از رہِ ایماں چہ کار؟
بے گماں خضرِ طریقِ عشقے، اے روشن ضمیر	۱۷۵	دائما از دولتت ماند جواں ایں چرخِ پیر
ایں سخن چوں بتِ سمن بر گفت	۱۷۶	شد دلِ من ہمن ہمن مسرور
گفتم: "اے جاں، مزاح مے سازم	۱۷۷	ور نہ کے بے رزم بجائے دگر
گفتم: "اے گل عذار، چشم ترا	۱۷۸	نرگس اصلاً نمے شود ہمسر
ظرافت عجب کردی، اے گل عذار	۱۷۹	بود شاد طبعِ تو لیل و نہار
بود چوں دلبراں را فکرِ تسخیر	۱۸۰	بخوبی مے شود تبدیل تدبیر
گفتم کہ "چہ"؟ گفت، شوخِ عیار:	۱۸۱	"دیوانہ بہ کارِ خویش ہشیار"
ہر دم، نظیرؔ، از لب و چشمِ پری خاں	۱۸۲	باشد نمونۂ پستہ و بادام در نظر

متفرقات ردیف زائے معجمہ

خرپزہ خوردہ ام بسے ہر بار ۱۸۳ نے بایں لطفِ خرمی آمیز

گر چنیں اختلاط دست دہد ۱۸۴ کردہ باشم ہمیشہ خود فالیز

طبع من شاد شد ز گفتنِ او ۱۸۵ زاں کہ باشد ہمیں بہ ناز و نیاز

اگرچہ ناز دراں رمز فہم مے باشد ۱۸۶ بہ یُمنِ صحبت ایشاں نیاز مندان نیز

گفتم: "اے نازنینِ طرفہ جمال، ۱۸۷ خاطرم خوش بود ز حُسنِ نیاز

متفرقات ردیف شین

گل نسریں بگوشِ تو چناں است ۱۸۸ کہ صد عقد گہر گردد نثارش

اگر نہ گردید لطفِ بوسہ بمن ۱۸۹ را حتم دست داد از بدلش

ہر فریبے کہ دل براں سازند ۱۹۰ دلِ شاں جمع باد از اثرش

ردیف ظ

فرد

تغافل ایں قدر، اے نازنیں، روا نہ بود ۱۹۱ وگر زیادہ ازیں خیریت، خدا حافظ

متفرقات ردیف ف

گوہر بہ گوشِ سیم براں پیشِ فہمِ من ۱۹۲ ایں دُر مگر بر آمدہ است از ہمیں صدف

چو از من آں پری پیکر چنیں گفت ۱۹۳ تبسّم کردم و گفتم: "زہے لطف!"

ردیف ل

تعریف حقہ ۳

حقہ آمد بہ بزم اہلِ جمال		تا کند طبع دل براں خوش حال
نیچو سرپوش ہم چلم خوب است		واندریں جملہ خوب تر ہُمتال
دور از لب بلور و نزدیکش		مے شود از بلور لعل مثال
یعنے از حُمرت چنیں یاقوت		گاہ آں حال گاہ ایں احوال

گر شنیدے کہ حُقہ مے آید
مے نمودے نظیرؔ استقبال

متفرقاتِ ردیف ل

صیاد و چند نگر و چساں دریں شبِ ماہ	۱۹۴	کہ ہم مہ فلک و ہم مہِ سپہر جمال
ناز را لطف گہے ایں کہ نیاز ارد دل	۱۹۵	گہ عتابے کہ از نیز بدست آرد دل
حُسن گر سحر کند نغمہ ہم افسوں دارد	۱۹۶	طرفہ کارے کہ ازیں ہر دو نگہ دارد دل

مقطع

نظیرؔ لطفِ جمال است ایں کہ غنچۂ طبع	۱۹۷	بوصفِ گلبدناں می شود شگفتہ چو گل

ردیف میم

سحر بسیرِ گلستانِ پر بہار شدم	۱	ز صحنِ باغ برِ یار گل عذار شدم

چو فہم کرد کہ می آید آں ز سیرِ چمن ❊ بگفت "اے ز تو دل تنگ غنچہ وار شدم
تو خود قرار نمودی کہ عندلیب صفت ❊ ز شوق برگِ رخسارِ تو نثار شدم
پس ایں نہ گفتن و رفتن درون باغ چہ بود ❊ اگر ترا بمحبت نہ غمگسار شدم؟"

شنیدم ایں سخن راست از لبش چو نظیر
بروے یار چہ گویم چہ شرمسار شدم

دیگر

۵

باز در کوے تو اے مہر فسرا آمدہ ام ❊ حرفِ بے جا نتواں گفت، بجا آمدہ ام
خبرم ہیچ نباشد، بکشں اندیشہ مدار ❊ کہ خود از بہرِ تو اندیشہ نما آمدہ ام
اولاً کردہ ام از حیلہ دل خود را جمع ❊ بعد ازاں سوے تو اے حیلہ گرا آمدہ ام
سببِ آمدن از عاشقِ بدنام مپرس ❊ تو مگر نیک ندانی کہ چرا آمدہ ام
گر وفا را تو شناسی بمن اقرار بکن ❊ تا بگویم کہ من از راہِ وفا آمدہ ام
قصہ کوتہ، ز تو پنہاں نتواں کردن خیر ❊ بوفا آمدہ ام یا بریا آمدہ ام

من نظیرم تو کنوں خواہ بکش خواہ بخش
بہرِ نظارہ ات اے مہر لقا آمدہ ام

متفرقاتِ ردیفِ میم

کمر بندِ تو نافرمانی، و من زرہ اے ایں	۱۹۸	بنافرمانی ہوش و خرد بندِ کمر بستم
عجب زستارہ نافرمانی اے گل بستۂ زیبا	۱۹۹	چو نافرماں، اگر فرماکنی گردِ سرت گردم
یک پیچہ گلابی داری چناں کہ ہرگز	۲۰۰	گل را بایں بزرگی در گلشنے نہ دیدم

عجب خالِ سیه بر عارضت اے سیم تن دیدم ۲۰۱ بروے برگ نسریں دانۂ مشکِ ختن دیدم

حنائے دست تو دیدم کنوں چہ کار کنم ۲۰۲ گر ہمیں کہ بر و لعلِ دل نثار کنم

حنائے دست نہاں در دوپٹہ بنمودی ۲۰۳ چہ سود لعل نہفتن بہ پردۂ شبنم

بانک بر بازوے تو اے سیم از حسن خجسم ۲۰۴ می نمایداں کہ من ہم بانک یا زِ طرفہ ام

ترا گل دستہ بر دست است و من ایں نکتہ دانستم ۲۰۵ کہ ظاہر می کنی تا ایں قدر دل بستہ می دارم

لطف کن بر من کہ امید نگاہ آوردہ ام ۲۰۶ دل پئے نذرِ تو اے چشم سیاہ آوردہ ام

نگہ بر آن زمی پہیم نمودی ۲۰۷ سرت گردم، نگاہے ایں طرف ہم

ز وندانِ مسی مالیدۂ تو در نگاہِ من ۲۰۸ عیاں شد اندک از تابِ گہر ہم اندک از نیلم

بریں تعویذِ دست تو فدا دلہائے مشتاقاں ۲۰۹ اگر در دست من آید، پری تسخیر گردانم

در گلو ہیکل بہر تعویذ می سازد عیاں ۲۱۰ ایں کہ از تائیدِ چندیں نقش ایں جا آمدم

من از حسرتِ لبِ شیریں خوباں آں قدر[1] شادم ۲۱۱ کہ در ظاہر نظیرم لیک در باطن چو فرہادم

ہنم چوں غنچہ تشریف نسیم است ۲۱۲ چساں مانندِ گل خنداں نگردم

چہ شد گر خستہ جان و ناتوانم ۲۱۳ کنوں ہم تیرِ مژگاں را نشانم

چو جِدِّ خود بہ بیدارم بہ پیشِ نازنین خوباں ۲۱۴ میانِ محفلِ ایشاں ز تریز ہم بتر باشم

از لبت ہمسری اگر مے کرد ۲۱۵ پستہ را البتہ سے فرستادم

ایں سخن آں صنم چو گفت بہ من ۲۱۶ دل خود را بہ زلفِ او بستم

بتے کو قدر دانِ عاشقان است ۲۱۷ دل و جاں را نثارِ او نمودم

گفتم: "نہ نہ ہُم" بگفت از نا نہ: ۲۱۸ "البتہ چنیں، اگر نہ نگیرم"

گفتم: "اے نازنیں، تبسم تو ۲۱۹ بہرِ آں تا من آشنا باشم"

گفتم: اے نازنینِ شیریں لب ۲۲۰ من فدائے تبسمِ تو شدم"

لبِ پاں خوردۂ بتاں از حسن ۲۲۱ خوش بر آورد آرزوے دلم

[1] دل مقدار ہے ۱۲

گسے کز دامِ خوبانِ پری رو	۲۲۲	رہا گردد، عجب آید بفہمم
اگر فریب نمودم بہ پیشِ تو اے جاں	۲۲۳	نثارِ حسنِ توام، غیر ازیں چہ می گفتم
ز حرفِ انبساط افزائے خوباں	۲۲۴	بفہمیدم کہ من نزدیک نشینم
از عنایاتِ نازنیں خوباں	۲۲۵	یافتستم ہر چہ بود مقصودم
نمودم قدِّ خود چوگاں بہ تسلیم	۲۲۶	چناں کز مشیلِ خود ہا گوئے بُردم
مستی مالیدن آنجا مے شود خوب	۲۲۷	کہ آں ہم خوب، واں ہم خوب، واں ہم
بمہرِ دلبراں آید ہمیں پیوستہ از دستم	۲۲۸	نباید ناخوش از من شد کہ از اہلِ ہوس ہستم
چہ خوش از دیدنِ آں شوخِ رشکِ حور گردیدم	۲۲۹	ز گلگشتِ چمن ہمراہِ او مسرور گردیدم
گفتم کہ "خوش فریب نمودی" بناز گفت	۲۳۰	"با تو فریب ہیچ نکردم، مگر کنم"
خندیدم و نگفتم: "اے پری رو"	۲۳۱	دیوانۂ حسنِ دل برانم"
فدائے حسنِ تو اے گل عذار گردیدم	۲۳۲	کہ خوب گفتی، و من نیز خوب فہمیدم
گفتم: "اے نازنینِ سحر نگاہ	۲۳۳	من بصد جاں فدائے چشمِ توام"
من نیم ایں چنیں، بگفت از ناز:	۲۳۴	"من فریبِ تو خوب مے دانم"
کے تواں شد کہ آں[1] نیار وکس	۲۳۵	تابِ ایں رشک از کجا آرم
یا بمبتم، یا بود چینِ جبیں	۲۳۶	اے صنم پیشِ تو اکنوں آمدم
دلم ممنونِ حسرتِ خود نمودی	۲۳۷	بود حسنِ تو افزوں، اے دل آرام
چہ شد گر خستہ جان و ناتوانم	۲۳۸	کنوں ہم تیرِ مژگاں را نشانم
صفتِ خوبیش عیاں کردم	۲۳۹	وصفِ الطافِ او بیاں کردم

ردیف "ن" غزل نمبر ۶

نقشِ مہرت در دلِ من خوش نشست، اے نازنیں		دمبدم شوقِ ملاقاتِ تو ہست، اے نازنیں

[1] یعنی چھتری۔ اشرف علی

دل بیادِ تو زجاں درپے قرار ہیا فزوں ‌‌ ‌— ‌ جاں بہ بیتابی فزوں تر از دل است اے نازنیں
درد دوری می نماید طرفہ صور تہا، تو زود ‌ — ‌ روے خود بنما باین صورت پرست اے نازنیں
کے روا باشد کہ من ہر لحظہ باشم در خماز ‌ — ‌ دیگراں از چشم مے گونِ تو مست اے نازنیں
حسرتِ عشق تو بلب ہر گز نیاورد وے نظیر ‌ — ‌ بود اورا اگر عنانِ دل بدست، اے نازنیں

دیگر۔ حُسن

۷

نازو ادا و غرور داخلِ سامانِ حُسن ‌ — ‌ عشق باین پُردلی تابعِ فرمانِ حُسن
جان و دلِ عاشقان بُلبل و قمری وش اند ‌ — ‌ نیست بہارے چنیں در چمنستانِ حُسن
سرو بقد[1] بتاں فاختہ ساں در نیاز ‌ — ‌ ناز بلندی بجاست ہر چہ کند شانِ حُسن
زاہدِ خلوت نشیں کرد رہا گوشہ را ‌ — ‌ دید مگر یک نظر گوشۂ دامانِ حُسن
عزم در آورد چوں بہرِ فسون و فریب ‌ — ‌ ملکِ دل از آن خود کرد، زہے آنِ حُسن
جلوہ نمود و بدل داد ہزار انبساط ‌ — ‌ ایں ہمہ لطف جمال، ویں ہمہ احسانِ حُسن
غنچۂ دل را نظیر، خرم و خنداں نمود ‌ — ‌ تازہ تر و سبز تر باد گلستانِ حُسن

متفرقاتِ ردیفِ نون

۲۴۰ ‌ — ‌ ایں زُلفِ گل عذاراں بہتر ز دامِ یاراں ‌ — ‌ در دام یک دو طائر در حلقہ اش ہزاراں
۲۴۱ ‌ — ‌ بخت سبز است آں گلستاں را بفہم کاندراں ‌ — ‌ سر بزیبائی کشد سرو قدت اے دلستاں
۲۴۲ ‌ — ‌ جاے آں[2] باشد کہ با صد ناز چوں آری قدم ‌ — ‌ جاے پاے تو بود ہر دم بچشمِ بوستاں

[1] مناسب آں باشد ۱۲
[2] نرگس ۱۲ -

۲۴۳ زیں فاصله نشینی دریافتم دو معنی ‖ خوبانِ نازپرور دانند خوبیِ آں

۲۴۴ اول ہمیں که دیدن از دور روشنی را ‖ لطفے بود که دل را فرحت دہد فراواں

۲۴۵ دیگر چو نرم و نازک ہستند، پس چگونه ‖ تاب آورد نزاکت در گرمیِ چراغاں

۲۴۶ لطفے که بود دل را در پے روئے خوباں ‖ کے طبع کسے داند جز پے روئے محبوباں

۲۴۷ گه گام بصد شوخی، گه جنبشِ داماں نے ‖ گه شیوهٔ بے باکاں، گه پیشهٔ محجوباں

۲۴۸ بود در زد در دلِ من راه دل ‖ رام کردند بتاں رام کی سو ل

۲۴۹ خرمی افزا بہارِ دل فریبانِ چمن ‖ صحبت رنگینِ حضورِ جامه زیبانِ چمن

۲۵۰ یک طرف در نازِ حسن زینت آرایانِ باغ ‖ یک طرف در شورِ عشقِ بے شکیبانِ چمن

۲۵۱ چشم سے گوں، نگاهِ پُر افسوں ‖ بعد ازیں سرمه، ہر سه آفتِ جاں

۲۵۲ ٹیکهٔ پیشانیِ تو ایں قدر زیبا گزیں ‖ قرصِ خورشید آرزو دارد که گردد ہمچنیں

۲۵۳ مسی به رتبهٔ والاے خویش مے نازد ‖ نمود بر رشتهٔ سلکِ گہر عجب احساں

۲۵۴ بر روے تو عرق ز نزاکت بر آمد است ‖ یا از نگاهِ گرم کسے، ہر دو مے تواں

۲۵۵ چناں محوِ پری روشمع رویانم که ای یاراں ‖ مرا دیوانه و پروانه باید پیش ازیں گفتن

۲۵۶ حذر در عشق بازی کارخاناں است اے ناداں ‖ اگر خواہی که باشی پخته، مشقِ پخته کاری کن

۲۵۷ لطفِ طیبت بفہمِ من آن است ‖ که بود از پستانِ غنچه دہن

۲۵۸ از فریبِ دلبراں غافل نباید شد وے ‖ ورنه گه غافل گرا گردید ناں زد ستاں

۲۵۹ گفتم: "اے نازنینِ زہره جبیں ‖ پیش ازیں ہمچنیں شود از من"

۲۶۰ گفتم: "اے جانِ جاں، ز روے گماں ‖ گفت: "زیں پیش شد یقیں اکنوں"

۲۶۱ گفتم: "اے نازنینِ غنچه دہن، ‖ ہست آئینهٔ چنیں دلِ من"

۲۶۲ گفتم: "اے جاں بطیبت ایں سخن ست ‖ ورنه کسے ہم چنیں شود از من"

۲۶۳ گفتم: "اے نازنیں بجا گفتی ‖ من بصد جاں نثارِ چشمِ بتاں"

۲۶۴	ازکہ آموختی چنیں طیبت ؟	گفتم: "از لطفِ نازنین خوباں"
۲۶۵	چہ گویم وصفِ دستِ نازنیناں	دلم شیدائے حسنِ دستِ ایناں
۲۶۶	مرادِ خاطرِ بلبل شعاراں	بود حاصل ز لطفِ گل عذاراں
۲۶۷	گفتم: "اے نازنیں ز محبوباں	بسخن پیش کے تواں بردن"
۲۶۸	کیست جز عینِ لطفِ محبوباں	کہ برآرد مرادِ مشتاقاں
۲۶۹	حسنِ نازِ تو بود ہر دم فزوں، اے نازنیں	انچہ گفتی ہمچناں من، ہرچہ گفتم ہمچنیں
۲۷۰	انچہ گفتی بسے بجا گفتی	گفتم: "از لطفِ نازنیں خوباں"
۲۷۱	دو بار روئے تو دیدم ز لطفِ خندیدن	ز راستی چہ قدر شاد مے شدم اے جاں
۲۷۲	از طبعِ نازنیناں نسیاں عجب نباشد	بارے نہ یاد بودم، احسان و لطفِ ایناں
۲۷۳	گر نیامدم بکوئے بتاں	کے نگہ کردمے بہ روئے بتاں
۲۷۴	ہر کرا دل نثارِ خوباں شد	چوں نیاید بہ پیشِ محبوباں
۲۷۵	سزد کہ از طلبِ نازنیں دلم سازد	ہزار ناز بجنتِ خود از شرف اکنوں
۲۷۶	گفتم "از لطفت، اے پری رخسار	خاطرم جمع شد کہ ہست چنیں"
۲۷۷	مے نماید ندرتِ حسنِ بتاں	لالہ را در برگِ نافرماں نہاں
۲۷۸	سبز چوری زمردے است کزاں	سر برآورد پنجۂ مرجاں
۲۷۹	سرتاجِ من آفتابِ رویاں	من از دل و جان غلامِ ایشاں
۲۸۰	در دلِ خود چوں نہ باشد شادماں	ہر کہ داند قدرِ نازِ دلبراں
۲۸۱	چہ گویم بے تکلف طرفہ جا من	تواں کردن بیانش تا کجا من
۲۸۲	گفتمش: "اے زینتِ بزمِ بتاں،	می شناسم ایں ہم از بالائے آں
۲۸۳	یکے را در میانش کلفتِ جاں	یکے را در نگاہش ہر دو آساں
۲۸۴	حسنِ شیریں لباں، نظیرِ، بچنیں	کہ کند وصفِ آں بیاں شیریں

عرق آلودہ پیراہن نظیر از جسم محبوباں	۲۸۵	دماغ دل معطر مے کند خوش صحبت خوباں
نظیر از حسن، خوے نازنیناں	۲۸۶	تبلخی ہم بود از شہد شیریں
ظہور حسن دارد آں قدر آں داور رنگیں	۲۸۷	کہ وصف آں بصد مضمون رنگیں خوبی گفتن

متفرقات ردیف "و"

رُخ او گوے بُرد از نسریں	۲۸۸	شاہدش کیست؟ خال عارض او
اے پری زاد، انچہ شد از من	۲۸۹	نکنم بیش ازیں ز گفتن تو
طالع آں کہ نازنیں خوباں	۲۹۰	ایں قدر لطف ہم کنند برو

متفرقات ردیف ہ

سرخ دستار بیت خوش قد دیبا بستہ	۲۹۱	بر سر و سرو عیاں ساختہ خوش گل دستہ
فصل بہار گرچہ فزاید جمال باغ	۲۹۲	لیکن ز شان قد رتش آں ہم نمونۂ
بہ شوق دیدنت بے باک یا ترسیدہ ترسیدہ	۲۹۳	بہر صورت دریں جا آمدم پرسیدہ پرسیدہ
طلب شرط است در دل اے صنم با حسن تابندہ	۲۹۴	بکثرت شہرہ دارد در جہاں "جوئندہ یابندہ"
فداے پاے تو گردم کہ شور پائل تو	۲۹۵	دلان بے خبر افتادہ را کند آگاہ
ہوش و دل من از نگہے صید ساختہ	۲۹۶	ایں است آں مثل کہ 'بیک گزد فاختہ'
گفتم: " اے نازنیں، بس است ایں ہم"	۲۹۷	گفت: "تا خوش ز آمدن شدہ"

ردیف "ی"

مدام خوش دل و سر در و شادماں باشی	۸	ہمیشہ ملتفت حال دوستاں باشی

دلم ز مهرِ تو گردست کامِ جاں حاصل. — تو هم بکامِ دلِ خویش کامراں باشی
بسے ز حسن و وفاے تو شاد و خرسندم — تو هم بصد طرب و عیش توأماں باشی
بیاد آوری مخلصان و هم را زاں — میانِ اهلِ وفا شهرهٔ زماں باشی
دگر زیاده چه گفتن ازیں که میخواهد — ترا چنانکه دلِ دوستاں چناں باشی

متفرقات ردیف "ی"

می شود از مه شب مهتاب ظاهر در جهاں	۲۹۸	یاد روے نازنیناں را بود ایں چاندنی
هند صوفی گلابی بهرِ صهبا	۲۹۹	ز دستارے چنیں گهرے گلابی
نمایاں از مے گلگوں بسے از خود فراموشی	۳۰۰	بهاے باده در دستِ خریدارانِ مدهوشی
در دلِ من چیست زیں چمپا کلی	۳۰۱	آں که باشد هندی او بے کلی
عجب بندِ ایں پیرهٔ خوش باندهنوں لے گل کنوں لستی	۳۰۲	نه سیم در صفت زاں کس که گوید باندهنوں بستی
از ایں چوری پسند من صد اسے	۳۰۳	نخواهد شد بغیر از چوری بنگری
ولے دارم وفاکیش و جفاکش	۳۰۴	اگر گیرند خوباں از نگاهے
گفتم از دل: "مخجل شوی هرجا	۳۰۵	پیش ازیں گر سرِ هوس داری"
ایں مثل چوں بگفت آں طناز	۳۰۶	گفتم: "اے نوجواں، تو پیر شوی"
چساں در دل بگردد خرم و شاد	۳۰۷	مرادِ آں که حاصل شد بزودی
اگرچه برنت به سرها گرفته ام بسیار	۳۰۸	ولے نه خورده ام اے نازنیں بایں خوبی
ز نعلِ دل براں پان و مسی را	۳۰۹	بود حاصل بهارِ دل فریبی
گفتم: "اے جاں، دل از تو بستانم"	۳۱۰	گفت: "وقتے که دل ستاں باشی"
گفتم: "اے دل برِ پری رخسار	۳۱۱	من اسیرِ تو ام، بجا گفتی"
گفتم: "اے نازنینِ غنچه دهن	۳۱۲	سخنے طرفه دل نشیں گفتی"

تبسم کرد و لطف و مهربانی ۳۱۳ دلم شد هم قرینِ شادمانی
بهارِ حسنِ تو، اے زیبِ خوباں ۳۱۴ بود هردم فزوں در باغِ خوبی
عیاں عشرت، نظیرؔ از نام ہولی ۳۱۵ بجوشش دقتی زہے ہنگامِ ہولی
بوصفِ حسن خوش تقریر باشی ۳۱۶ تو ہم در عشقِ خوباں پیر باشی

نمبر ا خط منظوم

چمن رو، مہر سیما، سرو قامت
پس از عرضِ سلامِ اُلفت آباد
کرد وش آمد بگوش ایں منتظر را
کہ رشکِ گُل و غیرتِ دِہِ ماہ
بہار افزائے دولت خانہ گردید
چو ایں حرفِ نشاط افزا شنیدم
بحمد اللہ اُمیدِ اُلفت آمود
اگرچہ بہرِ وصل ایں بود رایم
نہالِ گلشنِ دیدار گردم
ولیکن کردہ ام زاں رہ صبوری
چو من کار ضروری پیش دارم
کہ ہر یک دم از الفت شعاری
بوصل خود دلم را شاد سازی
دلم را گر چنیں راحت رسانی
پذیرفتن نہایت دل پذیر است

بہارِ گلشنِ خوبی سلامت
مبرہن بر دل عشرت قریں باد
ز ہر سو ایں نویدِ فرحت افزا
بصد حشمت، بصد ثروت، بصد جاہ
سر زلفِ وطن را شانہ گردید
بہار صد چمن در جوش دیدم
ہمیں بود، و ہمیں بود، و ہمیں بود
کہ طائر ساں بپرواز اندر آیم
ز باغ وصل برخوردار گردم
کہ دارم پیش خود کارے ضروری
ز لطفِ تو چنیں اُمید دارم
قدم بر فرق و بر چشم گزاری
ز بندِ ہجر خود آزاد سازی
نخواہد شد بعید از مہربانی
دو حرفِ مختصر عرض نظیرؔ ست

نمبر ۲ خط منظوم

محیطِ بخشش و بذلِ استقامت — ملاذ و منبعِ احسان سلامت

چو شوقِ صحبتِ رنگین نگارم — ہماتا موج در دریا شمارم

اگرچہ از سلامِ الفت آرا — بنوکِ خامہ آرم مدعا را

کہ امروز از برائے غسلِ دریا — جہانے حاضر و خلقے است یکجا

چنیں مجمع نباشد جائے دیگر — بجوش آمد مگر دریائے دیگر

نظر تا مے رسد یکسر بہارست — چمن بر ساحلِ دریا نثارست

ز غسلِ مردمان و بازیِ آب — بہر سو شوخیِ گرداب بے تاب

ز عکسِ گلِ عذاران، آبِ دریا — برنگِ نہرِ گلشن در نظرہا

بساحل بسکہ مہ رویاں عیانند — شکارِ دامِ الفت ماہیانند

بفرحت قطرہ زن ہر موجِ آب است — مے مقصود در جامِ حباب است

بہارِ حسن و آبِ بحر در جوش — بہم پہلو بہ پہلو دوش بر دوش

چو بر دریا چنیں رنگیں بہارست — دلم از بہرِ آں پر بے قرارست

دریں صورت نظر بر بے قراری — عطا سازند رتھ بہرِ سواری

چو زاں مجمع ہمہ شادند امروز — کنم من ہم دلِ خود عشرت اندوز

کہ باشد دیدنِ عالم غنیمت — اگر یک لحظہ باشد دم غنیمت

نظیر اکنوں نہ دارد غیر ازیں یاد — کہ باشد خانۂ الطاف آباد

نمبر ۳ خط منظوم

اے مجمعِ لطف و مہربانی — وے مصدرِ مہر و قدردانی

امروز بہ بزمِ آشنایان
مشغولِ سخن سخنوراں اند
گہ وصف ز کاکلِ نگار است
وصفے کہ بہ عارض است شایاں
تقریر ز حسنِ نازنیناں
گفتار ز چشمِ غمزہ پرداز
از شرحِ میانِ نازکِ یار
گاہے ز بیانِ خوش ادایاں
از حرفِ قدِ برنگِ شمشاد
اظہار ز خوبیٔ سراپا
القصہ چناں خوش انجمن ہست
از خوبی و لطف ہیچو محفل
دریافتہ صحبتِ سخن را
در خاطرم آرزوے آن است
کز لطف بپاسِ مہر و الفت
ایں وقت تو نیز زود آئی

صد فرحت و عشرت است شایاں
ہم صاحبِ فہم سامعانند
چنداں کہ عیاں بنفشہ زار است
چوں لمعۂ مہر و مہ نمایاں
عشق آورِ انجمن نشیناں
ہر دم بفسون و سحر ہمراز
حیرت لبیانِ موکمر دار
صد ناز بشوخیٔ فراواں
ہر مصرعۂ بیت سروِ آزاد
آراستہ در انجمن چمنہا
کز نزہتِ خرّمی چمن ہست
کیفیّتِ طرفہ ہست حاصل
افزائشِ زیبِ انجمن را
یک لحظہ نہ بلکہ ہر زمان است
وز راہ عنایت و محبّت
ہم شاد شوی و خوش نمائی

نمبر ۴ خط منظوم

صاحبا، الطاف سازا، مشفقا
بعد شوقِ صحبتِ عشرت نژاد
یاد ایامے کہ بے ایں دل فگار

در جہاں باشی سلامت دائما
بر ضمیرِ روشنت مکشوف باد
رہ نکردے در دلت صبر و قرار

گر درنگے در ملاقات آمدے
بر زبانت حرف ہیہات آمدے

می شدی گر لا علاج از من جدا
گریہ مے گشتی بہ چشمت آشنا

چوں برفتے بر زباں حرفِ فراق
خاطرت مے گشت از آرام طاق

بہر تسکینم گزشتے بر زباں
وعدہ ہا، صد قسم بالائے آں

حیف آں مہر و وفائے بر محل
شد بایں نامہربانی ہا بدل

یعنی از روزے کہ رفتی آں طرف
تا بدرِ مقصود خود آری بکف

نہ خطے، نہ رقعۂ لطف التیام
نہ پیامے، نہ دعائے، نہ سلام

پس ہماں رافت کہ می شد ہر نفس
شد یقیں بہر فریبم بود و بس

من بفہمِ آں کہ باشی باوفا
زاں ندامت گشتہ بودم مبتلا

جوش زد چوں در دلم بحرِ ملال
بر زباں ایں شعر آمد حسب حال

حیلہ گر را آشنا پنداشتم
سیم در زر را طلا پنداشتم

چوں ز فہم خود شدم خجلت پذیر
عقل در گوشِ دلم گفت اے نظیر

امتحاں ناکردہ کارے ساختن
خود بود خود را بدر انداختن

نمبر ۵ خط منظوم

نامۂ آں سروِ قامت گل بدن
در جوابِ خطِ شوق آمیزِ من

در زمانِ خوش دلے اصدار یافت
غم ز خاطر رفت، و شادی بار یافت

عشرتِ دیگر کہ صد فرحت فزود
آں کہ خطش دستخطِ خاص بود

بر سرِ نامہ چو نامِ آں نگار
در نظر آمد برنگِ نوبہار

لطفِ او بکشاد چوں راہے بچشم
گاہ بر سر داشتم گاہے بچشم

در سر و چشم پئے آں لطف کیش
صد کشاکش متصل شد بلکہ بیش

چون ز چشم و سر ستانیدم بزور
سستی در خاطرم انگند شور

گہ ہراس آن کہ این رنگین جواب
شعرِ لطف است یا حرفِ عتاب

گہ گمان این کہ آن ابرو کمان
ہست از من صاف دل یا بدگمان

گہ سرورِ صلح، گہ ترسِ جلال
گہ امیدِ لطف، گہ بیمِ ملال

گاہ خوف آن کہ طبعِ نازکش
گشتہ باشد از خطِ من رنج کش

گاہ رعب آن کہ در انشاے من
رفتہ باشد سہو در ربطِ سخن

الغرض بعدِ امید و بیم ہا
برکشادم آن نگارین نامہ را

چون نگاہ من بران گردید صرف
بود خط بحر نوازش حرف حرف

لفظ لفظش چون بخواندم برملا
خاطرم شد جمع و ہوش آمد بجا

باغ جانم از طرب گل گل شگفت
عشرت از ہر سو مبارک باد گفت

آرزو دارم کہ زینسان دائما
شاد باشم از عنایت نامہ ہا

تا بود بر آسمان مہرِ منیر
باد الطافِ تو بر جانِ نظیر

بعد از — مستی — مہر

نمبرے ذکر بہار و شکر پروردگار

بنازم بر الطافِ پروردگار
کہ از قدرت آورد فصلِ بہار

برنگینیِ صنعت اندر نگر
بآرایش قدرت او نگر

کجا شکرِ او گردد از ما ادا
بود گر زبانہا چو برگِ گیا

بود این ہمہ لطف از بہرِ آن
کہ تا شاد گردند ازان بندگان

پس اے بندگان لطف او بنگرید
بقدر وز شکرش بجا آورید

نمبر۸ صفتِ اکبرآباد

بود دائم دل باشندگاں شاد
عجب خاطر پسند و دل پذیراست

بدام آباد باشد اکبرآباد
زادی ساکنانِ او نظیر است

نمبر۹ صفتِ جمنا

ز جمنا عالمے صد عیش یاب است
ز آبش ماند ایں جا مثلِ گلشن

بخوبی خوش تراز بحر خوش آب است
چراغِ خضر تا سازند روشن

نمبر۱۰ صفتِ راہ

زہے عیش و عشرت زہے رسم و راہ
چو رنگیں کنند ہر صنم راہ را
بوصفِ چنیں راہ طبع نظیر
زہے را کہ لطفِ بتاں می رسد

کہ آید بہارے چنیں در نگاہ
بود ہمسرِ باغ ہم راہ را
چہ گوید جز ایں نکتۂ دل پذیر
بہارِ چمن کے یاں سے رسد

نمبر۱۱ صفتِ میلہ

عیاں صد خیلِ خوش حالی بہر جا
بہارِ خوش دلی ہر سو نمایاں

نشاط و عیش و خوش وقتی مہیا
ہجومِ عشرت و فرحت فراواں

نمبر۱۲ صفتِ روضۂ تاج گنج

فضائیش بہ بہار و نزہت افزا
بہر جا نرگس و نسریں مہیا

چنیں خوبی کہ از ہر سو عیاں است	ہمہ از دولت شاہ جہان است

نمبر ۱۳ صفت چراغ

جمالِ ہر چراغ آں طور رخشاں	گزاں خجلت برد لعلِ بدخشاں
زعکسِ شمعہا پیش تامّل	خم ہر موج مثلِ شاخ پُر گل

نمبر ۱۴ صفت دسہرہ

عیاں ہر جا بہار جامہ زیباں	نمایاں ناز و حسن دل فریباں
صفِ اہل تماشا زینت افزا	ہمہ اسباب خوش وقتی مہیّا
بروے نیلکنٹھ از ئین بہرہ	زہے فرحت فزا روزِ دسہرہ

نمبر ۱۵ صفت راس

چناں خوش حال گردیدم کہ در دل	نشاط و عیش و عشرت کرد منزل
برائے دیدنِ راسِ کمل نین	بیایم بعد ازیں بالراس والعین

ف: کنول

نمبر ۱۶ صفت شب مہتاب

چہ گویم وصفِ آں لیلِ منوّر	نگہ در بحرِ نور آمد شناور
ضیائے ماہ و حُسنِ خود پسنداں	بدلہا فرحت و عشرت دوچنداں

نمبر ۱۷ صفت گل بازی

بحسنِ دستِ ایں خوبانِ گل باز	زرنج دم بہ دم گل می کند ناز

دلم بہر مس دست دو گل رو　　بہ گل ہمراہ ے گردد بہر شو
بوقتِ از مژہ برداشتنہا　　چہ خواہہ گرد گل را زدو تنہا

نمبر ۸ اصفت بازی شطرنج

دو گل ہستند در منصوبہ سازی　　عجب سرمہرہ دار و سرفرازی
بساط از طرح صد عشرت یگانہ　　رخ فرحت عیاں در خانہ خانہ

نمبر ۹ اصفت دوالی

زشیرینی دکانہا زینت ارقام　　عیاں سیم و دگر با پستہ بادام
فراواں خوش دلے در ہر قیاسے　　نمایاں جابجا کھیلیں بتاسے
کسے خرما طلب از لطف یابی　　کسے مسرور برفی و گلابی
کسے دید از تلنگنی دل فریبی　　کسے خوش حال از لطفِ جلیبی
کسے مشغول نکد و سیو مٹھری　　کسے گجرے بکف بر دوش مٹھری
کسے را اسپ خواہش در تگ و تاز　　کہ گیرد اسپ خوش رنگ و پر از ساز
کسے را دل دریں امید داری　　کہ گیرد فیل با زریں عماری
کسے تکرار در گھڑ بہل خوشتر　　کسے را بحثِ طوطی بہر دیگر
کسے بہ خیال طبع عالی　　گرفت از شوق فانوسِ خیالی
بریں اشیائے بازی طرفہ و بہ　　خریداراں فراہم از کہ و مہ

نمبر ۲۰ - صفت راکھی

نمایاں عالمے با زینت و شاں　　ز راکھی زیب ہر ساعد فراواں

ازاں راکھی کہ در دستِ بتان است	بہار طرفہ بہر عاشقان است

نمبر۲۱ـ صفت نسبت

از جوش بہار زر فشانی و ز کثرت خلعتِ طلائی	دل ہا بہزار شادمانی سامانِ ہزار دل کشائی

نمبر۲۲ـ صحبتِ محبوبان

خوشا صحبتِ نازنینانِ حُسن کسے را کہ بخشش بہ فرخندگی است دلے را کہ اختر بلندی گر است رُخِ شاں کہ چوں مہ بہ تابندگی است	خوشا الفتِ مہ جبینانِ حُسن بایں دل فریباں سربندگی است بایں سرو بالا بتاں آشنا است نگاہے براں حاصل زندگی است

زہے طالعِ چشمِ من، اے نظیر
کہ می گردد از حسن شاں مستنیر

نمبر۲۳ـ بیان سراپاے معشوق فرضی پیش معشوقے دیگر

چہ گویم خوبیِ ادائے پری رو رُخِ او چوں مہ و ابرو چو شمشیر ز لعلِ او شکر در کامِ دلہا قدش نورستہ سرد باغِ خوبی ز سرتا پا عیاں شد طرزِ نیکو	نگاہش دل ستان و چشم جادو صفِ مژگان سناں کش غمزہ چوں تیر بدامِ زلفِ او آرامِ دلہا خرامِ او تدروِ باغِ خوبی ندارد زیں سراپا فرقِ یک مو

رباعیاں

صنعت تضمین میں

نمبر ۱

یک بار باں سمن برِ غنچہ دہن
بیمار کہ کرد نرگسِ شہلا را؟"
گفتم بہ نیاز و عجز "کاے رشکِ چمن
چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ "من"

نمبر ۲

آن شوخ پری زاد چو آمد بسخن
در دشت غزال را کہ آوارہ نمود؟"
گفتم کہ "فدائے زلف تو مشکِ ختن
چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ "من"

نمبر ۳

در بزم مے آمد آن بت نسریں تن
گفتم کہ "دل مرا سیہ مست کہ کرد؟"
در جام ز چہرہ گشت پرتو افگن
چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ "من"

نمبر ۴

آمد برِ من چو آن نگارِ پُر فن
گفتم بفسون "نظیر را محو کہ کرد؟"
جادو بہ نظر، بکاکل افگندہ شکن
چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ "من"

دیگر

نمبر ۵

در بزم چو آمد آن نگارِ رنگیں
بنشست بصد غرور و ناز و تمکیں
گفتم کہ "دمے گرد تو گردم اے شوخ"
فرمود "چہ خوش، تو لائقِ گفتنِ این"

نمبر ۶

آراست چو حسنِ خویش آن لعبت چیں
آن دم بزبانِ نرم و صد عجز قریں
گفتم کہ "سرِ زلف ترا دست کنم"
فرمود "چہ خوش تو لائقِ گفتنِ این"

نمبر ۷

آمد شب مہ چو آن مہ زہرہ جبیں
با عشرت و انبساط و زیب و تزئیں
گفتم کہ "بیا تو در برِ من یک دم"
فرمود "چہ خوش تو لائقِ گفتنِ این"

نمبر ۸

مالید مسی چو آن بتِ عشوہ گزیں
بنمود زبان و دہانِ خود را رنگیں
گفتم کہ "یکے بوسہ بگیرم ز لبت"
فرمود چہ خوش، تو لائقِ گفتنِ این

دیگر مسلسل

نمبر ۹

دل برد ز من چو نازنینے زیبا
پُر حیلہ، و پُر فریب، پُر ناز و ادا
گفتم کہ "دلم دہ" بہ تبسم فرمود
"البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۰

چون روزِ دگر بآن بتِ عشوہ نما
گفتم کہ نہ شد وعدہ وی روزِ وفا

بشنید و بخندید و بفرمودہ "امروز"		البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"
	نمبر ۱۱	
چوں بعد دو یاس پیش آں مہر لقا حالا چہ بخاطر است؟ "گفتا" بدہم		حاضر شدم و بگفتم "اے حیلہ گرا! البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"
	نمبر ۱۲	
چوں بعد زیاس زود مانندِ صبا اکنون چہ قرار؟ "گفت" نہ خواہی یافت		خوش رفتم و گفتمش کہ "اے مہر فزا، البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"
	نمبر ۱۳	
چوں بعد زساعتے برفتم آنجا "اندیشہ مکن کہ دل بدستت آید		گفتم کہ چنیں دیر مفرما، "گفتا: البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"
	نمبر ۱۴	
ہم بعد زلحظہ رفتیم و با غوغا فرمود کہ "بیش ازیں تعلل نہ شود		گفتم کہ چنیں لیت و لعل تا بکجا؟ البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"
	نمبر ۱۵	
ناچار زروے عجز گفتم او را چنداں طلبی، نظیرؔ، خواہم بہ تو گفت		"آں لحظہ بفرما کہ چہ باشد؟" گفتا "البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

خط بہ پیرایۂ رباعی

	نمبر ۱۶	
اے مشفقِ دوستاں اخلاق گزیں خوش وقت نمودی تو دلم را بسیار		یادآورِ یارانِ صداقت آئیں پیوستہ دل تو باد با عیش قریں

	نمبر	
	نمبر۱۷	
از شوق ملاقات توای لطف نشان بسیاری یادتست ہر لحظہ بدل		این است مگر بیانِ یک شمۂ آن تذکار تلطفِ تو ہر دم بزبان
	نمبر۱۸	
این نامۂ رنگین لطافت آمود رنگینی نقشِ چیں میانِ ہر چیں		رنگیں چمنے نمود از لطف، ورود معلوم چنیں شد کہ چنیں خواہد بود
	نمبر۱۹	
دریائخن سرور سامی خاطر تنشیط، سرور وعشرت و فرحت را		در محفلِ دل گرد زہر سو حاضر چندان کہ زبانِ خامہ از وے قاصر
	نمبر۲۰	
از لطفِ رُباعی کہ آمد برقسم ہر مصرعۂ او بخاطرم کرد دو چار		بر صفحۂ دل نمود از عیش رقسم عیش وطرب ونشاط وعشرت بہم
	نمبر۲۱	
چندان صفتِ حُسنِ صباحت ورزید کز جوشِ تجلیات ہر مصرعۂ آں		انوار معانیش بجائے برسید چوں مطلع مہر وخانہ مہ گردید
	نمبر۲۲	
از خوبیِ طبع تست حُسنِ اشعار گشت از تو دلم شاد ترا ہم باشد		وز ہر سخن تو زینت نظم اے یار صد عیش ونشاط وخوش دلی، بلکہ ہزار
	نمبر۲۳	
آیندہ بلطف آن بخوبی ہمزاد از مہر بنامہ چنیں تحفہ نظیر		امید ہمیں کہ بر شایانِ وداد ہم زود بیاد آید، وہم گردد شاد

بشنید و بخندید و بفرمود "امروز
البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۱

چوں بعد دو پاس پیش آں مہر لقا
حاضر شدم و بگفتم "اے حیلہ گرا!
حالا چہ بخاطر است؟" گفتا "بدہم
البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۲

چوں بعد زیاں زود مانندِ صبا
خوش رفتم و گفتمش کہ "اے مہر فزا!
اکنوں چہ قرار؟" گفت "نہ خواہی یافت
البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۳

چوں بعد ز ساعتے برفتم آنجا
گفتم کہ چنیں دیر مکن ما، گفتا:
"اندیشہ مکن کہ دل بدستت آید
البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۴

ہم بعد ز لحظہ رفتم و با غوغا
گفتم کہ چنیں لیت و لعل تا بکجا؟
فرمود کہ "پیش ازیں تعلل نہ شود
البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۵

ناچار ز روے عجز گفتم او را
"آں لحظہ بفرما کہ چہ باشد؟" گفتا
"چنداں طلبی، نظیر، خواہم بہ تو گفت
البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

خط بہ پیرایۂ رباعی

نمبر ۱۶

اے مشفقِ دوستاں اخلاق گزیں
یاد آورِ یارانِ صداقت آئیں
خوش وقت نمودی تو دلم را بسیار
پیوستہ دل تو باد با عیش قریں

نمبر ۱۷

از شوق ملاقات توای لطف نشان
این است مگر بیانِ یک شمّہ آن
بسیاری یادتست ہر لحظہ بدل
تذکار تلطفِ تو ہر دم بزبان

نمبر ۱۸

این نامۂ رنگین لطافت آمود
رنگیں چمنے نمود از لطف ورود
رنگینی نقش چیں میانِ ہر چیں
معلوم چنیں شد کہ چنیں خواہد بود

نمبر ۱۹

دریائے زمن سرور سامی خاطر
در محفلِ دل گرد زہر سو حاضر
انبسیط و سرور و عشرت و فرحت را
چندان کہ زبانِ خامہ از وے قاصر

نمبر ۲۰

از لطفِ رُباعی کہ آمد برقسم
بر صفحۂ دل نمود از عیش رقم
ہر مصرعۂ او بخاطرم کرد دو چار
عیش و طرب و نشاط و عشرت بہم

نمبر ۲۱

چندان صفتِ حُسنِ صباحت ورزید
انوار معانیش بجائے برسید
کز جوشِ تجلیات ہر مصرعۂ آن
چوں مطلع مہرِ خانہ مہ گردید

نمبر ۲۲

از خوبیِ طبع تست حُسنِ اشعار
وز ہر سخن تو زینت نظم اے یار
گشت از تو دلم شاد تراہم باشد
صد عیش و نشاط و خوش دلی، بلکہ ہزار

نمبر ۲۳

آیندہ بلطف آن بخوبی ہمزاد
امید ہمیں کہ برشایانِ و داد
از مہر بنامہ وچنیں تحفہ نظیر
ہم زود بیاد آید و ہم گردد شاد

نمبر ۲۴

رباعی مستزاد

ظاہر ز سراپای تو با صد تزئین ای باغ جمال ریحان و گل و نرگس و سرو و نسرین رنگین تمثال
اسرار چمن در چمن از فہم تو یار بکشاید دیر یک لحظہ دریں باغ بیاد خنبیں واکن نظری لکمال

نمبر ۲۵

رباعی سادہ

صد مہر تفقّد از پئے دل بُردن کردی چو ربودی نکنی لطفِ من
تا آمدن صید فریبِ صیّاد باشد پس ازان چہ کار با حیلہ و فن

نمبر ۲۶

دیگر

میلِ دلِ من بسوئے تو می باشد مہرِ تو بمن ز حسنِ خو می باشد
لطفے کہ محبّت دو جانب دارد در اہلِ وفا بسے نکو می باشد

واسوخت

(۱)

دوستاں شرحِ پریشانیِ من گوش کنید
گفتگوی من و حیرانیِ من گوش کنید
قصۂ بے سر و سامانیِ من گوش کنید
داستانِ غمِ پنہانیِ من گوش کنید

شرحِ ایں آتشِ جانسوز نگفتن تا کے
سوختم سوختم ایں سوز نہفتن تا کے

روزگارے من و دل ساکنِ کوئے بودیم
عقل و دیں باختہ دیوانۂ روئے بودیم
تابعِ خوئے بتِ عربدہ جوئے بودیم
بستۂ سلسلۂ سلسلہ بوئے بودیم

کس دراں سلسلہ غیر از منِ دلبند نبود
یک گرفتار ازیں جملہ کہ ہستند نبود

ایں ہمہ مشتری و گرمیِ بازار نداشت
نرگسِ غمزہ زنش ایں ہمہ بیمار نداشت
یوسفی بود ولے ہیچ خریدار نداشت
سنبلِ پرشکنش ہیچ گرفتار نداشت

اول آنکس کہ خریدار شدش من بودم

باعث گرمی بازار شدش من بودم

عشق من شد سبب خوبی رعنائی او — داد رسوائی من شهرهٔ زیبائی او
بسکه گردم همه جا شرح دل افزائی او — شهر پر گشت ز غوغائے تماشائی او

این زماں عاشق سرگشته فراواں دارد
کے سر و برگ من بے سر و ساماں دارد

چاره نیست برآرم بر ازیں رائے دگر — که دهم جائے دگر دل بدل آرائے دگر
چشم خود فرش کنم زیر کف پائے دگر — بر کف پائے دگر بوسه زنم جائے دگر

بعد ازاں رائے من انیست همیں خواهد بود
من بریں هستم و البته چنیں خواهد بود

پیش تو یار نو و یار کهن هر دو یکیست — حرمت مدعی و حرمت من هر دو یکیست
قول زاغ و غزل مرغ چمن هر دو یکیست — ناله بلبل و فریاد زغن هر دو یکیست

تو ندانسته که قدر همه یکساں نه بود
زاغ را مرتبه مرغ خوش الحاں نه بود

[illegible] چنین ست پے کار دگر باشم به — چند روزے پے دلدار دگر باشم به
مرغ خوش نغمهٔ گلزار دگر باشم به — عندلیب گل رخسار دگر باشم به

نو گلے کو که شوم بلبل دستاں سازش
سازم از تازه جوانان چمن ممتازش

آنکه در جانم ازو دمبدم آزارے هست — میتواں یافت که از من بدلش بارے هست
از من و بندگی من اگرش عارے هست — بفروشد که به گوشه خریدارے هست

به وفاداری من نیست دریں شهر کسے
بندهٔ همچو مرا هست خریدار بسے

مدتے در رہِ عشق تو دویدیم بس ست ‏— راہ صد بادیہ بیدا و بدیدیم بس ست
قدم از راہ طلب باز کشیدیم بس ست ‏— اول و آخرِ ایں مرحلہ دیدیم بس ست

بعد ازیں ماہ سر کوئے دل آرائے دگر
بر غزالی غزل خوانی و غوغائے دگر

اے پسر چند بکام دگرانت بینم ‏— سرخوش و دست ز جام دگرانت بینم
مایۂ عیش مدام دگرانت بینم ‏— ساقیِ مجلسِ عام دگرانت بینم

تو چہ دانی کہ شدی یار بہ بے باکی چند
چہ ہوسہا کہ ندارم بہ ہوسناکی چند

تو پندار کہ مہر از دلِ پر خوں نہ رود ‏— آتشِ عشق بجاں افتد و بیروں نہ رود
ایں محبت بصد افسانہ و افسوں نہ رود ‏— چہ گمان غلط ست ایں نرود چوں نرود

چند کس از تو و یاران تو آزردہ نہ بود
دوزخ از سردیِ ایں طائفہ افسردہ نہ بود

بار ایں طائفہ رخانہ بر انداز مباش ‏— از تو حیف ست بایں طائفہ دمساز مباش
میشوی شہرہ بایں فرقہ ہم آواز مباش ‏— غافل از لعبِ حریفانِ دغا باز مباش

بہر کہ مشغول بایں شغل نسازی خود را
ایں نہ کاریست مبادا کہ ببازی خود را

در کمینِ تو بسے عیب شماراں ہستند ‏— سینۂ پر کینہ ز تو سینہ فگاراں ہستند
داغ بر سینہ ز تو کینہ گذاراں ہستند ‏— غرض اینست کہ در قصد تو یاراں ہستند

باش مردانہ کہ ناگاہ قفائے نہ خوری
واقفِ میکشی خود باش کہ پائے نہ خوری

گرچہ از خاطرِ وحشی ہوسِ روئے تو رفت ‏— از دلش آرزوئے قامتِ دلجوئے تو رفت

دلِ آزردہ و آزردہ دل از کوئے تو رفت۔ | یا دل پُر گلہ از ناخوشی خوئے تو رفت

حاشا للہ کہ وفائے تو فراموش کند
سخن مصلحت آمیز کساں گوش کند

ایضاً

(۲)

اے گل تازہ کہ بوئے ز وفا نیست تُرا
التفاتے با سیرانِ بلا نیست۔ تُرا
رحم بر بلبلِ بے برگ و نوا نیست تُرا
خبر از سرزنش خارِ جفا نیست تُرا
ما اسیر تو و اصلا غم ما نیست ترا
بر اسیر غمِ خود رحم چرا نیست تُرا

فارغ از عاشقِ غمناک نمی باید بود
جانِ من ایں ہمہ بے باک نمی باید بود

ہمچو گل چند بروئے ہمہ خنداں باشی
آں زماں با دگراں دست و گریباں باشی
زاں میندیش کہ از کردہ پشیماں باشی
ہمرہِ غیر بہ گلگشتِ گلستاں باشی
جمع با جمع نہ باشند، پریشاں باشی
یاد حیرانی ما آری و حیراں باشی

ما نبا شیم کہ باشد کہ جفائے تو کشد؟
بجفا سازد و صد جور برائے تو کشد؟

شب بکاشانۂ اغیار نمی باید بود
ہمرہِ غیر بہ گلزار نمی باید بود
تشنۂ خونِ منِ زار نمی باید بود
ہمہ جا با ہمہ کس یار نمی باید بود
غیر را شمع شب تار نمی باید بود
تا بایں مرتبہ خونخوار نمی باید بود

من اگر کشتہ شوم باعثِ بدنامی تست

موجب شهرت بے باکی و خود کامی تست

دیگرے جز تو مرا این همه آزار نه کرد
آنچه کردی تو بمن هیچ ستمگار نه کرد
هیچ کس این همه آزار من زار نه کرد

چوں تو کس در نظر خلق مرا خوار نه کرد
این ستمها دگرے با من بیمار نه کرد
هیچ سنگین دلِ این کار بمن کار نه کرد

گر ز آزردن من هست غرض مردن من
مردم، آزار مکش از پے آزردن من

جانِ من سنگدلی، دل به تو دادن غلط است
بسر راه تو چوں خاک فتادن غلط است
رفتن اولی است ز کوے تو، ستادن غلط است

چشم امید بروے تو کشادن غلط است
روے تر کرده بروے تو نهادن غلط است
جانِ شیریں به تمنائے تو دادن غلط است

چوں نه دانی که غم عاشق زارت باشد
چوں شود خاک بر آں خاک گذارت باشد

مدتے هست که مے دانم و تدبیرے نیست
از غمت سر به گریبانم و تدبیرے نیست
از برائے تو پریشانم و تدبیرے نیست

همچو زلف تو پریشانم و تدبیرے نیست
چوں دل رفته ز دامانم و تدبیرے نیست
چه توان کرد که حیرانم و تدبیرے نیست

شرح درماندگی خود به که تقریر کنم
عاجزم، چاره من نیست، چه تدبیر کنم

نخل نوخیز گلستانِ جهاں بسیار است
با لب همچو شکر تنگ دهاں بسیار است
جانِ من همچو تو غارتگرِ جاں بسیار است

گل این باغ و چمن، سرو رواں بسیار است
ترک زرّیں کمر و موے میاں بسیار است
نه که غیر از تو جواں نیست، جواں بسیار است

دیگرے این همه آزار به عاشق نه کند
قصد آزردنِ یارانِ موافق نه کند

مدتے شد کہ در آزارم و نی دانی تو
از غم عشق تو بیمارم و نی دانی تو
از برائے تو چنیں زارم و نی دانی تو

بہ کمند تو گرفتارم و می دانی تو
خونِ دل از مژہ می بارم و می دانی تو
چہ تواں کرد در آزارم و می دانی تو

تا بہ کے از ستم و جورِ تو دل خوں باشم
از مژہ خونِ جگر ریزم و محزوں باشم

ملکن آں طور کہ شرمندہ شوم از خویت
دیدہ پوشم ز تماشائے رخِ نیکویت
دست بر دل نہم و پائے کشم از کویت

نہ کنم بار دگر یاد قصدِ دل جویت
سخنے گویم و شرمندہ شوم از رویت
گوشہ گیرم و من بعد نیایم سویت

بشنو پند، مکن قصدِ دل آزردۂ خویش
ورنہ بسیار پشیماں شوی از کردۂ خویش

چند صبح آیم و از خاکِ درت شام روم
بہ سرِ راہِ تو آیم، نہ شوی رام، روم
دور و درانِ تو من تیرہ سر انجام روم

از سرِ راہِ تو چوں خاک بنا کام روم
صد دعا گویم و آزردہ بہ دشنام روم
نبود زہرہ کہ ہمراہ تو یک گام روم

کس چرا ایں ہمہ سنگیں دل و بدخو باشد
جانِ من ایں روشے نیست کہ نیکو باشد

از چہ با من نہ شوی یار، چہ می پرہیزی؟
حرف زن اے بتِ خونخوار، چہ می پرہیزی؟
نہ حدیثے کنی اظہار، چہ می پرہیزی؟

یار شو با منِ بیمار، چہ می پرہیزی؟
کیست مانع ز منِ زار، چہ می پرہیزی؟
بہ کشا لعلِ شکر بار، چہ می پرہیزی؟

گر ترا الفت کہ با من ز وفا حرف مزن؟
ہمیں برابر و زن و یک بار با حرف مزن

دردِ من کشتۂ شمشیرِ بلا می داند

سوزِ من سوختۂ داغِ جفا می داند

پاک بازم، ہمہ کس طورِ مرا می داند
مسکنم ساکنِ صحرائے فنا می داند

عاشقے ہمچو منت نیست خدا می داند
ہمہ کس حالِ من بے سر و پا می داند

چارۂ من کن و مگذار کہ بے چارہ شوم
سرِ خود گیرم و از کوئے تو آوارہ شوم

از سرِ کوئے تو با دیدۂ تر خواہم رفت
تا نظر می کنی از پیشِ نظر خواہم رفت
گر نہ رفتم ز درت شام و سحر خواہم رفت

چہرہ آلودہ بخونِ نابِ جگر خواہم رفت
نگہ این بار چو ہر بارِ دگر خواہم رفت
وے بازآمدنم نیست، اگر خواہم رفت

از جفائے تو من زار بر فتم رفتم
لطف کن لطف کہ ایں بار بر فتم رفتم

ختم شد کلیاتِ نظیر اکبرآبادی

خاتمة الطبع

قارئین کو یاد ہوگا کہ کلیات نظیر کا دسواں ایڈیشن فروری ۱۹۲۶ء میں معمولی بادامی کاغذ پر چھپکر شائع ہوا تھا اور حجم و سائز بھی پیش نظر ایڈیشن کے مقابلہ پر تقریباً آدھا یعنی ۱۸×۲۲/۸ سائز کے فقط ۴۲۸ صفحوں پر مشتمل تھا اور لطف یہ ہے کہ ایک عرصہ سے وہ بھی اب کہیں نہیں مل رہا تھا اور ہم طے کر چکے تھے کہ اب جب بھی وطن کے اس جلیل القدر شاعر کا دیوان شائع کیا جائے تو کوشش کر کے وہ تمام کلام جو متفرق طور پر ادھر ادھر بکھرا ہوا ہے اب تک کہیں اکٹھا نہیں ہو سکا ہے اس میں شامل کر دیا جائے اور ترتیب طباعت وغیرہ بھی ایسے معیار پر کرائی جائے کہ بازار میں آجانے پر دور حاضر کی ایک اعلیٰ کتاب اور نمونے کا لٹریچر قرار دیا جا سکے چنانچہ اسی نقطۂ نظر کے ماتحت جمع و ترتیب کا کام چھیڑ بھی گیا مگر بدقسمتی سے قدم قدم پر مسلسل کچھ ایسے حوادث پیش آتے رہے کہ آج ہم اسے اپنے حلقۂ اشاعت میں پیش کرتے ہوئے بھی انتہائی شرم و ندامت محسوس کر رہے ہیں پھر بھی ہمیں یقین ہے کہ ملک کے مشہور ادیب و انشا پرداز حضرت مولانا عبد المومن صاحب فاروقی فاضل علوم مشرقیات نے اسکے شروع میں نظیر اور کلام نظیر پر جو ایک سیر حاصل اور گرانقدر تبصرہ فرما دیا ہے اس سے بہت سی کوتاہیوں کی بڑی حد تک تلافی ہو جائیگی بہر حال موجودہ کلیات نظیر جس حیثیت اور جس انداز میں بھی ہو سکا ہے اپنے شائقین کی خدمت میں حاضر ہے اور قوی توقع ہے کہ تیج کمار بکڈپو کے مالک منشی نولکشور صاحب بہارگوا کے پرپوتے عالیجناب کنور تیجکمار صاحب بہارگوا وارث مطبع و کتب خانہ نول کشور لکھنؤ و کانپور کے تابناک و زرین دور عمل میں اب ہمیشہ بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ لٹریچر پیش ہوتا رہے گا۔

فقط

منجانب تیجکمار بکڈپو پرائیویٹ لمیٹڈ ۱۸۵ لکھنؤ